اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

شرح اسمائے حسنیٰ جلد اوّل

★ قرآن کریم و احادیثِ نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمۂ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
★ ہر اسمِ مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اِس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب
شیخ الحدیث و بانی جامعہ امداد العلوم پشاور

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

جمع و ترتیب
محمد حنیف عبدالمجید عفی عنہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بیت العلم ٹرسٹ کراچی

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

اسمائے حسنیٰ جلد اوّل

★ قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے حسین تعریفات
★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
★ ہر اسم مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم پشاور

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

جمع و ترتیب
محمد حنیف عبدالمجید
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلم ٹرسٹ
دوکان نمبر 1، قدامنزل، گوالی لین نمبر 3، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 32726509

besturdubooks.wordpress.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں

بشکریہ: بیت العلم

اردو بازار، کراچی۔

کتاب کا نام:................ شرح اسمائے حسنیٰ (جلد اول)

تاریخ اشاعت:............. رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق جون ۲۰۱۲ء

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون:32726509-21-92+ موبائل:2583199-322-92+

ویب سائٹ:www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار لاہور۔	فون: 37112356-42-92+
☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔	فون: 37228196-42-92+
☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔	فون: 4544965-61-92+
☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔	فون: 5771798-51-92+
☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔	فون: 662263-81-92+
☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔	فون: 5625850-71-92+
☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹکی گھٹی، حیدرآباد۔	فون: 3640875-22-92+

نوٹ: یہ کتاب اب آپ ادارۃ السعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے سیلز و مارکیٹنگ:32726508-21-92+,2645540-312-92+,3647578-312-92+

لاہور:4472693-315-92+,4361131-321-92+

besturdubooks.wordpress.com

شرحِ اسمائے حُسنیٰ (جلدِ اوّل)

besturdubooks.wordpress.com

الأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

بِمَوْقِفِ ذُلِّيْ دُوْنَ عِزَّتِكَ الْعُظْمٰى   بِمَخْفِيِّ سِرٍّ لَا أُحِيْطُ بِهٖ عِلْمًا
تیری عظیم ذات کے سامنے عجز وانکساری کے اظہار کے ذریعہ   ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِإِطْرَاقِ رَأْسِيْ، بِاعْتِرَافِيْ بِذِلَّتِيْ   بِمَدِّ يَدِيْ، أَسْتَمْطِرُ الْجُوْدَ وَالرُّحْمٰى
اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے   دستِ سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى الَّتِيْ بَعْضُ وَصْفِهَا   لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّثْرَ وَالنَّظْمَا
آپ کے ان اسمائے حسنٰی کے وسیلے سے جس کی عظمت کے   تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِعَهْدٍ قَدِيْمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ   بِمَنْ كَانَ مَكْنُوْنًا فَعُرِّفَ بِالْأَسْمَا
عہد أَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے   اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنٰی سے جانی گئی

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأُنْسِ يَامَنْ إِذَا سَقٰى   مُحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا
ہمیں بھی شراب محبت پلا اے وہ عظیم ذات   کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲۱۹)

بِاللّٰهِ يَا نَاظِرًا فِيْهِ وَ مُنْتَفِعًا
مِنْهُ سَلِ اللّٰهَ تَوْفِيْقًا لِّجَامِعِهٖ
وَقُلْ اَنِلْهُ اِلٰهَ الْعَرْشِ مَغْفِرَةً
وَاقْبَلْ دُعَاهُ وَجَنِّبْ عَنْ مَّوَانِعِهٖ
وَخُصَّ نَفْسَكَ مِنْ خَيْرٍ دَعَوْتَ بِهٖ
وَمَنْ يَّقُوْمُ بِمَا يَكْفِيْ لِطَابِعِهٖ
وَالْمُسْلِمِيْنَ جَمِيْعًا مَّا بَدَا قَمَرٌ
اَوْ كَوْكَبٌ مُّسْتَنِيْرٌ مِّنْ مَّطَالِعِهٖ

besturdubooks.wordpress.com

منفرد علمی اور دینی تحفہ

"شرحِ اسمائے حُسنیٰ[۱]"

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفہ میں پیش کر کے ہم "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا"[۱] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنیٰ: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقے ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں

---

[۱] موطّا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ۷۰۶، ۷۰۷

besturdubooks.wordpress.com

معاون و مددگار بنیے۔

④ کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی باعمل بھی ہوں گے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب ھدیہ میں دے کر اس کا فائدہ عام کر دیں، مطالعہ کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمارا یہ ھدیہ ان شاء اللہ بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتا پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتا لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

From مِنْ

....

....

To إِلٰی

....

....

besturdubooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... ہم نے اس کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو ازراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ''خط'' دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

besturdubooks.wordpress.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

❶ اگر ممکن ہو تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت وعظمت میرے دل میں بٹھا دے، اور کتاب پڑھتے ہوئے آسانی اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کئے نہیں اُٹھایا کرتے تھے۔
لہٰذا ''اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح'' کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ باوضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔

❷ نیز مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔
اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللّٰہ ضرور نصیب ہوگا۔

❸ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللّٰہ فائدہ ہوگا۔

❹ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الٰہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

❺ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست واحباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللّٰہ سب کا فائدہ ہوگا۔

besturdubooks.wordpress.com

فہرستِ مضامین

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

Muhammad Hassan Jan
Sheikul Hadish, Jamia Imdaadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A.(Gold Medalist) Peshawar University
Voice President Wifaq Almadaris
Ex.Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office:271497 Res:844302

محمد حسن جان
شيخ الحديث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر باكستان
(خريج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
الماجستير من جامعة بشاور
نائب رئيس وفاق المدارس
عضو البرلمان الوطني سابقاً
عضو مجلس الفكر الاسلامي بجمهورية باكستان الاسلامية سابقاً
هاتف الجامعة:٢٧١٤٩٧ هاتف المنزل:٨٤٤٣٠٢

Ref No:
Date: ٧/٣/٢٠٠٦ء
١٠/٢/١٤٢٧ھ

تصدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَنَحْنُ نَدْعُوْهُ بِهَا. وَصَلَاتُهُ وَسَلَامُهُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰى مَنِ اقْتَدٰى بِسِيْرَتِهٖ وَاهْتَدٰى:

وَبَعْدُ! فَإِنَّ هٰذَا الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَيْنَ يَدَيْكَ أَيُّهَا الْقَارِى الْكَرِيْمِ. كِتَابٌ قَيِّمٌ وَصَحِيْفَةٌ عِلْمِيَّةٌ نَيِّرَةٌ، أَوْضَحَ فِيْهِ أَخُوْنَا فِي اللّٰهِ تَعَالٰى "مُحَمَّد حَنِيْف" -اَلْمُحْتَرَمُ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- أَسْمَآءَ اللّٰهِ الْحُسْنَى الَّتِي وَرَدَتْ فِى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَشَرَّحَهَا مُفَصَّلاً، وَاعْتَنٰى بِكَلِمَاتِهَا وَمِيْزَاتِهَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا اهْتَمَّ بِهٖ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وِرْدِهَا وَذِكْرِهَا، وَفِي مَا جَعَلُوْهُ لِحَلِّ مَشَاكِلِهِمِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْأُخْرَوِيَّةِ فِى التَّوَسُّلِ بِهَا، وَمَا بَيَّنُوْا مِنْ مَّعَالِمِ الْهِدَايَةِ فِيْهَا لِلْأُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِي جِدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِهِ الْبَرَّاقَةِ مِنْ نَظْرِى الْفَاتِرِ فِي عُجْلَةِ الْمُسْتَوْفِزِ. وَأَرْجُو اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى أَنْ يَّنْفَعَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَةَ مِنَ الطَّلَبَةِ، وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ مِمَّنْ طَالَعُوْهُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزْمِ الْإِسْتِفَادَةِ مِنْ أَضْوَائِهٖ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَأَنْ يَّجْعَلَهُ وَسِيْلَةً لِنَجَاةِ الْمُؤَلِّفِ الْمُحْتَرَمِ وَ إِخْوَانِهِ الَّذِيْنَ سَاعَدُوْهُ فِي جَمْعِهٖ وَطَبْعِهٖ وَذُخْراً لِعِقَابِهِمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ وَهُوَ وَلِيُّ ذٰلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ.

اخوكم في الله
محمد حسن
جان

besturdubooks.wordpress.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی اُستاذ، مثالی ماں، تحفۂ دلہن اور تحفۂ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطورِ خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے ''اسمائے حسنیٰ'' کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہوسکتا ہے۔

اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنی لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ''اَلسَّلَامُ'' کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

(مولانا) ابن الحسن عباسی (صاحب)

besturdubooks.wordpress.com

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ عفا اللہ عنہ
استاد حدیث و تفسیر و فقہ واصول فقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمرؓ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

Moulana Hafiz Qari Miftahullah
USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,
Allama Banuri Town, Karachi-5.
KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER
Federal 'B' Area, Block No. 20,
Karachi-Pakistan.

DATE ۰۱ - ۰۹ - ۱۴۲۶

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال واشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اُورا در دلش اندا ختند١

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ''تحفۂ دلہن''، ''تحفۂ دولہا''، ''والدین کی قدر کیجئے''، مقبولِ عام وخاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیرِ نظر تصنیف ''اسمائے حسنیٰ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے مفید بنائے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسمائے مبارکہ سے متعلق ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول ونافع بنائے، آمین ثم آمین۔

مفتاح اللہ
یکم رمضان المبارک
۱۴۲۶ھ

١ ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔''

besturdubooks.wordpress.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

احقر نے برادر مکرم مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں، آمین۔

احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ
جامعہ دارالعلوم کراچی (۱۴/۱۸۰)
۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

besturdubooks.wordpress.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ طبعِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ:

انسانی مزاج میں تحقیق وجستجو کا عنصر غالب ہے اور یہی عنصر اسے مختلف چیزوں کی تلاش وجستجو کی طرف راغب کرتا ہے۔ اب جس ذات باری جل جلالہ نے انسان کو پیدا فرمایا، ساتھ ہی اس کی طبائع ومزاج اور ضروریات کا لحاظ کر کے تمام نعمتیں اور سہولتیں مہیا فرمائیں، بجائے اس کے کہ کسی اور کی جستجو وتحقیق میں وقت برباد کیا جائے، وہ اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے کہ اس کی معرفت دل میں بٹھائی جائے۔ قرآنِ حکیم اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے موافق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور ان کے اوامر ونواہی کے مطابق حیاتِ طیبہ وصالحہ گزاریں۔

معرفتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ یہ اسمائے حسنیٰ بھی ہیں جس میں بلاشبہ ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے۔ اب جتنا انسان ان ناموں کو پہچانے گا اور قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے معرفت حاصل کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا یقین پختہ اور مضبوط ہوتا جائے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی کا کام بھی اٹکا ہوا ہو تو وہ پریشان مارا مارا پھرتا ہے۔ ایسے میں کوئی کہتا ہے: ”فلاں صاحب سے میری جان پہچان ہے میں کہہ دوں گا تو تمہارا کام کر دے گا۔“ اتنی جان پہچان اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو جائے کہ بندہ کا دھیان ہر (حاجت وضرورت کے) وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہے۔ بندے کو شرم آئے کہ میں اس رب کریم کے علاوہ اپنی حاجت کسی اور کے پاس لے کر جاؤں......! اس کے علاوہ جس دوسرے کے پاس جاؤں گا اس کے پاس بھی اسی اللہ کا دیا ہوا ہے، کیوں نہ میں بھی اسی معطی ورزّاق اور ربُّ العٰلمین سے مانگوں، جس نے اس کو دیا ہے وہ مجھے بھی دے گا۔

اللہ ربُّ العزت کی یہ معرفت اور پہچان حاصل ہو جائے تو پھر شرک کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اسی معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے مبارکہ سے پکارے، خود ہی اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا﴾[1]

حضرت مفتی شفیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وتسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات ومصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے حمد وثناء کرو تو اس کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے پکارو تو اسی کو پکارو اور پکارنے کا طریقہ بھی یہ بتلا دیا کہ ان ہی اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلیں (بل کہ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہے اور یہ اس کی شایانِ شان ہیں، ان ہی کے ساتھ پکارو)۔“[2]

[1] الاعراف: ۱۸۰

[2] معارف القرآن: ۱۳۰/۴، الاعراف: ۱۸۰

besturdubooks.wordpress.com

"عُمْدَةُ الفقه" میں حضرت مولانا زوّار حسین شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"ارباب حقائق لکھتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلق اور تشبیہ حاصل کرے، تا کہ ان اسماء کی تجلیات کی بدولت اسفل سافلین کے گڑھے سے نکل کر اعلیٰ علیین کے مقام کو پہنچ جائے، چوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "رَبُّ الْعٰلَمِیْن" ہے تو بندہ بھی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے اور وہ "اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن" ہے تو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ رأفت و رحمت سے پیش آئے اور اسی طرح صفات مختصرہ کے علاوہ ہر ہر صفت کا مظہر بننے کی کوشش میں لگا رہے، تا کہ صحیح معنی میں رضائے الٰہی کا مصداق ہو۔"

اس چیز کی حقیقت دل میں بٹھانے کی غرض سے یہ ضعیف سی کوشش کی گئی ہے، جس کے لئے "اسمائے حسنیٰ" کی دونوں جلدوں میں درج ذیل ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے:

1. اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔
2. قرآنِ کریم کی جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے ان میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔
3. قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ کی تشریح۔
4. اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایمان افروز واقعات اور مواعظِ حسنہ۔
5. ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔
6. ہر اسم کے آخر میں اللہ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد و نصائح۔
7. کتاب میں ذکر کی جانے والی دعاؤں اور واقعات کی دونوں جلدوں کے آخر میں مستقل فہرست۔

تاہم یہ کام پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق الٰہی کے ساتھ مخلص احباب کی ایک جماعت اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی۔ خاص کر شروع کی تصحیح میں مولانا محمد فوزان اور مولانا غلام مصطفیٰ کے تعاون کا ممنون ہوں۔ ان حضرات کے بعد بھائی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ) کے زیرِ نگرانی مولانا ریاض احمد صاحب، مولانا ارشد محمود صاحب اور مولانا ارشد اقبال صاحب نے اس کتاب پر مزید محنت کی، کتاب میں اضافے کئے، حوالہ جات کی از سرِ نو تخریج و تحقیق کی اور اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ ہر بات مدلل ہو اور اس کے اصل مرجع کو ذکر کیا جائے، اور نہایت ہی عرق ریزی سے کتاب کو جدید طرز کے اسلوب میں ڈھالا، ان حضرات کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی معرفت بٹھا دے اور اس کتاب کو ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

آپ کی دعاؤں کا طالب:

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

besturdubooks.wordpress.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ طبع ثانی

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحی: ۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح وتفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ و والدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدْ جُدْتَّ اِنْعَامًا عَلَيَّ وَمِنَّةً وَفَضْلاً وَّاِحْسَانًا فَهَا أَنَا شَاكِرٌ[1]

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین و آسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کارخانۂ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،......وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت وعبادت اور تعظیم واحترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطۂ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا ...... اچھائی کی قدر کرنے والا ...... رحم کرنے والا ...... انصاف کرنے والا ...... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا......اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا والتجا کرنے اور کسی کو کارساز ومشکل کشاء سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض ومعاملات کی تفصیل بیان کی ہے۔

---

[1] ترجمہ: ''بلاشک وشبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کردی ہے، لیجئے میں آپ کے عظیم وعالی دربار میں شکر کرنے آپہنچا۔''

besturdubooks.wordpress.com

سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اُردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض بتوفیقِ الٰہی ہم سے لیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہو چکی ہیں کہ اسمائے حسنیٰ سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اُردو زبان میں کم ہوا تھا۔ بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اب یہ کام مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنہوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح و تخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ ربّ العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ''اسمائے حسنیٰ'' سے حاصل ہونے والے اخلاق و صفات آ جائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزارہا انسانی مسائل کا حل اسمائے حسنیٰ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض و برکات، انوار و اسرار اور اخلاق و آثار نصیب فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵ ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

besturdubooks.wordpress.com

اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ

لفظ ''اَللّٰہُ'' اسمِ ذات ہے جس کے معنی ہیں ''وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔''

اللہ، اللہ، اللہ، کیا ہی شیریں کلمہ، کیا ہی عمدہ نام ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی بڑائی کا بھی کیا کہنا، بولنے میں یہ کلمہ شیریں، کانوں میں رس گھولنے والا، دل کو محبوب، دھڑکن سے ملا ہوا، موجودات میں پنہاں، دلوں میں منقوش، ضمیر میں جاگزیں اور خون میں رچا بسا ہوا ہے۔

اسی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم ابتداء کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں، اسی کی عظمت کی ہم دُھائی دیتے ہیں، اسی کی بڑائی سے ہم ایمان کی مضبوطی حاصل کرتے ہیں، اسی کی صفات کو ہم محبت سے بیان کرتے ہیں، اور اس کے نبی محمد ﷺ پر ہم درود بھیجتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ ہی وہ ذات ہے جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ہمیں سرفراز کیا، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ دکھلائی اور ہمیں سکھلایا کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کریں، لہٰذا اُن ہی کا ارشاد ہے کہ ''تمہارا ربّ ثنا کو پسند کرتا ہے۔''

انسان کی پیدائش، اس کی قوتِ گویائی اور اس کا علم، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے، اس کی بزرگی بیان کرنے، اس کی تسبیح اور اس کا ذکر کرنے ہی کے لئے تو ہے۔

اس سے زیادہ مستحقِ تعریف کون ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر قابلِ مدح کون ہوسکتا ہے؟
اور اس سے بڑھ کر لائقِ بزرگی کون ہوسکتا ہے؟ (ہرگز ہرگز کوئی بھی نہیں ہوسکتا)۔[1]

---

[1] اَللّٰہُ، اَللّٰہُ، اَللّٰہُ، مَا أَعْذَبَ الْكَلِمَةَ، اَللّٰہُ مَا أَحْسَنَ الإِسْمُ، مَاأَجَلَّ الْمُسَمّٰى، كَلِمَةٌ حُلْوَةٌ فِي النُّطْقِ، عَذْبَةٌ فِي السَّمْعِ، حَبِيبَةٌ إِلَى الْقَلْبِ، قَرِيبَةٌ مِّنَ النَّفْسِ، سَاكِنَةٌ فِي الْوُجْدَانِ، مَنْقُوشَةٌ فِي الْفُؤَادِ، مَحْفُورَةٌ فِي الضَّمِيرِ، مُمْتَزِجَةٌ بِالدِّمَاءِ، بِاسْمِهٖ نَبْدَأُ وَعَلَيْهِ نَتَوَكَّلُ، وَ إِلَيْهِ نَلْجَأُ، وَبِعَظَمَتِهٖ نَشْدُوْ، وَبِجَلَالِهٖ نَشِيْدُ، وَبِصِفَاتِهٖ نَتَرَنَّمُ، وَعَلٰى نَبِيِّهٖ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ. فَهُوَ الَّذِيْ دَعَانَا إِلَى اللّٰهِ...... وَعَرَّفَنَا بِاللّٰهِ........ وَدَلَّنَاعَلَى اللّٰهِ........ وَعَلَّمَنَا كَيْفَ نُثْنِيْ عَلَى اللّٰهِ (فَهُوَ الْقَائِلُ أَمَا إِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الثَّنَاءَ) وَالْقَائِلُ (وَلَاأَحَدَ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ) ......، وَهَلْ أَحَدٌ أَحَقُّ بِالثَّنَاءِ مِنْهُ؟ وَهَلْ خُلِقَ الإِنْسَانُ، وَأُعْطِيَ اللِّسَانُ وَعُلِّمَ الْبَيَانُ إِلَّا لِيُثْنِيَ عَلَى اللّٰهِ وَيُمَجِّدَاللّٰهَ، وَيُسَبِّحَ اللّٰهَ وَيَذْكُرَ اللّٰهَ؟ مَنْ أَحَقُّ بِا لثَّنَاءِ مِنْهُ وَمَنْ أَوْلٰى بِالْمَدْحِ مِنْهُ وَمَنْ أَجْدَرُ بِالتَّمْجِيْدِ مِنْهُ؟ (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد": ۳)

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا رب ہے، وہ رحم کرنے میں سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، سب سے زیادہ قدرت والا، فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط فیصلہ کرنے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسی کے قبضے میں نفع ونقصان ہے۔ درحقیقت وہی سب سے پہلے موجود تھا، فطرت یعنی اپنی تخلیقات سے وہ پہچانا جاتا ہے اور تمام عقلیں اس کے وجود کا اقرار کرتی ہیں، بل کہ ہر موجود شئے اس کے وجود کی دلیل ہے۔ تمام مخلوقات اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر گواہ ہیں اور انسانی فطرت اس کا اقرار کرتی ہے۔ ہر حرکت وسکون اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے پر دلیل ہے، اس طرح وہ تمام چیزیں جو تھیں، جو ہیں، اور جو ہوں گی، سب کی سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اسی پانی کے ذریعے مختلف اقسام کی کھیتیاں خوب صورت باغات اُگائے اور اس پانی کو ذریعۂ حیات بنا کر تمام مخلوقات کو زمین میں پھیلا دیا۔[1]

اللہ ربُّ العزت سے ہر مصیبت و پریشانی میں مدد طلب کی جاتی ہے۔ تمام اچھائیاں اور بھلائیاں اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتی ہیں۔ اس کے آگے تمام چہرے خاک آلود ہوتے ہیں، تمام آوازیں پست ہو جاتی ہیں، زمین و آسمان اور تمام موجودات اس کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ سارے عالم کا پیدا کرنے، خطاؤں کو معاف کرنے اور تمام مخفی چیزوں کا جاننے والا ہے، حتیٰ کہ سینوں میں پوشیدہ نیتوں اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی رحمت اور حلم ہر چیز پر حاوی ہے، اس کا فیصلہ تمام مخلوق پر غالب ہے۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی محبت کے بغیر روحوں کو سکون نہیں، اس کے ذکر سے غافل دلوں کو قرار نہیں، عقلیں اس کی معرفت کے بغیر پاکیزہ نہیں، اس کی توفیق کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

وہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ جس کی قربت، نرمی ومہربانی کے بغیر دل زندہ ہو نہیں سکتے۔

وہ اللہ جس کی اجازت نہ ہو تو حکم نافذ نہیں ہوتا، اس کی ہدایت نہ ہو تو گمراہ راہ نہیں پاتا۔

سمجھ نہیں آتی بغیر اس کے سمجھانے سے، مصیبت نہیں ٹلتی بغیر اس کی رحمت سے، کسی کام کا آغاز نہیں ہوتا بغیر اس کے نام سے، کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا بغیر اس کی مدد سے، کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا بغیر اس کے آسان کرنے سے، بخت (قسمت) نہ جاگے بغیر اس کی اطاعت سے۔

اس کی محبت ومعرفت کے بغیر زندگی پھیکی ...... اس کے دیدار وخطاب کے بغیر جنت بے مزہ ...... اس کے علم و

---

[1] اَللّٰہُ ......رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، وَأَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ، وَأَقْدَرُ الْقَادِرِیْنَ، وَأَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ، اَلَّذِیْ لَہُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ، وَبِیَدِہِ النَّفْعُ وَالضَّرُّ، اَلْأَوَّلُ بِالْحَقِّ، اَلْمَوْجُوْدُ بِالضَّرُوْرَۃِ، اَلْمَعْرُوْفُ بِالْفِطْرَۃِ، اَلَّذِیْ أَقَرَّتْ بِہِ الْعُقُوْلُ، وَدَلَّتْ عَلَیْہِ کُلُّ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَشَھِدَتْ بِوَحْدَانِیَّتِہٖ وَرُبُوْبِیَّتِہٖ جَمِیْعُ الْمَخْلُوْقَاتِ، وَأَقَرَّتْ بِھَا الْفِطَرُ. اَلْمَشْھُوْدُ وُجُوْدُہٗ وَقَیُّوْمِیَّتُہٗ بِکُلِّ حَرَکَۃٍ وَسُکُوْنٍ، بِکُلِّ مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ وَمَا سَیَکُوْنُ. اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَأَنْبَتَ بِہٖ حَدَائِقَ ذَاتَ بَھْجَۃٍ مِّنْ أَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ، بَثَّ بِہٖ فِی الْأَرْضِ جَمِیْعَ الْحَیَوَانَاتِ. اللّٰہ...... اھل الثناء والمجد: ۳۲

besturdubooks.wordpress.com

رحمت اور فضل واحسانات کا ہر چیز پر احاطہ...... وہی معبودِ برحق...... وہی حقیقی پروردگار...... اور وہی حقیقی مالک ہے...... ہر اعتبار سے تمام کمالات میں یکتا ہے...... نقص وعیب سے یکسر پاک ہے...... ثناء خواں اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے خیال میں اپنی ساری زندگی طرح طرح اور قسم قسم کی تعریفات میں ختم کر دیں، اس کی تعریف اس سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے، اس کی ثناء تو وہی ہے جو بذاتِ خود اس نے اپنے لئے منتخب فرمائی۔

شیخ ناصر بن مسفر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو غالب فرمایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی۔ وہ آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ اسی کی تسبیح بیان کرنے میں زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، آسمان اور جو کچھ آسمان میں ہے، سب مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے: ''جو کوئی بھی آسمان وزمین میں ہے سب اسی کے مملوک ہیں اور جو کوئی اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں (یعنی فرشتے) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا، اور اس کا کوئی بھی ہم سر اور برابر نہیں، اور پہاڑوں کو اسی نے نصب فرمایا اور زمین کو بچھایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے، تاکہ وہ (زمین) تم کو لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے اور اس نے نہریں اور راستے بنائے، تاکہ (ان راستوں کے ذریعے سے اپنی) منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔''

اسی نے سمندروں کو چیرا، نہروں کو جاری فرمایا، دن کو رات پر لپیٹا اور رات کو دن پر۔'' [1]

یہی شیخ ناصر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی عظمت یوں بیان فرماتے ہیں: ''غلبہ اسی کا ہے، طاقت، عظمت، بڑائی، سلطنت، بادشاہت، فیصلہ اور قوت اسی کی ہے، تعریف، اور پاکی اسی کے لئے ہے۔ کتنی بڑی اس کی شان کتنی ہی قابلِ فخر اس کی بادشاہت، کتنا ہی بلند اس کا مکان، مخلوق سے وہ کتنا ہی قریب تر اور اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔

اسی کے نور سے آسمان وزمین روشن ہیں، اسی کی ذاتِ بابرکت سے اندھیریاں روشنی میں تبدیل ہوگئیں، اس کا جلال آنکھوں سے پوشیدہ ہے، دل کی آنکھیں بھی اسی کی جانب لگی ہوئی ہیں اور سینے کی مخفی زبانیں اسی سے مناجات میں مشغول ہیں۔

آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور نہ ہی وہم وگمان اسے پا سکتے ہیں۔ حوادث اس کی ذات پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور

---

[1] اَللّٰهُ. أَعَزَّ جُنْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، عَالِمُ الْخَفِيَّاتِ، فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، وَيُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ، تُسَبِّحُ لَهُ الْأَرَضِيْنَ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَالسَّمٰوٰتُ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ۱۹) رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، نَصَبَ الْجِبَالَ، وَمَدَّ الْأَرْضَ ﴿ وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَأَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۵). شَقَّ الْبِحَارَ، وَأَجْرَى الْأَنْهَارَ، وَكَوَّرَ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ، وَاللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ. (اَللّٰه أهل الثناء و المجد: ۳۸)

صفات بیان کرنے والے اس کی صفات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ وہ پہاڑوں کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، سمندروں کی پیائش اس کے علم میں ہے، وہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد بھی جانتا ہے، اور دن رات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان کی تعداد سے واقف ہے۔'' [1]

اللہ ربُّ العزت احسان کرنے والے ہیں، احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، وہ قدر دان ہیں قدر دانوں کو پسند فرماتے ہیں، جمال والے ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں، پاک ہیں پاکی کو پسند فرماتے ہیں، سخی ہیں سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، توبہ قبول کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں، حیا والے اور دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والے ہیں، اور حیا والوں اور پردہ پوشی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دیں، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے بھی حیا آتی ہے کہ کسی سفید ریش مسلمان کو عذاب دیں جس نے اپنی جوانی اسلام کی حالت میں گزاری ہو۔ وہ بخشنے والے، معاف کرنے والے ہیں، اور اپنے بندوں میں بھی معاف کر دینے والی صفت کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں جب بھی وہ توبہ کرتے ہیں، جب بھی گناہ بڑھ جاتے ہیں بڑے بڑے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور دل سخت ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں انسان کو نقصان کا خدشہ ہوتا ہے اور انسان کو محروم ہو جانے کا خوف ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ انسان کو پکارتے ہیں۔

جس کا ترجمہ ہے:

''(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔'' [2]

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کئے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیوں کر معاف کرے گا؟ بل کہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرلے گا یا توبۃ النصوح (گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عزم) کرلے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا)۔

---

[1] اَلْعِزَّةُ لَهٗ، وَالْجَبَرُوْتُ لَهٗ، وَالْعَظَمَةُ لَهٗ، وَالْكِبْرِيَاءُ لَهٗ، وَالسُّلْطَانُ لَهٗ، وَالْمُلْكُ لَهٗ، وَالْحُكْمُ لَهٗ، وَالْقُوَّةُ لَهٗ، وَالتَّسْبِيْحُ لَهٗ، وَالتَّقْدِيْسُ لَهٗ، مَا أَعْظَمَ شَأْنَهٗ! وَأَفْخَرَ مُلْكَهٗ! وَأَعْلٰى مَكَانَهٗ! وَأَقْرَبَهٗ مِنْ خَلْقِهٖ! وَأَلْطَفَهٗ بِعِبَادِهٖ! أَشْرَقَتْ لِنُوْرِهِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَأَنَارَ بِوَجْهِهِ الظُّلُمَاتُ، وَحُجِبَ جَلَالُهٗ عَنِ الْعُيُوْنِ، وَنَفَذَتْ إِلَيْهِ أَبْصَارُ الْقُلُوْبِ، وَنَاجَتْهُ أَلْسِنَةُ الصُّدُوْرِ. لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُهُ الْأَوْهَامُ وَالظُّنُوْنُ، وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَا يُحِيْطُ بِصِفَاتِهِ الْوَاصِفُوْنَ. عَالِمٌ بِمَثَاقِيْلِ الْجِبَالِ، وَمَكَايِيْلِ الْبِحَارِ، وَعَدَدِ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَالْأَشْجَارِ، وَعَدَدِ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ. (اللّٰه اهل الثناء و المجد: ۳۹)

[2] الزمر: ۵۳

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مہربانی سے پکار رہے ہیں اور انتہائی شفقت سے بلا رہے ہیں: ''اے میرے بندے! میری عزت اور جلال کی قسم! اگر تیرے گناہوں سے آسمان و زمین کے درمیان کا خلاء بھر جائے، پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں کوئی پروا کئے بغیر تجھے بخش دوں۔''

جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے دو ہاتھ قریب ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ (باعتبار اپنی شانِ رحمت کے) اس کی طرف دوڑ کر چلتے ہیں۔[۱]

تو دروازہ کھلا ہوا ہے، لیکن اس دروازہ سے داخل ہونے والا کون ہے؟

گنجائش وسیع ہے، لیکن قبول کرنے والا کون ہے؟

رسّی تو دراز ہے، لیکن اس کو مضبوطی سے پکڑنے والا کون ہے؟

خیر تو متوجہ ہے، لیکن خیر کے درپے ہونے والا کون ہے؟ نفع کو تلاش کرنے والے لوگ کہاں ہیں۔[۲]

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو پالے گا، اور جو اللہ تعالیٰ سے اعراض کر کے اس کو قریب سے بھی پکارے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید عطا فرماتے ہیں۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا خیال رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی مرضی کا خیال رکھتے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مدد کو شاملِ حال رکھ کر کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوہے کو بھی نرم فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہم مجلس ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نعمت کے حق دار ہیں۔ اس کے اطاعت گزار بندے اس کی جانب سے اعزاز کے مستحق ہیں، اور گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرماتے۔ اگر وہ توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے محبوب بن جاتے ہیں، اور اگر وہ گناہ گار توبہ نہیں کرتے تو بھی اللہ تعالیٰ ان پر رحیم ہوتے ہیں۔ وہ انہیں مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں، تاکہ انہیں عیوب سے پاک کر دیں اور اپنی طرف متوجہ کریں، اللہ تعالیٰ اتنے قدر دان ہیں کہ ایک نیکی ان کے نزدیک دس سے لے کر سات سو نیکیوں کے برابر ہے، بل کہ اس

---

[۱] ترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۲۰۰

[۲] ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (الزمر:۵۳) يُنَادِيْ عَبْدَهُ نِدَاءَ الْمُتَلَطِّفِ، وَيَدْعُوْهُ دُعَاءَ الْمُشْفِقِ عَلَيْهِ: "يَا عَبْدِيْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ لَغَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ" وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ شِبْراً تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ ذِرَاعاً تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بَاعاً، وَمَنْ أَتَاهُ يَمْشِيْ أَتَاهُ هَرْوَلَةً، فَالْبَابُ مَفْتُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَلِجُ؟ وَالْمَجَالُ مَفْسُوْحٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَقْبَلُ؟ وَالْحَبْلُ مَمْدُوْدٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَتَثَبَّتُ بِهِ؟ وَالْخَيْرُ مَبْذُوْلٌ وَلٰكِنْ مَنْ يَتَعَرَّضُ لَهُ؟ فَأَيْنَ الْبَاحِثُوْنَ عَنِ الْأَرْبَاحِ، وَأَيْنَ خُطَّابُ الْمَلَاحِ، (اللّٰه اهل الثناء والمجد: ۵۱)

سے بھی بہت زیادہ، اور برائی میں ایک کا شمار ایک ہی ہے۔ اگر بندہ اس برائی/گناہ پر نادم ہو کر معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل کی بھی قدر دانی فرماتے ہیں، خطاؤں کو بہت زیادہ معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کر لینے والوں کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے تبدیل فرماتے ہیں۔[1]

جب افکار جمع ہونے لگتے ہیں، غم اپنے خیمے گاڑ دیتا ہے، پریشانیاں حد سے بڑھنے لگتی ہیں، بڑے بڑے معاملات رونما ہونے لگتے ہیں، نجات کی راہیں تنگ ہونے لگتی ہیں، تمام حیلے اور خلاصی کے راستے ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو پکارنے والا پکارتا ہے:

''اے اللہ! اے اللہ!'' وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بزرگی والا بردبار ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا، جو عرشِ عظیم کا رب ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے، عرشِ کریم کا رب ہے، پس وہی تو ہے جو غموں کو دور کرتا ہے، پریشانیوں کو ختم کرتا ہے، اور مصائب سے نجات عطا فرماتا ہے۔

جب مریض کا مرض بڑھ جاتا ہے اور جسم لاغر ہو جاتا ہے، رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے، خلاصی کے ذرائع اور راستے کمزور اور کم ہوتے نظر آتے ہیں، طبیب عاجز ہو جاتے ہیں، دوا بے اثر ہو جاتی ہے، نفس گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے، ہاتھ کپکپانے لگتے ہیں، دل خوف زدہ ہو جاتا ہے، اور مریض بے حال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مریض اس بلند مرتبہ، بزرگی و عظمت والی ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پکارتا ہے:

اے اللہ! اے اللہ! اس پکار کی برکت سے بیماری دور ہوتی جاتی ہے، صحت جسم میں سرایت کرنے لگتی ہے اور دعا سن لی جاتی ہے (حتیٰ کہ مریض شفایاب ہو جاتا ہے)۔[2]

وہ اللہ ہی تو ہے جو بیماری بھی پیدا فرماتا ہے کہ ''میرے بندے کسی طرح بھی میری جانب متوجہ تو ہوں'' پھر اس کی مصلحت ہوتی ہے تو بیماری دور کر کے شفا بھی عطا فرماتا ہے، اور اگر بیماری ہی میں مصلحت ہو تو بیماری پر صبر کی بدولت بندہ کو اللہ ربُّ العزت اَجرِ عظیم سے نوازتا رہتا ہے۔

جب کشتی چلتے چلتے گہرے سمندر میں دور نکل جائے، اور تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں، فضا بادلوں سے بھر جائے، گھٹا

---

[1] وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ نَادَاهُ مِنْ قَرِيْبٍ، وَمَنْ تَرَكَ مِنْ أَجْلِهٖ أَعْطَاهُ فَوْقَ الْمَزِيْدِ، وَمَنْ أَرَادَ رِضَاهَا أَرَادَ مَا يُرِيْدُ، وَمَنْ تَصَرَّفَ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ أَلَانَ لَهُ الْحَدِيْدَ؛ أَهْلُ ذِكْرِهٖ أَهْلُ مَجَالَسَتِهٖ، وَأَهْلُ شُكْرِهٖ أَهْلُ زِيَادَتِهٖ، وَأَهْلُ طَاعَتِهٖ أَهْلُ كَرَامَتِهٖ، وَأَهْلُ مَعْصِيَّتِهٖ لَا يُقْنِطُهُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ، إِنْ تَابُوْا إِلَيْهِ فَهُوَ حَبِيْبُهُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَتُوْبُوْا فَهُوَ رَحِيْمٌ بِهِمْ، يَبْتَلِيْهِمْ بِالْمَصَائِبِ لِيُطَهِّرَهُمْ مِنَ الْمَعَايِبِ. اَلْحَسَنَةُ عِنْدَهٗ بِعَشَرَةِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ، وَالسَّيِّئَةُ عِنْدَهٗ بِوَاحِدَةٍ، فَإِنْ نَدِمَ عَلَيْهَا وَاسْتَغْفَرَ غَفَرَهَا لَهٗ، يَشْكُرُ عَلَى الْيَسِيْرِ مِنَ الْعَمَلِ، وَيَغْفِرُ الْكَثِيْرَ مِنَ الزَّلَلِ. (''اللّٰه...... أهل الثناء والمجد'': ٥٢)

[2] اللّٰہ اهل الثناء و المجد: ٢٦

besturdubooks.wordpress.com

ٹوپ بادلوں سے تاریکی چھا جائے، بجلی چمکنے لگے، بادلوں کی گرج ہو اور اندھیریاں تہ در تہ ہوں، کشتی موجوں میں ڈولنے لگے، کلیجے منہ کو آنے لگیں، کشتی ڈوبتی نظر آئے اور موت کی سواری تیار کھڑی ہو، ایسے میں دل کی گہرائیوں سے جس ذات کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے، اندر سے آواز آتی ہے کہ اب بچانے والی ذات صرف اور صرف ایک اللہ ہی کی ہے، اسی کی جانب دل متوجہ ہو جائیں اور آوازیں آنے لگیں: یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، سخت اندھیرے میں روشنی پھوٹ پڑے، اور ہلاکت کی تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے ختم ہو جائیں۔

جب طیارہ آسمان کے اُفق پر اڑتا ہے پھر آسمان و زمین کے درمیان معلق ہو جاتا ہے، تند و تیز ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور جہاز کا کوئی پرزہ کام کرنا چھوڑ دے تو ہواباز (پائلٹ) بھی دہشت زدہ ہو جائے، اور سواریاں بھی پھنس کر رہ جائیں، آوازوں کا شور پیدا ہو، مرد رونے لگیں، عورتیں چلانے لگیں، بچے بلبلانے لگیں، سب پر رعب طاری ہو جائے، خوف اپنے خیمے گاڑ دے، اور گھبراہٹ بڑھ جائے، پکار میں آہ و زاری شروع ہو جائے اور ہر ایک کو اپنی موت آنکھوں سے دکھائی دینے لگے، کہ اب آئی، اور اب آئی، حفاظت کے سارے اسباب ختم ہوتے دکھائی دیں، ہلاکت و موت اپنے سارے اسباب و وسائل سمیت سامنے آجائے۔

اس وقت بھی انسان کی نگاہ حفاظت کے لئے اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کو وہ بھول چکا ہوتا ہے، جو حقیقی محافظ ہے، پھر وہ ہر طرف سے دھیان ہٹا کر یک سوئی سے پکارتا ہے اور دعا کرنے لگتا ہے، اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! پس اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہو جائے، رحمت نازل ہونا شروع ہو، احسانِ عظیم کی برکت سے دل پرسکون ہو جائیں، تمام جانیں سکون پا جائیں، اور جہاز سلامتی کے ساتھ اُتر جائے۔[1]

وہ اللہ ہر دن ایک نئی شان میں ہوتے ہیں، وہ گناہوں کو بخش رہے ہیں، تکلیفوں کو دور کر رہے ہیں، کسی قوم کو بلند مقام عطا فرما رہے ہیں اور کسی قوم کو پست مقام، مردہ کو زندہ فرما رہے ہیں اور زندہ کو مردہ، پکارنے والے کی فریاد کو سن رہے ہیں اور بیمار کو شفا دے رہے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں عزت بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلیل فرما دیتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑتے ہیں، فقیر کو مال دار بنا دیتے ہیں، جاہل کو عالم بناتے ہیں، گمراہ کو ہدایت دیتے ہیں اور حیران و پریشان شخص کی راہ نمائی فرماتے ہیں اور ننگے کو کپڑا پہناتے ہیں۔

وہ مصیبت زدہ کو عافیت عطا فرماتے ہیں، توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، نیکی کرنے والے کو اچھا بدلہ عطا فرماتے ہیں، مظلوم کی مدد فرماتے ہیں۔[2]

---

[1] اللّٰہ اھل الثناء والمجد: ۲۷

[2] أَللّٰهُ.. "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ"، يَغْفِرُ ذَنْباً، وَيُفَرِّجُ كَرْباً، وَيَرْفَعُ قَوْماً، وَيَضَعُ آخَرِيْنَ، وَيُحْيِ مَيِّتاً، وَيُمِيْتُ حَيًّا، وَيُجِيْبُ دَاعِياً، وَيَشْفِيْ سَقِيْماً، وَيُعِزُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيُذِلُّ مَنْ يَّشَآءُ، وَيَجْبُرُ كَسِيْراً، وَيُغْنِيْ فَقِيْراً، وَيُعَلِّمُ جَاهِلاً، وَيَهْدِيْ ضَآلًّا، وَيُرْشِدُ حَيْرَانَ، =

besturdubooks.wordpress.com

لفظ اَللّٰہُ "اَلِہَ یَأْلَہُ" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے عطا کرنا، تو ذاتِ باری تعالیٰ کو "اَللّٰہُ" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عطا کرتا ہے، بل کہ صرف وہی عطا کرتا ہے اور کیا کچھ عطا نہیں کرتا۔ زندگی...... جسم...... ہاتھ...... پاؤں...... بصیرت و بصارت...... سماعت وحرکت، غور وفکر کی قوت اور صلاحیت، دل اور دل میں ایمان کا نور، دماغ اور دماغ میں فکر کا شعور، یہ سب کچھ اسی کا عطا کردہ ہیں۔ [1]

صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرعون نے بھی اپنا نام اللہ نہ رکھا، اس لئے کہ وہ اس پر قادر نہ تھا، بل کہ اس نے اپنی قوم والوں سے یہ کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ [2] "میں تمہارا بڑا رب ہوں[3]"

سرسوں کے دانے کی بساط کیا ہے، تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین کے سخت پردے کو چیرتا ہوا نرم ونازک سبز پتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

شبنم کی بوندیں جن کو تم ذرا بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اس نوزائیدہ نونہال کی پیاس بجھاتی ہیں۔

سورج کی کرنیں جن کی روشنی کو تم روز پاؤں تلے کچلتے ہو، اس کو اپنی تیز وگرم، مگر مہربان گود میں لے کر پرورش کرتی ہیں۔

ہوا کے جھونکے اس نازک ترین پودے کو جھولا جھلاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ بچہ جوان ہو جاتا ہے، تم نے دیکھا کہ ذرا سے پودے کی کس سلیقہ، ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ پرورش ہوئی۔ یہ اسباب جن کو کسی طرح بھی اتفاق نہیں کہا جا سکتا اس کی نشو ونما کے لئے جمع ہوئے، آخر اس ماحول کو پیدا کر کے اس کو سازگار اور ان سب اسباب کو جمع کرنے والی اس قوت کا نام "اللہ" ہے۔

یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے

یہ نام اس وقت بھی تھا جب کائنات میں کچھ بھی نہ تھا، اور اس وقت بھی ہوگا جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کسی ایک زبان پر بھی یہ مقدس نام جاری رہے گا، اور اگر کوئی ایک زبان بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے "اللہ اللہ" کہنے والی باقی نہ رہی تو اس ساری کائنات کو لپیٹ دیا جائے گا۔

آسمان کی قندیلیں بجھادی جائیں گی، دریاؤں اور سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، پھولوں کا تبسم، عنادل کا معصوم

= وَيُغِيثُ لَهْفَانَ، وَيَفُكُّ عَانِياً وَيُشْبِعُ جَائِعاً، وَيَكْسُوْ عَارِياً، وَيَشْفِيْ مَرِيْضاً، وَيُعَافِيْ مُبْتَلًى، وَيَقْبَلُ تَائِباً، وَيَجْزِيْ مُحْسِنًا، وَيَنْصُرُ مَظْلُوْماً. (اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ٣٠)

[1] خزينه: ٣٦ [2] النّٰزعٰت: ٢٤ [3] اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ٢٤

besturdubooks.wordpress.com

شور، حسین صبحوں کی انگڑائیاں، ٹھنڈی راتوں کا سکون اور زندگی کے دل لبھانے والے نظارے موقوف ہو جائیں گے۔

یہ نام ہر مذہب والے کی زبان پر ہے۔ کسی نے اُسے ''پرمیشور'' کہہ کر پکارا، کسی نے ''برہمن'' کہہ کر، کسی نے ''رام رام'' کہہ کر، کسی نے ''آہورمزدا'' کہہ کر، کسی نے ''الاھیا اور یزدان۔'' اگر گوشِ ہوش (ہوش کے کانوں) کے ساتھ سنا جائے تو پھولوں کی مسکراہٹ ......، چڑیوں کی چہچہاہٹ ......، پتوں کی سرسراہٹ ...... اور کرنوں کی جگمگاہٹ ...... میں سے ''اللہ اللہ'' ہی کی آواز آتی اور اس کی قدرت جلوہ نما ہوتی ہے۔

یہ نامِ گرامی ایسا بابرکت نام ہے کہ اس کے پڑھنے والے محروم نہیں رہتے، انبیاء، اولیاء، صلحاء، اتقیاء سب ہی نے اسی نام کی صدائیں بلند کیں۔ اس نام کو حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے وردِ زبان کیا تو ان کا اضطراب سکون میں بدل گیا۔

اس نام کی برکت سے حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَام کے بڑھاپے کی خزاں میں یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام جیسا پھول کھلا۔

اس نام کی تاثیر سے سیّدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے لئے دہکتا ہوا الاؤ گلشن بن گیا۔ اس ''اَللّٰہُ'' کو یونس عَلَیْہِ السَّلَام نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا تو غم سے نجات ملی، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے پکارا تو پتھر سے چشمے رواں ہو گئے اور اُچھلتا کودتا دریا خشک ہو گیا، حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ''اَللّٰہُ'' کا نام لیا تو نابینا، بینا ہو گیا، کوڑی تندرست ہو گیا، مردہ زندہ ہو گیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ''اَللّٰہُ'' کا نام لیا تو ایک کافر کے ہاتھ سے آپ پر سونتی ہوئی تلوار گر پڑی، کنکریاں بول اٹھیں، چاند دو ٹکڑے ہو گیا، چٹانوں سے زیادہ سخت دلوں میں ہدایت کے چشمے اُبل پڑے، عرب کے شہر اور بستیاں رُشد و صلاح کے نور سے جگمگا اٹھیں۔

اسمِ اعظم

یہ اسم مبارک اکثر علماء کے نزدیک ننانوے اسمائے حسنیٰ سے زیادہ عظمت والا ہے، اس لئے کہ یہ ساری صفات کا جامع ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْاِسْمُ الْأَعْظَمُ هُوَ اللّٰهُ لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُ" وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ سِوَى اللّٰهِ۔[1]

اسمِ اعظم لفظِ ''اَللّٰہُ'' ہی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کو اس مبارک نام سے پکاریں تو آپ کے دل میں کسی اور کا خیال تک نہ آئے۔ اس اسمِ جلالی کی خصوصیت یہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے: ''یہ اسم تمام صفاتِ کمالیہ و جمالیہ کا جامع ہے۔'' جیسا کہ امام ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

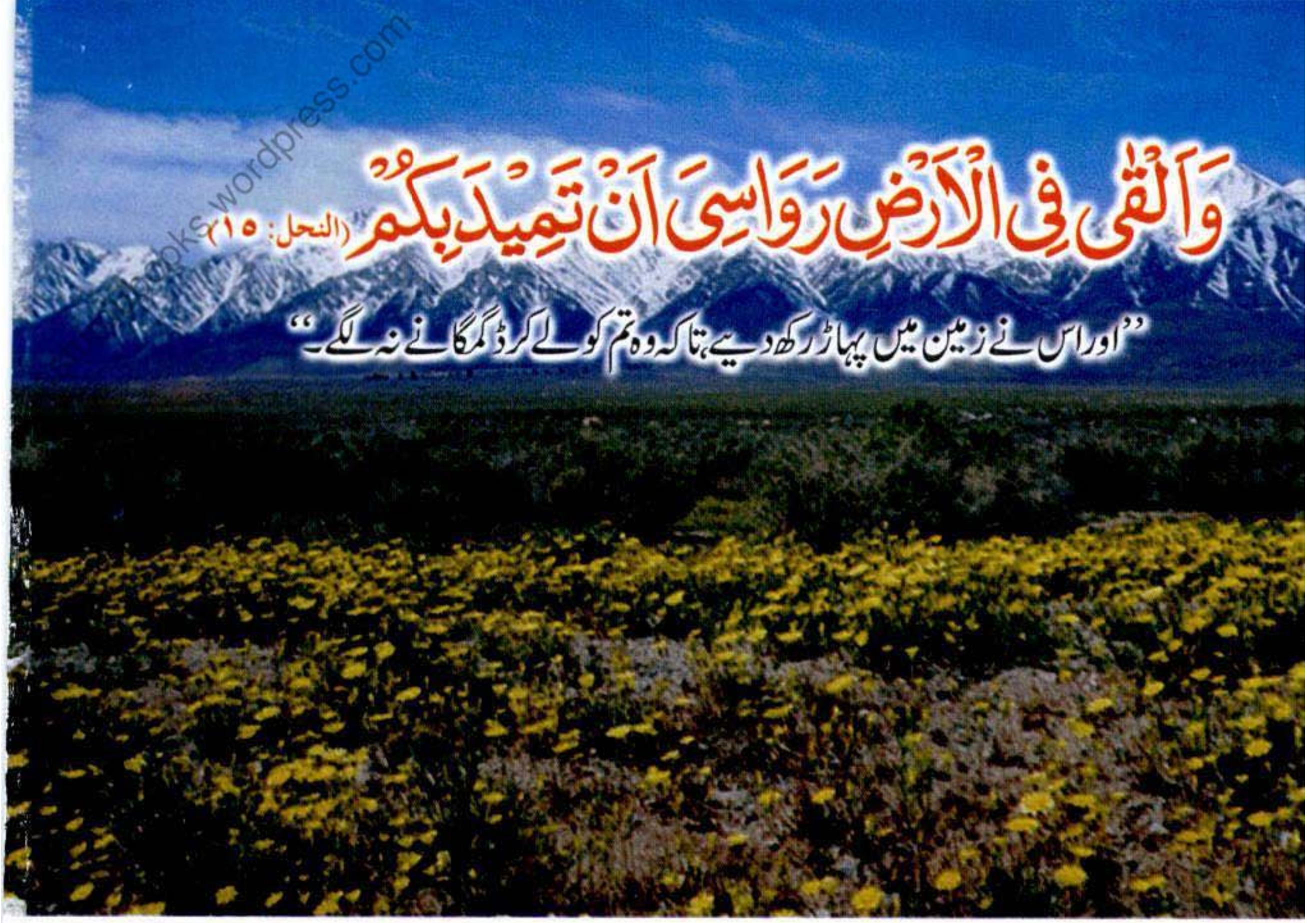
وَإِنَّ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى هُوَ الْجَامِعُ لِجَمِيْعِ مَعَانِي الْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى، وَالصِّفَاتِ الْعُلٰى۔[2]

''اللہ تعالیٰ کا اسم (یعنی لفظِ اَللّٰہُ) تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی اور تمام بلند صفات کے مفہوم کو جمع کرنے والا ہے۔''

---

[1] المرقات شرح المشكاة، كتاب اسماء الله تعالىٰ: ٥/٧٥ [2] بدائع الفوائد: ٢/٢٤٩


الله


وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَبِکُمْ (النحل: ۱۵)
''اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیے، تا کہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے۔''



besturdubooks.wordpress.com

اور یہ اسم ربِّ اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا اطلاق ہمیشہ سے صرف اسی ''وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ'' کی ذات پاک کے لیے ہوا ہے۔ جس طرح کوئی اس کی ذات اور صفات میں اس کا شریک وحصہ دار نہیں۔ اسی طرح اس اسم اعظم میں بھی اُس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اسی وجہ سے تمام اولیاء اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اسمِ ذات ہی اسمِ اعظم ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بھی لفظِ ''اَللّٰہُ'' ہی کو اسمِ اعظم فرمایا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے نقل کیا ہے۔

''امام طحاوی، امام ابن قیم اور امام رازی رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے کہ اسمِ اعظم لفظِ ''اَللّٰہُ'' ہے جو کہ اللہ ربُّ العزت کا نام ہے۔ (اب لفظ ''اَللّٰہُ'' کے اسم اعظم ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ:

❶ لفظ ''اَللّٰہُ'' تمام اسمائے حسنٰی اور تمام اعلیٰ صفات پر دلالت کرتا ہے۔''

❷ یہ اسم یعنی ''اَللّٰہُ'' اللہ ربُّ العزت کی ذات کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مطلب یہ ہے: کیا تم کسی ایسی ذات کو جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی ہم نام (ہم صفات) ہو؟[1] حالاں کہ ایسا نہیں۔ لفظ ''اَللّٰہُ'' صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات پر بولا جاتا ہے۔

❸ تمام اسمائے حسنٰی لفظِ ''اَللّٰہُ'' ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہو وہ منسوب سے افضل ہوتا ہے۔ تو اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوا کہ اصل موصوف لفظ ''اَللّٰہُ'' ہے۔ لہٰذا لفظ ''اَللّٰہُ'' تمام اسمائے حسنٰی میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یوں کہا جاتا ہے ''رحمٰن، رحیم، ملک، قدوس'' یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، لیکن یوں نہیں کہا جاتا کہ ''اَللّٰہُ'' رحمٰن کا نام ہے یا ''اَللّٰہُ'' رحیم کا نام ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اسمائے حسنٰی میں اصل اسم ''اَللّٰہُ'' ہے۔

❹ اللہ ربُّ العزت کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

''کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔''[2]

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان ہی دو ناموں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے، پھر ان میں بھی نامِ مبارک ''اَللّٰہُ'' ''اَلرَّحْمٰنُ'' سے اشرف وافضل ہے۔ دو وجوہات کی بناء پر:

① اس آیت میں لفظِ ''اَللّٰہُ'' کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور ''اَلرَّحْمٰنُ'' کو بعد میں جس سے لفظ ''اَللّٰہُ'' کا افضل ہونا معلوم ہوا۔

② اسم ''اَلرَّحْمٰنُ'' کمالِ رحمت پر دلالت کرتا ہے جب کہ کمالِ قہر، غلبہ، عظمت، قدس اور عزت پر دلالت نہیں کرتا، جب کہ ''اَللّٰہُ'' اسم مبارک ان تمام صفات پر بھی دلالت کرتا ہے۔ (جس سے اس کا اشرف ہونا معلوم ہوا)

---

[1] مریم: ٦٥ [2] بنی اسرائیل: ١١٠

besturdubooks.wordpress.com

ان چند وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمِ اعظم لفظ ''اَللّٰہُ'' ہی ہے۔[1]

اللہ ربُّ العزت کے نام کا ادب

وَاقِعَۂ مُبِیْن ①: ❶ ایک بزرگ حضرت بشر بن حافی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا کیا سبب ہے اس لئے کہ آپ کا نام لوگوں میں اس طرح مشہور ہے جیسے کسی نبی کا نام ہوتا ہے۔ فرمانے لگے: یہ محض اللہ ربُّ العزت کا فضل ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں، میں ایک گناہ گار اور عیاش طبیعت آدمی تھا۔ ایک مرتبہ راستے سے گزرتے ہوئے ایک کاغذ پر نظر پڑی، میں نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا تو اس میں ——————۔

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کاغذ کو صاف کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ میرے پاس اس وقت صرف دو درہم تھے اور ان دو درہموں کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک نہ تھا، میں عطر فروش کی دکان پر گیا اور ان دو درہموں سے میں نے ''غالیہ'' خوشبو خریدی۔ (غالیہ ایک خوشبو ہے جو مشک، عنبر، عود اور دُہن سے ملا کر بنائی جاتی ہے) اور وہ خوشبو اس کاغذ میں مل دی۔ اس رات جب میں سویا تو خواب میں میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا بِشْرَ بْنَ الْحَارِثِ! رَفَعْتَ اسْمَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ وَطَيَّبْتَهٗ لَأُطَيِّبَنَّ اسْمَكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

تَرْجَمَہ: اے بشر بن حارث! تو نے ہمارے نام کو راستے سے اٹھا کر صاف کر کے معطر کیا ہے، ہم تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔[2]

❷ اللہ تعالیٰ کا نام ادب سے لینا چاہئے، جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں تو ''تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى'' یا ''تَعَالٰى'' یا ''رَبُّ الْعِزَّتْ'' یا ''جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ''، ضرور لگائیں، لکھنے میں بھی اور بولنے میں بھی۔

---

[1] (وَقَدِ اخْتَارَ الْقَوْلَ بِأَنَّ الإِسْمَ الْأَعْظَمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى هُوَ (اللّٰه).

① فَاسْمُ اللّٰهِ دَالٌّ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى وَالصِّفَاتِ الْعُلْيَا.

② إِنَّ هٰذَا الإِسْمَ مَا أُطْلِقَ عَلٰى غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مريم: ٦٥) أَيْ هَلْ تَعْلَمُ مَنِ اسْمُهٗ (اللّٰه) سِوَى اللّٰهِ.

③ سَائِرُ الْأَسْمَاءِ مُضَافَةٌ إِلَيْهِ وَلَا مَحَالَةَ أَنَّ الْمَوْصُوْفَ أَشْرَفُ مِنَ الصِّفَةِ وَلِأَنَّهٗ يُقَالُ الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ، الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ مُلْحَقًا مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يُقَالُ اَللّٰهُ اسْمُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَدَلَّ هٰذَا عَلٰى أَنَّ الإِسْمَ هُوَ الْأَصْلُ.

④ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ (الاسراء: ١١٠) خَصَّ هٰذَيْنِ الإِسْمَيْنِ بِالذِّكْرِ ثُمَّ إِنَّ اسْمَ (اللّٰه) أَشْرَفُ مِنْ إِسْمِ (الرَّحْمٰن) أَمَّا أَوَّلًا فَلِأَنَّهٗ يُقَالُ قَدَّمَهٗ فِي الذِّكْرِ. ثَانِيًا اِسْمُ الرَّحْمٰنِ يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الرَّحْمَةِ وَلَا يَدُلُّ عَلٰى كَمَالِ الْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْقُدْسِ وَالْعِزَّةِ وَأَمَّا اسْمُ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى كُلِّ ذَالِكَ فَثَبَتَ أَنَّ اسْمَ ''اللّٰهِ'' تَعَالٰى أَشْرَفُ (ملخصاً عن النهج الأسمى: ١/٦٧، ٦٩)

[2] كتاب التّوابين للعلامة مقدسي: ٢٢٦

besturdubooks.wordpress.com

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے دورانِ وعظ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اس قدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہانِ دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لئے مناسبِ شان القاب وآداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی اس کے نام لینے کی نوبت نہ آتی، القاب وآداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے، لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے، لیکن ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ'' کیا رحمت ہے کہ اپنے نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔

جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اس کا نام لے کر خطاب کر سکتے ہیں، بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا خلافِ ادب ہے، غریب سے لے کر امیر تک اور عابد وزاہد سے لے کر فاسق و فاجر تک، ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے، ورنہ اس کی عظمت وجلال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب بھی اس کے نام لینے کے قابل نہ ہوتی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ہزار بار گر بشویم دہن زمشک و گلاب — ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

تَرْجَمَہ: اگر ہم ہزار بار اپنی زبان کو مشک وگلاب سے دھوڈالیں، پھر بھی زبان سے آپ کا نام لینا بے ادبی ہے۔

مگر قربان جایئے اس کی رحمت پر کہ اپنا نام لینا بندوں پر کس قدر آسان فرما دیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا نام بے گانوں کو یگانہ بناتا ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اسلامی معاشرہ، اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت تب جائز ہوتی ہے جب وہ ''اَللّٰہُ'' کا نام بیچ میں لائیں، اللہ تعالیٰ کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے...... دُور کو نزدیک کرتا ہے...... غیروں کو اپنا بناتا ہے...... اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں۔

شوہر اور بیوی کا تعلق محبت واعتماد کا تعلق ہے جو بے تکلفی، اعتماد، سادگی، فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا / غیر تھی، آج وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے / جاتی ہے ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

---

[1] کتاب حسن العزیز: ۸

besturdubooks.wordpress.com

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ ﴿تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ﴾[1] کہہ کر انسانی معاشرے کا باہمی ارتباط...... پیوستگی...... وابستگی ...... اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا، ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع و عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔ پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلابِ عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہیے۔[2]

بے چینی دور کرنے کے لئے دل میں اللہ کا نام بسالیں

جس نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں بسا لیا، اس نے سکون و آرام پالیا اور جس نے اپنے دل کو لوگوں سے کچھ ملنے کی اُمید میں، یا کچھ چھن جانے کے خوف میں الجھا دیا تو وہ پریشان ہو جائے گا اور بے چینی اس پر غالب آجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے محبوب بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو اپنی محبت کے لیے منتخب کرتے ہیں اور اپنی عبادت کے لیے خاص کرتے ہیں، اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتی ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ سے تعلق کے ذریعے غم کی اندھیری رات ایک دن ضرور ختم ہوگی

یہ دنیا آزمائشوں کا مقام، مصائب کا مکان اور ایک امتحان گاہ ہے، آخرت کی کھیتی ہے۔

اس دنیا میں انسان پر طرح طرح کے حالات آتے ہیں، یہ حضرت انسان کبھی خوش ہوتا ہے اور کبھی غم کا شکار، ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے، لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ سارے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، اگر انسان پر ہمیشہ ایک ہی حالت رہتی تو وہ دوسری چیز کی قدر کیسے کرتا؟

غم بھی ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر بعض اوقات آتی ہے، لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔ یہ قرآنی قانون ہے ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾[4] یعنی ہر تنگی کے ساتھ دو راحتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی بھی شخص کو غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، بل کہ ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی دنیا میں اچھا بدلہ اور ایسی راحت عطا فرماتے ہیں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور آخرت کا اجر تو کہیں نہیں گیا (وہ یقیناً ملے گا)۔ اس لئے کہ جس ذات نے یہ ہموم و غموم نازل فرمائے ہیں وہ ان غموں کو دور کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس ذات کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ مصیبت زدہ شخص اور پریشان اور بے چین شخص کے لئے عربی کے چند اشعار ذکر کئے جاتے ہیں جن میں شاعر نے اللہ

---

[1] النساء: ۱ [2] قرآنی افادات: ۱۹۹ [3] مَنْ وَطَّنَ قَلْبَهُ عِنْدَ رَبِّهِ سَكَنَ وَاسْتَرَاحَ، وَمَنْ أَرْسَلَهُ فِي النَّاسِ إِضْطَرَبَ وَاشْتَدَّ بِهِ الْقَلَقُ، إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِصْطَنَعَهُ لِنَفْسِهِ، وَاجْتَبَاهُ لِمَحَبَّتِهِ، وَاسْتَخْلَصَهُ لِعِبَادَتِهِ فَشَغَلَ هَمَّهُ بِهِ وَلِسَانَهُ بِذِكْرِهِ وَ جَوَارِحَهُ بِخِدْمَتِهِ. (فوائد الفوائد: ۲۶۳) [4] الانشراح: ۶

besturdubooks.wordpress.com

کے نام کے ساتھ تسلی حاصل کرنے کے لئے کہا ہے، ان اشعار کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا مشکل ہے، خصوصاً عربی زبان کی حلاوت وحرارت منتقل نہیں ہوسکتی، اِس کے باوجود اِس کا مفہوم پیش کیا جارہا ہے۔

ان اشعار[1] کو اپنی میز پر لگا لیجئے اور یاد کر لیجئے

❶ ''اے غمزدہ! غم تو (عن قریب) ختم ہونے والے ہیں، یہ سوچ کر خوش ہو جاؤ کہ کوئی بھی غم ہمیشہ انسان پر نہیں رہتا، اس لئے کہ ہر غم کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں۔

❷ مایوسی بسا اوقات انسان کی تمام صلاحیتیں ختم کر دیتی ہے، تو ہرگز مایوس نہ ہو! گو یہ سمجھ کہ اللہ نے (غم ختم کر کے) وُسعت دے دی یقین کر لے کہ غم کی اندھیری رات ختم ہوگئی۔

❸ اُن چیزوں سے جن سے تم نے پناہ چاہی ہے اللہ تمہارے لئے کافی ہے، اور خود ہی غور کر لو کہ اُس سے زیادہ محفوظ کون ہوگا جس کی نگرانی کرنے والا اللہ ہو، یعنی جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔

❹ مصیبتیں چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائیں، ان سب میں تمہارے لئے اللہ کافی ہیں۔

❺ تم پریشانیوں میں تسلی رکھو! اس لئے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے اور اللہ کی طرف سے جو فیصلہ ہو جائے اس میں بھلائی ہی ہوتی ہے۔

❻ اے میرے نفس! جو اللہ نے مقدر کیا ہے اس پر صبر کر اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کہ فیصلہ کرنے والا اللہ

---

[1]

يَا صَاحِبَ الْهَمِّ إِنَّ الْهَمَّ مُنْقَطِعٌ	أَبْشِرْ بِذَاكَ فَإِنَّ الْكَافِيَ اللّٰهُ
أَلْيَأْسُ يَقْطَعُ أَحْيَانًا بِصَاحِبِهٖ	لَا تَيْأَسَنَّ كَأَنَّ قَدْ فَرَّجَ اللّٰهُ
اَللّٰهُ حَسْبُكَ مِمَّا عُذْتَ مِنْهُ بِهٖ	وَمَنْ أَمْنَعُ مِمَّنْ حَسْبُهُ اللّٰهُ
هُنَّ الْبَلَايَا وَلٰكِنْ حَسْبُنَا اللّٰهُ	وَاللّٰهُ حَسْبُكَ فِيْ كُلٍّ لَّكَ اللّٰهُ
هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الصَّانِعَ اللّٰهُ	وَالْخَيْرُ أَجْمَعُ فِيْمَا يَصْنَعُ اللّٰهُ
يَا نَفْسِ صَبْرًا عَلٰى مَاقَدَّرَ اللّٰهُ	وَسَلِّمِيْ تَسْلِيْمِيْ فَالْحَاكِمُ اللّٰهُ
يَارُبَّ مُسْتَصْعَبٍ قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ	وَرُبَّ شَرٍّ كَثِيْرٍ قَدْ وَقَى اللّٰهُ
إِذَا بَكَيْتَ فَثِقْ بِا اللّٰهِ وَارْضَ بِهٖ	إِنَّ الَّذِيْ يَكْشِفُ الْبَلْوٰى هُوَ اللّٰهُ

(سمير المؤمنين: ١٩٦)

بے چین وغمگین لوگوں کے لئے بندہ نے بتوفیقِ الٰہی ایک کتاب تیار کی ہے جس کا نام ''پریشان رہنا چھوڑ دیجئے'' ہے ہر پریشان حال شخص کے لئے یہ کتاب اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی اُلجھن، ٹینشن، ڈپریشن ختم کرنے کے لئے بہت مفید رہے گی۔

besturdubooks.wordpress.com

ہے۔

❼ کتنے ہی تکلیفوں میں پڑے ہوئے لوگوں کی مصیبتوں کو اللہ نے آسان کر دیا اور ڈھیر سارے فتنوں سے اللہ نے بچایا۔

❽ جب تو آنسو بہائے تو اللہ پر بھروسہ کر اور اس سے راضی ہو جا، اس لئے کہ مصائب و تکالیف دور کرنے والا اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت کے استحضار کا واقعہ

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ②: حضرت نافع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، خدام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہو گیا، خدام نے دسترخوان بچھایا، سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا گزرا، اُس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اُس نے کہا: ''میرا روزہ ہے۔'' ...... حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا:

''اس قدر سخت گرمی کے زمانے میں کیسی لو چل رہی ہے اور جنگل میں تو روزہ رکھ رہا ہے؟''

اُس نے عرض کیا: ''میں اپنے ایامِ خالیہ کو وصول کر رہا ہوں (یعنی دنیا کے اوقات کو قیمتی بنا رہا ہوں)''

یہ قرآنِ پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ تھا، جو ''سورۃ الْحَاقَّۃ'' میں ہے کہ حق تعالیٰ جنتی لوگوں کو فرمائیں گے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''(ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ، ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے زمانے میں (دنیا میں) کئے ہیں۔''

یعنی قیامت کے دن کہا جائے گا: ''دنیا میں تم نے اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں اُٹھائی تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں خوب رج (پیٹ بھر کر) کر کھاؤ پیو۔''[2]

اس کے بعد حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے امتحان کے طور پر اُس سے کہا: ''ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اُس کی قیمت بتا دو اور لے لو، ہم اس کو ذبح کریں گے اور تمہیں بھی گوشت دیں گے کہ اِفطار میں کام دے گا۔'' اُس نے کہا: ''یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو غلام ہوں، یہ میرے سردار کی بکریاں ہیں۔'' حضرت اِبن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: سردار کو کیا خبر ہو گی، اُس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔'' اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

''فَاَیْنَ اللّٰہُ'' ...... تو اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ جب وہ مالک الملک

---

[1] الحاقة: ٢٤ [2] تفسير عثماني: ٧٥٢ حاشية: ١٠

besturdubooks.wordpress.com

دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ بھیڑیا کھا گیا)۔

حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے کہ ایک چرواہا کہتا ہے:

''أَيْنَ اللّٰهُ، أَيْنَ اللّٰهُ'' (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے۔)

اس کے بعد حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا شہر میں واپس تشریف لائے تو اُس غلام کے آقا سے غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں۔[1]

یہ اُس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ اُن کو جنگل میں بھی یہ فکر تھی کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔

غیر اللہ کو دل سے نکالنے کی دعا

انسان کو چاہئے کہ دل پر ایسی محنت کرے کہ اس دل میں اللہ کے سوا نہ کسی سے امید باقی رہے، نہ اللہ کے غیر کا خوف رہے، اس نعمت کے حصول کے لئے ایک دعا اور ایک حدیث یاد کرلیں، دعا بار بار مانگتے رہیں اور حدیث کا اکیلے میں مراقبہ کرتے رہیں، سوچیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ جلد ہی یہ کیفیت اور یہ نعمتِ عظیمہ حاصل ہوگی کہ پھر اللہ کے غیر سے امید اور خوف ختم ہو جائے گا۔ دعا یہ ہے:

''اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَائَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ فَلَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَكَ''[2]

تَرْجَمَہ: اے اللہ! میرے دل میں صرف اور صرف اپنے سے امید پیوست فرما دے اور میرے دل سے اپنے غیر کی امید ختم فرما دے، یہاں تک کہ میں کسی سے بھی آپ کے سوا اُمید نہ رکھوں۔

مخلوق ہم پر مسلط ہوگی یا ہمارے لئے مسخر ہوگی

وَاقِعَہ نَمبَر ③: حضرت وہب بن ابان قرشی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ایک سفر میں گئے، وہ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ملے، انہوں نے پوچھا:

''کیا بات ہے! یہ لوگ کیوں ایک جگہ کھڑے ہیں؟''

لوگوں نے بتایا: ''آگے راستے پر ایک شیر ہے جس سے یہ خوف زدہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اپنی سواری سے نیچے اترے اور چل کر اس شیر کے پاس گئے، اس کے کان کو پکڑ کر مروڑا اور اس کی گردن پر تھپڑ مار کر اسے راستے سے ہٹا دیا پھر (واپس آتے ہوئے اپنے آپ سے) فرمایا: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمہیں غلط بات نہیں فرمائی، میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِنَّمَا يُسَلَّطُ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ مَاخَافَهُ ابْنُ اٰدَمَ، وَلَوْأَنَّ ابْنَ اٰدَمَ لَمْ يَخَفْ إِلَّا اللّٰهَ لَمْ يُسَلِّطْ

---

[1] أسد الغابة: ۳۳۸/۳ [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي: ۱۹۳

besturdubooks.wordpress.com

عَلَيْهِ غَيْرَهُ، وَ إِنَّمَا وُكِّلَ ابْنُ آدَمَ لِمَنْ رَجَا ابْنُ آدَمَ، وَلَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ لَمْ يَرْجُ إِلَّا اللّٰهَ لَمْ يَكِلْهُ إِلٰى غَيْرِهِ"[1]

تَرْجَمَہ: ابنِ آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے جس سے ابنِ آدم ڈرتا ہے، اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے نہ ڈرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی چیز مسلط نہ ہو، ابنِ آدم اسی چیز کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس چیز سے اسے نفع ونقصان ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ اگر ابنِ آدم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے کسی اور چیز کے بالکل حوالہ نہ کرے۔

"وَمَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَهْرُبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ مِنْ شَيْءٍ سِوَاهُ."[2]

تَرْجَمَہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی عظمت وصفات کے ساتھ پہچان لیا تو وہ کسی چیز سے نہیں بھاگے گا اور اللہ کے سوا کسی دوسری چیز سے خوف نہیں کھائے گا۔

آپ بڑے سے بڑے طاقت ور، بہادر سے بہادر جرنل، کرنل، جنات، بھوت، جادو اور آسیب وغیرہ کا خوف دِل سے نکال لیجئے کیوں کہ کوئی جن، بھوت اللہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا، جیسے ایک چیونٹی راستے کے بیچ میں پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی کسی نے پوچھا خیر تو ہے کیوں بیٹھی ہو؟

کہنے لگی: سنا ہے یہاں سے آج ہاتھی گزرے گا تو اس کا راستہ روکنے بیٹھی ہوں یہ تو ایک کمزور مخلوق اور طاقت ور مخلوق کی مثال ہے کہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تعجب خیز اور کھیل معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، مخلوق کتنی بھی طاقت ور اور زور آور ہو، لیکن اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لہٰذا مخلوق کا دل سے اثر نکال لیجئے تو پھر وہ مخلوق آپ کے قدموں میں مسخر ہو جائے گی اور اگر مخلوق کا خوف، تاثر دل میں بٹھا لیا تو وہ مخلوق خواہ کتنی ہی کمزور ہو سر پر مسلط ہو جائے گی۔

"اَللّٰهُ مَعِيْ" ...... افضل الایمان ہے

"اللہ میرے ساتھ ہیں" کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے، لیکن اس کا استحضار (یقین) گناہوں سے بچانے کے لئے اور گھبراہٹ اور ٹینشن سے نجات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ آدمی اکیلے میں بیٹھ کر سوچے کہ اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ سورۂ حدید میں، خود اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[3]

تَرْجَمَہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

---

[1] كنز العمال: ٢٠٦/١٣ رقم الحديث ٣٧٧٥٤ [2] عُلُوُّ الهِمّة، "الحركة قيامة وبعث للروح": ٢٦٦، [3] الحديد: ٤

besturdubooks.wordpress.com

حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اور وہ تم پر نگہبان ہے، تمہارے اعمال پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو...... سمندر میں ہو یا خشکی میں، ...... رات کا وقت ہو یا دن کا، ...... اکیلے گھر میں ہو یا جنگل میں ہو، ...... تم جہاں جس وقت بھی ہو...... اور جس حالت میں بھی ہو...... وہ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اس کے علم میں سب کچھ برابر ہے۔ سب کچھ اس کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اس کی صفت اور قوت اور شانِ سماعت کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے کلام اور سرگوشیاں سنتا ہے، تمہارے مکان یعنی ٹھکانے کو جانتا ہے، اور تمہارے راز کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ سو خوب جان لو کہ نہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔ اُسی کا دھیان رکھنا چاہئے، اپنے آپ کو ہر وقت اس کی نگاہ کے سامنے سمجھنا چاہئے، اس پر ایمان رکھنا ہے۔''

جیسا کہ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے ارشاد فرمایا تھا: (جب انہوں نے ایک سائل بن کر پوچھا تھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا:) کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یعنی اگر یہ دھیان نہ بنے) تو اتنا تو یقین (اور استحضار) رکھ کہ وہ ضرور تجھے دیکھ رہا ہے۔[1]

حکمت کا توشہ

وَاقِعَہ نَمْبَر ④: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: ایک شخص نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مجھے حکمت کا کچھ توشہ عنایت فرمائیں جس کے مطابق میں زندگی گزاروں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''اللہ سے اس طرح شرماؤ جیسا کہ تم اپنے خاندان کے کسی ایسے بااثر شخص سے شرماتے ہو کہ جس کی نگرانی میں تم ہو۔''[2]

اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: جس نے تین کام کرلئے اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (ایمان کی حلاوت کو پا لیا)

1. ایک یہ کہ وہ ''اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ'' کی عبادت کرے۔
2. دوسرے یہ کہ اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ہر سال ادا کرے (زکوٰۃ کے اندر بوڑھا اور بیمار جانور نہ دے بل کہ اپنے اموال میں سے درمیانی قسم کے اموال سے زکوٰۃ ادا کرے)۔
3. اور تیسرا کام اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

اُس شخص نے پوچھا: ''مَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ؟'' ...... انسان کے نفس کا تزکیہ کیسے ہوتا ہے؟

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''یَعْلَمُ أَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُ کَانَ'' کہ وہ اس بات کو جانے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہے۔

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان والاسلام وغیرھما: ۱۲/۱

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱۳۰۷، الحدید: ٤

besturdubooks.wordpress.com

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ أَفْضَلَ الإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ."[1]

تَرْجَمَہ: سب سے بہتر ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بہترین اشعار منقول ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيبُ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً وَلَا أَنَّ مَا تُخْفِي عَلَيْهِ يَغِيبُ

مفہوم: اگر تو تنہا کسی کمرے میں ہو اور چاروں طرف سے دروازے بند ہوں تو یہ ہرگز مت خیال کر کہ میں اکیلا ہوں، بل کہ یہ یقین رکھ کہ میرے ساتھ (میرا اللہ) میرا رقیب ہے، یعنی نگراں ہے۔

ہرگز یہ مت سمجھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے پل بھر کے لئے بھی غافل ہوسکتا ہے...... یہ بات بھی ہرگز نہ سوچ کہ جو باتیں تو اپنے طور پر چھپاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے واقعی چھپی ہوئی رہتی ہیں......اور نہ ہی ہرگز یہ گمان کر کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ اس سے چھپا ہوا ہے......بل کہ حق یہ ہے کہ سب کا سب اُس کے سامنے ظاہر ہے، ہر چھپی ہوئی چیز بھی اس پر واضح ہے۔"[2]

ہر کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنا چاہئے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "ہر وہ اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، ادھورا ہے۔"[3]

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت، غرض ہر قابلِ ذکر مشغلے کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: بظاہر یہ ایک مختصر سا عمل ہے جسے بعض اوقات ایک رسمی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ کوئی رسم نہیں، بل کہ اس سے ایک بہت بنیادی فکر کی آبیاری مقصود ہے، یہ ایک ایسی اہم حقیقت کا اعتراف ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے سے زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں انسان کا پورا نقطۂ نظر اور معاملات طے کرنے کے لئے اس کی پوری سوچ ہی بدل جاتی ہے۔

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کائنات کا کوئی ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا، انسان کو اپنی عملی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے، لیکن نہ تو یہ اسباب خود بخود وجود میں آگئے ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴۴۵/۳، الحدید: ٤ [2] تفسیر ابن کثیر: ۴۴۵/۳، الحدید: ٤ [3] الدرّ المنثور: ۲۳/۱

besturdubooks.wordpress.com

اور نہ ان اسباب میں بذاتِ خود کوئی کارنامہ انجام دینے کی طاقت موجود ہے، حقیقت میں ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان میں تاثیر پیدا کر کے ان کے نتیجے میں واقعات کو وجود میں لانے والا کوئی اور ہے۔

اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ ہم جب پانی پینا چاہتے ہیں تو بسا اوقات غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں پی کر فارغ ہو جاتے ہیں، ایک ظاہر بین انسان زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ لیتا ہے کہ اسے یہ پانی کس کنویں، کس دریا، کس جھیل یا نہر سے حاصل ہوا، لیکن اس کنویں یا دریا اور جھیل تک پانی کیسے پہنچا؟

انسان کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے کائنات کی کتنی قوتیں اس کی خدمت میں لگا رکھی ہیں؟ اور اس کے لئے کیسا عجیب وغریب نظام بنایا ہوا ہے؟ اس کا دھیان بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کا عظیم الشان ذخیرہ سمندروں کی شکل میں محفوظ فرمایا ہے اور اسے سڑنے سے بچانے کے لئے اوّل تو اسے نمکین بنا دیا ہے اور دوسری طرف اسے ہر دم اس طرح رواں دواں کر دیا ہے کہ اس کی موجیں حرکت اور بے تابی کی علامت بن گئی ہیں اور باوجود یہ کہ اس میں روزانہ ہزار ہا جانور مرتے ہیں، پھر بھی یہ پانی کبھی سڑتا نہیں، لیکن انسان کے لئے پانی کے اس عظیم الشان ذخیرے سے براہِ راست فائدہ اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

اس لئے کہ اوّل تو اس پانی کی کڑواہٹ ایسی ہے کہ اسے انسان پی نہیں سکتا، دوسرے اس پانی کا حصول صرف آس پاس بسنے والوں کے لئے ہی ممکن ہے، دور رہنے والے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف سمندر سے مون سون اٹھا کر اس میں ایسا خودکار پلانٹ نصب کر دیا ہے جس کے ذریعے سمندر کے کڑوے پانی کو میٹھا کرنے کا حیرت انگیز نظام کسی انسانی محنت یا مالی خرچ کے بغیر مسلسل جاری ہے، دوسری طرف اس مون سون کو بادلوں کی شکل دے کر ایک مفت ائیر کارگو سروس فراہم کر دی گئی ہے، جس کے ذریعے یہ سیال پانی ہوا میں تیرتا اور سینکڑوں، بل کہ ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے۔ اور اس کی فضائی پرواز نے دنیا کے ہر خطے کو سمندر کا پانی میٹھا کر کے سپلائی کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔

لیکن نہ تو انسان یہ برداشت کر سکتا تھا کہ اس پر ہر وقت بادل چھائے رہیں اور بارش برستی رہے اور نہ اس میں یہ طاقت تھی کہ وہ سال بھر یا چھ مہینے کا پانی ایک ساتھ اکٹھا کر کے رکھ سکے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت نے یہ انتظام فرمایا کہ بادلوں کا یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اس کے منجمد ذخیرے برف کی شکل میں محفوظ فرما دیئے۔ پانی کا یہ دل فریب کولڈ اسٹوریج پہاڑوں کی چوٹیوں پر دل آویز نظارے تو فراہم کرتا ہی ہے، لیکن اس کا اصل کام ہماری پیاس بجھانے کا انتظام ہے۔

پھر انسان کو یہ تکلیف بھی نہیں دی گئی کہ وہ اس برفستان میں خود جا کر اپنی ضرورت پوری کرے، بل کہ اسے سورج کی گرمی سے پگھلا کر دریا اور پہاڑی نالے بنا دیئے گئے اور اس کے علاوہ پانی کے سوتوں (پانی کے نکلنے کی جگہ) کے

besturdubooks.wordpress.com

ذریعے زمین کے کونے کونے میں ایسی پائپ لائن بچھا دی گئی ہے کہ انسان جہاں سے زمین کھودے وہیں سے پانی برآمد ہوجاتا ہے۔

سمندر سے پانی اٹھا کر اسے پہاڑوں میں محفوظ کرنے اور زمین دوز پائپ لائن کے ذریعے دنیا کے چپے چپے تک اسے پہنچانے کے اس عظیم الشان سلسلے میں کہیں بھی انسانی عمل یا اس کی فکر و کاوش اور منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان بہتے ہوئے دریاؤں یا زمین میں پوشیدہ سوتوں (پانی نکلنے کی جگہ) سے اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلے، اگرچہ یہ کام پانی کی سپلائی کے مذکورہ بالا قدرتی اور آفاقی نظام کے مقابلے میں نہایت محدود اور مختصر کام ہے، لیکن اس محدود سے کام کی انجام دہی میں بھی انسان بڑی مشقت اٹھاتا، بہت روپیہ خرچ کرتا اور کائنات کے دوسرے وسائل سے کام لیتا ہے۔

پانی کا ہر وہ گھونٹ جو ہم ایک لمحہ میں اپنے حلق سے اتار لیتے ہیں، آب رسانی کے اس سارے طویل عمل سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے جس میں سمندر .... بادل .... پہاڑ .... آفتاب .... ہوائیں .... ندی نالے......... زمین .... اور اس میں پوشیدہ خزانے ...... اس پر چلتے ہوئے جانور، اور بالآخر انسان اور اس کے بنائے ہوئے آلات، سب اپنا اپنا کردار ادا کر چکے ہوتے ہیں۔

جب آں حضرت ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ پانی پینے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہ" کہو، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پینا شروع کرو، تو درحقیقت اس کا مقصد یہی ہے کہ پانی کی اس نعمت کے استعمال سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کو یاد کرو جس نے تمہارے ہونٹوں تک پانی کے یہ گھونٹ پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے، اس پانی کے حصول کے لئے تم نے چند ظاہری اسباب ضرور اپنے عمل اور محنت سے اختیار کئے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب کی رسائی ایک خاص حد سے آگے نہیں، اس حد کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا وہ محیر العقول (عقل کو حیران کرنے والا) نظام کام کر رہا ہے، جو انسان کے عمل ہی نہیں، اس کی سوچ اور تصور کی پرواز سے بھی اونچا ہے۔

پھر ایک عام آدمی کو اس سے زیادہ کسی بات سے سروکار نہیں ہوتا کہ اسے پیاس لگی تھی جسے اس نے ایک گلاس پانی پی کر بجھا دیا، لیکن یہ پانی حلق سے اتر کر کہاں جا رہا ہے؟

اور اس کے جسم کی کیا کیا خدمات انجام دے رہا ہے؟

اس کی طرف عام طور سے کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا، ذرا غور سے کام لیں تو درحقیقت ہماری جسمانی مشینری کے ایک ایک پرزے کو پانی کی ضرورت تھی جس کے بغیر یہ مشینری کام نہیں کر سکتی تھی، لیکن چوں کہ عام انسان یہ بھی پتہ نہیں لگا سکتا کہ اس کے جسم میں کب پانی کی مطلوبہ مقدار کم ہوگئی ہے، اس لئے قدرتِ خداوندی نے اسے پیاس کی شکل میں ایک عام فہم میٹر فراہم کر دیا ہے، جو ہر عالم اور ہر جاہل، شہری اور دیہاتی، یہاں تک کہ ناسمجھ بچے کو بھی خود بخود یہ بتا دیتا

besturdubooks.wordpress.com

ہے کہ اسے پانی کی ضرورت ہے، وہ اسے صرف اپنے ہونٹ اور حلق کی ضرورت سمجھتا ہے اور ان ہی دو چیزوں کو تر کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ پیاس بجھ گئی۔

لیکن درحقیقت پانی کا اصل فائدہ اس سے کہیں آگے ہے، وہ صرف ہونٹ اور حلق کی نہیں پورے جسم کی مانگ تھی، اور وہ حلق سے گزر کر جسم کے ہر اس حصے کو سیراب کرتا ہے جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت تھی، اور اس طرح جسم کی اندرونی پائپ لائن کے ذریعے وہ پانی سر سے لے کر پاؤں تک ضرورت کی تمام جگہوں تک پہنچایا جاتا ہے، پھر جتنے پانی کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے، اتنا جسم میں باقی رہتا ہے اور باقی حصہ جسم کی دھلائی کے بعد اپنے ساتھ مضر اجزاء کو بہا کر دوبارہ جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔

اسی طرح روٹی کے اس نوالے کو دیکھ لیجئے جو ہم ایک لمحے میں حلق سے اتار لیتے ہیں، ایک ظاہر بین نگاہ صرف اس حد تک جاتی ہے کہ ہم نے اپنے کمائے ہوئے پیسوں سے بازار سے آٹا خریدا اور اس سے روٹی تیار کرلی، لیکن بازار تک اس آٹے کو پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی طاقتیں سرگرم رہیں؟

اس کی طرف عموماً نگاہ نہیں جاتی، انسان کا کام اتنا ہی تو تھا کہ وہ زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دے، لیکن کون ہے جس نے اس چھوٹے سے بیج میں ایسا پروسسنگ پلانٹ (نظامِ عمل) لگایا کہ اس میں سے کونپل پھوٹ نکلی؟

کون ہے جس نے مٹی کی دبیز تہوں میں اس کونپل کی پرورش کی اور اسے یہ قوت عطا کی کہ وہ اپنے جسم کی لچک دار نوک سے زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہو اور ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہو جائے؟

پھر کون ہے جس نے اس پر چاند سورج کی کرنیں بکھیریں؟

اسے لہراتی ہوئی ہواؤں کا گہوارہ فراہم کیا؟

اس پر بادلوں کا شامیانہ تان کر اس کو جھلسنے سے بچایا...... اس پر رحمت کا مینہ برسا کر اس کی نشوونما کی رفتار تیز کر دی ...... یہاں تک کہ ایک ایک کھیت میں سینکڑوں خوشے اور ایک ایک خوشے میں سینکڑوں دانے وجود میں آ گئے۔

قرآنِ کریم اسی حقیقت کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ ﴾[1]

تَرجَمہ: ذرا بتاؤ تو سہی کہ جو کچھ تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟

لہٰذا! جب آں حضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہِ" کہو تو اس کا مقصد اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اس نوالے کا حصول صرف تمہاری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں، بل کہ یہ اس دینے والے کی دین ہے، جس نے اسے تم تک پہنچانے کے لئے کائنات کی عظیم طاقتوں کو تمہارے لئے رام کر دیا، لہٰذا اس نوالے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس دینے والے کو فراموش نہ کرو، یوں تو اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس کی ہر مخلوق کے لئے عام ہے، کھانا اور پانی

---

[1] الواقعة: ٦٣، ٦٤

besturdubooks.wordpress.com

جانوروں کو بھی ملتا ہے لیکن جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور بخشا ہے اس میں اور بے شعور جانوروں میں اتنا فرق تو ہونا چاہئے کہ یہ باشعور مخلوق ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت غفلت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے محسنِ حقیقی کو یاد کرلیا کرے (اور گناہوں سے بچے)۔ ؎

ابرو بادومہ و خورشید و فلک درکارند تاتونانے بکف آری وبغفلت نہ خوری[1]

یہ دوتو سادہ سی مثالیں تھیں، لیکن زندگی کے جس کسی کام کو لیجئے غور کرنے سے ہر جگہ صورت حال یہی ملے گی، انسانی محنت اور ظاہری اسباب کا عمل بہت چھوٹے سے دائرے تک محدود ہے، اس محدود، دائرے کے پیچھے جھانک کر دیکھئے تو دنیا کا ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ ایک ایسے نظامِ ربوبیت کے ساتھ بندھا ہوا ہے جس کی حکمتیں لامحدود ہیں .... اور جس میں انسان کی محنت، کوشش، وسائل اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں، لیکن عام طور سے انسان کی محدود نگاہ ظاہری اسباب کی تنگنائے (تنگ راستہ، تنگ کوچہ) سے آگے نہیں بڑھتی اور وہ شب وروز اسی تنگنائے کے خم وپیچ میں الجھا رہتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں کہ وہ انسان کو اس تنگ نظری سے نجات دلا کر اس کی نگاہ کو وسعت اور سوچ کو گہرائی عطا کریں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دے کر زندگی کے ہر شعبے میں انسان کا رشتہ اپنے مالک سے جوڑنے کی کوشش فرمائی ہے، کیوں کہ جب انسان اپنے ہر کام کو بالآخر اللہ تعالیٰ کی مشیت وتخلیق کے تابع قرار دیتا ہے اور بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرکے اپنی عاجزی ودرماندگی کا اعلان کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے دل میں یہ شعور جڑ پکڑ لیتا ہے کہ وہ اس دنیا میں خالق ومالک بن کر نہیں، بل کہ مخلوق اور اپنے مالک کا بندہ بن کر آیا ہے۔ یہ احساسِ بندگی اس کے دل میں تواضع .... عاجزی .... ہمدردی وغم گساری .... پیدا کرتا ہے اور فرعونیت، تکبر کے رذیل جذبات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں جبرواستبداد (زبردستی) اور ظلم وستم کے واقعات اسی وقت وجود میں آتے ہیں جب انسان اپنی حقیقت کو فراموش کرکے اپنے خالق سے رشتہ توڑ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خالص اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ قرار دے کر اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، لیکن جو شخص قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یہ اعتراف کررہا ہو کہ میرا ہر کام میرے مالک وخالق کی مرہونِ منت ہے اس کے دل پر غرور وتکبر کی سیاہی کا کوئی دھبہ نہیں پڑتا اور وہ دوسری مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی کبھی ظلم وتشدد کا روادار نہیں ہوسکتا۔

---

[1] یعنی اللہ ربّ العزت نے انسان کو خوراک فراہم کرنے کے لئے ہوا کو، آسمان وبادل کو اور چاند وسورج کو کام میں لگایا ہوا ہے۔ ان سب کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں انسان کو غذا مل رہی ہے، لیکن تر نوالہ منہ میں ڈالتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے، اس کا شکر نہ بجالائے تو یہ کتنی بڑی غفلت ہوگی۔

besturdubooks.wordpress.com

"بِسْمِ اللّٰہ" "شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے" بظاہر مختصر لفظ ہیں، لیکن ان کے پیچھے حقائق ومعارف کی ایک کائنات پوشیدہ ہے اور آں حضرت ﷺ نے ہر کام کے شروع میں یہ الفاظ کہلوا کر انسان کو ایسا انسان بننے کی طرف متوجہ کیا جو فرعون ونمرود نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر دنیا میں امن سے رہنا چاہتا ہو، اور اس طرح انسان کے ہر کام کو عبادت وبندگی میں تبدیل کیا۔ تھوڑی دیر کتاب بند کر کے اس مضمون کو سوچیے، اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے کہ یہ مضمون دل میں اُتر جائے۔[1]

اللہ جل جلالہٗ کے نام کی تاثیر

واقعہ نمبر ⑤: بادشاہِ روم قیصر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایک خط لکھا کہ میرے سر میں درد رہتا ہے، کوئی علاج بتائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پاس اپنی ٹوپی بھیجی کہ اسے سر پر رکھا کرو، سر کا درد جاتا رہے گا، چناں چہ قیصر جب وہ ٹوپی سر پر رکھتا تو درد ختم ہو جاتا، اتارتا تو درد دوبارہ لوٹ آتا، اسے بڑا تعجب ہوا، تجسس سے ٹوپی چیری تو اس کے اندر ایک رقعہ پایا جس پر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھا تھا۔ یہ بات قیصر کے دل میں گھر کر گئی، کہنے لگا: "دینِ اسلام کس قدر معزز ہے اس کی تو ایک آیت بھی باعثِ شفاء ہے، پورا دین باعثِ نجات کیوں نہ ہوگا" اور اسلام قبول کر لیا۔[2]

واقعہ نمبر ⑥: "بِسْمِ اللّٰہ" کی تاثیر کا ایک اور واقعہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک قبر پر ہوا جس میں میت کو عذاب دیا جا رہا تھا، دوبارہ وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ قبر میں رحمت کے فرشتے ہیں، عذاب کی تاریکی کے بجائے وہاں اب مغفرت کا نور ہے، آپ کو تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ سے اس عقدہ کو حل کرنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ "یہ بندہ گناہ گار تھا، جس کی وجہ سے مبتلائے عذاب تھا، مرتے وقت اس کی بیوی امید سے تھی، اس کا بچہ پیدا ہوا، وہ بچہ مکتب میں داخل کر دیا گیا، استاذ نے اسے پہلے دن "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھائی، تب مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ" میں زمین کے اندر اسے عذاب دیتا رہوں جب کہ اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لیتا رہے۔"[3]

سینے میں ایک گھر

❶ امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس بات کو خوب سمجھ لو! اللہ تعالیٰ نے سینے میں ایک گھر پیدا کیا اور وہ دل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دل میں ایک تخت بچھایا۔ اور اس میں اپنی رحمت سے جنت، مانوسیت، محبوبیت اور اپنے ملنے کے شوق کا دروازہ کھولا۔ اور احکامات کے اقسام میں سے جیسے تہلیل، تسبیح، تحمید اور تقدیس کے پھولوں اور پھلوں سے لدے

---

[1] ذکر و فکر: ۹ تا ۱۷ [2] المواهب اللدنية شرح شمائل ترمذی: ۳

[3] تفسیر کبیر: ۱۷۲/۱، تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم

besturdubooks.wordpress.com

ہوئے درختوں پر اپنے کلام کی بارش برسائی۔ اس باغ کے وسط میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا درخت ہے۔ جو محبت، رجوع، خوف اور اس کی خوشی کے پھل اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیتا ہے اور اس درخت کو بطورِ پانی اور کھاد کے، اس کے کلام کا تدبر اس کی سمجھ اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کو ڈالا جاتا ہے۔

اس گھر کے بیچ میں ایک قندیل لٹکا ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ونورِ ایمان اور توحید سے چمکایا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کے سکون کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے قریب محسوس کرتا ہے اور اس کو واقعتاً قریب ہی پاتا ہے۔"

❷ احمد بن عاصم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پہچانتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خوف کھاتا ہے۔"[1]

اَللّٰہُ ...... یَفْرَحُ بِقُرْبِہِ الْمُؤْمِنُوْنَ، وَیَشْتَاقُ إِلٰی لِقَائِہِ الْمُتَّقُوْنَ.

تَرْجَمَہ: ایمان والے اللہ تعالیٰ کی قربت سے خوش ہوتے ہیں اور متقی لوگ اس کے دیدار کا شوق رکھتے ہیں۔[2]

سَاكِنٌ فِي الْقَلْبِ يَعْمُرُهُ لَسْتُ أَنْسَاهُ فَأَذْكُرُهُ
غَابَ عَنْ سَمْعِيْ وَعَنْ بَصَرِيْ فَسُوَيْدَا الْقَلْبِ تَبْصُرُهُ

تَرْجَمَہ

وہ ذات میرے دل میں بسی ہوئی ہے
اور یہی چیز میرے دل کو آباد کیے ہوئے ہے
میں اس کو بھولا ہی نہیں ہوں کہ یاد کروں
وہ اگرچہ میری آنکھوں اور کانوں سے دور ہے
لیکن میں دل کی گہرائیوں سے اس کو دیکھ رہا ہوں

اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے ملاقات کی دُعا

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

"اَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ..... وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَآئِكَ."[3]

تَرْجَمَہ: اے اللہ! میں تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے ملنے کا شوق رکھتا ہوں۔

[1] اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ٢١٣ [2] اللّٰہ اهل الثناء والمجد: ١٠٤ [3] كنز العمال: ٢/٧٦ رقم: ٣٦٠٨

besturdubooks.wordpress.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمیشہ سے یہ اشتیاق تھا کہ میں اپنے ربّ سے ملاقات کروں۔ محبّ کا دل ہر وقت اپنے محبوب کے دیکھنے اور اس کے حسن میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس کے جلال کی طرف دیکھتا ہے تو اس کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا رعب پیدا ہوتا ہے اور جب اس کی مہربانیوں اور نعمتوں کی طرف دیکھتا ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب جنت کی نعمتوں کا مراقبہ کرتا ہے تو اس سے ملنے کا شوق جنم لیتا ہے۔

③ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يَخْرُجُ الْعَارِفُ مِنَ الدُّنْيَا وَلَا يَقْضِيْ وَطَرَهُ مِنْ شَيْئَيْنِ: بُكَاؤُهُ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَشَوْقُهُ إِلٰى رَبِّهٖ." [1]

"یعنی عارف کا دل موت آنے تک دو چیزوں سے نہیں بھرتا:

① اپنے نفس پر رونا ② اپنے ربّ سے ملاقات کرنے کا شوق۔"

④ وَكَانَ أَبُوْعُبَيْدَةَ الْخَوَّاصُ لَيَمْشِيْ فِي الطَّرِيْقِ، وَيَصِيْحُ: "وَاشَوْقَاهُ إِلٰى مَنْ يَّرَانِيْ وَلَا أَرَاهُ."

حضرت ابوعبیدہ الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ راستے میں چل رہے ہوتے اور ایک دم چیخ مارتے ہوئے کہتے:

"میں تو اپنے پروردگار سے ملاقات کا شوق رکھتا ہوں، جو مجھ کو دیکھتا ہے، لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا ہوں۔" [2]

کرب و پریشانی کے وقت یہ دعا مانگئے

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھلائی تھی اور فرمایا کہ کرب اور پریشانی کے وقت یہ دعا مانگا کریں:

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا. [3]

تَرْجَمَۃ: اللہ اللہ میرے ربّ ہیں میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا/ٹھہراتی۔

لہٰذا پریشانی کے وقت یہ دعا ورِدِ زبان رکھنی چاہیے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا کبھی بے کار نہیں جاتا۔ قرآن میں تقریباً دو ہزار نو سو چالیس (۲۹۴۰) مرتبہ لفظِ "اللّٰہ" آیا ہے۔ [4]

---

[1] اللّٰه اهل الثناء والمجد: ۱۰۵ [2] اللّٰه اهل الثناء والمجد: ۱۰۵ [3] ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء عند الكرب: ۲۷۷

[4] المعجم المفهرس: ۹٦

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

❶ مسلمان بندہ کو چاہیے کہ اس یقین کو دل میں بٹھائے کہ میرا مولیٰ اور آقا میرے مسائل کا حل کرنے والا، میری پریشانیاں دور کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں سوائے اَللّٰہُ جَلّ جَلَالُہٗ کے۔

❷ جب یہ یقین پکا ہو جائے گا تو پھر ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کی ہی عبادت کرنے میں اور بندگی کرنے میں دن رات محنت و کوشش کرے گا۔

❸ جو بندہ اللہ ہی کی عظمت و کمال کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور غیر اللہ کو کسی طرح بھی اہمیت نہ دے تو ایسے شخص کو یہ صفات ملتی ہیں: غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، مصیبت و پریشانی میں فوراً اَللّٰہُ جَلّ جَلَالُہٗ سے رابطہ کرتا ہے، اللہ کی رضا کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔[1]

❹ نبوت کے چھ سال بعد شعبِ ابی طالب کا واقعہ پیش آیا جو قریش کے ظلم و استبداد کی ایک مثال ہے۔

مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ ہم ان مسلمانوں کا مکمل طور پر بائیکاٹ کریں گے ان سے میل جول نہیں رکھیں گے اور نہ ہی انہیں کھانے پینے کی اشیاء پہنچنے دیں گے اور ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا۔

اس معاہدہ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دیمک کو لگا دیا۔ جس نے اس معاہدہ کے حروف چاٹ لئے اور صرف اللہ کا نام چھوڑا۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوطالب سے یوں کہا:

"يَا عَمِّ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَّطَ الْأَرَضَةَ عَلَى صَحِيْفَةِ قُرَيْشٍ، فَلَمْ تَدَعْ فِيْهَا اسْمًا هُوَ لِلّٰهِ إِلَّا أَثْبَتَتْهُ فِيْهَا وَنَفَتْ مِنْهَا الظُّلْمَ وَالْقَطِيْعَةَ وَالْبُهْتَانَ."

تَرجَمَہ: "چچا جان! اللہ تعالیٰ نے (خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے) قریش کے صحیفے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ظلم و قطع اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ کو صاف کر گیا ہے۔"[2]

جب اُسے دیکھا گیا تو صرف "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" باقی رہ گیا ہے اور جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے۔

---

[1] منهج الامام ابن قيم الجوزی: ٢٦٩　[2] البدايه والنهايه: ٣/٨٠، نقض الصحيفة

besturdubooks.wordpress.com

الرَّحْمٰنُ جَلَّ جَلَالُهُ الرَّحِيْمُ جَلَّ جَلَالُهُ

(بے حد رحم کرنے والا) (بڑا مہربان)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں:

❶ رحمت نرمی اور مہربانی کو کہا جاتا ہے۔

لفظِ "الرَّحْمٰنُ" اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ رحمت کو ذاتی طور پر ثابت کرتا ہے۔ اور لفظِ "الرَّحِيْمُ" اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ رحمت کو ظہور کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ (یعنی لفظِ "الرَّحْمٰنُ" اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ صفتِ رحمت اللہ تعالیٰ میں ذاتی طور پر موجود ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرماتے ہیں تو اس فعلِ رحمت کی وجہ سے انہیں "الرَّحِيْمُ" کہا جاتا ہے)۔[1]

❷ حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے منقول ہے: "هُوَ الَّذِيْ إِذَا سُئِلَ أَعْطٰى إِذَا لَمْ يُسْأَلْ غَضِبَ" "یعنی "الرَّحْمٰنُ" وہ ذات ہے جب اس سے مانگا جائے تو عطا کرے اور "الرَّحِيْمُ" وہ ذات ہے جب اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جائے۔" جیسا کہ حدیث میں ہے:

"مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ" جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔[2]

ان دونوں صفتوں نے بتلا دیا کہ جس اللہ جل جلالہ کو لوگوں نے صرف "قہّار" اور "جبّار" سمجھ رکھا ہے، وہ تو بے حد رحمت والا اور نہایت مہربان بھی ہے اور مخلوق کو وجود بخشنا اور پھر اس کی پرورش کرنا اور اس کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اس کی رحمت ہی کا کرشمہ ہے، اور رحمت کی صفت اس میں اتنی ہے کہ اس کے بیان کرنے کے لئے "الرَّحْمٰنُ" کہنے کے بعد "الرَّحِيْمُ" کہنے کی بھی ضرورت ہے۔[3]

الرَّحْمٰنُ: اَلْعَاطِفُ عَلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ بِالرِّزْقِ لَهُمْ وَدَفْعِ الْبَلِيَّاتِ عَنْهُمْ، الرَّحِيْمُ: خَاصَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْمَغْفِرَةِ وَإِدْخَالِهِمُ الْجَنَّةَ.[4]

تَرْجَمَہ: صفت "الرَّحْمٰنُ" ہر نیک و بد کے لئے عام ہے۔ شفقت میں، انہیں رزق دینے میں اور ان سے مصیبتوں

---

[1] النهج الأسمٰى: ۷۹/۱
[2] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالىٰ: ۴۰/۵
[3] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۷
[4] تفسير ابن عباس: ۲، في تفسير بسم الله

besturdubooks.wordpress.com

کو دور کرنے میں۔ جب کہ صفتِ رحیم مؤمنوں کے ساتھ ان کی مغفرت کرنے میں اور انہیں جنت میں داخل کرنے میں خاص ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ "بسم اللہ" میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمال میں سے صرف یہ دو صفتیں جو لفظِ رحمت سے ماخوذ ہیں ذکر کی گئی ہیں، تاکہ ہر بندے کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اس کی رحمت عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔

"الرحمٰن" یعنی عام رحمت والی وہ ذات جس کی رحمت سارے عالَم اور ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا، سب پر حاوی اور شامل ہو اور "الرحیم"، یعنی اس کی رحمت کامل و مکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظِ "الرحمٰن" اللہ جل شانہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس کی رحمت عام ہو۔ اسی لئے جس طرح لفظ "اللہ" کا جمع و تثنیہ نہیں آتا کیوں کہ وہ ایک ہی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اور تیسرے کا وہاں احتمال ہی نہیں، اسی طرح "الرحمٰن" کا بھی جمع و تثنیہ نہیں آتا۔[1]

لفظِ "الرحمٰن" قرآن کریم میں ۵۷ مرتبہ آیا ہے۔ ان میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾[2]

۲ ﴿إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا﴾[3]

۳ ﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾[4]

لفظِ "الرحیم" قرآن کریم میں ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾[5]

۲ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[6]

۳ ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[7]

"الرحمٰن جل جلالہ" کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا ایک بڑا سبب

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی قومیں (نعوذ باللہ) اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شاہنشاہ سمجھا، جو قہر اور غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور (نعوذ باللہ) جس کے پاس گناہ گار اور خطاکار بندوں کے لئے بس لعنت ہی لعنت، غضب ہی

[1] تفسیر قرطبی بتفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم: ۱/۹۸ [2] البقرۃ: ۱۶۳ [3] مریم: ۹۳
[4] طٰہٰ: ۵ [5] البقرۃ: ۵۴ [6] البقرۃ: ۱۴۳ [7] المزمل: ۲۰

besturdubooks.wordpress.com

غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانیاں کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور خاص قوم کے لئے محدود ہیں، باقی ساری دُنیا کے لئے وہ بڑا سخت گیر اور جبار وقہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دُنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا اُن کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطا کاروں اور گناہ گاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو وہ بالکل نا اُمید ہوگئے۔

شیطان نے اُن کے کانوں میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے، انہیں راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اس لئے اُن کے دامنوں میں تم جیسے گناہ گاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے، ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

بس اسی کو اُنہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے نا اُمید ہو کر شیطان کی بتلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم وعبادت اور اُن کے نام کی نذر و نیاز اس اُمید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور اُن کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بنتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچا لے گا۔

یونان اور بعض دوسرے ایشیائی ملکوں میں اسی پر بس نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات (تعریفوں اور خصوصیتوں) سے الگ کر کے ایک مجرد (تنہا اور خیالی) ہستی کی طرح مانا گیا، بل کہ اُس کی ہر صفت کے لئے (جو زندگی کی ایک ضرورت ہے اور انسان اس کا محتاج ہے) ایک الگ خیالی وجود اور پیکر تجویز کر لیا گیا، مثلاً: رحم وشفقت کا فلاں دیوتا ہے ...... محبت کا فلاں ...... پانی برسانے والا اور کھیتی سرسبز کرنے والا فلاں ...... دشمن پر فتح دینے والا اور کامیاب کرنے والا فلاں ...... اولاد عطا کرنے والا اور قسمت بنانے اور بگاڑنے والا فلاں یہاں تک کہ بعض بیماریوں (چیچک وغیرہ) کو دور کرنے والا فلاں دیوتا یا دیوی ہے، اس کے نتیجہ میں خالقِ کائنات اور ربُّ العالمین (سب جانوں کا پالنے والا اور اُن کو اُن کی ضروریات مہیا کرنے والا) اللہ ایک خیالی ہستی اور ایک معطل وجود بن کر رہ گیا۔

الغرض! اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتا چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور جود و کرم (سخاوت ومہربانی) کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صفتِ قہر و جبر والا اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے نا اُمید ہو گئے اور

besturdubooks.wordpress.com

شیطان کی بتائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کا قبلہ بنا دیا۔

اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسلام نے اس کے برخلاف ساری تعریفوں اور خوبیوں کا مستحق، ہر طرح کی قدرت کا مالک، نفع و نقصان، زندگی و موت، رزق، صحت و مرض، فقر و مالداری اور فتح و شکست کا دینے والا صرف اسی ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کو قرار دیا۔[1]

اسی لئے قرآن مجید میں جو اس دُنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رأفت...... اور بخشش و غفاریت...... اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت...... کو بیان فرمایا گیا ہے۔

جن نیک بختوں کو قرآنِ مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو "غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ، تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ، خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ، اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ" کی صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" جو قرآن مجید کا سرِ نامہ ہے، اُس میں اس کی صفتِ رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔

شیخ ناصر بن مسفر الزہرانی لکھتے ہیں: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ رکعت جسے ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتے ہیں اور ہر وہ نماز جس کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت "الرحمٰن، الرحیم" کا خوب ورد رکھیں۔ تو اسی وجہ سے ہم نماز "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢﴾ پڑھتے ہیں۔ اور ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہم "اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ یا اَلْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ یا اَلْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" (جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبہ کا اظہار ہوتا ہو) کا ورد کریں۔

باوجود اس کہ یہ مقام اللہ ربُّ العزت کے سامنے خشوع و خضوع کے اظہار اور اس ذاتِ جبار کے سامنے کھڑے ہونے کا ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پیوستہ اور راسخ ہو جائے کہ ہم جس ربّ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے مؤدّب کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی پیشانی اس کے سامنے رگڑتے ہیں۔ وہ "رحمٰن و رحیم" ہے، تاکہ ہمارے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر تسلی اور اطمینان و سکون (انشراح) حاصل ہو جائے۔[2]

---

[1] اسمائے حسنیٰ: ۱۰

[2] أُمِرْنَا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ نَرْكَعُهَا لِلّٰهِ جَلَّ وَعَلَا، وَفِيْ كُلِّ صَلَاةٍ نَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَيْهِ أُمِرْنَا أَنْ نَتَرَنَّمَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، فَنَسْتَفْتِحُ صَلَاتَنَا بِالْبَسْمَلَةِ، ثُمَّ نَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢﴾ وَلَمْ يَقُلْ مَثَلًا: اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، أَوِ الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ، أَوِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. رَغْمَ أَنَّ الْمَقَامَ مَقَامُ خُشُوْعٍ وَخُضُوْعٍ وَاسْتِكَانَةٍ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ، وَلٰكِنْ لِيَزْرَعَ فِيْ نَفْسِكَ وَيَغْرِسَ فِيْ وِجْدَانِكَ أَنَّ هٰذَا الرَّبَّ الَّذِيْ تَعْبُدُهُ، وَتَقِفُ أَمَامَهُ، وَتُمَرِّغُ جَبْهَتَكَ لِأَجْلِهِ هُوَ رَحْمٰنٌ رَّحِيْمٌ، فَيَنْشَرِحُ صَدْرُكَ، وَتَسْلُوْ نَفْسُكَ، وَيَطْمَئِنُّ فُؤَادُكَ (اللّٰه...... اهل الثناء والمجد: ۲۹۳)

besturdubooks.wordpress.com

اس اجمالی بیان کے بعد چند آیتوں پر ذرا تفصیلی نظر ڈال لیجئے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور اسی بات کو سورۂ اَنعام میں یوں فرمایا:

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ﴾[2]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے پر رحمت اور مہربانی لازم کرلی ہے (اس لئے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا، بل کہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے، تاکہ جو چاہے معافی مانگ لے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچا سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (انصاف اور جزا کے لئے) تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا (اور اس دن ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا۔ یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

سُبْحَانَ اللّٰہِ! اس آیت کا پہلا جملہ ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کرلیا ہے) ہم بندوں کے لئے کتنے اطمینان اور کیسی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے نا اُمیدی اگر کفر نہیں تو کیا ہے؟

اور پھر اسی سورۂ اَنعام میں چار رکوع کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[3]

ترجمہ: ''اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر! تم (شفقت اور محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوش خبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کرلیا ہے (اس لئے تمہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اُس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔''

''آیات'' سے مراد اس جگہ آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی عام نشانیاں بھی، تو ایسے لوگوں کے متعلق رسولِ کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی کہ آپ ﷺ اُن کو ''سَلَامٌ عَلَیْکُمْ'' سے خطاب فرمائیں۔

یہاں ''سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ'' کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

---

[1] البقرۃ: ۱۶۳ [2] الانعام: ۱۲ [3] الانعام: ۵۴

besturdubooks.wordpress.com

❶ ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا دیجئے۔ جس میں ان لوگوں کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ اس صورت میں ان غریب مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک ہوگیا، جن کے بارے میں سردارانِ قریش نے مجلس سے ہٹا دینے کی تجویز پیش کی تھی۔

❷ اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو سلامتی کی خوش خبری سنا دیجئے کہ اگر ان لوگوں سے عمل میں کوتاہی یا غلطی بھی ہوئی ہے تو وہ معاف کردی جائے گی اور یہ ہر قسم کی آفات سے سلامت رہیں گے۔

دوسرے جملے ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ میں اس احسان پر مزید احسان و انعام کا وعدہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان مسلمانوں سے فرمادیں کہ تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے، اس لئے وہ بہت ڈریں اور گھبرائیں نہیں، اس جملہ میں اوّل تو ''ربّ'' استعمال فرما کر مضمونِ آیت کو مزید شفقت و رحمت سے مدلل کردیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا پالنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی پالنے والا اپنے پالے ہوئے کو ضائع نہیں کرتا۔ پھر لفظِ ''رب'' نے جس رحمت کی طرف اشارہ کیا تھا، اس کو صراحتاً بھی ذکر فرما دیا۔ اور وہ بھی اس عنوان سے کہ تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے ذمہ لکھ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی شریف بھلے انسان سے بھی وعدہ خلافی صادر نہیں ہوتی تو ربُّ العالمین سے کیسے صادر ہوسکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اس وعدہ کو بصورتِ معاہدہ لکھ لیا گیا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ فرمایا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا:

''إِنَّ رَحْمَتِيْ تَغْلِبُ غَضَبِيْ.''[1] ''یعنی میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔''

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے تورات میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور ان کی ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا، تو صفتِ رحمت کے سو (۱۰۰) حصے کرکے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوقات کو تقسیم کردیا، آدمی اور جانور اور دوسری مخلوقات میں جہاں بھی کوئی اثرِ رحمت پایا جاتا ہے، وہ اُسی حصۂ تقسیم شدہ کا اثر ہے۔ ماں باپ اور اولاد میں، بھائی بہنوں میں، شوہر بیوی میں، عام رشتہ داروں میں، پڑوسیوں اور دوسرے دوستوں میں باہمی ہمدردی اور محبت و رحمت کے تعلقات مشاہدہ کئے جاتے ہیں، وہ سب اسی ایک حصۂ رحمت کے نتائج ہیں۔ باقی رحمت کے ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے رکھے ہیں۔

بعض روایات میں اس کو نبی کریم ﷺ کی حدیث کی حیثیت سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس سے انسان کچھ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی مخلوق پر کیسی اور کس درجہ ہے۔[2]

یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان بل کہ فرشتہ بھی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان عبادت و اطاعت تو ادا نہیں کرسکتا اور جو اطاعت

---

[1] مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمه الله تعالٰی: ۳۵۶/۲

[2] اس کے لئے دیکھئے صحیح مسلم: ۳۵۶/۲ کتاب التوبة، باب فی سعة رحمه الله تعالٰی

besturdubooks.wordpress.com

خلافِ شان ہو، وہ دنیا کے لوگوں کی نظر میں بجائے سببِ انعام ہونے کے باعثِ ناراضگی سمجھی جاتی ہے۔ یہ حال تو ہماری اطاعت وعبادت اور حسنات (نیکیوں) کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہِ عالی کی نسبت سے دیکھا جائے تو سیئات (برائیوں) سے کم نہیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ حقیقی سیئات اور معاصی سے بھی کوئی بشر خالی نہیں "إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ" (مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے) ان حالات میں انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کوئی بھی عذاب سے نہ بچتا، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت برس رہی ہیں۔ یہ سب اُسی رحمت کا نتیجہ ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے ذمہ لکھ لی ہے۔[1]

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے۔ جو اپنے پیغمبر رحمتِ عالم رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اپنے خطا کار اور گناہ گار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہوں اور نہ بھاگو۔ اُس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے۔ اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب توبہ کرلو اور اپنی حالت ٹھیک کرلو۔ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں۔[2]

"الرحمٰن جل جلالہٗ" کی رحمت اور مغفرت کے حق دار کون ہیں؟

سورۂ زمر کی آیتِ رحمت (آیت نمبر۵۳) سے بھی معلوم ہوا اور اس سے اوپر جو آیتیں اس مضمون کی درج کی جاچکی ہیں (جن میں خاص طور سے گناہ گاروں اور خطا کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت میں گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور کشادگی کا حال تو یہ ہے کہ دُنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیاہ کاروں کے لئے اس میں گنجائش ہے۔ لیکن اس کے دروازے میں داخلے کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو اور اس کے ساتھ اپنے معاملے کو درست رکھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اس سے پہلے ساری عمر باغی اور نافرمان رہا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش وغفاریت کے بیان کے ساتھ اس کی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کو سزا دہی کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ سورۂ فاتحہ ہی میں ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ کے ساتھ اس کی صفت ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس کا مقصد اور منشاء یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کی وسعت کے ان قرآنی اعلانات سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ اب گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور زندگی خواہ کیسی ہی گزار دی جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے۔ نہیں بل کہ جزا وسزا کا بھی ایک دن مقرر ہے اور اس دن کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔

---

[1] معارف القرآن: ۳/۳۳۷　[2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۴۳

besturdubooks.wordpress.com

بہر حال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں جا بجا رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھیے:

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾[1]

ترجمہ: ''(اے پیغمبر)! اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمام حجت کے بعد بھی) تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے، لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے، اس لئے اگر تم باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اس کی سخت سزا پاؤ گے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹایا نہیں جا سکتا۔''

اور فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾[2]

ترجمہ: ''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی دردناک ہیں۔''

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾[3]

ترجمہ: ''وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ سب کچھ قدرت رکھتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''[4]

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مہربان ہیں اسی طرح گناہ گاروں کو عذاب دینے والے بھی ہیں، لہٰذا اس کے غضب سے بچنا چاہئے۔

''الرحمٰن جل جلالہ'' سے رحم اور مہربانی مانگئے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں جتنا کہ ماں اپنے بچے پر رحم دل ہوتی ہے۔''[5]

اور ماں کی شفقت، اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کا کہاں مقابلہ کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر چیز کو شامل ہے۔

---

[1] الانعام: ۱۴۸ [2] الحجر: ۴۹، ۵۰ [3] المؤمن: ۳ [4] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۴۵، ۴۶، ۴۷

[5] بخاری، أدب: رحمة الولد ...... رقم ۵۹۹۹

besturdubooks.wordpress.com

وہ ذات جو اپنے بندوں پر ان کے ماں اور باپ سے بھی زیادہ رحم کرنے والی ہے ...... جب بندہ دشمن کے خوف سے یا مصیبتوں کے انبار میں اس ذات کی جانب دوڑتا ہے اور اس کے دروازے پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور اس کے سامنے روتے ہوئے اپنے رخسار اس کی چوکھٹ کی خاک میں رگڑتا ہے اور کہتا ہے:

"اے رب! اے رب! اس بندے پر رحم کر جس پر تیرے سوا کوئی رحم کرنے والا نہیں، تیرے سوا جس کا کوئی مددگار نہیں، تیرے سوا اُسے کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں، تیرے سوا کوئی اُس کا فریاد رَس نہیں۔ میں تیرے ہی سامنے عاجزی کرنے والا ہوں، تیرا ہی محتاج ہوں، تجھ ہی سے سوال کرنے والا ہوں، تجھ ہی سے امید رکھنے والا ہوں تیرے سوا نہ کوئی جائے پناہ ہے نہ ٹھکانہ۔ تو ہی پناہ دینے والا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے رحمت وشفقت سے ایک بڑا حصہ قلبِ مادر کو عطا کیا ہے۔ اگر اس کے بچے کا کان بھی گرم ہوتا ہے تو وہ بے چین ہوجاتی ہے۔ راتوں کو اس کے لئے جاگتی ہے اور چاہتی ہے کہ فوراً اس کی تکلیف دور کردے، وہ ذرا روتا ہے تو وہ فوراً اپنا خون پلانے کے لئے تیار ہوجاتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ اس کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی، خود بھوکی رہتی ہے مگر اس کا پیٹ بھرتی ہے، خود جاگتی ہے مگر اسے سلاتی ہے، خود گرم وسرد زمانہ برداشت کرتی ہے مگر اس پر آنچ نہیں آنے دیتی، ہر وقت اس کی تکلیف کا خیال رکھتی ہے اور یہ "رافت وشفقت" جو اس کے دل میں ہے ظاہر ہے کہ خود اس کی پیدا کردہ نہیں ہے، کسی دوسری ہستی کی پیدا کردہ ہے۔

اس سے کہیں زیادہ کرم اس "الرحمٰن و الرحیم جل جلالہ" کا ہے، وہ مادرِ مہربان سے زیادہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے، مگر عذاب وعتاب بھی کرتا ہے۔ حشر ونشر کے بعد وہ اپنے خطا کار بندے سے پوچھے گا کہ اے میرے بندے! تو نے فلاں وقت میرا حق ادا نہیں کیا، فلاں وقت تو نے میرے ساتھ ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا۔ وہ کہے گا ہاں اے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے اپنے حقوق تو معاف کئے، مگر تو نے جو دوسروں کی حق تلفی والے جرائم کئے، ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ وہ تو وہی لوگ معاف کرسکتے ہیں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سو رحمتیں ہیں۔

---

[1] وَتَأَمَّلْ قَوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا"، وَأَيْنَ تَقَعُ رَحْمَةُ الْوَالِدَةِ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.

وَمَا هُوَ الظَّنُّ بِمَنْ هُوَ أَرْحَمُ بِعَبْدِهٖ مِنَ الْوَالِدِ بِوَلَدِهٖ، وَمِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا؟ إِذَا فَرَّ عَبْدٌ إِلَيْهِ، وَهَرَبَ مِنْ عَدُوِّهٖ إِلَيْهِ، وَأَلْقَى بِنَفْسِهٖ طَرِيْحاً بِبَابِهٖ. يُمَرِّغُ خَدَّهُ فِيْ ثَرَى أَعْتَابِهٖ بَاكِياً بَيْنَ يَدَيْهِ. يَقُوْلُ: "يَارَبِّ يَارَبِّ إِرْحَمْ مَّنْ لَّا رَاحِمَ لَهُ سِوَاكَ ..... وَلَا نَاصِرَ لَهُ سِوَاكَ ..... وَلَا مُؤْوِيَ لَهُ سِوَاكَ ..... وَلَا مُغِيْثَ لَهُ سِوَاكَ مِسْكِيْنُكَ وَفَقِيْرُكَ وَسَائِلُكَ وَمُؤَمِّلُكَ وَمُرَجِّيْكَ. لَا مَلْجَأَ لَهُ وَلَا مَنْجَا لَهُ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ. أَنْتَ مَعَاذُهُ وَبِكَ مَلَاذُهُ." (اللہ ..... اهل الثناء والمجد: ۲۹۷)

[2] شرح اسماء الحسنٰى للازهرى: ۱۷۲، ۱۷۳

besturdubooks.wordpress.com

اس نے ان میں سے ایک رحمت جن وانس، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری ہے۔ اُسی ایک حصے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی اور رحم کرتے ہیں۔ اُسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لئے رکھا ہے کہ ان کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیوی رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائیں گے (پھر سو کی سو رحمتوں کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے)۔[1]

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے قیدی پیش کئے گئے تو ایک قیدی عورت اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی۔ جب وہ بچہ ملا تو فرطِ محبت سے اُس نے بچہ کو سینے سے لگا لیا اور دودھ پلایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم گمان کرتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟

ہم نے کہا: "لَا، وَاللّٰہِ! هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا."[2]

ترجمہ: "اللہ کی قسم! وہ اس کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ رحم فرمانے والے ہیں اپنے بندوں پر بنسبت اس عورت کے اپنے بچے پر۔"

رحم و مہربانی مانگنے کے لئے اس اسم مبارک کا وسیلہ دے کر اس طرح مانگے "يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ" اے مہربان! مجھ پر رحم فرما۔

صلہ رحمی کی تاکید

اللہ ربّ العزت جس طرح خود صفتِ "رحم" کے ساتھ موصوف ہیں اور "اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" ہیں اسی طرح اپنے بندوں میں بھی ان بندوں کو پسند فرماتے ہیں جو رحم کرنے والے، آپس میں نرمی و محبت کا معاملہ کرنے والے، اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ہی اللہ ہوں اور میں ہی رحمٰن ہوں۔ رحم کو میں نے پیدا کیا ہے اور اس کا نام (رحم) میں نے اپنے نام "الرحمٰن" سے نکالا ہے۔ پس جو اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے قطع کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے جدا کردوں گا۔[3]

ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔[4]

---

[1] مسلم: کتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالىٰ وانها تغلب غضبه: ۳۵۶/۲

[2] مسلم، کتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالىٰ، وأنها تغلب غضبه: ۳۵۶/۲

[3] ابوداؤد، رقم: ۱۶۹۴، الزکاة، باب في صلة الرحم

[4] الادب المفرد: ۳۲، رقم: ۶۳، باب لا تنزل الرحمة على قومٍ فيهم قاطع رحم

besturdubooks.wordpress.com

دوسری حدیث میں ہے:

"مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرٰى أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ."[1]

تَرْجَمَہ: "ظلم اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ اس کا وبال آخرت میں جمع رہنے کے ساتھ ساتھ اس کی سزا دنیا میں بھی اللہ پاک کرنے والے کو دیں" (یعنی یہ دو گناہ ظلم وقطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہو گا وہ تو ہو گا ہی، آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا بہت جلد ملتی ہے)

حضرت عمران بن حصین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا مانگتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ تَدْعُوَ عَلَيَّ قَطِعْتُهَا."[2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر والدین سے قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے دے دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ صلہ رحمی کا خوب اہتمام کرے، آج ہی سے توبہ کریں اور جو رشتہ دار ناراض ہیں ان سے جا کر معافی مانگیں، ان کو راضی کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور بار بار دعا کرتے رہیں کہ اے "اَلرَّحْمٰنُ و اَلرَّحِيْمُ"! جب میری آپ سے ملاقات ہو، دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہو تو میرا کوئی رشتہ دار مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اور آپ کے اس نام مبارک کے طفیل مانگتا ہوں کہ میرے اور میرے رشتہ داروں کے دلوں میں رحم پیدا فرما دیجئے کہ ہم آپس میں صلہ رحمی کے ساتھ رہیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ قطعِ تعلق یا ان کو ناراض کرنا، خاص طور پر والدین کی خدمت میں کوتاہی کرنا......، والدین کے وصال کے بعد چھوٹے بھائی بہنوں کو ان کا حق نہ دینا......، میراث شرعی طریقے پر تقسیم نہ کرنا......، بیوی کی یک طرفہ شکایت سن کر بغیر تحقیق کے چھوٹے بہن بھائیوں پر ظلم کرنا، بغیر تحقیق کے صرف وہمی خیالات پر رشتہ داروں سے بدگمان ہونا کہ فلاں کے پاس مال زیادہ آگیا ہے اس لئے اس میں تکبر ہے وغیرہ......، ان سب گناہوں پر بہت شدید وعید آئی ہے اور آخرت کی بات تو الگ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

"دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے اور اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی، اگر اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے............اس کی تلافی نہ کرے............اس کا بدل نہ کرے............اس آفت اور اس عذاب سے جس میں

---

[1] ابوداؤد، الادب، باب فی النھی عن البغي: رقم: ٤٩٠٢

[2] مجمع الزوائد: ١٠/١٢٨، رقم: ١٧٠٥٩

besturdubooks.wordpress.com

مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی۔[1] چاہے لاکھ تدبیریں کر لے اور اگر کسی دنیاوی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بد دینی میں اللہ نہ کرے مبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتا بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کر لے۔ حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔‘‘[2]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ’’اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ.‘‘[3]

ترجمہ: ’’تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔‘‘

دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ’’لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ.‘‘[4]

ترجمہ: ’’جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا اللہ جل شانہ اس پر رحم نہیں فرماتے۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ: ’’لَاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ.‘‘[5]

ترجمہ: ’’رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔‘‘

یاد رکھیں! انسان سگا بھائی یا سگی بہن خود کسی کو نہیں بنا سکتا، اللہ نے جس کا انتخاب کیا ہے وہی سگا بھائی یا بہن ہے، لہٰذا انسان کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ سگے بھائی یا بہن سے رشتہ ناطہ توڑے اور ناراض ہو کر بے رحم اور سخت دِل لوگوں میں شامل ہو۔

ہر جان دار قابلِ رحم ہے

زمین پر رہنے والی مخلوق عام ہے۔ مسلمان، کافر، ملازم، انسان، حیوان، سب ہی داخل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور اللہ جل شانہٗ کو محبوب ہے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کردی گئی کہ وہ چلی جارہی تھی، اس نے ایک کنوئیں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اُتارا اور اس کو اپنی چادر میں باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا۔

حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلے میں بھی ثواب ملتا ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ’’ہر جگر رکھنے والے (یعنی جان دار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے۔‘‘ (مسلمان

---

[1] بعض پریشانیوں میں عاملین کے پاس جاتے ہیں، پروفیسر، جوتشی، نجومیوں کے پاس پریشان ہوتے ہیں، کئی کئی قسم کے تعویذ جلانے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، حالاں کہ وہ درحقیقت قطع رحمی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو چاہئے کہ صلہ رحمی کریں، اور شرعی طور پر میراث تقسیم کریں۔

[2] فضائل صدقات: ۲۸۵ [3] ترمذی: کتاب البرّ والصّلة، باب ماجاء في رحمة الناس: ۱۴/۲

[4] ایضًا [5] ایضًا

besturdubooks.wordpress.com

ہو یا کافر، آدمی ہو یا جانور)۔[1]

رحم کی چند صورتیں

حقیقی رحم یہ ہے کہ جس طرح ہم خود اپنے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کو پسند کرتے ہیں اور جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں، یہی بات ہم دوسروں کے لئے بھی پسند کریں کہ کس طرح یہ سب انسان جہنم سے اپنے آپ کو بچالیں، اس کے لئے چند صورتیں لکھی جاتی ہیں۔

❶ چوبیس گھنٹوں میں جتنے بھی لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے اگر وہ غیر مسلم ہوں تو ان کو اپنے حسنِ اخلاق اور محبت سے اسلام کی طرف بلانے کی کوشش کریں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کافروں کے اسلام میں آنے کا ذریعہ بنادے۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہوگئے تو یہ لوگ آپ کی وجہ سے جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے۔

❷ اگر آپ سے ملنے والے لوگ مسلمان ہیں تو اس بات کی کوشش کیجئے کہ وہ پورے دین پر خود بھی عمل کرنے والے ہوں اور اس دین کو سارے عالم میں پھیلانے والے بنیں۔ اس بات کی کوشش کیجئے کہ آپ کے دوست احباب، آپ کے ماتحت کام کرنے والے لوگ، اہل وعیال نمازوں کے پابند ہوں۔ مرد حضرات پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ اہتمام سے مسجد میں پڑھنے والے ہوں اور عورتیں گھروں میں وقت کا اہتمام رکھتے ہوئے نمازیں پڑھنے والی ہوں۔

اسی طرح آپ کے گھروں میں جو عورتیں آتی ہیں ان کو گھر کی عورتیں دین پر عمل کروانے کی کوشش کریں۔ ان کو اچھے ماحول میں آنے کی دعوت دیں۔ ان کو بٹھا کر فضائلِ اعمال، بہشتی زیور، اصلاحی خطبات،[2] صحابہ کے واقعات اور تابعین کے واقعات نامی کتابوں سے روزانہ چند صفحات پڑھ کر سنائیں۔

❸ اسی طرح اگر آپ گھر کے بڑے ہیں تو اس بات کی کوشش کریں کہ آپ کے خاندان اور دوسرے رشتے داروں کی شادیوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، اور آج کل عام طور سے اللہ تعالیٰ کی جو نافرمانیاں رواج میں شامل ہوگئی ہیں، ان سے ہر ممکن طور پر بچنے اور بچانے کی کوشش کریں۔

❹ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو خاندان میں اثر ورسوخ اور وجاہت عطا فرمائی ہے تو اس کو کام میں لائیں۔ اثر ورسوخ ہوتے ہوئے لوگوں کو بری باتوں سے نہ روکنا گویا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کرنا ہے۔ لہٰذا ہر موقع پر اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے نیکی کو فروغ دینے اور برائی کو مٹانے کی جو بھی کوشش آپ کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں۔

حفظِ قرآن کے لیے ”الرحمٰن جل جلالہٗ“ سے مانگیے

حضور ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں ایسی ہیں جیسے احکم الحاکمین نے خود بتایا ہو کہ ہم سے اس طرح درخواست کرو تو یہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب، الرقم: ۳۳۲۱ [2] از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

besturdubooks.wordpress.com

قبولیت کے زیادہ قریب ہیں تو ہمیں بھی ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حضور ﷺ نے یوں دعا مانگنا سکھایا ہے، اے اللہ! رحم فرما مجھ پر کہ میں گناہوں کو چھوڑ دوں۔

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما کہ لایعنی چھوڑ دوں، چناں چہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حفظِ قرآن کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا مَّا اَبْقَيْتَنِیْ وَارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِيْنِیْ وَارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظْرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِیْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِیْ وَارْزُقْنِیْ اَنْ اَقْرَأَهٗ عَلَی النَّحْوِ الَّذِیْ يُرْضِيْكَ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِیْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِیْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِیْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِیْ وَاَنْ تَغْسِلَ بِهٖ بَدَنِیْ فَاِنَّهٗ لَا يُعِيْنُنِیْ عَلَی الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ [1]"

تَرجَمہ: "اے الٰہ العالمین! مجھ پر رحم فرما کہ جب تک میں زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بے کار چیزوں میں کلفت نہ اٹھاؤں اور اپنی مرضیات میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ زمین اور آسمان کے بےنمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن ہے۔ اے اللہ اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنا کلام پاک مجھے سکھا دیا اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چسپاں کر دے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کو اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہو جاوے۔ اے اللہ زمین اور آسمانوں کے بےنمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن ہے، اے اللہ اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے منور کر دے اور میری زبان کو اس پر جاری کر دے اور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کا میل دھو دے کہ حق پر تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں اور تیرے سوا میری یہ آرزو کوئی پوری نہیں کر سکتا اور نہیں ہے گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ برتر و بزرگی والے کی مدد سے۔"

[1] جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعاء الحفظ: ۲/۱۹۷

besturdubooks.wordpress.com

اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(حقیقی بادشاہ)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے۔ ہر موجود اس کا محتاج ہے، بل کہ کوئی چیز اپنی ذات میں...... صفات میں...... وجود میں...... بقا میں...... غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں۔ موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شئے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی مملوک ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض ایسی ذات ملک مطلق ہے۔[1]

❷ اللہ ربُّ العزت کی ذات ہی حقیقی طور پر رب کہلانے کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور رب ہے ہی نہیں۔ وہ تمام پالنے والوں کا پالنے والا، تمام سلطنت کا مالک اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔[2]

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت تمام پالنے والوں کا بھی رب ہے، تمام بندوں کا معبود، تمام سلطنتوں اور بادشاہوں پر اس کی بادشاہت ہے۔ تمام بندوں پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی ان کا خالق اور ان کا رازق ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی خالق اور رازق نہیں ہے۔

مخلوق اگر کسی چیز کی مالک ہے بھی تو اسے اللہ ربُّ العزت کی جانب سے عارضی طور پر مالک بنایا گیا ہے، حالاں کہ جس وقت وہ دنیا میں آئے تو وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ تھے، اور جو ملکیت انہیں اب حاصل ہے، یہ ملکیت بھی عارضی ہے، کسی بھی وقت ان کی ملکیت زائل ہو سکتی ہے، اور ان کی ملکیت بھی چیدہ چیدہ اشیاء پر ہے جب کہ "اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ملکیت اس کے برخلاف کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر ہے۔ تو خالق اور مخلوق کی صفات میں یہی فرق ہے۔[3]

---

[1] رسائل امام غزالی: ۱/۲۷٤

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ الرَّبُّ عَلَى الْحَقِيقَةِ، فَلَا رَبَّ عَلَى الْحَقِيقَةِ سِوَاهُ وَهُوَ رَبُّ الْأَرْبَابِ وَمَالِكُ الْمُلْكِ، وَمَلِكُ الْمُلُوكِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى.

[3] قال القرطبي: فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ رَبُّ الْأَرْبَابِ، وَمَعْبُودُ الْعُبَّادِ، يَمْلِكُ الْمَمَالِكَ وَالْمُلُوكَ، وَجَمِيعَ الْعِبَادِ، وَهُوَ خَالِقُ ذٰلِكَ =

besturdubooks.wordpress.com

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حقیقی مالک تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا وہی ذاتِ پاک ہے، جس نے ان کو پیدا کیا...... ان کی نشونما کی...... تربیت کی...... اور جس کی ملکیت ہر چیز پر مکمل ہے۔ ظاہر پر بھی...... باطن پر بھی...... زندہ پر بھی...... مردہ پر بھی...... اور جس کی ملکیت کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

بخلافِ انسان کی ملکیت کے کہ وہ ابتداء وانتہا کے دائرے میں محدود ہے، پہلے نہیں تھی اور پھر نہ رہے گی، نیز اس کی ملکیت وتصرف اشیاء کے ظاہر پر ہے باطن پر نہیں، زندہ پر ہے مردہ پر نہیں۔ اس لئے تمام اہلِ بصیرت کے نزدیک صرف روزِ جزاء کی نہیں، بل کہ دنیا میں بھی تمام کائنات کی حقیقی ملکیت صرف اور صرف ''مَالِكُ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ہی کی ہے۔

اگرچہ حقیقی اور مکمل ملکیت تمام کائنات پر صرف پروردگارِ عالم ہی کی ہے، لیکن اسی نے اپنے کرم اور حکمتِ بالغہ سے ایک قسم کی ناقص ملکیت انسان کو بھی عطا فرما رکھی ہے اور دنیا کے قوانین میں اس کی ملکیت کا کافی احترام بھی کیا گیا ہے۔ دنیا میں انسان مال و دولت کا مالک ہے، زمین و جائیداد کا مالک ہے، کوٹھی، بنگلہ اور فرنیچر کا مالک ہے، حشم و خدم کا مالک ہے۔ اور یہ ناقص سی ملکیت جو اس کو محض آزمائش کے لئے دی گئی تھی، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے اس کو یاد دلایا گیا ہے کہ اس ناقص سی ملکیت سے دھوکہ نہ کھانا، فرمایا:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [1] یعنی یہ ملکیتیں اور سب تعلقات و روابط صرف چند روز کے لئے ہیں، ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی کسی چیز کا ظاہری طور پر بھی مالک نہ رہے گا۔ نہ کوئی کسی کا خادم رہے گا، نہ مخدوم، نہ کوئی کسی کا آقا رہے گا نہ غلام۔ تمام کائنات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت اور بادشاہت اُسی ذات ''مَالِكُ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کے لئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾﴾ [2]

تَرْجَمَۃ: جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے (صورۃً) بھی مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی؟

بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا اور غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اس کے کئے (ہوئے کاموں) کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ [3]

= وَرَازِقُهٗ، وَكُلُّ رَبٍّ سِوَاهُ غَيْرُ خَالِقٍ وَلَا رَازِقٍ، وَكُلُّ مَخْلُوْقٍ فَمُمَلَّكٌ بَعْدَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ، وَمُنْتَزَعٌ ذٰلِكَ مِنْ يَّدِهٖ، وَإِنَّمَا يَمْلِكُ شَيْئًا دُوْنَ شَيْءٍ، وَصِفَةُ اللّٰهِ مُخَالِفَةٌ لِهٰذَا الْمَعْنٰى، فَهٰذَا الْفَرْقُ بَيْنَ صِفَاتِ الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِيْنَ. (النهج الأسمٰى: ١/٤١٢)

[1] الفاتحہ: ٣ [2] المؤمن: ١٦، ١٧ [3] خلاصہ از معارف القرآن: ١/٨٥

besturdubooks.wordpress.com

اور مندرجہ ذیل احادیث میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟"[1]

تَرْجَمَہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنے قبضہ میں لیں گے اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹیں گے، پھر فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ......؟ جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا، بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ."[2]

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

"وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلٰى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الْمَلِكُ."[3]

تَرْجَمَہ: اور (اللہ تعالیٰ قیامت میں) تمام پہاڑ اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور پانی اور مٹی ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر، پھر ان کو ہلا کر فرمائیں گے: میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بادشاہ ہوں۔

یعنی اس کی مالکیت اور ملکیت یعنی بادشاہت کے لئے روز جزاء کو اس لئے خاص کیا گیا کہ اس کے جلال و جمال کا بلاواسطہ ظہور عَلٰى وَجْهِ التَّمَامِ وَالْكَمَالِ عالم کے ہر ہر فرد کے لئے ایک ہی آن میں صرف اسی روز ہوگا۔ دنیا میں بھی وہی حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ ہے، مگر دنیا میں اس کی مشیت اور حکمت سے کچھ مجازی بادشاہت اور مجازی مالکیت نظر آتی ہے۔ قیامت کے دن سارے مجاز ختم ہو جائیں گے اور صرف حقیقت ہی حقیقت رہ جائے گی۔[4]

ہر چیز کا مالک "المَلِكُ جَلّ جَلَالُهُ" ہے

وَاقِعَہ نمبر ⑦: ایک بچے نے اپنے والد سے آکر کہا کہ مالک مکان آئے ہوئے ہیں۔ والد نے بچے کی تربیت کرتے ہوئے سمجھایا: بیٹا یوں نہیں کہتے، اس لئے کہ مکان کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں ان کی طرف عارضی نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحبِ مکان آئے ہوئے ہیں۔ بچپن سے یہ ذہن بنایا جائے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ آج جس کے قبضے میں یہ چیز نظر آتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے قبضے میں دی ہے اور یہ قبضہ اور یہ ملکیت

---

[1] مسلم، كتاب صفة المنافقين واحكامهم، باب صفة القيامة و الجنة والنار: ٣٧٠/٢

[2] تفسير فتح القدير: ١٥٥٣، المؤمن: ١٦

[3] مسلم، كتاب صفة المنافقين واحكامهم، باب صفة القيامة و الجنة والنار: ٣٧٠/٢

[4] معارف القرآن: ٨٣/١ (مولانا كاندهلوى رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى)

besturdubooks.wordpress.com

عارضی طور سے اس کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس سے لے لے اور جب تک چاہے اس کو دیئے رکھے۔

واقعہ نمبر ⑧: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوب صورت تکیہ بنا دیا تھا، جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے۔ مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت میں اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے۔ ان کو تکیے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا:

ابا جی! میرا تکیہ لے لیجئے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا، لیکن جس وقت یہ تکیہ میں نے ان کو پیش کیا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کی اور کہا کہ ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو درحقیقت باپ کی عطا ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا اور اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دی، لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی، اور اس کے بعد سے ذہن کا رُخ بدل گیا۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی پڑتی ہے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔[۱]

''المَلِکُ جلّ جلالہٗ'' کی مالکیت اور وحدانیت کا اقرار

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ''الحزب الاعظم'' میں ایک دعا ذکر فرمائی ہے۔ اس کے معنی پر خوب غور کرتے رہنا چاہئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت و حدانیت کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثناء بھی ہے۔

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَاشَرِيْكَ لَكَ..... وَالْفَرْدُ لَانِدَّ لَكَ..... كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَكَ..... لَنْ تُطَاعَ اِلَّا بِاِذْنِكَ..... وَلَنْ تُعْصٰى اِلَّا بِعِلْمِكَ..... تُطَاعُ فَتَشْكُرُ..... وَتُعْصٰى فَتَغْفِرُ..... اَقْرَبُ شَهِيْدٍ وَّ اَدْنٰى حَفِيْظٍ..... حُلْتَ دُوْنَ النُّفُوْسِ..... وَ اَخَذْتَ بِالنَّوَاصِيْ..... وَكَتَبْتَ الْاٰثَارَ..... وَنَسَخْتَ الْاٰجَالَ..... اَلْقُلُوْبُ لَكَ مُفْضِيَةٌ..... وَالسِّرُّ عِنْدَكَ عَلَانِيَةٌ..... اَلْحَلَالُ مَا اَحْلَلْتَ..... وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمْتَ..... وَالدِّيْنُ مَا شَرَعْتَ..... وَالْاَمْرُ مَا قَضَيْتَ..... وَالْخَلْقُ خَلْقُكَ..... وَالْعَبْدُ عَبْدُكَ..... وَاَنْتَ اللّٰهُ الرَّءُوْفُ الرَّحِيْمُ. اَسْاَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَبِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَكَ وَبِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ اَنْ تُقِيْلَنِيْ فِيْ هٰذِهِ الْغَدَاةِ اَوْ فِيْ هٰذِهِ الْعَشِيَّةِ..... وَاَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنَ النَّارِ بِقُدْرَتِكَ''[۲]

---

[۱] آپ بیتی: ۱/۱۷ [۲] كتاب الدعا للطبراني: ٤٧، ٤٨ نقلاً عن الحزب الاعظم: ٤١، ٤٢

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ''اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے...... تیرا شریک کوئی نہیں...... تو یکتا ہے...... تیرا مثل کوئی نہیں...... تیری ذات کے سوا جو چیز بھی ہے سب نیست و نابود ہو جانے والی ہے...... تیرے حکم کے بغیر تیری فرماں برداری نہیں کی جاسکتی...... اور نہ تیرے علم کے بغیر تیری نافرمانی ہو سکتی ہے...... تیری اطاعت کی جائے تو تو خوش ہوتا ہے...... اور تیری نافرمانی کی جائے تو تو بخش دیتا ہے...... تو ہر حاضر سے نزدیک تر ہے...... ہر نگہبان سے زیادہ قریب ہے...... تو حائل ہوا اور آڑے آیا لوگوں اور ان کی خواہشات کے درمیان (یعنی تو دلوں کا مالک ہے جدھر چاہے پھیر دے کفر کی طرف یا اسلام کی طرف)...... پکڑ رکھے ہیں تو نے پیشانیوں کے بال (یعنی سب تیرے قبضہ میں ہیں)...... لکھ دیا ہے تو نے لوگوں کے سب کاموں کو (لوحِ محفوظ میں)...... اور لکھ دی ہیں سب کی عمریں...... مخلوق کے دل تیرے لئے کشادہ ہیں...... بھید تیرے سامنے سب کھلے ہوئے ہیں...... حلال بس وہ چیز ہے جو تو نے حلال فرمائی...... حرام وہی ہے جس کو تو نے حرام فرمایا...... دین وہی ہے جو تو نے جاری کیا...... اور حکم (فیصلہ) وہی ہے جو تو نے مقدر فرما دیا...... سب مخلوق تیری پیدا کردہ ہے...... سب بندے تیرے ہی بندے ہیں...... تو ہی وہ اللہ ہے جو بڑا مہربان ہے اور بڑی رحمت والا ہے۔ میں تیرے اس روئے انور کے وسیلے سے مانگتا ہوں جس سے سب آسمان و زمین چمک اٹھے اور تیرے اس حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں جو تیرا ساری مخلوق پر ہے (یعنی عبادت) اور اس حق کے وسیلے سے جو سوال کرنے والوں کے واسطے تو نے اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے کہ تو مجھ کو معاف فرما دے اس صبح میں یا اس شام میں اور یہ کہ تو اپنی قدرت سے مجھ کو دوزخ کی آگ سے پناہ دے۔''

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں پانچ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

① ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾[1]

② ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾[2]

③ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ﴾[3]

فوائد و نصائح

① بندہ کو چاہئے کہ دنیا کی ہر چیز کا مالک اور بادشاہ حقیقی ''اَلْمَلِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو مانے اور جانے اور اقبال کے اس شعر کو یاد رکھے:

اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک — اور پہچانے تو پھر تیرے گدا و دارا و جم

② جب بندہ اللہ کے سوا کسی کو مالک اور حقیقی بادشاہ نہیں مانے گا تو وہ ضرور شرک سے بچے گا اور اس کے ایمان میں بھی

[1] طٰهٰ: ۱۱٤ [2] الناس: ۲ [3] الحشر: ۲۳

besturdubooks.wordpress.com

اضافہ ہوگا، ایمان ''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُهُ'' پر پکا ہوگا اطمینان اور سکون نصیب ہوگا۔ پھر بندہ خوشی وغم میں مالک حقیقی ہی کی تعریف اور اسی ہی سے پناہ طلب کرے گا، ''المَلِكُ جَلَّ جَلَالُهُ'' ہی کی پناہ میں آئے گا، اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج سمجھے گا۔[1]

❹ بندے کو چاہئے کہ یقین رکھے کہ میری جان، میرا مال، میرا وقت یہ میرے پاس امانت ہے حقیقی مالک اللہ ہے، اپنے بشری تقاضوں کو پورا کر کے باقی وقت اور جان اور مال اللہ کے دین کو پھیلانے کی محنت میں گزارے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

---

[1] المنهج للجوزي: ٢٧٤

besturdubooks.wordpress.com

القُدُّوسُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہر عیب سے پاک ذات)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ "اَلْقُدُّوْسُ: هُوَ الطَّاهِرُ مِنَ الْعُيُوْبِ، اَلْمُنَزَّهُ عَنِ الْأَوْلَادِ وَالْأَنْدَادِ."[1]

تَرجَمہ: "امام بیہقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "القُدُّوسُ" جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو تمام عیوب سے پاک ہے۔ اولاد اور اپنے ہم مثلوں (شریکوں) سے بری (بے نیاز) ہے۔"

❷ "(اَلْقُدُّوْسُ) أَيِ الْمُنَزَّهُ عَنِ النَّقَائِصِ، اَلْمَوْصُوْفُ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ."[2]

تَرجَمہ: "امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: القدوس یعنی جو کمیوں وکوتاہیوں سے پاک ہو، صفاتِ کمالیہ سے متصف ہو۔"

❸ "القُدُّوسُ" جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔

❶ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾[3]

تَرجَمہ: "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔"

وہ ذات ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات وصفات میں کرتے رہتے ہیں پاک ہے، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ سے بھی نہیں ہوسکتی۔ وہ ذاتِ پاک ہر عیب، ہر نقص، ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اس کی ذات میں اس بات کا امکان ہی نہیں کہ آئندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہوسکے۔[4]

---

[1] النہج الأسمٰی: ۱/۱۱۰ [2] النہج الأسمٰی: ۱/۱۱۱ [3] الحشر: ۲۳ [4] تفسیر ماجدی: ۲/۱۰۹۷

besturdubooks.wordpress.com

سورۂ حشر کی ان آخری آیات کی فضیلت یہ ہے کہ ترمذی میں حضرت معقل بن یسار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو صبح کے وقت تین مرتبہ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں، جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس دن میں وہ مرگیا تو اُسے شہادت کی موت حاصل ہوگی اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو صبح تک یہی درجہ اس کو بھی حاصل ہوگا۔[1]

❷ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾[2]

تَرجَمہ: "(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ (جو) بادشاہ، نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے۔"

ان تمام سورتوں میں جو مُسَبِّحَاتْ (جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ ہے) ہیں، اُن سب میں تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے۔ یہ تسبیح حالی یعنی بزبانِ حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ اپنے صانع حکیم کی حکمت وقدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے طرز میں حقیقی تسبیح کرتی ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ شعور وادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر وحجر اور ہر چیز میں اس کے حوصلے کے مطابق رکھا ہے۔ اس عقل وشعور کا لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾[3]

جس طرح اللہ پاک خود قدوس ہیں تو اس پاک ذات نے جس چیز پر رحمت کی تجلّی کردی، وہ زمان (جیسے رمضان، لیلۃ القدر، یوم عرفہ)، اور مکان (جیسے بیت اللہ شریف اور مساجد)، اور (جیسے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی) ہستیاں بھی تقدس مآب ہوگئیں۔ اسی طرح وادی طویٰ بھی، جو کوہِ طور کے دامن میں ہے، ان ہی مقاماتِ مقدسہ میں سے ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾[4]

تَرجَمہ: "آپ پاک میدان طویٰ میں ہیں۔"

یہ اسم مبارک مندرجہ ذیل دعاؤں میں بھی مذکور ہے۔

رکوع، سجود اور وتر کے بعد کی دعا

❶ "اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رکوع اور سجدہ میں:

[1] الترمذي: (۲/۱۲۰) أبواب فضائل القرآن، باب في فضل قرائة آخر سورة الحشر [2] الجمعة: ۱

[3] معارف القرآن: ۸/۴۳۴، بني اسرائيل: ٤٤ [4] طٰه: ۱۲

besturdubooks.wordpress.com

"سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ" پڑھا کرتے تھے۔[1]

۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" پڑھتے۔[2]

ترجمہ: ہمارا بادشاہ پاک اور ہر طرح کے عیب سے منزہ (پاک) ہے۔

فوائد و نصائح

۱ اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے کہ جس طرح اُس "القدوس" جل جلالہ کی ذات ہر عیب و شرک سے پاک ہے اسی طرح وہ اپنے اسمائے حسنیٰ میں بھی ہر قسم کے عیب سے پاک و برتر ہے۔[3]

۲ لوگوں کو بھی زیادہ سے زیادہ "القدوس" جل جلالہ کی پاک ذات کا تعارف و پہچان کرائے اور اس ذات کی اطاعت و فرماں برداری میں دنیا و آخرت کا فائدہ ملنے کی خوب دعوت دے۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت رکوع، سجدوں اور نمازِ وتر کے بعد کی جو دعا ذکر کی گئی ہے اسے یاد کریں اور نمازوں میں پڑھتے رہیں۔

---

[1] مسلم: الصلوٰة، باب مایقال فی الرکوع والسجود، رقم: ۱۰۹۱

[2] ابوداؤد، الوتر، باب فی الدعاء بعد الوتر، رقم: ۱۴۳۰

[3] المنهج للامام الجوزی: ۲۷۸

besturdubooks.wordpress.com

السّلام جلّ جلالہٗ

(سلامتی[1] والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ السَّلَامُ أَيْ مِنْ جَمِيْعِ الْعُيُوْبِ وَالنَّقَائِصِ لِكَمَالِهِ فِيْ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ.[2]

ترجمہ: امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''السّلام جلّ جلالہٗ'' وہ ذات ہے، جو تمام عیبوں سے اور تمام نقائص سے پاک ہو اور اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل ہو۔

❷ ''هُوَ الَّذِيْ تُرْجٰى مِنْهُ السَّلَامَةُ.''[3]

ترجمہ: ''وہ ذات جس سے حفاظت و عافیت کی اُمید رکھی جائے۔''

یہ اسم مبارک ''السّلام جلّ جلالہٗ'' قرآن پاک میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾[4]

وَهُوَ السَّلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ سَالِمٌ　　مِنْ كُلِّ تَمْثِيْلٍ وَّمِنْ نُقْصَانٍ[5]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ''السّلام جلّ جلالہٗ'' ہیں اور درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر مثل اور عیب سے منزہ ہیں۔''

علامہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: سفیان ابن عیینہ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: انسان کو وحشت زدہ کرنے والے تین مواقع ہوتے ہیں:

① ایک وہ موقع جس دن بچہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو اپنے محل و مستقر سے (جہاں وہ نو ماہ گزار چکا ہوتا ہے) نکلا ہوا پاتا ہے۔

② جس دن انسان مرتا ہے، اس دن وہ ایسی قوم کو دیکھتا ہے، جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا (یعنی فرشتوں کو)۔

③ جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو ایک بڑے محشر میں پائے گا۔ اللہ ربُّ العزت نے ان تینوں مواقع پر اپنے پیغمبر حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو سلامتی عطا فرمائی اور ان کا اکرام فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] السَّلَامَةُ الْعَافِيَةُ، وَمِنْهُ قِيْلَ لِلْجَنَّةِ: دَارُالسَّلَامِ لِأَنَّهَا دَارُالسَّلَامَةِ مِنَ الْآفَاتِ. (لسان العرب: ۲۰۷۸/۳)

[2] تفسیر ابن کثیر: ۴۷۹/۳، الحشر: ۲۳　　[3] روح المعانی: ۶۳/۱۴ (الحشر: ۲۳)

[4] الحشر: ۲۳　　[5] قال ابن القیم فی النّونیة نقلاً عن النهج الأسمٰی: ۱۱۷/۱

besturdubooks.wordpress.com

"اور اس پر سلام ہے جس دن پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔"[1]

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت نے یحییٰ علیہ السلام کو ان تین مواقع کے شر سے سلامتی عطا فرمائی اور انہیں خوف سے امن عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ فرماتے ہیں، کیوں کہ فرشتے نیک بندوں کی روح قبض کرتے وقت ان کو سلام کرتے ہیں اور انہیں اطمینان دلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں، کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔"[2]

ملائکہ انہیں جنت کے حصول کی خوش خبری دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے بچاؤ کی خبر سناتے ہیں۔[3]

"اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا اپنی نیک بندی کو سلام

وَاقِعَۃٌ نَمْبَرْ ⑨: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يُقْرِئُ خَدِيْجَةَ السَّلَامَ، يَعْنِيْ فَأَخْبِرْهَا. قَالَتْ: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.[4]

"اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام بھیجتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سلام پہنچا دیں۔ چناں چہ سلام کے جواب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ ربُّ العزت تو بذاتِ خود "السَّلام" ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام پر سلامتی ہو، اور اے اللہ کے رسول! آپ پر بھی سلامتی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فقاہت پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ ربُّ العزت کے سلام کے جواب میں "وَعَلَيْهِ السَّلَامُ" نہیں فرمایا، جیسا کہ بعض صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ" پڑھا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا تھا۔ حضرت

---

[1] مریم: ۱۵ [2] النحل: ۳۲

[3] قَالَ الْخَطَّابِيُّ: عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ: أَوْحَشُ مَا تَكُوْنُ الْخَلْقُ فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ: يَوْمَ يُوْلَدُ فَيَرٰى نَفْسَهٗ خَارِجًا مِّمَّا كَانَ، وَيَوْمَ يَمُوْتُ فَيَرٰى قَوْمًا لَّمْ يَكُنْ عَايَنَهُمْ، وَيَوْمَ يُبْعَثُ فَيَرٰى نَفْسَهٗ فِيْ مَحْشَرٍ عَظِيْمٍ. قَالَ: فَأَكْرَمَ اللّٰهُ فِيْهَا يَحْيٰى فَخَصَّهٗ بِالسَّلَامِ فَقَالَ: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ (مریم: ۱۵)

أَشَارَ إِلٰى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ سَلَّمَ يَحْيٰى مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ الثَّلَاثَةِ وَأَمَّنَهٗ مِنْ خَوْفِهَا وَكَذَا عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ عِنْدَ قَبْضِ أَرْوَاحِهِمْ وَتُطَمْئِنُهُمْ وَتُؤْمِنُهُمْ. قَالَ تَعَالٰى: ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل: ۳۲) فَالْمَلَائِكَةُ تُبَشِّرُهُمْ بِالْفَوْزِ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةِ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ وَالنَّارِ. (النهج الأسمى: ۱/۱۱۹)

[4] الاستيعاب في معرفة الاصحاب: ۴/۳۸۱

besturdubooks.wordpress.com

خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اپنی عقلِ سلیم سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اللہ ربُّ العزت پر اس طرح سلام کا جواب لوٹایا نہیں جاتا جس طرح تمام مخلوقات کو سلام کا جواب دیا جاتا ہے، اس لئے کہ "السّلام" تو خود اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو کتنا پسند فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی ان کی دل جوئی فرماتے ہیں۔

سلامتی کے اسباب "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے ہیں

معلوم ہوا کہ امن و سلامتی صرف اسی "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے ہے، ورنہ ہم کیا اور ہماری حفاظت کا سامان کیا؟ پھر جب وہ اپنی سلامتی کو اُٹھا لیتا ہے تو ہمارے سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ سے انسان اپنی سلامتی، موت اور حوادث سے بچنے کی بڑی بڑی تدبیریں کرتا ہے۔

ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں تو زمین و آسمان میں ہماری سلامتی کے نہ جانے کتنے دشمن چھپے ہوتے ہیں، مگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ گلی کوچوں اور عام شاہراہوں پر جگہ جگہ ہماری موت کے اسباب ہوتے ہیں، مگر ہم سب سے بچ کر نکل جاتے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے کھانے کی میز پر بھی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارا گلا دبا سکتی ہیں، مگر ہم سب چیزوں کو مزے لے لے کر نگل جاتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے ہوئے کہ وہ کھانے بیٹھے تو کھانا ہی انہیں کھا گیا۔

پانی پینے بیٹھے تو پانی ہی انہیں پی گیا، کیوں کہ "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی سلامتی ان سے اٹھ چکی تھی۔

ہم چھوٹی بڑی اور سر بفلک تعمیر شدہ یا زیرِ تعمیر عمارتوں کے نیچے سے گزرتے ہیں تو اوپر سے ایک اینٹ گر کر ہمارا کام تمام کر سکتی ہے اور جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں ان کے گھروں اور کھیتوں میں موت کے فرشتے تاک لگائے بیٹھے رہتے ہیں، مگر اس "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں، درندے تو درندے خود ہم ہی جیسے کتنے انسان ہی ہمارے خون کے پیاسے ہوتے ہیں، مگر اس "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی سلامتی ہمیں ان سے بچا کر صاف نکال جاتی ہے۔ یعنی ہم یہ یقین رکھیں کہ بس اُس سلامتی والے کا کرم اور حفاظت ہی ہمیں بچا کر رکھتی ہے اور ہماری موت اور ہلاکت کے ظاہری اسباب اور نقشے دانت پیستے رہ جاتے ہیں اور اس دور میں تو بجلی جگہ جگہ موت کی ایجنٹ بنی بیٹھی رہتی ہے۔ اب تو قسم قسم کی گیسیں جو ہماری ہر وقت کی خادم ہیں یہی دامِ اجل بھی ہیں، مگر ہم سلامت رہتے ہیں، بس یہ امن و سلامتی اسی "السَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے ہے۔

---

[1] قَالَ الْعُلَمَاءُ: فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُفُوْرِ فِقْهِهَا لِأَنَّهَا لَمْ تَقُلْ "وَعَلَيْهِ السَّلَامُ" كَمَا وَقَعَ لِبَعْضِ الصَّحَابَةِ حَيْثُ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ فِي التَّشَهُّدِ "السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ" فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَتْ خَدِيْجَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لِصِحَّةِ فَهْمِهَا أَنَّ اللّٰهَ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا يُرَدُّ عَلَى الْمَخْلُوْقِيْنَ لِأَنَّ السَّلَامَ إِسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (النهج الأسمٰى ۱۲۱/۱)

besturdubooks.wordpress.com

حق تعالیٰ کی طرف سے جس کے ساتھ امداد نہ ہو تو وہ گھر قیامت تک کبھی آباد نہ ہو۔ ہنستے بستے گھر منٹوں میں برباد ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ اس گھر کی سلامتی اس سے اٹھ جاتی ہے۔ آگ ہماری خادمہ ہے اگر یہ سرکشی پر اتر آئے تو سب کچھ جلا کر راکھ کر دے۔

جب اَلسَّلٰامُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے سلامتی اٹھ جائے......

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑩: یہ ڈھور ڈنگر، گھوڑے اور ہاتھی جو دل و جان سے ہماری خدمت کرتے ہیں، ذرا سی دیر میں ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔ حکایتوں میں جمشید بادشاہِ ایران کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بڑا ہی حسین گھوڑا کہیں سے آکر اس کے قلعے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے میری سواری کے لئے بھیجا ہے، لگام لگاؤ اور زین کس دو، تاکہ میں اس پر سواری کا لطف اٹھاؤں۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی، مگر کوئی بھی اسے لگام نہ لگا سکا تو بادشاہ نے کہا کہ یقیناً یہ صرف میرے ہی لئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے یہ مجھ ہی سے لگام لگوائے گا۔

چناں چہ بادشاہ نے اس پر زین کسی، لگام لگایا، وہ خاموش کھڑا رہا، جب اس کی دم میں زین کی ڈوری لگانے لگا تو اس نے ایسی لات ماری کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ جو ہماری سواری کے جانور ہیں اور ساری دنیا میں ہمیں لئے پھرتے ہیں، ایک لات میں ہمارا کام تمام کر سکتے ہیں، مگر اس "اَلسَّلٰامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی سلامتی ہمیں ان کی سرکشی سے بچاتی ہے۔[1]

جب تک "اَلسَّلٰامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف سے سلامتی کا حکم ہو تو ہلاکت اور مصیبت کے نقشوں میں بھی سلامتی اور عافیت مل جاتی ہے اور جب اللہ ربُّ العزت کی طرف سے سلامتی اٹھالی جائے تو حفاظت و عافیت کے اسباب و وسائل ہی میں سے مصیبت و ہلاکت ظاہر ہونے لگتی ہے۔

دو موتوں کے درمیان سلامتی

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑪: ایک باز ایک چھوٹے پرندے کے شکار کے لئے اس کے پیچھے جھپٹا۔ اُس پرندے نے اُڑ کر ایک شاخ پر پناہ لی۔ باز بھی ایک قریبی اوپر کی شاخ پر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں چھوٹے پرندے کی نظر پڑی کہ ایک شکاری اس کا نشانہ لے رہا ہے۔ اس نے دو موتوں کے درمیان اُسی "اَلسَّلٰامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے سلامتی طلب کی۔ اللہ کی شان ایک موذی جانور نے درخت کی جڑ سے نکل کر اُس شکاری کے پاؤں پر ڈنک مارا جس سے اُس کا نشانہ خطا ہو کر پرندے کے بجائے باز کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور شکاری بھی گر گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ "اَلسَّلٰامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" جب کسی کو سلامتی دینا چاہتے ہیں تو موتوں اور ہلاکتوں کے نقشوں کے درمیان بھی سلامتی عطا فرماتے ہیں اور اگر وہ ہی سلامتی کا ارادہ نہ فرمائیں تو ظاہری سلامتی اور حفاظت کے سارے نقشے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، بل کہ بسا اوقات وہی ذریعۂ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۲۰۰

besturdubooks.wordpress.com

ہلاکت ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایسے کتنے واقعات ہوئے کہ دشمنوں نے جان بچائی، سانپ نے حفاظت کی اور درندوں نے انسانی بچوں کو پالا۔ بھیڑیا اپنا پیٹ بھرنے کے لئے انسان کے بچے کو اٹھا کر لے گیا، مگر اسے کھا نہ سکا۔ سلامتیٔ خداوندی نے اس کے دل میں مادرِ مہربان کا سا دل ڈال دیا اور وہ اس کی سلامتی کا محافظ بن گیا۔ فرعون جو بنی اسرائیل کے بچوں کا دشمن تھا، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا مربی بن گیا۔ ان موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا، جو اس کی تباہی کا باعث ہوئے اور جب اس نے دیکھ لیا کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ میرے دشمن ہیں تو انہیں مار ڈالنا چاہا، مگر وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ ایک بے زر و بے پر انسان کو باوجود سب کچھ طاقت رکھنے کے گزند نہ پہنچا سکا۔

وَاقِعَہ نمبر ⑫: حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ (فاتحِ مصر) کو قتل کرنے کے لئے ایک خارجی تلوار لے کر ان کے دروازے پر صبح صبح کھڑا ہو گیا کہ نمازِ فجر کے لئے نکلیں گے تو قتل کر دوں گا، مگر اللہ تعالیٰ کو انہیں سالم رکھنا تھا، اس رات آپ کو اسہال لگ گئے اور آپ نمازِ فجر کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ ان کا محافظ خارجہ نماز کے لئے نکلا تو خارجی نے یہ خیال کر کے کہ یہی عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، اسے قتل کر دیا۔ خارجی کو گرفتاری کے بعد پتا چلا کہ اس نے عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نہیں، بل کہ خارجہ کو قتل کیا ہے تو کہنے لگا:

''أَرَدْتُ عَمْرواً وَاللّٰہُ أَرَادَ خَارِجَةَ''

میں نے تو عمرو کو قتل کرنا چاہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے خارجہ کو مارنا چاہا۔[1]

دیکھو دشمن بھی مارنا چاہتا ہے تو نہیں مار سکتا اور جس سے اس کی حفاظت اٹھ جاتی ہے، وہ بلا ارادۂ قاتل مارا جاتا ہے۔ معلوم ہوا سلامتی اسی ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' (کی طرف) سے ہے اور اسباب و وسائل طفل تسلیاں ہیں اور بس۔[2]

وَاقِعَہ نمبر ⑬: امیر مہدی کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ ہر چند کہ امیر نے خزانے کا منہ فی سبیل اللہ کھول دیا اور غلے کے انبار وقفِ عام کر دیئے، لیکن قحط کی مصیبت کم نہ ہوئی۔ اس سبب سے امیر کو خلقت کی یہ حالت دیکھ کر اپنی جانِ شیریں بھی تلخ معلوم ہوئی۔ نہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتا، نہ چین سے بچھونے پر سوتا۔ ایک روز بستر پر حیرت و حسرت زدہ لیٹا ہوا تھا، خادم پاس بیٹھا ہوا تھا، فرمایا: کہ کوئی کہانی کہہ کہ دل بہلے اور کچھ غم غلط ہو۔

خادم نے کہا: غلام کی کہانی بادشاہ کی سماعت کے کب لائق ہے؟

فرمایا: مضائقہ نہیں، جیسے تجھے یاد ہو بیان کر۔

خادم نے کہا: ہند کی سرزمین کے کسی بیابان میں ایک شیر رہا کرتا تھا اور سب درندے جنگل کے اس کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ایک دن لومڑی نے شیر سے کہا کہ ''تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم تیری رعیت۔ بادشاہ پر رعیت کی رعایت بہر

[1] سیر الصحابہ: ۱۳۹/۳ [2] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۲۰۳

besturdubooks.wordpress.com

صورت واجب و لازم ہے۔ اب مجھے ایک ضروری سفر درپیش ہے، بغیر جانے کے نہیں بن پڑتی۔ مشکل یہ ہے کہ میرا ایک بچہ ہے، میں چاہتی ہوں کہ وہ تیرے سپرد کردوں، تاکہ تو اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور کسی دشمن کا چنگل اس تک نہ پہنچ پائے۔'' شیر نے یہ بات قبول کی۔ لومڑی اپنا بچہ اس کے حوالے کر کے سفر پر روانہ ہوگئی۔

شیر نے اس بچے کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا، تاکہ کوئی درندہ اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ ناگاہ ایک عقاب اپنا لقمہ تلاش کرتا ہوا اُڑتا پھر رہا تھا، اس کی نگاہ لومڑی کے بچے پر پڑی اور شیر کی پیٹھ پر سے جھپٹا مار کر اس کے بچے کو لے اُڑا۔ جب لومڑی سفر سے واپس آئی تو بچے کو نہ دیکھ کر شیر سے بولی: ''کیا تم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ میں تیرے بچے کی حفاظت ضرور کروں گا؟''

شیر نے کہا: ''ہاں میں نے ذمہ لیا تھا کہ کوئی جانور زمین کا اس کا قصد نہ کر پائے، لیکن جو بلائے ناگہانی آسمان کی طرف سے نازل ہو تو میرا کوئی ذمہ نہ تھا۔''

امیر نے جب یہ کہانی سنی تو اٹھ بیٹھا اور رو رو کر جنابِ کبریائی میں التجا کرنے لگا کہ الٰہی! جو کچھ فتنہ و فساد زمین سے اُٹھے تو میں اُسے دفع کروں، مگر قضائے آسمانی قدرتِ یزدانی میں بندہ ناچیز سے کیا ہوسکتا ہے؟ آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ قحط چند روز میں دفع ہوگیا ؎

قفل درِقبول نہ کھولے بعید ہے　　انسان کے پاس دست دعا سی کلید ہے
کیوں دُعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کُنجی　　گریہ ہے قفلِ درِ گنجِ اثر کی کنجی[1]

مال کی سلامتی

❶ چوروں، ڈاکوؤں سے سلامتی کے لئے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں۔ آپ جس روز نصابِ زکوٰۃ کے مقدار مال کے مالک ہوئے ہیں، اُس روز سے چاند کی تاریخ کے اعتبار سے ایک سال مکمل ہونے پر ایک ایک پائی کا حساب کرلیں۔ یہاں تک کہ جیب کے بٹوے اور درازوں میں رکھی ہوئی نقدی، مالِ تجارت، سونا چاندی، زیورات جو کچھ اپنی ملکیت میں جہاں کہیں بھی ہے، اس کا حساب کر کے پوری پوری زکوٰۃ نکالیں اور ماہر علماء سے پوچھ کر صحیح مستحقوں تک پہنچائیں۔

جن کو سواری یا ہل چلانے والے جانوروں سے واسطہ پڑے اور جن کی زراعت کی زمین ہو، وہ سب ان کے احکام معلوم کریں۔

❷ اذان کے بعد کاروبار جاری نہ رکھیں، بل کہ فوراً مسجد کی طرف جائیں، کیوں کہ "اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن" کے منادی مؤذن نے "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ" کہہ کر مسجد میں بلایا ہے۔ اب سب کاروبار وغیرہ چھوڑ کر خود بھی مسجد میں جائیں اور یقین رکھیں کہ مسجد کے مؤذن نے جو "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہہ کر فلاح و کامیابی کی طرف بلایا ہے، وہی فلاح ہے، باقی

[1] مخزن اخلاق: ۳۳۲

besturdubooks.wordpress.com

کسی چیز میں فلاح نہیں۔ نماز چھوڑ کر اگر لاکھوں بھی کمالیے تو وہ فلاح کا سبب نہیں بنیں گے، بل کہ خسران ہی خسران ہوگا۔

❸ (الف) کسی کا حق دبا کر کاروبار نہ کریں۔

(ب) والدین کے انتقال کے بعد، بہنوں اور بھائیوں کا حق ان کو دے دیں۔

(ج) اُدھار پر جو مال خریدا ہے پیسہ آتے ہی فوراً صاحبِ حق کا حق ادا کردیں۔

(د) جھوٹ اور دھوکا دے کر کوئی کاروبار نہ کریں کہ جھوٹ بول کر یا بغیر عیب بتائے سودا بیچ کر جو مال آئے گا وہ بیماریوں کے علاج یا روحانی جھوٹے دعوے کرنے والے عاملوں کے پاس اور جھوٹے مقدمات کی وجہ سے عدالتوں کے چکر لگانے میں ہی ضائع ہوگا۔

رزقِ حلال میں برکت ہوتی ہے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، جب کہ حرام اور ناجائز مال میں برکت نہیں ہوتی، خواہ وہ مقدار میں زیادہ ہو۔ اپنے حق سے زیادہ پیسے لینا اور جھوٹ اور دھوکہ دہی سے تنخواہ بڑھا لینا، بغیر زائد وقت دیئے اوور ٹائم لگا لینا، یا دورانِ ملازمت کام سے غائب رہنا، یا کام صحیح طریقے پر امانت واخلاص سے انجام نہ دینا، یا ادارے کی مراعات کو غلط استعمال کرنا، یا ملازموں کے حقوق ادا نہ کرنا، صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے ملازموں کی ضروریات اور قابلیت کے موافق اُجرت نہ دینا، اُن کی خوشی وغمی میں مدد نہ کرنا، یہ سب گناہ کے کام ہیں جو انسان کی آمدنی کو بے برکت اور حرام بنا دیتے ہیں اور اس کا اثر انسان کی ساری عبادتوں اور اہل وعیال پر بھی پڑتا ہے۔

بدن کی سلامتی

ہر فرض نماز کے بعد "آیتُ الْکُرْسِیْ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ان دوسورتوں کو اہتمام سے پڑھیں اور جسم پر دم بھی کر دیں فجر اور مغرب کے بعد ۱۰۰ مرتبہ یا کم از کم دس ۱۰ مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھ لیں۔ ترمذی کی روایت ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ چوتھا کلمہ "یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ" کے ساتھ پڑھنے سے مسلح فرشتوں کی جماعت صبح تک حفاظت کرے گی۔[1]

ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عجیب بات فرماتے تھے کہ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" قرآن کریم کی بالکل آخری دوسورتیں ہیں اور ان کو آخر میں لانے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دوسورتوں کی مسلمانوں کو آخر زمانے (قربِ قیامت کے دور) میں (چوں کہ وہ زمانہ فتنوں سے بھرا ہوگا) زیادہ ضرورت پڑے گی، لہٰذا ہم سب کو چاہئے کہ اس زمانے میں خصوصاً ان دوسورتوں کو کثرت سے پڑھنے کا معمول بنالیں۔[2]

---

[1] ترمذی، الدعوات: ۱۹۳/۲ [2] مستند معمولات صبح و شام: ۱۲

besturdubooks.wordpress.com

اولاد کی سلامتی

❶ اولاد کی سلامتی کے لئے صدقہ کا کثرت سے اہتمام کریں۔ گھر میں ایک تھیلی یا بٹوا لگا کر رکھیں، جس پر لکھ دیں "صدقہ" اور ایک تھیلی پر لکھیں "لِلّٰہ"۔ اب جب بھی تنخواہ ملے یا کسی قسم کی آمدنی ہو تو دسواں حصہ یا بیسواں حصہ، جتنی بھی استطاعت ہو ان دو تھیلیوں میں ڈال دیں۔ پھر یہ تھیلیاں آپ کو مجبور کریں گی یعنی یاد دلاتی رہیں گی کہ ہمیں خرچ کرو اور ہمارا مصرف ڈھونڈو۔

اسی طرح بچا بچا کر چیزیں نہ رکھیں۔ پندرہ دن یا ایک ماہ بعد اپنی الماری صاف کریں۔ جوتے، سوئیٹر، کپڑے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی ضرورت کبھی بھی نہیں پڑتی یا سالہا سال بعد ضرورت پڑنے پر رکھے جاتے ہیں، ان کو صدقہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور بچوں کو نئے کپڑے دیں تو پرانے صدقہ کر دیں۔ (البتہ بچے اگر ان کپڑوں کے مالک بنا دیئے گئے تھے، مگر وہ کپڑے اب ان کے کام کے نہیں رہے تو صدقہ کر کے ان کپڑوں کی قیمت فروخت کا اندازہ کر کے اتنی رقم نابالغ بچہ ہی پر استعمال کر دیں، یہ ضروری ہے۔)

❷ بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کی دعائیں یاد کروا دیں۔ چھوٹے بچے ہوں تو ان پر دم کر دیں یا یہ دعا لکھ کر گلے میں باندھ دیں:

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ." [1]

تَرجَمَہ: میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور ہر زہریلی چیز اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ کے شر سے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت حسن اور حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے لئے (ہر شر سے بچاؤ کی) اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ اپنے دونوں بیٹوں کے لئے بھی ان ہی کلمات کے ذریعے پناہ طلب کرتے تھے۔

ہمیں بھی اپنی اولاد کو ہر قسم کے فتنوں سے، جنوں، شیطانوں اور زہریلی چیزوں وغیرہ سے بچانے کے لئے اس دعا کو خوب اہتمام سے مانگتے رہنا چاہئے۔

❸ بچے جب گھر سے باہر جائیں تو ان کو "فِيْ أَمَانِ اللّٰهِ" کہیں اور یہ دعا دیں:

"اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ." [2]

اسی طرح منزل جو چند آیات پر مشتمل ہے (جن کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب صاحب زادہ حضرت شیخ الحدیث

---

[1] ابن ماجة، الطب، باب ما عوّذ به النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۳۵۲۵

[2] ابوداؤد، كتاب الجهاد، باب في الدعاء عند الوداع: ۳۵۰/۱

besturdubooks.wordpress.com

صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جمع کر دیا ہے) ان کو پڑھ کر بچوں پر دم کر دیں۔

بیت الخلاء جانے کی دعا، نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، گھر سے باہر نکلنے کی دعا، بچوں کو یاد کروادیں کہ یہ سب انسانوں اور جنات وشیاطین سے حفاظت کریں گی۔

۴ آفتاب غروب ہونے سے پہلے جب دونوں وقت مل رہے ہوں، چھوٹے بچوں کو آسمان کے نیچے کھیلنے سے منع کریں۔

آفات و بلیات، سحر و جادو سے سلامتی کی دس تدبیریں

سحر اور جادو کا تو قرآن وحدیث میں بھی ذکر آیا ہے اور ان سے حفاظت کے اعمال بھی احادیثِ مبارکہ میں موجود ہیں۔ جادو، برے اور غلط قسم کے تعویذ، منتر، سفلی اعمال، نظرِ بد وغیرہ، یہ وہ اہم اُمور ہیں جن کے ذریعے شیطان انسانوں کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر فساد و بگاڑ، بل کہ کفر وشرک کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ وہ لوگ جو اِن چیزوں کے ذریعے انسان کو تکلیف واذیت پہنچاتے ہیں، گھروں کو اُجاڑتے اور ان کے سکون کو دَرہم برہم کرتے ہیں، میاں بیوی میں نفرتیں پیدا کرتے ہیں، تجارت و کاروبار اور ملازمت میں نقصان وخسارے کے لئے یہ برے عمل کرتے کرواتے ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہیں اور لعنت وعذاب کے مستحق ہیں۔

جادو کا اثر ختم کرنے، اسے توڑنے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے قرآنی آیات سے بہتر علاج دوسری کسی چیز میں نہیں ہے۔ حضرات تابعین اور حضراتِ سلف صالحین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ہاں قرآنی آیات ہی ہر قسم کی بیماری کے علاج اور ہر قسم کی تکلیف و پریشانی سے بچاؤ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ یعنی ان کی تلاوت کی جاتی تھی، ان کے ذریعے دم کیا جاتا اور انہیں لکھ کر مریض کو وہ پانی پلایا جاتا تھا۔

۱ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل ہو کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اُسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ ساری مخلوق اور جن وانس مل کر بھی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قدرت وتصرف نہیں رکھتے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ومصلحت ہوتی ہے۔ ہر حال میں صبر وشکر کر کے اسی سے دنیا وآخرت کی بھلائی مانگتے رہیں اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ مانگتے رہیں اور قوت ارادی کو مضبوط رکھے، قوت ارادی کی مضبوطی کے ذریعے جادو کو توڑ دے۔

۲ جادو اور تعویذ وغیرہ کے بُرے اثر سے یا نظرِ بد سے حفاظت کے لئے "سُوْرَةُ الْبَقَرَة" کا پڑھنا مفید نسخہ ہے۔ اگر "سُوْرَةُ الْبَقَرَة" ایک نشست (یعنی ایک وقت) میں نہ پڑھی جاسکے تو اُسے مختلف اوقات میں مکمل کرلیا جائے۔ پانی پر دم کر کے پیا جائے اور مکان میں چھڑکا جائے۔ "سُوْرَةُ الْبَقَرَة" مسلسل پڑھی جاتی رہے۔ کوئی بھی فرد روزانہ ایک صفحہ یا دو صفحہ یا کم وبیش پڑھ لیا کرے، کوشش یہ ہو کہ روزانہ یا ہر ہفتے یا ہر ماہ ایک بار "سُوْرَةُ الْبَقَرَة" ضرور ختم ہوجایا کرے، ہر

besturdubooks.wordpress.com

بار دوبارہ شروع کر دیا کریں، لیکن اس کام کے لئے اُجرت دے کر کسی قاری، حافظ کو مقرر نہ کیا جائے کہ اس سے نہ پڑھنے والے کو پورا فائدہ ہوتا ہے اور نہ پڑھوانے والے کو اگر مجبوری نہ ہو تو آپ خود قرآن پڑھیں، پیسہ دے کر دوسروں سے نہ پڑھوائیں اور اگر کوئی خود نہ پڑھ سکتا ہو تو ٹیپ سے سننا بھی فائدے سے خالی نہیں، جنات وغیرہ کے اثر میں اس طرح سننا بھی اثرات کو ختم کرتا ہے۔

❸ اگر کسی شخص پر جادو کر دیا گیا ہو تو اس کا اثر دور کرنے کے لئے سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے رسالہ "حُکْمُ السِّحْرِ وَالْکَھَانَۃِ" میں فرمایا:

سبز بیری کے سات پتے لے کر اُن کو پیسا جائے، پھر اسے ایک برتن میں رکھ کر اس میں اتنا پانی ڈالا جائے کہ وہ غسل کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اُس پر "آیَۃُ الْکُرْسِیِّ، سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ" کی آخری تین آیات، سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْنَ، سُوْرَۃُ الْاِخْلَاص اور مُعَوَّذَتَیْن (سُوْرَۃُ الْفَلَق، سُوْرَۃُ النَّاس) پڑھے۔ نیز آیاتِ سحر یعنی سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹، سُوْرَۃُ یُوْنُس آیت ۷۹ تا ۸۲، سُوْرَۃُ طٰہٰ آیت ۶۵ تا ۶۹ بھی پڑھے، یہ آیات پڑھ کر پانی پر دم کرنے کے بعد مریض اس پانی کو تین مرتبہ پیئے اور باقی پانی سے غسل کر لے۔ ان شاء اللہ اس سے بیماری ختم ہو جائے گی۔ نیز اس طریقۂ علاج کو ایک سے زیادہ مرتبہ بھی مرض کے ختم ہونے تک استعمال کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔[1]

❹ نمازوں کی پابندی رکھیں، کوشش کریں کہ نوافل اور سنتیں گھر میں پڑھیں۔ نیز اس بات کی بھی کوشش کی جائے کہ مکان، دُکان یا جہاں انسان برکت چاہتا ہو، وہاں نوافل اور ذکر و اذکار کا مسلسل اہتمام کیا جائے۔ جب بھی موقع ملے دو چار رکعت نفل پڑھ لئے جائیں یا تھوڑی دیر ذکر کر لیا جائے۔

❺ گناہوں والی ہر قسم کی چیز، جان دار کی تصویر، مجسمے، گانے وفلمی کیسٹ وغیرہ ہٹا دیئے جائیں۔ دفتر، گھر، دُکان وغیرہ میں اگر کوئی تصویر یا مجسمہ وغیرہ ہے تو اُسے ہٹا دیجئے کہ جہاں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

گھر سے نکلتے وقت "اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے سلامتی کی دعا مانگنے کی فضیلت

❻ صبح و شام کی دعائیں خصوصاً بیت الخلاء جاتے ہوئے دعا پڑھنا، گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کی دُعائیں اور "بِسْمِ اللّٰہ" پڑھی جائے اور خصوصاً گھر سے نکلتے وقت۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ[2] کے ساتھ یہ دعا بھی مانگی جائے۔

---

[1] امام ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے "فتح الباری" (۲۳۳/۱۰) میں اور علامہ عینی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے "عمدۃ القاری" (۴۲۵/۱۷) میں کعب بن احبار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے وہب بن منبہ کا بھی یہی قول اور علاج نقل کیا ہے۔ (کتاب الدعا: ۳۶۸)

[2] اس دعا کی برکت کے حوالے سے ایک واقعہ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

besturdubooks.wordpress.com

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ." [1]

تَرْجَمَہ: "یا اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں یا میرے قدم ڈگمگا جائیں اور (پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ) میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے اور (پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ) میں جہالت کا مظاہرہ کروں یا میرے ساتھ جہالت والا برتاؤ کیا جائے۔"

گھر سے نکلتے ہوئے پہلی دعا کے مانگنے سے آپ کو یہ خوش خبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے:

یہ دعا تجھے کافی ہے...... تجھے بچالیا گیا ہے...... اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے...... اور شیطان تجھ سے دور ہوگیا ہے...... اور ایک شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے: تو اس آدمی پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے؟ جب کہ اسے ہدایت دے دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کر دی گئی ہے اور اسے بچالیا گیا ہے۔ [2]

۷ بچوں کو کھڑے ہو کر لاپروائی سے اِدھر اُدھر پیشاب کرنے سے روکیں۔ مائیں نجاست کو فوراً بہا دیں کہ جس جگہ (بلا واقعی مجبوری) برتن میں پیشاب جمع ہو، رحمت کے فرشتے نکل جاتے ہیں اور گندے شیاطین مجمع لگاتے ہیں، پھر یہ شیاطین جھگڑے بھی کراتے ہیں، ان کی نحوست سے نیکیوں سے رغبت ہٹ جاتی ہے، دل سخت ہوتا ہے اور گناہوں کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔

۸ روزانہ حسبِ استطاعت (جتنی آپ کی طاقت ہو) کچھ نہ کچھ صدقہ کرتے رہیں کہ صدقہ ہر آنے والی بلا کو ٹالتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ اور صدقہ صبح جلدی دے دیں تو بہتر ہے کہ حدیث میں صبح جلد ہی صدقہ دینے کی ترغیب بھی ہے کہ پھر بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی اور نہ اس سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ [3]

تمام کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ جھوٹ، جھوٹی قسم، غیبت اور زبان کے دوسرے گناہوں سے پرہیز کریں۔ یاد رکھیئے! ہر کبیرہ گناہ کا اثر انسان کے رزق کی برکت پر پڑتا ہے اور گناہوں سے نحوست پھیلتی ہے۔

۹ نظرِ بد سے محفوظ رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کمرے یا مکان کے باہر کارخانہ یا فیکٹری میں کسی ایسی جگہ "مَاشَآءَ اللّٰہُ"، "بَارَکَ اللّٰہُ" یا مَاشَآءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لکھ کر لگا دیا جائے، جسے ہر آنے جانے والا شخص پڑھے، اس طرح ان شاء اللہ جادو یا نظرِ بد کے اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

سلامتی حاصل کرنے کے لئے ظلم سے بچیں

۱۰ دورانِ خرید و فروخت یا دورانِ ملازمت و تجارت کسی مخلوق پر ظلم نہ کریں کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ کافر

[1] ابوداؤد، الأدب، باب ما یقول الرجل ......: ۳۳۹/۲ [2] ابوداؤد، الأدب، مایقول إذا خرج من بیته: ۳۳۹/۲

[3] الترغیب والترهیب، باب الترغیب فی الصدقة والحث علیها: ۱۱/۲

besturdubooks.wordpress.com

ہی کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات آدمی سمجھتا ہے کہ مجھ پر کسی نے جادو کردیا ہے یا فلاں بری بیماری آگئی ہے، حالاں کہ حقیقت میں وہ کسی کی بددعا ہوتی ہے یا کسی پر ظلم کی سزا ہوتی ہے، خاص طور پر شوہر ہوتے ہوئے بیوی پر ظلم کرنے سے بچیں اور استاذ اور سیٹھ ہوتے ہوئے شاگردوں اور ملازموں پر اور ساس ہوتے ہوئے بہو پر ظلم کرنے سے بچیں اور بہو ہوتے ہوئے ناحق ساس کو برا کہنے اور میکے جاکر بلاوجہ لگائی بجھائی کرنے سے بچیں۔[1]

سلامتی حاصل کرنے کے لئے چھ دعائیں

سلامتی کے لئے ہر نماز کے بعد یا جب بھی موقع ملے، طاق عدد میں یہ دعائیں مانگتے رہیں:

❶ ”یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِیْثُ أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَیْنٍ“[2]

ترجمہ: ”اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کو تھامنے والے! میں تیری رحمت کے واسطے سے (تیری) مدد چاہتا ہوں۔ تو میرے تمام معاملات کو درست فرما اور مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔“

❷ ”اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دِیْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِيْ وَأَصْلِحْ لِيْ دُنْیَايَ الَّتِيْ فِیْهَا مَعَاشِيْ وَأَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيَ الَّتِيْ فِیْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ.“[3]

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے دین کو درست فرما جو میرے معاملات کا امین ونگہبان ہے (یعنی جس میں میرے ہر کام کی حفاظت ہے) اور میری دُنیا کو دُرست فرما جس میں میری روزی اور میرا گزران ہے، اور میری آخرت کو بھی درست فرما جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے، میری زندگی کو ہر قسم کی بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ بنادے اور موت کو میرے لئے ہر قسم کے شر اور برائی سے راحت وحفاظت کا ذریعہ بنا۔“

❸ ”اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ“[4]

ترجمہ: ”اے اللہ! تو مجھے اپنے حلال کے ذریعے اپنے حرام سے بچالے، اور تو اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا سب سے بے نیاز کردے۔“

---

[1] ظلم سے بچنے کے لئے ہر مرد وزن کو چاہئے کہ بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ”مظلوم کی آہ“ اور ”کسی کو تکلیف نہ دیجئے“ کا مطالعہ کرے اسی طرح شوہر کو چاہئے کہ ”تحفۂ دولھا“ کا مطالعہ کرے اور بیوی ”تحفۂ دلہن“ کا مطالعہ کرے۔ ان چاروں کتابوں کے ہدایت کی نیت سے مطالعہ کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق ہوگی۔ یہ چاروں کتابیں کسی بھی معیاری کتابوں کی دکان پر مل سکتی ہیں یا ہم سے براہِ راست لے سکتے ہیں۔

[2] عمل الیوم واللیلة للنسائي: ۱۷۹ [3] مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب في الأدعیة: ۳۴۹/۲

[4] ترمذي، الدعوات، احادیث شتی، رقم: ۳۵۶۳

besturdubooks.wordpress.com

❹ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ... اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ وَدُنْيَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ.... اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ.... اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ يَمِيْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ"[۱]

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں۔ یا اللہ! میں آپ سے معافی اور عافیت (دنیا و آخرت کے مصائب سے نجات) کا سوال کرتا ہوں اپنے دین میں بھی، اپنی دنیا میں بھی، اپنے گھر والوں کے لئے بھی اور اپنے مال کے لئے بھی۔ یا اللہ! میرے جملہ عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن و امان سے بدل دے، یا اللہ! میرے سامنے سے بھی میری حفاظت کیجئے، میرے پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی اور اوپر سے بھی (کہ کوئی آفت آسمان سے بھی نہ آئے) اور میں آپ کی عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اپنے پیر تلے (زمین کے کسی عذاب یعنی زلزلے سے) ہلاک کر دیا جاؤں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے اور اس مبارک دعا کا معمول اخیر عمر تک رہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔"[۲]

یہ دعا بہت مبارک ہے اور اس کو صبح و شام ضرور مانگنا چاہئے۔

❺ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: "لَوْلَا كَلِمَاتٌ أَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِي الْيَهُوْدُ حِمَارًا" اگر میں چند کلمات (دعا) نہ پڑھوں تو یہود مجھے گدھا بنا دیں۔" ان سے کہا گیا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ تو فرمایا:

"اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِیْ لَيْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ الَّتِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَآءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ."[۳]

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں جس سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ذریعے جن سے آگے نہ کوئی نیک بڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی برا، اور اُس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے جن کو میں جانتا ہوں اور جنہیں میں نہیں جانتا۔ میں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، اس کی تمام مخلوقات کی برائی سے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک یہ مندرجہ ذیل دعا بھی ہے۔

---

[۱] ابن ماجہ: ابواب الدُّعاء باب مایدعو به الرجل إذا أصبح وَإذا أمسٰی: ۲۷۶

[۲] سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ يَدَعْهُ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْيَا أَوْ حَتّٰی مَاتَ.

[۳] مشکوٰۃ: باب الإستعاذۃ: ۲۱۸

besturdubooks.wordpress.com

❻ ”اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ“[1]

تَرجَمۃ: ”اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور عزت والے۔“

وضاحت: احادیث میں یہ دعا اتنے ہی الفاظ کے ساتھ ہے اس لئے اس پر اپنی طرف سے دوسرے الفاظ ”حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ“ وغیرہ کا اضافہ نہیں کرنا چاہئے بل کہ جہاں تک الفاظ ہیں وہیں تک دعا مانگے۔

ہم نے اپنے استاذِ محترم مولانا محمد بدیع الزمان صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے یہ سنا تھا کہ موٹر سائیکل پر سوار ہوتے ہوئے مسنون دعا کے بعد ”یَاسَلَامُ سَلِّمْنَا وَسَلِّمْ مِنَّا۔“ پڑھ لیا کرو۔

تَرجَمۃ: ”اے سلامتی دینے والے! ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچا اور ہم سے بھی کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچا“ (ہمیں بھی اپنی سلامتی میں رکھ اور ہم سے لوگوں کو سلامتی میں رکھ)۔

جنون سے سلامتی کے لئے نبوی نسخہ و منزل

سیّدنا حضرت اُبی بن کعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس تھا کہ ایک اَعرابی (دیہاتی) آیا اور اُس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرا ایک بھائی ہے اور وہ تکلیف و مصیبت میں ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تکلیف کیا ہے؟

اُس نے عرض کیا کچھ جنون سا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اس کو میرے پاس لاؤ۔ اُنھیں لا کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے بٹھایا گیا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیات مبارکہ پڑھ کر دَم کیا تو وہ اس طرح کھڑا ہوگیا، جیسے اس کو کبھی شکایت تھی ہی نہیں۔

وہ آیات یہ ہیں:

① سورة الفاتحة.

② سورة البقرة کی اِبتدائی چار آیات اور آخری تین آیات اور آیت نمبر ۱۶۳ اور آیت الکرسی.

③ سورة آل عمران آیت ۱۸۔

④ سورة الاعراف آیت ۵۴۔

⑤ سورة المؤمنون آیت ۱۱۶۔

⑥ سورة الصّٰفّٰت کی اِبتدائی دس آیتیں۔

⑦ سورة الحشر کی آخری تین آیتیں۔

---

[1] مسلم: کتاب المساجد بَابُ اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَبَيَانِ صِفَتِهٖ: ۱/۲۱۸

besturdubooks.wordpress.com

⑧ سورۃ الجن آیت ۳۔

⑨ سورۃ الاخلاص اور معوذتین [۱]

''دَارُالسَّلَامِ'' کی طرف دعوت

اللہ ربُّ العزت نے دنیوی مصائب و مشکلات سے سلامتی کے اسباب عطا فرما کر اس جہانِ فانی میں بھی انسان کو امن عطا فرمایا اور اس فانی زندگی کے بعد آنے والی دائمی اور ابدی زندگی میں بھی اپنے نیک بندوں کے لئے سلامتی والا گھر تیار کر رکھا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ [۲]

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے۔''

یعنی ایسے گھر کی طرف جس میں ہر طرح کی سلامتی ہی سلامتی ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوئی تکلیف ہے، نہ رنج و غم، نہ بیماری کا خطرہ، نہ فنا ہونے یا حالت بدل جانے کی فکر۔

''دَارُالسَّلَامِ'' سے مراد جنت ہے، اس کو دَارُالسَّلَامِ کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن و سکون ہر شخص کو حاصل ہوگا۔

دوسری وجہ بعض روایات میں ہے کہ ''جنت'' کا نام ''دَارُالسَّلَامِ'' اس وجہ سے بھی رکھا گیا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا، لفظِ ''سلام'' ہی اہلِ جنت کی اصطلاح ہوگی، جس کے ذریعے وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے اور فرشتے ان کو مہیا کریں گے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں بطورِ نصیحت عوام کو خطاب کر کے فرمایا:

اے آدم کے بیٹے! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دَارُالسَّلَامِ کی طرف بلایا تو تو اس دعوتِ الٰہیہ کی طرف کب اور کہاں سے قدم اٹھائے گا؟

خوب سمجھ لے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے اگر تو نے دنیا ہی سے کوشش شروع کر دی تو وہ کامیاب ہوگی اور تو دارالسلام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر تو نے اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد یہ چاہا کہ قبر میں پہنچ کر اس دعوت کی طرف چلوں گا تو تیرا راستہ روک دیا جائے گا تو وہاں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا، کیوں کہ وہ دارالعمل نہیں۔

---

[۱] ابن ماجة، الطب، باب الفزع والارق وما يتعوذ منه، رقم: ۳۵۴۹

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے ان تمام آیات کو ''منزل'' کے نام کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ صبح و شام ان آیات کے ورد کا معمول بنا لینا چاہئے۔ یہ ''منزل'' کتابچہ کی صورت میں بازار میں دستیاب ہے۔

[۲] یونس: ۲۵

besturdubooks.wordpress.com

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: دَارُ السَّلَامِ جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام دَارُ السَّلَامِ رکھنا مناسب نہیں، جیسے جنت یا فردوس نام رکھنا درست نہیں۔[1]

جس طرح اس آیت میں اللہ ربُّ العزت نے دعوت کی نسبت اپنی ذات کی جانب فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دَارُ السَّلَامِ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو دَارُ السَّلَامِ کی طرف دعوت دے۔ دعوت اتنا مبارک عمل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یہ عمل فرماتے ہیں۔ نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ سلامتی کی طرف وہی بلاتا ہے جو شفیق ہوتا ہے اور دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے اور ظاہر ہے اللہ ربُّ العزت سے بڑھ کر کون شفیق اور مہربان ہوسکتا ہے۔

لہٰذا جب انسان سلامتی کے راستے کی طرف دعوت دے گا تو یہ عمل انسان کے جذبۂ شفقت اور مہربانی کے تحت ہوگا اور اس عمل سے یہ جذبہ اور اُبھرے گا اور اس عمل میں لوگوں کی خلافِ طبیعت باتیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، صبر سے کام لینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس صبر کا بڑا اجر عطا فرمائیں گے اور ہدایت کے فیصلے جاری فرمائیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہنے کی فضیلت:

مندرجہ بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ جنت کا نام "دَارُ السَّلَامِ" رکھنے کی ایک وجہ جنت میں اہلِ جنت کا تکیہ کلام "تَحِیَّۃٌ وَّسَلَامٌ" ہونا ہے۔ اس سے سلام کی اہمیت و افادیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی سلام کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے، احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

۱ "حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ (یعنی تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے؟ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔"[2]

۲ "حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"سلام کو خوب پھیلاؤ، تاکہ تم بلند ہو جاؤ۔"[3]

۳ "حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو صرف جان پہچان کی بنیاد پر سلام کرے

---

[1] معارف القرآن: ۵۲۸/٤، ۵۲۹

[2] لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّکُمْ عَلٰی شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ." (مسلم: کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الاالمؤمنون: ۵٤/۱)

[3] أَفْشُوا السَّلَامَ کَيْ تَعْلُوْا." (مجمع الزوائد: ۲۸/۸، رقم: ۱۲۷۳۳)

besturdubooks.wordpress.com

(نہ کہ مسلمان ہونے کی بنیاد پر)۔" [1]

۴ "حضرت ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا زیادہ مستحق وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔" [2]

۵ "حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔" [3]

۶ "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"میرے پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت کا سبب ہوگا۔" [4]

۷ "حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [5]
"جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اس گھر والوں کو سلام کرو اور جب (گھر سے) جانے لگو تو گھر والوں سے سلام کے ساتھ رخصت ہو۔"

۸ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
""اَلسَّلَامُ" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے، لہٰذا اس کو آپس میں خوب پھیلاؤ، کیوں کہ مسلمان جب کسی قوم پر گزرتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے اور وہ اس کو جواب دیتے ہیں تو ان کو سلام یاد دلانے کی وجہ سے سلام کرنے والے کو اس قوم پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ جواب نہیں دیتے ہیں تو فرشتے جو انسانوں سے بہتر ہیں، اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔" [6]

صاحب "النہج الاسمیٰ" فرماتے ہیں:

---

[1] إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَايُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا لِلْمَعْرِفَةِ." (مسند احمد: ۴۰۵/۱، رقم: ۳۸۲۸

[2] إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ" (ابوداؤد، الادب، باب فی فضل من بدأبالسلام ۳۵۰/۲

[3] البَادِيُّ بِالسَّلَامِ بَرِيْءٌ مِّنَ الْكِبْرِ." (رواہ البیہقی: ۴۳۳/۶)

[4] يَابُنَيَّ! إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ." (الترمذی: أبواب الإستئذان والأدب، باب ماجاء فی التسليم إذا دخل بيته: ۹۹/۲)

[5] إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهٖ وَ إِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوْا أَهْلَهُ السَّلَامَ." (الترغيب والترهيب: (باب) فی افشاء السلام: ۲۸۷/۳

[6] اَلسَّلَامُ اسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوْهُ بَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ، كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ بِتَذْكِيْرِهٖ إِيَّاهُمُ السَّلَامَ، فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُمْ." (الترغيب والترهيب: (باب) فی افشاء السلام: ۲۸۷/۳

besturdubooks.wordpress.com

سلام کا پھیلانا اسلام کے بڑے بڑے شعائر میں سے ہے جس میں اکثر لوگ سستی کر جاتے ہیں۔

سلام ان چیزوں میں سے ہے جن پر ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے دوڑے چلے آئے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور نبوت کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے یقین آگیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ پھر پہلی بات جو میں نے آپ ﷺ کے کلام سے سنی وہ یہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور راتوں کو جس وقت لوگ سو رہے ہوتے ہیں نماز پڑھو تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔[1]

چار باتیں ایسی ہیں جن سے آپس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اُن میں سے ایک سلام بھی ہے:

1. جب بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملیں تو اسے سلام کریں۔
2. مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کریں۔
3. اُسے اس کے محبوب ناموں کے ساتھ پکاریں۔
4. اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں رشتہ داروں کے سامنے اس کی بھلائیاں اور خوبیاں بیان کرے، اس کے عیوب اور خامیوں پر پردہ ڈال کر اس کی اصلاح کے لئے دعا کریں۔

جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کے لئے چار اعمال

(۱) لوگوں کو کھانا کھلانا، (۲) صلہ رحمی کرنا، (۳) سلام کا پھیلانا، (۴) تہجد کی نماز پڑھنا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”یَاأَیُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.“[2]

تَرْجَمَہ: ”اے لوگو! تم سلام کو عام کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، رات کو اس وقت نماز

---

[1] وَ إِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنْ شَعَائِرِ الإِسْلَامِ الْعَظِیْمَةِ الَّتِي یَتَهَاوَنُ فِیْهَا كَثِیْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَهِيَ مِنْ أَوَائِلِ مَا دَعَا إِلَیْهِ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَمَا وَصَلَ إِلَی الْمَدِیْنَةِ، فَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ:

أَوَّلُ مَا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ اِنْجَفَلَ النَّاسُ إِلَیْهِ، فَكُنْتُ فِیْمَنْ جَاءَهُ، فَلَمَّا تَأَمَّلْتُ وَجْهَهُ وَاسْتَبَنْتُهُ عَلِمْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَیْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ. قَالَ: وَكَانَ أَوَّلُ مَاسَمِعْتُ مِنْ كَلَامِهِ أَنْ قَالَ: "أَیُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“ (الترمذی:كتاب صفة القیامة، باب أفشوا السلام ۲/۷۵ نقلا عن النهج الأسمٰی، ۱/۱۲۰)

[2] المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة: ۴/۲۷۲، رقم: ۷۳۵۷

besturdubooks.wordpress.com

پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

کتنے آسان ہیں یہ چار کام، خصوصاً سلام کو پھیلانے میں تو کوئی پیسہ نہیں لگتا۔ ہمیں چاہئے کہ ایک دوسرے کو خوب سلام کریں، اور پورا سلام کریں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں، اپنے دل میں ہر ایک کے لئے سلامتی پیدا کریں، اس لئے کہ ہم اسی ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بندے ہیں۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے کے لئے یقین رکھنا ہوگا کہ سلامتی صرف اور صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، سلامتی اور عافیت حفاظت صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنی ہے۔ اس کے لئے جو واقعات لکھے گئے ہیں ان کو ذہن نشین کر لیجئے اور دوسروں کو بھی بیان کیجئے۔

❷ جان کی سلامتی کے لئے چھ دعائیں یاد کرلیں اور مانگنے کا اہتمام کریں۔

❸ مال کی سلامتی کے لئے بہنوں اور بھائیوں کا حق نہ دبایئے۔ مال ہوتے ہوئے قرض اپنے اوپر نہ رکھئے فوراً قرض ادا کریں، زکوٰۃ واجب اور نفلی صدقہ، اور رشتہ داروں کے ساتھ مالی صلہ رحمی کا بھی اہتمام کیجئے۔

❹ لوگوں کو دَارُالسَّلَام کی طرف دعوت دیجئے یعنی جنت کے اعمال کی طرف بلایئے اور جنت میں سلامتی سے داخلہ کے چار اعمال کا مذاکرہ کرتے رہیں۔

❺ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کی کثرت کیجئے۔ آپ سے سلام کرنے میں کوئی سبقت نہ لے جائے، رکشہ، ٹیکسی والے سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، دکان دار سے بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فون، موبائل پر بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ گھر میں داخل ہونے کے بعد بات کرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا اہتمام کریں۔

❻ ان تمام باتوں کی دعوت اپنے آپ کو بھی دیں اور لوگوں کو بھی دیں کہ: ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہر عیب سے سلامت ہے، اس کی صفات میں بھی سلامتی ہے، اولاد اور بیوی سے سلامت ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو ہم مثل، شریک، موت، نیند و اونگھ، تھکاوٹ و پریشانی اور بھول چوک ان تمام سے سلامت ہے اسی طرح اس ذات کا کسی کو سزا دینا ظلم و ستم سے انتقام سے پاک ہے اور حکمت و مصلحت پر ہی ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ہر فیصلہ ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] المنهج للامام الجوزي: ۱۸۲

besturdubooks.wordpress.com

اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(امن دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

❶ ''اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جس نے اپنی تعریف کامل صفات، انتہائی بزرگی اور جمال سے فرمائی ہے۔ جس نے رسول بھیجے، اپنی کتابیں واضح نشانیوں اور دلائل کے ساتھ نازل فرمائیں، ہر ہر نشانی اور دلیل سے اپنے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی تصدیق فرمائی اور انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی سچائی پر خود وہ نشانیاں بھی دلیل تھیں، جو وہ لے کر مبعوث ہوئے۔[1]

❷ ''اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ایک معنی تصدیق کرنے والا بھی آتا ہے، اب اس لفظ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

① ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا فرماتے ہیں اور ان کو دنیا میں بھی پورا پورا رزق عطا فرماتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان بندوں کے اچھے اعمال پر آخرت میں بھی ان کو پورا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

② دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گمان کو (جو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رکھتے ہیں) پورا فرماتے ہیں اور انہیں ناامید نہیں فرماتے۔[2]

قرآن کریم کی اس آیت میں یہ اسم مبارک مذکور ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾[3]

---

[1] قَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْمُؤْمِنُ) اَلَّذِي أَثْنٰى عَلٰى نَفْسِهٖ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ، وَبِكَمَالِ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ، الَّذِي أَرْسَلَ رُسُلَهٗ وَأَنْزَلَ كُتُبَهٗ بِالْاٰيَاتِ وَالْبَرَاهِيْنِ، وَصَدَّقَ رُسُلَهٗ بِكُلِّ اٰيَةٍ وَّبُرْهَانٍ وَّيَدُلُّ عَلٰى صِدْقِهِمْ وَصِحَّةِ مَاجَاءُوْا بِهٖ. (النهج الأسمٰى: ١/١٢٥)

[2] اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُصَدِّقُ، وَقَدْ يَحْتَمِلُ ذٰلِكَ وُجُوْهًا أَحَدُهَا أَنَّهٗ يُصَدِّقُ عِبَادَهٗ وَعْدَهٗ وَيَفِيْ بِمَا ضَمَّنَهٗ لَهُمْ مِنْ رِّزْقٍ فِي الدُّنْيَا، وَثَوَابٍ عَلٰى أَعْمَالِهِمُ الْحَسَنَةِ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْوَجْهُ الْاٰخَرُ: أَنَّهٗ يُصَدِّقُ ظُنُوْنَ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَلَا يُخَيِّبُ اٰمَالَهُمْ. (شان الدعا: ٤٥)

[3] الحشر: ٢٣

besturdubooks.wordpress.com

بتّیس چھریوں سے ننھی زبان کو امن دینے والا کون ہے؟

عالم کون و فساد میں امن و امان کا قیام اسی ''المؤمن جل جلالہ'' کی ذات سے قائم ہے۔ ورنہ لحہ بھر کے لئے بھی امن وسلامتی اس عالمِ کون و فساد میں محال ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے، جب تک چاہتا ہے امن و امان قائم رکھتا ہے۔ جب اور جہاں چاہتا ہے اپنے عطا کردہ امن و امان کو اٹھالیتا ہے اور کسی مصلحت یا انتقام وغیرہ کی وجہ سے وہاں صفتِ جبر و قہر کا ظہور کر دیتا ہے تو اس خطے کا امن برباد ہو جاتا ہے۔

ہمارے جسم میں بھی امن و امان کا قیام اسی ''المؤمن جل جلالہ'' سے ہے، ورنہ ایک پل کے لئے بھی ہمارے بدن میں امن و امان قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ہمارا بدن ایسے متضاد عناصر سے بنا ہے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ایک ہی آشیانے میں بسیرا نہیں کر سکتے، مگر اس ''المؤمن جل جلالہ'' نے انہیں ایسی خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ وہ جب تک چاہتا ہے، سب کے سب سر جوڑ کر کام کیے جاتے ہیں ورنہ منتشر ہو جاتے ہیں۔[۱]

اپنے منہ کے اندر ہی دیکھ لیجئے! چھوٹے سے اس ڈبے میں زبان کے مقابلہ میں بتّیس دانت اس کو دبانے والے ہیں، کبھی کبھی زبان دانتوں کے نیچے آجاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے؟

غور کریں ان بتّیس دانتوں سے (گویا بتّیس چھریوں سے) ننھی سی زبان کو کون امن دیتا ہے؟ وہی ''المؤمن جل جلالہ''

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾[۲]

تَرجَمہَ: ''اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟''

ہمارا جسم بھی اس دنیا کی طرح عالمِ اصغر ہے کہ متضاد عناصر سے بنا ہے اور سب مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ زمین کے اندر ایسے ایسے جلا دینے والے مادے بھرے پڑے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر پلک جھپکتے ہی اسے تہس نہس کر دیں، اس کے جگر کو پھاڑ دیں اور اس کے ٹکڑے اُڑا دیں کہ بڑے بڑے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑتے نظر آئیں۔ ہوا کو اس کا مالکِ حقیقی آزاد چھوڑ دے تو سارے عالم کو اڑا کر لے جائے اور پانی سب کو غرق کر دے۔ سانپ، بچھو اور حشرات الارض نکل پڑیں تو ساری مخلوق کو بہت نقصان پہنچائیں۔ درندوں اور وحشی جانوروں کو مالکِ حقیقی کی لگام نہ ہو تو تباہی مچا دیں۔ بارشیں اور آسمانی بجلیاں اذنِ الٰہی کی پابند نہ ہوں تو خرابی پھیلا دیں۔

ان سارے اسباب فساد کے ہوتے ہوئے بھی عالمِ کون و مکان مامون و محفوظ ہے تو صرف اسی ''المؤمن جل جلالہ'' کی صفتِ امان سے محفوظ ہے۔ اَن دیکھی بلاؤں، وباؤں، بیماریوں اور جراثیم سے یہ دنیا بھری پڑی ہے، پھر بھی مخلوق محفوظ ہے۔ یہ مکھیاں اور مچھر ہی ہماری ہلاکت کے لئے کافی ہیں، مگر وہ ''المؤمن جل جلالہ'' انہیں روکے رکھتا

---

[۱] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۷۲ [۲] الذّٰریٰت: ۲۱

besturdubooks.wordpress.com

ہے اور جس حد تک ان سے کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جس گندے خطے کو چاہتا ہے اس سے اپنی امان کو اٹھا لیتا ہے تو وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

اس عالمِ کون ومکان کا سب سے بڑا مقصد تو خود یہ حضرتِ انسان ہی ہے۔ دنیا چوروں، ڈاکوؤں، ظالموں، رشوت خوروں، لڑنے والوں، شریروں، فتنہ پروروں اور قاتلوں سے بھری پڑی ہے، پھر بھی مخلوقِ خدا میٹھی نیند سوتی ہے۔ کیوں کہ اس "المؤمن جل جلالہ" نے ان کو لگام دے رکھی ہے، اگر وہ انہیں قابو میں نہ رکھتا تو ایک دوسرے کو کھا جاتے۔[1]

شہری امن ایک بڑی نعمت ہے

امن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس شہر یا جس ملک میں امن نہ ہو وہاں آدمی دین یا دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتا۔ شہر میں ساری دنیا کی نعمتیں ہوں، لیکن امن نہ ہو تو اس شہر میں رہنا مشکل ہے۔ شیخ ایوب برمی امام مسجد قباء (مدینہ منورہ) جب کراچی تشریف لائے تو ایک عجیب حکمت کی بات فرمائی کہ شہر میں امن ہونا بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

(اسی لئے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عجیب دعا کی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾[2]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔"

یہ دُعا سب سے اہم ہے کہ شہر میں امن ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب "سورۃ التین" میں شہر کی قسم کھائی تو اس کی صفت "امین" لائے ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾[3] جس سے معلوم ہوا کہ ایک شہر کی سب سے زیادہ عظیم اور اہم صفت، جس سے وہ شہر رہنے کے قابل بنے امن ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سب خاندان کے افراد سے کہا کہ آپ سب بحکمِ خداوندی مصر میں بے خوف وخطر بغیر کسی پابندی کے داخل ہو جائیں:

﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: "مصر میں چلئے (اور) ان شاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہئے گا)۔"

اسی طرح سُورۂ قریش میں جو اللہ تعالیٰ نے دو بڑی بڑی نعمتیں ذکر فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی ﴿وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ یعنی انہیں امن دیا خوف سے۔ چوں کہ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ ان کو اہلِ حرم اور خادمِ بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۷۳ [2] ابراھیم: ۳۵ [3] التین: ۳ [4] یوسف: ۹۹

besturdubooks.wordpress.com

اُن کی خدمت کرتے اور اُن کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ اس طرح اُن کو خاطر خواہ نفع ہوتا۔

پھر امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا، لیکن کعبہ کے ادب کی وجہ سے کوئی چور، ڈاکو کعبہ کے پاسبان اہلِ قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا۔ ''اصحابِ فیل'' کی زد سے محفوظ رکھا، پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے؟ اور اُس کے رسول ﷺ کو کیوں ستاتے ہو؟ کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں؟ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے؟ [1]

امن کا ظہور کب ہوتا ہے

اب غور کرنے کی بات ہے کہ ''المؤمن جل جلالہٗ'' کی ''صفتِ امن'' کا ظہور کب ہوتا ہے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآنِ کریم میں دو جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں امن بھیجتے ہیں اور کب دونوں جگہ سے امن سلب کر دیتے ہیں؟ جس کی حیثیت قانون کی سی ہے۔

❶ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [2]

تَرجَمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا، انہیں کے لئے امن ہے اور وہی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں۔''

اس آیت میں یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ عذاب سے مامون و مطمئن صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور پھر انھوں نے اپنے ایمان میں کسی ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سہم گئے۔ اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کوئی ظلم اپنی جان پر بذریعہ گناہ نہیں کیا؟ اور اس آیت میں عذاب سے مامون ہونے کی یہ شرط ہے کہ ایمان کے ساتھ ظلم نہ کیا ہو، پھر ہماری نجات کا کیا راستہ ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے۔ آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [3] اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں اور دریاؤں کو پوجنے والی مخلوق اپنی بے وقوفی سے ان چیزوں کو بااختیار سمجھتی ہے اور ان کی عبادت چھوڑنے سے اس لئے ڈرتی ہے کہ کہیں یہ چیزیں ہمیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے گُر کی بات ان کو بتائی کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے ہر کام سے باخبر بھی ہے اور تمہارے ہر بھلے

---

[1] تفسیر عثمانی: ۸۰۳ [2] الانعام: ۸۲ [3] لقمٰن: ۱۳

besturdubooks.wordpress.com

برے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس سے تو تم ڈرتے نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی مصیبت آجائے گی اور جن چیزوں میں نہ علم ہے نہ قدرت، ان سے ایسے ڈرتے ہو؟ یہ سوائے بے عقلی کے اور کیا ہے؟ ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے چاہئے اور جس کا اس پر ایمان ہو وہ کسی خطرے میں نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر مشرک و بت پرست ہو جائے، بل کہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتے یا رسول یا کسی ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔ اس میں اُن عوام کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزارات کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ."[1]

پھر چاہے ساتھ یہ بھی عقیدہ ہو کہ ان اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کو یہ خداوندی مخصوص صفات بوجہ ان بندوں کے مقرب ہونے کے خود اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہیں اور وہ جب چاہے ان سے سلب بھی کر لے اور اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس عقیدے کے باوجود بھی ایسے فاسد خیال والے شرک کے جرم سے بری نہیں، کیوں کہ مکہ کے مشرکوں کا بھی اصل شرک یہی تھا، چناں چہ وہ طواف کرتے ہوئے کہتے تھے:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ فَتَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ."[2]

تَرجَمَہ: میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ کا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے جو آپ کا ہے، آپ اس کے مالک ہیں اور اس چیز کے بھی مالک ہیں جس کا وہ شریک مالک ہے۔

اس لئے شرک سے بچنے اور بچانے کی خوب محنت کرتے رہنا چاہئے اور شرک سے بچنے کی یہ دعا مانگتے رہنا چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں اور میں یہ جانتا بھی ہوں اور تجھ سے استغفار کرتا ہوں اس گناہ پر جس کو میں نے لاعلمی میں کیا ہو۔"

❷ دوسری بات جس سے اللہ تعالیٰ نعمتِ امن کو خوف و بے چینی سے بدل دیتے ہیں، وہ ناشکری کا گناہ ہے، لہٰذا جہاں کہیں امن ہو وہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرنا چاہئے اور شرک اور گناہوں سے بچنا چاہئے کہ یہ دونوں چیزیں ملک کے معاشرے سے امن کو تباہ کر دیتی ہیں اور فقر و فاقہ تنگ دستی لے آتی ہیں۔ امن کمیٹیاں .... اور جو

[1] معارف القرآن: ۳۸۷/۳ [2] امداد الفتاویٰ: ۸۲/۶، ۸۳

[3] اورده السيوطي في "استعاذات مطلقة مأثورة من كتابه عمل اليوم والليلة (۷۱) وذكر عبدالرؤف المناوي الشطر الاول منه فقط في كتابه (كنوز الحقائق) وعزاه الى الطبراني (۲۹٤) فتح الاعز الاكرم لتخريج الحزب الاعظم محمد عبدالرشيد النعماني: ۱۱۸

besturdubooks.wordpress.com

امن کو چاہنے والے لوگ ہیں .... ان کے لئے یہ دو آیتیں مشعلِ راہ ہیں کہ اس میں خوب غور کریں کہ جن اسباب کو اسبابِ امن قرار دیا گیا ہے، وہ ہم میں کتنے ہیں اور ہم انسانوں کو ان دونوں خرابیوں (جن سے امن وسلامتی ختم ہو جاتی ہے اور خوف بے چینی اور بھوک آتی ہے) سے بچانے کے لئے کتنی محنت کرتے ہیں؟

اب قرآن کریم کی زبانی بھی سن لیجئے کہ امن دنیا سے ناشکری کی وجہ سے کیسے ختم ہو جاتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی۔ اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا، جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔''

یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا...... نہ اندر سے کسی طرح کی فکر وتشویش...... خوب امن چین سے زندگی گزرتی تھی۔ کھانے کے لئے غلے اور پھل کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر چیز کی افراط تھی اور گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔ اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے بدمست ہوئے کہ منعمِ حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا، بل کہ اُس کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی۔

آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفرانِ نعمت کا مزہ چکھایا یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے اُن کو اِس طرح گھیر لیا، جیسے کپڑا (اپنے) پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے کہ ایک دم کو بھوک اور ڈر اُن سے جدا نہ ہوتا تھا۔[2]

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امن وسکون کے حقیقی اسباب شرک اور گناہوں سے بچنا ہے، خصوصاً ہر قسم کی نعمت کی ناشکری سے بچنا ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک مرد ہو یا عورت سوچے کہ میں نے امن کے کتنے اسباب اپنائے ہیں؟ یعنی میں کتنے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتا ہوں اور بچانے کی فکر کرتا ہوں؟

ہم اپنے گھر میں، بل کہ اپنے آپ کو دیکھ لیں کہ گناہ کرنے والا شخص کبھی بھی امن میں نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہر قسم کے گناہ سے بچیں، مثلاً: ہماری آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے، کسی نامحرم کو نہ دیکھے، زبان کسی کی غیبت نہ کرے، کان غیبت اور گانا وغیرہ نہ سنے۔ مرد داڑھی رکھنے کا اہتمام کرے، گھر میں کوئی مرد ایسا نہ ہو جس کا چہرہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ کے مشابہ نہ ہو۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مرد کا وہ چہرہ پسند ہے جس پر داڑھی ہو، لہٰذا ہمیں اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند میں فنا کر دینا چاہئے اور اپنے چہرے پر داڑھی رکھنی چاہئے۔

---

[1] النحل: ۱۱۲ [2] تفسیر عثمانی: ۳۷۰

besturdubooks.wordpress.com

اسی طرح عورتیں بھی سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک اپنے جسم کی حفاظت کریں کہ کوئی نامحرم نہ دیکھے۔ جو عورت اپنا جسم دوسروں کو دکھاتی پھرتی ہے، گھر کے ڈرائیور، نوکر سے پردہ نہیں کرتی یا خالہ زاد، پھوپھی زاد نامحرموں کے سامنے بے پردہ آتی جاتی ہے تو وہ عورت اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ کو دعوت دے رہی ہوتی ہے، وہ امن میں کیسے آسکتی ہے۔

لہٰذا آج سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی امان میں داخل ہونے کے لئے ساری شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ گھروں سے گناہ اور غفلت کا سامان نکال پھینکیں۔ ہمت کر کے حکمت کے ساتھ ٹی وی گھر سے نکال دیں اور بچوں کی دینی تربیت کریں۔ گناہوں سے بچیں اور پیار محبت اور دُعاؤں کے ذریعے دوسروں کو بھی بچائیں تو اپنی ذات میں، گھر میں اور ملک میں بھی امن وامان قائم ہوگا۔

ایمان کی حفاظت کیجئے

عام طور پر دو چیزیں ایمان کے کم زور ہونے کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا اس کی نگرانی کرتے ہوئے ایمان کی حفاظت کیجئے:

❶ سب سے پہلی بات: ایمان کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کرنا کیوں کہ جس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس نہ لے لیں، نعمت تب باقی رہتی ہے جب انسان اس نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اس لئے دعائیں سکھلا دی گئیں ”رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا“ تو ہم اپنے دل میں بھی یہی سوچیں، ہم اپنے رب سے راضی ہیں، وہ ہمارا پروردگار ہے، ہم نبی عَلَیْہِ السَّلَام سے راضی ہیں، وہ ہمارے آقا اور سردار ہیں اور ہم دین سے راضی ہیں کہ اللہ ربُّ العزت نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی تو پہلی بات کہ ہم نعمت ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں۔[1]

❷ دوسری بات دین داروں سے نفرت کرنا: دین یا دین داروں سے کبھی نفرت نہ کریں کیوں کہ ہمارے نفرت کرنے سے ان کا کیا نقصان! اپنی ہی آخرت خراب ہوتی ہے، چناں چہ بجائے نفرت کے ان سے محبت کریں، دین خود سیکھیں ایمان بڑھائیں دینی ماحول میں شرکت کرتے رہا کریں، تاکہ ایمان کی حفاظت اور بڑھوتری خوب ہو۔

ایمان دل میں رچ بس جائے اس کے لئے یہ دعائیں مانگیں

❶ ”اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِي وَيَقِينًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهٗ لَا يُصِيبُنِي إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِي وَرَضِّنِي مِنَ الْمَعِيشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِي“[2]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں رچ بس جائے اور وہ سچا یقین کہ میں خوب

[1] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۲۹۶

[2] كنز العمال، كتاب الاذكار، قسم الاقوال: ۸۱/۱، رقم: ۳۶۵٤

besturdubooks.wordpress.com

جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے بس وہی مجھ کو پیش آ سکتی ہے اور مجھے راضی کر دے اس زندگانی پر جو تو نے میرے لئے تقسیم فرما دی ہے۔"

❷ "اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَيَقِيْنًا لَّيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ."[۱]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مجھے ایسا ایمان ویقین دے جس کے بعد کفر نہ ہو اور وہ رحمت عطا فرما جس کے سبب میں دنیا و آخرت میں تیری عطا کردہ بزرگی کا شرف حاصل کرسکوں۔"

❸ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی دَرَجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ."[۲]

تَرْجَمَہ: "الٰہی! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو نہ چھوٹے اور اس نعمت کا طالب ہوں جو ختم نہ ہو اور اپنے نبی محمد ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت کے سب سے اونچے درجے میں، جو ہمیشہ رہنے کی جنت ہے۔

❹ "اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ."[۳]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے۔"

فوائد ونصائح

❶ مکہ مکرمہ کے امام شیخ عبدالرحمان السدیس یہ مختصر دُعا امن کے لئے مانگتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اٰمِنَّا فِیْ اَوْطَانِنَا."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! ہمیں ہمارے وطنوں میں امن نصیب فرما۔"

❷ حضرت شیخ عبدالغفور عباسی المدنی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "اوراد غفوریہ" میں لکھتے ہیں:

جو شخص فجر اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ بار (سورۂ قریش) کو پڑھے گا (﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ پڑھتے وقت رزق کی تنگی کے دور ہونے اور ﴿اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ پڑھتے وقت دشمن کے خوف سے حفاظت کا دل سے طالب ہوگا) اس کے رزق میں وسعت ہوگی اور دشمن کے شر سے محفوظ رہے گا۔

ابوالحسن قزوینی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: جس شخص کو کسی دشمن یا کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ اس کو امام جزری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔[۴]

---

[۱] الترغيب و الترهيب: ٥٨٣/٤ [۲] مستدرك حاكم كتاب الدعاء ......: ٧١٥/١، رقم: ١٩٨٠

[۳] النسائي، كتاب السهو: ١٩٢/١ [۴] تفسير مظهری: ٣٤٨/١٠

besturdubooks.wordpress.com

۳ خوف و پریشانی کو امن میں بدلوانے کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے:

"اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ."[1]

تَرْجَمَہ: اے اللہ (میں درخواست کرتا ہوں کہ) آپ میرے تمام عیوب کی پردہ پوشی فرما دیں اور میرے خوف و پریشانی کو امن میں بدل دیں۔

ایمان کی حقیقت حاصل کرنے کا نسخہ

۴ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے مؤمنین اس کے شر اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہے۔" کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کون مؤمن نہیں ہے؟

فرمایا: "وہ شخص جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔

لہٰذا اس بات کی پوری کوشش ہو اور پکا ارادہ ہو کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً پڑوسیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: بھلا میں تمہیں نہ بتلاؤں مؤمن کے بارے میں؟ مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔[2]

ایک حدیث میں آیا ہے:

"مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ آمِنًا وَّاِيْمَانًا."[3]

تَرْجَمَہ: "جس شخص نے غصے کو ضبط کرلیا باوجود اس کے کہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الأدب، بَابُ مَايَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ، الرقم:٥٠٧٤

[2] وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يَّأْمَنَ الْمُؤْمِنُونَ شَرَّهٗ وَ غَوَائِلَهٗ. فَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ" قِيْلَ: وَمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ. ("البخاری" کتاب الأدب، باب إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ: ٨٨٩/٢) ای: لَا يَكُوْنُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا كَامِلَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَأْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ. أَيْ: شُرُوْرَهٗ وَغَوائِلَهٗ. وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ." (الترمذی الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون ......الرقم:٢٦٢٧) النهج الأسمٰى: ١٢٧/١

[3] جامع الصغیر:٩٧١/٢

besturdubooks.wordpress.com

اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔"

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے:

"بندہ جب تک اپنی زبان کی حفاظت نہ کرلے ایمان کی حقیقت کو حاصل نہیں کر سکتا۔"[1]

اس اسم مبارک سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے امن میں رکھیں۔

"المؤمن جل جلالہ" سے امن مانگئے

❺ یہ یقین رکھیں کہ امن دینے والی ذات ایک اللہ کی ذات ہے۔ دنیا و آخرت کا امن وسکون، عافیت و راحت اسی "المؤمن جل جلالہ" کے قبضے میں ہے۔ لہٰذا ہر قسم کا امن المؤمن جل جلالہ ہی سے مانگا جائے۔ بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے سے پہلے بھی اور آنے کے بعد بھی اسی سے امن، شفا، راحت اور عافیت مانگی جائے۔ امن اور سکون کے حالات اسی کے قبضے میں ہیں، جس طرح بدامنی، بے چینی و بے سکونی کے حالات اُس کے قبضے میں ہیں۔

وہ جب چاہے،...... جس طرح چاہے،...... جس کے لئے چاہے...... اور جس وقت چاہے،...... امن وسکون کے حالات بھیج دے اور جہاں چاہے، وہاں سے امن وسکون کے حالات ہٹا دے۔

اسی طرح "المؤمن جل جلالہ" کے پاس امن وسکون کے لامحدود خزانے ہیں، امن وسکون کی لامحدود شکلیں ہیں۔ وہ امن وسکون دینا چاہے تو آگ میں رکھتے ہوئے، مچھلی کے پیٹ میں رکھتے ہوئے، چھوٹی سی جھونپڑی میں رکھتے ہوئے، ہر قسم کی ظاہری نظر آنے والی تکالیف میں رکھتے ہوئے دل کا امن وسکون اور اطمینان نصیب فرمائے، اور وہ چاہے تو ہر قسم کی ظاہری راحت دیتے ہوئے بادشاہت کی کرسی پر بٹھا کر دل کو بے چین و بے سکون کر دے۔

لہٰذا ہر قسم کی بے چینی، بے سکونی اور بدامنی، دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگنی چاہئے، جس کے ہاتھ میں امن ہے اور جس کے پاس امن وسکون کے بے شمار اور نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔ جس کا نام ہی مؤمن ہے اُس کے دربار کو چھوڑ کر غلط قسم کے عاملین......، پروفیسر......، جوتشی...... کے پاس جانا بہت ہی بری، گھٹیا اور بے وقوفانہ حرکت ہے۔ یا منوں مٹی کے نیچے مدفون انسانوں سے امن، سکون، کی بھیک مانگنا بہت ہی بڑا ظلم ہے، اسی طرح یاد رکھئے! تعویذ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے، تعویذ لکھنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے، جس کو تعویذ دیا جا رہا ہے وہ بھی اللہ کے حکم کا محتاج۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے، ...... ماتحتوں کو بے چین کر کے، ...... رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے، ...... ڈیوٹی کی ادائیگی میں خیانت کر کے، ...... پھر بھی تعویذ کے ذریعے کوئی شخص امن اور سکون کا متلاشی ہے، تو یہ اس کا غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ساری دنیا کے تعویذ اس کو امن وسکون نہیں دے سکتے، بل کہ توبہ کر کے پہلے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔

---

[1] مجمع الزوائد، الزهد، باب ماجاء في الصمت......: ۱۰/ ۳۹٤، رقم: ۱۸۱۷۷

besturdubooks.wordpress.com

المُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُهُ

(پوری نگہبانی فرمانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "المُهَيْمِنُ" نام ہے اس ذات کا جو تین صفات کے مجموعے کے ساتھ موصوف ہو:

پہلی صفت ...... ہر چیز کے تمام احوال کا علم ہو۔

دوسری صفت ...... اس چیز کے فوائد حاصل کرنے پر مکمل قدرت ہو۔

تیسری صفت ...... ان فوائد و مصالح کو پابندی سے حاصل بھی کر سکے۔ ان صفات کے جامع کا نام "المُهَيْمِنُ" ہے۔ اور یہ تینوں صفات اللہ ربّ العزت کے سوا کسی اور میں کہاں ہو سکتی ہیں؟[1]

❷ (المُهَيْمِنُ): المُطَّلِعُ عَلٰى خَفَايَا الْأُمُوْرِ، وَخَبَايَا الصُّدُوْرِ، اَلَّذِيْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا.[2]

تَرجَمہ: "المُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے، جو تمام مخفی امور سے آگاہ ہو اور دلوں میں چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہو اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو۔

"المُهَيْمِنُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے دوسرے معنی شاہد کے ہیں۔ یعنی ایسا حاضر اور باخبر جس کے علم سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہوتا۔ صاحب مرقاۃ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "المُهَيْمِنُ" کی تعریف اس طرح کی ہے:

❸ "اَلْقَائِمُ بِأُمُوْرِ الْخَلْقِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ وَآجَالِهِمْ وَأَخْلَاقِهِمْ."[3]

تَرجَمہ: "مخلوق کے تمام کاموں کی نگرانی کرنے والا، ان کے رزق، ان کی عمروں اور اخلاق، ان سب کی نگرانی کرنے والا۔"

قَالَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ:

---

[1] إِسْمٌ لِّمَنْ كَانَ مَوْصُوْفًا بِمَجْمُوْعِ صِفَاتٍ ثَلَاثٍ، أَحَدُهَا اَلْعِلْمُ بِأَحْوَالِ الشَّيْءِ، والثَّانِي: اَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ مَصَالِحِ ذٰلِكَ الشَّيْءِ، والثَّالِثُ: اَلْمُوَاظَبَةُ عَلٰى تَحْصِيْلِ تِلْكَ الْمَصَالِحِ، فَالْجَامِعُ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ اِسْمُهُ "الْمُهَيْمِنُ" وَأَنّٰى أَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى الْكَمَالِ إِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى. (النهج الأسمٰى: ۱/۱۳۲)

[2] النهج الأسمٰى: ۱/۱۳۲ [3] مرقاۃ: كتاب اسماء اللّٰه تعالٰى ۵/۷۷

besturdubooks.wordpress.com

مَلِيْكٌ عَلٰى عَرْشِ السَّمَآءِ مُهَيْمِنٌ لِعِزَّتِهٖ تَعْنُو الْوُجُوْهُ وَتَسْجُدُ[1]

ترجمہ: ''مالک ہے آسمان کے عرش کا، ہر ہر ذرّے اور قطرے کی نگہبانی کرنے والا، اسی کی خوشنودی کی خاطر چہرے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔''

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے: ﴿اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ﴾[2]

سب کا نگہبان وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ اس نے ہر چیز کی نگہبانی کا پورا پورا سامان کیا ہے۔ ہمارے جسم میں سب سے نازک عضو آنکھ ہے تو دیکھو اس کی حفاظت اس نے کس مضبوطی سے کی ہے۔

دماغ جہاں سے سارے جسم کے لئے احکامات صادر ہوتے ہیں، اس کو ایک جھلی پھر دوسری جھلی میں محفوظ کر کے مضبوط سر کی نگہبانی میں دے دیا، جس کی ساخت کچھ ایسی بے ڈول سی ہے کہ وہ اپنے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے مغز کی خوب حفاظت کر سکتا ہے۔ ہر ذی روح کو اسبابِ حفاظت دیئے گئے ہیں۔

اس ''المھیمن جل جلالہ'' نے ہر چیز کی نگہبانی کے لئے کوئی نہ کوئی چیز پیدا کی ہے۔ بعض کو حفاظت کے لئے ڈنک عطا کیے...... بعض کو کاٹنے کے لئے دانت...... بعض کو پنجے...... بعض کو اچھلنے کودنے کی طاقت...... بعض کو دم...... اور چونچ...... بعض کو سینگ...... بعض کو قدرتی مکا زنی...... بعض کو ٹکر مارنے کی طاقت...... بعض کے جسم میں ایک قسم کی بجلی اور بجلی کا سا کرنٹ پیدا کر دیا ہے اور پھولوں کی نگہبانی کے لئے کانٹے پیدا کیے، بعض جانوروں کی حفاظت ان کی بدبو کرتی ہے اور ہماری نگہبانی کے لئے عقل پیدا کی۔

چوہے کو رات دن میں یکساں دکھائی دیتا ہے، لہٰذا وہ ہر وقت بلی سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے، مگر چھچھوندر کو دن میں دکھائی نہیں دیتا، لہٰذا اس کی حفاظت اس کے جسم کی بدبو کرتی ہے کہ اسے کوئی جانور قبول نہیں کرتا۔

بعض کو اس قدر ننھا جسم عطا کیا ہے کہ وہ دشمن کو دکھائی نہیں دیتا اور نہ کسی طرح اپنے حقیر ہونے کی وجہ سے قبضے میں آتے ہیں۔

بعض جانور جیسے چھپکلی اپنا رنگ تبدیل کرنے پر قادر ہوتی ہے اور اس طرح وہ بچ نکلتی ہے۔ گرگٹ رنگ بدلنے میں ضرب المثل ہے۔ یہ دشمن سے بچاؤ کے لئے اپنا رنگ تبدیل کر لیتا ہے اور جس رنگ کی لکڑی یا درخت ہوتا ہے اسی کا سا رنگ اختیار کر لیتا ہے کہ دیکھنے والا دیکھ نہ سکے۔

''المھیمن جل جلالہ'' نے ہرن، خرگوش اور بعض جانوروں کو اتنی برق رفتاری عطا کی ہے کہ وہ رات دن درندوں کے درمیان رہتے ہیں اور جب تک وہ چاہتا ہے، اس کی نگہبانی میں رہتے ہیں۔

بعض کو ایسا بدصورت اور بے مایہ بنایا ہے کہ ان کی طرف کوئی بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ ان کی بے مصرفی ہی ان کی

[1] النهج الأسمٰى: ۱/۱۳۲ [2] الحشر: ۲۳

besturdubooks.wordpress.com

حفاظت کی ضمانت ہے۔ کسی کو اس قدر زور آور اور طاقت ور بنایا ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے۔

بعض کو حفاظت کے لئے بال عطا کئے ہیں۔ ریچھ بڑے مزے سے شہد پی جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔

درختوں کی حفاظت ان کی جڑیں اور دور دور تک پھیل جانے والی نسیں کرتی ہیں۔ زمین کی حفاظت پہاڑ کرتے ہیں اور ستاروں کی حفاظت ان کی آپس کی کشش، ان کی فضا اور ان کا ماحول۔ ایک فلک کو دوسرے فلک کا ماحول راس نہیں آتا، لہٰذا وہ ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو پاتے اور ان کے ستارے ان ہی کی نگہبانی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔[1]

"المھیمن جل جلالہ" نے بعض جانوروں کے منہ میں ایسا لعاب پیدا کر دیا کہ ٹہنیوں سے پتے کھاتے ہوئے اگر کانٹے اس کے منہ میں لگ جائیں تو وہ فوراً اس کے لعاب کی وجہ سے پگھل جاتے ہیں۔ المھیمن جل جلالہ نے اس کی زبان اور اس کے منہ کے اندرونی حفاظت کے لئے اس کی ایسی نگہبانی کی کہ اس کے لعاب میں ایسا تیزاب پیدا کر دیا کہ لمحوں میں وہ کانٹے پگھل جاتے ہیں۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ"

المھیمن جل جلالہ سے حفاظت طلب کرنے کی ایک پیاری دعا

یہ دعا، دعائے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس دعا کو روزانہ مانگنے کا معمول بنائے:

"اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ، بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، اللّٰهُ اللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِخَيْرِكَ مِنْ خَيْرِكَ الَّذِيْ لَا يُعْطِيْهِ غَيْرُكَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ اجْعَلْنِيْ فِيْ عِيَاذِكَ وَجِوَارِكَ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَمِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَجِيْرُكَ مِنْ جَمِيْعِ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْتَ وَأَحْتَرِسُ بِكَ مِنْهُنَّ وَأُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيَّ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ عَنْ أَمَامِيْ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَتَحْتِيْ."[2]

ترجمہ: "اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے۔

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۴۷۸

[2] کنز العمال، کتاب الاذکار، باب ادعیة الحرز: ۲۸۳/۲، رقم: ۵۰۱۸

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میری جان پر اور میرے دین پر، اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میرے گھر والوں پر اور میرے مال پر، اللہ کے نام کی برکت ہر اس چیز پر جو میرے پروردگار نے مجھ کو عطا کی، اللہ تعالیٰ کے نام سے جو سب ناموں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رب ہے زمین و آسمان کا، اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کی برکت سے کوئی بیماری نقصان نہیں پہنچا سکتی، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی برکت سے میں نے شروع کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، اللہ ہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا، اے اللہ! میں تیرے خیر کے وسیلے سے تجھ سے مانگتا ہوں وہ بھلائی جو تیرے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، تیری پناہ عزت والی ہے اور تیری ثناء بڑی ہے اور معبود نہیں کوئی سوائے تیرے، مجھ کو اپنی پناہ میں لے لے ہر برائی سے اور شیطان مردود سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس مخلوق سے جو تو نے پیدا کی ہے اور تیری حفاظت مانگتا ہوں ان سب سے اور اپنے آگے رکھتا ہوں اس سورت کو ...... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞

”آپ کہہ دیجئے! وہ یعنی اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔“ اپنے سامنے اور پیچھے دائیں اور بائیں، اپنے اوپر اپنے نیچے۔

أَمَامِيْ، خَلْفِيْ، يَمِيْنِيْ، شِمَالِيْ، فَوْقِيْ اور تَحْتِيْ۔“ ہر ایک کے بعد سورۂ اخلاص مع بِسْمِ اللّٰهِ مکمل پڑھے۔

فوائد و نصائح

❶ اگر بندہ اس اسم مبارک کی حقیقت کو پہچان لے کہ مجھ پر کوئی نگران ہے تو وہ اس استحضار کی وجہ سے فرماں بردار رہتے ہوئے زندگی گزارے گا۔ اس کی نافرمانی کرنے پر جرأت نہ کرے گا۔

اب اس اسم مبارک پر جتنا یقین بڑھتا جائے گا، اتنا ہی بندہ اس کی نافرمانی سے ڈرے گا، بل کہ نافرمانی اور گناہوں کی جرأت ہی نہیں کر سکے گا کہ میرا نگران میرے ساتھ ہے، مثلاً: کسی نے عاریتاً آپ کو سائیکل یا کار چلانے کے لئے دی اور وہ خود ساتھ بیٹھا ہو تو چلانے والے کی کیفیت کس طرح ہوگی کہ بہت سنبھال کر چلائے گا کہ جو اس سائیکل کا عارضی نگران ہے، وہ میرے ساتھ ہے۔ اب جس ”المهيمن جل جلالہ“ نے ہمیں یہ جسم استعمال کرنے کے لئے دیا ہے، وہ بھی مکمل ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ آنکھوں کو ہم کہاں استعمال کر رہے ہیں؟ .... زبان کہاں استعمال ہو رہی ہے؟ .... پاؤں کہاں استعمال ہو رہے ہیں؟ .... جب ”المهيمن جل جلالہ“ کے ہونے کا استحضار ہوگا تو اذان سننے کے بعد پاؤں کو مسجد و نماز کے علاوہ کہیں اور استعمال نہیں کر سکے گا، زبان غلط بول نہیں بولے گی، ہاتھ غلط استعمال نہیں ہوں گے۔ غرض اعضاءِ جسم ناجائز استعمال ہونے سے بچے رہیں گے۔ عورت گھر سے باہر بغیر پردے کے کبھی بھی نہیں نکلے گی۔

besturdubooks.wordpress.com

❷ المُهَيْمِنُ کی تین تعریفات بیان کی گئی ہیں، آپ اِن تینوں تعریفات کو اپنے دوستوں اور گھر والوں میں ضرور بیان کریں۔ گھر میں ایک سبورہ (بلیک بورڈ) رکھیں اور بچوں کو اللہ پاک کے مبارک ناموں کی تشریح دل چسپ انداز میں ضرور سمجھائیں اور پھر ان سے مختلف سوالات کریں تو اُن کا شوق بھی بڑھے گا اور دین کی باتوں کی سمجھ بھی پیدا ہوگی۔ بچوں سے اس طرح سوال کریں کہ المُهَيْمِنُ کی جس تعریف میں تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے، آپ ان میں سے دو بتائیں یا کاپی میں لکھیں۔

besturdubooks.wordpress.com

العزیز جل جلالہ

(سب پر غالب)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْعَزِيْزُ) اَلشَّدِيْدُ فِي انْتِقَامِهٖ مِمَّنِ انْتَقَمَ مِنْ أَعْدَائِهٖ.

(اَلْعَزِيْزُ) فِي انْتِقَامِهٖ مِمَّنْ أَرَادَ الإِنْتِقَامَ مِنْهُ لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ.[1]

ترجمہ: "علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں سخت ترین ہے اور جب کسی کو سزا دینے کا ارادہ فرمالیں تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کی سزا کو ہٹا سکے۔"

❷ (اَلْعَزِيْزُ) أَيِ الَّذِيْ قَدْ عَزَّ كُلَّ شَيْءٍ فَقَهَرَهٗ وَغَلَبَ الْأَشْيَاءَ فَلَا يُنَالُ جَنَابُهٗ لِعِزَّتِهٖ وَعَظَمَتِهٖ وَجَبَرُوْتِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ.[2]

ترجمہ: "علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور سب اس کے جلال وعظمت کے سامنے دبے ہوئے ہوں اور اس کے غلبے، عظمت اور بڑائی کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو۔"

❸ (اَلْعَزِيْزُ) مَعْنَاهُ الْمَنِيْعُ الَّذِيْ لَا يُنَالُ وَلَا يُغَالَبُ.[3]

ترجمہ: "امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کا غلبہ اور شان و شوکت، قوت اور طاقت سب پر اتنی حاوی ہو کہ کوئی چیز اس کو عاجز نہ کر سکے، کوئی اس کو شکست نہ دے سکے، اس کی قدرت وطاقت سے کوئی چیز باہر نہ ہو، اس کے قبضے سے کوئی اپنے آپ کو چھڑا نہ سکے اور اس پر کوئی غلبہ نہ پاسکے۔"

❹ "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے کہ ہر طرح کی شان وشوکت اسی کے لئے ہے۔ قوت بھی اس کے پاس ہے، غلبہ بھی اسی کا ہے۔ تمام تر تصرفات بھی اسی کے اختیار میں ہیں، مخلوقات میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی

[1] جامع البیان: ۹۰/۷، نقلا عن النهج الأسمٰی: ۱۳۶/۱
[2] تفسیر ابن کثیر: ۴۷۹/۳، الحشر: ۲۳
[3] القرطبی: ۱۰۱/۲، البقرة: ۲۲۸

besturdubooks.wordpress.com

صفات تک رسائی حاصل کرسکے، تمام تر موجودات پر غالب ہے، تمام مخلوقات اس کی عظمت کے سامنے عاجز اور بے بس ہیں۔[۱]

۵ (اَلْعَزِيْزُ) مَنْ ضَلَّتِ الْعُقُوْلُ فِيْ بِحَارِ عَظَمَتِهٖ، وَحَارَتِ الْأَلْبَابُ دُوْنَ إِدْرَاكِ نَعْتِهٖ، وَكَلَّتِ الْأَلْسُنُ عَنِ اسْتِيْفَاءِ مَدْحِ جَلَالِهٖ وَوَصْفِ جَمَالِهٖ.[۲]

ترجمہ: "علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے کہ جس کی عظمت کے سمندر میں (غوطہ زن ہوکر) انسانی عقول گم ہوکر رہ جائیں۔ اور اس کے جلال کی مکمل تعریف کرنے اور جمال کا وصف بیان کرنے سے زبانیں عاجز آجائیں اور عقل والوں کی عقلیں حیران ہوکر رہ جائیں۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قصیدہ نونیہ میں اشعار ذکر فرمائے ہیں جس کے لحاظ سے "العزیز جل جلالہ" کے یہ چار معانی ہوں گے:

(الف) "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بذاتِ خود محفوظ و مضبوط اور قوت والا ہے اور اس کی حفاظت کو توڑا نہیں جاسکتا، اس کی حمایت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جو غلبہ والی ہے، اس پر کوئی دوسرا غلبہ نہیں پاسکتا۔

(ج) "العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جو انتہائی سخت قوت والی ہے۔

(د) "العزیز جل جلالہ" کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو انتہائی نفیس ہو جس کی برابری کوئی بھی نہ کرسکے اور اس کی مثل بھی نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی نظیر موجود ہو۔[۳]

"العزیز جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کی طاقت و قدرت انتہائی درجہ کی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی قدرت والا نہیں۔

یہ اسم قرآن مجید میں ۹۲ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

---

[۱] (اَلْعَزِيْزُ): اَلَّذِيْ لَهُ الْعِزَّةُ كُلُّهَا، عِزَّةُ الْقُوَّةِ، وَعِزَّةُ الْغَلَبَةِ، وَعِزَّةُ الْإِمْتِنَاعِ، فَامْتَنَعَ أَنْ يَّنَالَهٗ أَحَدٌ مِّنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَقَهَرَ جَمِيْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ، دَانَتْ لَهُ الْخَلِيْقَةُ وَخَضَعَتْ لِعَظَمَتِهٖ. (تيسير الكريم الرحمٰن: ۳۰۰/۵، ۳۰۱ نقلاً عن النهج الأسمٰى: ۱۳۷/۱)

[۲] طیبی شرح مشکوٰۃ: ۲۰/۵، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ

[۳] (الف) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْمَنِيْعُ الَّذِيْ لَا يُرَامُ جَنَابُهٗ. (ب) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْقَاهِرُ الَّذِيْ لَا يُغْلَبُ وَلَا يُقْهَرُ.

(ج) (اَلْعَزِيْزُ): هُوَ الْقَوِيُّ الشَّدِيْدُ.

(د) (اَلْعَزِيْزُ): بِمَعْنٰى نَفَاسَةِ الْقَدْرِ، وَأَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَا يُعَادِلُهٗ شَيْءٌ وَّلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ. (النونية: ۲۱۸/۲ نقلا عن النهج الأسمٰى: ۱۳۷/۱)

besturdubooks.wordpress.com

❶ ﴿ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [1]
❷ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾ [2]
❸ ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [3]

خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے

غزوۂ بدر، اُحد، خندق، حنین اور تبوک وغیرہ میں اس "العزیز جل جلالہٗ" ہی نے مسلمانوں کو غلبہ وعزت سے سرفراز کیا تھا۔ ایران وعراق، شام ومصر اور فلسطین واسپین میں بھی "العزیز جل جلالہٗ" نے مسلمانوں کو غالب کیا تھا، ورنہ مسلمانوں کے پاس ظاہری اسباب میں سے کچھ بھی نہ تھا؟ [4]

یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظامِ ارضی و نظامِ فلکی یوں ہی اٹکل سے نہیں چل رہا ہے۔ اُس ذات کے قانون کے مطابق اور اُس کے ضابطے کے ماتحت چل رہا ہے جو "العزیز جل جلالہٗ" ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر، جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے، جس کی ہر جنبش تکوینی وتخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے اور جو ہر علم وحکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔

رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اُس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اسی قادرِ مطلق وحکیمِ برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم وناظم ہے، اُس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندر ماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافات کی انتہا ہے۔

افسوس ہے کہ شرک کرنے والوں نے ستاروں کو اپنا معبود بنا لیا، ستاروں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے لگے، اپنے نفع اور نقصان کو ستاروں سے متعلق کر دیا، حالاں کہ یہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، اُلٹا ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحماقت کی انتہاء ہے، کیوں کہ: [5]

قرآن مجید کے نویں پارہ میں سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

تَرْجَمَہ: اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

جن کو تم پوجتے ہو نہ وہ تمہیں کچھ مدد دے سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ بقول نصاریٰ مسیح کے یہود نے سولی دی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ اسی طرح اور بزرگ جن کو تم پوجتے ہو موت اور بیماری سے نجات نہ پا سکے (وہ تمہاری کیا

---

[1] البقرة: ٢٦٠ [2] آل عمران: ٤ [3] الشعراء: ٩
[4] شرح اسماء الحسنیٰ للازهری: ٢٦٢ [5] تفسیر ماجدی: ٣٠٣/١، الانعام: ٩٧ (بالاختصار)

besturdubooks.wordpress.com

مدد کریں گے)۔

اس آیتِ کریمہ میں دو باتیں بتائی جارہی ہیں:

ایک تو یہ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو پوج رہے ہو اور ان کے نام کے نعرے لگا رہے ہو اس امید پر کہ یہ ہماری مدد کریں گے وہ نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ ہوں یا ولی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، جن ہوں، یا فرشتے یا اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ بتائی جارہی ہے کہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے، وہ تمہاری مدد کیا کریں گے۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَامُ کے زمانے میں ان کے ایک بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کا بیٹا سیلاب کی نذر ہوا۔ حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَامُ کی بیوی عذاب میں ہلاک ہوئی۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کا بچپن میں انتقال ہوا اور آپ کی گود ہی میں وفات پاگئے۔ حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے بہت سے لوگوں کو اور اسی طرح پھر خود حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شہید کیا گیا۔

اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اپنی مدد کرسکتا تو یہ ہستیاں ایسا کرنے کی زیادہ مستحق تھیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس کائنات کا مالک صرف ایک اللہ ہے جس کی مدد کے ہم سب محتاج ہیں۔[1]

جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام اور نیک متقی پرہیزگار بزرگ اپنی ضرورتوں اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں تو ہمیں تو یہ بات بالکل بھی زیب نہیں دیتی کہ ہم بے دین اور شریعت پر عمل نہ کرنے والے عاملوں جوتشیوں، بے دین پیروں کے پاس جائیں۔ خاص کر ایسے عامل کہ جو مسلمان بھی نہیں ہیں، خصوصاً نامحرم عورتوں کا ایسے غلط لوگوں کے پاس بغیر اپنے محرم کیجانا، ان کے سامنے بیٹھنا خلوت میں ان سے باتیں کرنا، اُن سے دم کروانا، نامحرم عورتوں کے کپڑے دکھوانا وغیرہ امور، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ ایک جن، شیطان مرتا ہے تو دوسرے دس آجاتے ہیں، لہٰذا اس کا علاج ایک ہی ہے کہ مخلوق کا تاثر دل سے نکال دیا جائے ''گناہوں سے توبہ کی جائے، نمازوں کا اہتمام کیا جائے، کسی کو تکلیف نہ دی جائے، کسی کو ستایا نہ جائے، کسی کی آہ نہ لی جائے۔''

پھر اس کے ساتھ ساتھ جادو، آسیب، جنات سے بچنے کے لئے مستند اور مسنون سات اعمال جو بیت العلم ٹرسٹ کی کتابیں ''مستند مجموعہ وظائف'' میں لکھے ہوئے ہیں اس پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح اسی کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' میں ''اَلسَّلَامُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' میں جادو وغیرہ سے حفاظت کے لئے جو دس تدبیریں ذکر کی گئی ہیں، ان پر عمل کریں۔

یاد رکھیں! جو لوگ جہالت یا عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے ایسے لوگوں کے پاس اپنی پریشانیاں لے کر جاتے ہیں تو

---

[1] شریعت یا جہالت (بتصرف) مدد کس سے مانگیں: ۳۵۲

besturdubooks.wordpress.com

وہ بجائے اس کے کہ ان کی پریشانیاں ختم ہوں وہاں سے اور زیادہ پریشان ہو کر واپس لوٹتے ہیں، سچ ہے۔

؎ جو رب سے نہیں مانگتا
وہ سب سے مانگتا ہے

بعض اوقات تو یہ عامل اور پیر انسان کی زندگی ہی سے کھیل بیٹھتے ہیں، آئے دن اخبارات ورسائل میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں عامل نے فلاں کو جان سے ہی مار ڈالا۔

یا پھر عجیب وغریب علاج بتلاتے ہیں کہ فلاں رنگ کا بکرا ذبح کرو جس کا سر ایسا ہو، ٹانگیں ایسی ہوں، فلاں قبرستان میں رات گزارو، فلاں چیز لے کر آؤ۔

ایسے میں نہ اِدھر کے رہتے ہیں، نہ اُدھر کے۔

اسی طرح کی ایک خبر روزنامہ اسلام میں شائع ہوئی کہ عامل نے ایک عورت کا جن نکالنے کے بہانے اسے اتنا مارا کہ نہ صرف یہ کہ اس عورت کی گردن ٹوٹ گئی، بل کہ وہ ہلاک ہی ہوگئی۔

اسی طرح ایک جعلی عامل نے بے چاری پریشان خاتون کو شرط لگائی کہ میرا تعویذ تب اثر کرے گا جب تم سر منڈوا کر آدھی رات یہ تعویذ قبرستان میں دفن کروگی، اس بے چاری نے مجبوراً سر گنجا کروایا، عشاء کے بعد شوہر تو بیوی کو دیکھ کر ڈر ہی گیا آخر نقلی بال لگوانے پڑے۔

لہٰذا کبھی بھی اس قسم کے غلط عاملوں، پنڈتوں، پادریوں اور گمراہ پیروں کے پاس مت جایئے، بل کہ اپنی پریشانیوں میں ''العزیز، العلیم جل جلالہ'' کو پکاریئے اور پریشانی کے وقت کی جو دعائیں ہیں انہیں پکے یقین کے ساتھ مانگنے کا اہتمام کیجئے۔

ہر قسم کی مدد ''العزیز جل جلالہ'' ہی سے طلب کریں

حضرت ابو العباس المری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مَارَأَیْتُ الْعِزَّ إِلَّا فِيْ رَفْعِ الْهِمَّةِ عَنِ الْمَخْلُوْقِيْنَ.''[1]

''یعنی عزت اور مرتبہ اسی کو ملتا ہے جو مخلوق کی طرف سے اپنی نگاہ ہٹالے۔''

جو مخلوق خود ہی اپنی عزت کروانے میں کسی کی محتاج ہو وہ کسی کو کیا عزت دے گی، جو مخلوق سے اپنی امیدیں ختم کرے گا کہ مخلوق سے کچھ بھی نہیں ملے گا، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ خود اپنی نگاہ میں بھی عزیز ہوگا اور دوسروں کی نگاہ میں بھی۔

واقعہ نمبر ⑭: حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکھا کہ میں اپنی

---

[1] مرقاة: كتاب اسماء الله تعالى: ٥/٧٧

besturdubooks.wordpress.com

پریشانیوں اور مصیبتوں کی شکایت اپنے ایک دوست کے پاس کر رہا تھا۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمایا:

اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس شکوہ شکایت کرنے سے بچو، جس کے پاس تم شکوہ کروگے وہ تمہارا دوست ہوگا یا دشمن، دوست یہ سن کر غمگین ہوگا اور دشمن خوش ہوگا (اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ دوست دور کر سکتا ہے، نہ دشمن، پھر ان کو شکایت کرنے کا کیا فائدہ؟)

پھر آپ نے اپنی ایک آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میری اس آنکھ کی طرف دیکھو، اللہ کی قسم! میں نے گزشتہ پندرہ برس سے اس آنکھ سے نہ کوئی شخص دیکھا اور نہ راستہ، لیکن میں نے کسی کو (شکایتاً) بتایا تک نہیں صرف آج تجھے محض سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں کہ بار بار ہر ایک سے پریشانیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔[1]

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ جملہ نہیں سنا:

﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [2]

ترجمہ: ”میں اپنا شکوہ غم اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔“

اور یہ بھی فرمایا:

”فَاجْعَلِ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مَشْكَاكَ وَ مَحْزَنَكَ عِنْدَ كُلِّ نَائِبَةٍ تَنُوْبُكَ، فَإِنَّهُ أَكْرَمُ مَسْئُوْلٍ وَأَقْرَبُ مَدْعُوٍّ“

ترجمہ: ”ہر مصیبت کے وقت اپنے حزن و ملال اور غم و اندوہ کا شکوہ اللہ ہی کے دربار میں پیش کیا کرو، وہی سوالیوں کی عزت رکھنے والا ہے اور بے کسوں کی التجائیں سننے والا ہے اور دعائیں مانگنے والوں کے قریب تر ہے۔“

واقعہ نمبر ⑮: قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا واقعہ ہے:

ایک دن کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مانگتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار سے نصیحت کی اور فرمایا:

”اے میرے بھتیجے! جو کسی انسان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے مانگے گویا اس نے اپنے آپ کو اس انسان کی غلامی کے سپرد کر دیا۔ اگر اس شخص نے جس سے مانگا تھا سوالی کی ضرورت کو پورا کر دیا تو اس نے گویا اسے اپنا ذہنی غلام بنا لیا اور اگر اسے جواب دے دیا تو دونوں ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے ایک بخل کی ذلت کے ساتھ، اور دوسرا ناکامی کی ذلت و رسوائی کے ساتھ۔

جب بھی تجھے کچھ مانگنا ہو تو اپنے اللہ سے مانگو اور جب بھی مدد طلب کرو تو اپنے اللہ سے مدد طلب کرو، خوب اچھی

---

[1] يَاابْنَ أَخِيْ...... إِيَّاكَ وَالشَّكْوٰى لِغَيْرِاللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ...... فَإِنَّ مَنْ تَشْكُوْ إِلَيْهِ لَا يَخْلُوْ أَنْ يَكُوْنَ صَدِيْقاً أَوْ عَدُوّاً...... فَأَمَّا الصَّدِيْقُ فَتُحْزِنُهُ...... وَأَمَّا الْعَدُوُّ فَيَشْمَتُ بِكَ...... ثُمَّ قَالَ: أُنْظُرْ إِلَى عَيْنِيْ هٰذِهِ. وَأَشَارَ إِلَى إِحْدٰى عَيْنَيْهِ. فَوَاللّٰهِ مَا أَبْصَرْتُ بِهَا شَخْصاً وَلَا طَرِيْقاً مُنْذُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً...... وَلٰكِنِّيْ مَا أَخْبَرْتُ أَحَداً بِذٰلِكَ إِلَّا أَنْتَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ......

[2] یوسف: ۸۶

besturdubooks.wordpress.com

طرح یہ بات جان! لو برائی سے بچنے کی اور نیکی کرنے کی توفیق اور مدد دینے کا حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔‘‘[1]

اس لئے ہر معاملے میں اسی ’’اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ ہی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کبھی کوئی پریشانی ہو، کوئی مسئلہ اٹکا ہوا ہو تو دو رکعت صلاۃ الحاجت کی نیت سے پڑھ کر ’’اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ سے مانگیں۔ صلوۃ الحاجت کی مشہور دعا یاد کرلیں، جو دعا کی عام کتابوں میں موجود ہے اور اس کتاب میں بھی ’’اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ کے اسم مبارک کی تشریح میں وہ دعا مذکور ہے۔

مانگنے کا بہترین طریقہ نمازِ حاجت

یہاں ایک اور دعا کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے، کبھی اس طرح چار رکعت نمازِ حاجت کی نیت سے پڑھ کر دعا مانگی جائے اور بار بار مانگی جائے، جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر گڑگڑا کر، رو رو کر دعا مانگیں اِنْ شَاءَ اللّٰہ ضرور قبول ہوگی وہ دعا اور نماز کی ترکیب یہ ہے:

’’فرات بن سلیمان کہتے ہیں کہ سیّدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا: ’’کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ کھڑا ہو کر چار رکعت نماز پڑھے، پھر اس میں یہ کلمات کہے جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہا کرتے تھے:‘‘

’’تَمَّ نُوْرُكَ فَهَدَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ.... عَظُمَ حِلْمُكَ فَعَفَوْتَ.... فَلَكَ الْحَمْدُ. فَبَسَطْتَ يَدَكَ فَاَعْطَيْتَ.... فَلَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا.... وَجْهُكَ اَكْرَمُ الْوُجُوْهِ.... وَجَاهُكَ اَعْظَمُ الْجَاهِ وَعَطِيَّتُكَ اَفْضَلُ الْعَطِيَّةِ وَاَهْنَؤُهَا.... تُطَاعُ رَبَّنَا فَتَشْكُرُ.... وَتُعْصٰى رَبَّنَا فَتَغْفِرُ.... وَتُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ.... وَتَكْشِفُ الضُّرَّ.... وَتَشْفِي السُّقْمَ.... وَتَغْفِرُ الذَّنْبَ.... وَتَقْبَلُ التَّوْبَةَ.... وَلَا يَجْزِيْ بِاٰلَائِكَ اَحَدٌ.... وَلَا يَبْلُغُ مِدْحَتَكَ قَوْلُ قَائِلٍ.‘‘[2]

ترجمہ: ’’آپ کا نور مکمل ہے، چناں چہ آپ نے ہدایت دی، پس آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے۔ آپ کا حلم بڑھا تو درگزر فرما دیا، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے، آپ نے اپنا ہاتھ کشادہ فرما کر عطا و بخشش سے نوازا، پس اے ہمارے ربّ! تمام تعریف آپ ہی کے لئے ہے، آپ کی ذات سب سے اکرم اور آپ کا مرتبہ سب سے عظیم، اور آپ کا عطیہ افضل و خوش گوار عطیہ ہے۔

اے ہمارے ربّ! آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو آپ اس کی قدر فرماتے ہیں، (اور ثواب عطا فرماتے ہیں)

---

[1] يَابْنَ أَخِي مَنْ سَأَلَ إِنْسَاناً حَاجَةً فَقَدْ عَرَضَ نَفْسَهُ عَلَى الرِّقِّ. فَإِنْ قَضَاهَا لَهُ الْمَسْئُوْلُ فَقَدِ اسْتَعْبَدَهُ بِهَا..... وَإِنْ رَدَّهُ عَنْهَا رَجَعَ كِلَاهُمَا ذَلِيْلاً..... هٰذَا بِذُلِّ الْبُخْلِ..... وَ ذَاكَ بِذُلِّ الرَّدِّ..... "فَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ. وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ" وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وَلَا عَوْنَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (صور من حياة التابعين: ٤٨/٢ تا ٥٠)

[2] مجمع الزوائد: كتاب الأدعية: ١٧٧/١٠، حديث: ١٧٢٧٠

besturdubooks.wordpress.com

نافرمانی کی جاتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں، (مجبور و بے کس کی دعا سنتے اور قبول فرماتے ہیں) تکلیف کو آپ ہی دور کرتے اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا، اور کسی کی تعریف آپ کی تعریف تک نہیں پہنچ سکتی۔

عزت کا طالب "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے عزت طلب کرے

صاحب "النہج الاسمیٰ" فرماتے ہیں:

"جو کوئی عزت کا طالب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ ربُّ العزت سے ہی عزت طلب کرے جیسا کہ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ ہے: "جو عزت پانا چاہے تو اللہ ہی کے لئے ہے ساری عزت۔"

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں عزیز ہو۔ اس کو چاہئے کہ وہ اللہ ربُّ العزت کی فرماں برداری کو لازم پکڑے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت (کی تمام عزتوں) کے مالک ہیں اور ساری کی ساری عزتیں اسی کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ جو اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں عزت عطا فرماتے ہیں۔

اس بات پر غور وفکر کرنے سے ان لوگوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے جو "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کسی اور سے عزت کے طالب ہیں، حالاں کہ وہ "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی اطاعت کو اور مؤمنین کے طریقے کو بھی چھوڑے ہوئے ہیں اس طرح انھوں نے "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے اعراض کر کے اور شریعت اور مؤمنین کی جماعت کو چھوڑ کر "اَلْعَزِيْزُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے دشمن یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے یہ گمان رکھ کر دوستی کر لی کہ یہی عزت کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں پر نکیر فرماتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے جس کا ترجمہ ہے:

"وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں؟ (حالاں کہ) ساری عزت تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"[1]

---

[1] فَمَنْ طَلَبَ الْعِزَّ فَلْيَطْلُبْهُ مِنْ رَّبِّ الْعِزَّةِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ [فاطر: ۱۰]

أَيْ: مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ عَزِيْزًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَلْزَمْ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنَّهٗ يَحْصُلُ لَهٗ مَقْصُوْدُهٗ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَالِكُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا.

وَبِذٰلِكَ تَعْلَمُ ضَلَالَ مَنْ بَحَثَ عَنِ الْعِزَّةِ عِنْدَ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَبِغَيْرِ طَاعَتِهٖ وَالْتِزَامِ نَهْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَعَادَى رَبَّ الْعِزَّةِ وَشَرِيْعَتَهٗ، وَحَارَبَ حِزْبَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَالَى أَعْدَاءَ اللّٰهِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمْ ظَنًّا مِنْهُ أَنَّ هٰذَا هُوَ سَبِيْلُ الْعِزَّةِ وَطَرِيْقُهَا، قَالَ تَعَالٰى مُنْكِرًا عَلَيْهِمْ:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (النساء: ۱۳۹) (النہج الاسمیٰ: ۱/۱۳۹)

besturdubooks.wordpress.com

دونوں جہانوں کی عزت "العزیز جل جلالہ" کی اطاعت میں ہے

"إِنَّمَا يَعْرِفُ اللّٰهَ عَزِيزاً مَنْ أَعَزَّ أَمْرَهُ وَطَاعَتَهُ وَأَمَّا مَنِ اسْتَهَانَ بِأَوَامِرِهِ فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَكُوْنَ مُتَحَقِّقًا بِعِزَّتِهِ" [۱]

ترجمہ: "جو اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی عزت وعظمت کا استحضار کر کے اس کی اطاعت کرے گا، وہ ہی اس کی صفت "العزیز" کی معرفت حاصل کر سکے گا اور (اللہ نہ کرے) جو اس کے حکموں کی توہین کرے گا اس کے لئے صفت "العزیز" کی معرفت حاصل کرنا مشکل ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ كُلَّ يَوْمٍ أَنَا الْعَزِيْزُ فَمَنْ أَرَادَ عِزَّ الدَّارَيْنِ فَلْيُطِعِ الْعَزِيْزَ" [۲]

ترجمہ: "تمہارا پروردگار روزانہ یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں۔ لہٰذا جو دونوں جہاں میں عزت کا طالب ہو اسے چاہئے کہ "العزیز جل جلالہ" کی اطاعت کرے (گناہوں سے بچے)۔"

"العزیز جل جلالہ" کی اس صفت کا اتنا دل میں استحضار ہو کہ اس کی نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے کہ اتنی بڑی قوت وغلبہ والے جل جلالہ کو کیسے ناراض کیا جا سکتا ہے، اسی طرح "العزیز جل جلالہ" کے بندوں پر ظلم نہ ہو، کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اس بات کو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے، مالک ان کو بازار میں باقاعدہ بیچ سکتا تھا، آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا، مالک جو بھی حکم دے گا غلام کو کرنا ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جا رہا ہوں، میری غیر موجودگی میں اب تم حکمرانی کرو، اب وہ حکمرانی کر رہا ہے۔ گورنر بنا ہوا ہے، لیکن ہے غلام کا غلام، لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے، یہ میری قوتِ بازو کا یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آجائے گا تو کہہ دے گا کہ ہٹو، اب بیت الخلاء صاف کرو، تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری رہ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ وہ غلام بے شک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے، حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں۔

یہ تو ایک غلام کا حال تھا، لیکن "بندہ" ہونے کا درجہ اس سے کہیں زیادہ نیچے ہے، لہٰذا جب "العزیز جل جلالہ" کسی بندہ کو کوئی منصب عطا فرما دیں تو "بندہ" کو سمجھنا چاہئے کہ منصب مجھے "العزیز جل جلالہ" نے عطا فرما دیا، اسی وجہ سے

---

[۱] مرقاۃ: کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۷۷
[۲] تفسیر روح المعانی: ۱۲/۱۷۳، الفاطر: ۱۰

besturdubooks.wordpress.com

یہ کام انجام دے رہا ہوں، لیکن میں ان کا بندہ ہوں، میری حقیقت اس غلام سے بھی فروتر (کم رتبہ) ہے جس کو مالک نے تخت پر بٹھا دیا، کتنے غلام گزرے ہیں جنھوں نے بادشاہت کی ہے، لیکن رہے غلام کے غلام۔[1]

درگزر کرنا اور تواضع اختیار کرنا حصولِ عزت کے اسباب میں سے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، اور بندہ کے درگزر کر دینے پر اللہ ربُّ العزت اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتے ہیں۔[2]

جو شخص انتقام پر قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتا ہے تو دلوں میں اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور آخرت میں اسے اجرِ عظیم حاصل ہوگا اور جو کوئی صرف اللہ ربُّ العزت کے تقرب کی نیت سے تواضع اختیار کرتا ہے اس میں کوئی اور غرض شامل نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔[3]

زیادہ عزت والا بندہ کون ہے؟

دوسری بات کہ جس کے ذریعے "العزیز جل جلالہ" سے تعلق پیدا ہو جائے اور ہماری دعائیں قبول ہوں وہ یہ کہ ہماری طرف سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کا دل نہ دکھے، کسی کی آہ نہ لی جائے، لوگوں کے............ ماتحتوں کے............ بیوی بچوں کے............ قصور معاف کیے جائیں، پیار و محبت سے سمجھایا جائے، دعائیں کی جائیں، اسی کو حدیث شریف میں سمجھایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"یَارَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ."

اے میرے ربّ! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک زیادہ عزت والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ بندہ جو بدلہ لے سکتا ہو اور پھر معاف کر دے۔[4]

---

[1] اصلاحی خطبات: ۵/۵۳

[2] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ." (ترمذی: ابواب البرّ والصلة، باب ماجاء فی التواضع ۲/۲۳)

[3] فَمَنْ عَفَا عَنْ شَيْءٍ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَى الْإِنْتِقَامِ، عَظُمَ فِي الْقُلُوْبِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْاٰخِرَةِ بِأَنْ يُعْظِمَ ثَوَابَهُ أَوْ فِيْهِمَا، وَمَنْ تَوَاضَعَ رَجَاءَ التَّقَرُّبِ إِلَى اللّٰهِ دُوْنَ غَرَضٍ غَيْرِهِ. رَفَعَ اللّٰهُ عِنْدَ النَّاسِ وَأَجَلَّ مَكَانَهُ. (النهج الأسمىٰ: ۱/۱۴۰)

[4] بیہقی فی شعب الایمان: ۶/۳۱۹

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

❶ غلبہ وعزت تو اسی ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' کے لئے ہے، جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ وہ چند لمحوں میں غلبہ وعزت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

❷ ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' نے آپ کو کسی قسم کا عہدہ، منصب یا رُتبہ دیا ہے، مثلاً: بڑا بھائی ہونا، شوہر یا والد ہونا، پرنسپل یا مہتمم ہونا، چودھری یا زمین دار ہونا، بیگم صاحبہ یا سیٹھانی ہونا، معلّمہ یا ناظمہ ہونا، تو مغرور نہ ہوئیے، اس کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھئے، یہ عارضی طور پر امتحان کے لئے ہم کو دیا گیا ہے، یہ غلبہ وعزت مخلوق کو ستانے کے لئے نہیں دیا گیا، ورنہ تاریخ ان قصوں سے بھری پڑی ہے کہ بعض بادشاہ وحکمران، بڑے مرتبہ کے حاملین مرد وعورتیں جب ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' نے اُن سے عزت وغلبہ لینے کا ارادہ کرلیا تو وہ ذلیل ہوگئے۔

ایک وقت میں پورے ملک پر ان کا حکم چلتا تھا اور ایک وقت میں اس ملک میں ان کو اپنی قبر کے لئے بھی جگہ نہ ملی۔

❸ دنیا میں جس نے کسی پر ظلم کیا یا کسی کو ستایا، دل دُکھایا، تو اکثر ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' اس کا بدلہ دنیا ہی میں لے لیتے ہیں، انسان غور کرے تو اس کو اپنے معاشرے ہی میں ایسے لوگوں کے کئی واقعات مل جائیں گے جنہوں نے کسی پر ظلم کیا تو موت سے پہلے پہلے وہ ایسی بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلاء ہوئے کہ اللہ ہی سب کی حفاظت فرمائے۔[1]

لہٰذا ہر انسان کو کسی پر ظلم کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ دارا...... جمشید...... سکندر...... چنگیز...... بابر...... تیمور...... ہٹلر...... اور نپولین کہاں گئے؟

اور ان کا کیا انجام ہوا؟

''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' نے تمہیں غلبہ وعزت مخلوق کے ستانے کے لئے نہیں دیا۔ ؎

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب   اہلِ دولت سے کہو اتنا نہ اِترایا کریں

مغرور انسان سے ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' عزت چھین لیتا ہے۔ ؎

ناز نیرنگ پرائے ابلقِ ایام نہ کر   نہ رہے گی یہ سپیدی یہ سیاہی تیری

نیرنگیِ ایام وغضب ''العَزِیزُ جَلّ جَلَالُہٗ'' سے غافل نہ رہو۔ ؎

خوشی کے ساتھ ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں   جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

چناں چہ ان باتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ مالک جسے ساری مخلوق پر غلبہ تام اور اقتدارِ کامل حاصل ہے وہ اپنے اقتدار وقدرت کا استعمال حکمت اور رحم کے ساتھ فرماتا ہے۔ یہ سبق ہے ان لوگوں کے لئے جن کو دنیائے

---

[1] چناں چہ ایسے مستند واقعات پر مبنی ایک عرب عالم کی کتاب ''دعوۃ المظلوم'' جس کا اردو ترجمہ بنام ''مظلوم کی آہ'' بیت العلم ٹرسٹ سے شائع ہوا ہے جو ہر مرد وزن کے لئے یکساں مفید ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

فانی میں چند روز محدود غلبہ کسی مقام یا اشخاص پر حاصل ہو گیا ہو کہ وہ بھی اپنے اختیارات کا استعمال، علمِ صحیح کے بعد اوّل عفو و رحم اور پھر دانائی و حکمت کے ساتھ کیا کریں۔ اس اسم سے تعلق کا یہی طریقہ ہے۔[1]

مُذاکرہ

''الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ'' سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے اس کے اسماءِ حسنیٰ کے معانی پر غور کرنا اور ان معانی و مفہوم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور اکیلے بیٹھ کر ان کے معنی کو سوچنا، یہ بہت ہی مفید اور اپنا ایمان مضبوط کرنے کے لیے معین اور مددگار رہے گا۔ لہٰذا اب سوچیں یہاں ''الْعَزِيزُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کے پانچ معنی بیان کیے ہیں، اِن پانچ تعریفات کو آپ کتاب بند کر کے بتائیں، ورنہ پھر دوبارہ پڑھیں، بار بار پڑھیں اور جب پڑھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے رہیں کہ اس کی حقیقت بھی ہمیں نصیب فرمائیں اور پھر جہاں موقع مناسب ہو وہاں دوستوں میں، نجی مجالس میں، گھر کے افراد کے ساتھ بیٹھے ہوں اُن کو بھی یہ معانی سمجھائیں۔ بچوں کو تختہ سیاہ پر لکھ کر سمجھائیں یاد کروائیں۔

---

[1] شرح اسماء الحسنی: ٦١ للمنصور پوری

besturdubooks.wordpress.com

اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب سے زبردست)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں کی جاتی ہیں:

۱ (اَلْجَبَّارُ): اَلْمُصْلِحُ أُمُوْرَ خَلْقِهٖ اَلْمُتَصَرِّفُ فِيْهِمْ بِمَا فِيْهِ صَلَاحُهُمْ.[۱]

تَرْجَمَہ: علامہ طبری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کی درستگی کرنے والی ہے اور مخلوق کے لئے ان ہی معاملات کو طے کرنے والی ہے جو ان کے حق میں بہتر ہیں۔

۲ (اَلْجَبَّارُ): جَبَرُوْتُ اللّٰهِ عَظَمَتُهٗ، وَالْعَرَبُ تُسَمِّي الْمَلِكَ: اَلْجَبَّارَ.[۲]

تَرْجَمَہ: امام شوکانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جبروت کے معنی اللہ ربّ العزت کی عظمت کے ہیں اور عرب حضرات بادشاہ کو بھی ''اَلْجَبَّارُ'' کہا کرتے تھے۔

۳ اللہ ربّ العزت کے اوصاف میں ''اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بھی ہے اور جبر اس کے اوصاف میں دو طرح کا ہے:

① ایک کمزور کی خستہ حالی کو دور کر کے، اس کی حالت درست کرنا اور ہر وہ دل جو ٹوٹ چکا ہوا سے جوڑنا۔ وہ اس معنی میں جبار ہے کہ شکستہ دل کی دل بستگی کرتا ہے۔

② دوسرے معنی جبار[۳] کے قہر اور غلبہ کے ہیں کہ ایسا قہر اور غلبہ اس ذات کو حاصل ہے جو کسی دوسری ذات کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔ اور اس نام ''جبار'' کا تیسرا مطلب اس بلندی کے بھی ہیں جہاں تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی

---

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۴۷۹/۳، (الحشر: ۲۳)　　[۲] فتح القدير: ۲۰۸/۵ نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۱۴۴/۱

[۳] ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ''اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تشریح اشعار کے انداز میں کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ الْجَبَّارُ مِنْ أَوْصَافِهٖ　　وَالْجَبْرُ فِيْ أَوْصَافِهٖ قِسْمَانِ
جَبْرُ الضَّعِيْفِ وَ كُلَّ قَلْبٍ قَدْ غَدَا　　ذَا كَسْرَةٍ فَالْجَبْرُ مِنْهُ دَانِ
وَالثَّانِيْ جَبْرُ الْقَهْرِ بِالْعِزِّ الَّذِيْ　　لَا يَنْبَغِيْ لِسِوَاهُ مِنْ إِنْسَانِ
وَلَهٗ مُسَمًّى ثَالِثٌ وَهُوَ الْعُلُوُّ　　فَلَيْسَ يَدْنُوْ مِنْهُ مِنْ إِنْسَانِ
مِنْ قَوْلِهِمْ جَبَّارَةٌ لِلنَّخْلَةِ الْ　　عُلْيَا الَّتِيْ فَاتَتْ لِكُلِّ بَنَانِ

(النونية: ۲۳۲/۲ نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۱۴۴/۱)

besturdubooks.wordpress.com

اور یہ معنی عربی زبان کے ایک مشہور جملہ "جَبَّارَةُ النَّخْلَةِ" سے لئے گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کا ایسا لمبا اور بلند درخت جس پر کوئی انسان نہ پہنچ سکے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ "الْجَبَّارُ" کے کئی معانی ہیں، مثلاً:

(الف) "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر بلند ہو۔

(ب) "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام امور کی اصلاح کرنے والی ہو جیسے "جَبْرُ الْكَسْرِ" (ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنا) اور "جَبْرُ الْفَقِيْرِ" یعنی فقیر کو غنی کر دینا۔

(ج) "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوقات پر اپنے سارے ارادوں کو نافذ کرنے میں غالب ہو، چاہے وہ کسی کام کے کرنے کے اعتبار سے ہو یا کسی کام سے روکنے کے اعتبار سے ہو۔[1]

یہ اسم قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

﴿الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾[2]

عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں جابر کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں اور جو شخص ٹوٹی ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں، اسی طرح "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے معنی ہوئے، ٹوٹی ہوئی چیزوں کو بہت خوبی سے جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے، اس کے معنی (معاذ اللہ) ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بل کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو اس کو اللہ تعالیٰ بہترین جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف "الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جو بہت سی دعائیں تعلیم فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے یوں پکارا گیا ہے:

"يَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيْرِ"[3]

تَرْجَمَۃ: "اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے۔"

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطباء، معالج اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ

---

[1] ① (اَلْجَبَّارُ): هُوَ الْعَالِيْ عَلٰى خَلْقِهٖ، وَفَعَّالٌ مِنْ أَبْنِيَةِ الْمُبَالَغَةِ.
② (اَلْجَبَّارُ): هُوَ الْمُصْلِحُ لِلْأُمُوْرِ مِنْ جَبَرَ الْكَسْرَ إِذَا أَصْلَحَهٗ وَ جَبَرَ الْفَقِيْرَ إِذَا أَغْنَاهُ.
③ (اَلْجَبَّارُ): هُوَ الْقَاهِرُ خَلْقَهٗ عَلٰى مَا أَرَادَ مِنْ أَمْرٍ أَوْ نَهْيٍ.. (النهج الاسمٰى: ١/١٤٥)

[2] الحشر: ٢٣ [3] الحزب الاعظم: ١١٥

besturdubooks.wordpress.com

جائے تو کوئی دوا اور کوئی علاج ایسا نہیں ہے جو اس کو جوڑ سکے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح جگہ پر رکھ دے، لیکن کوئی مرہم...... کوئی لوشن...... کوئی دوا...... کوئی معجون...... ایسی نہیں ہے جو ٹوٹی ہڈی پر لگادی جائے اور وہ جڑ جائے، جوڑنے والی ذات تو صرف وہی ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "اَلْجَبَّارُ" کہا جاتا ہے اس معنی میں نہیں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

ہوگا وہی جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو منظور ہو

۴ "اَلْجَبَّارُ" کے ایک معنی یہ بھی ہیں:

"لَا يَجْرِيْ فِيْ سُلْطَانِهٖ شَيْءٌ بِخِلَافِ مُرَادِهٖ." [1]

تَرْجَمَہ: "اس کی سلطنت میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں ہوسکتی جو اس کی مراد و چاہت کے خلاف ہو۔"

ہر انسان اردگرد دیکھتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے امور اس کی طبیعت کے خلاف واقع ہوجاتے ہیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ ظاہری فوج و حشم و خدم کے مالک ہوتے ہوئے بھی بعض کام کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ نہیں کر پاتے اور بعض چیزیں ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی ہوجاتی ہیں۔

(الف) فرعون نے بڑی کوشش کی کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ پیدا نہ ہوں، صرف موسیٰ دنیا میں نہ آئے اس کے لئے ہزاروں بچوں کو قتل کرادیا، لیکن اسی "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اسی کے گھر میں موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کی تربیت کروادی۔

(ب) نمرود نے کوشش کی کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کی دعوت نہ چلنے پائے، لیکن اس "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ان کی دعوتِ توحید چلادی۔

(ج) مشرکینِ مکہ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دعوت روکنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں، لیکن سب ناکام ہوئیں، ان ہی قریش کے نوجوانوں کو اس "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ان کے خلاف کھڑا کردیا۔

تو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ اس کی سلطنت میں وہی ہو کر رہتا ہے جو وہ چاہتا ہے، اس کی چاہت پوری ہونے میں رکاوٹ کوئی نہیں بن سکتا اور جو وہ نہ چاہے وہ ہو نہیں سکتا۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"عَبْدِيْ تُرِيْدُ وَأُرِيْدُ، وَلَايَكُوْنُ إِلَّا مَا أُرِيْدُ فَإِنْ رَضِيْتَ بِمَا أُرِيْدُ كَفَيْتُكَ مَا تُرِيْدُ، وَ إِنْ لَّمْ تَرْضَ بِمَا أُرِيْدُ أَتْعَبْتُكَ فِيْمَا تُرِيْدُ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا أُرِيْدُ." [2]

تَرْجَمَہ: "میرے بندے تو بھی کسی بات کو چاہتا ہے اور میں بھی ایک بات چاہتا ہوں اور ہوتا وہی ہے جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تو راضی رہے گا میری چاہت پر تو تیری چاہت کے لئے میں کافی ہوجاؤں گا اور تو راضی نہیں ہوا اس پر جو میں

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ الحسنٰی: ۷۸/۵ [2] شرح طیبی، ابواب الدعوات: ۲۲/۵

besturdubooks.wordpress.com

نے ارادہ کیا تو میں تھکا دوں گا تجھے اس چیز کے حاصل کرنے میں جو تیری خواہش ہے، مگر ہوگا پھر بھی وہی جو میں چاہوں گا۔"

حضرت مولانا عمر پالن پوری صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: اللہ پاک بندے سے یہ چاہتے ہیں کہ تو اپنی مرضی کا بیج گم کر دے میرے مرضیات کی زمین میں! تو نتیجتاً میں تیری مرضی اُگاؤں گا۔

یعنی ایک بار ربّ چاہی پر آجا پھر من چاہی کے مزے ملیں گے۔

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: تمام تر بڑائی اللہ ربّ العزت ہی کے لئے ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اسم مبارک "اَلْجَبَّارُ" سے اپنی تعریف فرمائی ہے اور یہ صفت مخلوق کے حق میں مذموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سر کشوں پر اپنی بڑائی کی وجہ سے غالب ہیں اور اپنی شانِ عظمت و کبریائی کی وجہ سے اُن کی عظمت سب سے بلند ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ ربّ العزت پر کسی حاکم کا حکم نہیں چلتا کہ انہیں کسی کی فرماں برداری کرنی پڑے اور نہ ہی کسی آمر (حکم چلانے والے) کا حکم ان پر جاری ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کرنی پڑے۔

وہ آمر ہے مامور نہیں، وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے۔"[1]

اس لئے کہ مخلوق کمزور ہے، مغلوب ہے اور مجبور ہے، ایک کھٹمل اُس کو تکلیف پہنچا سکتا ہے اور ریشم کا کیڑا تک انہیں کھانے کے درپے ہوتا ہے، ایک مکھی انہیں پریشان کر دیتی ہے، بھوک تنگ کرنے پر آئے تو کلیجہ منہ کو آجائے، زیادہ کھا لے تو ہیضہ اٹھنے نہ دے، چھوٹی سی چیونٹی کاٹ لے پریشان ہو جائے، مکھی ڈس لے تو آنسو نکل آئے، بڑے سے بڑے بہادر اور جلاد شخص کے دانتوں میں درد شروع ہو جائے تو گھٹنے ٹک جائیں جس کی یہ صفات ہوں تو کیا اسے تکبر کرنا زیب دیتا ہے......؟[2]

اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے مانگنے والی دعائیں

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ وہ دعا یوں مانگتے تھے:

---

[1] الانبیاء: ۲۳

[2] اَلْجَبَرُوْتُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقَدْ مَدَحَ اللّٰهُ بِهٰذَا الإِسْمِ نَفْسَهٗ وَأَمَّا فِي حَقِّ الْخَلْقِ فَهُوَ مَذْمُوْمٌ فَمَا الْفَرْقُ؟

اَلْفَرْقُ أَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ قَهَرَ الْجَبَابِرَةَ بِجَبَرُوْتِهٖ وَعَلَاهُمْ بِعَظَمَتِهٖ لَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ حُكْمُ حَاكِمٍ فَيَجِبُ عَلَيْهِ انْقِيَادُهٗ، وَلَا يَتَوَجَّهُ عَلَيْهِ أَمْرُ آمِرٍ فَيَلْزَمُهٗ إِمْتِثَالُهٗ، آمِرٌ غَيْرُ مَأْمُوْرٍ، قَاهِرٌ غَيْرُ مَقْهُوْرٍ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الأنبياء: ۲۳)

وَأَمَّا الْخَلْقُ فَهُمْ مَوْصُوْفُوْنَ بِصِفَاتِ النَّقْصِ مَقْهُوْرُوْنَ مَجْبُوْرُوْنَ تُؤْذِيْهِمُ الْبَقَّةُ وَتَأْكُلُهُمُ الدُّوْدَةُ، وَتُشَوِّشُهُمُ الذُّبَابَةُ، أَسِيْرُ جُوْعِهٖ، وَصَرِيْعُ شَبْعِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ هٰذِهٖ صِفَتُهٗ كَيْفَ يَلِيْقُ بِهِ التَّكَبُّرُ وَالتَّجَبُّرُ؟ (النهج الاسمٰی: ۱/۱۴۷)

besturdubooks.wordpress.com

① ''یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ وَّمُسَهِّلَ کُلِّ عَسِیْرٍ.''[1]

ترجمہ: ''اے وہ ذات! جو ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتی ہے، جو بکھرے ہوئے احوال درست کرتی ہے اور ہر مشکل (کام) کو آسان کرتی ہے۔''

پیارے نبی ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگا کرتے تھے:

② ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ.''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت عطا فرما، (سیدھا) راستہ دکھا دے، اور مجھے تو ہی رزق عطا فرما۔''

اس دعا میں آپ ﷺ نے وہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس پر اسم مبارک ''الجبار'' دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وَاجْبُرْنِي کا ترجمہ أَغْنِنِيْ سے فرماتے تھے جس کا مطلب یہ ہے:

اے اللہ! مجھے تونگری نصیب فرما، کیوں کہ ''الجبار'' کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کھوئی ہوئی نعمت کو دوبارہ لوٹانے والا، اصلاً لغت کے اعتبار سے ہر قسم کے نقصان کی تلافی کرنے والا۔

نبی ﷺ رکوع و سجود میں اپنے رب کی تعظیم اس نام مبارک سے بھی بیان فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے:

③ ''سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ.''[3]

ترجمہ: ''تمام عیبوں اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے، اللہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے والا اور فرمان روائی والا اور عظمت و کبریائی والا۔''

اس دعا کے ذریعے رکوع اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور عظمت کا ذکر فرماتے تھے۔[4]

غم اور خوف سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ

''الجبار'' کی یہ چوتھی تفسیر بہت سارے غموں اور پریشانیوں سے چھٹکارے کا بہترین نسخہ ہے کہ:

---

[1] طیبی، شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۲۱/۵

[2] ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول بین السجدتین: ۶۳/۱

[3] ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل فی رکوعه و سجوده ۱۲۷/۱

[4] قَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ: وَاجْبُرْنِي أَيْ: أَغْنِنِيْ، مَنْ جَبَرَ اللّٰهُ مُصِيْبَتَهُ: أَيْ: رَدَّ عَلَيْهِ مَا ذَهَبَ مِنْهُ وَعَوَّضَهُ، وَأَصْلُهُ مِنْ جَبْرِ الْكَسْرِ. وَكَانَ يُعَظِّمُ رَبَّهُ أَيْضًا بِهٰذَا الْإِسْمِ فِي الصَّلٰوةِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ: "سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ"، وَفِيْ سُجُوْدِهِ مِثْلُ ذٰلِكَ. (النهج الاسمیٰ: ۱۴۹/۱)

besturdubooks.wordpress.com

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، کسی چیز سے ڈریں نہیں، کسی حال سے خوف زدہ نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا، زمین و آسماں کے درمیان وہی ہوگا جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چاہیں گے، جو وہ نہیں چاہیں گے وہ نہیں ہوگا، پھر غم، پریشانی اور موہوم خیالاتِ فاسدہ کو سوچ سوچ کر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ گھر کے ہر فرد کو سمجھائیں کہ ہوگا وہی جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چاہیں گے، کتنا ہی بڑا دشمن ہو، وہ ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم کے بغیر، اور کتنا ہی اچھا دوست ہو، وہ ذرّہ برابر بھی نفع نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر، اللہ تعالیٰ کے غیر سے کچھ نہیں ہوگا۔ حاکم، وزیر، سیٹھ اور ڈاکٹر سے وہ نہیں ہوگا جو وہ چاہیں گے، بل کہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ یقین بنانا پڑے گا، دل میں یہ خیال جمالیں کہ.......... بگڑے ہوئے حالات کو بنانا،...... اُلجھن، ...... ٹینشن، ...... ڈیپریشن کو دور کرنا،...... مصیبتوں کی اندھیری رات میں مدد کا چراغ جلانا،...... پریشانیوں کے جنگلات میں عافیت کا باغ لگانا...... اُجڑی ہوئی زندگی کو سنوارنا.......... اور انہونی کو ہونی کرنا.......... اسی "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہوتا وہی ہے جو "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو منظور ہوتا ہے، پھر کس چیز کا غم و خوف؟

فوائد و نصائح

"اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے تعلق پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اُمور کا اہتمام کرنا چاہیے:

❶ ہر ٹیڑھے اور پیچیدہ یا مشکل کام میں یا جو کام اٹکے ہوتے ہیں ان کے حل کی کوشش کرتے ہوئے یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے:

"يَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ وَمُسَهِّلَ كُلِّ عَسِيْرٍ"[1] اے ہر ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والے! اور ہر مشکل کو آسان کرنے والے! میری اس مشکل کو آسان فرمادے یا میرے اس نقصان کی تلافی فرمادے۔"

❷ اسی طرح ہر قسم کے نقصان اور خسارہ کی تلافی کے لئے یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے:

يَا جَبَّارُ اُجْبُرْنِيْ "اے بگاڑ و خرابی کے درست کرنے والے! مجھے جو نقصان ہوا ہے (یا ہونے کا جو اندیشہ ہے) اس کی تلافی فرمادیجیے۔"

❸ اسی طرح دو سجدوں کے درمیان کی یہ دعا جب دو سجدوں کے درمیان بیٹھے تو ضرور اس دعا کو مانگئے، آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی دعا ہے اور اس مختصر سی دعا میں مغفرت بھی مانگی گئی ہے اور رحمت بھی، عافیت بھی ہدایت بھی، ہر قسم کے نقصان کی تلافی بھی، کیا پیاری دعا ہے، دعا مانگنے کا محل اور موقع بھی کتنا اونچا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے نماز کے واجبات صحیح طرح ادا ہو جاتے ہیں، نماز جان دار بن جاتی ہے دعا یہ ہے:

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ: کتاب الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۲۱/۵

besturdubooks.wordpress.com

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ."[1]

تَرجَمہ: "اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور میرے نقصان کی تلافی فرما دیجئے، مجھے ہدایت دیجئے اور مجھے رزق دیجئے۔"

۲ "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی وہ ذات ہے جو کمزوروں کی دلجوئی فرماتا ہے پریشانی اور مشکلات میں پھنسے ہوئے انسانوں کو سہارا دیتا ہے، صبر کی توفیق دیتا ہے اور اس پر ثواب عطا کرتا ہے لہٰذا اس "اَلْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے دَر کو چھوڑ کر کسی اور دَر پر اس لئے جانا کہ...... پریشانی ختم ہو جائے گی،...... بپتا مل جائے گا، امن وسکون حاصل ہوگا...... ناواقفی اور جہالت کی بات ہے، اس لئے صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی طرف متوجہ ہوں اسی سے مانگیں اور چین وسکون حاصل کریں۔

---

[1] ترمذی: كتاب الصّلوٰة، باب ما يقول بين السجدتين: ۶۳/۱

besturdubooks.wordpress.com

المتکبر جل جلالہ الکبیر جل جلالہ

(بہت بڑائی والا) (بہت بڑا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ هُوَ الْمُتَعَالِيْ عَنْ صِفَاتِ الْخَلْقِ، وَيُقَالُ: هُوَ الَّذِيْ يَتَكَبَّرُ عَلٰى عُتَاةِ خَلْقِهٖ إِذَا نَازَعُوْهُ الْعَظَمَةَ.[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ ربّ العزت مخلوق کی صفات اور ان کے حالات سے منزہ و برتر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ان متکبرین سے بہت بلند شان والے ہیں، جو اللہ ربّ العزت کے ساتھ بڑائی و عظمت میں کشمکش و منازعت رکھتے ہیں۔''

❷ قَالَ قَتَادَةُ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) أَيْ: تَكَبَّرَ عَنْ كُلِّ شَرٍّ.[2]

ترجمہ: امام قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''المتکبر جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو ہر برائی سے برتر ہے۔

❸ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''المتکبر'' وہ ذات ہے جو بڑائی و عظمت والی ہو۔ اللہ ربّ العزت ''المتکبر'' ہیں، کیوں کہ وہ ہر چیز کے رب ہیں۔ (یعنی تمام مخلوق کو پالنے والے ہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزت ''المتکبر'' اس معنی میں ہیں کہ ان کی شان ہر بری چیز سے برتر ہے اور ادنیٰ اور فانی صفات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نہیں۔[3]

❹ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: (اَلْكَبِيْرُ) يَعْنِي الْعَظِيْمُ الَّذِيْ كُلُّ شَيْءٍ دُوْنَهٗ وَلَا شَيْءَ أَعْظَمُ مِنْهُ.[4]

ترجمہ: ''الکبیر جل جلالہ'' کا معنی برتر شان والا ہے اور باقی ہر چیز اس سے کم تر ہے۔

---

[1] شان الدعاء: ٤٨ و الاعتقاد، ص٥٥، نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ١/١٥٢

[2] رواه الطبرى: ٢٨/٣٧

[3] وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) الَّذِيْ تَكَبَّرَ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ فَلَا شَيْءَ مِثْلُهٗ وَقِيْلَ: (اَلْمُتَكَبِّرُ) عَنْ كُلِّ سُوْءٍ، اَلْمُتَعَظِّمُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ مِنْ صِفَاتِ الْحَدَثِ وَالذَّمِّ. (النهج الاسمىٰ: ١/١٥٢)

[4] جامع البيان: ١٣/٧٥ نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ١/١٥٣

besturdubooks.wordpress.com

خلاصہ یہ ہوا کہ "اَلْمُتَكَبِّرُ" اور "اَلْكَبِيْرُ" کے حسبِ ذیل معانی ہوئے:

(الف) وہ ذات جو ہر ظلم، شر اور برائی سے برتر ہے۔

(ب) وہ ذات جو مخلوق کی صفات سے اونچی اور برتر ہے جس کی مانند کوئی دوسرا نہیں ہے۔

(ج) وہ ذات جو بڑائی اور عظمت والی ہے اور ہر چیز اس کی جلالت کے سامنے چھوٹی اور حقیر ہے۔

(د) وہ ذات کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور بڑائی اسی کے لئے ہے۔[1]

قرآنِ کریم میں "المتکبر" ایک مرتبہ آیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک آیت میں اپنی ذات کو "المتکبر" سے موسوم کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾[2]

تاہم اللہ تعالیٰ کا اسم صفتی "الکبیر جل جلالہ" قرآن حکیم میں چھ جگہوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے دو یہ ہیں:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾[3]

ترجمہ: "وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا عالی شان ہے۔"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾[4]

ترجمہ: اور اللہ ہی عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے۔"

واضح رہے کہ اسم "اَلْعَلِيُّ" اور "اَلْمُتَعَالُ" بھی ساتھ آئے ہیں۔

درحقیقت ہر بڑائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہوسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے، کیوں کہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ ذات جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے، اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعویٰ ہے، اس لئے "المتکبر" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔[5]

زمین و آسمان کی کبریائی صرف اسی "المتکبر جل جلالہ" کے لئے ہے، جس کی تسبیح دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں

---

[1] وَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُ مَعْنَى (الْمُتَكَبِّرِ) وَ (الْكَبِيْرِ):

① اَلَّذِيْ تَكَبَّرَ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ وَ شَرٍّ وَ ظُلْمٍ.

② اَلَّذِيْ تَكَبَّرَ وَ تَعَالٰى عَنْ صِفَاتِ الْخَلْقِ فَلَا شَيْءَ مِثْلُهُ.

③ اَلَّذِيْ كَبُرَ وَعَظُمَ فَكُلُّ شَيْءٍ دُوْنَ جَلَالِهِ صَغِيْرٌ وَ حَقِيْرٌ.

④ اَلَّذِيْ لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ أَيْ: اَلسُّلْطَانُ وَالْعَظَمَةُ. (شان الدعاء: ٦٦، نقلاً عن النهج الاسمى: ١/١٥٣)

[2] الحشر: ٢٣ [3] الرعد: ٩ [4] الحج: ٦٢ [5] معارف القرآن: ٨/٣٩٣، الحشر: ٢٣

besturdubooks.wordpress.com

اور زمینوں اور آسمانوں میں ہر دم اور ہر آن کی جاتی ہے۔ اس کی کبریائی ہمارے تصور سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اسی کو سورۂ جاثیہ کی آیت نمبر ۳۷ میں فرمایا:

﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

تَرجَمَہ: ”اور اُسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔“

یعنی کبریائی صرف اس ایک ہی کی ہے، کوئی اور اس میں شریک وحصہ دار نہیں، نہ زمین میں، نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔[۱]

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: چاہئے کہ آدمی اُسی کی طرف متوجہ ہو، اُسی کے احسانات و انعامات کی قدر کرے، اُس کی ہدایات پر چلے، سب کو چھوڑ کر اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے اور اُس کی بزرگی وعظمت کے سامنے ہمیشہ مطیع وفرماں بردار رہے۔ کبھی سرکشی وتمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے:

”اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ“[۲]

تَرجَمَہ: ”کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے، لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا، میں اُسے اُٹھا کر آگ میں پھینک دُوں گا۔“

اَلْكَبِيْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی کبریائی کو سوچیں

حقیقتاً ”اَلْكَبِيْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ وہی ذات ہے جس کی کبریائی دریاؤں ...... سمندروں ...... جنگلوں ...... پہاڑوں ...... آسمانوں ...... اور زمینوں کے سینوں اور فضاؤں میں ہے، بلکہ مکان وغیر مکان، زمان وغیر زمان ہر جگہ اور ہر آن میں ہے۔

غور کیجئے! اربوں ٹن وزنی دو بڑی بڑی ٹکیہ سورج اور چاند کیسی بلندیوں میں، کس اعتدال وتوازن اور انتہائی نظم وضبط کے ساتھ بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مسلسل یوں حرکت میں ہیں کہ دن بھی بنتا ہے اور راتیں بھی بنتی ہیں اور زمین کا مکمل نظام بھی چل رہا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ! یہ سب قدرتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ تنظیمِ کائنات کے یہ سب مظاہر، یہ سب مناظر انسان کو قدرتِ خداوندی سے باخبر کرتے ہیں۔

اسی ”اَلْكَبِيْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ نے اپنے زبردست اندازے سے سورج اور ستاروں کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم نہ ہو اور ان کے ٹکرانے سے عالم تباہ نہ ہوجائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے تحت معین وقت پر طلوع وغروب ہوتا ہے۔ جب کوئی سیارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض اور تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا تو نہ اس ستارے کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ

---

[۱] تفسیر ماجدی: ۱۰۰۲/۲ [۲] مشکوٰۃ: کتاب الأدب، باب الغضب والکبر ۴۳۳/۲

besturdubooks.wordpress.com

ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔ یہ ربُّ العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے تبدیلی کرنے سے عاجز نہیں۔ اسی بات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور سورج کے لئے جو مقرر راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ہے اندازہ (ٹھہرایا ہوا) غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔'' [1]

یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کرلیں۔

یہی تکوینی عجائبات اور ﴿ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [2] یعنی آسمانوں اور زمین کی مخلوقات ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ﴿ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾ [3] یعنی فرمایا: میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا جاری ہوگیا۔ [4]

جب ابراہیم علیہ السلام نے سورج جھلکتا ہوا دیکھا تو فرمایا:

﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ [5]

ترجمہ: ''یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔''

پھر جب ستاروں اور چاند کی طرح یہ بھی غائب ہوگیا تو سوچا کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کے مزدور ہیں جو وقتِ معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں، ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر بھی قادر نہیں ہیں، پھر ان کو خدائی صفات میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابلِ نفرت فعل ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے میری قوم! میں بے زار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو، میں نے رُخ کرلیا اپنے چہرے کا اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین سب سے یک سو ہوکر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔'' [6]

یعنی ساری مخلوق سے یک سو ہوکر میں نے صرف خالق جل جلالہٗ کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔

اللہ ہی تو عالی شان اور سب سے بڑا ہے

سورۂ حج میں اللہ جل جلالہٗ کی علوشان بتائی گئی کہ رات دن کا اُلٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں

---

[1] ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ ﴾ (یٰس: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

[2] الأنعام: ۷۵ — [3] الأنعام: ۷۶ — [4] تفسیر عثمانی: ۱۸۲، الأنعام: ۷۵

[5] الانعام: ۷۸ — [6] الانعام: ۷۸

besturdubooks.wordpress.com

ہے، اسی کے تصرف سے کبھی دن بڑے اور کبھی راتیں بڑی ہوتیں ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت کے آخری ٹکڑے میں فرمایا:

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾[1]

ترجمہ: ''اور اللہ ہی تو عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے، باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں، سب غلط، جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اُوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔[2]

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں حکم ہے:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾[3]

ترجمہ: ''اور کہہ دیجئے! کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں ...... جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔''

اس آیت مبارکہ میں شرک کی نفی عجیب طریقے سے کی گئی ہے۔ ہر عام سے عام آدمی یہ بات سمجھتا ہے کہ انسان یا کوئی بھی مخلوق کبھی اپنے چھوٹے سے مدد حاصل کرتی ہے، جیسے اولاد سے اور کبھی اپنے برابر کے لوگوں سے مدد حاصل کرتی ہے جیسے شریکِ کار اور کبھی اپنے سے بڑے سے مدد حاصل کرتی ہے، اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ان تینوں کی نفی فرمادی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا '' كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا '' اس کی عظمت و کبریائی کی طرف متوجہ فرمادیا، یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے .... اور ہر طرح کی کمزوریوں سے بلند و برتر سمجھے .... اور لطف یہ ہے کہ '' لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا '' (جو نہیں رکھتا اولاد) میں نصاریٰ کا .... '' لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ '' (اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے) میں مشرکین کا .... اور '' وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ '' (اور کوئی کمزوری کی وجہ سے اُس کا مددگار نہیں ہے) میں یہود کا .... رد ہو گیا۔[4]

اس آیتِ مبارکہ میں '' تَكْبِيْرًا '' کا لفظ ہے کہ اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے، عربی زبان میں مفہومِ تعظیم و اجلال کے لئے لفظِ تکبیر سے بڑھ کر جامع تر اور کوئی لفظ نہیں اور نکرہ مصدر کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے اس کا حکم دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نہ کوئی عبارت اس کا حق ادا کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی انسان اس کا حق ادا

---

[1] الحج: ٦٢
[2] تفسير عثماني: ٤٥٢، الحج: ٦٢
[3] بني اسرائيل: ١١١
[4] تفسير عثماني: ٣٩٢ بني اسرائيل: ١١١

besturdubooks.wordpress.com

کرنے کی قوت رکھتا ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ زبان کھولنے کے قابل ہو جاتا تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت بالا سکھا دیتے تھے۔[2]

اسی طرح سورۂ مدثر میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾[3]

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو۔''

قول سے بھی، عمل سے بھی، لفظِ ''رب'' اس جگہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود اس حکم کی دلیل ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے، صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔ کیوں کہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی وعظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال واخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔[4]

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اللہ کی کبریائی کے بول بولے۔ جتنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی دعوت دے گا اتنا ہی مخلوق کا چھوٹا ہونا دلوں میں بیٹھے گا، بل کہ اس سے بھی پہلے اپنی ذات کی نفی آئے گی کہ میرے اپنے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ اس کی بڑائی بیان کرنے کے لئے نہ الفاظ ہیں نہ ان معانی کے لئے کوئی لباس۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ چارسو چھیاسٹھ (۴۶۶) مرتبہ

اذان میں جو سب سے پہلی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی ہے اور اس حقیقت کو ایک اذان میں چھ بار بیان کیا گیا ہے۔ گویا پانچ وقت کی اذان میں تیس بار ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' .... کہا جاتا ہے، اور اگر اقامت کو بھی شامل کرلیں تو تعداد ساٹھ .... تک پہنچ جائے گی، اور اگر پانچ وقت کی نماز میں فرضوں، سنتوں، وتر اور نوافل کے قیام اور قعود وغیرہ کے مواقع پر کہی جانے والی تکبیرات کو بھی شمار کرلیں تو تعداد دو سو چھیانوے تک پہنچ جائے گی اور چوں کہ ہمیں ترغیب دی گئی ہے کہ ہر نماز کے بعد چونتیس بار ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہا کرو تو اگر ہم اس کو بھی گن لیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک نمازی مسلمان اپنے عام معمول میں اہتمام سے اذان کا جواب دے اور اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا اعمال کا بھی اہتمام کرے تو دن رات میں تقریباً چارسو چھیاسٹھ مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہتا ہے۔

اور اگر وہ صبح وشام تسبیحات بھی کرتا ہے تو یہ تعداد مزید بڑھ جائے گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اذکار تو اور بھی ہیں،

---

[1] ''وَالتَّكْبِيْرُ أَبْلَغُ بِلُغَةِ الْعَرَبِ فِي مَعْنَى التَّعْظِيْمِ وَالإِجْلَالِ وَفِى الْأَمْرِ بَذٰلِكَ بَعْدَ مَا تَقَدَّمَ مُؤَكَّداً بِالْمَصْدَرِ الْمُنَكَّرِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنٍ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ مِمَّا لَا تَسَعُهُ الْعِبَارَةُ وَلَا تَفِيْ بِهِ قُوَّةُ الْبَشَرِيَّةِ'' روح المعانی ۱۹۶/۸، بنی اسرائیل: ۱۱۱

[2] تفسیر مظہری: ۵۰۴/۵، بنی اسرائیل: ۱۱۱ [3] المدثر: ۳ [4] تفسیر عثمانی: ۷۶۳

besturdubooks.wordpress.com

سُبْحَانَ اللّٰہِ ذکر ہے...... اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذکر ہے...... مَاشَاءَ اللّٰہُ ذکر ہے...... اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ ذکر ہے...... تو آخر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' میں کیا بات تھی کہ اسے بار بار وردِ زبان کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

اذان اور نماز میں تو آپ سُن ہی چکے ہیں، حج میں دیکھیں تو سب سے زیادہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

عیدین میں دیکھیں تو سب سے زیادہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

میدانِ جہاد میں بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا جاتا ہے۔

بلندیوں پر بھی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا جاتا ہے۔

بچے کے کان میں اذان واقامت، جانور ذبح کرتے وقت اور نمازِ جنازہ کی تکبیرات میں بھی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' ہی کہا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کمزور ہے، اس کی سوچ بھی کمزور ہے، اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ مادّی چیزوں سے متاثر ہوکر ان کو دیوتا مان لیتا ہے، خدا مان لیتا ہے، شریکِ خدا مان لیتا ہے۔

یہ آسمان کی عظمت سے متاثر ہوا تو اسے دیوتا مان لیا، زمین کی وُسعت وطوالت کو دیکھا تو اسے خدا مان لیا، پہاڑوں کی ہیبت سے متاثر ہوا تو اُن کے سامنے سر جھکا دیا اور اُن سے مورتیاں تراش کر گھروں میں سجالیں، سورج، چاند اور ستاروں کی چمک دمک کو دیکھا تو اُن سے خوف کھانے لگا۔ بادشاہوں سے مرعوب ہوکر یہ یقین کر بیٹھا کہ یہ خدا ہیں یا ان کے اندر خدائی روح حلول کیے ہوئے ہے۔

اس خاک کے پتلے کے اندر مادّیت پرستی اس قدر سمائی ہوئی ہے کہ یہ دولت تک کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو چوں کہ ظاہر پرست انسان مادّی چیزوں کی عظمت اور بڑائی سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور یہ کبھی زمین وآسمان کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عناصر کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی بادشاہوں کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عہدہ اور منصب کو بڑا سمجھتا ہے اور کبھی خود اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

اس لئے سب سے زیادہ ضرب اسی بڑائی کے عقیدے اور تصور پر لگائی گئی ہے اور زبان سے بار بار ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہلوا کر یہ بات دل میں بٹھادی گئی کہ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عظمت وکبریائی کا مستحق صرف اور صرف اللہ ہے۔ جس کا ایک نام ''اَلْمُتَکَبِّرُ'' اور ایک نام ''اَلْکَبِیْرُ'' ہے۔ اس کے سامنے سب بزرگیاں اور بڑوں کی بڑائیاں ہیچ ہیں۔

اس لئے نماز میں ان تکبیرات کو دھیان کے ساتھ کہنے کی مشق کرنی چاہیے، ان کے معانی کا خیال رکھتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے جائیں۔ ان کو تکبیراتِ انتقال کہا جاتا ہے، یعنی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے یہ تکبیر کہی جائے، اگر ہم قیام سے سجدہ کی طرف جارہے ہیں تو قیام سے تکبیر کہنا شروع کریں تو سجدہ میں پہنچ کر تکبیر ختم

besturdubooks.wordpress.com

کریں، اس طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ان تکبیرات کو ادا کیا جائے۔

لہٰذا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے ہوئے دل میں اس کے معنی کا دھیان رکھے خود اپنا بھی جائزہ لے کر میرے دل میں بار بار کے اس بول سے اس ذاتِ عالی کی بڑائی کس درجہ بیٹھی؟

کوشش اس بات کی کرے کہ سارے انسانوں کے دلوں میں ایک ''اَلْکَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی کبریائی بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے سب چھوٹے ہیں اور وہ ہی سب سے بڑا ہے۔ آپس کی گفتگو کے درمیان بھی اس بات کی مشق کریں کہ مخلوق کی بڑائی کا تذکرہ نہ ہو یا کسی کی ظاہری اور مادّی ترقی کی خبر سے دل مرعوب نہ ہوں۔ اور یہ دولت اُسی وقت نصیب ہوتی ہے جب بار بار اللہ کے بڑے ہونے کو بولا جائے، سنا جائے، تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچا جائے، ماں باپ گھروں میں بچوں سے گفتگو کے دوران ساری مخلوق کے چھوٹے ہونے اور اللہ تعالیٰ کے بڑے ہونے کو وقتاً فوقتاً سمجھاتے رہیں اور ان بچوں سے بھی اللہ کی بڑائی کے بول بلوائیں اور بچوں کو اس بات کا عادی بنائیں کہ بچے بھی اپنے مدرسے اور اسکول میں ''اَلْمُتَکَبِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی بڑائی کے بول بولیں کسی سے اُمید نہ رکھیں اور کسی کا خوف دل میں نہ بسائیں۔

اصلی عظمت ''اَلْکَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ہے

ایک افسر اپنے ماتحتوں کے اعتبار سے بڑا ہوتا ہے، مگر اپنے اعتبار سے چھوٹا ہے۔ گاؤں کا چودھری اپنے گاؤں کے اعتبار سے بڑا ہے، مگر اپنی تحصیل یا ضلع والوں کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔ ایک بادشاہ اپنی مملکت کے اعتبار سے بڑا ہے، مگر اپنی مملکت کے باہر بڑی مملکت کے سامنے کچھ بھی نہیں یا اگر اس سے اس کا کوئی دشمن سلطنت چھین لیتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کی کبریائی میں مدو جزر (اتار چڑھاؤ) ہوتا رہتا ہے۔ حقیقتاً ''اَلْکَبِیْرُ'' وہی ''اَلْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ'' جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔ جس کی کبریائی میں مدو جزر نہیں۔[1]

جن اسباب کی وجہ سے کسی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور اس کی تعظیم اور اکرام کیا جاتا ہے وہ سارے اسباب اللہ تعالیٰ کی مبارک اور مقدس ذات میں علیٰ وَجہِ الاَتم (کمال درجے کے) پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر سبب، ہر باشعور اور سمجھ دار انسان سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ اسے سب سے بڑا سمجھے اور اس بڑے کی عظمت و کبریائی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: نماز میں سب سے پہلی مشق یہ ہے کہ نقشوں کا یقین نکالو۔ پیدا ہوتے ہی سب سے پہلی آواز کانوں میں ڈالی گئی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' روزانہ تمہارے کان میں پانچ مرتبہ آواز پہنچائی جارہی ہے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو سمجھو اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو سیکھو۔ ایک آدمی کے بارہ بچے ہیں۔ ایک سال دو

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازهری: ۳۴۵

besturdubooks.wordpress.com

سال یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ اباجی کی بڑائی میں برابری کرنے لگے گا تو دو چار مرتبہ برداشت کرے گا پھر کہے گا کہ میرا تیرا جوڑ نہیں ہے۔ گھر سے نکل جا۔ باپ ہونا جنس بڑی ہے۔ بیٹا ہونا جنس چھوٹی ہے۔ بڑا کہتے کہتے اپنی بڑائی بیٹھ گئی۔ باپ کے مقابلے میں اپنی چلانے لگا۔ باپ کی جائدادوں سے محروم، دکان سے محروم، دن رات جو بڑائی کانوں میں پڑتی ہے وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑائی ہے۔ ایک چپڑاسی سے لے کر ملک کے وزیر اعظم اور صدر تک۔ ایک کنوئیں سے لے کر سمندر تک۔

ایک فرشتہ پھونک مارے گا تو ساتوں زمین و آسمان ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ ایک فرشتہ اس کا قد ساتوں زمین و آسمان سے بڑا ہے۔ ایک فرشتہ جو سارے جان داروں کی روح نکالتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کی بھی نکالے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو مر جا، وہ مر جائے گا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اللہ کی ذات کے ماسوا مخلوق ہے۔ مخلوق چھوٹی جنس ہے، اللہ ربُّ العزت سب کے خالق ہیں، ان کے بنانے والے ہیں۔ ایک اللہ کے سوا سب چھوٹے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس سے زیادہ چھوٹے ہیں جیسے ساتوں زمین و آسمان کے مقابلے میں ایک ذرّہ۔ یہ اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کی چھوٹائی کی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے ہیں کہ ان کی بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔

بہت بڑا ملک، بہت بڑا صوبہ، بڑا کہتے کہتے غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے، ان غلط فہمیوں کو نکالو۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں، زمین بہت چھوٹی ہے۔ ان سرمایہ داروں کو، وزیروں کو کون پوچھتا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ فرشتے پیروں میں جھکیں تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھالو۔ پہاڑوں اور حکومتوں کی بڑائی دل سے نکل جائے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں گڑ جائے۔ یہ پہلی بات ہے جو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں ڈالی گئی، آج تک ڈالی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا سب چھوٹے ہیں، ان سے نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ تخلیق چھوٹے سے نہیں ہوتی بڑے سے ہوتی ہے۔

پہلے چھوٹے ہونے کا یقین جماؤ اور پھر چھوٹوں سے نہ ہونے کا یقین جماؤ۔ سائنس والے، تاجر، زمین دار، کاشت کار روحانی اعتبار سے اندھے ہیں خدا کی بڑائی دیکھنے کے اعتبار سے، خدا کی ذات کو، خدا کے خزانوں کو دیکھنے کے اعتبار سے۔ چند کوڑیاں نظر آ رہی ہیں تو بینا نہ کہا جائے گا۔ اندھے کو لے کر چلنے کے واسطے بینا کی ضرورت ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کے اثرات دیکھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں بدبو آئی، فرمایا: یہ غیبت کی بدبو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال پر جو کچھ ہوتا ہے وہ آسمانوں پر بھی جا کر دیکھا ہے، یہاں بھی دیکھا ہے، فرمایا: تونے جو یہ بول بولا ہے اگر سمندروں میں اس کی ظلمت کو ملا دیا جائے تو سمندر سیاہ ہو جائیں۔ دو عورتوں کی اجازت کے لئے ایک آدمی آیا کہ اِن دو عورتوں کی حالت خراب ہو رہی ہے، روزہ کھولنے کی اجازت دی جائے، فرمایا: ان کا روزہ ہے ہی کہاں،

besturdubooks.wordpress.com

انہوں نے تو غیبت کی ہے۔ حکم ہوا پیالہ میں قے کریں، گوشت وخون کے لوتھڑے اور پیپ نکلی، فرمایا: اگر میں نہ نکلواتا تو اسی پر عذاب ہوتا۔

ہمیں نظر نہیں آتا کہ انصاف میں کیا کامیابیاں ہیں اور ظلم میں کیا ناکامیاں ہیں؟

سارے زمین دار، کاشت کار، جائدادوں والے اندھے ہیں۔ اللہ کی قسم! ایسے اندھے ہیں کہ ان کو اپنے اندھے پن کی خبر نہیں۔ نابینا، ایک بینا کا ہاتھ پکڑ کر چل دیا تو جہاں بینا پہنچے گا وہاں اندھا بھی پہنچ جائے گا۔ پہنچنے کے بعد آنکھ کھلوائیں گے موافقت میں کھلی تو مزے آجائیں گے اور مخالفت پر کھلی تو مصیبت آجائے گی۔ وزیر کی بھی کھلے گی، فقیر کی بھی کھلے گی۔ تم اندھے ہو تمہاری طرف بینا کو بھیجا ہے، وہ تم کو بتائیں گے، اعمال کی ترتیب پر بتائیں گے، ایک ترتیب حکومت، تجارت، معاشرت، معاملات کی مال پر ہے اور ایک اعمال پر ہے۔ مال کی ترتیب سے ہٹ کر اعمال کی ترتیب پر آجاؤ۔ باپ نے گود میں بعد میں لیا پہلے آواز لگائی۔ اسی دن سے آواز برابر کان میں پڑ رہی ہے۔ دھوکے میں نہ رہو۔ ایک دن دھوکہ سامنے آجائے گا۔ تم اپنی آنکھ سے دیکھ لوگے کامیابی مال میں نہیں ہے، کامیابی اعمال میں ہے۔ مسجد کا پہلا کام، پہلی مشق جو انسان کو کرنی پڑے گی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کو، اللہ تعالیٰ کی جنت کو، اللہ تعالیٰ کی دوزخ کو اچھے عملوں کے اثر کو اور برے عملوں کے نقصان کو سنو اور اتنا سنو کہ دیکھ کر جو یقین بن رہا ہے وہ دل سے نکل جائے اور سننے کا یقین پیدا ہو جائے۔[۱]

جس کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ کبریائی کا استحضار ہوگا وہ ہمیشہ تواضع اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل اختیار کرے گا، مساکین اور فقراء سے نفرت نہیں رکھے گا۔ اُسے ساری مخلوق اپنے اسباب و وسائل کے ساتھ بھی اس مولا "المتکبر جل جلالہٗ" کی بڑائی کے دھیان کی وجہ سے چھوٹی اور بے حیثیت نظر آئے گی "اور الکبیر المتکبر جل جلالہٗ" کے حکم کے بغیر ان سے کچھ بھی نہ ہونے کا یقین اس مؤمن بندے کے دل میں جمتا جائے گا۔

بل کہ بڑے بڑے بادشاہ، وزراء، پولیس، فوج کا رعب دل سے نکل جائے گا۔ یہ خود اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنے پلنے میں، اپنے بڑھنے میں، اپنے کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں "المتکبر الکبیر جل جلالہٗ" کے محتاج ہیں۔ کتنا ہی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، کتنی ہی اس کی بڑی اور بھاری فوج ہو، کتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی ہو، لیکن یہ سب مل کر ملک الموت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔

بندگی کے لائق صرف "المتکبر جل جلالہٗ" ہی کی ذات ہے

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

ہمہ گیر اور محیط علم ...... مطلق ارادہ اور آزاد و غیر محدود تصرف اور قدرتِ کاملہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے اور

---

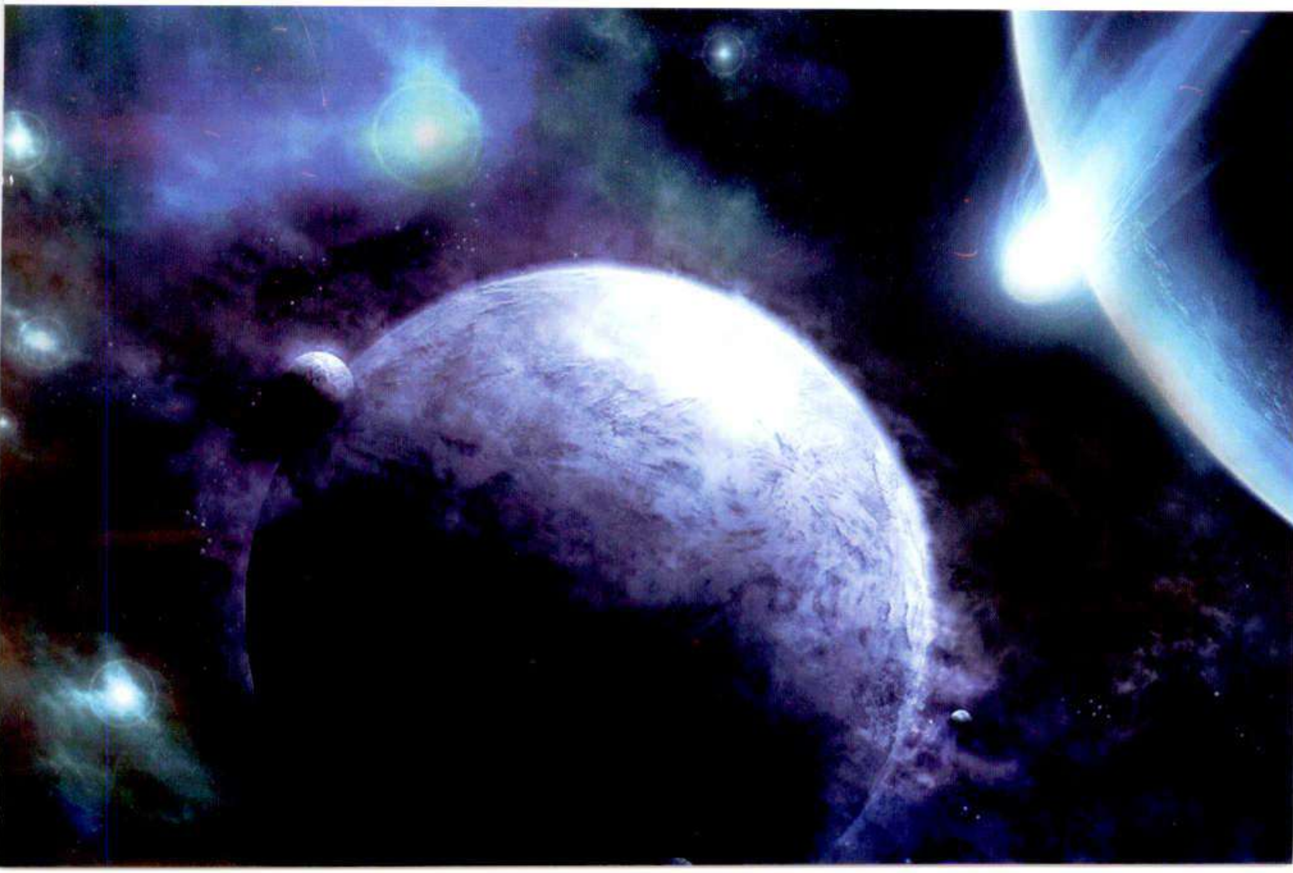
[۱] خطبات حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۴ (ادارہ تالیفات اشرفیہ)

besturdubooks.wordpress.com

المتكبر



تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا
سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾ (الفرقان ٦١)
"بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی"۔



besturdubooks.wordpress.com

عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا...... کسی کے نام پر اور اس کی خوش نودی کے لئے روزہ رکھنا...... دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شدِ رِحال (طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں، منتیں ماننا...... شرک کے کام ہیں اور شکر کے مظاہر میں تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایتِ ذلت کی مظہر ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے اور اہلِ وجاہت اور با اثر و با اقتدار لوگوں کو راضی و خوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

شاہانِ دنیا کی طرح کائنات کے انتظام میں درباریوں اور وزراء (وزیر بوجھ اُٹھانے میں مدد کرنے والے کو کہتے ہیں کیوں کہ "وِزْرٌ" بوجھ کو کہتے ہیں تو دنیاوی بادشاہ تو محتاج ہیں کہ کوئی بوجھ اُٹھانے اور نظام چلانے میں ہاتھ بٹائے مگر اللہ ربُّ العزت کی ذات کمزوری سے یکسر پاک ہے) اور اعوان (مددگاروں) سے مدد لینا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

کسی قسم کا سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک و اعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت و فنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرمِ محترم کے ساتھ خاص ہیں۔

صالحین اور اولیاء کی نسبت سے جانوروں کی تخصیص،...... ان کا احترام کرنا،...... ان کی نذریں چڑھانا...... اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا کسی طرح بھی صحیح اور جائز نہیں۔

عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں اور سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جس سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار یا شبہ ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے...... ہر غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے...... اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا ناجائز ہے، جہاں کوئی بت تھا یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں اِفراط و تفریط اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔[1]

---

[1] دستورِ حیات: ۷۹، ۸۰

besturdubooks.wordpress.com

یہی بت پرستی اور شرک (اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا ...... اور ان کے سامنے انتہائی ذلت ومسکنت کا اظہار...... ان کے سامنے سجدہ ریزی ...... ان سے دعا و مدد کی طلب ...... اور ان کے لئے نذر ونیاز......) عالمگیر طویل العمر اور سخت جان "جاہلیت" ہے، جو کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہی نوعِ انسانی کا قدیم ترین ومہلک ترین مرض ہے، جو تاریخِ انسانی کے تمام ادوار، تمدن ومعاشرت اور معیشت وسیاست کے تمام تغیرات اور انقلابات کے باوجود بھی نوعِ انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

بندوں کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے اور ان کو انسانیت کے بلند درجے سے گرا کر پستی کے عمیق ومہیب غاروں میں اوندھے منہ ڈال دیتا ہے، اور اسی کی تردید قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے، اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ تعالیٰ کی دعوت دینے والوں کا عالمی و دائمی شعار ہے۔

جو اپنی حقیقت پہچان لے گا وہ کبھی بھی تکبر نہیں کرسکتا

واقعہ نمبر ⑯: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کے بیٹے نے ایک انگوٹھی بنائی ہے جس کی قیمت ہزار درہم ہے، تو امیر المؤمنین نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے انگوٹھی ہزار درہم کی بنائی ہے، اگر یہ بات صحیح ہو تو اس انگوٹھی کو بیچ دو اور اس کی قیمت سے ہزار بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور اس کے بدلے ایک سادی لوہے کی انگوٹھی بنالو اور اس انگوٹھی پر یہ عبارت لکھ دو:

"رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَ نَفْسِهٖ."[1]

ترجمہ: "اللہ جل جلالہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے آپ کو پہچان لے۔"

واقعہ نمبر ⑰: مہلب وزیر کا ایک بیٹا ایک دن حضرت مالک بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے قریب سے فخر اور غرور کی چال چلتا ہوا گزرا تو مالک بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اے لڑکے! کیا ہی اچھا ہو اگر تم تکبر چھوڑ دو۔ وزیر کا بیٹا کہنے لگا:

کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا:

کیوں نہیں، میں تو تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

"اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَآخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ"

---

[1] شرح اسماء اللّٰه الحسنٰى للقشيری: ۱۲۳

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ''یعنی تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا بدبودار جسم ہے اور درمیانی حالت یہ ہے کہ نجاست اٹھائے پھرتے ہو۔''

یہ سن کر اس لڑکے نے سر جھکا لیا اور آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔[۱]

تکبر سے بچنے کا علاج

تکبر کا علاج یہ ہے کہ بندہ اپنی حقیقت میں غور کرے کہ میں مٹی اور ناپاک پانی کی پیدائش ہوں۔ ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، اگر وہ چاہیں ابھی سب لے لیں، پھر تکبر کس بات پر کروں اور اللہ کی بڑائی کو یاد کرے اس وقت اپنی بڑائی نگاہ میں نہ آئے گی اور جس کو اس نے حقیر سمجھا ہے اس کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور اس کی تعظیم کیا کرے تو تکبر دل سے نکل جائے گا۔ اگر اور زیادہ ہمت نہ ہو تو اپنے ذمے اتنی ہی پابندی کرے کہ جب کوئی چھوٹے درجے کا آدمی ملے اس کو پہلے خود سلام کر لیا کرے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ اس سے بھی نفس میں بہت عاجزی آجائے گی۔

تکبر کا انجام

واقعہ نمبر ⑱: نوفل بن مساحق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑا لمبا چوڑا، جوانی کے نشے میں چور، گٹھے ہوئے بدن والا، بانکا ترچھا اور خوب صورت تھا۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا:

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

میں نے کہا:

''مجھے آپ کے حسن و جمال پر تعجب ہو رہا ہے۔''

اس نے جواب دیا: ''إِنَّ اللّٰهَ لَيَعْجَبُ مِنِّيْ''

''مجھے ہی کیا، اللہ کو بھی تعجب ہو رہا ہے۔'' (نعوذ باللہ)

نوفل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: یہ کفریہ کلمہ کہتے ہی وہ سکڑنے لگا، اس کا رنگ و روپ اڑ گیا...... یہاں تک کہ اس کا قد ایک بالشت رہ گیا...... لوگ حیران رہ گئے، آخر اس کا ایک رشتہ دار اسے اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔[۲]

---

[۱] المستطرف: ۴۰۴/۱ [۲] از تفسیر ابن کثیر: ۵۳۱/۳، القصص: ۸۲

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

ہمیں ایک دعا سکھلائی گئی ہے جس کو مانگ کر ہم اپنے اندر تواضع پیدا کر سکتے ہیں اور تکبر سے بچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھا سکتے ہیں، اس دعا کو بار بار مانگنا چاہئے:

❶ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا.''[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنائیے اور لوگوں کی نظروں میں مجھے بڑا رکھیے۔''

اور تواضع حاصل کرنے کے لئے تین کاموں کا اہتمام کریں:

(۱) اپنی غلطی کی تاویل نہ کریں کہ اصل میں بات یہ تھی، وہ دراصل وغیرہ وغیرہ، آپ کی اگر کوئی غلطی بتلائے، بڑوں میں سے کوئی ڈانٹے، اصلاح کرے تو خاموشی کے ساتھ سن لیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ خیال رکھوں گا، پھر اگر یقین ہو جائے کہ اپنی غلطی نہیں تھی تو کسی دوسرے وقت میں مناسب اور ضروری ہو تو بتلائے کہ بات یہ تھی۔

(۲) میں، میری وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں اس سے تکبر کی بو آتی ہے، مثلاً: یوں کہے کہ میں نے یوں کیا، ہم نے یوں کیا، ہماری وجہ سے یوں ہوا، بل کہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے یہ کام ہوا۔

(۳) کسی انسان کی طرف سے پریشانی یا تکلیف پہنچے تو خوب دھیان سے سوچیں، غور کریں کہ اس میں میری غلطی کہاں تھی یا اعمال میں کمی کہاں واقع ہوئی ہے؟

دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانے یا الزامات تھوپنے کے بجائے ہر نقصان، مصیبت اور پریشانی کے وقت یہ آیتِ مبارکہ سوچے:

﴿وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔''

برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے، لیکن یہ برائی کسی گناہ کی سزا یا اپنی غفلت و لاپروائی اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا کلام سکھا دیجئے جس کو میں پڑھتا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہا کرو:

❷ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ.... اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.... لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ.''[3]

---

[1] حصن حصین: ۴۹۰ [2] النساء: ۷۹ [3] مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء: ۳۴۵/۲

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں......... وہ اکیلا ہے......... اس کا کوئی شریک نہیں......... اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑا ہے......... اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریفیں ہیں......... اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے......... جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے......... گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے......... جو غالب ہے......... حکمت والا ہے۔"

۳ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ اپنی ذات کو ذلت و رسوائی کے کاموں سے بچائیں، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو پیشِ نظر رکھیں، خود اپنے نفس کو متواضع بنائیں، مساکین و فقراء سے نفرت نہ کریں۔[1]

۴ اسی طرح اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اذان اور اقامت دھیان سے سنے اور نمازوں میں تکبیرات انتقالیہ دھیان سے کہے جب مؤذن اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو دل سے اس کی تصدیق کرے، زبان سے بھی وہی کہے جو مؤذن کہتا ہے۔ اذان اور اقامت ادب سے سننے اور اس کا جواب زبان اور عمل (نماز پڑھنے) دونوں سے دینے سے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی عظمت دل میں راسخ ہو جائے گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچنے کے لئے یہ دعا مانگیں:

۵ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُطِيْعِيْنَ لِاَمْرِكَ وَجَنِّبْنَا غَضَبَكَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ..... اِنَّكَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُّجِيْبُ الدَّعْوَاتِ."

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے احکام کا فرماں بردار بنادے اور اپنے قہر و غضب اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما، بے شک آپ خوب دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والے ہیں۔[2]

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۶۳

[2] تفسیر عثمانی: ۶۶۶، جاثیہ: ۳۷

besturdubooks.wordpress.com

الخالق جل جلالہ البارئ جل جلالہ

(پیدا فرمانے والا) (ٹھیک ٹھیک بنانے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْخَالِقُ): هُوَ الْمُبْدِعُ لِلْخَلْقِ وَالْمُخْتَرِعُ لَهُ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الخالق جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود بخشنے والی ہے اور انہیں بغیر کسی نمونے اور مثال کے پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے: کیا اللہ کے علاوہ کوئی بنانے والا ہے؟

❷ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الخالق'' کا مطلب یہ ہے کہ اندازے سے کسی چیز کو بنانا اور ''اَلْبَرْءُ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اندازے سے مقرر کر دیا گیا ہو اس کو ٹھیک درست کر کے وجود بخشنا، اب ایسا نہیں ہوتا کہ جو کوئی بھی اسے اندازے سے ترتیب دے دے وہ اسے وجود بخش کر منظر عام پر لانے پر بھی قادر ہو سوائے ربّ العزت جل جلالہ کے۔[2]

جس طرح وہ ''الخالق'' ہے اس کے ساتھ ساتھ ''البارئ'' بھی ہے یعنی پیدا کرنے کے بعد وہ مخلوق اس کے ہاتھ سے آزاد نہیں ہوگی، بل کہ اس کے حکم میں جکڑی ہوئی ہوگی۔ کسی چیز کا اندازہ کرنا اور ترتیب دینا تو مشکل نہیں، لیکن اسے نافذ کر کے وجود بخشنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ایسا وجود بخشنا اللہ ربّ العزت ہی کا کام ہے۔

❸ ذَكَرَ الزَّمَخْشَرِيُّ فَقَالَ: (اَلْبَارِئُ) هُوَ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بَرِيْئًا مِنَ التَّفَاوُتِ: ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾[3] أَيْ: خَلَقَهُمْ خَلْقًا مُسْتَوِيًا لَيْسَ فِيْهِ

---

[1] الفاطر: ۳، النهج الاسمٰی: ۱/۱۶۱

[2] وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْخَلْقُ هُوَ التَّقْدِيْرُ، وَالْبَرْءُ هُوَ الْفَرْيُ وَهُوَ التَّنْفِيْذُ وَ إِبْرَازُ مَا قَدَّرَهُ وَ قَرَّرَهُ إِلَى الْوُجُوْدِ، وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ قَدَّرَ شَيْئًا وَرَتَّبَهُ يَقْدِرُ عَلٰى تَنْفِيْذِهِ وَ إِيْجَادِهِ سِوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (النهج الاسمٰی: ۱/۱۶٤)

[3] الملك: ۳، الكشاف: ۱/ ۱٤٠، البقرة: ٥٤

besturdubooks.wordpress.com

اِخْتِلَافٌ وَلَا تَنَافُرٌ وَلَا نَقْصٌ وَلَا عَيْبٌ وَلَا خَلَلٌ، أَبْرِيَاءَ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ.[1]

ترجمہ: علامہ زمخشری فرماتے ہیں: ''البارئ جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ ہر قسم کے تفاوت سے پاک ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اے دیکھنے والے) تو اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا، دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کوئی شگاف نظر آ رہا ہے؟

یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا برابر برابر بنایا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کوئی فرق نہیں ہے، ہر عیب، ہر خلل سے پاک ہے۔

الخالق جل جلالہ کی تخلیق میں حکمت وبصیرت

قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرامِ علویہ، ساتوں آسمان، اور نیرات تک میں یکساں کاریگری دکھلائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بے تکا یا بے کار وفضول بنا دیا ہو (العیاذ باللّٰہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے، سمجھو اس کی اپنی عقل ونظر کا قصور ہے۔

یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں شگاف نہیں، نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا خلل پایا جاتا ہے۔ ہر چیز ویسی ہے جیسا اُسے ہونا چاہئے۔ مندرجہ بالا ارشادِ الٰہی صرف آسمان سے متعلق ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائے گا، بل کہ ایک صاف، ہموار، متصل، مربوط اور منتظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود زمانے کے گزرنے اور طویل ہونے کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔[2]

اسم مبارک ''الخالق جل جلالہ'' قرآن کریم میں گیارہ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[3]
2. ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[4]
3. ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[5]

اسم مبارک ''البارئ'' قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

1. ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾[6]

دو مرتبہ اس آیت میں:

---

[1] النہج الاسمٰی: ۱/۱۶۶ [2] تفسیر عثمانی: ۷۴۵، ملک ۳ [3] الفاطر: ۳ [4] الرعد: ۱۶ [5] الزمر: ۶۲ [6] الحشر: ۲۴

besturdubooks.wordpress.com

۲ ﴿فَتُوبُوٓا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ﴾[1]

خالقِ کائنات اللہ ربُّ العزت ہی کی ذات ہے

قرآن مجید بڑے اہتمام کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ لوگوں کو یہ بتلاتا ہے اور ان کے دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست (عدم سے وجود) بھی اللہ ربُّ العزت نے کیا ہے اور وہی اس کارخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلاشرکتِ غیر چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ، زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی دے رہا ہے اور اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور اس کے سامان ہیں، بل کہ وہی جس کو جب تک اور جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو دینا نہیں چاہتا نہیں دیتا۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾[3]

ترجمہ: "اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

یعنی ہر چیز کو اُس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اُس کی بقا و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا، اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اُسی کو حاصل ہے، کیوں کہ سب خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، پھر ایسے اللہ کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے؟

چاہئے کہ اُسی کے غضب سے ڈرے اور اُسی کی رحمت کا اُمید وار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اُسی کے زیرِ تصرف ہیں۔ اُس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ کیا اُس سے منحرف ہو کر آدمی کسی کامیابی کی اُمید رکھ سکتا ہے؟[4]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾[5]

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے، وہ جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟"

قرآن کہتا ہے: تم دیکھتے ہو کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اُس دانے یا گٹھلی میں کوئی عقل و شعور (یا کسی قسم کا ظاہر یا احساس) ہے، نہ زمین میں اور نہ ان میں سے کسی میں ارادے کی کوئی

---

[1] البقرة: ٥٤ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ٣٢ [3] الزمر: ٦٢ [4] تفسیر عثمانی: حاشیہ نمبر٤ ٦١٩ [5] الانعام: ٩٥

besturdubooks.wordpress.com

طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں، لیکن چند دنوں کے بعد کسی نظر نہ آنے والی طاقت کا چھپا ہوا ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اُس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم و نازک ایک ریشہ نکلتا ہے۔ پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نمودار ہو جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ اس بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا؟

کس نے اس میں سے وہ جان دار کونپل نکالی؟

پھر سوت کے دھاگے جیسی نرم و نازک اس کونپل نے کس کی طاقت سے زمین کو چیر ڈالا؟

کیا تمہاری عقل میں یہ آسکتا ہے کہ اُس بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لئے؟

یا بغیر کسی کرنے والے کے آپ ہی آپ یہ سب کچھ ہو گیا۔ ہرگز نہیں! یہ سب ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی "اَلْخَالِقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ہی ہے۔

اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ یہ عمل نہیں کرتی ہے، بل کہ اور بھی کتنی بے جان چیزوں سے وہ جان دار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کتنی ہی جان دار چیزوں سے بے جان چیزوں کو نکالتا ہے اور تم یہ سب دیکھتے ہو، مثلاً: بے جان انڈوں سے جان دار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جان دار میں سے بے جان مادوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ کیسی کھلی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں اور کدھر بہک رہے ہو؟ "فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ"

"اَلْخَالِقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے زمین کو انسان کے لئے بچھایا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾[1]

تَرجَمَہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا، تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو) اس کی طرف (تمہیں) جی کر اُٹھ کھڑا ہونا ہے۔

یعنی زمین کو انسان کے لئے مطیع و فرماں بردار بنایا، نرم و آسان کر دیا کہ آباد ہونا آسان ہو گیا، مثلاً:

❶ تمام انسانوں و حیوانوں کے کھانے اور ضروریات کی چیزیں زمین سے ہی نکلتی ہیں۔

❷ ہم اس میں خشک بیج ڈالتے ہیں، بوتے ہیں، لیکن زمین ایسی فرماں بردار کہ وہی بیج بڑا پودا ہو جاتا ہے اور ایک دانے سے کئی سو دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔

❸ زمین ہمارے لئے اپنے پیٹ سے اچھی اور فائدہ مند چیزیں نکالتی ہے۔

---

[1] الملک: ۱۵

besturdubooks.wordpress.com

❹ زمین پر پڑی گندگی و نجاست بھی زمین کے پیٹ میں چلی جاتی ہے، ورنہ زمین پر بدبو کے عالم میں رہنا کتنا مشکل تھا، گویا جیسے ایک اونٹ انسان کے لئے بالکل فرماں بردار بنایا اسی طرح زمین کو بھی مطیع و تابع دار بنا دیا۔ سُبْحَانَ اللّٰہ "الخالق جل جلالہٗ" کی کیا ہی نرالی شان ہے۔

انسانی و حیوانی غذاؤں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:[1]

تَرْجَمَہ: "اور دیکھو زمین میں مختلف قطعے ہیں جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلے کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو جڑ سے دوسرے درخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ہم مزے میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں۔ اس سب میں بڑی نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔"

قرآن کہتا ہے: وہ زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی اس حالت پر تو غور کرو کہ اس کے باہم ملے ہُوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے۔ ایک زیادہ پیداوار والا ہے، دوسرا کم پیداوار والا۔

مثلاً: ایک قطعہ گیہوں کی کاشت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا کپاس کی کاشت کے لئے۔ پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور اُن سے انگور اترتے ہیں اور اسی کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً: غلے کا کھیت ہے، جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں اور وہ بھی سب یکساں نہیں، بل کہ مختلف طرح کے ہیں۔ الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں۔

پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک پانی ملتا ہے، ایک ہی ہوا لگتی ہے۔ ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ظاہری شکل و صورت کے علاوہ ان کے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، یہ چھوٹائی، بڑائی اور یہ اُونچ نیچ آپ ہی آپ ہے۔ کسی ارادے اور قدرت کے عمل کے بغیر یہ یوں ہی خود بخود ہو رہا ہے؟

ہرگز نہیں! زمین کے ٹکڑوں کی اس کیفیاتی فرق و اختلاف میں اور اس کی پیداوار کی اس رنگارنگی میں عقل و بصیرت سے کام لینے والوں کے لئے کھلی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ اصل حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جس کی حکمت و قدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کو جان سکتے ہیں۔

---

[1] ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَأٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ﴾ (الرعد: ٤)

besturdubooks.wordpress.com

اے انسان! اپنی غذا کو تو دیکھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝﴾

ترجمہ: ”انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اُس زمین کی سطح کو شق کرتے (پھاڑتے) ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لئے چارہ پیدا کرتے ہیں۔“ [۱]

تو ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہئے کہ وہ سوچے کہ یہ غلہ جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟

کون ان کو پیدا کرتا ہے؟

جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کون برساتا ہے؟

پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اُگتے ہیں؟

بالکل ابتداء میں زمین میں سے اُن پودوں کے نکلنے کے لئے کون سطح زمین کو ان کے واسطے چیر دیتا ہے؟ انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذا ہی پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق کا اور اس کی قدرت وحکمت کا اس کو علم حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور وعبرت کا سامان ہے، ہم تم کو اُن کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ (گندگی) کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا خوش گوار ہوتا ہے۔“ [۲]

قرآن کریم کہتا ہے: جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا اُن ہی میں تم غور کرو، ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلہ کے رہنے کی جگہ اور اس کے راستے ہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو، لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور غلاظت

---

[۱] (عبس: ۲٤ تا ۳۱) [۲] النحل: ٦٦

besturdubooks.wordpress.com

بھری رہتی ہے اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے، جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلے کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لئے کیسا خوش گوار، خوش ذائقہ اور نفیس مشروب ہے۔ تم خود اس کو جانتے ہو، تو ذرا سوچو کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟

جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، یہ اُس کا فعل ہے؟

کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب وغریب زندہ مشین بنائی ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں! یہ صرف اس "الخالق والبارئ جل جلالہ" کی ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس نے اس ساری دُنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

ایک موقع پر سوالیہ انداز میں "اللہ جل جلالہ" کی ہستی ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے، ارشاد ہے:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: "کیا تمہیں اس اللہ کی ہستی میں شبہ ہے، جس نے آسمان وزمین بنائے۔"

اس مختصر سے سوالیہ جملے کے ذریعے قرآن پاک نے انسانوں کے غور وفکر کے لئے اُن کے سامنے زمین وآسمان کی ساری وُسعتیں رکھ دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، ان کی روشنی اور اُن کی گرمی یا خنکی کو محسوس کرتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے، کھیتیاں دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والا غلہ، میوے اور پھل کھاتا ہے، اُس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور اُن کی خوشبو سونگھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادے اور فیصلے سے ایسی بن گئی ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا کاریگر انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ یہ سب کسی "الخالق والبارئ جل جلالہ" ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

ارشاد ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾﴾[2]

---

[1] ابراهيم: ۱۰ [2] الذّٰریٰت: ۲۰، ۲۱

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی موجود ہیں، پھر کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟“ [۱]

زمین میں جن آیاتِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے، وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو، ان کے اقسام وانواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمالِ حسن، پھر ان میں سے ہر ایک کے خواص و آثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں .... اسی طرح زمین میں نہریں .... کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز اور اُن سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات .... زمین کے پہاڑ اور غار .... زمین میں پیدا ہونے والے انسانوں کے حالات .... مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز .... اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ وغیرہ جن میں آدمی غور کرے تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے اتنے مظاہر پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

﴿وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ [۲] اس جگہ آیاتِ قدرت کے بیان میں آسمان اور فضائی مخلوقات کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے، جس پر انسان بستا اور چلتا پھرتا ہے۔

اس آیت میں اس سے بھی زیادہ قریب یعنی خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑو خود اپنے وجود، اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کر لو تو ایک ایک عضو کو حکمتِ حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیاتِ قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آئی ہیں، اسی لئے انسان کے وجود کو ”عالَمِ اَصْغَر“ کہا جاتا ہے کہ سارے عالم کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں۔

انسان اگر اپنی ابتدائے پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں غور وتدبر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں کہ کس طرح ایک انسانی نطفہ دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزائے لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحمِ مادر میں قرار پایا، پھر کس طرح نطفے سے ایک منجمد خون عَلَقَۃ (لوتھڑا) بنا، پھر عَلَقَۃ سے مُضْغَۃ (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پتلے میں جان ڈالی گئی اور اُس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اِس دنیا میں لایا گیا۔

پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم، بے شعور بچے سے ایک دانش مند فعال انسان بنایا گیا اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں، پدموں انسانوں میں ایک چہرہ دوسرے چہرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس چند اِنچ کے رقبہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے؟

---

[۱] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۲ [۲] الذّٰریٰت: ۲۱

besturdubooks.wordpress.com

پھر اُن کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود وحدت، یہ سب اس قدرتِ کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1]

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہٗ اور اس کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہوسکتا ہے جس کو کچھ نہ سُوجھے، اسی لئے آخر میں فرمایا ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یعنی کیا تم دیکھتے نہیں؟

اشارہ اس طرف ہے کہ اس میں کچھ زیادہ عقل و سمجھ کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہو تو اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔[2]

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر ہماری نشانیاں موجود ہیں۔ تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظامِ زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

انسان کو چاہئے اپنے وجود میں غور کرے

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضا اور اپنے نظامِ زندگی ہی پر غور کرے تو فاطرِ ہستی کے بارے میں اُسے ہرگز کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحمِ مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟...... میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی......؟

میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے۔

میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی......؟

میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی......؟

میری ناک کے غدودوں کو خوشبو اور بدبو کا یہ احساس کس نے دیا......؟

میری زبان اور میرے تالو میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟ جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں ......اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی......؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟...... میرے باپ نے کیں......؟

کیا میرے ان کاموں کے لئے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں......؟

کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا......؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہوگا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادے کے بغیر آپ ہی آپ ایسا بن گیا۔

---

[1] المؤمنون: ۱۴ [2] معارف القرآن: ۸/۱۶۲

besturdubooks.wordpress.com

پھر حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم وخبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی "الخالق جل جلالہٗ" نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اُسی نے اور صرف اُسی نے کی ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اُن کا کوئی انسان احاطہ نہیں کرسکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [2]

ترجمہ: "یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔"

انسان اگر سارے عالم کو چھوڑ کر اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لے تو معلوم ہوگا کہ اس کا وجود خود ایک عالمِ اصغر ہے، جس میں عالمِ اکبر کے سارے نمونے موجود ہیں، اس کا بدن زمین کی مثال ہے، اس پر اُگنے والے بال نباتات کی مثال ہیں، اُس کی ہڈیاں پہاڑوں کی شبیہ ہیں، اس کے بدن کی رگیں جس میں خون رواں ہے زمین کے نیچے بہنے والے چشموں اور نہروں کی مثال ہیں۔

بہرحال تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟

ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملے میں جھگڑ کر اپنا حق منوادے یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا؟

کیسی عجیب صورت عطا کی ...... کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اسے عطا کئے ...... جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا...... جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی ...... اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا، حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر خالق سے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوگیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی؟

قدرتِ باری تعالیٰ کا عظیم سانچہ

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت نے انسان کو کیسے عمدہ سانچے میں بنایا ہے اگر انسان اپنی اصل بنیاد کو دیکھے کہ کس قدر ضعیف بل کہ عینِ ضعف ہے کہ ایک قطرۂ بے جان، بے شعور، ناپاک، گھناؤنی چیز ہے۔ اس میں غور کرے کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گھناؤنے قطرے کو ایک خونِ منجمد کی صورت میں .... پھر خون کو گوشت کی صورت میں .... پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں .... تبدیلیاں کیں، پھر اس کے اعضاء وجوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں .... کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا ...... جس میں سینکڑوں عجیب وغریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں .... اور زیادہ غور کرنے سے کام لو تو یہ ایک فیکٹری نہیں،

---

[1] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۲۲ تا ۲۳ [2] ابراھیم: ۳۴

besturdubooks.wordpress.com

بل کہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہاں کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق وتکوین بھی کسی بڑے ورک شاپ میں نہیں، بل کہ بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینے اسی تنگ وتاریک جگہ میں بطنِ مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرتِ انسان کا وجود تیار ہوا۔[1]

انسان دو جزو سے مرکب ہے: ایک "بدن" دوسرا "رُوح" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر و قیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے، اِس ادنیٰ جزو کے متعلق بدنِ انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہلِ تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں، اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں، ہر جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، عادۃً انسان کی عمر ساٹھ، ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس کے یہ نرم و نازک اعضاء اور اُن کے سب جوڑ اکثر اوقات اس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جاتا، مگر حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾[2]

تَرجَمَہ: "یعنی ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کیے۔"

اسی قدرتی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم و نازک جوڑ ستر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں، انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجئے، اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی اُن کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگایئے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیوں کہ آنکھ اُٹھی اور اس نے کسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی۔

پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضاء کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اُٹھ کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں، یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی ہے......... اور سال میں کتنی مرتبہ......... عمر میں کتنی مرتبہ......... یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد و شمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، ہاتھ، پاؤں، زبان کے کتنے کام ہیں اُن سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہیں۔ اُس "البارئ"

---

[1] معارف القرآن: ۶/۷۶۵ [2] الدّھر: ۲۸

besturdubooks.wordpress.com

الخالق
البارئ


اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ (الزمر ٦٢)
”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے“۔



besturdubooks.wordpress.com

جل جلالہ" کی طرف سے ملنے والی ان نعمتوں اور عنایتوں کے استحضار کے بعد بھی ایک قلبِ سلیم رکھنے والا، دل کو یہ سمجھائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب میرا ہر ہر سانس جو آجا رہا ہے اور ہر لحظہ جو پلک اٹھتی اور جھکتی ہے اُس کے پیچھے اس ذات باری اور منعم حقیقی کی کیا کیا کاریگریاں میرے فائدے کے لئے کوشاں ہیں تو میں ان نعمتوں کے اگر غلط استعمال سے اسی مالک کو ناراض کرلوں تو میرا کیا ٹھکانہ ہوگا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اُون وغیرہ سے کمبل، دُھسے، ڈیرے، خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی کو ہل چلانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

گھی، مکھن وغیرہ کی ساری سہولتیں ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ اُن کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں، جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہے اور اس میں کوئی قابل ذکر بدنی یا اخلاقی مضرت بھی نہیں ہے اُن کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری اُس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں اُن کی تیاری میں بھی اِن حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

تخلیق کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "خَلْق" کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدمِ محض سے قدرتِ ذاتی کے بل پر وجود میں لانا۔ اس لئے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں۔

لہٰذا ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہلِ قلم کے مضامین، شاعروں کے اشعار اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی "تخلیقات" کہہ دیا جاتا ہے، وہ بالکل جائز نہیں اور نہ اہلِ قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے۔ خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے اُن کے رشحاتِ قلم کو "کاوش" یا "مضمون" وغیرہ کہنا چاہئے "تخلیق" نہیں۔ [1]

کائنات کا ایک ایک ذرّہ اپنے خالق کی گواہی دے رہا ہے

ہارون یحییٰ صاحب اپنی کتاب "اللہ کی نشانیاں" میں لکھتے ہیں:

جو تتلیوں کے پروں پر بھی پھول کاڑھتا ہے — یہ لوگ کہتے ہیں اس کی کوئی نشانی نہیں

آپ جہاں کہیں بھی بیٹھے ہوں، اگر آپ اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ کمرے کی ہر شے "بنائی گئی ہے" دیواریں، اسبابِ خانہ، چھت، کرسی جس پر آپ براجمان ہیں، کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، میز کا شیشہ اور

---

[1] معارف القرآن: ۴۷۴/۷

besturdubooks.wordpress.com

بے شمار دوسری چیزیں جو اس کمرے میں موجود ہیں۔ ان اشیاء میں سے کوئی ایک شے ایسی نہ ہوگی جو از خود بن گئی ہو۔ یہاں تک کہ کمرے میں بچھے ہوئے قالین کا دھاگہ بھی کسی نہ کسی نے ضرور بنایا ہوگا۔ نہ تو یہ سب از خود اچانک وجود میں آ گئے نہ محض اتفاق کے نتیجے میں بن گئے۔

اگر کسی روز ایک شخص آئے اور یہ اعلان کر دے کہ خام لوہے اور کوئلے نے اتفاقاً باہم مل کر فولاد بنا دیا ہے جس سے اتفاقاً ایفل ٹاور تعمیر ہو گیا ہے......... تو وہ شخص اور جو اس شخص پر یقین کرنے لگے، کیا آپ انہیں دیوانہ اور معذور العقل تصور نہ کریں گے؟

اور نظریۂ اِرتقاء کا دعویٰ، جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار کا انوکھا طریقہ ہے اس سے مختلف تو نہیں ہے۔ یہ کائنات جس کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک شے اپنے خالق کی گواہی دے رہی ہے، اس کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ یہ از خود وجود میں آگئی۔ چناں چہ کائنات کے اس اعتدال وتوازن کا جو ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے، ہمارے جسم سے لے کر وسعتِ نظر اور حدِ نگاہ سے بہت آگے تک کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہونا چاہئے۔

وہ خالق جس نے اس کائنات کی ہر شے کو اس قدر نفاست ونزاکت کے ساتھ وجود میں آجانے کا حکم دیا۔ وہ عظیم خالق وہ ہے جس کی ذات کی اپنی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

سچ تو یہ کہ اللہ کی ذات کو سمجھنے کے لئے کوئی طویل تحقیق ضروری نہیں ہے، اگر کوئی شخص پیدائش سے لے کر آخر تک ایک ہی کمرے میں اکیلا رہتا رہا ہو، اس کمرے کے اندر مختصر سی دنیا اس کے لئے یہ سمجھنے کو کافی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

خود انسانی جسم کے اندر ثبوت اور شواہد اس قدر جمع ہیں کہ اتنے تو کئی جلدوں پر مشتمل کسی انسائیکلو پیڈیا میں بھی نہ ہوں گے۔ اگر کوئی اسے چند منٹ بھی غور اور فکر کے لئے دے سکے تو اسے یقین دلانے کو اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

موجودہ نظام اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور وہی اسے قائم ودائم رکھے ہوئے ہے۔

صرف انسانی جسم ہی انسان کے لئے غور وفکر کے دریچے وا نہیں کرتا ہے، بل کہ زمین کے ہر مربع ملی میٹر میں زندگی بستی ہے۔

میری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذات باری کی دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

اس دنیا میں جان داروں کا ایک بحرِ بیکراں موجزن ہے، یک خلوی سالموں سے پودوں تک، کیڑے مکوڑوں سے سمندری جانوروں تک اور پرندوں سے انسانوں تک۔ اگر آپ مٹھی بھر مٹی لے لیں اور اسے بغور دیکھیں تو اس کے اندر بھی آپ کو قسم قسم کے جان دار نظر آئیں گے جو اپنی اپنی ذات میں مختلف صفات رکھتے ہوں گے۔ یہی بات اس ہوا پر بھی

besturdubooks.wordpress.com

صادق آتی ہے جس میں آپ سانس لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم پر موجود جلد پر بھی بہت سے جان دار موجود ہوتے ہیں جن کے ناموں تک سے آپ واقف نہیں ہیں۔

تمام جان داروں کی انتڑیوں میں کئی ملین جرثومے یا یک خلوی سالمے ہوتے ہیں جو نظامِ ہضم میں مدد دیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کی تعداد کی نسبت جانوروں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جب ہم پودوں کی دنیا پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جس پر زندگی موجود نہ ہو۔ یہ ساری مخلوق جو کئی ملین مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلی ہوئی ہے اس کے اجسام کے نظام جدا جدا ہیں، ان کی زندگیاں مختلف ہیں اور وہ ارضیاتی توازن کو برقرار رکھنے میں مختلف کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب اتفاقاً بغیر کسی مقصد و غایت کے وجود میں آ گئے ہیں یا دنیا کی کوئی بھی جان دار شے اپنے آپ یا اپنی کوشش سے وجود میں آئی ہے اور کوئی بھی انطباقی یا اتفاقی واقعہ ایسے پیچیدہ نظاموں کے اندر سامنے آ سکتا ہے۔ یہ ثبوت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ یہ کائنات ایک خاص ”شعور و آگہی“ کے تحت تخلیق ہوئی۔

”الخالق جل جلالہ“ کی موجودگی اور عظمت و جلال کائنات کی بے شمار نشانیوں میں سے ٹپکتا ہے۔ دراصل اس روئے زمین پر ایک انسان بھی ایسا نہیں جو تہ دل سے اس عیاں حقیقت کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ پھر بھی وہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ چناں چہ ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾[1]

ترجمہ: ”اور انہوں نے انکار کر دیا، حالاں کہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔“

بہت سے ایسے سائنس دان جو اپنے آپ کو بلا سوچے سمجھے کفر والحاد کے اندر محدود نہیں رکھتے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات کو تخلیق کرنے والا ایک خالق ضرور ہے۔ وہ خالق ایک ایسی ہستی ہو سکتا ہے جس نے مادہ اور وقت دونوں تخلیق کئے ہوں اور پھر ان دونوں سے آزاد اور ماوراء بھی ہو۔

ایک نامور ماہر فلکی طبیعات HughRoss اس حقیقت کا اظہار یوں کرتا ہے:

”اگر وقت کا آغاز کائنات کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہوا جیسا کہ خلائی مسئلہ کہتا ہے تو پھر تو اس کائنات کے وجود میں آنے کا سبب ایک ایسی ہستی ہونی چاہئے جو مکمل آزادی کے ساتھ کسی وقت کے طول و عرض کے اندر کام کر رہی ہو اور جو وقت کائنات کے وقت کے طول و عرض سے آزاد بھی ہو اور پہلے سے موجود بھی ہو۔“ یہ نتیجہ بڑی قوت کے ساتھ ہماری اس سمجھ کے لئے اہم ہے کہ خدا کون ہے؟ اور وہ کون یا کیا نہیں ہے؟

یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات بذاتِ خود اللہ نہیں ہے، نہ ہی وہ کائنات کے اندر محدود ہے۔ مادہ اور وقت خالقِ عظیم و

---

[1] النمل: ۱۴

besturdubooks.wordpress.com

ذوالجلال نے تخلیق کیے ہیں جو ان تمام تصورات سے بالاتر ہے۔ یہ ''الخالق جل جلالہ'' ہے آسمانوں اور زمین کا مالک۔''

مشہور ماہرِ طبیعات پروفیسر سٹیفن ہاکنز اپنی کتاب ''مختصر تاریخ زماں'' (ABriefHistoryofTime) میں لکھتا ہے:

''یہ کائنات ان حساب کتاب کے مطابق طے شدہ جائزوں اور توازنوں پر قائم کی گئی ہے اور اسے اس قدر نفاست کے ساتھ ''نوک پلک درست'' کر کے رکھا گیا ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ کائنات کے پھیلاؤ کی شرح کے حوالے سے کہتا ہے: ''کائنات پھیلاؤ کی اس نازک شرح کے ساتھ کیوں شروع ہوئی جو ایسے نمونوں (Models) کو جدا کرتی ہے جو ان سے منہدم ہو جائیں اور جو ہمیشہ کے لئے پھیلتے رہتے ہیں، تا کہ آج بھی، دس ملین برس گزرنے پر یہ تقریباً ایک نازک شرح کے ساتھ پھیل رہی ہو؟

اگر بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد پھیلاؤ کی شرح سو ہزار ملین ملین کے ایک حصے سے بھی کم ہوتی تو یہ کائنات اپنے موجودہ حجم کو پہنچنے سے قبل تباہ ہو گئی ہوتی۔''

پال ڈیویز بھی اُس ناگزیر نتیجے کے بارے میں بتاتا ہے، جو ان ناقابلِ یقین حد تک نازک لطیف توازنوں اور حساب کتاب سے کیے گئے جائزوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

''اس تاثر کی راہ میں رکاوٹ بننا مشکل نظر آتا ہے کہ کائنات کی موجودہ ساخت اس قدر حساس ہے کہ بظاہر تعداد میں معمولی سے ردوبدل کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی، اسے بڑی احتیاط کے ساتھ سوچا گیا ہے ......عددی قیمتوں کی معجزانہ مطابقت جو ہمیں نظر آتی ہے قدرت نے اسے ایسی غیر متغیر صلاحیت دی ہے کہ وہ کائنات کی ساخت اور ڈیزائن کے ایک ایک عنصر کے لئے نہایت ٹھوس ثبوت بن جائے۔''

اسی حقیقت کے تسلسل میں ایک ماہرِ فلکیات پروفیسر جارج گرین سٹائن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''جب ہم پورے ثبوت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ خیال بڑی شد و مد کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ کوئی مَافَوْقُ الْفِطْرَتْ طاقت یا واحد قوت اس میں ضرور شریک ہے۔''[1]

تمام مادّی اشیاء ایٹموں کے جمع ہونے سے وجود میں آئیں ہوں گی۔ ہر ایٹم کا ایک مرکز ہوتا ہے جس میں مختلف تعداد میں پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون ہوتے ہیں۔

یقیناً اس کائنات کا بے مثل منصوبہ اور ترتیب و نظم ایک ایسے خالق کی موجودگی کو ثابت کرتا ہے جو لامحدود علم، طاقت اور دانائی رکھتا ہے اور جس نے مادے کو عدم سے وجود بخشا ہے اور جو اسے کنٹرول کرتا اور مسلسل اس کا نظام چلاتا ہے۔ یہ خالق اللہ (جل شانہ) ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان واقع ہے سب کا مالک ہے اور کائنات میں جو عظیم منصوبہ، ڈیزائن اور نظم و ترتیب جاری و ساری ہے اسے منظرِ عام پر لانے کے بعد جدید سائنس نے اس خالق کے

[1] "The SymbiotidUniverse"

besturdubooks.wordpress.com

وجود کو ثابت کر دیا ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے، جو اس کا حکمران ہے یعنی اللہ جل جلالہ۔

اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہماری توجہ تخلیقِ انسان کی جانب مبذول کراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلْكَرِيمِ ۝٦ ٱلَّذِى خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِىٓ أَىِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ ﴾[1]

ترجمہ: ''اے انسان! تجھے اپنے ربِّ کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

تجھے معتدل، کھرا اور حسنِ صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا، اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے ٹیڑھا پن ہو جاتا۔

انسانی جسم کا ہر حصہ، ہر مقام نہایت بہترین طریقے سے اپنی جگہ پر بنایا گیا ہے۔ نک سک سے آراستہ یہ تخلیق ایک نوزائیدہ بچے اور بچپن کے ایام میں زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک نوزائیدہ بچے کی کھوپڑی کی ہڈیاں بہت نرم ہوتی ہیں اور کسی حد تک ایک دوسرے پر چڑھ سکتی ہیں۔ یہ لچک رحمِ مادر سے باہر آنے والے بچے کے سر کو نقصان سے محفوظ رکھتی ہے۔ اگر کھوپڑی کی یہ ہڈیاں سخت ہوتیں اور ان میں لچک نہ ہوتی تو بچے کی پیدائش کے وقت یہ ٹوٹ سکتی تھیں جس سے بچے کے دماغ کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا، ہر نقص سے پاک اسی حالت میں انسان کے جسم میں تمام اعضاء نشوونما کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی برقرار رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر سر کی نشوونما کے دوران کھوپڑی جو دماغ کو ڈھانپ کر رکھتی ہے، اس کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ اگر کوئی کھوپڑی نسبتاً کم رفتار سے نشوونما پا رہی ہو تو دماغ اس پر دباؤ ڈال کر اسے پچک دے گا جس سے انسان کی بہت جلد موت واقع ہو جائے گی۔ یہی توازن دوسرے اعضاء کے لئے موجود ہوتا ہے جن میں دل، پھیپھڑے، سینہ، آنکھ اور آنکھ کا ساکٹ شامل ہیں۔ اگر ہم انسانی جسم کے نظاموں اور اعضاء کا مختصراً جائزہ لیں تو ہمیں یہ ایک بے نقص اور متوازن تخلیق نظر آئے گی۔[2]

''الخالق جل جلالہ'' سے صفت خلق کا واسطہ دے کر مانگئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت و رحمت اور دوسری دعائیں اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مانگی ہیں، اس میں سب سے پہلے صفتِ خلق کو ذکر فرما کر دعا مانگی ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو بار بار مانگیں، وہ دعا یہ ہے:

---

[1] الانفطار: ٦ تا ٨ [2] خلاصہ از ''اللہ کی نشانیاں'': ٧٧

besturdubooks.wordpress.com

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ..... اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ فَاغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاسْتُرْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَلَا تُضِلَّنِيْ وَاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" [1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو سب کا پیدا کرنے والا، بڑی عظمت والا ہے، تو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، بیشک تو بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، بیشک تو عظمت والے عرش کا مالک ہے۔"

"اے اللہ! تو ہی ہے، بڑا سخی اور کرم کرنے والا، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق عطا فرما اور میرے عیب چھپالے اور میری اصلاح فرما اور مجھ کو بلند فرما اور مجھ کو ہدایت نصیب فرما دے اور گمراہ نہ کر اور اے ارحم الراحمین! اپنی رحمت سے مجھ کو جنت میں داخل فرما دے۔"

اس دعا کو خود بھی یاد کریں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔

فوائد ونصائح

❶ بندہ کو چاہئے کہ اس بات پر اپنے یقین کو بڑھائے کہ "الخالق جل جلالہ" ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں۔ باقی جتنی چیزیں ہیں وہ مخلوق ہیں، کوئی چیز اس ذات کے پیدا کئے بغیر دنیا میں آ نہیں سکتی۔

❷ بندہ کو چاہئے کہ اپنے آپ میں غور کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: "اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔"

یعنی کیسا زبردست نظام والا بنایا، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں ہر چیز کیسی زبردست پیدا کی، دنیا کی ساری طاقتیں اگر مل جائیں تو کسی کو ایک ہاتھ یا پاؤں یا آنکھ نہیں پیدا کر کے دے سکتی۔ [3]

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ پیدا کرنے والا، اولاد دینے والا اور ہر جان دار میں روح ڈالنے والا وہی "الخالق البارئ جل جلالہ" ہے اُس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔ بیٹا، بیٹی سب "الخالق جل جلالہ" ہی دیتے ہیں کوئی پیر، فقیر، یا مزار پر جانے سے ہرگز ہرگز اولاد نہیں مل سکتی، لہٰذا صرف اللہ ہی سے اولاد مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے اصلاح مانگیں، اللہ ہی سے اولاد کے لئے روزگار مانگیں، ایک مرتبہ نہیں بار بار مانگیں، اس کا نام "الخالق" ہے، دینے والا وہی ہے، پیدا کرنے والا وہی ہے، کوئی کتنے بھی جادو اور بندش کروالے کہ اولاد نہ ہو، لیکن اللہ پیدا کرنا چاہیں گے تو کوئی روک نہیں

---

[1] كنز العمال: ۲/۲۹۵، رقم: ۵۱۰۸ [2] الذاريات: ۲۱ [3] المنهج للامام الجوزي: ۳۰۱، ۳۰۴

besturdubooks.wordpress.com

سکتا، اس لئے جادو اور بندش کو تڑوانے کے لئے کسی قبر یا مزار یا غلط قسم کے پیر فقیر کے پاس جانے کے بجائے "الخالق جل جلالہٗ" سے مانگیں صرف اور صرف اُسی سے مانگیں، ساری بندشوں کو وہی ختم کرنے والا ہے۔

فرعون نے بڑی کوشش کی کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوں، لیکن "الخالق جل جلالہٗ" کا فیصلہ تھا کہ پیدا ہو، تو پیدا ہوکر رہا، اسی لئے یہ نام "الخالق جل جلالہٗ" ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اولاد صرف اور صرف اللہ سے مانگیں، کسی قسم کی بندش سے خوف نہ کھائیں، آپ نے بندش کا خوف دل سے نکال دیا تو گویا فوراً ہی بندش ختم ہوگئی۔

٦ ہم سب کو "الخالق جل جلالہٗ" نے اپنی عبادت و فرماں برداری کے لئے پیدا کیا، ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ہر بھٹکے ہوئے، شرک میں مبتلا اور غیر اللہ کے دَر پر جانے والے مسلمان کو ایک اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بلائیں دعوت دیں اور سمجھائیں کہ جب انسان صرف ایک پیدا کرنے والے سے اپنا تعلق جوڑتا ہے تو وہ ساری مخلوق سے ایسے شخص کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

المصوّر جل جلالہ

(صورت بنانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ (اَلْمُصَوِّرُ): هُوَالَّذِيْ أَنْشَأَ خَلْقَهٗ عَلٰى صُوَرٍ مُّخْتَلِفَةٍ لِيَتَعَارَفُوْا بِهَا فَقَالَ: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "المصوّر جل جلالہ" وہ ذات ہے جس نے اپنی مخلوق کو مختلف صورتوں پر پیدا کیا، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:
"اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔"[2]

مراد یہ ہے کہ ہر ہر مخلوق کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل وصورت عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز اور پہچانی جاتی ہے، دنیا کی عام آسمانی و زمینی مخلوقات خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں، پھر ان میں انواع واصناف کی تقسیم اور ہر نوع وصنف کی جداگانہ ممتاز شکل وصورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد وعورت کی شکل و صورت کا فرق، پھر سب مردوں اور سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے اختلاف کہ اربوں، کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ امتیاز نہ ہو سکے۔

یہ کمالِ قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہٗ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریائی صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہے، اسی طرح (جان داروں کی) تصویر سازی بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، کیوں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعویٰ ہے۔[3]

اسی کو سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[4]

ترجمہ: وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، اِس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔"

---

[1] النهج الاسمى ١٦٨/١ [2] الغافر: ٦٤ [3] معارف القرآن: ٣٩٣/٨ [4] آل عمران: ٦

besturdubooks.wordpress.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے کا بیان ہے کہ اس نے انسان کو بطنِ مادر کی تین اندھیریوں میں کس حکمتِ بالغہ کے ساتھ بنایا اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں وہ صنعت کاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں ایک کی صورت دوسرے سے ایسی نہیں ملتی کہ امتیاز نہ رہے، اس علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کا عقلی تقاضہ یہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے۔ اور دعا صرف کسی سے مانگی جائے اس کے سوا سب کے سب علم و قدرت میں یہ مقام نہیں رکھتے، اس لئے وہ لائقِ عبادت نہیں۔[۱]

اسی ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کی قدرت کو سورۂ زمر میں اس طرح فرمایا:

﴿ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ﴾[۲]

تَرجَمَہ: ''وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے، تین تین اندھیریوں میں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق کمالِ قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا۔ مذکر، مؤنث، خوب صورت، بدصورت جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا، ایک پانی کے قطرے کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت وصفت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے؟[۳]

اس آیت میں قدرتِ خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشان دہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکمِ مادر میں بیک وقت پیدا کر دیتے، مگر یہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں، بل کہ ﴿ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ ﴾ تدریج اختیار کی کہ جس عورت کے پیٹ میں عالم اصغر بن رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔

دوم: اس بے نظیر، حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کے برابر رگیں، خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں، بل کہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ ﴿ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴾[۴]

پھر غور کریں کہ پیدا ہونے والے جان دار کے ماں باپ کے دل میں اس کی محبت ڈال دی، کوے کو اپنا کالا بچہ ہی بھلا لگتا ہے اور کبھی کبوتر کو اپنے رنگ کا بچہ اچھا لگتا ہے، اسے سفید رنگ والے اچھے نہیں لگتے۔

واقعۂ نمبر ⑲: کہتے ہیں کہ پیرس میں ایک مرتبہ حسین بچوں کا مقابلہ ہوا۔ دنیا کے بہت سے ماں باپ اپنے اپنے حسین بچوں کو لائے، اس میں ایک سیاہ فام عورت بھی اپنے بچے کو لے کر آئی، جب مقابلہ شروع ہوا تو اس حبشن ماں نے بھی اپنے بچے کو پیش کیا۔

---

[۱] معارف القرآن: ۱۷/۲ [۲] الزمر: ٦ [۳] تفسير عثماني: ٦٣ حاشيه ۷ [۴] معارف القرآن: ۵۳۸/۷، المؤمنون: ۱٤

besturdubooks.wordpress.com

جب جج صاحبان مقابلے کے اختتام پر نتیجہ پیش کرنے بیٹھے تو لوگوں کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ اوّل نمبر پر جیتنے والی یہی حبشن ماں تھی کہ پانچ ججوں نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ آج ان موجود بچوں میں سب سے زیادہ حسن میں پہلا نمبر پانے والا یہ سیاہ فام بچہ ہے، اس لئے کہ اس کی ماں اس کو دنیا کے حسین بچوں میں شمار کرتی ہے۔

اسم مبارک ''المصوّر جل جلالہٗ'' قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾[1]

انسان اَحسنِ تقویم میں پیدا کیا گیا ہے

حضرت انسان کو جو احسنِ تقویم میں پیدا کیا گیا اور اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات بنایا گیا، یہ سب انعامات صرف اُسی وقت ہیں جب وہ حق تعالیٰ کی اطاعت اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طریقوں پر چلے، اور جب یہ انسان حق بات کے سمجھنے اور ماننے سے اعراض کرتا ہے تو یہ سارے انعامات اس سے سلب ہو جاتے ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تفسیرِ روح البیان میں ہے کہ انسان اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے سب جانوروں سے افضل و اعلیٰ ہے اور فرشتوں سے کم درجہ رکھتا ہے، لیکن جب وہ اپنے سعی و عمل اور اطاعتِ حق میں جدوجہد کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہے، اور اگر اس نے اطاعتِ حق میں روگردانی کی تو پھر وہ ''اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ'' میں جاتا ہے اور جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور بدنی ساخت کے اعتبار سے بھی، اس کے سر میں اعضاء کیسے کیسے عجیب کام کر رہے ہیں کہ ایک مستقل فیکٹری معلوم ہوتی ہے جس میں بہت سی نازک باریک خودکار مشینیں کام کر رہی ہیں۔ یہی حال اس کے سینے اور پیٹ کا ہے، اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں کی ترکیب و ہیئت ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے۔

اسی لئے فلاسفر نے کہا ہے کہ انسان ایک عالمِ اصغر یعنی پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔ سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اس کے وجود میں جمع ہیں۔ صوفیائے کرام نے بھی اس کی تائید کی اور بعض حضرات نے انسان کے سر سے پیر تک کا سراپا لے کر اشیائے عالم کے نمونے اس میں دکھلائے ہیں۔[2]

المصوّر جل جلالہٗ کی کاری گری

پہاڑوں کے قدرتی مناظر......... آبشاریں......... اور جھیلیں......... کس قدر حسن و رعنائی سے بھری ہوئی ہیں

---

[1] الحشر: ۲۴ [2] معارف القرآن: ۷۷۶/۸

besturdubooks.wordpress.com

کیسے کیسے خوب صورت پھول.......... اس کی مختلف پتیوں میں مختلف رنگ.......... اس کی پنکھڑیوں کی عجیب مساویانہ طور سے کٹنگ، بعض جگہ پہاڑوں پر اس طرح کئی چھوٹے چھوٹے درخت لگے ہوئے ہیں گویا سبز رنگ کا قالین حدِ نظر تک بچھا ہوا ہے اور پہاڑوں کے شگافوں میں گویا کچی چاندی بھری ہوئی ہے، پھر پہاڑوں پر برف کی صاف شفاف چھتیں اس "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تصویر کشی کا ایک خوب صورت نمونہ پیش کرتی ہیں۔

پتھروں، پودوں، پھولوں، تتلیوں اور جانوروں پر طرح طرح کے نقش و نگار بنا دیئے ہیں اور بڑے مناسب رنگ بھرے ہیں۔ اس قادرِ مطلق کی حکمتِ عجیبہ کو غور سے دیکھئے اور کہئے: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1]

آڑو کو دیکھئے کہ رنگوں کی کیسی آمیزش ہے، جنگلی کبوتروں کو دیکھئے بظاہر کالے سے ہیں، مگر فیروزی رنگ بھی جھلکتا ہے، ہر جگہ کاری گری میں تناسب کا خیال ہے۔

غور کیجئے کہ اگر ہاتھی کی آنکھیں اس کے جسم کے مطابق ہوتیں تو کوئی بھی دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا اور وہ کتنا برا اور ڈراونا دکھائی دیتا۔ اونٹ کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں، مگر اس کے باوجود بھی وہ کتنا اچھا دِکھتا ہے۔

تتلیوں اور دیگر پرندوں کے پروں اور حیوانوں کی کھالوں پر بھی "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنی قدرت دکھائی ہے۔ ایک ہی پر کہیں سے زرد، کہیں سے سرخ اور کہیں سے سبز ہے، پھر یہ سب مل کر ایک خوش نما نمونہ پیش کرتے ہیں، پھر ان رنگوں کی حفاظت کے لئے ان پر ایسا قدرتی وارنش یا کیمیکل لگا ہوا ہے جو ان کے رنگوں کی حفاظت کرتا ہے، لال بیگ یا دوسرے کیڑے مکوڑے گندگی، نمی اور گندے پانی میں پلتے بڑھتے ہیں، مگر ان کا رنگ خراب نہیں ہوتا۔[2]

جب ہم تتلیوں کے پروں پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں ایک نہایت خوب صورت تناسب دکھائی دیتا ہے۔ یہ پر جو گوٹے کناری کے بنے ہوئے لگتے ہیں انہیں دستِ قدرت نے دل کش نمونوں، نقطوں اور رنگوں سے اس طرح مزین کیا ہوا ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فن کا نادر نمونہ نظر آتا ہے اور ایک بے نقص ترتیب و تناسب کا احساس ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اور قدرت کی کاری گری زرّافہ میں دیکھئے کہ دوسرے جانوروں کی مانند ایک نہایت جامع اور خوب صورت ڈیزائن کیا گیا جانور ہے اور اس کا دماغ اس کی لمبی گردن کے سب سے اوپر والے سرے پر ہوتا ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خون کو اس قدر اونچائی تک پہنچانے اور پمپ کرنے میں کتنی دقت پیش آسکتی تھی، لیکن زرّافہ کی زندگی اپنی اس ساخت میں بھی آسانی سے گزر رہی ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب وہ پانی پینے کے لئے جھکتا ہے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ دماغ کی طرف خون کا زیادہ بہاؤ ہو جاتا اور موت کا اندیشہ بھی ہوسکتا تھا، لیکن قدرت نے اس کی گردن میں ایسا جامع نظام ترتیب دیا ہے کہ جب یہ جھکتا ہے تو اس کی گردن کے صمام (Valves) بند ہو جاتے ہیں جس سے خون کا اضافی بہاؤ رک جاتا ہے۔[3]

---

[1] المؤمنون: ١٤ [2] شرح اسماء الحسنٰی للازھری: ٤٢٧ بتصرف [3] اللہ کی نشانیاں: ۴۵

besturdubooks.wordpress.com

خوب جان لیجئے کہ زرّافہ کے یہ تمام خدوخال تدریجی یا ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں، نہ اس کی کسی کوشش کا حصول ہے، بل کہ وہ خود بلا تردید یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ نیت و ارادے کے ساتھ اسی ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی کاری گری و تصویر کشی ہے۔

صورتوں کے خزانے

اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی قدرت پر غور کیجئے آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے لے کر اب تک جو انسان آئے ہیں ان کی شکلیں صورتیں مختلف، اس کے خزانوں میں کتنی صورتیں ہیں جواب تک ختم نہیں ہوئیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں۔''

سب کی شکل و صورت مختلف، یہاں تک کہ انگلیاں اور ان کی لکیریں، انگوٹھا وغیرہ سب مختلف، اسی طرح آنکھ...... ابرو...... بھویں...... گال...... تل...... ناک...... اور اس کا ابھار، کان...... ہونٹ...... دانت...... ٹھوڑی...... ایک جیسی نہیں بنائی، بل کہ انواع و اقسام کی بنائی کہ اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی کمالِ قدرت پر دلالت ہو اور ''کَیْفَ یَشَآءُ'' کا مظہر ہو کہ جس طرح اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہتا ہے اس طرح بنا دیتا ہے، مخلوق کی چاہت پر نہیں۔

بادشاہ یہ چاہے کہ میرے بیٹے کی ناک اس طرح ہو، آنکھیں اس طرح ہوں، رنگ اس طرح ہو، تو نہیں، بل کہ جس طرح اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہے گا اس طرح بنائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے فیصلے پر غالب ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ فرق و امتیاز رہے، ورنہ روز یہ جھگڑا رہتا کہ اگر ایک ماں کے سات بیٹے ہیں تو ساتوں کو پہچاننا مشکل ہوتا، ماں کوئی سبزی منگواتی تو ہر بیٹے سے پوچھتی رہتی تم سے کہا تھا؟ تم سے کہا تھا؟......

اور اگر کسی نے کسی بھائی کو قرض دیا تو وہ کیسے مانگ سکے گا، یا ایسا ہوتا کہ جس بھائی کو قرض دیا تھا، اس کے بارہ کان تھے، اب کوئی بھائی آئے گا تو پہلے کان گنے گا کہ کتنے کان والا یہ شخص ہے، پھر اس سے معاملہ ہوتا۔

تعلیمی اداروں میں بھی اگر کبھی کوئی دو ملازم یا دو طالب علم جڑواں بھائی، بہنیں داخل ہو جائیں تو وہاں کے بڑے سے بڑے پڑھے لکھے اور ذہین سے ذہین ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل کو بھی اکثر شبہ لگ جاتا ہے کہ تم عدنان ہو یا فوزان، فیصل ہو یا سہیل، تم محمد ہو یا حماد، تم حفصہ ہو یا رُقیہ، ہر مدعی اپنا حق جتاتا اور دوسرا انکار کرتا، بالآخر لڑ جھگڑ کر ہر ایک اپنی اپنی ملکیت پر امتیازی نشانات لگاتا، مخصوص علامات مقرر کرتا، لیکن قربان جایئے کہ ''اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اپنے کارخانہ صورت

---

[1] الحجر: ۲۱

besturdubooks.wordpress.com

گری میں تصاویر پر علامتی نشانات بھی متعین کر دیئے کہ جنگ وجدل کا باب بند ہو جائے۔

شروع دنیا سے آج تک کتنے بے شمار آدمی پیدا ہوئے، مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے کہ جن کا لب ولہجہ، تلفظ و طرزِ تکلم، شکل وصورت اور رنگت وغیرہ بالکل یکساں ہو۔ کوئی دو شخص ایسے بھی نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ وروپ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانے میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا، (نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی)۔ حقیقت میں یہ کتنی بڑی نشانی حق تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ کی ہے۔[1]

اسی کو حق تعالیٰ شانہ بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے۔ دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔

یعنی آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے لوگوں کے رنگوں میں امتیاز ہونا کہ بعض سفید ہیں، بعض سیاہ، بعض سرخ، بعض زرد۔ اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے۔

زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے۔ عربی...... فارسی...... ہندی...... ترکی...... انگریزی...... وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں، جو مختلف خطوں میں رائج ہیں اور ایک دوسرے سے بعض تو ایسی مختلف ہیں کہ کوئی باہمی ربط و مناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی اور ان زبانوں کے اختلاف میں لب ولہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرتِ حق نے ہر فردِ انسان، مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد سے، ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے، حالاں کہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، تالو اور حلق سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔

اسی طرح رنگوں کا اختلاف ہے کہ ایک ہی ماں باپ سے ایک ہی قسم کے حالات میں دو بچے مختلف رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔[3]

اعتدالِ اعضاء میں المصور جل جلالہ کا حسنِ سلیقہ

"المصور جل جلالہ" نے کس طرح اپنی مخلوق کو اعتدال، حکمت اور خوب صورتی سے پیدا کیا ہے چند مثالوں سے

---

[1] تفسیر عثمانی: ۵۴۱، آیت ۲۲، حاشیہ: ۲ [2] الروم: ۲۲ [3] معارف القرآن: ۷۳۶/۶

besturdubooks.wordpress.com

سمجھیے:

❶ جانور اپنے کان صاف نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے ان کے کانوں پر بے شمار بال اگا دیئے ہیں جو گرد وغبار کو اندر جانے نہیں دیتے اور کیڑے مکوڑوں کو داخل نہیں ہونے دیتے۔

❷ مرغیوں، بطخوں اور پرندوں کے کانوں کو بالکل ہی بند کر دیا ہے کہ گرد وغبار وغیرہ سے محفوظ رہیں، کانوں کے اندر ایسی رطوبت رکھ دی ہے کہ کیڑے اس کی تلخی سے اندر گھسنے سے باز رہتے ہیں، اس طرح اس نے سماعت کے عضو کی حفاظت کا پورا پورا سامان پیدا کر دیا ہے، ورنہ انسان اور حیوان بڑے جلدی بہرے ہو جایا کرتے۔

❸ اس نے سات پردوں سے آنکھوں کے نور کی حفاظت کی ہے۔ آنکھ جو جسم کا سب سے نازک عضو ہے، اسے ایک گڑھے میں جڑ دیا ہے، اس کے اوپر ایک قوس اور ناک کی ہڈی قائم کر دی ہے۔ پلکیں اور پپوٹے اتنے حساس بنائے ہیں کہ ذرا غیر چیز سامنے آئی اور وہ بند ہوئے۔ شکار کئے جانے والے جانور کی آنکھیں ذرا اور زیادہ گڑھے میں رکھی ہیں کہ شکاری انہیں گزند نہ پہنچا سکے، دماغ میں ایک بجلی گھر بنا دیا ہے جو ہر وقت بیٹری پیدا کرتا رہتا ہے۔

❹ ناک کے سوراخ کو کج مج بنایا ہے اور گرد وغبار سے حفاظت کے لئے اس کے اندر بال پیدا کر دیئے ہیں، تاکہ ہوا فلٹر ہو کر اندر جائے اور انسان وحیوان نزلہ وزکام سے محفوظ رہیں۔ پھر ایک ایسی رطوبت پیدا کر دی ہے کہ کیڑے مکوڑے اندر نہ جا سکیں۔

❺ اس طرح اس محسن ''المصوّر جل جلالہ'' نے قوتِ شامہ (سونگھنے کی حس) کی پوری پوری حفاظت کی ہے۔

❻ حلق میں کھڑکیاں لگا دی ہیں کہ کھانے پینے کی چیز اپنی راہ لے اور سانس اپنی راہ پر چلے۔

❼ حلق کے سوراخ کی طرح اس نے معدے کو بھی ٹیڑھا میڑھا بنایا ہے، تاکہ غذا اس میں محفوظ رہے اور آسانی سے باہر نہ نکل سکے۔[1]

اسی کو حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ''آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اللہ ربُّ العزت کی پیدا کردہ مخلوق میں ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابروئیں، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے ساتھ مکمل طور پر مشابہ نہیں، بل کہ یہ لازمی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے صفات میں یا انداز میں یا بات کرنے میں کچھ مختلف ہو۔ یہ اختلاف یا تو ظاہری ہوگا یا مخفی ہوگا جو غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ ان میں سے ہر چہرے کا اپنا انداز اور ہیئت ہے جو دوسرے سے نہیں ملتا۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مشابہہ پائے جائیں تو بھی اچھی طرح غور کرنے سے ان میں بھی آپس میں ضرور کوئی نہ کوئی فرق پایا جائے گا۔ کوئی جماعت کسی اچھی یا بری صفت میں آپس میں متفق ہو جائے تو یہ بات لازمی ہے کہ ان میں ایک دوسرے کے درمیان فرق

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للازھری: ۴۲۹

besturdubooks.wordpress.com

کرنے والی کوئی علامت ہوگی۔" [1]

اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی صفتِ مصوری

"اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کا ایک اور نمونہ دیکھئے کہ ہر مصور تصویر بنانے میں دیوار یا پردہ، لکڑی، کینوس، رنگ و روغن، برش یا قلم اور روشنی اور کیمرے کا محتاج ہے۔ کوئی مصور اندھیرے میں تصویر نہیں بنا سکتا یا پانی پر صورت گری اور نقش و نگار نہیں بنا سکتا۔

مگر مصورِ حقیقی نے تین اندھیریوں میں انسان کی صورت بنائی ہے اور کمال ہے کہ پانی پر بنائی ہے کہ وہاں دیوار ہے نہ پردہ، نہ لکڑی نہ کینوس، نہ رنگ و روغن، نہ برش نہ قلم، نہ روشنی نہ آج کل کے جدید کیمرے۔ [2]

اسی بات کو "سُوْرَۃُ التَّغَابُنْ" کی آیت نمبر ۳ میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ:

(اس نے تمہاری صورت بنائی پھر تمہاری صورتوں کو بہتر بنایا) صورت گری درحقیقت خالقِ کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماءِ الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" آیا ہے۔

غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناسِ مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواعِ مختلفہ، ہر نوع میں اصنافِ مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افرادِ مختلفہ پائے جاتے ہیں۔ ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوعِ انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل و صورت میں کھیے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت و صورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آیت مذکورہ میں ایک نعمت "صورت گری" ہے اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ یعنی شکلِ انسانی کو ہم نے تمام کائنات و مخلوقات کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے۔ کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بدصورت، بدشکل سمجھا جاتا ہو، مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے۔ [3]

حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، خصوصاً انسانی چہرہ جو چند انچ مربع سے زائد نہیں، اس کے اندر قدرتِ حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا

---

[1] "مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ كُلٌّ لَهٗ عَيْنَانِ وَحَاجِبَانِ وَأَنْفٌ وَجَبِيْنٌ وَفَمٌ وَخَدَّانِ وَلَيْسَ يُشْبِهُ وَاحِدٌ مِنْهُمُ الْآخَرَ بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُفَارِقَهٗ شَيْءٌ مِّنَ السِّمْتِ...... أَوِالْهَيْئَةِ...... أَوِالْكَلَامِ...... ظَاهِرًا كَانَ أَوْخَفِيًّا عِنْدَ التَّأَمُّلِ كُلُّ وَجْهٍ مِّنْهُمْ أُسْلُوْبٌ بِذَاتِهٖ وَهَيْئَةٌ لَا تَشْبَهُ أُخْرٰى، وَلَوْ تَوَافَقَ جَمَاعَةٌ فِيْ صِفَةٍ مِّنْ جَمَالٍ أَوْ قُبْحٍ لَابُدَّ مِنْ فَارِقٍ بَيْنَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ وَ بَيْنَ الْآخَرِ."

(تفسیر ابن کثیر: ۵۱/۳، الروم: ۲۲)

[2] شرح اسماء حسنیٰ للازھری: ۴۲۹　　[3] معارف القرآن: ۴۶۴/۸، التغابن: ۳

besturdubooks.wordpress.com

نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔

انسان کے جو انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں اُن کے اوپر جو نقش ونگار، خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔ صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم وجدید ہر زمانے میں انگوٹھے کے نشان کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں، بل کہ ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔[1]

ہمیں اپنی باطنی صورت کو درست کرنا ہوگا

انسان نے اپنے من کو چھوڑ کر اپنے تن کو محنت کا میدان بنالیا ہے۔ آج ہمیں جتنی فکر اپنے ظاہر کی ہے اس سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر ہونی چاہیے۔ ہمارے چہرے پر ذرا سی کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو ہم لوگوں میں جانا پسند نہیں کرتے، لیکن دل پر میل چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پروا ہی نہیں ہوتی کہ وہ ''جل جلالہ'' ہمیں کیا کہے گا۔ جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے اس چہرے کو سنوارنے کے لئے ہم دن میں کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے ہیں اور جس چہرے کو اس ''جل جلالہ'' نے دیکھنا ہوتا ہے اس کو آئینے میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھتے۔ ؎

منہ دیکھ لیا آئینے میں داغ نہ دیکھے سینے میں   جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلمان بھول گئے

ہمیں دل کے آئینے کو چمکانے کی ضرورت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو اور شکل وصورت کو نہیں دیکھتے، بل کہ وہ تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔[2] اس لئے وہ چہرہ جو دنیا دیکھتی ہے اس کو دن میں اگر کئی مرتبہ دیکھتے ہیں تو جس چہرے کو ہمارا پروردگار دیکھتا ہے۔ ہم اس چہرے کو بھی اپنے ضمیر کے آئینے میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر دیکھا کریں کہ یہ انسانوں والا چہرہ ہے یا حیوانوں والا۔

اسلام میں جان دار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت

پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائی گئیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لئے رکھا گیا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہو جائے گی، مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ان ہی تصویروں کو اپنا معبود بنالیا اور بت پرستی شروع ہوگئی۔

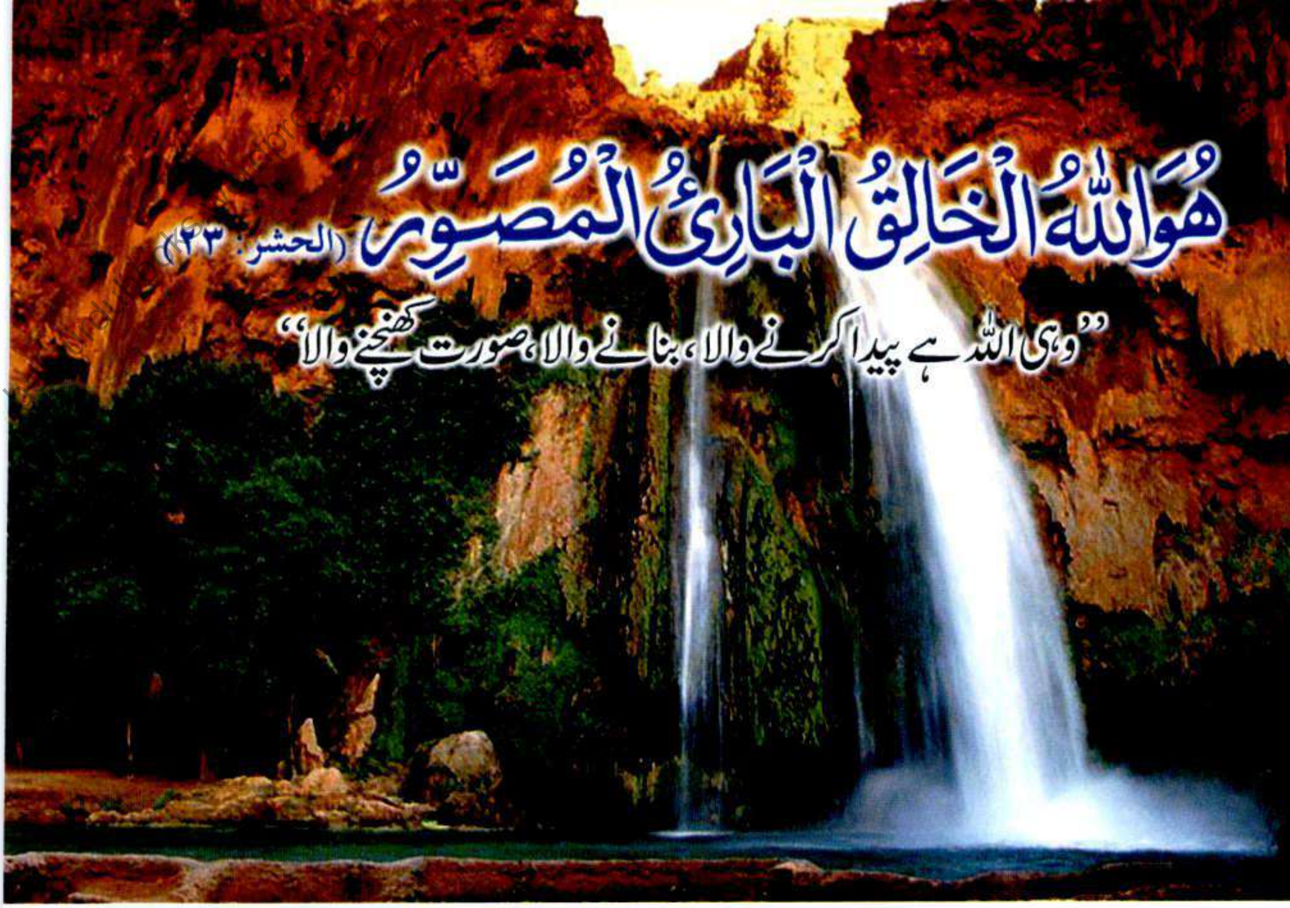
خلاصہ یہ ہوا کہ پچھلی اُمتوں میں جان داروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعتِ اسلام کے لئے چوں کہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیرِ الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام

---

[1] معارف القرآن: ۶۲٤/۸   [2] مسلم، کتاب البرّ، تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره: ۳۱۷/۲

المصوّر

bestudybooks.wordpress.com


هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر: ۲۳)
''وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت کھینچنے والا''


besturdubooks.wordpress.com

چیزوں اور معاصی کو حرام وممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسبابِ قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرمِ عظیم شرک وبت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسبابِ قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔

ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بناء پر حرام کیا گیا، رسول ﷺ کی صحیح احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید وفروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری، اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا، بل کہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زِنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعتِ اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیثِ صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے۔ جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت واطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ ”خانہ خالی را دیومی گیرد“ یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں۔ جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی ضرورت سے زائد زینت ہیں۔ اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی ان ہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعتِ اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جان دار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانونِ شرعی نہیں بدل سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔“[1]

یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

بعض روایاتِ حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ۔“[2] ”ہر مصور جہنم میں

---

[1] مسلم: كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۲/۲۰۱

[2] مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۲/۲۰۲

besturdubooks.wordpress.com

جائے گا۔‘‘ [1]

فوائد ونصائح

❶ جس طرح حقیقی ’’اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ وہ ہے، اسی طرح اس نے انسانوں کو بھی تصویر بنانے کا اختیار دیا ہے، لیکن ہمارے امتحان کے لئے کچھ تصویروں (بے جان چیزوں کی) کے بنانے کی ہمیں اجازت دی ہے اور کچھ تصویروں (جان دار چیزوں کی) کے بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بغیر چوں وچرا کے ہم اس کی باتوں کو مان لیں اور سمجھ آئے یا نہ آئے ایک فرماں بردار غلام بندے کی طرح اس کا حکم ہمیں ماننا چاہئے۔ لہٰذا جان دار کی تصویر بنانے سے، ان کو گھروں میں رکھنے سے اور ایسی مجالس جہاں یہ تصویریں کھینچی جارہی ہوں وہاں جانے سے منع کیا ہے۔ اور یہ سب گناہ اور حرام ہیں اور ہمیں اس سے بچنا چاہئے۔ ؎

مزہ تصویر کا اس وقت آئے گا مصور کو کہے گا اُس سے جب خالق کہ اس میں جان پیدا کر

❷ عورتوں کے لئے یہ کتنی شرم اور غیرت کی بات ہے کہ وہ کسی بیاہ شادی میں جائیں اور وہاں ویڈیو بن رہی ہو یا فوٹو کھینچے جارہے ہوں۔ پھر وہ وہاں اس طرح رہتی ہیں جس طرح اپنے گھر میں رہتی ہیں۔ اب ان کی ساری حرکتیں یہ ویڈیو کیمرہ محفوظ کر رہا ہے، پھر یہ فلم چاہے کتنے ہی نامحرم مرد دیکھیں اور اس کی تصویر سے نامحرم مرد ناجائز لذت حاصل کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی عورت کا انتقال بھی ہو جاتا ہے اور لوگ اس فلم میں محفوظ منظر سے ناجائز لذت اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس بدنصیب کا گناہ اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ ’’اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظُ.‘‘

❸ ہر مسلمان بھائی، بہن کو ان گناہوں کی مجالس میں شرکت سے بچنا چاہئے، جہاں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ ہرگز وہاں نہیں جانا چاہئے اور رشتہ دار دوست احباب سے ہرگز ڈرنا نہیں چاہئے، بل کہ یہ کہہ دیں کہ اگر آپ میرے مالک کو ناراض کرو گے تو میں اس شادی میں یا تقریب میں نہیں آسکتی/نہیں آسکتا۔ میں آپ لوگوں کو راضی کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرسکتا/نہیں کرسکتی۔

اس پر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ خاندان والے یا وہ عزیز اور دوست روٹھ جائیں گے۔ حضرت حکیم الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

’’کبھی تم بھی تو روٹھو، تم بھی کہو کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا خیال نہیں تو مجھے بھی آپ کی ناراضگی کا ڈر نہیں۔‘‘

---

[1] اس مسئلے کے متعلق روایاتِ حدیث اور تعاملِ سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے رسالہ ’’اَلتَّصْوِیْر لِاَحْکَامِ التَّصْوِیْر‘‘ میں جمع کر دیئے ہیں اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (معارف القرآن: ۷/۲۶۹)

besturdubooks.wordpress.com

۴ جس بندہ کا تعلق "المُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے ہو جائے تو وہ اس بات کو بھی سوچتا ہے کہ تمام چرند، پرند، حیوانات اور انسانوں کو کیسی خوب صورت صورتیں عطا کیں اور ہر ایک کی شکل دوسرے سے مختلف ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی اس لئے کہ مخلوق نے جب بھی تصویریں بنائیں تو شیطان نے ان کو ان کی پوجا پر لگا دیا اور اس طرح لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ہمیں جان داروں کی تصویریں بنانے اور گھروں میں رکھنے سے بالکل بچنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور ناراضگی سے بچا جا سکے۔

besturdubooks.wordpress.com

الغفار جل جلالہ الغفور جل جلالہ

(گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "فَالْغَفَّارُ: اَلسَّتَّارُ لِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ وَالْمُسْدِلُ عَلَيْهِمْ ثَوْبَ عِطْفِهٖ وَرَأْفَتِهٖ."[۱]

تَرْجَمَۃ: "امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپانے والی ہے اور ان پر مہربانی اور شفقت کا پردہ ڈالنے والی ہے۔"[۲]

❷ اَلْغَفَّارُ الَّذِيْ يَسْتُرُ الْعُيُوْبَ وَالذُّنُوْبَ فِي الدُّنْيَا بِإِسْبَالِ السِّتْرِ عَلَيْهَا وَفِي الْعُقْبٰى بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ وَالْمُعَاقَبَةِ لَهَا.[۳]

تَرْجَمَۃ: "ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفار جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی کمزوریوں اور گناہوں پر دنیا میں تو پردہ ڈالے رکھتی ہے اور آخرت میں ان کو سزا دینے سے بھی درگزر فرماتی ہے۔

❸ اَلْغَفُوْرُ: "وَهُوَ الَّذِيْ يَكْثُرُ مِنْهُ السِّتْرُ عَلَى الْمُذْنِبِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ، وَيَزِيْدُ عَفْوُهٗ عَلٰى مُؤَاخَذَتِهٖ."[۴]

تَرْجَمَۃ: "امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الغفور جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں کی بہت زیادہ پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کی معافی اس کی پکڑ سے بھی زیادہ ہے۔"

❹ "اَلْغَفُوْرُ: أَيْ كَثِيْرُ الْمَغْفِرَةِ وَهِيَ صِيَانَةُ الْعَبْدِ عَمَّا يَسْتَحِقُّهٗ مِنَ الْعِقَابِ بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ذُنُوْبِهٖ"[۵]

تَرْجَمَۃ: "الغفور جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بہت زیادہ بخشنے والی ہے اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے گناہوں سے درگزر فرما کر اس کو اس عذاب سے بچالیں، جس کا وہ مستحق ہو چکا تھا۔"

"حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْعَفُوُّ، اَلْغَفُوْرُ اور اَلْغَفَّارُ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے معاف کرنے والی صفت سے جانی جاتی ہے اور وہ بخشنے اور اپنے بندوں سے درگزر کرنے کی صفت سے متصف ہے۔ ہر

---

[۱] شان الدعاء: ۵۲

[۲] "الغفار" کے لغوی معنیٰ "اَلتَّغْطِيَةُ وَالسِّتْرُ" ڈھانپنے اور پردہ ڈالنے کے ہیں۔" (النهج الأسمٰى: ۱۷۵/۱)

[۳] مرقاۃ: باب شرح اسماء اللّٰه الحسنیٰ: ۷۹/۵　[۴] المنہاج: ۱۰۲/۱　[۵] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰه الحسنیٰ: ۸۴/۵

besturdubooks.wordpress.com

کوئی اس کی معافی اور بخشش کا محتاج ہے جیسا کہ اس کی رحمت اور احسان کا محتاج ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بخشش اور معافی کا اس شخص سے وعدہ کرلیا ہے جو بخشش کے اسباب پورے کرے'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہِ راست پر بھی رہے۔''[1]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''اس اسم میں آپ کے لئے سبق یہ ہے کہ: آپ اس بات کا یقین کرلیں کہ گناہوں کو بخشنے والی صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالیں، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں اور اپنے گناہوں پر استغفار کریں، خصوصاً تہجد کے وقت میں۔''[2]

اللہ تعالیٰ کا نام ''اَلْغَفَّارُ'' اس لئے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔ چھپا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ گندی، قابلِ نفرت چیز پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اللہ پاک ہماری آلودگیوں کو اپنی بخشش و بخشائش سے دور فرما دیتے ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت کو قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[4]

تَرْجَمَہ: ''اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے (یعنی گناہ کرے) پھر وہ اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا۔''

علامہ قشیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اگر ایک شخص نے اپنی عمر گمراہیوں میں گزار دی اور اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں گزار دی اور اپنی جوانی کو باطل چیزوں میں ضائع کردیا، پھر موت سے قبل اسے اپنے کئے پر ندامت ہوگئی، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ان گناہوں کی معافی مل سکتی ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ۹۱ مرتبہ اپنے لئے اسمِ مبارک ''اَلْغَفُوْرُ'' کا استعمال کیا ہے اور اسمِ مبارک ''اَلْغَفَّارُ'' قرآن کریم میں ۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:[6]

❶ ﴿اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾[7]

---

[1] ''اَلَّذِيْ لَمْ يَزَلْ وَلَايَزَالُ بِالْعَفْوِ مَعْرُوْفًا، وَبِالْغُفْرَانِ والصَّفْحِ عَنْ عِبَادِهٖ مَوْصُوْفًا، كُلُّ أَحَدٍ مُضْطَرٌّ إِلٰى عَفْوِهٖ وَمَغْفِرَتِهٖ، كَمَا هُوَ مُضْطَرٌّ إِلٰى رَحْمَتِهٖ وَكَرَمِهٖ، وَقَدْ وَعَدَ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْعَفْوِ لِمَنْ أَتٰى بِأَسْبَابِهَا، قَالَ تَعَالٰى ''وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى'' (طٰهٰ: ٨٢) (تيسير الكريم: ٥/٣٠٠)

[2] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالٰى: ٥/٧٩　[3] شرح اسماء الحسنٰى للمنصورپوری: ٦٦　[4] النساء: ١١٠

[5] مرقاة، كتاب اسماء الله تعالٰى: ٥/٧٩　[6] النهج الأسمٰى: ١/١٧٥　[7] الزمر: ٥

besturdubooks.wordpress.com

۲ ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾[1]

۳ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ﴾[2]

بعض صالحین فرماتے ہیں: وہ ''الغفار'' ہے، اس معنی میں کہ وہ بندے کی سچی توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور اپنے دفتروں سے اُن کے نشانات مٹادیتا ہے۔

اور وہ ''الغفور'' ہے، اس معنی میں کہ وہ ملائکہ کو بھی تمہارے کئے ہوئے برے افعال بھلا دیتا ہے۔

اور ''الغفار'' ہے، اس معنی میں کہ تمہاری سچی توبہ کے بعد خود تم کو وہ گناہ بھلا دیتا ہے، گویا کہ تم نے وہ گناہ کیا ہی نہیں۔

غیبت کرنے والا، عیب جوئی کرنے والا، دل میں کینہ رکھنے والا اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا یہ سب اس مبارک وصف سے محروم ہیں۔ اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوقِ خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے نقص بھی، خرابی بھی ہے خوبی بھی۔

جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے، وہ اس اسم سے پورا بہرہ مند ہے، جیسا کہ روایت ہے: ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی، لوگوں نے کہا: یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے، جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے وصف کا ذکر کرنا چاہئے۔[3]

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: جب کوئی بندہ گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھ سے بڑے گناہ ہوگئے...... آپ مجھ کو معاف کردیجئے...... قبر میں کیا منہ لے کر جاؤں گا...... قیامت کے دن آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا...... تو اس کا یہ گڑگڑانا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اُس کے گڑگڑانے کی اس آواز کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی سُبْحَانَ اللّٰه، سُبْحَانَ اللّٰه کی تسبیحات سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اب حدیث قدسی کے الفاظ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

''لَأَنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِيْنَ.''[4]

تَرجَمَہ: ''گناہ گاروں کا رونا، آہ و بکاء کرنا، گڑگڑانا، مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی سُبْحَانَ اللّٰه، سُبْحَانَ اللّٰه کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔''

اسی طرح اہلِ جنت کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں اَوَّابٌ ہوتے ہیں۔ اَوَّابٌ کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین کرام لکھتے ہیں:

اَوَّابٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی معافی چاہے، اسی

---

[1] النوح: ۱۰ [2] الغافر: ۳ [3] مجموعہ رسائل: ۲۹۰ (امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ) [4] روح المعانی: ۱۵/۳۵۱ القدر

besturdubooks.wordpress.com

طرح بعض حضرات یہ فرماتے ہیں: اَوَّابْ وہ ہے کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر لے، پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کر لے۔[1]

توحید کی وجہ سے سارے گناہوں کی معافی

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اے آدم کے بیٹے! اگر تو مجھ سے دنیا بھر کے گناہ ساتھ لے کر ملے، مگر تو نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، تو میں دنیا بھر کی بخشش کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔''[2]

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یعنی دنیا میں بڑے بڑے گناہ گار گزرے ہیں، جن میں فرعون وہامان وغیرہ تھے اور شیطان بھی اس دنیا میں ہے۔ ان تمام گناہ گاروں سے دنیا میں جس قدر گناہ ہوئے اور قیامت تک ہوں گے...... اگر بفرضِ محال ایک شخص کر گزرے، لیکن شرک سے پاک ہو...... تو جس قدر اس کے گناہ ہیں، اسی قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ومغفرت اس پر نازل ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ توحید کی برکت سے (توبہ کے بعد یا گناہوں کی سزا پانے کے بعد) سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، جس طرح شرک کی نحوست سے سارے اچھے عمل غارت کر دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان شرک سے ہر طرح پاک وصاف ہوگا اور اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں...... اس کی حکومت سے بھاگ کر جانے کی جگہ کہیں نہیں...... اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو کوئی پناہ دینے والا نہیں...... اس کے سامنے سب بے بس وبے اختیار ہیں...... اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا...... اس کے سامنے کسی کی حمایت نہیں آتی اور کسی کی سفارش اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہ کر سکے گا۔

ان عقائد کے بعد اس سے جس قدر گناہ سرزد ہوں گے، بتقاضائے بشریت ہوں گے یا بھول چوک کر...... پھر ان گناہوں کے بوجھ میں وہ دبا جا رہا ہوگا اور سخت بے زار ہوگا۔ ندامت کے مارے سر نہ اُٹھا سکے گا...... بلاشبہ ایسے شخص پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسے جیسے یہ گناہ بڑھتے جائیں گے، ویسے ویسے اس کی ندامت کی کیفیت بڑھتی جائے گی اور جوں جوں یہ کیفیت بڑھے گی، اللہ کی رحمت بڑھتی جائے گی۔''[3]

اسی کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] الفوائد لابن القیم: ۱۹

[2] "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً." (جامع الترمذی: ابواب الدعوات: ۲/۱۹۴)

[3] تقویۃ الایمان: ۴۵

besturdubooks.wordpress.com

"الغفور جل جلالہ" ایسا معاف فرمانے والا ہے کہ اگر بندہ اس کے دربار میں ساری دنیا کے گناہ لے کر پہنچے، بشرطیکہ شرک کے گناہ سے پاک ہو (کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ضابطہ ہے کہ شرک کی معافی نہیں ہوگی) اور "الغفار جل جلالہ" سے مغفرت کا طلب گار ہو تو "الغفار جل جلالہ" اس کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت بندوں کی نافرمانیوں کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔[1]

قرآنِ مجید میں انسان کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں: "ظَالِم، ظَلُوْم، ظَلَّام" اگر اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کے تین نام "غَافِر، غَفُوْر، غَفَّار" ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ظلم کسی طرح کا بھی ہو، اس کے بالمقابل "الغفار جل جلالہ" کی مغفرت موجود ہے فقط مانگنے کی بات ہے۔ انسان اگر ظالم ہے تو اس کا ربّ غافر ہے، اگر انسان ظلوم ہو جائے تو اس کا رب غفور ہے، اگر گناہوں میں انسان اتنا بڑھ جائے کہ ظلام بن جائے تو اس کا رب غفار ہے۔[2]

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوب دعائیہ اشعار کہے ہیں:

اِلٰهِيْ عَبْدُكَ الْعَاصِيْ أَتَاكَا مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَا
فَإِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ لِذَاكَ أَهْلٌ وَ إِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ کا گناہ گار بندہ آپ کے در پر حاضر ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور آپ سے دعائیں مانگتا ہے، اگر آپ مغفرت فرما دیں تو آپ کو یہ بات بڑی سجتی ہے اور اگر آپ ہی دھتکار دیں تو پھر کون ہے کوئی دوسرے در والا کہ میں وہاں چلا جاؤں؟"

"جب کبھی اس انسان کے گناہ بڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت ان گناہوں کے مقابلے میں جو بندے سے سرزد ہوئے، بڑھ جاتی ہے۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "تیرے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے۔"[3]

"اللہ تعالیٰ بندوں کی مغفرت، ان کے خوف کی وجہ سے نہیں فرماتے (بل کہ اپنی صفتِ غفاریت کی وجہ سے اپنے

---

[1]
وَهُوَ الْغَفُوْرُ فَلَوْ أَتٰى بِقُرَابِهَا مِنْ غَيْرِ شِرْكٍ بَلْ مِنَ الْعِصْيَانِ
أَتَاهُ بِالْغُفْرَانِ مِلْءَ قُرَابِهَا سُبْحَانَهٗ هُوَ وَاسِعُ الْغُفْرَانِ

(النونية: ۲/۲۳۱)

[2] ماخوذ از "دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات": ۴۴

[3] "فَمَهْمَا عَظُمَتْ ذُنُوْبُ هٰذَا الْإِنْسَانِ فَإِنَّ مَغْفِرَةَ اللّٰهِ وَ رَحْمَتَهٗ أَعْظَمُ مِنْ ذُنُوْبِهِ الَّتِيْ إِرْتَكَبَهَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ (النجم: ۳۲) (النهج الأسمٰى: ۱/۱۷۸)

besturdubooks.wordpress.com

بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود زبردست قوت والے ہیں ہر چیز پر غالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی چیز عاجز نہیں کرسکتی، نہ ہی زمین میں اور نہ ہی آسمان میں اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس بات پر قرآن مجید میں کئی مرتبہ متنبہ بھی فرمایا ہے۔" اس طور پر کہ اپنے اس مبارک نام "اَلْغَفُوْرُ" کو "اَلْعَزِیْزُ" کے ساتھ ملایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"واقعی اللہ زبردست، بڑا بخشنے والا ہے۔" [1]

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے

اللہ رب العزت نے جس طرح دنیا میں بندوں کے ساتھ بخشش کا وعدہ فرمایا ہے اسی طرح آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

روزِ قیامت اللہ رب العزت اپنی مخلوقات پر اپنی صفتِ غفران کا اظہار فرمائیں گے اور بہانے بہانے کے ساتھ بخشش فرمائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ رب العزت کی رحمتوں کا اتنا ظہور ہوگا کہ حضرت قاری محمد طیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ شیطان کو بھی یہ اُمید لگ جائے گی کہ شاید آج میری غلطیوں کو بھی معاف کر دیا جائے، جب اللہ رب العزت کی رحمت کا اتنا ظہور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے گناہ گار بندوں کی یقیناً بخشش فرما دیں گے۔ [2]

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

رحمتِ خدا بہا نمی جوید رحمتِ خدا بہانہ می جوید

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت قیمت نہیں چاہتی، بل کہ اللہ کی رحمت تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔

سبحان اللہ! "اَلْغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی رحمت و مغفرت کی کیا شان ہے کہ بندوں کی بہانہ بہانہ سے مغفرت فرماتے ہیں، سو ہمیں اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کی قدر کرنی چاہئے اور کوئی نیک عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا چھوڑنا نہیں چاہئے کہ پتہ نہیں کون سے عمل پر اللہ رب العزت کی جانب سے مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

استغفار کی اہمیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخری نبی کو اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد حکم دیا:

---

[1] "وَلَا يَغْفِرُ لَهُمْ خَوفًا مِّنْهُمْ أَيْضًا، لِأَنَّهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ، قَد قَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ، وغَلَبَهُ وَلَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ، وَقَد نَبَّهَ اللّٰهُ عِبَادَهُ إِلٰى هٰذَا الْأَمْرِ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ عِدَّةَ مَرَّاتٍ بِاِقْتِرَانِ اسْمِهِ "اَلْغَفُوْرُ" مَعَ (اَلْعَزِيْزُ) كَقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ (الفاطر:۲۸)(نقلا عن النهج الأسمٰى: ۱/۱۷۹)

[2] اصلاحی خطبات: ۴/۱۱۰

besturdubooks.wordpress.com

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾[۱]

ترجمہ: "سو آپ اپنے رب کی تسبیح اور تعریف بیان کریں اور اس سے مغفرت کی درخواست کریں، بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔"

اسی طرح اپنے مخلص بندوں کی صفات میں فرمایا کہ وہ رات بھر عبادت کرنے کے باوجود آخیر میں رات کی عبادت پر فخر کرنے کے بجائے معافی مانگتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"طُوبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا"[۲]

ترجمہ: "خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں (روز قیامت) بہت زیادہ استغفار پایا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے دل پر میل آجاتا ہے اور بلا شبہ میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[۳]

اسی طرح جب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جیسی عبادت مکمل کرنے کے بعد کوئی دعا مانگنے کے لئے پوچھا تو سرورِ دوعالم ﷺ نے "رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي" والی دعا بتلائی۔"

یعنی اے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا سو آپ میری مغفرت فرما دیجئے۔"

یہاں نماز پڑھی ہے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، اقرار ہو رہا ہے جان پر ظلم کرنے کا، دونوں میں کتنا فرق ہے؟

یہ غور کرنے کی چیز ہے، بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہِ عالی بہت بلند ہے، اس کے شایانِ شان کسی سے عبادت ہو ہی نہیں سکتی، عبادت میں جو کوتاہی رہ جائے استغفار سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ بھی نماز کے بعد استغفار کرتے تھے اور قرآن مجید میں حج جیسی عبادت کرنے کے بعد اور عرفات کے میدان میں خوب مانگ مانگ کر واپس ہونے کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عبادت کرتے رہیں اور استغفار کرتے رہیں۔

گناہ ہو جانے پر سب ہی استغفار کرتے ہیں، لیکن اللہ کے خاص بندے نیکی کرنے کے بعد بھی استغفار کرتے ہیں۔ مسلمان اچھی سے اچھی نیکی کرنے کے بعد بھی استغفار ضرور کرے کہ اس میں کوتاہی ضرور ہوگئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی کے لائق تو کوئی عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔

"الغفار جل جلالہ" کے دربار میں بندوں کا معافی طلب کرنا، "الغفار جل جلالہ" کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے اور اس سے بڑھ کر "الغفار جل جلالہ" کو بندہ کی جانب سے اعترافِ خطا پر عفو درگزر کرنا اور زیادہ محبوب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ،

---

[۱] النصر: ۳ [۲] ابن ماجه، الادب، باب الاستغفار: ۲۷۱

[۳] مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار ...... رقم: ۲۷۰۲

besturdubooks.wordpress.com

وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ.''[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ (قبضہ) میں میری جان ہے، اگر تم بالکل گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا وجود ختم کر دیں گے اور ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے جو گناہ کریں اور پھر استغفار کریں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیں۔''

فطرت کے اسی قانون کے تحت بندہ اپنے اللہ کے ہاں جب اپنے ہر جرم پر معافی کا بھکاری ہو اور اپنے جرم کو جرم سمجھے، صرف یہی نہیں، بل کہ اپنی نیکی کو بھی جرم ہی سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا کہ میری نیکی کو قبول فرمالیں، ورنہ میں اور میری نیکی...... اگر اس نیکی پر پکڑ نہ ہو...... تو بھی ان کا کرم ہوگا، تو بندہ کا یوں معافی مانگنا اس ''اَلغَفَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو بہت ہی پسند ہے۔[2]

دشواری کے دور ہونے کا عمل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص استغفار میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے نکلنے کے راستے پیدا فرمائیں گے اور ہر تنگی و فکر میں کشادگی دیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔''[3]

یعنی یہ تین فوائد ہوں گے:

① ہر دشواری کا دور ہو جانا۔

② ہر فکر کا کافور (ختم) ہو جانا۔

③ ایسی جگہ سے رزق ملنا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجلس میں کچھ کہنے سے پہلے سو سو مرتبہ یہ کلمات پڑھتے تھے:

﴿رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ...... إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾[4]

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول کر لیجئے۔ بلاشبہ آپ بہت توبہ قبول فرمانے والے اور نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

استغفار کے مختلف الفاظ

ہم نبی کریم ﷺ پر قربان جائیں کہ آپ ﷺ استغفار کے لئے ایسے ایسے مختلف الفاظ امت کو سکھا گئے کہ

---

[1] مسلم: كتاب التوبة، سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة: ۲/۳۵۵　[2] استغفار کی ستر دعائیں: ۱۴

[3] ابن ماجه، الادب، باب الاستغفار: ۲۷۱　[4] عمل اليوم والليلة، رقم: ٤٦٧

besturdubooks.wordpress.com

اگر کوئی انسان اپنے ذہن سے سوچ کر ان الفاظ تک پہنچنے کی کوشش بھی کرتا تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ان الفاظ کو ہر وقت وردِ زبان رکھنے کا معمول بنانا چاہئے، جس طرح ہم سے خطائیں اور کوتاہیاں بے حد و بے حساب ہوتیں ہیں، اسی طرح ہمیں استغفار بھی بے حد و بے حساب کرتے رہنا چاہئے، خود بھی گناہوں سے معافی مانگیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس پر تیار کرتے رہیں، اگر چاہیں تو استغفار کے یہ مختصر الفاظ بھی یاد کریں:

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ."

یا ان الفاظ سے استغفار کریں: "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ."

یا ان کلمات کے ذریعے مانگیں: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ."

اور اگر یہ الفاظ یاد نہ ہوں تو صرف "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" ہی پڑھ لیا کریں تو بھی ٹھیک ہے کم از کم "رَبِّ اغْفِرْلِیْ" ضرور یاد کرلیں اس کا وِرد ہر وقت زبان پر رہے، عورتوں کو بھی چاہئے کہ گھر کا کام کاج کرتے ہوئے بھی اس دعا کے ذریعے اپنے لئے اور تمام مسلمان بھائی بہنوں کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔[1]

استغفار طلب کرنے کی پیاری دعا

"یَامَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ هَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ وَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ."[2]

ترجمہ: "اے وہ بے نیاز! بندوں کے گناہ جس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور ان کو بخش دینا جس کے یہاں کمی کا باعث نہیں ہوتا، جو بات تیرے یہاں کمی کا باعث نہیں ہوتی اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کے خزانہ مغفرت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔" سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: "یَامَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ"

"اے وہ ذات! کہ ہمارے گناہوں سے جسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا" اللہ ربُّ العزت بڑی شان والا ہے گناہوں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، بل کہ گناہ گار کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کی وجہ سے اللہ ربُّ العزت کی معرفت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور گناہوں پر اصرار سے نیکی کی توفیق بھی مسلوب ہوتی جاتی ہے اور اگر ایسی حالت میں موت واقع ہو جائے تو کتنے ہی خسارے کی بات ہو کہ بندہ گناہوں سے لت پت ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور

---

[1] کتاب "استغفار کا بہترین مجموعہ بنام (ناشر بیت العلم ٹرسٹ)" اس میں درج شدہ دعاؤں کو اپنا معمول بنائیں۔
اس کتاب میں حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ستر استغفار مع ستر درود شریف جمع کئے ہیں جو ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنی کتاب "ارشاد الساری الی مناسك ملا علی القاری" کے آخیر میں لکھے ہیں راقم (محمد حنیف عبدالمجید) نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے (اور انگریزی و سندھی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے) اور یہ الگ بھی کتابی صورت میں ملتی ہے، تہجد کے وقت، رمضان المبارک کی راتوں اور حج کی راتوں میں ان کو پڑھ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے، استغفار کی بہت پیاری دعائیں ہیں۔

[2] الحزب الاعظم: ۱۱۳

besturdubooks.wordpress.com

حاضر ہو، اس لئے ہر وقت توبہ واستغفار اپنا وظیفۂ عمل ہونا چاہیے۔

لہٰذا سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو سکھلا رہے ہیں کہ یوں کہو ''یَامَنْ لَّاتَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ'' اے وہ ذات! جسے ہمارے گناہوں سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ ''وَلَاتَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ'' اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کی مغفرت کچھ کم نہیں ہوتی۔'' اس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی، ''فَاغْفِرْلِیْ مَا لَایَضُرُّكَ'' تو میرے ان گناہوں کو آپ معاف کر دیجئے کہ ان سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ''وَهَبْ لِیْ مَا لَایَنْقُصُكَ'' اور جس چیز کے دینے سے آپ کے خزانہ میں کمی نہیں آتی وہ مغفرت کا خزانہ ہم کو دے دیجئے، ان الفاظِ مبارکہ کے ساتھ ہمیں دعا مانگنی چاہیے۔[1]

ایک عابد تہجد کے وقت ان الفاظ سے دُعا مانگتے تھے۔

حضرت سعید بن ثعلبہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عابد کو ہم نے دیکھا تہجد کے وقت رو رو کر دعا مانگتے ہوئے اس طرح کہہ رہا تھا:

''جُرْمِیْ عَظِیْمٌ وَعَفْوُكَ كَبِیْرٌ...... فَاجْمَعْ بَیْنَ جُرْمِیْ وَعَفْوِكَ یَا كَرِیْمُ.''[2]

تَرْجَمَہ: ''میرا گناہ بہت بڑا ہے اور تیری عفو کی چادر بہت بڑی ہے، میرے گناہ اور اپنے عفو کو جمع کر دیجئے اے کریم ذات! (یعنی میرے گناہ بخش دیجئے)۔''

اس اسم ''اَلْغَفَّارُ'' سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ استغفار بکثرت پڑھا کریں۔ صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل دعا کو ''سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَارْ'' فرمایا گیا ہے۔ جس شخص نے یہ دعا صبح کے وقت کامل یقین کے ساتھ پڑھی اور وہ اسی دن مرگیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا۔ جس شخص نے یہ دعا شام کے وقت کامل یقین کے ساتھ پڑھی اور وہ اسی رات مرگیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا (ان شاء اللہ)۔

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَارُ

یہ سب سے افضل استغفار ہے، اس کو صبح وشام مانگنے کا اہتمام کریں:

''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ.''[3]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! تو میرا ربّ ہے۔ تیرے سوا میرا اور کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے۔ میں تیرا بندہ

[1] امید مغفرت ورحمت: ۶ [2] حسن الظن باللہ: ۵٤ بحوالہ سمیر المؤمنین: ۱۹٦

[3] بخاری، الدعوات، باب افضل الاستغفار: ۲/۹۳۳

besturdubooks.wordpress.com

ہوں اور تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں جتنا کہ مجھ سے ہوسکتا ہے، اپنے کرتوتوں کی برائی سے میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ تیری نعمتیں جو مجھ پر ہیں، مجھے ان کا اقرار ہے اور مجھے اپنے گناہوں کا بھی اقرار ہے تو مجھے بخش دے، اس لئے گناہوں کو تیرے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔"

اسی طرح "یَاغَفَّارُ اِغْفِرْلِیْ" وردِ زبان رکھنا چاہئے، اسی طرح دو سجدوں کے درمیان لمبی دعا یاد نہ ہو تو کم از کم "رَبِّ اغْفِرْلِیْ" ضرور مانگ لینا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔"

تَرجَمَہ: اے اللہ! تو میرے تمام گناہ، چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ (سب) معاف فرمادے۔" [1]

فوائد و نصائح

❶ جب بندہ کا تعلق "الغفار، الغفور جل جلالہ" سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ معاف کرنے والا تو اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ جب بھی کوئی گناہ غلطی سے کر بیٹھتا ہے تو توبہ کے لئے فوراً "الغفار جل جلالہ" کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔

❷ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو بار بار غلطی پر معاف کرتا رہے، سوائے "الغفار، الغفور جل جلالہ" کے، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے:

"یَا رَبِّ اِنِّیْ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْلِیْ۔"

یعنی اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہوگیا ہے مجھے معاف فرمادیجئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ پر سزا بھی دیتا ہے اور معاف بھی کرتا ہے اور پھر اس کی مغفرت فرمادیتا ہے۔ [2]

❸ ہر وقت استغفار کرتا رہے کم از کم تین بار ضرور روزانہ استغفار کرے بہتر یہ ہے کہ روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرنے کی عادت بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ "الغفار جل جلالہ" کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں جو گناہوں کو بخش سکے اور ہر وقت "الغفار، الغفور جل جلالہ" سے سچے دل سے معافی مانگتا رہے۔

---

[1] مسلم: الصلوٰة، باب ما يقال في الركوع والسجود: ۱۹۱/۱

[2] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، جماع ابواب من تجوز شهادته..........: ۱۸٦/۱۰

besturdubooks.wordpress.com

القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

لفظ القَهَّارُ کے معنی

باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں جو لفظ ''القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے۔ عربی زبان میں ''قہار'' کے معنی ہیں ''غلبہ پانے والا'' جو ہر چیز پر غالب ہو اس کو ''القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ سب پر غالب ہے۔[1]

❶ ''هُوَ الَّذِيْ لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا وَهُوَ مُسَخَّرٌ تَحْتَ قَهْرِهٖ وَقُدْرَتِهٖ، عَاجِزٌ فِيْ قَبْضَتِهٖ.''[2]

تَرجَمَہ: ''القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت مسخر ہے، یعنی ہر موجود اس کے زیرِ تصرف اور زیرِ قدرت ہے اور اس کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے بے بس اور بے اختیار ہے، جو ''القَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اُس سے چاہے کروا دے۔''

❷ امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ آیت ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اپنے بندوں پر غالب ہیں، یعنی اللہ ربُّ العزت وہ ذات ہے جس کے سامنے تمام گردنیں جھک جاتی ہیں اور بڑے بڑے جابر لوگ تابع دار اور مسخر ہو جاتے ہیں اور اس کے سامنے چہرے نیچے ہو جاتے ہیں، ہر چیز پر وہ غالب ہے اور تمام مخلوقات اس کی تابع فرمان ہیں اور اس کی عظمت، جلال، بڑائی، بلندی کی وجہ سے تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔[3]

---

[1] القہار کے لغوی معنی ''الرياضة والتذليل'' القهر الغلبة والأخذ من فوق [2] سلاح المؤمن: ۲۵۹

[3] وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ: ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' أَيْ: هُوَ الَّذِيْ خَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ، وَذَلَّتْ لَهُ الْجَبَابِرَةُ، وَعَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَقَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ وَ دَانَتْ لَهُ الْخَلَائِقُ .... وَ تَوَاضَعَتْ لِعَظَمَةِ جَلَالِهٖ وَ كِبْرِيَائِهٖ .... وَعَظَمَتُهٗ وَعُلُوُّهٗ .... وَقُدْرَتُهٗ عَلَى الْأَشْيَاءِ، وَاسْتَكَانَتْ وَتَضَاءَلَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَحْتَ قَهْرِهٖ وَحُكْمِهٖ. (تفسير ابن كثير: ٤٦٨، الانعام: ١٨)

besturdubooks.wordpress.com

۳ وَمَا أَحْسَنُ قَوْلِ مَنْ قَالَ: اَلْقَهَّارُ الَّذِي طَاحَتْ عِنْدَ صَوْلَتِهٖ صَوْلَةُ الْمَخْلُوقِيْنَ، وَبَادَتْ عِنْدَ سَطْوَتِهٖ قُوَى الْخَلَائِقِ أَجْمَعِيْنَ.[1]

ترجمہ: کیا ہی پیاری تعریف کسی نے کی ہے کہ "القہار جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کے دبدبے اور غلبے کے سامنے ساری مخلوق کے دبدبے ختم ہو جاتے ہیں، جس کے جلال اور عظمت وقوت کے سامنے ساری مخلوق کی قوتیں نیست ونابود ہو جاتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے، اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ کریم ہے۔

ہاں! جب بندے حد سے گزر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے، لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماءِ حسنیٰ سے موسوم ہیں، ان میں عذاب کا ذکر صراحتاً موجود نہیں ہے۔[2]

"القہار جل جلالہ" (بہت غلبہ والا) یہ نام مبارک قرآن کریم میں چھ مقامات پر آیا ہے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سب جگہ "واحد" (ایک اللہ) کی صفت کے ساتھ آیا ہے۔

پہلا مقام: حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی تو اس طرح سوال کیا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[3]

ترجمہ: "کیا متفرق کئی پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقت ور۔"

ان قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتلاؤ کہ انسان بہت سے پروردگاروں کا پرستار ہو یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف اللہ کا بندہ بنے، جس کا قہر وقوت سب پر غالب ہے، یعنی مختلف انواع واشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے، یا اُس اکیلے زبردست اللہ سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف وقبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم چل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اُسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے، نہ مقابلہ کر کے مغلوب کر سکتا ہے، خود سوچو...... کہ سر بندگی ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔[4]

عقلی طور پر اُنہیں فکر مند بنا دیا، تاکہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے، آپ

---

[1] النهج الاسمٰی: ۱۸۳/۱ [2] اصلاحی خطبات: ۲۱۱/۱ [3] یوسف: ۳۹ [4] تفسیرِ عثمانی: ۳۱۸

besturdubooks.wordpress.com

نے ان سے فرمایا: اے میرے جیل کے دونوں ساتھیوں! .... تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبودِ حقیقی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے......؟

ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکتے پھرو، سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کرو، یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟ صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے، میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔[1]

دوسرا مقام: اسی طرح ''سورۂ رعد'' کی آیت نمبر ۱۶ میں بھی ''اَلْقَہَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ساتھ واحد کی صفت مذکور ہے۔

چناں چہ ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

ترجمہ: ''آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی (اپنی ذات وصفات کمال میں) اکیلا ہے (اور سب مخلوقات پر) غالب ہے۔''

وہ سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحدِ حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں متفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے، ساری مخلوق مقہور ومغلوب ہے اور جو مخلوق ومقہور ہو وہ خلاق وقہار جَلَّ جَلَالُہٗ کا شریک کیسے ہوسکتی ہے؟[2]

اس آیتِ مبارکہ سے پہلے ''اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے تین مثالوں کے ذریعہ شرک وتوحید کا فرق سمجھایا ہے۔

پہلی مثال: ﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾[3]

ترجمہ: اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ (اپنے حوائج ومصائب میں) پکارتے ہیں وہ (بوجہ عدمِ قدرت کے) ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوتا ہو (اور اس کو اشارے سے اپنی طرف بلا رہا ہو) تاکہ وہ (پانی) اس کے منہ تک (اُڑ کر) آجائے اور وہ از خود اس کے منہ تک کسی طرح آنے والا نہیں (جس طرح پانی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے معبود عاجز ہیں)۔''[4]

یعنی پکارنا اسی کو چاہئے جو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک ہے، عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟

---

[1] انوار البیان: ۳۲/۵　[2] انوار البیان: ۱۰۷/۵　[3] الرّعد: ۱۴　[4] معارف القرآن: ۱۷۹/۵، الرّعد: ۱۴

besturdubooks.wordpress.com

اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضے میں اپنا یا دوسروں کا نفع یا ضرر ہے؟

غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی منڈیر پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا، ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں، بل کہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔[1]

دوسری مثال: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾[2]

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجیے کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا (یہ مثال ہے مشرک اور موحد کی)۔''

یعنی ایک اکیلے اللہ کو ماننے والے اور اللہ کے ساتھ دوسرے شریکوں کو بھی ماننے والے میں ایسا ہی فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں، اور توحید اور شرک کا مقابلہ، ایسے سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے، تو کیا ایک اندھا جو شرک کی اندھیریوں میں پڑا بھٹک رہا ہو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک اللہ کو ماننے کو پہنچنا ہے جو فہم اور بصیرت اور ایمان وعرفان کی روشنی میں فطرتِ انسانی کے صاف راستے پر چل رہا ہے؟ ہرگز ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

تیسری مثال: ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾[3]

ترجمہ: ''یا کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔''

یعنی جیسی مخلوقات اللہ جل جلالہ نے پیدا کی ہیں، کیا تمہارے دیوتاؤں نے کوئی ایسی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شبہ ہونے لگے؟

وہ تو ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے، بل کہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اسی اکیلے زبردست خدا کی مخلوق ہیں، پھر ایسی عاجز و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے؟[4]

اس کے بعد اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین صفات بیان فرما کر بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور تمام مذاہبِ شرک کی جڑ کاٹ دی:

پہلی صفت......یہ کہ: ''خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ'' اللہ ہی چھوٹی بڑی، جسم غیر جسم والی، اچھی بری، خوش گوار اور ناخوش گوار سب کا خالق ہے۔

دوسری صفت......: ''الْوَاحِدُ'' کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے، اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی شخصیت تو ایک ہو، لیکن اس کے ''بروز'' اور اس کے ''اقنوم'' (اجزاء)[5] کئی کئی ہوں۔

تیسری صفت...... ''الْقَهَّارُ'' کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے، خود اُس کے اوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم و متصرف نہیں۔[6]

---

[1] تفسیر عثمانی: ۳۳۲ [2] الرعد: ۱۶ [3] الرعد: ۱۶ [4] تفسیر عثمانی: ۳۳۳

[5] دین مسیحی میں خدا کا ہر جز و......روح القدس میں سے ہر ایک کو ''اقنوم'' کہتے ہیں (فیروز اللغات: ۱۰۵) [6] تفسیر ماجدی: ۵۱۵/۱

besturdubooks.wordpress.com

تیسرا مقام: فرمایا: ﴿ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾[1]

ترجمہ: ''قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس میں موجود زمین بھی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد وقہار کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

زمین وآسمان کے بدل دینے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ ان کی صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے، جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایاتِ حدیث میں ہے کہ پوری زمین ایک جیسی سطح والی بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی، نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا، نہ غار اور گہرائی۔[2]

چوتھا مقام: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَہٗ ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾[3]

ترجمہ: ''اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا (لیکن) وہ پاک ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔''

یہاں سے اُن لوگوں پر رد ہے جو ''اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، جیسا کہ نصاری حضرت مسیح عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا، کیوں کہ دلائل سے ثابت ہوچکا کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اُسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی اشتراک نہیں، پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟

جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اِرادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ ازیں فرض کیجیے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی نظر ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے تو گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا، یعنی ہر چیز اُس کے سامنے دبی ہوئی ہے، اُس پر کسی کا دباؤ نہیں، نہ کسی چیز کی اُس کو حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہوگا؟[4]

امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: وہ ''اَلْوَاحِدُ'' اکیلا، یکتا وبے نیاز ہے، سب کے سب اس کے بندے اور غلام ہیں، اس کے سامنے سب کے سب فقیر ہیں محتاج ہیں، وہ اکیلا ایسا غنی ہے کہ اپنی قدرت کے اعتبار سے سب پر غالب بھی ہے، سب اس کے سامنے حقیر اور جھکے ہوئے ہیں۔ یہ ظالم، ضدی اور انکار کرنے والے جو اللہ پر جو جھوٹ

---

[1] ابراھیم: ٤٨ [2] معارف القرآن: ٥/٢٧٣ [3] الزمر: ٤ [4] تفسیر عثمانی: ٦١٠

besturdubooks.wordpress.com

باندھتے ہیں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی شان بہت اونچی ہے۔'' [۱]

پانچواں مقام: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [۲]

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں اور بغیر اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائقِ عبادت نہیں۔'' [۳]

قرآن مجید جن بنیادی عقائد کے ماننے کی طرف انسانوں کو دعوت دیتا ہے اس میں پہلا بنیادی عقیدہ تو یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہے۔

دوسرا بنیادی عقیدہ جس کی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے اور اپنی دعوت کی اصل ٹھہراتا ہے، وہ یہ کہ رسالت اور پیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے چوں کہ یہ ''سورۂ ص'' کا اصل مقصد ہی آں حضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات اور کفار کی تردید ہے، خاص طور پر اس آیت مبارکہ میں ''اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ'' کہو کہ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اُس آنے والی خوف ناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اُس سے بے خبر نہ رہنے دوں، باقی تمہارا واسطہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ ''الواحد و القہار'' ہے، جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم نہیں مار سکتا، ہر چیز اُس کے آگے دبی ہوئی۔ ہے جو یکتا اور غالب ہے۔

آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے زیرِ تصرف نہ ہو، جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے؟

اس کے زبردست قبضے سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت و بخشش کو کس کی مجال ہے کہ محدود کردے؟ [۴]

اسم ''الواحد'' میں اشارہ ہے توحید ذاتی کی طرف اور ''القہار'' میں توحید صفاتی کی طرف، مطلب یہ ہوا کہ وہ واقعتاً بھی ایک اور یکتا ہے اور چوں کہ کوئی اس جیسا غلبہ و قوت والا نہیں اس لئے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔ [۵]

چھٹا مقام: سورہ مؤمن کی آیت نمبر ۱۶ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس اسم مبارک کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [۶]

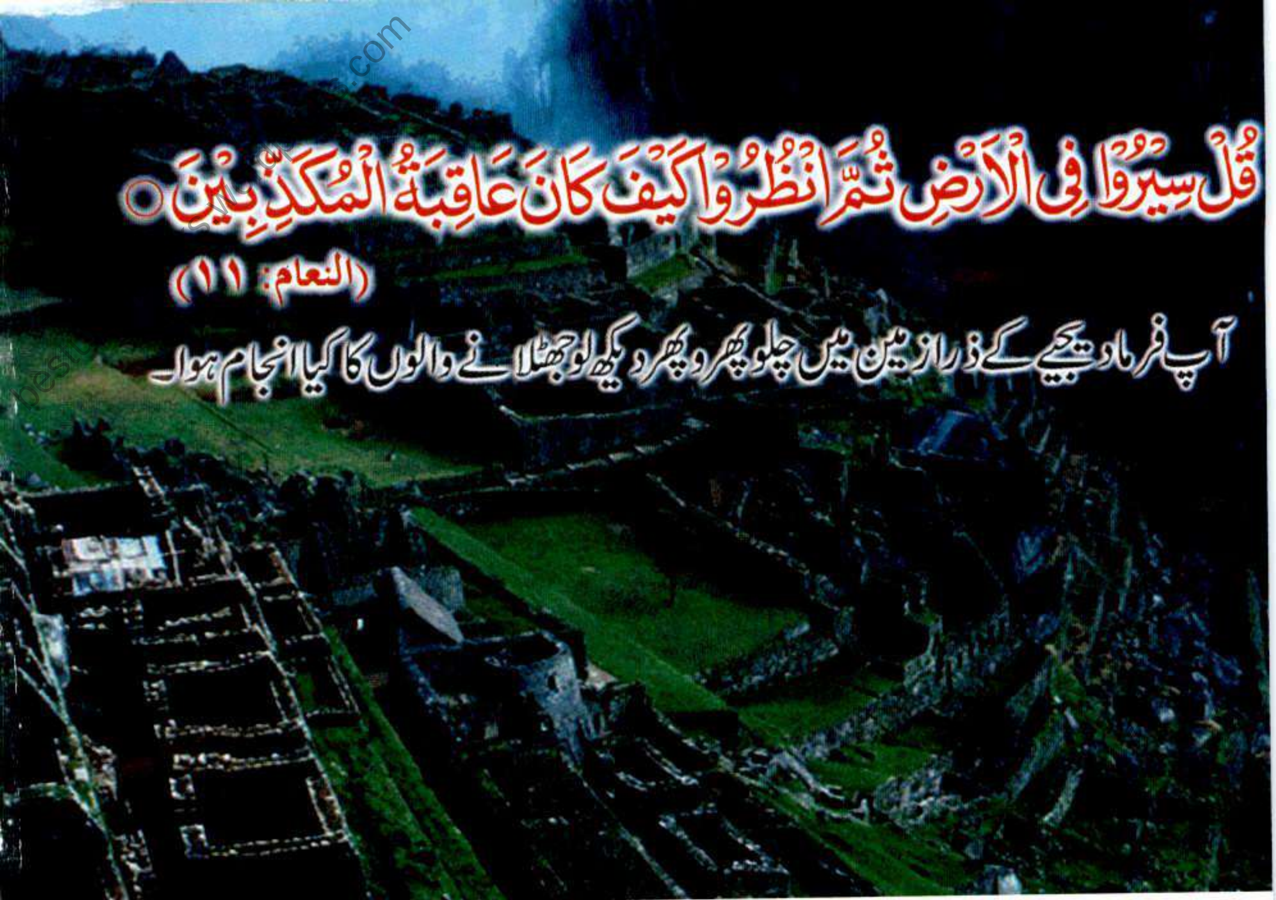
---

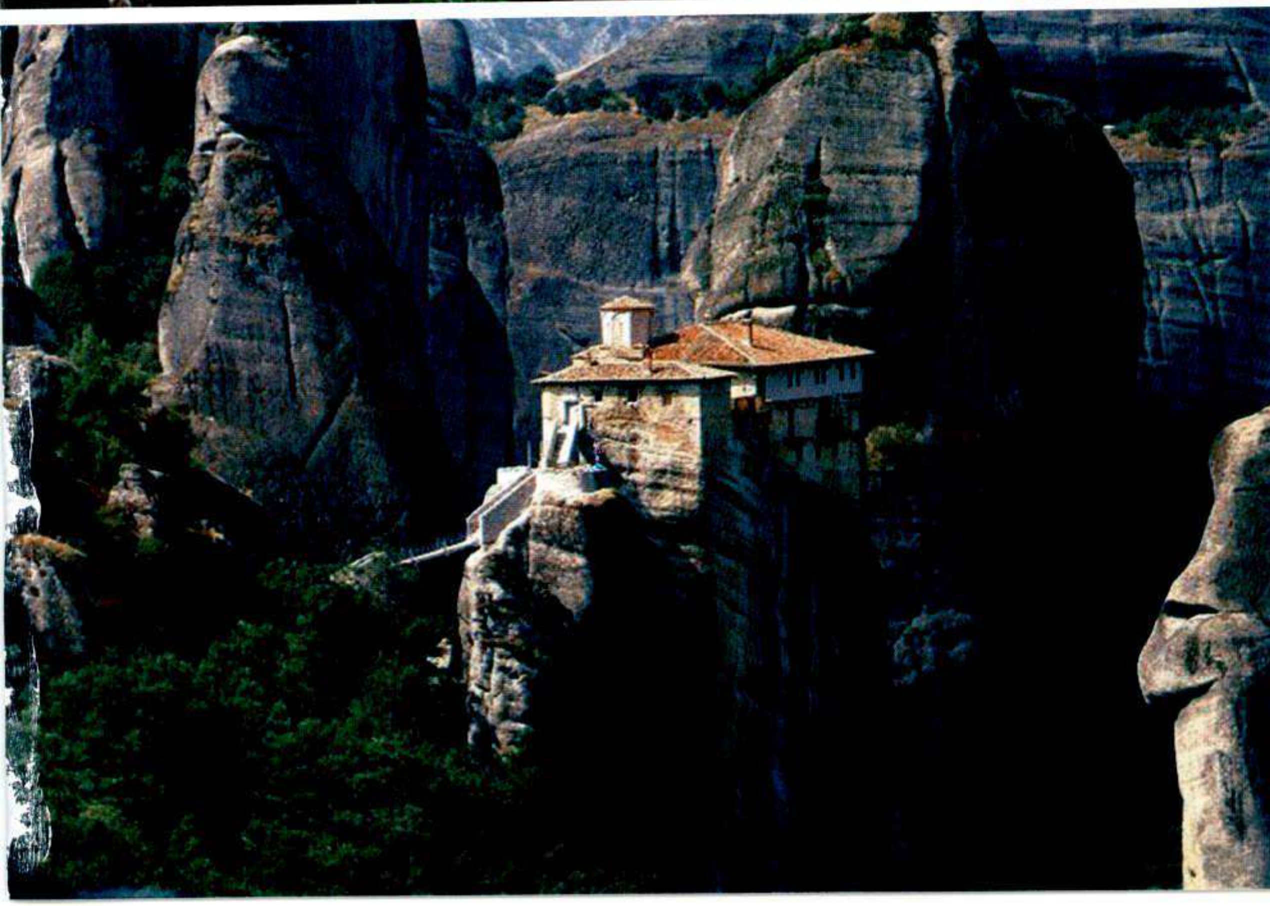
[۱] فَإِنَّهُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ، الَّذِي كُلُّ شَيْءٍ عَبْدٌ لَّدَيْهِ، فَقِيْرٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ الْغَنِيُّ عَمَّا سِوَاهُ الَّذِي قَدْ قَهَرَ الْأَشْيَاءَ فَدَانَتْ لَهُ وَ ذَلَّتْ وَ خَضَعَتْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ وَالْجَاحِدُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (تفسير ابن كثير: ۲۱۲/۳، الزمر: ٤ [۲] ص: ٦٥

[۳] وَالْوَحْدَانِيَّةُ تُنَا فِيْ عَنِ الْمُمَاثَلَةِ فَضْلاً عَنِ التَّوَالُدِ، والقَهَّارِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ تُنَا فِيْ قُبُوْلَ الزَّوَالِ الْمُحْوِجِ إِلَى الْوَلَدِ، وَ إِلَّا لَجَازَأَنْ يَكُوْنَ مَقْهُوْراً تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ. (الفتوحات الالهية: ۵۹۰/۳)

[۴] تفسیرِ عثمانی: ٦٠٩ [۵] تفسیر ماجدی: ٦/٩١٨ [٦] المؤمن: ١٦

اَلْقَهَّارُ


قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝
(النعام: ۱۱)
آپ فرما دیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔



besturdubooks.wordpress.com

تَرجَمَہ: ”آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ واحد وقہار کی۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کیے جائیں گے، جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا۔ ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ یعنی آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟ [1]

اس پر تمام مخلوقات مؤمنین وکافرین یہ جواب دیں گے ”لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی وتلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بنا پر رنج وغم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے اور حضرات مفسرین کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ یہ جواب بھی (کہ جب جواب دینے والا پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد کوئی نہ ہوگا) خود حق تعالیٰ شانہ ہی دیں گے۔ [2]

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے ظاہر کے خلاف اللہ کے حکم کو پورا کیا، ہر قسم کے گناہوں سے بچے، شرک سے بچے اور ناگواریاں اور سختیاں برداشت کیں، مادی اسباب کو چھوڑ کر روحانی اسباب کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرح صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اقوامِ عالم کی ہدایت کا اور انہیں دعوت دینے کا فکر اپنا لیا تو کس طرح اللہ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ان کی غیبی مدد فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان ہی دو مبارک ناموں ”الْوَاحِدُ و الْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی صفت کے ساتھ دریائے نیل کو خط لکھ کر بھیجا تھا۔

اسم مبارک الْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی برکت

وَاقِعَہ نمبر ۲۰: حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب مصر فتح کرلیا تو عجمی مہینوں میں سے ”بونہ“ مہینے کے شروع ہونے پر مصر والے ان کے پاس آئے اور کہا: امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے جس کے بغیر یہ چلتا نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا وہ عادت کیا ہے؟

انہوں نے کہا: جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایسی کنواری لڑکی تلاش کرتے ہیں جو اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوتی ہے، اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں اور اسے سب سے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر اس دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: یہ کام اسلام میں تو ہو نہیں سکتا، کیوں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام (غلط) طریقے ختم کر دیتا ہے، چناں چہ مصر والے ”بونہ، ابیب، اور مسریٰ“ تین مہینے ٹھہرے رہے اور آہستہ آہستہ دریائے نیل کا پانی بالکل ختم ہوگیا، یہ دیکھ کر مصر والوں نے مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا ارادہ کرلیا۔

[1] قرطبی: ۲۱۹/۸، المؤمن: ۱٦ [2] معارف القرآن: ۵۹۰/۷

besturdubooks.wordpress.com

جب حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خط لکھا، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے بالکل ٹھیک کیا، بے شک اسلام اپنے سے پہلے کے تمام غلط طریقے ختم کر دیتا ہے۔ میں آپ کو ایک پرچہ بھیج رہا ہوں جب آپ کو میرا خط ملے تو آپ میرا وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیں، جب خط حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس پہنچا تو انہوں نے وہ پرچہ کھولا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

"فَإِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ، وَإِنْ كَانَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ يُجْرِيْكَ.
فَنَسْأَلُ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ أَنْ يُّجْرِيَكَ"

تَرجَمَۃ: "اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام۔
اَمَّا بَعْد! اگر تم اپنے اختیار سے چلتے ہو تو مت چلو اور اگر تمہیں اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ چلاتے ہیں تو ہم اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلا دے۔"

چناں چہ حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صلیب کے دن سے ایک دن پہلے یہ پرچہ دریائے نیل میں ڈالا اور ادھر مصر والے مصر سے جانے کی تیاری کر چکے تھے، کیوں کہ ان کی ساری معیشت اور زراعت کا انحصار دریائے نیل کے پانی پر تھا۔ صلیب کے دن صبح لوگوں نے دیکھا کہ دریائے نیل میں سولہ ہاتھ پانی چل رہا ہے، اس طرح اللہ جَلّ جَلَالُہٗ نے مصر والوں کی اس بری رسم کو ختم کر دیا۔ (اس دن سے لے کر آج تک دریائے نیل مسلسل چل رہا ہے)۔[1]

معلوم ہوا جو اپنے دل میں ایک "وَحْدَہٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ" کے "اَلْقَهَّارُ" اور غالب ہونے کا یقین بٹھائے گا اور اسی کی طرف عالم بھر کے لوگوں کو دعوت دیتا رہے گا تو اس کے لئے اللہ جَلّ جَلَالُہٗ سمندر جیسی مخلوقات کو بھی مسخر کر دیں گے۔

اس اسم "اَلْقَهَّارُ" سے تعلق پیدا کرنے والوں کو عبادت اور اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی کرنی واجب ہے۔[2]

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تجلی دیکھے تری — نہ خرد کو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرا بھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کروں تیری — اَحَدٌ لَیْسَ کَمِثْلِيْ صَمَدٌ لَیْسَ کَفَضْلِيْ
لِمَنِ الْمُلْكُ تو گوئی تو سزاوار خدائی

یَامَنْ ذَلَّتْ لَهٗ رِقَابُ الْجَبَابِرَةِ — وَخَضَعَتْ لَهٗ مَقَالِيْدُ الْفَرَاعِنَةِ
"أَجِرْنِيْ مِنْ خِزْيِكَ وَعُقُوْبَتِكَ"

---

[1] حياة الصحابة (عربی): ۸٦٢/۳ [2] شرح اسماء الحسنىٰ للمنصورپوری: ٦٨

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ''اے وہ ذات جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں اور فرعونوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔''
مجھے اپنی رسوائی اور سزا سے حفاظت عطا فرما۔[۱]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ سرکش دشمن ''نفس'' کو قابو میں کرے۔ جب نفس پر قابو پالیا تو تمام چیزیں اس کے قابو میں آجائیں گی اور کسی کا داؤ اس پر نہ چلے گا۔

❷ یہ یقین رکھے کہ جب ''اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اپنے کسی بندے کو موت دینا چاہتا ہے تو وہ اسے ٹال نہیں سکتا کسی سے مدد نہیں لے سکتا، کوئی بادشاہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی کام میں بھی اس ذات پر غالب نہیں آسکتا، نہ ہی کوئی ''اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے غلبے کو ختم کرسکتا ہے، لہٰذا کسی کو بھی دنیا میں رہتے ہوئے دوسری مخلوق پر غلبہ، ظلم زیادتی نہیں کرنی چاہیے، ورنہ روزِ آخرت بدلہ دینا ہوگا۔[۲]

❸ ہر مسلمان اپنے دل میں صرف اور صرف ''اَلْقَهَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا خوف رکھے، اُس ذات کے علاوہ کسی کا خوف دل میں نہ رکھے اور یہ دعا کثرت سے مانگتا رہے:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِيْ وَاَقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَاءِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ''[۳]

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے اپنی محبت سب سے پیاری کردے اور اپنا خوف ہر چیز کے خوف سے زیادہ بڑھا دے اور اپنی ملاقات کی تڑپ عطا فرما کر دنیا کی سب حاجتیں میرے دِل سے نکال دے اور جب دنیا والوں کو دنیا دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے تو میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی فرما۔''

---

[۱] الغُنية لطالبي طريق الحق، قسم رابع، فصل فى الدعا لدفع الظلم: ۲/۲۵۱

[۲] المنهج للامام الجوزی: ۳۱۴

[۳] حلية الاولياء: ۸/۳۱۲

besturdubooks.wordpress.com

الوھّاب جل جلالہ

(سب کچھ عطا کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْوَهَّابُ: هُوَالَّذِيْ يَجُوْدُ بِالْعَطَاءِ عَنْ ظَهْرِ يَدٍ مِّنْ غَيْرِ اِسْتِثَابَةٍ.[1]

علامہ خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الوھّاب جل جلالہ" وہ ذات کہلاتی ہے جس کے عطایا قسم قسم کے، لمحہ بہ لمحہ، ہر شعبہ میں، ہر جگہ ہوتے ہیں۔

❷ "الوھّاب" کے لغوی معنی ہیں: "كَثِيْرُ الْهِبَةِ لِأَمْوَالِهِ" "اپنا مال بہت زیادہ عطا کرنے والا۔"[2]

"وہاب" سب کچھ عطا کرنے والے کو کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا مفہوم اس آیت قرآنی سے واضح ہوتا ہے:

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "تم پر جو بھی نعمت ہوتی ہے، وہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے ہوتی ہے۔"

ہر چیز کے عطا کرنے والے ایک "الوھّاب جل جلالہ" ہیں۔ جو بھی نعمت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ حقیقت میں اسی ذات کی طرف سے ہوتی ہے، بظاہر اگرچہ اسبابِ نعمت نظر آتے ہیں، لیکن دراصل حقیقی منعم (نعمت دینے والی) "الوھّاب جل جلالہ" کی ذات ہے جو بہانے بہانے سے اپنے بندوں پر عطایا کی بارش برساتی ہے۔

ع رحمتِ حق بہانہ می جوید

خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے علامہ خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

ہر ایسا شخص جو اپنے کسی ساتھی، دوست کو دنیاوی چیزوں میں سے کوئی چیز ہدیۂ دیتا ہے، اسے "وَاهِبٌ" تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اسے "وَهَّاب" نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ "وَهَّاب" وہ ذات کہلاتی ہے جس کے انعامات اور عطایا قسم قسم کے ہوں اور اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا سلسلہ چلتا رہے، کسی لمحہ ختم نہ ہو۔

مخلوقات کی تو صرف اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ کبھی کبھار کسی پر احسان کردیں۔ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق کسی بیمار کو

---

[1] شان الدعاء: ۵۲ [2] النهاية: ۱۳۱/۵ [3] النحل: ۵۳

besturdubooks.wordpress.com

بیماری سے شفاء نہیں دے سکتی اور نہ ہی کسی بے اولاد کو اولاد، نہ ہی کسی گمراہ کو ہدایت اور نہ ہی کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتی ہے، لہٰذا مخلوقات پر "وَهَّابٌ" کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اللہ ربّ العزت ہی کی ذات "اَلْوَهَّابُ" ہے جو کہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور اسی کو ان تمام کاموں پر مکمل اختیار اور قدرت ہے۔ اس کی سخاوت اور رحمت تمام مخلوقات پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کے احسانات اور مہربانیاں بغیر رکاوٹ کے مسلسل جاری ہیں۔[1]

۴ "وَهُوَ الْمُتَفَضِّلُ بِالْعَطَايَا الْمُنْعِمُ بِهَا لَا عَنِ اسْتِحْقَاقٍ عَلَيْهِ."[2]

ترجمہ: "علامہ حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْوَهَّابُ جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بہت زیادہ انعامات و احسانات کرنے والی ہو اور یہ احسانات اس پر کسی کا حق نہ ہوں (بل کہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے محض بطور فضل ہوں)۔"

واقعہ نمبر (۲۱): حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

والد محترم عام طور پر جو کوئی سائل آتا، آپ اسے کچھ نہ کچھ دیتے تھے، ایک مرتبہ احقر موٹر میں آپ کے ساتھ تھا، کسی جگہ گاڑی رکی اور یک سائل آ دھمکا، آپ نے اپنی جیب میں سے کچھ نکال کر اسے دے دیا، احقر نے پوچھا کہ "ابا جی" اس قسم کے سائل عام طور پر مستحق تو ہوتے نہیں ان کو دینا چاہیے یا نہیں؟

اس کا جو عجیب و غریب جواب آپ نے دیا وہ آج تک لوحِ دل پر نقش ہے، فرمایا: ہاں میاں! بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ سوچو کہ اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے "ہمارے استحقاق ہی کی بنیاد پر ملنے لگے تو ہمارا کیا بنے گا؟"[3]

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

"اَلْوَهَّابُ" بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو جو زمانوں سے چلے آرہے ہیں آسمان والے ہوں یا زمین والے، سب کے سب اس کے احسانات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔"[4]

---

[1] قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَكُلُّ مَنْ وَهَبَ شَيْئًا مِّنْ عَرَضِ الدُّنْيَا لِصَاحِبِهٖ فَهُوَ وَاهِبٌ وَلَا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُّسَمّٰى وَهَّابًا إِلَّا مَنْ تَصَرَّفَتْ مَوَاهِبُهٗ فِي أَنْوَاعِ الْعَطَايَا فَكَثُرَتْ نَوَافِلُهٗ وَ دَامَتْ، وَالْمَخْلُوقُوْنَ إِنَّمَا يَمْلِكُوْنَ أَنْ يَّهَبُوْا مَالًا أَوْ نَوَالًا فِي حَالٍ دُوْنَ حَالٍ، وَلَا يَمْلِكُوْنَ أَنْ يَّهَبُوْا شِفَاءً لِسَقِيْمٍ، وَلَا وَلَدًا لِعَقِيْمٍ، ولا هُدًى لِضَالٍّ، وَلَا عَافِيَةً لِّذِي بَلَاءٍ، وَاللّٰهُ الْوَهَّابُ سُبْحٰنَهٗ يَمْلِكُ جَمِيْعَ ذٰلِكَ، وَسِعَ الْخَلْقَ جُوْدُهٗ، فَدَامَتْ مَوَاهِبُهٗ وَاتَّصَلَتْ مِنَنُهٗ وَعَوَائِدُهٗ. (شان الدعاء: ۵۳، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۱۸۹/۱)

[2] المنهاج: ۲۰۶/۱ كلها نقلا عن النهج الأسمٰى: ۱۸۸/۱، ۱۸۹ [3] میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق: ۱۵۷

[4]

وَكَذٰلِكَ الْوَهَّابُ مِنْ أَسْمَائِهٖ ... فَانْظُرْ مَوَاهِبَهٗ مَدَى الْأَزْمَانِ

أَهْلُ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَالْأَرْضِ عَنْ ... تِلْكَ الْمَوَاهِبِ لَيْسَ يَنْفَكَّانِ

(النونية: ۲۳۴/۲، نقلاً عن النهج الاسمٰى، ۱۸۸/۱)

besturdubooks.wordpress.com

شیخ ابوسلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں بعض وزراء نے ہدایا بھیجے، جن کی مقدار اتنی تھی کہ سال بھر کا گزر اوقات ان ہدایا سے چل سکتا تھا۔

انہوں نے قاصد سے فرمایا کہ اپنے آقا کو جاکر کہہ دو کہ میں ایسے مولیٰ کی کفالت میں ہوں کہ اگر وہ مجھ سے ناراض بھی ہوجاتا ہے تب بھی مجھ سے اپنی کفالت نہیں ہٹاتا۔ (جب کہ یہ دنیاوی وزراء اگر ناراض ہوجائیں تو گزشتہ کیے ہوئے احسانات کی واپسی کے مطالبہ سے بھی نہیں چوکتے۔)

''كَثِيرُ النِّعْمَةِ دَائِمُ الْعَطِيَّةِ۔''[1]

ترجمہ: ''خوب نعمتوں سے نوازنے والا اور ہمیشہ عطاء فرمانے والا۔''

یہ ''اسم مبارک'' قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾[2]

❷ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾[3]

❸ ﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾[4]

الوهاب جل جلالہ کی نعمتوں کی قدر کیجیے

نعمت کی قدر بسا اوقات نعمت کے چھین جانے کے بعد ہوتی ہے، علماء نے لکھا ہے:

''اَلنِّعْمَةُ إِذَا فُقِدَتْ عُرِفَتْ'' بہت سی نعمتوں کا احساس نہیں ہے، حالاں کہ بغیر استحقاق کے الوهاب جل جلالہ نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ الوهاب جل جلالہ کی نعمتوں کی قدر کیجیے۔[5]

واقعہ نمبر ⓶⓶: حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) کا مہمان خانہ سڑک کے قریب تھا، آپ فرماتے: یہاں سڑک سے کسی ریڑھی والے یا جھاڑو والے کو گزرتے دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ یہ بھی تو ممکن تھا یہ ریڑھی یا جھاڑو تیرے ہاتھ میں ہوتا اور یہ تیری جگہ بیٹھا ہوتا تو تو کیا کر سکتا تھا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تجھے یہاں بٹھایا ہوا ہے۔ شکر سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ جڑ جاتے ہیں اور اس طرح خوب شکر کی توفیق ہوتی ہے۔

واقعہ نمبر ⓷⓶: حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے داماد تھے، ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہوگیا، حضرت والا کو کبھی چیونٹی کاٹتی تو کہتے ''بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس میں حس ہے۔''

---

[1] مرقاة: كتاب اسماء الله تعالى، ٨٠/٥ [2] آل عمران: ٨ [3] ص: ٣٥ [4] ص: ٩

[5] مظاهر حق: ٦٦٨/٤ بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی نظر میں دنیا کی حقیقت

besturdubooks.wordpress.com

وَاقِعَہ نمبر ۲۴: ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ایک گریجویٹ صاحب حضرت کے پاس لائے گئے جن کا دماغ درست نہیں تھا۔ انہوں نے کچھ ایسی حرکتیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے حضرت کی طبیعت پر گرانی ہوئی، اس کے متعلقین اس کو واپس لے گئے، پھر حضرت انتہائی مؤثر انداز سے بار بار یہ فرمارہے تھے ''دیکھا دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ آدمی جتنا بھی معزز ہو اگر دماغ کا معمولی پیچ بھی ڈھیلا ہو جائے تو ساری عزت جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پاگل خانہ بھجوا دیا جاتا ہے۔'' واقعی دماغ کا صحیح ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ۲۵: نشتر ہسپتال میں ایک مریض کو دیکھا، اس کے دونوں پاؤں کے ساتھ وزن باندھا ہوا تھا جس سے وہ بالکل حرکت نہیں کر سکتا تھا، جب ایک پاؤں کو کھولا گیا تو بہت خوش ہوا جیسے عید کا دن ہو، حالاں کہ اس سے اب وہ صرف معمولی حرکت کر سکتا تھا، لیکن اس پر بھی اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

وَاقِعَہ نمبر ۲۶: ہمارے ایک بزرگ ہیں ایک مرتبہ ان کا بچہ گم ہو گیا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ جناب بچہ مل گیا ہے؟

فرمایا: جی ہاں مل گیا ہے، اور پھر فرمایا: بھئی! اب معلوم ہوا کہ بچوں کا گم نہ ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ۲۷: ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا: اگر تمہیں پیاس لگی ہوئی ہو اور پانی نہ ملے تو کیا کروگے؟ بادشاہ نے کہا: آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ بزرگ نے پھر پوچھا: اگر پیشاب نہ آئے تو پھر کیا کروگے؟ اس نے کہا: آدھی بادشاہی دے دوں گا۔ تو بزرگ نے فرمایا: تمہاری بادشاہی کی صرف یہی قیمت ہے۔[1]

''ہاتھ'' اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی نعمت

ہمارے ہاتھ، جو ہمیں بہت چھوٹے چھوٹے اور عام سے کام کرنے کے قابل بناتے ہیں، مثلاً: چائے کی پیالی کو ہلانا، اخبار کے صفحات الٹنا، لکھنا وغیرہ، صناعی کا عجوبہ ہیں۔

ہاتھ کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ یہ مختلف قسم کی سرگرمیوں میں بڑی عمدگی سے کام کرتے ہیں، حالاں کہ ساخت میں یہ کوئی زیادہ بڑا بھی نہیں ہوتا۔ اسے بہت سے پٹھے اور رگیں عطا کی گئی ہیں۔ مختلف حالات میں مختلف چیزوں کو مضبوطی یا نرمی سے تھامنے کے لئے ہمارے بازو ہمارے ہاتھوں کی مدد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انسانی ہاتھ جب مٹھی کی شکل میں نہ ہو تو تھپڑ مار سکتا ہے اور کسی شے پر اس کی ضرب ۴۵ کلو گرام وزنی ہوتی ہے۔ تاہم ہمارا ہاتھ، انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان کاغذ کی شیٹ پکڑ سکتا ہے جو ایک ملی لیٹر کا ۱/۱۰ حصہ موٹی ہوتی ہے۔ ظاہراً تو یہ دونوں کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ایک میں حساسیت درکار ہے تو دوسرے میں کافی طاقت۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش: ۷، ۸، ۲۳

besturdubooks.wordpress.com

ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟

جب کاغذ کی شیٹ کو ہم انگلیوں کے درمیان پکڑتے ہیں یا مکا مارتے ہیں، نہ ہی ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ان دو کاموں کے لئے کیا تیاری کرنی ہے؟ ہم یہ کبھی نہیں کہتے: ''اب میں کاغذ اٹھاؤں گا، اس کے لئے مجھے ۵۰۰ گرام قوت استعمال کرنی ہوگی۔ اب میں پانی کی بھری ہوئی اس بالٹی کو اٹھاؤں گا، اس کے لئے مجھے ۴۰ کلوگرام طاقت استعمال کرنی ہوگی۔'' ہمیں ان باتوں کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسانی ہاتھ تو ایسے کام بیک وقت کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ ہاتھ کو اس کے تمام کاموں سمیت بنایا گیا ہے اور بیک وقت اس کی متعلقہ ترکیبیں بھی اسے دے دی گئی ہیں۔ ہاتھ کی تمام انگلیوں کی مناسب لمبائی اور جگہ ہے اور ان میں ایک تناسب رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس مکے کی قوت زیادہ ہوگی جس میں عام انگوٹھا شامل ہوگا اور جس میں انگوٹھا چھوٹا ہوگا اس کی قوت نسبتاً کم ہوگی۔ اس لئے کہ انگوٹھا دوسری انگلیوں کو ڈھانپتا ہے اور ان کی مدد کرتے ہوئے ان کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔

ہاتھ کی ساخت میں بہت سی چھوٹی چھوٹی جزئیات پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس میں پٹھوں اور وریدوں کے علاوہ چھوٹے خلیاتی حصے ہوتے ہیں۔ انگلیوں کے سروں پر موجود ناخن کسی طرح بھی ہاتھ کے غیر اہم معاون حصے نہیں ہوتے۔ جب ہم فرش پر سے ایک سوئی اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اپنی انگلیاں اور ناخن دونوں استعمال کرتے ہیں۔ ہماری انگلیوں کے سروں پر موجود کھردری سطح (ناخنوں سمیت) چھوٹی چھوٹی سی چیزوں کو اُٹھانے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ انگلیاں جن چیزوں کو تھامتی ہیں، اس کے لئے جو زور اور دباؤ ڈالنا پڑتا ہے، اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ناخن ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ہاتھ کی ایک اور صفت یہ ہے کہ یہ تھکتا نہیں ہے۔ ہاتھ عموماً آنکھ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کرتا ہے۔ وہ اشارات جو آنکھ تک پہنچ رہے ہوتے ہیں، انہیں دماغ کو منتقل کر دیا جاتا ہے اور پھر جو حکم دماغ دیتا ہے، ہاتھ اس پر عمل کرتے ہوئے حرکت کرتا ہے۔ یہ بہت مختصر وقت میں مکمل کر لئے جاتے ہیں اور انہیں کرنے کے لئے ہمیں خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ مزید یہ کہ جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ دو ہاتھ ایک دوسرے کی مکمل ہم آہنگی سے مدد کرتے ہیں تو ہاتھ کی بناوٹ کا بے نقص ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کو انسانوں کے لئے بطورِ خاص ڈیزائن کیا تھا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور صناعی، بے نقص اور بے مثال نظر آتی ہے۔

نتیجہ: یہ بہترین میکانکی عمل جو ہمارے جسم میں کام کر رہے ہیں، ان کا ہمیں علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہماری بے خبری میں کیا کیا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ دل کی دھڑکن، جگر کا کام اور جلد کی تر و تازگی یہ سب کچھ براہ راست ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ یہی بات ان سینکڑوں اعضاء کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ ہم تو اس حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہیں کہ ہمارے گردے خون کو چھانتے ہیں، ہمارا معدہ اس خوراک کو ہضم کرتا ہے جو ہم کھاتے ہیں، ہماری

besturdubooks.wordpress.com

انتڑیوں کی حرکات یا ہمارے پھیپھڑوں کی جامع و بے نقص کارکردگی جو ہمیں سانس لینے میں مدد دیتی ہے، سبھی کچھ ہمارے علم وآگہی سے باہر ہے۔

انسان کو اپنے جسم کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کے اعضاء اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، تو پھر یہ اس قدر جامع اور بے نقص میکانکی عمل وجود میں کیسے آیا؟ ایک عقل و دانش رکھنے والے انسان کے لئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ وہ یہ محسوس کرسکتا ہے کہ انسانی جسم "تخلیق" کیا گیا ہے۔[1]

ہر چھوٹی بڑی ضرورت الوھاب جل جلالہ ہی سے مانگئے

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے ہمیں ہر حاجت اسی "الوھاب جل جلالہ" سے مانگنا سکھائی ہے۔

حاجت چھوٹی ہو یا بڑی، انوکھی ہو یا عمومی، ہر حاجت خود بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بھی یہی سکھایا کہ اسی "الوھاب جل جلالہ" (جو سب کچھ عطا کرنے والا ہے) سے مانگیں۔

ہم ہر پڑھنے والے سے گزارش کرتے ہیں کہ ان آیاتِ قرآنیہ پر خوب غور کریں کہ ان مقدس ہستیوں نے کس طرح گڑگڑا کر اظہارِ عجز کے ساتھ اپنی حاجتیں، ضرورتیں اسی "الوھاب جل جلالہ" سے مانگیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنی ہر حاجت اسی "الوھاب جل جلالہ" سے مانگیں۔ ہرگز ہرگز کسی حاجت و ضرورت میں اس کے غیر کا خیال تک بھی نہ لائیں۔ کوئی کتنا ہی دینی و دنیاوی اعتبار سے بڑا ہو، ہرگز ہرگز اس کے پاس اپنی حاجت لے کر نہ جائیں۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے تو فرمایا "اَنّٰی لَکِ ھٰذَا"[2] یہ (پھل) کہاں سے تمہارے پاس آئے ہیں؟

(سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں) تو مریم علیہا السلام نے کہا:

﴿قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾[3]

ترجمہ: "(مریم) کہنے لگی: یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دھیان عجیب طریقے سے پیدا ہوا اور دل میں اولاد کی طلب کا خیال آیا کہ جو اللہ مریم (علیہا السلام) کو بے موسم پھل پہنچا سکتا ہے، وہ میری بیوی کے بانجھ پن کو دور کر کے اس سے مجھے اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اولاد حاصل کرنے کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعا

اس وقت زکریا علیہ السلام نے غسل کر کے خوب گڑگڑا کر دعا مانگی اور کہا:

---

[1] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۱۰۱ تا ۱۰۴　[2] آل عمران: ۳۷　[3] معارف القرآن: ۲/۵۸، آلِ عمران: ۳۷

besturdubooks.wordpress.com

"یَا رَازِقَ مَرْیَمَ ثِمَارَ الصَّیْفِ فِی الشِّتَآءِ وَثِمَارَ الشِّتَآءِ فِی الصَّیْفِ......هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً"[۱]

ترجمہ: "اے مریم کو روزی دینے والے! سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں پہنچانے والے! مجھ کو اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عنایت فرما، بے شک تو دُعا کو سُننے والا ہے۔"

کہتے ہیں کہ زکریا علیہ السلام نے یہ دُعا رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے مانگی جیسا کہ دُعا کرنے کا اصل قاعدہ ہے۔ ایسی دُعا دِکھلاوے سے دور اور کمالِ اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے ہیں:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً﴾[۲]

ترجمہ: "تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی۔"

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی دنیا و آخرت کی ضرورتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب و برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جب کوئی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا اور دعا کی۔

قرآنِ کریم کی آیات قیامت تک کے لئے ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ کیسا بھی مشکل اور بظاہر ناممکن کام نظر آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے وہ کوئی مشکل اور ناممکن نہیں، لہٰذا ہر ضرورت صرف ایک اللہ ہی سے مانگنا چاہیے جو "الوھّاب جل جلالہ" ہے، یعنی سب کچھ دینے والا ہے۔ جس کو جو کچھ ملا ہے اسی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کسی کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں، سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔

قرآنِ کریم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اس طرح ذکر فرمائی ہے:

﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾[۳]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بھی کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ یعنی:

1. میں بوڑھا ہوں۔
2. بیوی بانجھ ہے۔
3. ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں، لیکن آپ اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرمایئے، جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اُٹھا سکے۔ میں اس ضعف اور بڑھاپے میں کیا کرسکتا ہوں؟

---

[۱] الدرّ المنثور: ۲/۲۷، آل عمران: ۳۸ [۲] الاعراف: ۵۵ [۳] مریم: ٤

besturdubooks.wordpress.com

جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ اُن کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالاتِ نبوت کا وارث بنے۔

دُعا کے آخری جملے میں فرمایا: یعنی آپ نے اپنے فضل و رحمت سے میری ہمیشہ دُعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا۔ اب اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دُعا رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔[1]

پھر حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے جو اولاد کی دُعا مانگی وہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۸ میں ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ مذکور ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

تَرْجَمَۃ: ’’اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔‘‘

’’مِن لَّدُنكَ‘‘ یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالمِ اسباب میں بھی اَسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب (اسباب پیدا کرنے والا) پر ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابرہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو جب اپنی قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام کا راستہ دکھلایا تو کنبہ اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ پھر ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے دعا مانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ’’اے میرے رب! مجھ کو کوئی نیک بیٹا بخش دیجیے۔‘‘

یعنی اے اللہ! نیک اولاد عطا فرما جو دینی کاموں میں میری مدد کرے اور اس سلسلے کو باقی رکھے۔‘‘[4]

چناں چہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی: ﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾[5]

تَرْجَمَۃ: ’’پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔‘‘

’’حَلِيمٍ‘‘ فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نو مولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں۔ اُدھر فرعونِ مصر نے حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاری کے لئے دے دی تھی۔ حضرت سارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے یہی ہاجرہ، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو عطا کر

[1] تفسیر عثمانی: ۴۰۷، مریم: ۴ تا ۸ [2] تفسیر ماجدی: ۱۳۱/۱، آل عمران: ۳۸ [3] الصّٰفّٰت: ۱۰۰
[4] تفسیر عثمانی: ۵۹۹، الصّٰفّٰت: ۱۰۰ [5] الصّٰفّٰت: ۱۰۱

besturdubooks.wordpress.com

دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان ہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحب زادے پیدا ہوئے اور ان کا نام (حضرت) ''اسماعیل'' (علیہ السلام) رکھا گیا۔[1]

اولاد کی اصلاح کے لئے الوھاب جل جلالہ سے دعا

اولاد کی تربیت و اصلاح کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے مختصر اور جامع دعا ان الفاظ سے فرمائی:

﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

ترجمہ: ''اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے۔''

یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے ذوق و شوق، رحمت و شفقت، رقت و نرم دلی اور محبت و محبوبیت عنایت فرمائی تھی اور صاف ستھرا، پاکیزہ خو، مبارک و سعید اور متقی و پرہیزگار بنایا تھا۔ حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی پتہ چلی کہ والدین کو اولاد کی اصلاح کے لئے دعا مانگنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

اسی طرح مریم علیہا السلام کی والدہ نے شیطان سے اولاد کی حفاظت کے لئے اس طرح دعا مانگی تھی:

﴿وَإِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾[3]

ترجمہ: ''میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ بچہ ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آتا ہے، تو شیطان اسے مس کرتا ہے، مگر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام مستثنیٰ ہیں۔[4]

دعا تو ہر انسان مانگتا ہے، مگر مانگنے کا سلیقہ ہر ایک کو نہیں آتا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے۔ یہاں پر ہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مانگی ہوئی دعائیں یا قرآن کریم میں موجود دعائیں جو اولاد کی تربیت کے لئے مانگی گئی ہیں اور اللہ جل جلالہ نے حکایتاً ذکر فرمائی ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں، تاکہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اولاد کے لئے وہی دعائیں مانگے۔

اس لئے کہ وہ دعائیں جو احکم الحاکمین خود بتا دیں کہ میرے دربار میں اس طرح ان الفاظ سے مانگو، وہ دعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہیں۔ بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مستند مجموعہ وظائف[5]'' میں بھی ان دعاؤں کو جمع کر دیا

---

[1] معارف القرآن: ۷/۴۵۷، الصّٰفّٰت: ۱۰۱ [2] تفسیر عثمانی: ۴۰۷، مریم: ۶ [3] آل عمران: ۳۶
[4] تفسیر عثمانی: ۶۹ [5] یہ کتاب کسی بھی معیاری دینی کتب خانے سے یا براہِ راست مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ سے منگوائی جا سکتی ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

گیا ہے جو قرآن و حدیث میں اولاد، گھر والوں اپنی اور ان سب کی سعادت مندی کے لئے مانگی گئی ہیں، لہٰذا والدین کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے بچوں کی شیطان مردود سے حفاظت کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا مانگتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ خاص دُعا مانگی ہے:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾

تَرجَمَہ: ”اور مجھ کو اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔“

اس دُعا میں بڑی جامعیت ہے، کیونکہ وہ گناہ جس کی معافی کا امکان نہیں، وہ شرک و بت پرستی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی دُعا فرما دی۔

اس کے بعد اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اس کا کفارہ دوسرے اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی شفاعت سے بھی معاف کئے جا سکتے ہیں۔ اگر عبادتِ اصنام کا لفظ صوفیائے کرام کے اقوال کے مطابق اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے، وہ اس کا بت ہے اور اس کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اِقدام کر لینا ایک طرح سے اس کی عبادت ہے، تو اس دعاء یعنی عبادتِ اصنام سے محفوظ رہنے میں تمام گناہوں سے حفاظت کا مضمون آجاتا ہے۔[1]

کسی اللہ والے کی مجلس میں حاضرین سے پوچھا گیا کہ اس دور میں سب سے زیادہ مشکل کام کیا ہے؟

مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور علم کے مطابق جواب دیا۔ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ ”حلال کمانا“ یا ”سچ بولنا“ اس دور کا مشکل ترین کام ہے۔

مگر سوال کرنے والے نے خود اس سوال کا جواب یہ دیا کہ اس دور کا مشکل ترین کام:

”اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا“ ہے۔

ظاہر ہے کہ بچے کھانے پینے کی چیز نہیں جنہیں خراب ہونے سے بچانے کے لئے فریج یا دیگر انتظامات کیے جائیں۔ بچے سونے چاندی کی طرح بھی نہیں کہ انہیں تجوری میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر لیا جائے۔

یہ از حد ضروری ہے کہ بچوں کو تحصیلِ علم اور تجربے کی خاطر گھروں سے باہر نکال کر درس گاہوں میں بھیجا جائے۔ ان کی جسمانی نشوونما کے لیے انہیں باغات اور میدانوں میں بھیجا جائے۔ سماجی ضرورت کی خاطر ان کا رشتہ داروں اور احباب سے ملنا جلنا ابتدا ہی سے ہوتا رہے۔ ان کی ذہنی ترقی کے لئے ان کے ذاتی دوستوں کا وجود ضروری ہے، مگر یہ ضرورتیں ایسی ہیں جن کو پورا کرنے کے دوران بچوں کے بگڑ جانے کا پورا پورا اندیشہ باقی رہتا ہے۔

کیونکہ درس گاہوں ...... باغات اور سماجی تقریبات میں ...... یہ بچے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ گھلتے ملتے ہی ہیں

---

[1] معارف القرآن: ۲۶۲/۵، ابراھیم: ۳۵

besturdubooks.wordpress.com

اور برائی وبا کی مانند پھیلتی ہے۔ اس پر اضافہ یہ کہ اپنی کم عمری اور ناسمجھی کے باعث یہ بچے ”اچھوں“ اور ”بروں“ میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا والدین کی ساری تربیتی کوششوں پر پانی پھر جانے کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔ اسی ساری صورتِ حال کے باعث سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ اس سوال کا آسان اور قابلِ عمل جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کے حق میں ”اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے حضور الحاح وزاری کے ساتھ دعا کریں۔

ان کی صلاح وفلاح کے لئے ...... ان کے دین دار و داعی بننے کے لئے ...... ان کے اچھے نصیبوں کے لئے ...... عافیت کے لئے ...... اچھے رشتوں کے لئے ...... ان کی اصلاح وتربیت کے لئے ان دعاؤں کو وقتاً فوقتاً مانگتے رہنا چاہئے۔ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ آیتیں اور دُعائیں ہمیں سکھا رہی ہیں کہ مانگنا صرف۔ اللہ تعالیٰ ہی سے چاہئے۔ ”اَلْوَهَّابُ“ اللہ تعالیٰ ہے، بخشش دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ گزشتہ تینوں دُعاؤں میں هَبْ (امر) کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ اے رب! نیک اولاد عطا کر، انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے اور مخلوقِ خدا کو بھی یہی سکھاتے کہ کوئی بھی چھوٹی یا بڑی حاجت ہو، اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جائے۔ جس ”اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے اولاد مانگی جائے اُسی ”اَلْوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ سے اولاد کی اصلاح وتربیت بھی مانگی جائے۔

اولاد دین دار ہو تو دنیا و آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

ان دُعاؤں سے سیکھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اولاد کی دُعا بھی مانگی تو دین کی خدمت ہی کے لئے مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا کرنے اور کلمۂ حق کو چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لئے مانگی کہ اے اللہ! مخلوقِ خدا تک آپ کی توحید اور معرفت کا پیغام پہنچانا، جو ہمارے ذمے ہے، وہ کام بعد میں بھی چلتا رہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے نائب ہوتے ہوئے ہمارا بھی مقصدِ زندگی، دین بن جائے۔ چوبیس گھنٹوں کی زندگی میں جو بھی کام کریں، اس میں مقصود محض اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو بلند کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت کے کام کی قدر اور اس کی معرفت نصیب فرمادے۔ اٰمین یا ربَّ العَالَمِیْن.

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ بھی اس نیت سے نہ کیا جائے کہ زیادہ ملے گا...... یہ تو دینار خرچ کر کے بھی عبدالدینار (روپے پیسے کا غلام) ہی رہے گا۔ عبداللہ وہ رہے گا جو خرچ کر کے محض رضاءِ الٰہی کا طالب ہو۔ اسی طرح اذکار و اوراد اس نیت سے پڑھنا کہ رزق میں وسعت ہوگی، یہ کم زور نیت ہے کہ ان اذکار سے صرف اس فانی دنیا کے فوائد حاصل کرنا مقصود ہو، بل کہ نیت یہ رکھیں کہ ان اذکار اور ان اعمال پر جو وعدے ہیں وہ تو ضرور پورے ہوں گے، لیکن ہماری نیت تو ان سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو راضی کرنا ہو۔

جو ان خیروں پر وعدے ہیں، وہ موعود ہیں، اور جو موعود ہو، وہ مقصود و مطلوب نہ بن جائے۔ مقصود و مطلوب تو ہر کام

besturdubooks.wordpress.com

میں رضاءِ الٰہی اور مخلوقِ خدا تک دین پہنچانا ہو جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ اللہ جل جلالہٗ کو پہچان کر اس کی ماننے والا بن جائے اور جہنم کے راستے سے ہٹ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولاد کی پیدائش سے پہلے بھی دُعائیں مانگتے ہیں اور اولاد پیدا ہونے کے بعد بھی مانگتے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان دُعاؤں کو یاد کرلے اور اپنی اولاد، والدین، بھائی، بہنوں کے لئے دُعا مانگتا رہے۔

خصوصاً جب زوجہ کے حمل ٹھہر جائے، تب سے اہتمام سے دُعا مانگے کہ اے اللہ! اس بچے، بچی کو دِین دار بنا...... دین کا خادم بنا...... نیک بنا...... دین کا داعی بنا...... ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا...... اس کے نصیب اچھے فرما...... اس کے لئے عافیت کا فیصلہ فرما...... اس کے لئے سعادت کو مقدر فرما...... سعید و نیک بختوں کے ساتھ اس کا حشر فرما...... روزی حلال طیب عافیت کے ساتھ نصیب فرما...... ہمیں اولاد کا کوئی غم نہ دکھا، اس طرح مانگتے رہنا چاہئے۔

الوھاب جل جلالہٗ سے آنکھوں کی ٹھنڈک مانگئے

ایک دوسری آیت میں اللہ جل جلالہٗ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو اولاد اور بیوی کے حصول اور ان کے نیک صالح ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں، چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1]

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔“

بیوی بچوں کے نیک بننے اور اولاد کے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جانے اور اس بات کے لئے کہ پورا گھرانہ الوھاب جل جلالہٗ کو راضی کرنے والا بن جائے اور آگے دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بن جائے تو اس کے لئے ”الوھاب جل جلالہٗ“ کے نیک بندوں کی دُعا بھی مانگی جائے۔ منگنی اور شادی کے بعد یہ دُعا خوب مانگی جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد یہ ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو اللہ جل جلالہٗ کی اطاعت میں مشغول دیکھے۔“[2]

فوائد و نصائح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمِّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے درخواست کی کہ آپ اپنے خادم ”انس“ کے لئے کوئی دُعا فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے یہ دُعا فرمائی:

---

[1] الفرقان: ۷۴
[2] معارف القرآن: ۵۰۹/۶، الفرقان: ۷۴

besturdubooks.wordpress.com

❶ ”اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ“[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! اس (انس) کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما۔“

اپنے لئے اور اپنی اولاد کی نماز کی پابندی کے لئے یہ دُعا مانگی جائے جو ابراہیم علیہ السلام نے مانگی تھی:

❷ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾[2]

ترجمہ: ”اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔“

❸ ”اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّلَدٍ يَّكُوْنُ عَلَيَّ وَبَالًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ مَّالٍ يَّكُوْنُ عَلَيَّ عَذَابًا“[3]

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ایسے مال سے جو میرے لئے فتنہ بن جائے اور آپ کی پناہ لیتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے لئے وبالِ جان بن جائے۔“

مسئلہ: وہ تمام دُعائیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں، ان کو نفل نماز کے سجدے میں مانگ سکتے ہیں، چوں کہ بندہ سجدے میں اللہ جل جلالہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس لئے لمبے لمبے سجدے کریں اور ان میں دُعا کئی بار مانگیں۔ اللہ جل جلالہ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس کو سجدے میں پڑا ہوا دیکھے کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہو۔ اللہ جل جلالہ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قرب حالتِ سجدہ میں ہوتا ہے۔[4] جو دعائیں پیچھے ذکر کی گئی ہیں، ان دعاؤں کو تہجد کے نوافل کے سجدے میں، اسی طرح دوسرے عام نوافل کے سجدوں میں اور التحیات، درود شریف کے بعد مانگنا چاہئے۔

وصیت: یہ دعائیں مانگنے کے ساتھ ساتھ گھر کی خوش حالی اور گھر والوں کی سعادت مندی کے لئے میاں بیوی کو چاہئے کہ وہ چند کتابوں کا مطالعہ کریں۔ امید ہے ان کتابوں میں درج شدہ ہدایات پر عمل کرنے سے گھروں میں لڑائی جھگڑے، گلے شکوے اور اختلافات وفسادات ان شاء اللہ ختم ہو جائیں گے۔

شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنے مطالعے میں یہ کتابیں رکھے:

اصلاحی خطبات	....	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
تحفۂ زوجین	....	حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
بیوی کے حقوق	....	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
مسلمان خاوند	....	حضرت مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
تحفۂ دولہا	....	محمد حنیف عبدالمجید غفر اللہ لہ ولوالدیہ

[1] ترمذي: ابواب مناقب، مناقب أنس رضي الله عنه: ۲۲۳/۲ [2] ابراهيم: ۴۰

[3] مجمع الزوائد، الادعية، دعاء داؤد عليه السلام: ۲۱۴/۱۰، رقم: ۱۷۴۲۹ [4] مسند احمد: ۴۲۱/۲، رقم: ۹۱۶۵

besturdubooks.wordpress.com

مثالی باپ .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

The Ideal Father

اصلاحی خطبات .... حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

کسی کو تکلیف نہ دیجئے .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ

بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے مطالعے میں یہ کتابیں رکھے:

بہشتی زیور .... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

شوہر کے حقوق .... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

اصلاح خواتین .... حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

تحفۂ خواتین .... حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (اردو/انگریزی)

مسلمان بیوی .... حضرت مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

تحفۂ دُلہن .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

A Gift To The Bride

مثالی ماں .... محمد حنیف عبدالجید غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ (اردو/انگریزی)

The Ideal Mother

دعا شروع کرنے سے پہلے ایک اہم اور پیاری تسبیح

۴ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْعَلِیِّ الْوَهَّابِ''

یہ بہت ہی پیاری تسبیح ہے۔ ''اَلوَہّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی صفت اس میں مذکور ہے۔ دُعا کی ابتداء میں درود شریف اور اس تسبیح کو پڑھ کر دُعا مانگنا دعا کے قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

''حضرت سلمہ بن اکوع اسلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو کوئی ایسی دعا کرتے ہوئے نہیں سُنا جس دعا کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان کلمات سے شروع نہ فرماتے ہوں۔ (یعنی ہر دعا کے شروع میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ کلمات فرماتے تھے۔)

''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْعَلِیِّ الْوَهَّابِ''[۱]

تَرجَمَۃ: ''میرا رب سب عیبوں سے پاک، سب سے برتر، سب سے زیادہ بلند اور سب سے زیادہ دینے والا ہے۔''

---

[۱] مسند احمد: ۵٤/٤، رقم: ۱٦۱۱۳

besturdubooks.wordpress.com

حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک بہت اہم اور پیاری دعا

حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایمان اور اخلاص و عافیت کے لئے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

۵ "اَللّٰھُمَّ ھَبْ لِیْ اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا وَّمُعَافَاۃً وَّنِیَّۃً"[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مجھے ایمان، یقین اور اخلاص نیت کی دولت اور عافیت نصیب فرما۔"

صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کتنے سمجھ دار تھے کہ "الوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگا تو ایمان، یقین اور عافیت مانگی۔ ایمان اور یقین بہت بڑی دولت ہے، اس کے ساتھ ساتھ عافیت بھی بہت بڑی نعمت ہے، حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی یہ دعا ہم میں سے ہر ایک کو خوب مانگنی چاہئے۔

اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ اس بات کا یقین رکھیں کہ بندہ کے پاس اس کے گھر کی کوئی شئے نہیں۔ جو کچھ ہے "الوَهَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا دیا ہوا ہے۔[2]

اسی طرح ہمیں حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عطا کئے جو دونوں جہانوں کے سردار ہیں اور ہمیں اسلام و ایمان کی دولت دی، دعوت و تبلیغ کا عظیم عمل عطا کیا جس کے ذریعے لاکھوں انسان کفر و شرک کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف آرہے ہیں اور گمراہی سے سیدھی راہ کی طرف چل پڑے ہیں۔[3]

---

[1] کنزالعمال، الاول، الاذکار، الادعیۃ المطلقۃ: ۲/۲۸۵، رقم: ۵۰۲۸

[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۰

[3] المنہج للامام الجوزی: ۳۱۸

besturdubooks.wordpress.com

اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت روزی دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

رزق لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی بھی نوعیت کا فائدہ حاصل کیا جائے۔

❶ علامہ خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے رزق کی ذمہ داری لی ہے اور ہر جان دار کے لئے اس کے رزق کا بندوبست کیا ہے۔ اس کا رزق اور اس کی رحمت تمام مخلوقات کو کافی ہے اور اس رزق میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی اور نہ ہی دوست و دشمن میں کوئی فرق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کم زور شخص کو (اور چھوٹے بچے کو) بھی روزی پہنچاتے ہیں جو نہ کمانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ اُس کے پاس کوئی ذریعۂ معاش ہے۔ جیسا کہ اس شخص کو روزی دیتے ہیں جو مضبوط، توانا اور تندرست ہے۔''[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے۔''

❷ (اَلرَّزَّاقُ): وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْزَاقَ وَأَعْطَى الْخَلَائِقَ أَرْزَاقَهَا وَأَوْصَلَهَا إِلَيْهِمْ.[2]

تَرجَمَہ: ''اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے تمام روزیوں کو پیدا کیا اور پھر ہر ہر مخلوق کو اس کی روزی عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہر ہر مخلوق تک اس کی روزی پہنچائی۔

❸ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ''اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں۔ اپنی تمام مخلوقات کو رزق دینے والے ہیں، زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رزق نہ دیتے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے رزق دو طرح کا ہے:

---

[1] الرَّزَّاقُ: هُوَ الْمُتَكَفِّلُ بِالرِّزْقِ، وَالْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا يُقِيْمُهَا مِنْ قُوْتِهَا، وَسِعَ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ رِزْقُهٗ وَرَحْمَتُهٗ، فَلَمْ يَخْتَصَّ بِذَالِكَ مُؤْمِنًا دُوْنَ كَافِرٍ، وَلَا وَلِيًّا دُوْنَ عَدُوٍّ، يَسُوْقُهٗ إِلَى الضَّعِيْفِ الَّذِيْ لَاحِيَلَ لَهٗ وَلَا مُتَكَسَّبَ فِيْهِ كَمَا يَسُوْقُهٗ إِلَى الْجَلْدِ الْقَوِيِّ ذِى الْمِرَّةِ السَّوِيِّ قَالَ سُبْحَانَهٗ: ﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ﴾ (عنكبوت: ٦٠) (النهج الأسمٰى: ١/١٩٣، ١٩٤)

[2] النهاية: ٢/٢١٩

besturdubooks.wordpress.com

① رزقِ عام، جو نیک و بد، اگلوں و پچھلوں سب کو شامل ہے، یہ رزقِ بدنی کہلاتا ہے۔
② رزقِ خاص، یہ دلوں کا توشہ ہے اور دلوں کی غذا علم اور ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔

اور رزقِ حلال جو دین کے مطابق عمل کرنے پر مدد دیتا ہے، یہ رزق اللہ ربُّ العزت کی طرف سے مؤمنین کے ساتھ ان کے مراتبِ ایمانیہ کے اعتبار سے خاص ہے، جس کا اللہ ربُّ العزت کی حکمت و رحمت تقاضہ کرتی ہے[1] اور اس سے قریب تر بات وہ ہے جو ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ''اَلنُّوْنِیَہ'' میں تحریر فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

''اَلرَّزَّاقُ'' بھی اللہ پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اُس کی طرف سے عطا کردہ رزق کی دو قسمیں ہیں:

❶ ایک رزق وہ ہے جو اللہ پاک کی طرف سے اُن کے بندے اور رسول کے ذریعے دنیا والوں کو عطا کیا گیا ہے۔ اس کو دلوں کی غذا کہا جاتا ہے اور اس کی بھی دو قسمیں معروف ہیں: ایک علم اور دوسرا ایمان اور دوسری قسم اجسام و ابدان کا رزق شمار کی جاتی ہے۔ یہی وہ رزقِ حلال ہے جس کا عطا کرنے والا ہمارا ربّ ہے اور بزرگی ساری احسان کرنے والے (اللہ تعالیٰ) ہی کے لئے ہے۔

❷ دوسری قسم یعنی رزقِ بدنی اِس کو اعضاء تک پہنچانے کے لئے جسم کی نالیوں میں کامل حکمت اور علم کے ساتھ بمقدارِ ضرورت چلایا جاتا ہے۔ اب یہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی اور دونوں کو رزق ہی کہا جاتا ہے اور رزق عطا کرنے والے اللہ پاک ہی ہیں اور ایک چیز (حرام) کو چھوڑ کر صرف دوسری چیز (حلال) پر رزق کا اطلاق کرنا صحیح نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کے ان ہی پیارے ناموں کو پڑھتے ہوئے ایک عارف نے بے ساختہ کہا تھا:

---

[1] قَالَ السَّعْدِيُّ (الرَّزَّاقُ) لِجَمِيْعِ عِبَادِهٖ فَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. وَرِزْقُهٗ لِعِبَادِهٖ نَوْعَانِ. ① رِزْقٌ عَامٌّ شَمَلَ الْبَرَّ وَالْفَاجِرَ، وَالْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَهُوَ رِزْقُ الْأَبْدَانِ. ② وَرِزْقٌ خَاصٌّ وَهُوَ (رِزْقُ) الْقُلُوْبِ، وَتَغْذِيَتُهَا بِالْعِلْمِ وَالْإِيْمَانِ. وَالرِّزْقُ الْحَلَالُ الَّذِيْ يُعِيْنُ عَلٰى صَلَاحِ الدِّيْنِ، هٰذَا خَاصٌّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَرَاتِبِهِمْ مِنْهُ بِحَسَبِ مَا تَقْتَضِيْهِ حِكْمَتُهٗ وَرَحْمَتُهٗ. (تيسير الكريم: ٣٠٢/٥، كلها نقلاً عن النهج الاسمٰى: ١٩٤/١، ١٩٥)

[2]

وَكَذٰلِكَ الرَّزَّاقُ مِنْ أَسْمَائِهٖ ۔۔۔ وَالرِّزْقُ مِنْ أَفْعَالِهٖ نَوْعَانِ
رِزْقٌ عَلٰى يَدِ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ نَوْعَانِ أَيْضًا ذَانِ مَعْرُوْفَانِ
رِزْقُ الْقُلُوْبِ الْعِلْمُ وَالْإِيْمَانُ ۔۔۔ وَالرِّزْقُ الْمُعَدُّ لِهٰذِهِ الْأَبْدَانِ
هٰذَا هُوَ الرِّزْقُ الْحَلَالُ وَرَبُّنَا ۔۔۔ رَزَّاقُهٗ وَالْفَضْلُ لِلْمَنَّانِ
وَالثَّانِيْ سَوْقُ الْقُوْتِ لِلْأَعْضَاءِ فِيْ ۔۔۔ تِلْكَ الْمَجَارِيْ سَوْقُهٗ بِوِزَانِ
هٰذَا يَكُوْنُ مِنَ الْحَلَالِ كَمَا يَكُوْ ۔۔۔ نُ مِنَ الْحَرَامِ كِلَا هُمَا رِزْقَانِ
وَاللّٰهُ رَازِقُهٗ بِهٰذَا الْإِعْتِبَارِ ۔۔۔ وَلَيْسَ بِالْإِطْلَاقِ دُوْنَ بَيَانِ

("النونية" ٢٣٤/٢، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ١٩٥/١)

besturdubooks.wordpress.com

"مُنْذُ عَرَفْتُ خَالِقِيْ مَاشَکَکْتُ فِيْ رِزْقِيْ."

ترجمہ: "جب سے میں نے اپنے خالق کو پہچانا ہے میں نے اپنی روزی کے بارے میں کبھی شک یا فکر نہیں کی۔"

"الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہر جان دار کی روزی اپنے ذمے لی ہوئی ہے

روئے زمین پر چلنے والے جتنے انسان وحیوان ہیں، چاہے جنگل کے درندے، پرندے اور حشرات الارض ہیں یا دریا میں رہنے والا جانور ہیں، سب کو رزق پہنچانے کا ذمہ "الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے خود لیا ہوا ہے۔

جیسا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

ترجمہ: اور کوئی جان دار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو (اور رزق رسانی کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے) ہر ایک کی مستقل رہنے کی جگہ اور عارضی رہنے کی جگہ کو جانتا ہے (اور ہر ایک کو وہاں ہی رزق پہنچاتا ہے اور گو سب چیزیں علمِ الٰہی میں ہیں ہی مگر اس کے ساتھ) سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں بھی (منضبط اور درج) ہیں۔

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا رزق کا وعدہ

واقعہ نمبر ۲۸: امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس مذکورہ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۶ کے تحت ابوموسیٰ اور ابومالک وغیرہ قبیلہ اشعریین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جو کچھ توشہ اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا، وہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرما دیں۔ یہ شخص جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے تلاوت کی آواز آئی۔ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ اس شخص کو یہ آیت سُن کر خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب جان داروں کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر اشعری بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں۔ وہ ضرور ہمیں بھی رزق دے گا۔ یہ خیال کر کے وہیں سے واپس ہوگیا، آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنا کچھ حال نہیں بتلایا۔

واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: خوش ہو جاؤ! تمہارے لئے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مدد آ رہی ہے، اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے حسبِ مشورہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے

---

[1] هود: ٦

besturdubooks.wordpress.com

اور آپ ﷺ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے، وہ یہ سمجھ کر مطمئن بیٹھ گئے۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی ایک قصعہ (پیالہ) گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا اُٹھائے لارہے ہیں (قصعہ ایک بڑا برتن ہوتا ہے جیسے تسلہ یا سینی) لانے والوں نے یہ کھانا اشعریّین کو دے دیا۔ انہوں نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا، پھر بھی بچا رہا تو ان لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ باقی کھانا آں حضرت ﷺ کے پاس بھیج دیں، تاکہ اس کو آپ اپنی ضرورت میں صرف فرما دیں۔ اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر آں حضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

اس کے بعد یہ سب حضرات آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت زیادہ اور بہت نفیس ولذیذ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا۔

تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے اپنے فلاں آدمی کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے واپس آکر یہ جواب دیا جس سے ہم نے سمجھا کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

”ذٰلِكَ شَيْءٌ رَزَقَكُمُوْهُ اللّٰهُ.“ یہ رزق اللہ پاک نے تمہیں عطا فرمایا تھا۔[۱]

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی شانِ رزّاقیت

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ﴿۲۹﴾: بعض روایات میں آتا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے تجلیاتِ الٰہی سامنے آئیں اور ان کو نبوت ورسالت عطا ہوکر فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے مصر جانے کا حکم ملا تو (طبعی طور پر) خیال آیا (جو کہ منصب اور کمالاتِ نبوت کے بالکل خلاف بھی نہیں) کہ میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں، اس کی کفالت کرنے والا کون ہوگا؟ اس بنا پر ان کے دل کی تسلّی کے لئے حق تعالیٰ نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی پتھر کی چٹان پر لاٹھی ماریں۔ انہوں نے تعمیلِ حکم کی تو یہ چٹان پھٹ کر اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر برآمد ہوا۔ حکم ہوا اس پر بھی لاٹھی ماریں۔ ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر برآمد ہوا۔ اس پر بھی لاٹھی مارنے کا حکم ہوا تو یہ شق ہوا اور اندر سے ایک جانور برآمد ہوا، جس کے منہ میں ہرا پتہ تھا۔

حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کامل اور مکمل یقین تو موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو پہلے بھی تھا، مگر یقینی مدد اور نصرت کی جھلک اور مشاہدہ کا اثر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔[۲]

قصہ ایک پتھر کا

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ﴿۳۰﴾: ایک ڈاکٹر صاحب تھے وہ اپنے بچوں کے ساتھ پہاڑی علاقے میں گھومنے پھرنے گئے، ایک پہاڑ پر گول خوب صورت سا پتھر تھا، اس پر جب ان کی نظر پڑی تو ان کی بیٹی نے کہا:

---

[۱] تفسیر قرطبی: ۷/۵، ہود: ٦ [۲] معارف القرآن: ۵۹۱/٤، ۵۹۲، ہود: ۱۱

besturdubooks.wordpress.com

امی! وہ پتھر دیکھو جیسے ہمارے ڈرائنگ روم کا کلر ہے بالکل اس سے میچ کرتا ہے۔
ماں نے کہا: بیٹی اٹھالو، وہ گول سا پتھر تھا چھوٹا سا، انہوں نے اٹھالیا، ان کی بیوی نے کہا: ہم سفر کی یادگار کے طور پر اس کو ڈرائنگ روم (مہمان خانے) میں رکھیں گے، دو سال وہ پتھر ان کے ڈرائنگ روم میں رہا، ایک دن ان کی بیوی صفائی کررہی تھی، خود اس نے جو پتھر اٹھایا تو وہ پتھر اس کے ہاتھ سے پھسلا اور فرش پر گر کے دو ٹکڑے ہوگیا، اس نے دیکھا کہ اس پتھر کے اندر ایک سوراخ ہے اس میں سے ایک کیڑا نکل کر زمین پر چل رہا ہے، حیران ہوئی کہ دو سال سے یہ پتھر ہمارے گھر پر ہے، اے مالک! تو کتنا بڑا ہے کہ بند پتھروں میں بھی تو کیڑوں کو غذا پہنچا دیتا ہے، لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ رزق جس کا ہو اس کو مل کر رہتا ہے۔[1]

اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا عجیب وغریب نظامِ قدرت

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صرف اتنا بتانے پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ ہر جان دار کا رزق اپنے ذمہ ہونے کا اعلان فرما دیا، بل کہ انسان کے مزید اطمینان کے لئے فرمایا: "وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا" اس آیت میں "مُسْتَقَرّ" اور "مُسْتَوْدَع" کی مختلف تفسیریں منقول ہیں کہ "مُسْتَقَرّ" اُس جگہ کو کہا جاتا ہے، جہاں کوئی شخص مستقل طور پر جائے قیام یا وطن بنالے اور "مُسْتَوْدَع" اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی عارضی طور پر کسی ضرورت کے لئے ٹھہرے۔

مطلب یہ ہوا کہ "اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ذمہ داری کو دنیا کے لوگوں اور حکومتوں کی ذمہ داری پر قیاس نہ کرو۔ دنیا میں اگر کوئی شخص یا کوئی ادارہ آپ کے رزق کی ذمہ داری لے لے تو اتنا کام بہر حال آپ کو کرنا پڑے گا کہ اگر اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانا ہو تو اس فرد یا ادارے کو اطلاع دیں کہ میں فلاں تاریخ سے فلاں تک فلاں شہر یا گاؤں میں رہوں گا، رزق کے وہاں پہنچنے پہنچانے کا انتظام کیا جائے، مگر "اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ذمہ داری میں آپ پر اس کا بھی کوئی بار نہیں، کیوں کہ وہ آپ کی ہر نقل وحرکت سے باخبر ہے۔ آپ کے مستقل جائے قیام کو بھی جانتا ہے اور عارضی اقامت کی جگہ سے بھی واقف ہے۔ بغیر کسی درخواست اور نشان دہی کے آپ کا راشن وہاں منتقل کردیا جاتا ہے۔

اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے علمِ محیط اور قدرتِ مطلقہ کے پیشِ نظر صرف اس کا ارادہ فرمالینا، تمام کاموں کے سرانجام ہونے کے لئے کافی تھا۔ کسی کتاب یا رجسٹر میں لکھنے لکھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر مسکین انسان جس نظام کا خوگر ہوتا ہے اس کو اس نظام پر قیاس کرکے بھول چوک کا کھٹکا ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کے مزید اطمینان کے لئے فرمایا "كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" یعنی یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اس واضح کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے جس میں تمام کائنات کی روزی، عمر، عمل وغیرہ کی پوری تفصیلات لکھی ہوئی ہیں، جو حسبِ موقع وضرورت متعلقہ فرشتوں کے سپرد کردی جاتی ہیں۔[2]

---

[1] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۱۹۵
[2] معارف القرآن: ۵۹۲/٤، ۵۹۳، ھود: ۱۱

besturdubooks.wordpress.com

اَلرَّزَّاقُ جَلّ جَلَالُہٗ ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا

اللہ جَلّ جَلَالُہٗ ''اَلرَّزَّاقُ'' ہیں، وہ روزی دینے والے ہیں، کبھی روزی اسباب کے موافق دیتے ہیں اور کبھی روزی ایسی جگہ سے دیتے ہیں جہاں سے روزی ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ جَلّ جَلَالُہٗ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔''

تقویٰ یعنی گناہوں سے ڈرنے اور بچنے کا اہتمام کرنے اور گناہ ہو جائے تو فوراً سچی توبہ واستغفار کر لینے سے اَلرَّزَّاقُ جَلّ جَلَالُہٗ ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں کہ انسان کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اب تقویٰ کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: دل اور دیگر اعضاء کو حرام کاموں سے بچایا جائے۔

دوسرا درجہ: مکروہات سے پرہیز کیا جائے۔

تیسرا درجہ: فضول اور بے مقصد باتوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔

تقویٰ کا پہلا درجہ بندہ کی رُوح کو زندگی اور جلا بخشتا ہے۔

دوسرا درجہ رُوح کو صحت اور قوت بخشتا ہے۔

اور تیسرا درجہ روح کو فرحت، سرور اور تازگی بخشتا ہے۔[2]

لہٰذا دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تقویٰ کے تینوں درجات پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی

وَاقِعَۃ نمبر (۳۱): حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہم تین سو صحابہ کا ایک لشکر ساحلِ سمندر کی طرف بھیجا اور ابوعبیدہ بن جراح (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو ہمارا امیر بنایا۔ چناں چہ ہم مدینہ سے چلے۔ راستے میں توشہ ختم ہو گیا تو ابوعبیدہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے حکم دیا کہ لشکر کے تمام توشے جمع کیے جائیں، چناں چہ تمام توشے جمع کیے گئے تو کھجور کے دو توشے دان بن گئے۔ ابوعبیدہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) ہمیں ان میں سے تھوڑا تھوڑا روز دیتے رہے، پھر یہ توشے دان بھی ختم ہو گئے اور ہمیں روزانہ صرف ایک کھجور ملنے لگی۔ راوی نے (حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے شاگرد

---

[1] الطلاق: ۲ [2] الفوائد لابن قیم الجوزیۃ: ۳۷

besturdubooks.wordpress.com

نے) کہا کہ ایک کھجور پر کیسے گزارہ ہوتا ہوگا؟

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: اس کی قدر اس وقت معلوم ہوئی جب وہ ایک کھجور بھی ملنی بند ہوگئی۔ پھر ہم جب ساحلِ سمندر پر پہنچے تو وہاں چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی ملی، جس کے گوشت کو سارا لشکر ۱۸ دن تک کھاتا رہا۔ (دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ایک ماہ تک کھاتے رہے) پھر ابوعبیدہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے فرمانے پر اس مچھلی کے دو کانٹے کھڑے کیے گئے اور ایک اونٹنی پر کجاوہ رکھا گیا، پھر وہ اونٹنی ان کانٹوں کے نیچے سے گزری اور اس کا سر یا کوہان کانٹوں کو نہ لگا۔[1]

بے موسم پھل

وَاقِعَہ نمبر (۳۲): حضرت ماریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا جو کہ بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں، وہ فرماتی ہیں: خبیب (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو میرے گھر میں قید کیا گیا تھا۔ ایک روز میں نے دروازے کے جھروکے سے جھانکا تو ان کے ہاتھ میں انسان کے سر کے برابر انگور کا ایک خوشہ تھا، جس میں سے وہ کھا رہے تھے۔ میرے علم میں اس وقت روئے زمین پر کہیں بھی کھانے کے لئے انگور نہیں تھے لیکن اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہیں تو بے موسم پھل کھلا سکتے ہیں۔[2]

کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے

وَاقِعَہ نمبر (۳۳): حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ابواُمامہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کی ایک باندی (جو کہ پہلے عیسائی تھیں اُنہوں) نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا کہ ابواُمامہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو دوسروں پر خرچ کرنا بہت پسند تھا اور وہ اس کے لئے مال جمع کیا کرتے تھے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے، اور کچھ نہ ہوتا تو ایک پیاز یا ایک کھجور یا کھانے کی کوئی چیز ہی دے دیتے۔

ایک دن ایک سائل ان کے پاس آیا۔ اُس وقت ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں تھی، صرف تین دینار تھے۔ اس سائل نے مانگا تو ایک دینار اُسے دے دیا، پھر دوسرا آیا تو ایک دینار اُسے دے دیا، پھر تیسرا آیا تو ایک دینار اُسے دے دیا۔ جب تینوں دے دیئے تو مجھے غصہ آگیا، میں نے کہا: آپ نے ہمارے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ پھر وہ دوپہر کو آرام کرنے لیٹ گئے، جب ظہر کی اذان ہوئی تو میں نے انہیں اٹھایا اور وہ وضو کر کے مسجد چلے گئے۔ چوں کہ ان کا روزہ تھا، اس لئے مجھے ان پر ترس آگیا اور میرا غصہ اُتر گیا۔ پھر میں نے قرض لے کر ان کے لئے رات کا کھانا تیار کیا اور شام کو ان کے لئے چراغ بھی جلایا۔ پھر میں چراغ ٹھیک کرنے کے لئے ان کے بستر کے پاس گئی اور بستر اُٹھایا تو اس کے نیچے سونے کے دینار رکھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں گنا تو وہ پورے تین سو تھے۔ میں نے کہا: چوں کہ اتنے دینار رکھے

---

[1] مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة صید البحر: ۱۴۷/۲

[2] حلیة الأولیاء: ۱۵۹/۱، رقم: ۳۵۵

besturdubooks.wordpress.com

ہوئے تھے، اس وجہ سے انہوں نے تین دینار کی سخاوت کی ہے۔

پھر وہ عشاء کے بعد گھر واپس آئے تو دستر خوان اور چراغ دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا ہے (کیوں کہ ان کا خیال یہ تھا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں تھا اس لئے نہ کھانا ہوگا نہ چراغ)۔ میں نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا، انہیں کھانا کھلایا، پھر میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ اتنے سارے دیناریوں ہی چھوڑ گئے جہاں سے ان کے گم ہونے کا خطرہ تھا۔ مجھے بتایا بھی نہیں کہ اٹھا کر رکھ لیتی۔ کہنے لگے: کون سے دینار، میں تو کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گیا؟

پھر میں نے بستر اٹھا کر انہیں وہ دینار دکھائے۔ دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئے اور بہت حیران بھی ہوئے۔ (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی خزانے سے عطا فرمائے ہیں۔) یہ دیکھ کر میں بھی بہت متاثر ہوئی اور میں نے کھڑے ہوکر زنار کاٹ ڈالا (زنار اس دھاگے یا زنجیر کو کہتے ہیں جسے عیسائی کمر میں باندھتے تھے) اور مسلمان ہوگئی۔

حضرت ابن جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں: میں نے اس باندی کو حمص کی مسجد میں دیکھا کہ وہ عورتوں کو قرآن، فرائض اور سنتیں سکھا رہی تھی اور دین کی باتیں سمجھا رہی تھی۔[1]

چوہے کے بل سے غیبی رزق

وَاقِعَہ نمبر (۳۴): حضرت مقداد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی، حضرت ضباعہ بنت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: لوگ دو یا تین دن کے بعد قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے، (کیوں کہ کھانے کو ملتا نہیں تھا) اور اونٹ کی طرح مینگنی کیا کرتے تھے۔ ایک دن مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قضائے حاجت کے لئے گئے اور "بَقِیْعُ الْغَرْقَد" میں "حَجْبَہ" مقام میں ایک بے آباد جگہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک بڑا سا چوہا ایک دینار اپنے بل میں سے باہر لایا اور ان کے سامنے رکھ کر اپنے بل میں چلا گیا اور پھر ایک ایک دینار لاتا رہا یہاں تک کہ سترہ دینار ہوگئے۔

مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) وہ سترہ دینار لے کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پوچھا: کیا تم نے اپنا ہاتھ بل میں داخل کیا تھا؟

مقداد نے کہا: نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: (چوں کہ یہ دینار تم نے اپنی محنت سے حاصل نہیں کئے، بل کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے غیبی خزانے سے دیئے ہیں اس لئے) ان دیناروں میں خمس دینا تم پر لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دیناروں میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت ضباعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان دیناروں میں بہت برکت عطا فرمائی اور وہ اس وقت ختم

---

[1] حلية الأولياء: ١٠/١٣٣، رقم: ١٤٧٧٢، (في أحوال محمد بن عمر المغربي)

besturdubooks.wordpress.com

ہوئے جب میں نے مقداد (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے گھر میں چاندی کے درہموں کی بوریاں دیکھیں۔[1]

پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے

واقعہ نمبر (۳۵): ''اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا سے بنی اسرائیل کو میدانِ تیہ میں (جب ان کو بھوک کا تقاضہ ہوا تو) ''مَنٌّ وَسَلْوٰی'' نازل فرمادیا۔ یعنی درختوں پر ترنجبین (جو ایک شیریں چیز ہے) بکثرت پیدا کردی اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہوجاتیں، اُن سے بھاگتی نہ تھیں۔ یہ اُن کو پکڑ لیتے اور ذبح کرکے کھاتے رہتے تھے۔ اُن کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا، اس پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے۔ ان لوگوں نے رات کی اندھیری کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک روشنی عمودی شکل میں ان کے محلے کے درمیان قائم فرمادی، کپڑے میلے ہوئے اور پھٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بطورِ اعجاز یہ صورت کردی کہ اُن کے کپڑے نہ میلے ہوں نہ پھٹیں اور بچوں کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ ان کے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مقدار سے بڑھتے رہیں۔[2]

سونے کا مٹکا

واقعہ نمبر (۳۶): حضرت ابوہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک زمین خریدی، جب زمین کو کھودا تو اُس میں ایک مٹکا مدفون پایا، جس میں سونا بھرا ہوا تھا۔ خریدار نے بیچنے والے سے کہا:

''خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ''

اپنا سونا مجھ سے لے لو (کہ یہ تمہاری امانت میرے پاس رہ گئی ہے) اس لئے کہ میں نے تو تم سے زمین خریدی تھی، زمین کے اندر (مدفون) سونا تو نہیں خریدا (جو بغیر کسی عوض کے لے لوں)۔

بیچنے والے نے کہا: ''إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا'' میں نے تو تمہارے ہاتھ زمین ہی نہیں بیچی، بل کہ اس میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارے ہاتھ فروخت کردیا (دونوں میں اختلاف ہوا، کوئی بھی وہ سونا لینے کے لئے تیار نہ تھا۔) لہٰذا دونوں اپنا مقدمہ ایک دوسرے شخص کے پاس لے گئے اور اسے ثالث بنایا، اس نے کہا: کیا تم میں سے کسی کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: ہاں، میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہاں، میری ایک لڑکی ہے۔ ثالث نے کہا: اُس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کردو اور اس سونے میں سے ان دونوں پر خرچ کرو اور صدقہ دو۔[3]

---

[1] حیاۃ الصحابۃ: ۴/۴۳۴ (عربی) المال من حیث لا تحتسب

[2] تفسیر قرطبی: ۱/۳۳۱، البقرۃ: ۵۷

[3] البخاری، حدیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۱/۴۹۴

besturdubooks.wordpress.com

فَائِدَہ: ان واقعات کو کتاب بند کر کے سوچیں، پھر ان کو یاد کر کے اپنے بچوں، بھائی بہنوں اور دوستوں کو سنائیں، تاکہ بار بار کہنے، سننے اور سوچنے سے ہمیں الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ پر ایسا سچا یقین نصیب ہو جائے کہ رزق کمانے کے دوران ہم حرام کاموں کے ارتکاب سے بچ جائیں۔

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے اندھے سانپ کی روزی کا سامان

وَاقِعَہ نمبر ۴۷: کُرد ایک قبیلے کا نام ہے۔ اس میں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا، وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ: میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کے لئے جارہا تھا، راستے میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے، وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں، دو پر تو خوب پھل آرہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تروتازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو کھجور لے جاتے دیکھا تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کا کیا کرتی ہے۔

میں نے اس درخت کے قریب کی ایک چوٹی پر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے اور یہ چڑیا تروتازہ کھجور اس کے مُنہ میں ڈال دیتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت ہوئی کہ میں رونے لگا، میں نے کہا: میرے مولیٰ! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبی ﷺ نے دیا جب یہ اندھا ہو گیا تو اس کو روزی پہنچانے کے لئے تو نے چڑیا کو مقرر کر دیا، اور میں تیرا بندہ تیری توحید کا اقرار کرنے والا تو نے مجھے لوگوں کے لوٹنے پر لگا دیا۔ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ میں نے اُسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا ''إِقَالَہ إِقَالَہ'' (درگزر درگزر) چلانے لگا۔

مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگزر کر دیا، درگزر کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے: تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے کہا: میں مہجور (ناطہ توڑے ہوئے) تھا، اب میں نے صلح کر لی، یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ اُن کو سنایا۔ وہ کہنے لگے: ہم بھی صلح کرتے ہیں، یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں اور سب لوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکہ کے ارادے سے چل دیئے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہنچے تو ایک اندھی بڑھیا ملی۔ اُس نے ہم میں سے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم میں اس نام کا کوئی کُردی ہے۔ لوگوں نے کہا: یہ ہے، اُس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے یہ کپڑے چھوڑے، میں تین دن سے روزانہ حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھ رہی ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کُردی کو دے دو۔ وہ کُردی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے لے لئے اور ہم سب نے اُن کو پہنا۔[1]

---

[1] نزهة البساتين: ۲۵۷، ۲۵۸، حکایت نمبر: ۲۶۲

besturdubooks.wordpress.com

اسبابِ رزق بھی الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُهٗ ہی کے پیدا کردہ ہیں

اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لئے اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے، سارے اسبابِ غنا اور فقر کے وہی پیدا کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص بھوکا ہو یا حاجت مند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (بوجہ اُس کے لطف وکرم کے) یہ حق ہے کہ اُس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔'' [1]

ہم اپنے گھر میں سو مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں تو احتیاطاً ایک سو دس مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' قدرت کے نظام کو اتنا کم زور کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ اگر زمین میں ایک دن میں لاکھ نومولود کے آنے کا انتظام کرتا ہے، تو ان کے کھانے کا اس سے زیادہ ہی کرے گا۔ اس نے بھوک کو پیدا کیا، وہی بھوک کے دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ ابھی بچہ ماں کے پیٹ میں آتا بھی نہیں ہے کہ پہلے سے غذا کے لئے خون موجود ہوتا ہے، اور جب بڑا ہوگیا تو رزق کے لئے رونے کی خوب (عادت) عطا کردی۔

الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُهٗ کی ذات نے شیر خوار بچوں کو نرم وعارضی دانت عنایت فرمائے، مگر جوں ہی بچہ بڑا ہونے لگتا ہے تو یہ عارضی دانت گرنے لگتے ہیں اور بتدریج مستقل دانت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ چناں چہ دودھ کے دانت تعداد میں ۲۰ ہوتے ہیں، ہر جانب اوپر نیچے پانچ پانچ، یہ ۶ سال تک ساتھ دیتے ہیں۔ اسی دوران ایک ایک ڈاڑھ مستقل آجاتی ہے اور اس طرح کل دانت ۲۴ ہوگئے، پھر سامنے والے گرتے ہیں اور نئے آجاتے ہیں، پھر بتدریج ۲۸ ہوجاتے ہیں۔ ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں ایک ایک عقل داڑھ آجاتی ہے۔ اس طرح کل دانت ۳۲ ہوجاتے ہیں۔

اور غذا جب معدہ میں داخل ہوتی ہے تو وہاں نمک کا تیزاب خوراک میں موجود مختلف قسم کے جراثیموں کو ماردیتا ہے اور معدہ کے نمک کا یہ تیزاب اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ خوراک میں لی گئیں تمام اشیاء پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر معدہ اس کے اثر سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے کہ معدہ کی دیواروں پر ایک مخصوص قسم کی چکنی اور لیس دار تہہ ''غشائے مخاطی'' موجود ہوتی ہے جس کی موجودگی معدے پر تیزاب کو اثر ڈالنے نہیں دیتی۔ معدہ کے اندر ساڑھے تین کروڑ کے قریب غدود ہوتے ہیں جن سے خاص کیمیائی مادوں کا اخراج ہوتا ہے۔ [2]

فضا میں فضا کے پرندوں کے لئے رزق مہیا کیا اور پانی میں پانی کے جانوروں کے لئے۔ اونٹ ایک ایسے مقام کا جانور ہے، جہاں پانی اور سبزے کی افراط نہیں تو اس کے جسم میں پانی اور چربی کا ذخیرہ کردیا کہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ بل کہ ہر جانور کے جسم میں چربی پیدا کردی، تاکہ کسی وقت غذا نہ ملے تو وہ پگھل پگھل کر غذا کا کام دے اور تن کا گوشت

---

[1] شعب الایمان للبیہقی: ۱۲/ ۳۸۰، رقم الحدیث: ۹۵۸۱

[2] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی حیرت انگیز بارش: ۵۴ تا ۵۷

besturdubooks.wordpress.com

محفوظ رہے۔ [1]

الرّزّاق جلّ جلالہٗ کو ہی پالنے والا سمجھئے

حضرت مولانا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصل چیز سیکھنے کی ہے ایمان، اور یہ انسان ایمان سیکھنے کو تیار نہیں۔ ایک تو کمانے والے ہیں (جن کا) پورا یقین اپنی کمائی پر ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو کماتا نہیں۔ زبان سے کہیں کہ اللہ دیدیں۔ کسی نہ کسی پر یقین رکھیں کہ فلاں کر دے گا۔ تبلیغ تو خوب ہو رہی ہے، اندر سے ٹٹولو تو اس کے دل کے اندر گوبر بھرا ہوا ہوگا۔ ایمان کے لئے علم، ایمان ہی کے لئے ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

آخر میں یہ ہے کہ جو آدمی ایمان پر مرے گا وہ جائے گا جنت میں۔ آخری دعا بھی یہ ہے کہ "جسے زندہ رکھے عملوں پر زندہ رکھ، اور مارے تو ایمان پر مار" قبر میں جاتے ہی یہ سوال ہوگا کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

آدمی اپنے ذہن میں جس سے پلا ہو اس کی ہر وقت رعایت کرے۔ زمین دار کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ میں زمین داری سے پلوں گا۔ چاہے کتنا ہی سمجھالو، بارش ہوگئی۔ بغیر کھیتی کے پلتے نہیں۔ کھیتی بغیر بیل کے نہیں، بیل بغیر پیسہ کے نہیں۔ سود پر قرضہ لیا، بیل خرید لیا، زمین داروں کی اکثریت آج ایسی ہی ملے گی۔ کھیتی سے نہیں پلتا، اللہ تعالیٰ پالتے ہیں۔ جس کا یقین ہوگا اللہ تعالیٰ سے ملنے کا، قرضہ نہ ملا تو وہ بیل خریدنے کا ارادہ نکال دے گا۔ بٹائی پر دے دے گا یا وہ کام کرے گا جس سے بیل کے بغیر کام چل جائے۔ جس کا یقین یہ ہے کہ زمین داری سے پل رہا ہوں وہ سود بھی لے لے گا، رشوت بھی دے گا، جھوٹا بیان بھی دے گا۔ مرا یہ آدمی، مرتے ہی پہلا سوال (ہوگا) کہ تیرا پالنے والا کون ہے؟

کمانے والے یا نہ کمانے والے بھی، کوئی ضرورت آکر اڑے گی (یوں کہیں گے) پیر صاحب یوں کر دیں گے، منشی جی یوں کر دیں گے۔ مرتے ہی پوری زندگی کا خلاصہ پوچھ لیا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟

اگر یہ یقین لے کر گیا کہ اللہ تعالیٰ پالتا ہے، نہ کمائی سے نہ کسی شکل وصورت سے پلنے کا تعلق۔ اگر ساری دنیا میں کوئی نہ ہو تو بھی اللہ تعالیٰ مجھے پالیں گے۔ تو جھٹ کہہ دے گا کہ میرے پالنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر دل میں نہیں تو زبان سے کیسے نکلے گا؟ مشق کر کے دل میں یہ بات لے گیا کہ بالکل کہیں سے نہیں پلتا، نہ دکان سے نہ کھیتیوں سے۔ اس کے لئے تیاریاں بھی کیں، کمائی کی پروا نہ کی، آدمیوں پر نگاہ نہ ڈالی، جان پر تکلیفیں اٹھائیں، اور محنت کرتے کرتے وقت گزار دیا۔ ہر حکم کو پورا کیا، کمایا تو جھوٹ نہیں بولا، سود نہیں دیا، رشوتیں نہیں دی، آبرو ریزی نہیں کی، اللہ کا حکم پورا کروں گا، اللہ پالیں گے۔ بوائی کے وقت آوازیں لگا دی تو اسی وقت دوڑ گیا۔ کوئی صورت نہیں بنی پلنے کی۔ جہاں گیا سب نے جھنڈی دکھادی، مولوی نے، پیر نے، منشی جی نے ہری جھنڈی دکھادی۔ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں۔ سب کو چھوڑ کر چل دیا، اللہ تعالیٰ زمین پھاڑ کر دے دے گا۔ جس کا اپنے پلنے کے بارے میں غیر اللہ سے یقین ٹوٹ جائے، اللہ

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۱۷۷

besturdubooks.wordpress.com

تعالیٰ سے یقین جڑ جائے تو یہ ایمان والا بنے گا۔ جب یہ تیاری کر کے جائے گا تو کہہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی پالنے والے۔ حضور ﷺ اچھی طرح بتا گئے صاف صاف۔ جاتے ہی پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟

دیکھ لے رٹنے سے جواب نہیں دے سکے گا۔ دل میں رکھنے سے جواب دے سکے گا۔ جب کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں۔ اچھا یہ بتلاؤ جب اللہ تعالیٰ پالنے والے تھے تو تم نے اللہ تعالیٰ سے پلنے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا؟ برادری کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہاہا کرے گا۔[۱] ''اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔''

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر کسی کو ایسی کوٹھڑی میں بند کر دیں کہ وہ چاروں طرف سے بند ہو تو رزق کہاں سے آئے گا؟ فرمایا: جہاں سے موت آئے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ موت کی طرح رزق کو بھی اندر پیدا کر دیتا ہے۔

سُبْحَانَ اللہ! کیا جواب دیا ہے۔ اس رزق کے آنے کو ایسی حالت میں کوئی ناممکن نہ سمجھے۔

انسان سرکش ہو جاتا ہے اور اس بات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے کہ رزّاقِ حقیقی تو کوئی اور ہے۔ وہ رزّاق اگر رزق روک لے تو کوئی دوسرا ایسا رزّاق نہیں ہے جو رزق عطا کر سکے۔ اسی لئے انسان کو اس سے ڈرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو رزق تم کو آسمان سے پانی برسنے اور زمین سے نباتات اگانے کے ذریعے مل رہا ہے یہ کوئی تمہاری ذاتی جاگیر نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش ہے وہ اس کو روک بھی سکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ﴾[۲]

تَرْجَمَہ: ''اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟ (کوئی نہیں) بل کہ یہ سرکشی اور حق سے بھاگنے کے لئے لگے ہوئے ہیں۔''

یعنی وہ رزّاقِ حقیقی ہے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی تنگی پیدا کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾[۳]

تَرْجَمَہ: ''کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔''

اس رزّاقِ حقیقی پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے انسان کبھی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے دکان پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ مجھے

---

[۱] ''بیان'' حضرت مولانا یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی [۲] الملک: ۲۱ [۳] الزمر: ۵۲

besturdubooks.wordpress.com

ملازمت پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ میری زمین اور تجارت مجھے پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ اپنے کو اور اپنے خاندان کو میں خود پالتا ہوں اور یوں اپنی ناقص عقل کی بناء پر ان چیزوں کو بڑا سمجھ کر ان کی پرستش (عبادت) میں لگا رہتا ہے۔

اذان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بُلاتے ہوئے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہہ کر سب سے پہلے ان فاسد خیالات کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں چھوٹی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ وہ ہر بلندی سے بلند اور ہر بڑائی سے بڑا ہے اور وہ ایک بڑا (الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ) ہی سب کو پالتا ہے۔ نہ دکان تمہیں پال سکتی ہے نہ ملازمت، تجارت اور زمین تمہیں پال سکتی ہے اور نہ تم خود اپنے آپ کو پال سکتے ہو۔ پالنا صرف اس کی شان ہے اور وہ انسانوں کو بھی پالتا ہے اور حیوانوں کو بھی پالتا ہے۔ وہ پرندوں کو بھی پالتا ہے اور کیڑے مکوڑوں کو بھی پالتا ہے۔

جن اسباب و وسائل پر تمہیں اعتماد ہے وہ سب فانی ہیں، دکان فانی .... ملازمت فانی .... تجارت فانی .... دولت فانی .... تم خود فانی .... ان فانی چیزوں پر اعتماد نہ کرو، بل کہ اُس ذات پر اعتماد کرو جو خود باقی .... اور اس کی ہر صفت بھی باقی ...... مالکیت باقی ...... خالقیت باقی ...... رزّاقیت باقی ...... قدرت باقی ...... علم باقی ...... غرض یہ کہ اس کی کوئی صفت فنا سے آشنا نہیں ہو سکتی۔

تَنْبِیْہ: اس وصف رزّاقیت سے بندہ کا اصلی حصہ دو چیزیں ہیں:

❶ یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے اور یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کو روزی رساں سمجھے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرے۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے زمین و آسمان پیدا فرما کر جہاں انسانوں کے لئے معاش کے دروازے کھول دیئے، وہاں جانوروں کے لئے بھی معاش کے دروازے کھولے ہیں۔ گھر کے پالتو جانور، مثلاً: بکری، گائے، بیل، گھوڑا اور گدھا وغیرہ بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اپنی روزی اور ضروریاتِ معاش الرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی طرف سے پاتے ہیں، مگر ظاہری طور پر ان کی خورد و نوش اور رہائش کا انتظام انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ تمام دنیا کے برّی و بحری جانور، پرندے اور درندے ایسے ہیں، جن کے سامانِ معاش میں کسی انسانی ارادے اور عمل کا کوئی دخل اور شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ جانور اتنے زیادہ اور بے شمار ہیں کہ انسان نہ اُن سب کو پہچان سکتا ہے نہ شمار کر سکتا ہے۔

تم کہاں سے کھاتے ہو؟ کا خوب صورت جواب

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۳۸: حضرت حاتم اصم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا: تم کہاں سے کھاتے ہو؟

حاتم: اُس کے خزانے سے۔

besturdubooks.wordpress.com

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے؟

حاتم: اگر زمین اُس کی اپنی نہ ہوتی، تو بے شک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو۔

حاتم: اس لئے کہ اُس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے، میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

۲ بندہ کے حصے میں دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان، اور صدقہ وخیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے اور وہ اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابلِ عزت ہو اور اُن تک رزق پہنچنے کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اُس کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھا دیتا ہے اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان وصولِ رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے خوب حصہ پا لیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَلْخَازِنُ الْأَمِينُ الَّذِي يُنْفِقُ -وَرُبَّمَا قَالَ: الَّذِي يُعْطِي- مَا أُمِرَ بِهِ كَامِلاً مُوَفَّراً، طَيِّباً نَفْسُهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ." [۱]

ترجمہ: "یعنی دیانت دار خزانچی جو اپنے مالک کے حکم کے موافق دل کی خوشی کے ساتھ صدقہ پورا پورا ادا کرے، وہ خود بھی صدقہ دینے والا شمار ہوتا ہے۔"

بندوں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے ہاتھوں کو بدنوں کے رزق کا خزانہ اور اُس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔ [۲]

"بے شک رزق دینے والی ذات ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ رزق دینے میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: اے لوگو! تم پر جو انعام اللہ نے کئے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے، جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر کہاں اُلٹے جاتے ہو؟ [۳]

---

[۱] البخاری: الوکالۃ، باب وکالۃ الأمین: ۱/۳۱۱

[۲] رسائل امام غزالی: ۱/۲۹۵

[۳] إِنَّ الْمُتَفَرِّدَ بِالرِّزْقِ هُوَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ (فاطر: ۳) (النهج الاسمٰى: ۱/۱۹۶)

besturdubooks.wordpress.com

''اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی توحید، اور اکیلے لائقِ عبادت ہونے پر اپنے بندوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلے سب کو پیدا کرنے والے ہیں اور اکیلے ہی سب کو رزق دینے والے ہیں۔ اس صفت میں ان کا کوئی شریک نہیں اور جب بات ایسی ہی ہے تو عبادت ایک اللہ ربُّ العزت ہی کی ہونی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں اور دعا مانگنے میں کسی بت یا اور کسی چیز کو شریک نہیں ٹھرانا چاہئے۔'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾[1] ''یعنی اتنے واضح بیان کے بعد اب تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو؟''

رزق کا معاملہ

وَاقِعَۃُ نَمْبَر (۳۹): یاد رکھئے! جب بندہ اس رزق کو نیکی کے کام میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس رزق میں برکت دے دیتے ہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈالر آٹھ روپے کا ہوتا تھا ہم[2] لوگ کراچی میں تھے کہ ہمیں ایک ریڑھی کے اوپر ایک آدمی دال سویاں بیچنے والا ملا، میرے ساتھی کہنے لگے: یہاں سے کچھ لے لیتے ہیں اور جہاں جا رہے ہیں ان کے پاس کھائیں گے طالب علمی کا زمانہ تھا ہم نے کہا بہت اچھا لے لو، اس نے کچھ دال سویاں لے لیں، میں نے اس آدمی سے پوچھا:

بھئی آپ یہ دال سویاں بیچتے ہیں تو ایک دن میں آپ کی کتنی بک جاتی ہیں۔ وہ مجھے کہنے لگا: جی اللہ کا بڑا کرم ہے، یہ وہ وقت تھا کہ جب انجینئر کی تنخواہ ایک مہینہ کی ایک سو پچاس روپے ہوتی تھی، اڑھائی سو روپے ہوگئی، پھر تین سو روپے ہوگئی، ہم بڑے حیران ہوتے تھے، اتنی تنخواہ انجینئر کی بڑھ گئی تین سو روپے ہوگئے، تو جب اس سے پوچھا کہنے لگا: جی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ روزانہ اس ریڑھی سے چھ ہزار روپے کی دال سویاں بیچتا ہوں، جب انجینئر کی مہینہ کی تنخواہ ایک ہزار سے کم تھی اس وقت دال سویاں بیچنے والا ریڑھی کے ذریعے سے چھ ہزار کی روز بیچا کرتا تھا، کیوں کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَاقِعَۃُ نَمْبَر (۴۰): ہماری جماعت کے ایک دوست ہیں، انہوں نے ایک خط لکھا کہ حضرت جب سے میں نے نیکی اختیار کی، اللہ نے رزق میں بہت برکت دے دی، پھر عجیب بات تو یہ لکھتا ہے کہ میرا چائے کا کھوکھا ہے، حضرت چائے کے اس کھوکھے میں روزانہ بارہ ہزار روپے کما کر اٹھتا ہوں بارہ ہزار، آج کسی اسکول کے ٹیچر کی تنخواہ نہیں ہے، وہ ان پڑھ بندہ ہے اور روزانہ چائے کے کھوکھے سے بارہ ہزار روپے لے کر اٹھتا ہے۔[3]

---

[1] فاطر: ۳ [2] یعنی پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب [3] عمل سے زندگی بنتی ہے: ۲۰۲

besturdubooks.wordpress.com

فوائد ونصائح

ہر مولود (پیدا ہونے والا نفس) اپنے ساتھ رزق لاتا ہے، کیوں کہ رزق کا ذمہ دار الرّزّاق جَلّ جَلَالُہٗ ہے۔ رزق مقسوم (تقسیم شدہ) ہے، کم یا زیادہ نہیں ہوسکتا، ہر شخص اسی قدر کھا کر مرے گا، جتنا کہ اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا، مگر کچھ باتیں ملحوظِ خاطر رہنی چاہئیں:

❶ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسباب و آلات کو چھوڑ دے، بل کہ راز یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرے، مگر بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرے کہ جب تک اس کی مشیت و ارادہ نہ ہو جائے کوئی کام نہیں ہوسکتا، بل کہ یہ بھی توکل ہی کی ایک اعلیٰ قسم ہے کہ اسباب ہوتے ہوئے بھی نظر اللہ تعالیٰ کے خزانوں ہی پر رہے۔

❷ رزق حاصل کرنے کے حرام اسباب سے بچے۔ اگر کوئی حرام آمدنی کا ذریعہ ہے تو جید علماء ومفتیان کرام سے پوچھ کر اس کو چھوڑنے اور بدلنے کی کوشش کرے۔ اکیلے بیٹھ کر یہ سوچے کہ جب رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور رزق مل کر رہے گا تو حرام سبب کیوں اختیار کروں؟

❸ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دُعا مانگے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا“[۱]

تَرجَمَہ: ”اے اللہ! میں آپ سے ایسا علم جو نفع بخش ہو اور ایسا عمل جو تیرے دربار میں مقبول ہو اور حلال صاف روزی مانگتا ہوں۔“

❹ جو شخص فجر کی نماز کے بعد ستر ۷۰ مرتبہ اس آیت کو پڑھ کر دُعا مانگے گا، وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔

﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾[۲]

تَرجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نرمی رکھتا ہے، جس کو چاہے روزی دیتا ہے اور وہی زور آور زبردست ہے۔“[۳]

❺ رزق کی آسانی میں گناہوں سے بچنے اور استغفار کی کثرت کو بہت دخل ہے، لہٰذا تاجر ہو تو ان باتوں کا خیال رکھے:

① جھوٹ و دھوکہ دہی سے بچے۔ فجر کے بعد نہ سوئے، اوقاتِ نماز میں دکان، کاروبار بند رکھے اور اطمینان سے نماز پڑھے۔

② زکوٰۃ پوری پوری نکالے اور والد کے انتقال کے بعد بھائی بہنوں کا حق فوراً ان کو دے دے ورنہ بھائی بہنوں کی

---

[۱] مسند احمد: ۳۲۲/۶، رقم: ۲۶۱۹۱ [۲] الشوریٰ: ۱۹ [۳] معارف القرآن: ۶۸۴/۷

besturdubooks.wordpress.com

بددعاؤں سے اور ان کا مال اپنے مال میں ملانے سے نفع تو خیر ایک طرف، بعض اوقات اصل پونجی بھی ضائع ہو جاتی ہے اور آدمی اپنی زندگی میں ہی مال دار ہوتے ہوئے بھی آفات پڑنے پر قلاش (خالی ہاتھ) ہو کر فٹ پاتھ پر آجاتا ہے، یا اخیر عمر میں ایسی ایسی بُری بیماریوں میں پھنس جاتا ہے کہ وہ سارا پیسہ علاج میں ضائع ہو جاتا ہے، یا موت کے بعد اولاد آپس میں جھگڑتی رہتی ہے اور وہ مال پھر عدالتوں میں ضائع ہوتا ہے۔

اس لئے جو شخص چاہتا ہے کہ روزی آسانی سے ملے اور پاکیزہ اور برکت والی ہو تو تقویٰ اختیار کرے، یعنی گناہوں سے بچے......، کسی کا دل نہ دکھائے......، کسی کی آہ نہ لے......۔

اسی طرح ملازم ہوتے ہوئے پوری پوری ڈیوٹی ادا کرے، امانت میں خیانت نہ کرے، اوقات میں ڈنڈی نہ مارے، پھر جتنی بھی تنخواہ ہوگی اِن شاء اللہ اس میں ایسی برکت ہوگی کہ تنگی نہیں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاقیت پر جس کو جتنا یقین ہوگا اتنا ہی اس کے اعمال میں اس کا ظہور ہوگا۔ دل میں اگر یہ ہے کہ واقعی ہر حال میں ہم اس رزّاق کے حکم سے پلتے ہیں تو ایسا شخص کہ ''خیال رزق کا ہے، رازق کا کچھ خیال نہیں'' والی خرابی سے بچ کر چلے گا۔ کمائی میں حد سے زیادہ انہماک، کمائی کے ذریعوں میں احکامات کو توڑنا (جس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور آدابِ معاشرت میں کوتاہی جیسی ساری خرابیاں شامل ہیں)، ان سب سے بچے گا۔ نیز جب حلال طریقے پر حلال مال کمائے گا تو اس کی لاج رکھتے ہوئے حلال مصارف ہی پر استعمال بھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کر کے حاصل کیا جانے والا مال اسی مالک کی کرم نگاہی کی وجہ سے مالک کے حکم کے مطابق استعمال ہوتا ہے اصل یہ ہے کہ دل میں رازق کی رزّاقیت پر کامل ایمان جم جائے۔

اس اسم مبارک سے تعلق حاصل کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس صفتِ رزّاقیت کا استحضار رکھتے ہوئے اپنا اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں کیا تبدیلی آئی اور صفتِ رزّاقیت پر ایمان کے ذریعے ہماری کیا ایمانی کیفیت بنی؟

جھوٹ بول کر لاکھوں روپے ملتے ہوئے نظر آئیں تو چھوڑ دیں۔ ہرگز جھوٹ بول کر سودا نہ بیچیں۔ ''رزّاق'' یہ روپے نہیں ہیں، بل کہ ''رزّاق'' اللہ تعالیٰ ہیں۔ اُس رزّاق نے میرے مقدر میں اگر لاکھ روپے لکھے ہوں گے تو ضرور ملیں گے۔

رزق میں برکت کی دعائیں اور تدبیریں

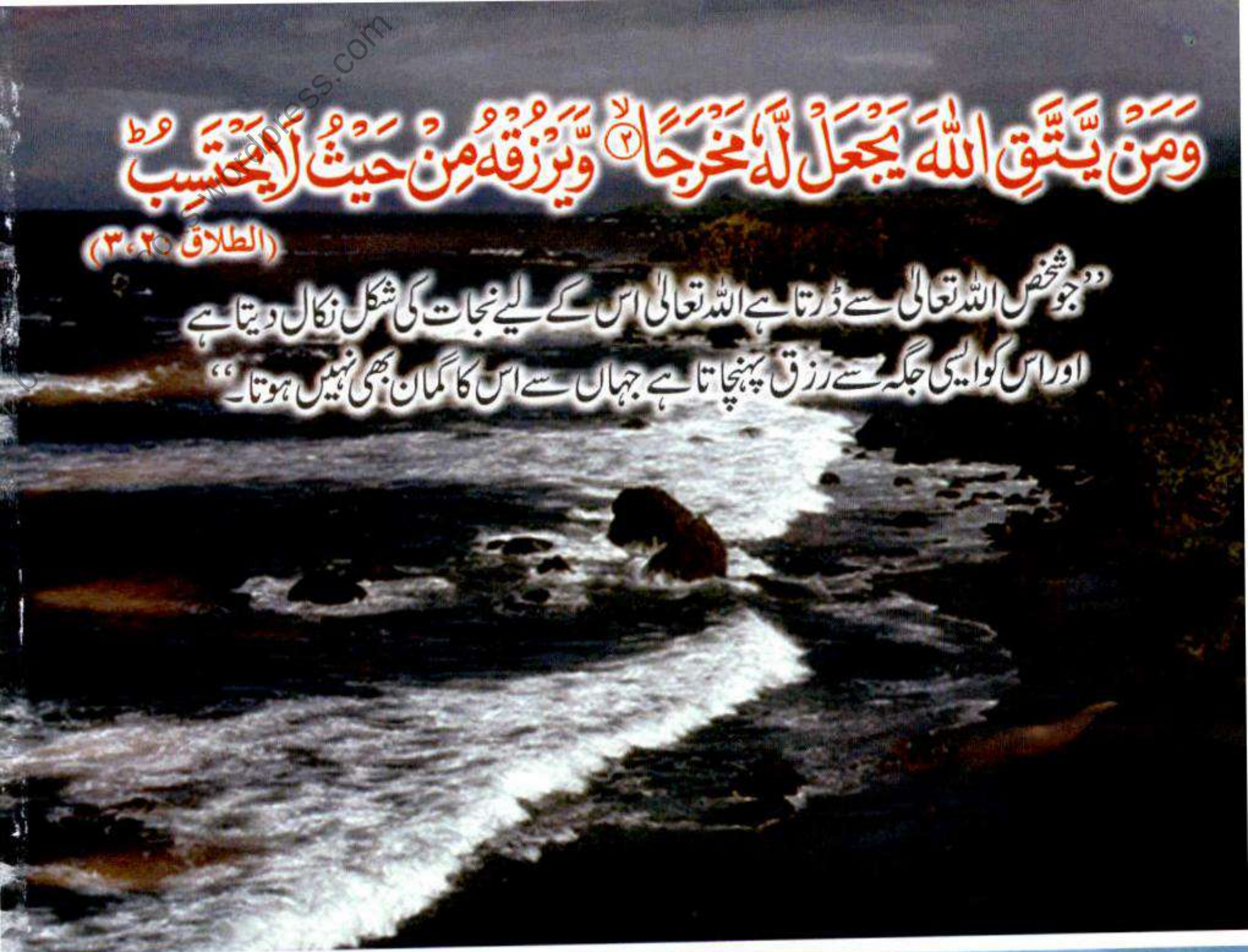
جس طرح رزقِ حلال، طیب و پاکیزہ کے حصول کی دعا مانگنی چاہئے، اسی طرح رزق کے حاصل ہونے کے بعد اس کو صحیح جگہ خرچ کرنے......، بخل سے بچنے......اور فضول و اسراف کے گناہ سے بچنے......کی بھی دعا کرنی چاہئے، اسی طرح حدیث میں بڑی عمر میں رزق کی وسعت کے لئے ایک بہت پیاری دعا سکھلائی گئی ہے:

❶ ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ''[۱]

---

[۱] مستدرك حاكم، كتاب الدعاء: ۷۳۵/۱، رقم: ۲۰۳۹


الرَّزَّاقُ



وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
(الطلاق ۲، ۳)
”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے
اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔“



besturdubooks.wordpress.com

تَرْجَمَہ: اے اللہ! عمر بڑھ جانے پر اور بڑھاپے کے وقت اپنا رزق مجھ پر اور زیادہ فرما۔
اسی طرح رزق میں برکت کے لئے یہ دو دُعائیں مانگنی چاہئیں:

① ’’اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَنَا فِيْ اَنْفُسِنَا.‘‘[1]

تَرْجَمَہ: ’’اے اللہ! آپ نے جو ہمیں رزق عطا کیا، اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہمارے دلوں کو مستغنی و بے پروا کر دے۔‘‘

② ’’اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ‘‘[2]

تَرْجَمَہ: ’’اے اللہ! ہمیں اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور اپنے رزق سے ہمیں محروم مت فرما۔‘‘

جب ’’اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا‘‘ کہے تو دو چیزوں کی دل میں نیت رکھے:

1. علم، ہدایت، معرفت اور ایمان۔
2. حلال عافیت والا رزق۔

یہ بھی یقین رکھے کہ اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ مخلوق کو بغیر کسی تکلیف کے رزق دیتے ہیں، سب کو روزی پہنچانا اس ذات کے لئے ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک آدمی کو پہنچانا، لہٰذا رزق اور رزق میں برکت اَلرَّزَّاقُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے مانگے۔ حالات کیسے بھی برے ہوں، مایوس نہ ہو، ہاں اسباب پورے کے پورے اختیار کرے۔

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی — تری الطاف سے محروم نہ میخوار نہ زانی
کہ تو ستار ہے اور واقفِ اسرار پنہانی — ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راغیب تو دانی
ہمہ را رزق رسانی کہ تو باجود و عطائی

[1] کنز العمال، الاوّل: ۹۳/۲، رقم الحدیث: ۳۷۹۸
[2] حلیۃ الاولیاء: ۷۷/۵، رقم: ۶۳۸۷

besturdubooks.wordpress.com

الفتّاح جلّ جلالہٗ

(سب کے لئے رحمت کے دروازے کھولنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (اَلْفَتَّاحُ): هُوَالْحَاكِمُ بَيْنَ عِبَادِهٖ.[1]

تَرجَمہ: "الفتّاح جلّ جلالہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

❷ اَلَّذِيْ يَفْتَحُ أَبْوَابَ الرِّزْقِ وَالرَّحْمَةِ لِعِبَادِهٖ، وَيَفْتَحُ الْمُنْغَلَقَ عَلَيْهِمْ مِنْ أُمُوْرِهِمْ، وَأَسْبَابِهِمْ، وَيَفْتَحُ قُلُوْبَهُمْ وَعُيُوْنَ بَصَائِرِهِمْ، لِيَبْصُرُوا الْحَقَّ.[2]

تَرجَمہ: "الفتّاح جلّ جلالہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لئے رزق اور رحمت کے دروازے کو کشادہ فرماتا ہے...... اور ان کے پے چیدہ معاملات کو حل فرماتا ہے...... اور ان کے اسباب کی راہیں کھولتا ہے...... ان کے دلوں کو کھولتا ہے اور ان کی بصیرت کی آنکھوں کو کھولتا ہے تاکہ یہ لوگ حق کو پہچان سکیں۔

❸ "اَلْفَتَّاحُ: الَّذِي لَايُغْلِقُ وُجُوْهَ النِّعْمَةِ بِالْعِصْيَانِ وَلَا يَتْرُكُ إِيْصَالَ الرَّحْمَةِ إِلَيْهِمْ بِاللِّسَانِ."[3]

تَرجَمہ: "الفتّاح جلّ جلالہٗ" وہ ذات ہے جو بندوں کے گناہوں کی وجہ سے نعمت کے دروازوں کو بند نہیں کرتا اور نہ ہی زبان کی وجہ سے (یعنی اسے نہ ماننے سے) بندوں پر اپنی رحمت کو ترک کرتا ہے۔"

❹ "اَلَّذِيْ فَتَحَ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَعْرِفَتِهٖ، وَفَتَحَ عَلَى الْعَاصِيْنَ أَبْوَابَ مَغْفِرَتِهٖ"[4]

تَرجَمہ: "الفتّاح جلّ جلالہٗ" وہ ذات ہے جس نے مؤمنین کے دلوں کو اپنی معرفت و پہچان کے لئے کھول دیا اور گناہ گاروں پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دیئے۔"

امام ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں: "الفتّاح" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور "فتح" اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں دو طرح کی ہیں۔

---

[1] النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۱ [2] النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۱ [3] شرح طيبى: الدعوات، باب اسماء الله تعالٰى: ۲۸/۵

[4] شرح طيبى: الدعوات، باب اسماء الله تعالٰى: ۲۸/۵

besturdubooks.wordpress.com

(الف) فتح حکمی، جس کا مطلب شریعت ہے یعنی جو احکامات اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرماتے ہیں۔
(ب) فَتْح بِالْاَقْدَار، یعنی تقدیر کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں میں عدل و فضل و احسان کے ساتھ "اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں۔[1]

قرآن کریم میں یہ "اسمِ مبارک" سورۂ سبا کی آیت نمبر ۲۶ میں آیا ہے اور سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۲ میں اس کا معنی اس طرح بیان ہوا ہے، اللہ ربُّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

❶ ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ﴾[2]

ترجمہ: "انہیں خبر کر دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا وہ فیصلہ چکانے والا ہے اور دانا۔"

❷ ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[3]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے (بند کرنے کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔"

یہاں لفظ "رَحْمَة" عام ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی نعمتیں داخل ہیں۔ جیسے ایمان، علم، عملِ صالح، نبوت و ولایت وغیرہ اور دنیوی نعمتیں، جیسے رزق، اسباب، آرام، راحت، صحت، تندرستی اور مال و عزت وغیرہ۔ آیت کے معنی ظاہر ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے اپنی رحمت کھولنے کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔"

اسی طرح دوسرا جملہ "وَمَا يُمْسِكْ" عام ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ روکتا ہے، اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اس میں دنیا کے مصائب و آلام بھی داخل ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کسی بندے سے روکنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ ان کو کوئی گزند و مصیبت پہنچا سکے اور اس میں رحمت بھی داخل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت سے کسی شخص کو رحمت سے محروم کرنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو دے سکے۔[4]

---

[1]
وَكَذٰلِكَ الْفَتَّاحُ مِنْ أَسْمَآئِهِ ... وَالْفَتْحُ فِيْ أَوْصَافِهِ أَمْرَانِ
فَتْحٌ بِحُكْمٍ وَهُوَ شَرْعُ إِلٰهِنَا ... وَالْفَتْحُ بِالْأَقْدَارِ فَتْحٌ ثَانٍ
وَالرَّبُّ فَتَّاحٌ بِذَيْنِ كِلَيْهِمَا ... عَدْلًا وَ إِحْسَانًا مِنَ الرَّحْمٰنِ

(النہج الاسمیٰ: ۱/۲۰۷)

[2] سبأ: ۲۶ [3] فاطر: ۲ [4] البحر المحیط ابوحیان: ۷/۲۹۶، فاطر: ۲

besturdubooks.wordpress.com

اسی آیت کے مضمون کے متعلق ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنے عامل (گورنر) کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو خط لکھا کہ مجھے کوئی حدیث لکھ کر بھیجو، جو تم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سے سُنی ہو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنے میر منشی ورّاد کو بلا کر لکھوایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سے اُس وقت جب کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نماز سے فارغ ہوئے یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا:

سکون پہنچانے والی دعا

"اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"[1]

تَرْجَمَہ: یا اللہ! جو چیز آپ کسی کو عطا فرما دیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو آپ روکیں اس کو کوئی دینے والا نہیں اور آپ کے ارادے کے خلاف کسی کوشش کرنے والے کی کوشش اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔

فَائِدَہ: اس دعا کا معنیٰ ذہن، دل و دماغ کو سکون پہنچاتا ہے، انسانوں سے گلا شکوہ ختم کر دیتا ہے، دشمنیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ رشتہ ناطے نہیں ٹوٹتے، جس شخص کو اس نام مبارک کی معرفت حاصل ہوگی اور اس دعا کا مفہوم دل نشین ہوگا تو اس کا دل کسی سے میلا نہیں ہوگا...... بغض، کینہ، حسد، عجب نہیں ہوگا، اور اس کا دل ان خطرناک بری بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ کسی نعمت کے ختم ہونے پر مخلوق کی طرف اس کی نگاہ نہیں جائے گی، مخلوق کو ملامت نہیں کرے گا اور نعمت کے مل جانے پر مخلوق کی خوشامد نہیں کرے گا کہ شاہ صاحب نے دیا، یا فلاں قبر والے نے دیا، جو کچھ ملا ہے فلاں گدی نشین کا وسیلہ ہے...... "نعوذ باللّٰه من ذٰلك"...... بل کہ وہ کہے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا اللہ تعالیٰ نے والد کو، شوہر کو فلاں کا ذریعہ بنایا۔

حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی روایت ہے کہ یہ کلمات آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت فرمائے اور ان کلمات سے پہلے فرمایا:

"أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ" یعنی یہ کلمات (ان تمام کلمات میں جو کوئی بندہ کہہ سکتا ہے) سب سے زیادہ حق دار، مقدم و اعلیٰ ہیں اور ہم سب (اے اللہ!) تیرے ہی ہیں۔[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ (قبضہ) میں زمین اور آسمان کے خزانے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: "آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں۔ جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔" تو وہ بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کھولا ہے، کسی کو اس پر قدرت نہیں کہ ان کو بند کر

---

[1] مسند احمد: ٤/٢٤٥، رقم: ١٧٦٧١ [2] ابن کثیر: ٣/٨٣، الفاطر: ٢

besturdubooks.wordpress.com

دیں اور جن بھلائیوں کو وہ روک دیں تو کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو کھول دیں۔"[1]

"کبھی کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈھیل دینے کے لئے ان پر قسم قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور عموماً یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور منع کردہ چیزوں میں پڑ جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ ربُّ العزت کا فرمان ہے جس کا ترجمہ ہے: "پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملتی تھیں، وہ خوب اترا گئے تو ہم نے دفعتہً ان کو پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔"[2]

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے اور ہلاکت ہے ان پر جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بل کہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔"

یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرح صدور کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہوا، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اس آیت میں جو شرحِ صدر (سینے کے کھولنے) کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس کی کوئی حد نہیں، ہر مؤمن کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ پھر اس شرحِ صدر میں مراتب ہیں۔ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اعلیٰ قسم پر فائز ہیں، پھر ان کے بعد اولیاء ہیں، پھر علماء ہیں، پھر عام مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے علاوہ کسی اور کو اس شرحِ صدر سے محروم نہیں فرماتے۔[4]

"اور ان نعمتوں اور بھلائیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کھولتے ہیں، حکمت و دانائی، علم اور دین کی سمجھ بھی ہے اور یہ نعمتیں تقویٰ، اخلاص اور سچائی کی بناء پر حاصل ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ سلفِ صالحین کی دانائی و سمجھ داری زیادہ گہری تھی اور ان کا علم زیادہ وسیع تھا بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد میں آئے۔

---

[1] كنز العمال، الغزوات والوفود: قسم الافعال: ۲۰۶/۱۰ رقم الحديث ۳۰۰۸۷

[2] وَقَدْ يَفْتَحُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَنْوَاعَ النِّعَمِ وَالْخَيْرَاتِ عَلَى النَّاسِ إِسْتِدْرَاجًا لَهُمْ، إِذَا تَرَكُوْا مَا أُمِرُوْا بِهٖ، وَوَقَعُوْا فِيْمَا نُهُوْا عَنْهُ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى: ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ (انعام: ٤٤) (النهج الاسمٰى: ۲۱۱/۱ تا ۲۱۲)

[3] الزمر: ۲۲

[4] تفسير القرطبي: ۱۸۰/۸، الزمر: ۲

besturdubooks.wordpress.com

الفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے رحمت کے دروازے کھلوایئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرماتے تھے: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اوّل نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود پڑھے پھر یہ دعا پڑھے:

”اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“[1] ”اے اللہ! میرے لئے آپ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔“

ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دلانے والا نسخہ

سورۂ فاطر کی آیت نمبر۲ (جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے) میں انسان کو جو سبق دیا گیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نفع ونقصان کی امید وخوف نہ رکھے، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھے (یہ) دین ودنیا کی درستی اور ہمیشہ کی راحت کا نسخۂ اکسیر ہے اور انسان کو ہزاروں غموں اور فکروں سے نجات دینے والا ہے۔[2]

حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب میں صبح کو چار آیتیں قرآنِ کریم کی پڑھ لوں تو مجھے یہ فکر نہیں رہتی کہ صبح کو کیا ہوگا اور شام کو کیا، وہ آیتیں یہ ہیں:

۱ ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[3]

۲ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾[4]

۳ ﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾[5]

۴ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾[6]

ہر مسلمان کو چاہئے کہ پریشانیوں اور الجھنوں میں اِن آیات کو پڑھے، اس کے معانی پر خوب غور وفکر کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے:

”مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ“

تَرْجَمَہ: ”ہمیں بارش فتح والی آیت کی برکت سے ملی۔“ اور پھر یہ آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ...... پڑھتے تھے۔[7]

---

[1] مسلم، صلٰوۃ المسافرین، باب ما یقول إذا دخل المسجد: ۲۴۸/۱

[2] "وَمَا ادَّعٰی هٰذِهِ الْاٰیَةُ إِلَی الْاِنْقِطَاعِ إِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْإِعْرَاضِ عَمَّا سِوَاهُ عَزَّوَجَلَّ وَ إِرَاحَةِ الْبَالِ عَنِ التَّخَیُّلَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِلتَّهْوِیْشِ وَسَهْرِ اللَّیَالِ" (روح المعانی: ۱۶۵/۲۲، الفاطر: ۲) [3] فاطر: ۲ [4] یونس: ۱۰۷ [5] الطلاق: ۷

[6] روح المعانی: ۱۶۵/۱۲، ہود: ۶ [7] مؤطا امام مالك: كتاب الاستثناء، باب الاستمطار بالنجوم: ۱۸۰

besturdubooks.wordpress.com

یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے تھے: ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بارش آیتِ فتح سے ملی ہے، مراد آیتِ فتح سے یہی مذکورہ آیت ہے، جس کو وہ ایسے وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1]

جب بھی یہ خیال آئے کہ میرا کاروبار اس لئے نہیں چل رہا ہے کہ مجھ پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے، یا رشتہ اس لئے نہیں آتا کہ فلاں نے جادو کروا دیا ہے یا گھر میں مسلسل بیماری اس لئے ہے کہ کسی نے بندش کروا دی ہے......... اس وقت قرآنِ کریم کی ان چار آیتوں کے ترجمہ پر خوب غور کرنا چاہئے۔

اللہ جل جلالہٗ کی قدرت کے کرشمے

واقعہ نمبر (۴۱): حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(بنی اسرائیل کے) تین افراد کسی سفر میں چل رہے تھے کہ اچانک انہیں بارش نے آگھیرا۔ انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی اور اس کا دہانہ (منہ) بند ہو گیا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، وہ اعمالِ صالحہ جو تم نے خالص اللہ ربُّ العزت کی رضا کے لئے کئے ہوں (اور نیک عمل بھی ہو جانا اُسی کی رحمت ہے، لہٰذا اُس رحمت) کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے لئے غار کا دہانہ کھول دے۔

چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! بلاشبہ میرے ساتھ میرے ضعیف العمر والدین تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ان کے لئے میں بکریاں چراتا تھا، جب شام ہوتی تو میں دودھ دوہتا اور اپنے والدین سے ابتداء کرتے ہوئے اپنے بچوں سے پہلے انہیں پلاتا تھا۔

ایک روز میں درخت کی طلب میں دور نکل گیا اور شام گئے واپس آیا تو میں نے اپنے والدین کو سوتا ہوا پایا۔ میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا، پھر دودھ کا برتن لایا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگاؤں اور یہ بھی مجھ کو گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلاؤں، حالاں کہ بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلک رہے تھے، لیکن میں اسی حال میں رہا اور بچے بھی اسی حال میں (بھوک سے بلکتے) رہے۔

(تحقیقی قول کے موافق بچے ضروری کھانا کھا چکے تھے اضافی طلب کی وجہ سے رو رہے تھے)۔

یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل آپ کی رضا کے لئے تھا تو (اس کی برکت سے) ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اتنی کشادگی پیدا کر دی کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔

---

[1] معارف القرآن: ۳۱۸/۷، فاطر: ۲

besturdubooks.wordpress.com

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد (بہن) تھی۔ میں اس سے اتنی محبت کرتا تھا جتنی کہ مرد عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کو (اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے) طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو شدید تنگی کی وجہ سے ایک بار سو دینار کی ضرورت پڑی۔ میں نے سو دینار جمع کئے اور پھر اس کے پاس اپنی خواہش لئے ہوئے گیا۔ وہ سو دینار کی وصولی کی خاطر شدید مجبور ہوگئی۔

جب میں نے اُس پر پورا قابو پا لیا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق طریقہ سے نہ کھول۔ میں یہ سن کر کھڑا ہوگیا۔ اے اللہ! اگر میں نے آپ کے علم کے مطابق یہ عمل آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے (اس کی برکت سے) کشادگی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے مزید کشادگی فرمادی۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو تین صاع (۲۳۴ تولے کا ایک وزن) چاول پر ملازم رکھا۔ جب اس کا کام ختم ہوگیا تو اس نے کہا کہ میرا حق دو۔ میں نے اس کی مقررہ مقدار اسے پیش کر دی۔ اس نے اس سے منہ موڑ لیا۔ (اور وہ لئے بغیر چلا گیا) میں نے اس کے چاولوں کے ذریعے زراعت (کھیتی باڑی) شروع کر دی۔ (اور اس میں برکت ہوئی) یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں اور مویشی جمع کر لئے۔

پھر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ پر میرے حق کے معاملے میں ظلم نہ کر (اور مجھے میری مزدوری واپس کر دو۔) میں نے کہا: جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی تم لے لو۔ وہ کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی لے لو۔ اس نے وہ سب لے لیں اور چلا گیا۔ اے اللہ! میں نے یہ کام اگر آپ کی رضا کے لئے کیا ہے تو ہمارے لئے (جو کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی ہے اس میں بھی) کشادگی فرما۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے باقی رکاوٹ کو بھی کھول دیا۔“ [1]

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ”الفتّاح جلّ جلالہٗ“ دنیا و آخرت کے خزانوں کے دہانے اور اپنی رحمت کے خزانے ان پر کھولتا ہے، جو اسی کے ہو رہیں، اس کی مرضیات پر عمل کریں اور ہر خوشی اور غم میں اُسی سے لو لگائیں اور ان اعمال میں لگیں کہ جن سے خوش ہو کر وہ برکت اور عافیت کے خزانوں کے دروازے کھول دے۔

”الفتّاح“ وہی ہے جو مشکلات و مہمات کو کھول دیتا ہے۔

”الفتّاح“ وہی ہے جو دل کو حق کے لئے کھول دیتا ہے۔

”الفتّاح“ وہی ہے جو زبان پر علوم کو جاری فرما دیتا ہے۔

”الفتّاح“ وہی ہے جو علوم کے ذریعے سے آنکھوں پر پڑے پردے ہٹا دیتا ہے۔

”الفتّاح“ وہی ہے جو اہلِ حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

---

[1] البخاري، كتاب الانبياء، باب حديث الغار: ۴۹۳/۱

besturdubooks.wordpress.com

"اَلصَّادِقُ" وہی ہے جو صادقین سے صدق کو ظاہر کرتا ہے، کاذبین کی اصلیت کو سب پر کھول دیتا ہے۔[1]

فَائِدَہ: اس واقعے سے یہ سبق بھی ملا کہ بندش رکاوٹ، آڑ، مسائل کا حل نہ ہونا، ان سب پریشانیوں کا حل، اور سب سے بہترین تعویذ اپنے معاملات کو درست کرنا ہے، ان تین ساتھیوں پر جو رکاوٹ آئی تو انہوں نے جن نیک اعمال کا وسیلہ دیا وہ معاملات کے صحیح ہونے والے اعمال تھے۔ پہلے نے والدین کے ساتھ معاملہ صحیح رکھا، دوسرے نے رشتہ دار کے ساتھ، تیسرے نے ملازم کے ساتھ۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے معاملات صحیح رکھنے چاہئے کہ آئی ہوئی بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کروانے کا بڑا ذریعہ معاملات کی درستگی ہے۔ سب سے کارآمد تعویذ کسی کو تکلیف نہ دینا ہے۔

امی! امی!...... مجھے بچالو

وَاقِعَہ نمبر ۴۲: شیخ علی طنطاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی کتاب "اَلْبَابُ الَّذِيْ لَا يُغْلَقُ فِيْ وَجْهِ سَائِلٍ" میں لکھتے ہیں:

میں آپ کو ایک امریکی گھرانے کا واقعہ سناتا ہوں، جس گھر میں چھ بچے تھے، ان کا والد ایک مضبوط و توانا جسم کا مالک پرعزم کسان تھا اور ان کی والدہ عقل مند اور تجربہ کار عورت تھی، اس نے اپنی اولاد کی تربیت ایسی کی تھی کہ انہیں صبر و برداشت کا عادی بنا دیا تھا، حتیٰ کہ وہ بچے جوان ہو گئے۔

ان بچوں میں سے چھوٹا لڑکا، جس کی عمر تیرہ سال تھی، ایک دن کھیل کی غرض سے گھر سے نکلا، اسی کھیل کے دوران ایک بلند چٹان سے پتھر لڑھکتا ہوا اس کے گھٹنے پر آ لگا۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ اس جیسے بچے کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، لیکن اس کے باوجود بچے نے اس تکلیف کو برداشت کیا اور صبر سے سہہ گیا اور سب کو اس واقعے سے بے خبر رکھا۔ دوسرے دن اسکول جانے کے لئے جب نکلا تو اس کے پیر کی تکلیف بڑھ چکی تھی، لیکن تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اس پیر سے چل کر اسکول پہنچا اور تکلیف کی شدت کو برداشت کرتا رہا، حتیٰ کہ دو دن گزر گئے اور پیر سوجنا شروع ہو گیا اور نیلا پڑ گیا، یہاں تک کہ وہ لڑکا اس پیر پر ایک قدم چلنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ اب ماں باپ پریشان ہو گئے اور واقعے کے بارے میں تحقیق کی تو بچے نے سارا واقعہ سنایا۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر معائنہ کرتے ہی سمجھ گیا کہ وقت گزر چکا ہے اب علاج ممکن نہیں۔ اگر فی الفور ٹانگ کو نہ کاٹا گیا تو زہر پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ ڈاکٹر نے بچے کے والد کو ایک کنارے میں لے جا کر یہ بات آہستگی سے بتائی تاکہ بچے کو خبر نہ ہو سکے، لیکن بچے نے ڈاکٹر کی بات کو سن لیا اور سمجھ لیا کہ اس کی ٹانگ کو کاٹ دیا جائے گا۔ بس بچے نے چلانا شروع کر دیا کہ میری ٹانگ مت کاٹو...... ابو مجھے بچالو...... بچے نے ایک ٹانگ سے لنگڑا کر بھاگنے کی

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للمنصورپوری: ۷۱

besturdubooks.wordpress.com

کوشش کی، لیکن والد نے اسے پکڑ لیا اور دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔ پھر اس بچے نے ماں کو انتہائی دل خراش پکار کے ساتھ آواز دی: امی! امی!........... مجھے بچالو........... یہ لوگ میرا پیر نہ کاٹنے پائیں۔ ماں بے چاری کھڑی دیکھ رہی تھی، اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا، اس کا دل مادرانہ شفقت و محبت کی وجہ سے بچے کی فریاد رسی پر برانگیختہ ہو رہا تھا، جب کہ اس کی عقل اسے اس بات سے روک رہی تھی کہ بچے کی زندگی کو ایک ٹانگ کی وجہ سے قربانی کی بھینٹ نہ چڑھنے دے۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، وہ کھڑی سوچ رہی تھی۔ اس کا دل پھٹا جا رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بچہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ڈوبتا شخص اپنے نجات دہندہ کو پر اُمید نظروں سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب بچے نے ماں کو بے حس وحرکت و بے بس پایا تو ماں سے بھی ناامید ہو گیا جیسا کہ اس سے پہلے باپ سے نااُمید ہو چکا تھا، پھر اپنے بھائی (ادغار) کو پکارنے لگا۔ روتا جا رہا تھا اور پکارتا جا رہا تھا: ادغار! ادغار! تم کہاں ہو؟ جلدی کرو مجھے بچالو........... یہ لوگ میری ٹانگ کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ جب ادغار نے اس کی چیخ و پکار سنی (یہ اس سے چند سال بڑا تھا) تو اس کی جانب تیزی سے بڑھا اور اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تو وہ لڑکا بھی اب نڈر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسا عزم جھلکتا تھا جو ٹلنے والا نہیں تھا۔ اس کے بھائی نے اعلان کر دیا کہ کوئی اس کے قریب نہ آئے۔ باپ نے سمجھانے کی کوشش کی، ماں نے بھی نصیحت کی، لیکن اس لڑکے کی مزاحمت مسلسل بڑھتی جا رہی تھی اور اس کا چھوٹا بھائی اس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنے بھائی کو پکڑ رہا تھا۔ باپ نے چاہا کہ طاقت کے ذریعے اس کی مزاحمت کو روکے، لیکن اس لڑکے نے باپ اور ڈاکٹر پر حملہ کر دیا۔ اب یہ لڑکا شیر بن چکا تھا اور ناامید ہو چکا تھا اور ناامیدی میں انسان عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔

ادغار بھی مضبوط مرد تھا، وہ ثابت قدم رہا۔ دیوار اپنی جگہ سے ہل سکتی تھی، لیکن ادغار اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ سب لوگوں نے اس لڑکے کو اس امید پر چھوڑ دیا کہ یہ یا تو تھک جائے گا یا ناامید ہو جائے گا، لیکن ادغار اپنے بھائی کی چوکی داری میں دو دن تک کھڑا رہا۔ اُس لڑکے نے دو دن تک چند لقموں کے علاوہ کچھ نہ کھایا اور صرف چند لمحے سویا۔ ڈاکٹر آتا اور چلا جاتا۔ لڑکے کی ٹانگ مزید سوجتی ہی جا رہی تھی اور نیلی پڑ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس بات کا اعلان کر دیا کہ علاج ممکن نہیں اور بچہ عن قریب موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ سب کے سب پیشِ نظر خطرے کے انتظار میں پڑ گئے۔ ایسی پر خطر گھڑی میں لوگ کیا کرتے ہیں؟

ہر انسان خواہ مؤمن ہو یا کافر، ایسے خطرے کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اس لئے کہ ایمان ہر نفس میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ نفوسِ کفار میں بھی ایمان اپنی اصل کے اعتبار سے موجود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کو کافر کہا جاتا ہے، کیوں کہ لغتِ عرب میں کافر ''ساتر'' یعنی چھپانے والے کو کہا جاتا ہے اور کافر کے اندر بھی ایمان کی استعداد پوشیدہ ہوتی ہے، البتہ اس پر پردہ پڑا ہوتا ہے، حتیٰ کہ خود کافر کو بھی یہ محسوس نہیں ہوتا اور وہ اپنے آپ کو اس دولت سے محروم

besturdubooks.wordpress.com

سمجھتا ہے۔ پھر جب زمانے کی اونچ نیچ اس ایمان میں تحریک پیدا کرتی ہے تو پردے چھٹ جاتے ہیں اور مصیبت کے وقت کافر بھی اللہ ربُّ العزت ہی کو پکارتا ہے۔

دوبارہ واقعے کی طرف لوٹتے ہیں۔ ڈاکٹر ان سب کو ناامیدی کی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔ سب کے دل بھر آئے اور سب اپنی عاجزی محسوس کر رہے تھے اور ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اب وہ ''مُضْطَر'' کی حالت تک پہنچ چکے تھے، (مُضْطَر اس بے قرار شخص کو کہا جاتا ہے جو انتہائی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہو، کوئی نجات کا حیلہ اور راستہ اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔) انہوں نے اپنے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں اُٹھا دیئے اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے شفاء طلب کرنے لگے، یہ طلب کسی ایسے جذبے کے تحت تھی، جسے وہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اللہ ربُّ العزت ہی دوا اور علاج کے ذریعے شفاء دیتے ہیں اور وہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ بلا علاج و دوا کے شفاء عطا فرما دیں۔

ان سب نے اپنے ہاتھ بلند کر کے دعا کرنی شروع کی کہ: اے اللہ! اے اللہ! اور اللہ تعالیٰ مُضْطَر کی دعا کو قبول فرماتے ہیں خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہے، اسی پر اعتماد کرتا رہے، اسی کے در پر پڑا رہے، اسی سے اپنی امیدوں کو وابستہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو طلبِ دنیا کے معاملے میں تو قبول فرماتے ہیں، لیکن آخرت کے معاملے میں کافر کی دعا قبول نہیں کی جاتی، کیوں کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

محترم قارئین! جب وہ دعا مانگ چکے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سوجن کم ہونا شروع ہوگئی ہے، نیلاہٹ ہٹتی جارہی ہے، درد میں کمی واقع ہوچکی ہے۔ پھر دو دن ہی گزرے تھے کہ پورا پیر شفایاب ہوگیا۔ ڈاکٹر آیا تو اسے یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

آپ حضرات سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کوئی خیالی قصہ ہے جسے میں نے اپنے طور پر گھڑ لیا ہے، لیکن اگر میں صاحبِ واقعہ کی ذات کی نشاندہی کردوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ جی ہاں! یہ لڑکا دنیا کی مشہور و معروف شخصیت بن کر ابھرا اور اپنے واقعے کو اپنی زبان سے نقل کرتا تھا۔ اس لڑکے کا نام ''آئزن ہاور'' تھا، جو کہ ''جنگِ عظیم دوم'' میں اتحادی افواج کا قائد تھا اور بعد میں اپنے ملک کا صدر بنا۔[1]

کھلا دَر چھوڑ کر بند دروازے کا رُخ کیوں کیا جائے

وَاقِعَہ نمبر ۴۳: احمد بن ابی غالب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں، لوگ ان کے پاس دعا کے لئے عموماً حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی صاحب ان کی خدمت میں آئے اور کسی چیز کے متعلق کہا: ''آپ فلاں صاحب

---

[1] اللّٰہ ...... اهل الغناء والمجد: ۳٦٨ (الباب الذی لایغلق فی وجه سائل)

besturdubooks.wordpress.com

سے میرے لئے وہ چیز مانگ لیجئے۔" احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرمانے لگے: "میرے بھائی! میرے ساتھ کھڑے ہو جایئے۔ دونوں دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ ہی سے کیوں نہ مانگ لیں، کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رُخ کیوں کیا جائے۔"[1]

یقیناً "اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا در ہر وقت کھلا ہے۔ یہ یقین اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کہ اسے چھوڑ کر مخلوق کے بند دروازوں پر کھڑے ہو کر ذلت اُٹھائی جائے۔ اس کھلے در کی طرف رجوع کی عادت تو ڈالیئے، آزما کر تو دیکھئے۔[2]

وَاقِعَۃ نمبر ۴۴: مشہور و معروف تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت طاؤس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مجھے ایک حکمران کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا:

"یَا عَطَاءُ! إِیَّاكَ أَنْ تَرْفَعَ حَوَائِجَكَ إِلٰی مَنْ أَغْلَقَ فِيْ وَجْهِكَ بَابَهٗ ......

وَأَقَامَ دُوْنَكَ حُجَّابَهٗ.

وَ إِنَّمَا اطْلُبْهَا مِمَّنْ أَشْرَعَ لَكَ أَبْوَابَهٗ.

وَطَالَبَكَ بِأَنْ تَدْعُوَهٗ ...... وَوَعَدَكَ بِالْإِجَابَةِ."[3]

اے عطاء! میری بات غور سے سنو، اپنی کوئی ضرورت ایسے شخص کے سامنے پیش نہ کرو جس نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں اور اپنے دروازوں پر دربانوں کو بٹھا رکھا ہو، بل کہ اپنی ہر ضرورت اس کے سامنے پیش کرو جس نے ہر دم اپنے دروازے اپنے بندوں کے لئے کھلے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دعا کو قبول کروں گا۔

لہٰذا بار بار اس کی مشق کریں کہ ہر حاجت و ضرورت صرف اور صرف "اَلْفَتَّاحُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے دربار میں پیش کریں۔ کم از کم بیس منٹ گھڑی دیکھ کر دعا مانگنے کی عادت ڈالیے۔ آج ہماری عادت نہیں ہے اس لئے دعا مانگنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جس کا دروازہ سائلین کے لئے کبھی بھی بند نہیں ہوتا، اس سے مانگنا مشکل لگتا ہے اور جس نے اپنے دروازوں پر چوکی دار بٹھائے ہوئے ہیں، ان سے مانگنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا آج سے ہم سب توبہ کریں اور اپنی ہر حاجت و ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجت (دو رکعت حاجت کی نیت سے نماز) پڑھیں اور بار بار صلوٰۃ الحاجت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں۔

نیک اعمال کی ابتدا اور اس کی انتہا

اس اسم کے تحت یہ دو دعائیں یاد رکھنی چاہئیں:

❶ ایک یہ دعا جو امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے:

---

[1] ذیل طبقات الحنابلة: ۲۲٤/۱ [2] کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۵

[3] صور من حیاة التابعین: ۲۹٦

besturdubooks.wordpress.com

"اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنِ الْمَسْئَلَةِ لِغَيْرِكَ"[1]

ترجمہ: اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنے غیر سے میری پیشانی کی حفاظت فرمائی ہے، اسی طرح میری زبان کی بھی حفاظت فرمائیے۔

۲ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ وَجَوَامِعَهُ وَأَوَّلَهُ وَظَاهِرَهُ وَبَاطِنَهُ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ"[2]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے نیک اعمال کی ابتدا اور اس کی انتہا اس کے خلاصے اور اس کا اوّل اس کا ظاہر اور اس کا باطن اور جنت کے اونچے اونچے درجات کا سوال کرتا ہوں (تو مجھے یہ سب عطا فرما، آمین)۔"

فوائد و نصائح

۱ اس اسم کی معرفت پیدا کرنے والے بندہ کو چاہئے کہ وہ یہ سوچے کہ ہر قسم کی راحت، آسانی، فتح و مدد الفتّاح جَلَّ جَلَالُهُ ہی کرتے ہیں، اسی طرح علم، عمل، عبادت، تقویٰ اور اخلاص سب اسی ذات کی عطا کردہ ہے۔

۲ بندوں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولے رکھتا ہے اور جو اس سے مانگتا ہے تو اس سے برائی کو ہٹا کر اچھائی دیتا ہے نقصان کو ختم فرما کر نفع بنا دیتا ہے۔

۳ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ ہر کام میں آسانی، ہر مسئلے کا حل صرف اور صرف الفتّاح جَلَّ جَلَالُهُ کے پاس ہے۔ اُس ذات کے علاوہ کوئی بھی مسائل کو حل کرنے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں۔

---

[1] حلية الأولياء: ٢٤٤/٩، رقم: ١٣٧٨٣

[2] مستدرك حاكم، كتاب الدعاء: ٧٠٩/١، رقم: ١٩٦٣

besturdubooks.wordpress.com

العَلِیْمُ جلّ جلالہٗ

(سب کچھ جاننے والا)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ ابْنُ مَنْظُوْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "لَمْ يَزَلْ عَالِمًا وَلَا يَزَالُ عَالِمًا بِمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ، وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ، أَحَاطَ عِلْمُهُ بِجَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ، بَاطِنِهَا وَ ظَاهِرِهَا، دَقِيْقِهَا وَجَلِيْلِهَا، عَلٰى أَتَمِّ الْإِمْكَانِ." [1]

ترجمہ: "اللہ ربُّ العزت ہمیشہ سے جانتے ہیں اور ہمیشہ جانتے رہیں گے ہر اس چیز کو جو پہلے سے تھی یا بعد میں آئے گی، اور اللہ ربُّ العزت سے زمین و آسمان میں کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں اور اس کا علم تمام اشیاء کے ظاہر و باطن اور ہر چیز کی باریکیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

❷ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "العَلِیْمُ" وہ ذات ہے، جس کا علم تمام ظاہری، باطنی، پوشیدہ، اعلانیہ، ضروری، ممکن، ناممکن، آسمان و زمین، ماضی، حال، مستقبل، تمام کو شامل ہے۔ اللہ ربُّ العزت سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں۔[2]"

❸ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "إِنَّ اللّٰهَ ذُوْ عِلْمٍ بِكُلِّ مَا أَخْفَتْهُ صُدُوْرُ خَلْقِهِ مِنْ إِيْمَانٍ وَّ كُفْرٍ، وَحَقٍّ وَّبَاطِلٍ، وَخَيْرٍ وَشَرٍّ، وَمَا تَسْتَجِنُّهُ مِمَّا لَمْ تَجُنَّهُ بَعْدُ." [3]

ترجمہ: "مخلوقات کے سینوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے، خواہ ایمان ہو یا کفر .... حق ہو یا باطل .... خیر ہو یا شر .... سب کچھ اللہ ربُّ العزت جانتے ہیں اور مخلوق میں سے کوئی اگر کچھ اپنے سینے میں چھپانا بھی چاہے تو نہیں چھپا سکتا۔"

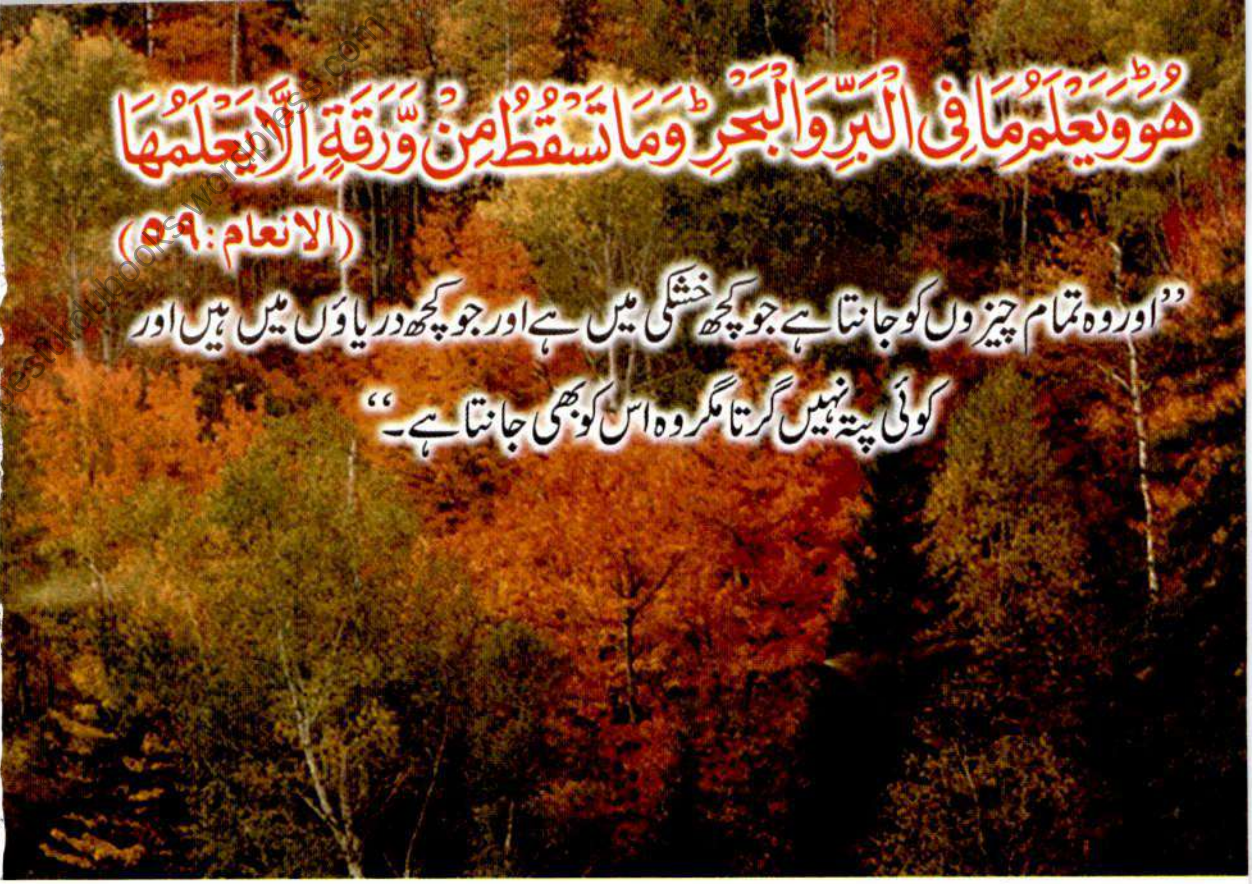
---

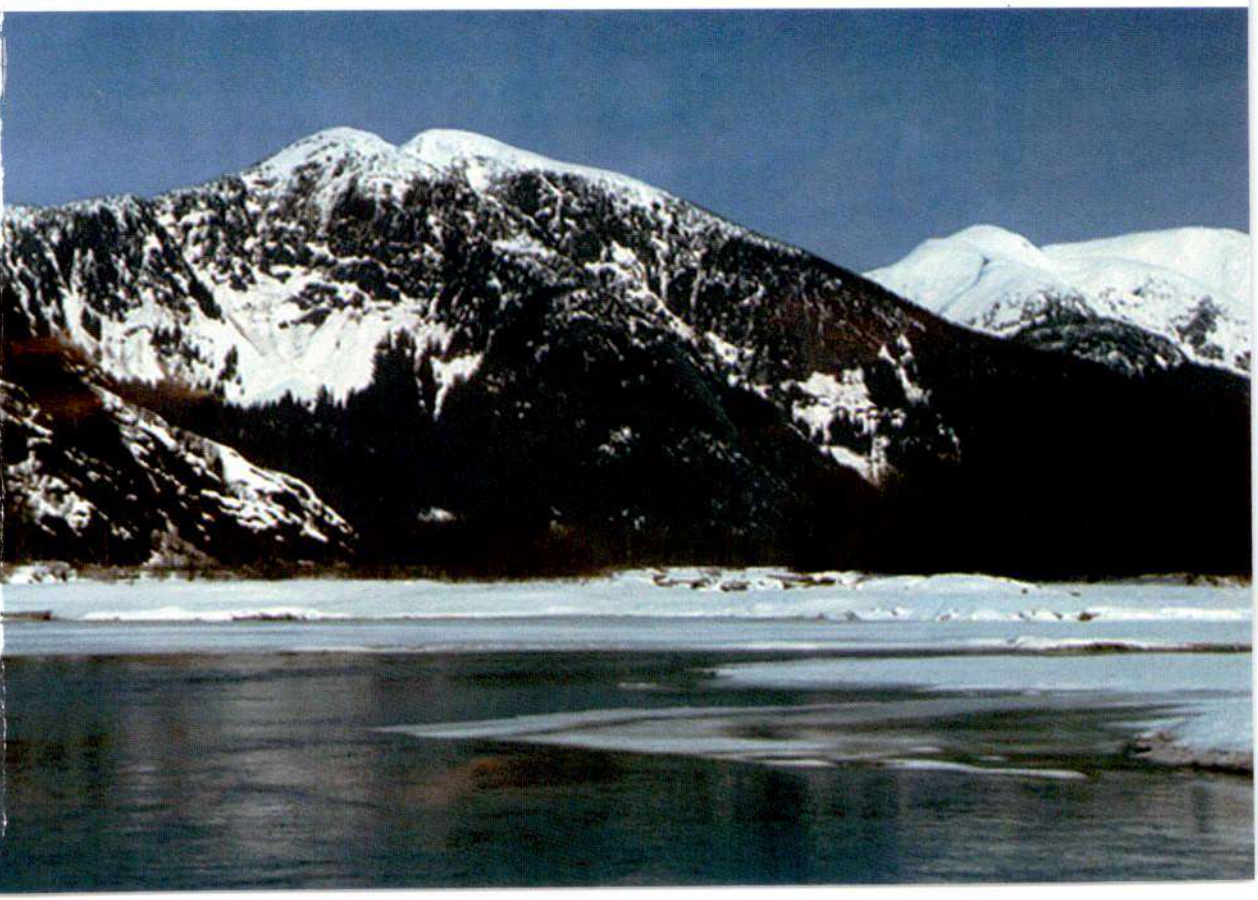
[1] اللسان: ٣٠٨٢/٤، ٣٠٨٣

[2] وَقَالَ السَّعْدِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "اَلْعَلِيْمُ وَهُوَ لَذِيْ أَحَاطَ عِلْمُهُ بِالظَّوَاهِرِ وَالْبَوَاطِنِ وَالْأَسْرَارِ وَالْأَعْلَانِ وَبِالْوَاجِبَاتِ وَالْمُسْتَحِيْلَاتِ وَالْمُمْكِنَاتِ، وَبِالْعَالَمِ الْعَلْوِيِّ وَالا سْفَلِيِّ، وَبِالْمَاضِيِّ وَالْحَاضِرِ وَالْمُسْتَقْبَلِ، فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ."
(تيسير الكريم: ٢٩٩/٥)

[3] الطبری: ١٧٥/١، كلها نقلاً عن النهج الاسمٰى: ٢١٥/١

العليم





besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

۴ ''علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ رب العزت ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہیں، اللہ رب العزت کا علم کائنات کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، یعنی ہر ہر چیز کا علم ''اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو ہے اور اس میں بھول چوک کا کوئی شائبہ نہیں۔'' [۱]

یہ ''اسم مبارک'' قرآن کریم میں ۱۵۷ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ [۲]

۲ ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ [۳]

۳ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ [۴]

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، علیم کل ہے، کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں، عالَم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک لحہ کے لئے اس سے غائب نہیں۔ قرآنِ کریم بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی بڑی اور کھلی چھپی چیز کا علم ہے۔ وہ سب کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہر ایک کے قریب اور ہر ایک کے ساتھ ہے، کوئی چیز اور کسی کا کوئی عمل اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی اسی صفت کو بیان فرما رہے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾ [۵]

ترجمہ: ''یقیناً اللہ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا بیان ہے جس سے کسی جہاں کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔

ایک اور جگہ یہی بات کچھ اور اضافے کے ساتھ یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ [۶]

ترجمہ: ''اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی زمین وآسمان کی ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی مالک اور رب ہے) وہ تمہاری چھپی اور کھلی سب باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس کو (اس کا بھی) پورا علم ہے۔''

جب تمام زمین وآسمان میں اس کی حکومت ہے اور وہ بلا واسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے

---

[۱]
وَهُوَ الْعَلِیْمُ أَحَاطَ عِلْمًا بِالَّذِیْ — فِی الْكَوْنِ مِنْ سِرٍّ وَمِنْ إِعْلَانِ
وَبِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمُهُ سُبْحَانَهُ — فَهُوَ الْمُحِیْطُ وَلَیْسَ ذَا نِسْیَانِ

''النونیة'' ۲/۲۱۵، (نقلاً عن النهج الاسمٰی، ۱/۲۱۵)

[۲] البقرة: ۳۲ [۳] آل عمران: ۱۵٤ [۴] المائدة: ۹۷ [۵] آل عمران: ۵ [۶] الانعام: ۳

besturdubooks.wordpress.com

بڑے عمل پر مطلع ہے، تو عابد کو اپنی عبادات اور مدد طلب کرنے میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی۔
مشرکین کہا کرتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [۱]
"ہم تو ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔"
یہ ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ ان کی یہ بات اس غلط فہمی یا ضد پر مبنی تھی کہ اس اصل خالق نے لوگوں کی حاجت روائی سے متعلق کچھ اختیارات (حالات جاننا، پریشانیاں دور کرنا وغیرہ) اپنے بعض مقربین بندوں کے حوالے کئے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم کیوں نہ ان ہی کے سامنے اپنی حاجات پیش کریں۔ [۲]

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و حاضر سب یکساں طور پر اس کے سامنے ہے، کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ [۳]

ترجمہ: "اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے۔ اور اُس سب کو بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے اور ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے، مگر یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔"

آگے اور پیچھے کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ اُن کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات و واقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہیں جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات و حالات ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں۔ کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں اور کچھ چھپی ہوئی، مگر اللہ جل شانہٗ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں، اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ [۴] "یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی حصے کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے، مگر اللہ تعالیٰ خود ہی جس کو جتنا حصہ علم کا عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے۔"
اس میں بتلا دیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علمِ محیط صرف اللہ جل شانہٗ کی خصوصی صفت ہے، انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہوسکتی۔ [۵]

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ﴾ [۶]

---

[۱] الزمر: ۳ [۲] تفسیر عثمانی: ۱۷۰، الزمر: ۳ [۳] البقرة: ۲۵۵ [۴] البقرة: ۲۵۵

[۵] معارف القرآن: ۶۱۴/۱، البقرہ: ۲۵۵ [۶] الکہف: ۲٦

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”آسمان وزمین کے چھپے بھیدوں کا اُسی کو علم ہے، کیسا عجیب دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔“

یہ دُعا جو آگے بیان کی جارہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ”اَلْعَلِیْمُ“ کا اظہار ہے، ہم سب کو بار بار مانگتے رہنا چاہئے اور خوب غور سے اس کا ترجمہ پڑھتے رہنا چاہئے کہ:

”اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں......اور جس کو خیالات نہیں پاسکتے......اور نہ بیان کرنے والے اس کی حمد وثنا بیان کرسکتے ہیں......اور نہ زمانے کے حوادث اس کو متأثر کرسکتے ہیں......اور نہ وہ گردش زمانہ سے ڈرتی ہے۔

پہاڑوں کے وزن...... دریاؤں کے پیمانے...... بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتے سب اس کے علم میں ہیں۔ جو ان سب چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے اور دن روشنی ڈالتا ہے......جس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا نہیں سکتا اور نہ ایک زمین دوسری زمین کو اور نہ سمندر اُن چیزوں کو چھپا سکتے ہیں...... جو اُن کی تہوں میں ہیں اور نہ پہاڑ ان چیزوں کو جو ان کے پتھریلے جگر میں ہیں۔ (پس اے ان تمام صفات کی حامل ذات!) میری عمر کا بہترین حصہ آخری عمر کا ہو......اور میرے سب سے اچھے عمل خاتمے کے وقت مقدر فرمادے......اور میرے دنوں میں سب سے بھلا دن وہ بنادے جس میں تجھ سے ملوں (یعنی قیامت)۔ اے اسلام اور اہل اسلام کے مالک (اور دوست)! مجھے اسلام پر قائم رکھنا، یہاں تک کہ میں تجھ سے ملوں (یعنی موت تک)۔[1]

”اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے علمِ محیط سے کائنات کا کوئی ذرّہ خارج نہیں

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾[2]

ترجمہ: ”اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ، بل کہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔“

یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دُعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے یا اَخْفٰی کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے، یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے۔

---

[1] ”يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ، وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ، وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ، وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ، يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ، وَمَكَايِيْلَ الْبِحَارِ، وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ، وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ، وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ، وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ، وَلَا تُوَارِيْ مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً، وَلَا أَرْضٌ أَرْضًا، وَلَا بَحْرٌ مَا فِيْ قَعْرِهٖ، وَلَا جَبَلٌ مَا فِيْ وَعْرِهٖ، اِجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْهِ، يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى أَلْقَاكَ“ (المعجم الأوسط للطبراني، الأدعية، باب حسن الثناء على الله: ٢٣٦/٣)

[2] طٰهٰ: ٧

besturdubooks.wordpress.com

جب کہ بنی آدم کی معلومات کثرت کے باوجود اللہ رب العزت کے وسیع علم کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [1]

ترجمہ: ''اور تم کو علم دیا تھوڑا سا۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور باقی ساری مخلوق کو بہت تھوڑا علم عطا کیا ہے، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ انسان کو سب سے زیادہ حصہ ملا ہے، حیوانات کو ان سے کم اور نباتات کو ان سے کم۔ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے۔ بقائے نفس کے لئے اسے اس کی ضرورت بھی تھی، لہٰذا پیدا ہوتے ہی اسے اتنا علم دے دیا گیا کہ زمین پر ٹھونگیں مارے اور اپنا پیٹ بھرے۔

علمِ غیب ''العلیم جل جلالہ'' کی صفتِ خاصہ ہے

سورۂ رعد کی آیت نمبر۹ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ غیب کو عجیب طریقے سے بیان کیا ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾

ترجمہ: ''ظاہر و پوشیدہ کا وہ جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور (سب سے) بلند و بالا۔''

''اَلْغَيْبِ'' سے مُراد وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو، یعنی نہ آنکھوں سے اس کو دیکھا جا سکے، نہ کانوں سے سُنا جا سکے، نہ ناک سے سونگھا جا سکے، نہ زبان سے چکھا جا سکے اور نہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کیا جا سکے۔

''اَلشَّهَادَةِ'' اس کے بالمقابل وہ چیزیں ہیں، جن کو انسانی حواسِ مذکورہ کے ذریعے معلوم کیا جا سکے۔ معنی یہ ہیں کہ ''العلیم جل جلالہ'' ہی کی خاص صفتِ کمال یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر اور موجود کو جانتا ہے۔

''اَلْكَبِيْرُ'' کے معنی بہت بڑا اور ''اَلْمُتَعَالِ'' کے معنی بلند و بالا، ان دونوں لفظوں سے مُراد یہ ہے کہ وہ مخلوقات کی صفات سے بلند و بالا اور بڑا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ [2]

آیت کا مفہوم یہ ہے: اللہ جل شانہٗ کے علمِ محیط کی وجہ سے اس کے نزدیک خفیہ کلام کرنے والا اور بلند آواز سے کلام کرنے والا دونوں برابر ہیں۔ وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتا اور جانتا ہے۔ اسی طرح جو شخص رات کی اندھیری میں چھپا ہوا ہے اور جو دن کے اُجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، یہ دونوں اس کے علم اور قدرت کے اعتبار سے برابر

---

[1] الاسراء: ۸۵ [2] الرعد: ۱۰

besturdubooks.wordpress.com

ہیں کہ دونوں کے اندرونی اور ظاہری سب حالات اس کو یکساں معلوم ہیں اور دونوں پر اس کی قدرت یکساں حاوی ہے، کوئی اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں۔ [1]

اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اس عطا کئے ہوئے علم پر غرور و تکبر نہ کرے، بل کہ وہ اس علم کو "اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی فرماں برداری میں صرف کرے، ورنہ جب قہر خداوندی نازل ہوتا ہے تو انسان کا یہ علم اور اس کی ترقی دھری کی دھری رہ جاتی ہے جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

بے بس انسان!

وَاقِعَةٌ نَمبر ۴۵: ۱۹۸۹ء میں آنے والے زلزلے سے ایک دن پہلے ہی سان فرانسسکو کی جھاڑیوں اور آس پاس واقع جنگلات سے تمام چھچھوندر، نیولے، بچھو، سانپ اور دیگر کیڑے مکوڑے دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کر رہے تھے، مگر انسان جسے سائنسی آلات، جدید ٹیکنالوجی اور اپنے انتظامات پر بڑا ناز ہے، بڑا اعتماد ہے، وہ بے خبر تھا، غافل تھا اور اپنی عیاشی، فحاشی، شراب نوشی میں مست تھا۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ چند گھنٹوں بعد یہ خوب صورت شہر اجڑنے والا ہے۔ زمین پھٹ جائے گی اور ہر طرف تباہی پھیل جائے گی اور پھر وہی ہوا، جس کا حیوانوں کو اندازہ ہوگیا تھا۔

وَاقِعَةٌ نَمبر ۴۶: یہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی بات ہے جب کہ سان فرانسسکو کے شہری زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ بازار آباد تھے اور کلبوں کی جوانی اپنے عروج پر تھی، شراب کے جام ٹکرا رہے تھے اور انسان موت سے قطعاً بے خبر زندگی کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک فطرت کا پہیہ گھوما اور زلزلے کی شدت سے پورا شہر دیمک خوردہ درخت کی طرح لرزنے لگا، گاڑیاں لڑھکنے لگیں، موٹر سائیکلوں پر سوار جوان ہوا میں اچھل گئے، فلک بوس عمارتیں لمحوں میں زمین پر آرہیں اور اب زندگی کے بجائے موت کا بازار گرم تھا...... ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں تھیں اور سینہ تان کر، غرور سے سر اٹھا کر چلنے والے نوجوان مرد و زن کوڑے کا ڈھیر تھے، خاک کا پیوند تھے یا بدبودار لاشے تھے۔

اخبارات و جرائد نے حکومت پر سخت تنقید کی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں تباہی و بربادی کا قبل از وقت پتا کیوں نہیں چلا، مگر بے چارے کم خبر نقاد (تنقید کرنے والے) کیا جانیں کہ جب قانونِ فطرت کا پہیہ گھومتا ہے تو انسان کی تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ ہائے رے کمزور، انسان! سائنس کے اس دور میں بھی تو کتنا بے بس ہے...... کتنا بے علم ہے...... کاش! تو اسے رب مان لے...... جو علیم و خبیر ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [2]

تَرْجَمَہ: "(اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان و زمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ غیب کا

---

[1] معارف القرآن: ۱۸۱/۵، الرعد: ۱۰
[2] نمل: ۶۵

besturdubooks.wordpress.com

علم نہیں رکھتے بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بس صرف وہی عالم الغیب ہے۔“

ایک موقع پر فرمایا:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾[1]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کُنجیاں، اس کے سوا کوئی اُن کو نہیں جانتا۔“

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ نہیں، جس سے غیب کے مخفی بھیدوں کا علم حاصل ہو سکے۔[2]

”العلیم جل جلالہ“ کے سامنے سائنس کی بے بسی

سائنس کی ترقی کے اس دور میں اس کی بے بسی کا عالم صرف ان چند مہینوں میں اس قدر شدید تھا کہ دنیا بھر کے سائنس دان حیران ہو کر رہ گئے، ان کے لئے سونامی ایک ایسا سائنس کا کرشمہ اور عجوبہ تھا کہ ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ کیسے اللہ تعالیٰ کئی سو میل دور سے ایک عذاب بھیجتا ہے اور پھر اسے جس منزل پر تباہی پھیلانی ہوتی ہے، وہاں پہنچاتا ہے اور یہ عذاب راستے میں کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ ایک سمندر کے علاقے سے ایک لہر اٹھتی ہے اور ایک خاص رفتار کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھتی ہے۔ اس رفتار کو اور لہر کی اونچائی کو سمندر کی گہرائی کے تناسب سے ناپا جا سکتا ہے۔

یعنی کسی لہر کے تیزی کو زمین کی کشش ثقل سے تناسب دے کر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ کس جگہ پر لہر کی کتنی اسپیڈ اور کتنی اونچائی ہوگی؟ یہ لہر ساحل تک پہنچ کر سست ہو جاتی ہے، لیکن سائنس اس بات پر حیران رہ گئی کہ جب یہ لہریں اپنی منزل مقصود یعنی جہاں یہ آفت نازل ہونا تھی وہاں پہنچیں تو ان کی رفتار کم نہ ہوئی بل کہ مزید بڑھتی گئی، جس سے ساحل پر آباد شہر ۵۰ سے ۶۰ فٹ کی بلندی تک ڈوب گئے۔ نہ سانس لینے کا وقت ملا اور نہ بھاگنے کا موقع۔ یہ تباہ کن لہریں راستے میں گزرتے ہوئے اس ترتیب سے آئیں کہ نہ جہاز ڈوبے، نہ کشتیاں غرق ہوئیں، بس جن شہروں پر عذاب آنا تھا آ گیا۔ وہ لوگ تو غرق ہو گئے، لیکن سائنس دان سوچ میں پڑ گئے کہ اس کائنات کے اس مروجہ طبعی قوانین کو اس ترتیب اور انداز سے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے! یقیناً یہ وہی کر سکتا ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔

یہ سائنسی بے بسی ہے جو کترینا اور ریٹا کے ہواؤں سے بھرے طوفان میں نظر آتی ہے۔ میلوں سفر کرتی ہے، ایک منزل پر آ کر شہر برباد کر دیتی ہیں اور یہی حکمت زلزلوں میں کہ جس زمین کے نیچے یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے، وہاں کچھ نہیں ہوتا، بل کہ اس حرکت کی رفتار ایک خاص شہر تک پہنچنے کے قابل بن جاتی ہے جو میرے رب کی آفت کا ٹارگٹ ہوتا ہے۔

نہ سائنس وقت بتا سکتی ہے؟ نہ یہ بتا سکتی ہے کہ زمین ہلی تو کون سا شہر تباہ ہوگا؟ نہ یہ خبر دے سکتی ہے کہ یہ سمندری لہریں کس شہر تک پہنچ کر آفت بنیں گی؟ نہ ہوا پر اختیار، نہ سمندر پر اور نہ ہی زمین پر، سارے قانون پڑھ لئے، لیکن یہ علم

---

[1] الانعام: ۵۹ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۶۲

besturdubooks.wordpress.com

حاصل نہ ہوسکا کہ کائنات تباہ کرنے، آفت لانے، عذاب نازل کرنے کی گھڑی کب، کس وقت اور کیسے آئے گی؟ سورۂ ملک کی یہ آیت کہ ”کافر ازراہِ مذاق پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو ان سے کہہ دو کہ علم تو اللہ کے پاس ہے، میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔“ [1]

محترم قارئین! سائنس دان تو پوری دنیا میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن شاید لوگ ڈرانے والے کی باتوں پر یقین نہیں کر رہے ہے کہ لوٹ آئیں، اس رب کی طرف جو لوٹ آنے پر عذابوں کو ٹالتا ہے۔ مصیبتوں کو روکتا ہے اور آفتوں سے بچاتا ہے۔ [2]

چناں چہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔

ارشاد فرمایا: وہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور اس چیز کو جو دریا میں ہے۔ اور کوئی پتہ کسی درخت کا نہیں گرتا جس کا علم اس کو نہ ہو۔ اسی طرح کوئی دانہ جو زمین کے تاریک حصہ میں مستور (چھپا ہوا) ہے، وہ بھی اس کے علم میں ہے اور ہر تر و خشک، یعنی کل کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے علم میں ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔

ایک علم غیب۔

دوسرے موجودات کا علم محیط، جس سے کوئی ذرّہ مخفی نہیں۔

”عِلْمُ اللّٰهِ -جَلَّ ثَنَاؤُهٗ- لَا يَعْتَرِيْهِ نَقْصٌ أَبَدًا مِنْ نِسْيَانٍ أَوْ جَهْلٍ، أَوْ عِلْمٍ بِبَعْضِ أُمُوْرِ الْخَلْقِ وَجَهْلٍ بِغَيْرِهَا. قَالَ تَعَالٰى ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾“ [4]

تَرْجَمَہ: ”اللہ ربُّ العزت کے علم میں کبھی بھی کمی نہیں آتی، نہ ہی بھول چوک، عدمِ واقفیت اور مخلوق کے بعض معاملات کو جاننا اور بعض کو نہ جاننا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ”اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔“

”اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور جو دریا میں ہے۔ مراد اس سے کل کائنات و موجودات ہے، جیسے صبح و شام کا لفظ بول کر پورا زمانہ، مشرق و مغرب کا لفظ بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے۔ اسی طرح بر و بحر یعنی خشکی اور دریا بول کر مراد اس سے پورے عالم کی چیزیں ہیں۔

آگے اس کی مزید تشریح و تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ ”اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا تمام کائنات پر احاطۂ علمی صرف یہی نہیں کہ بڑی بڑی چیزوں کا اس کو علم ہو، بل کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی، مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے علم میں ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ [5] یعنی سارے جہاں میں کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جو اس کے علم میں نہ

[1] الملك: ٢٥ [2] بشکریہ روزنامہ اسلام [3] الانعام: ٥٩ [4] مريم: ٦٤ [5] الانعام: ٥٩

besturdubooks.wordpress.com

ہو۔ مراد یہ ہے کہ ہر درخت کا ہر پتہ گرنے سے پہلے...... اور گرنے کے وقت...... اور گرنے کے بعد...... اس کے علم میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر پتہ درخت پر لگا ہوا کتنی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہوگا اور کب اور کہاں گرے گا اور پھر وہ کس کس حال سے گزرے گا۔ گرنے کا ذکر شاید اسی لئے کیا گیا ہے کہ اس کے تمام حالات کی طرف اشارہ ہو جائے، کیوں کہ پتہ کا درخت سے گرنا، اس کے نشو ونما اور نباتاتی زندگی کا آخری حال ہے، آخری حال کا ذکر کر کے تمام حالات کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ﴾[1]

یعنی ہر وہ دانہ جو زمین کی گہرائی اور اندھیری میں کہیں پڑا ہے، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ پہلے درخت کے پتے کا ذکر کیا، جو عام نظروں کے سامنے گرتا ہے، اس کے بعد دانہ کا ذکر کیا، جو کاشت کار زمین میں ڈالتا ہے یا خود بخود کہیں زمین کی گہرائی اور اندھیری میں چھپ جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر تمام کائنات پر علمِ باری تعالیٰ کا حاوی ہونا، ''تر اور خشک'' کے عنوان سے ذکر فرمایا اور آگے فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتابِ مبین میں لکھی ہوئی ہیں۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ اس طرح کا علمِ محیط، جس سے کائنات کا کوئی ذرّہ اور اس کا کوئی حال خارج نہ ہو، یہ صرف ''العلیم جل جلالہ'' کے ساتھ مخصوص ہے۔

سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۶...... سورۂ یونس کی آیت ۶۱...... اور سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۱۲...... میں اور اسی طرح بے شمار آیات میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ غیب کا علم (جس کو قرآن میں غیب کہا گیا ہے اور اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے) یا تمام کائنات کا علمِ محیط، صرف ''العلیم جل جلالہ'' کی مخصوص صفت ہے...... اسی طرح کسی فرشتہ یا رسول کے علم کو ہر ذرّہ کائنات پر محیط سمجھنا، عیسائیوں کی طرح رسول کو خدا کا درجہ دے دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دے دینا ہے جس کو قرآن کریم میں شرک کہا گیا ہے۔ سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۹۷، ۹۸ میں شرک کی یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے:

﴿تَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝﴾[2]

''یعنی قیامت کے روز مشرکین کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ہم سخت گمراہی میں تھے کہ تم کو یعنی بتوں کو ربُّ العٰلمین کے برابر کرتے تھے۔''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، اور نہ پھر یہ رسول کی تعظیم میں زیادتی ہوگی، جو عیسائیوں نے اختیار کی ہے۔ اسی کا نام

---

[1] الانعام: ۵۹ [2] الشعراء: ۹۷، ۹۸

besturdubooks.wordpress.com

شرک ہے، نعوذ باللہ منہ[1]

"اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کوئی غیب دان نہیں

دلیل نمبر ①: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! چند اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو میرے ساتھ کر دیں کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ میری قوم مسلمان ہوگئی تو میں بھی ہو جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر بڑے جلیل القدر قراءِ قرآن اس کے ہمراہ کر دیئے۔ ان سب (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بڑی بے دردی اور دھوکہ سے شہید کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر رنج وصدمہ تھا کہ ایک ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاتلین پر بددعا فرماتے رہے۔[2]

تنبیہ: علمِ غیب جس کو قرآن پاک نے واقعی علمِ غیب کہا ہے اور جو سورۂ یونس کی آیت ۶۱ سے معلوم ہوا ہے۔ وہ صفت چوں کہ خاص اللہ پاک کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، اسی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دھوکہ بازوں کے حوالے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شخص کے ظاہری دعوے اور طلب کی (کہ دین سکھانا ہے یا کیا مقصد ہے) حقیقت کھل نہ سکی۔

دلیل نمبر ②: بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"تم لوگ میرے پاس مقدمے لاتے ہو۔ اگر کسی کو چرب زبانی سے بولنا اچھا آتا ہے اور وہ ایسی بات کرے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو وہ مطمئن مت ہو کہ اللہ کے رسول نے حصہ دلا دیا۔ وہ شخص آگ کا ٹکڑا لئے جا رہا ہے۔[3]"

تنبیہ: یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ "عَالِمْ" اور "عَلِیْم" ذات صرف اللہ ربُّ العزت ہی کی ہے۔

دلیل نمبر ③: ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کھانے میں زہر دیدیا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید بھی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لقمہ کھایا تھا اور فرمایا: "اِرْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ" چھوڑ دو اس گوشت کو، اپنے ہاتھ اُٹھالو اور اس عورت کو بلوایا اور پوچھا: تم نے اس میں زہر ملایا ہے؟

اس عورت نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی؟

فرمایا: "أَخْبَرَتْنِي هٰذِهٖ فِي يَدِي الذِّرَاعُ" مجھے اس گوشت کے ٹکڑے نے اطلاع دی جو میرے ہاتھ میں ہے۔

اس عورت نے کہا: میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ نبی ہے تو ان کو نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہم سب کی جان چھوٹ جائے گی۔[4]

تنبیہ: جب تک اُس عالم الغیب ذات کو منظور نہ ہو، کائنات کے سردار کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ کیا معاملہ ہے۔ کاش!

---

[1] معارف القرآن: ۳۴۸/۳ تا ۳۵۰ [2] بخاری، الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین: ۹۴۶/۲

[3] بخاری، الاحکام، باب القضاء فی قلیل المال و کثیرہ سواء: ۱۰۶۵/۲

[4] ابوداود: الدیات، باب فی من سقٰی رجلاً سما......: ۲۶۴/۲

besturdubooks.wordpress.com

مسلمان کو معرفت حاصل ہو کہ ہر ڈھکی چھپی بات کا جاننے والا صرف اور صرف اللہ ربّ العزت ہے۔

دَلِیْلْ نمبر ④: آپ ﷺ نے ایک مرتبہ نعلین مبارک کے ساتھ نماز میں امامت شروع فرمائی اور نماز شروع ہوتے ہی فوراً چپل مبارک اتار دیئے۔ پہلی صف والے سمجھے کہ شاید کوئی نیا حکم نماز کے دوران چپل اتارنے کا آ گیا ہے تو ان سب نے بھی (جو چپل پہنے ہوئے تھے) چپل اتار دیئے۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب کو جوتے اتارنے کی حاجت نہیں تھی۔ مجھے تو نیت باندھتے ہی جبرئیل علیہ السلام نے اطلاع دی کہ آپ کی جوتیوں کو نجاست لگی ہے، آپ نعلین اتار دیں۔[1]

دَلِیْلْ نمبر ⑤: غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ احرام باندھ کر عمرے کا ارادہ کر کے حدودِ حرم تک پہنچ گئے، مگر حرم میں داخلہ اور عمرے کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی اور سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔[2]

دَلِیْلْ نمبر ⑥: اسی طرح غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی۔[3] اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آں حضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل الخلائق ہیں، مگر پھر بھی وہ خدائی علم و قدرت کے مالک نہیں، تاکہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔[4]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب دان نہیں

سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚۛ﴾

تَرْجَمَہ: ”آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا۔“

---

[1] ابوداود، الصلوة، باب الصلوٰة فی النعل: ۹۵/۱

[2] بخاری: المغازی، باب عزوة الحدیبیة: ۲۰۶/۲

[3] بخاری: المغازی، باب ما اصاب النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم من الجراح یوم احد: ۵۸۳/۲

[4] معارف القرآن: ۱۴۷/۴

besturdubooks.wordpress.com

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اس آیت میں مشرکین اور عوام کے اس غلط عقیدے کی تردید ہے، جو ان لوگوں نے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں قائم کر رکھا تھا کہ وہ غیب دان ہوتے ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح تمام کائنات کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ ہر نفع اور نقصان کے مالک ہوتے ہیں، جس کو جو چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اسی عقیدے کے سبب وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے قیامت کی معین تاریخ بتلانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس آیت نے ان کے اس مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ علمِ غیب.........اور تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم محیط ہونا.........صرف ''اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مخصوص صفت ہے۔ اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی و رسول، شرک اور ظلمِ عظیم ہے۔ اسی طرح ہر نفع و نقصان کا مالک ہونا صرف ''اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی صفت خاص ہے۔ اس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے، جس کے مٹانے ہی کے لئے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مبعوث ہوئے۔[1]

اس آیت سے اس قول کی بھی تردید ہوگئی کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا علمِ غیب عطائی تھا۔ اگر بالفرض ایسا ہی ہوتا، تب بھی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے لئے بہت خیر جمع فرمالیتے اور ہر شر اور گزند سے بچ جاتے۔ آیتِ مبارکہ میں بڑی وضاحت سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے علمِ غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالاں کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو حاصل کرنا چاہا، مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بچنے کا ارادہ کیا، مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی۔

اس آیت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نہ قادرِ مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب، بل کہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے ان کو دیا جائے۔

ہاں! اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے، وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا یعنی تمام انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب بل کہ اس سے بھی بہت زیادہ علم آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں ایسی غیب کی باتوں کی لوگوں کو خبریں دیں جو آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو اللہ تعالیٰ نے بتلائی تھیں اور جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے

---

[1] معارف القرآن: ۱۴۷/۴، الاعراف: ۱۸۸

besturdubooks.wordpress.com

مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں، لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاحِ قرآن میں علم الغیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔[1] نیز قرآن کریم میں اس عطا کئے جانے والے علم کو سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۴ میں نباءِ غیب (یعنی غیب کی خبریں) اور اسی سورت کی آیت نمبر ۱۷۹ میں اطلاعِ غیب اور سورۂ جن کی آیت نمبر ۲۶ میں اظہارِ غیب بتلایا ہے۔

محض اس اظہار کیے جانے اور اطلاع دیئے جانے اور خبر دینے کی وجہ سے نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ عالم الغیب کیسے ہو گئے؟

لہٰذا ہمارے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد صحیح رکھے جائیں اور ظاہراً بھی ایسے الفاظ کہنے سے بچا جائے جو قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف ہوں۔

اسی لئے اکابر رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی جابجا صراحت سے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں، حضرات انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو علم دیتے ہیں، مگر خوب واضح ہو کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ چناں چہ حضرت ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لو کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ غیب کی باتوں کا ذرّہ برابر بھی علم نہیں رکھتے ہیں، سوائے ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو کبھی کبھار بتا دیتے تھے حنفی مسلک میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں عالم الغیب کا اعتقاد رکھے، وہ ایمان سے خارج ہے۔"[2]

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ سے فرمایا تھا:

"مَاعِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلَ مَانَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُوْرُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ."[3]

تَرجَمَہ: "اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی سی ہے، جو اس چڑیا نے دریا سے کم کیا ہے۔"

یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اَلْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت؟

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا ارشاد ہے:

---

[1] معارف القرآن: ۱۴۸/۴، الاعراف: ۱۸۸

[2] "ثُمَّ اعْلَمْ إِذَا الْأَنبياءُ -عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ- لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيبَاتِ مِنَ الْأَشْيَآءِ إِلَّا مَا أَعلَمَهُم اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْيَانًا وَصَرَّحَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِإِعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ ...." ("شرح فقہ اکبر: ۱۸۵، بحوالہ رسالہ مسئلہ علم غیب: ۳۰)

[3] البخاری: باب قولہ تعالٰی وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ: ۶۸۸/۲

besturdubooks.wordpress.com

”مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُخْبِرُ بِمَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ.“[1]

”یعنی جو شخص یہ کہے کہ آں حضرت ﷺ غیب جانتے تھے، اس نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ پر بہتان باندھا ہے۔“

اللہ ربُّ العزت کی ذات کامل اور اکمل علم والی ذات ہے۔ ہر ہر مرحلے پر سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ ربُّ العزت ہی کے محتاج رہتے تھے۔ کئی مشکل مواقع اور مراحل ایسے آتے تھے کہ جب تک وہ ذات کہ جو ”اَلْعَلِیْمُ“ ہے اور صرف وہی ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ہے، وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو صحیح بات سے آگاہ نہیں فرماتی تھی، تو آپ ﷺ بھی اُس کی طرف سے رہبری کے محتاج رہتے تھے۔

اسی عنوان کے تحت آپ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے ایسے بے شمار واقعات میں سے چھ ہم ذکر کر چکے ہیں، تاکہ مسلمان صحیح بات سمجھیں اور عقیدت کے نام پر عقیدہ خراب نہ کریں۔

اگر کوئی خواب وغیرہ دیکھیں یا کوئی اور دیکھے تو یاد رکھئے! قصے، کہانیاں خواب احکام اور عقائد کے ثابت کرنے کے لئے دلیل نہیں بن سکتے، چاہے وقت کا کتنا ہی بڑا بزرگ اس کو نقل کرے، بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، وہ معصوم نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ہمارے یا بزرگوں کے دیکھے ہوئے خوابوں کو اللہ تعالیٰ نے شرعی دلیل نہیں بنایا، بل کہ جو ارشادات حضور ﷺ سے قابلِ اعتماد واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں وہ صحیح اور پکی دلیل ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، خواب کی بات پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خوابوں کی حقیقت کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے کہ:

واقعہ نمبر ۴۷: شریک ابن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جو خلیفہ مہدی کے زمانے میں قاضی تھے، ایک مرتبہ وہ خلیفہ مہدی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قتل کروانے کا ارادہ ظاہر کیا، قاضی صاحب نے پوچھا: ”امیر المؤمنین کیوں؟“

خلیفہ مہدی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم میرا بستر روندر ہے ہو اور مجھ سے منہ موڑ رہے ہو۔ میں نے یہ خواب ایک تعبیر بتلانے والے کے سامنے ذکر کیا تو اس نے کہا: قاضی شریک ظاہر میں آپ کا فرماں بردار ہے، لیکن اندر اندر آپ کا نافرمان ہے۔

قاضی شریک نے جواب دیا: امیر المؤمنین! نہ آپ کا خواب ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا خواب ہے اور نہ آپ کا تعبیر دینے والا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام ہے تو کیا آپ جھوٹے خوابوں کے بل پر مسلمانوں کی گردنیں اڑانا چاہتے ہیں؟

مہدی یہ سن کر اپنے ارادے سے رک گیا۔[2]

ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا خواب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو نبی تھے اور ان کا خواب بھی پکا اور سچا تھا، کیوں کہ نبی کا خواب بھی وحی کی ایک قسم ہوتا ہے، اور تعبیر دینے والا حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے پیغمبر ورسول تھے۔ اور صحیح تعبیر بتلانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حاصل تھا جب کہ پیغمبر کے علاوہ تو کوئی بھی

[1] مسلم، الایمان، باب قول عزّوجلّ ولقد رآہ نزلۃ أُخریٰ: ۱/۹۸

[2] الاعتصام: ۱۰/۲۵۳

besturdubooks.wordpress.com

بالکل صحیح تعبیر نہیں بتلا سکتا۔ کوئی کاہن، ساحر، کوئی بھی ہو ضرور خواب کی تعبیر بتلانے میں غلطی ہو سکتی ہے، اس لئے نہ تو ہر ایک سے تعبیر پوچھی جائے نہ ہی اس پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور ولیوں میں نہ بانٹیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی صفت کا استحضار رکھتے ہوئے ہر طرح، ہر جگہ گناہوں سے بچیں۔ خوشی اور غم دونوں حالتوں میں اسی ذات کو پکاریں جو سب کی ساری ضرورتوں کو اور دل کے چھپے حالات تک کو جاننے والا ہے اور ان ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور ایسا "عَالِمٌ" اور "عَلِيمٌ" ہے کہ ہماری فریاد سے قبل ہی اس کو معلوم ہے کہ ہم کیا مانگیں گے۔

فوائد و نصائح

❶ جس بندہ کو العَلِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ کا یقین حاصل ہو جائے تو وہ یہ بات جان لیتا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے، سمندروں کی گہرائیوں میں، جنگلوں میں، ساری دنیا کی کنکریوں اور ذرات کو جانتا ہے اور پہاڑوں کے چھپے ہوئے خزانوں کو جانتا ہے۔

❷ ہمارے اعمال کو بھی جانتا ہے، ہماری باتوں کو، ہر ہر سانس اور لمحے کو جانتا ہے، اس لئے ہمیں کوئی وقت بھی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں گزارنا چاہئے، اپنے علم کو تھوڑا جاننا چاہئے اور عاجزی کو اپنی عادت بنانا چاہئے۔

❸ اور ڈرتا رہے کہ العَلِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ جب بھی چاہیں علم کی دی ہوئی دولت واپس لے سکتے ہیں۔

اس اسم کے تحت علم نافع کے حصول کے لئے یہ دعا یاد رکھنی چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ."[1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! جو علم آپ نے مجھے سکھلایا ہے، اسے میرے لئے نافع بنائیے۔ اور مجھے وہ چیز سکھلا دیجئے، جو میرے لئے نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرمائیے۔ ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اہل جہنم کی حالت سے۔"

---

[1] مشکوٰۃ: باب جامع الدعا: ۲۱۹

besturdubooks.wordpress.com

القابض جل جلالہ الباسط جل جلالہ

(تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ: أَيْ فِي كُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَرْزَاقِ وَالْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ. إِذَا قَبَضَ فَلَا طَاقَةَ وَ إِذَا بَسَطَ فَلَا فَاقَةَ." [1]

"ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر چیز میں قبض اور بسط (یعنی تنگی اور کشادگی) فرماتے ہیں۔ خواہ وہ اخلاق ہوں، رزق ہو، اجسام یا ارواح ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں تنگی فرما دیں تو کوئی طاقت اس میں وسعت پیدا نہیں کر سکتی اور جب اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دیں تو کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔"

۲ "أَيْ مُضِيقُ الرِّزْقِ وَغَيْرِهٖ عَلٰى مَنْ شَآءَ، مَاشَآءَ، كَيْفَ شَآءَ وَ مُوَسِّعُهٗ." [2]

"یعنی رزق وغیرہ کو تنگ کرنے والا جس پر چاہے، جو چاہے، جس طرح چاہے اور اسی طرح رزق میں کشادگی کرنے والا ہے جس پر چاہے جو چاہے اور جس طرح چاہے۔"

۳ "القابض و الباسط جل جلالہ" وہی ذات ہے جو موت کے وقت روحوں کو جسموں سے قبض کرتی ہے اور زندگی دینے کے لئے روحوں کو جسموں میں پھیلا دیتی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: قَبْض و بَسْط دلوں پر کبھی تو گمراہی اور ہدایت کے اعتبار سے جاری ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ بعض دلوں کو گمراہی سے تنگ کر دیتے ہیں اور بعض دلوں کو ہدایت سے کشادہ فرما دیتے ہیں)۔ اور بعض اوقات یہ "قَبْض وَ بَسْط" (یعنی کشادگی اور تنگی) دلوں پر خشیت اور امید کے اعتبار سے ہوتا ہے۔" [3]

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۸۱/۵

[2] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ، باب شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: ۸۱/۵

[3] "اَلْقَابِضُ، اَلْبَاسِطُ" وَقِيلَ: هُوَ الَّذِي يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ عَنِ الْأَشْبَاحِ عِنْدَ الْمَمَاتِ، وَيَنْشُرُ الْأَرْوَاحَ فِي الْأَجْسَادِ عِنْدَ الْحَيٰوةِ. وَقِيلَ: قَبْضُ الْقُلُوْبِ وَبَسْطُهَا، تَارَةً بِالضَّلَالِ وَالْهُدٰى، وَأُخْرٰى بِالْخَشْيَةِ وَالرَّجَاءِ." (شرح طیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ ۲۹/۵)

besturdubooks.wordpress.com

تنگی وکشادگی ”القابض، الباسط جل جلالہ“ کی طرف سے ہے

تنگی وکشادگی سب ”القابض و الباسط جل جلالہ“ کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا، ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دینا، سب اسی ”القابض و الباسط جل جلالہ“ کے ہاتھ میں ہے۔

بعض مرتبہ عقل وشعور اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کا کاروبار شروع کرتے ہیں، لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اسے وسعت نصیب ہو جاتی ہے، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔

آخر یہ کون سی ہستی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت و فراوانی والے شخص کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک ”القابض و الباسط جل جلالہ“ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اسی چیز کو قرآنِ کریم میں طالوت کے واقعے سے سمجھایا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دیں اس کے ساتھ مل کر ہم دشمن سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جو غریب اور محنتی آدمی تھے، اُن پر بادشاہ بنا دیا، جو بنی اسرائیل کی نظر میں سلطنت کے قابل نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾[1]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔“

”قَبض و بَسط“ فراخی اور تنگی، نہ عقل کی کمی وزیادتی پر منحصر ہے، نہ لیاقت وقابلیت پر، بل کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی دَین ہے، جس کو چاہے جس حال میں اور جس طرح رکھے۔

چناں چہ امام احمد بن اسحاق بن یحیٰی راوندی رحمہ اللہ تعالیٰ[2] فرماتے ہیں:

”تم دیکھو گے بہت سے پڑھے لکھے سمجھ دار کہ ان پر روزی کے اسباب تنگ ہوتے ہیں۔“

---

[1] البقرة: ٢٤٧

[2] كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ وَكَمْ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقاً

هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقاً

(مختصر المعاني: ص١١٨)

besturdubooks.wordpress.com

اور بہت سے ایسے لوگ کہ روزی کمانے کے ہنر سے ناواقف ہونے کے باوجود ان پر روزی کی خوب فراوانی ہے۔

اسی بات نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے (کم زور ایمان والوں کے لئے یہی چیز دل کی تقویت کا باعث بنی کہ روزی کے خزانے اُسی ذات کے قبضے میں ہیں جو ''القابض والباسط جل جلالہ'' ہے) اور سمجھ دار عالم کو پریشان کر دیا ہے۔''

فراوانی اور کشادگی میں الباسط جل جلالہ کی حکمتیں

اُس ''الباسط جل جلالہ'' نے جہاں بسط (فراوانی) رکھی ہے تو وہاں کے لئے بسط میں خیر ہے اور جہاں قبض (تنگی) رکھی ہے، وہاں قبض ہی میں خیر ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ﴾[1]

ترجمہ: ''اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے، لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے۔''

حکمت نمبر ۱: آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر دنیا کے ہر فرد پر ہر قسم کے رزق اور ہر قسم کی نعمت کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کا ایک دوسرے کے خلاف سرکشی و فساد حد سے بڑھ جاتا۔ اس لئے کہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے نہ کوئی کسی کا محتاج ہوتا اور نہ کوئی کسی سے دبتا۔ دوسری طرف دولت مندی کی ایک خاصیت یہ ہے، کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنا ہی حرص و ہوس میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک دوسرے کی اَملاک پر قبضہ جمانے کے لئے زور و زبردستی کا استعمال عام ہو جاتا۔ لڑائی جھگڑے، سرکشی اور دوسری بداعمالیاں حد سے بڑھ جاتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمت دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اپنے بندوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کسی کے پاس مال و دولت زیادہ ہے...... کوئی صحت وقوت میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہے...... کوئی حُسن و جمال سے مالا مال ہے...... کسی کے پاس علم و حکمت کی دولت دوسروں سے زیادہ ہے...... غرض ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لئے دوسروں کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج پر تمدن کی عمارت قائم ہے۔

﴿ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ﴾ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اپنی نعمتیں ایک خاص اندازے سے دنیا کے لوگوں پر نازل کی ہیں اور آگے ﴿ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ (بلاشبہ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے) فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس شخص کے لئے کون سی نعمت مناسب ہے اور کون سی نقصان دہ۔

لہٰذا اس نے ہر شخص کو مناسب نعمتیں دی ہیں اور اگر کسی سے کوئی نعمت سلب فرمائی ہے تو وہ اس کی اور پورے عالم کی

---

[1] الشوریٰ: ۲۷

besturdubooks.wordpress.com

مصلحت ہی کی بنا پر سلب کی ہے اور یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر فرد کے بارے میں یہ مصلحت ہماری سمجھ میں بھی آجائے، کیوں کہ یہاں ہر انسان اپنی معلومات کے ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچتا ہے لا اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری کائنات کی مصلحتیں ہیں، اس لئے اس کی تمام حکمتوں تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے۔

اس کی ایک محسوس نظیر یہ ہے کہ ایک دیانت دار سربراہِ مملکت بسا اوقات ایسے احکام جاری کرتا ہے جو بعض افراد کے خلاف پڑتے ہیں اور وہ ان کی وجہ سے مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو شخص اس طرح مصائب کا شکار ہوا ہے، وہ چوں کہ صرف اپنے مفاد کے محدود دائرے میں رہ کر سوچ رہا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اسے سربراہِ مملکت کا یہ اقدام برا محسوس ہو، لیکن جس شخص کی نگاہ پورے ملک وقوم کے حالات پر ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ کسی ایک شخص کے مفاد پر پورے ملک کو قربان نہیں کیا جاسکتا، وہ اس اقدام کو برا خیال نہیں کرتا۔

اب جو "اَلْعَلِیْمُ و الْخَبِیْرُ، اَلْقَابِضُ و الْبَاسِطُ جل جلالہٗ" پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، اس کی حکمتوں کا احاطہ آخر کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اگر یہ نکتہ ذہن میں رہے تو وہ اوہام اور وسوسے خود بخود کافور ہو سکتے ہیں، جو دنیا میں کسی شخص کو گرفتارِ مصائب دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں ...... صلاحیتوں ...... استعدادوں ...... کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اُس کے ظرف، ضرورت و مصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے، ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوش حال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ و فساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔[1]

حکمت نمبر ۲: اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا مال و دولت میں مساوی ہونا ...... نہ ممکن ہے نہ مطلوب، اور نہ نظامِ عالم کی تکوینی مصلحتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں۔[2]

اسی کو حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۲۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو ہر چیز کی تھی، وہ سارے انسانوں کو یکساں مال دار بنا دیتے، سب کو تندرست رکھتے، کوئی بیمار نہ ہوتا، سب کو عزت و جاہ کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیتے، کوئی ادنیٰ یا کم رُتبہ نہ رہ جاتا، مگر نظامِ عالم میں اس کی وجہ سے بڑے بڑے رخنے پیدا ہوتے، اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو مال دار بنایا .... کسی کو غریب اور مفلس .... کسی کو قوی .... کسی کو ضعیف .... کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحبِ عزت و جاہ ...... کسی کو گم نام۔ اس اختلافِ انواع واصناف اور اختلافِ احوال میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا ...... غریب کے صبر کا .... امتحان ہے۔ اسی طرح بیمار و تندرست کا حال ہے۔

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح بسطِ باطنی، بعض طالبِ حق کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہئے۔ (تفسیر ماجدی: ۹۷۲/۲)

[2] معارف القرآن: ۶۹۹/۷، الشوریٰ: ۲۷

besturdubooks.wordpress.com

اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے، جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت وقوت اور عزت وجاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں، تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔[1]

حکمت نمبر ۳: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾[2]

ترجمہ: ”یقیناً تیرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تکوینی نظام بتایا ہے۔ سب اس کے بندے ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق کسی کا رزق زیادہ فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی فرما دیتا ہے۔ جس کو چاہے جتنا دے اور جس کو چاہے بالکل ہی نہ دے، اسے پورا پورا اختیار ہے۔ بندے اپنا کام کریں۔ میانہ روی کے ساتھ اپنی جان پر اپنے اہل وعیال پر اقرباء اور فقراء ومساکین پر خرچ کریں، تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی حاجتیں رُکی رہیں اور بندے احکامِ شرعیہ کے پابند ہیں، ان کو حکم ہے کہ سارا مال خرچ کر کے اپنے کو پریشانی میں نہ ڈالیں۔

”اَلْبَاسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ رحمت بھیجنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہیں

”اے وہ ذات! جس نے خوبیاں سب پر ظاہر کر دیں اور برائیاں چھپالیں ...... اے وہ ذات! جو ہر جرم پر گرفت نہیں کرتی اور پردہ دری نہیں فرماتی ...... اے بڑے معاف کرنے والے ......! اے سب سے بہتر درگزر کرنے والے...... ! اے بڑی مغفرت فرمانے والے ......! اے رحمت بھیجنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے والے ......! اے ہر سرگوشی کے جاننے والے ......! اے ہر شکایت کے لئے آخری بارگاہ ......! اے بہترین درگزر فرمانے والے ......! اے بڑے احسانات فرمانے والے! اے نعمتوں کے استحقاق کے بغیر اپنی طرف سے ہر نعمت عطا فرمانے والے ......! اے ہمارے پروردگار! اے ہمارے سردار! اے ہماری امیدوں کو پورا کرنے والے! اے ہماری خواہش کے آخری مقصود! ہمارے آقا! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ اے اللہ! میرے جسم کو آگ میں نہ جلانا۔“[3]

---

[1] معارف القرآن: ٦/٤٦٦، الفرقان: ٢٠ [2] بنی اسرائیل: ٣٠

[3] "يَا مَنْ أَظْهَرَ الْجَمِيْلَ وَسَتَرَ الْقَبِيْحَ، يَا مَنْ لَّا يُؤَاخِذُ بِالْجَرِيْرَةِ وَلَا يَهْتِكُ السِّتْرَ، وَيَا عَظِيْمَ الْعَفْوِ، وَيَا حَسَنَ التَّجَاوُزِ، وَيَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ، وَيَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالرَّحْمَةِ، وَيَا صَاحِبَ كُلِّ نَجْوٰى، وَيَا مُنْتَهٰى كُلِّ شَكْوٰى، وَيَا كَرِيْمَ الصَّفْحِ وَيَا عَظِيْمَ الْمَنِّ، وَيَا مُبْتَدِئَ النِّعَمِ قَبْلَ اسْتِحْقَاقِهَا، وَيَا رَبَّنَا وَسَيِّدَنَا وَيَا مَوْلَانَا وَيَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا أَسْأَلُكَ يَا اللّٰهُ أَنْ لَّا تَشْوِيَ خَلْقِيْ بِالنَّارِ."
(المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير و التسبيح: ١/٧٣٩، رقم الحديث: ٢٠٥٠)

besturdubooks.wordpress.com

اس دعا میں "یَا بَاسِطَ الْیَدَیْنِ بِالرَّحْمَةِ" (اے رحمت کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے والے) جملہ ایمان بڑھانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ کے لئے کتنا بہترین جملہ ہے!۔ چلتے پھرتے مانگتے رہیے۔)

"الباسط جل جلالہ" سے فراخیٔ رزق کے لئے یہ دُعا مانگئے

"اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ"[۱]

ترجمہ: "اے اللہ! تو ہم پر اپنی برکتوں ...... اپنی رحمت ...... اپنے فضل ...... اور اپنے دیئے ہوئے رزق میں فراوانی ...... اور فراخی ...... نصیب فرما۔"

اس ترجمے پر بار بار غور کیجئے! توحید کو دل میں بٹھانے کے لئے کیسی بہترین دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ صد ہا احسانات کے ساتھ اس احسان کا بھی استحضار کر کے محبت اور عظمت کے ساتھ درود شریف پڑھ کر اس مسنون دعا کے ترجمے کو بار بار پڑھیں اور اپنے بچوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا یاد کرنے اور اس کا ترجمہ سمجھنے کی ترغیب دیں، تاکہ ہماری زبانوں پر یہ الفاظ نہ آئیں کہ فلاں نے دیا اور فلاں نے لے لیا، فلاں کی وجہ سے مجھے یہ نقصان ہوا اور فلاں کی وجہ سے مجھے یہ نفع ہوا، فلاں کی توجہ نے میرا کام بنا دیا اور فلاں کی بے توجہی نے کام روک دیا، بل کہ دل میں یہ دھیان جمے اور زبانوں پر بھی یہی دعوت اور تذکرہ ہو کہ جو کچھ ملا، اُسی ذاتِ "الباسط جل جلالہ" کے در سے ملا اور جو بھی نعمت چلی گئی یا تنگی آئی، اُسی "القابض جل جلالہ" کے فیصلے سے آئی۔

فوائد و نصائح

❶ ان دونوں اسموں سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ عزت، ذلت، روزی، خوشی، غمی، پریشانی اور راحت سب کے دینے اور لینے والا صرف "القابض و الباسط جل جلالہ" کو سمجھے، اس ذات کے علاوہ نہ تو کوئی کسی چیز کو روک سکتا ہے، نہ ہی دے سکتا ہے۔

❷ رزق کی آسانی کے لئے جو دعا ذکر کی گئی ہے، اسے مانگتے رہیے اور ساتھ ساتھ حلال اور جائز طریقے سے محنت اور کوشش سے رزق حلال کمائیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جائیں کہ مہنگائی کا زمانہ ہے، روزگار ملتا نہیں وغیرہ اور رشوت، سود، اور دوسرے ناجائز طریقوں کو چھوڑ دیں اور توبہ کریں، کیوں کہ یہ کام بے برکتی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

❸ ان دونوں اسماء سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی دونوں حالتوں پر نگاہ رکھے۔ پس وہ تنگی کو اللہ ربُّ العزت کی جانب سے انصاف جانتے ہوئے اس پر صبر کرے اور فراخی کو اللہ ربُّ العزت کا فضل سمجھے اور اس پر شکر ادا کرے۔[۲]

---

[۱] مسند احمد: ۴/۴۳۸، رقم الحدیث: ۱۵۰۶۶

[۲] "وَحَظُّ الْعَارِفِ مِنْھُمَا: أَنْ یُّرَاقِبَ الْحَالَیْنِ فَیَرَی الْقَبْضَ عَدْلاً مِّنَ اللّٰہِ، فَیَصْبِرَ عَلَیْہِ، وَالْبَسْطَ فَضْلاً مِّنْہُ، فَیَشْکُرَ." (شرح الطیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۲۹)

besturdubooks.wordpress.com

الخافض جل جلالہ الرافع جل جلالہ

(پست کرنے والا، بلند کرنے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

1. "الخافض الرافع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو انصاف کے ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔
2. یا کفار کو رسوائی اور حقارت کے ساتھ پست فرماتا ہے، جب کہ مؤمنین کو اعزاز و امداد سے نواز کر بلند فرماتا ہے۔
3. یا دشمنوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر پست فرماتا ہے، جب کہ دوستوں کو قربت اور نیک بختی دے کر بلند فرماتا ہے۔
4. اور بد بختوں کو گمراہ فرما کر پست فرماتا ہے اور نیک بختوں کی رہنمائی فرما کر انہیں بلند فرماتا ہے۔[1]

بلندی اور پستی اسی کی ذات سے ہے۔ وہ جسے چاہے بلند کر دیتا ہے اور جسے چاہے پست۔ اس "الرافع جل جلالہ" نے اتنی بلندیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہمارے جسم میں اس نے سر کو بلندی سے سرفراز فرمایا تو وہ سارے جسم پر حکومت کرتا ہے، پیروں کو پست کیا تو وہ سر کا حکم ماننے پر مجبور ہیں، اسی طرح ہر ادنیٰ ہر اعلیٰ کا حکم ماننے پر مجبور ہے۔ سلاطین، اُمراء، حکام کو بھی "الرافع جل جلالہ" نے سر بلندی عطا کی، لہٰذا وہ اپنے ماتحتوں پر حکومت کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان ماتحتوں کو بہ نسبت ان حکام کے پست بنایا ہے۔ اسی طرح پستی و بلندی کے بہت سے درجات ہیں۔

اس "الخافض جل جلالہ" نے زمین کو پستی عطا کر کے پھر پستی در پستی عطا کر دی جیسے فضا میں رفعت در رفعت پیدا کر دی پست زمین پر بلند پہاڑ پیدا کیے اور ان کے اندر غار اور پستیاں پیدا کیں، پھر ان کی تہوں میں قسم قسم کی مخلوقات پیدا کیں طرح طرح کے جواہرات و معدنیات بھر دیے، وہ زمین کو پست کرتا چلا گیا اور اس کی پستیوں میں قسم قسم کی چیزیں اور حیوانات پیدا کر دیے، سمندروں کی گہرائیوں کو مخلوقات سے پُر کر دیا اور ان کی تہہ کے اندر طرح طرح کی چیزیں بھر

---

[1] (۱) "اَلْخَافِضُ، اَلرَّافِعُ": هُوَ الَّذِيْ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ.
(۲) أَوْ يَخْفِضُ الْكُفَّارَ بِالْخِزْيِ وَالصَّغَارِ، وَيَرْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالنَّصْرِ وَالْإِعْزَازِ.
(۳) أَوْ يَخْفِضُ أَعْدَائَهُ بِالْإِبْعَادِ وَيَرْفَعُ أَوْلِيَائَهُ بِالتَّقْرِيْبِ وَالْإِسْعَادِ.
(۴) وَخَفَضَ أَهْلَ الشِّقَاءِ بِالطَّبْعِ وَالْإِضْلَالِ، وَرَفَعَ ذَوِي السَّعَادَةِ بِالتَّوْفِيْقِ وَالْإِرْشَادِ." (شرح طيبي: الدعوات: باب اسماء الله تعالىٰ: ۳۰/۵)

besturdubooks.wordpress.com

دیں کہ اٹلانٹک کی برف کے نیچے اس ''الخفض جل جلالہ'' نے تہ در تہ مخلوقات بسا دی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس نے ہر چیز میں پستی اور بلندی رکھی ہے۔[1]

الرافع جل جلالہ کی دوسروں کو عطا کردہ غیر اختیاری فضیلتوں کی تمنا نہ کریں

دنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے، جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسری اختیاری جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔

دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے، یہ اُس چیز کے کسب وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتا، بل کہ وہ بلاواسطہ خالقِ کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس نے سات آسمان پیدا کیے، اُن میں سے سب سے اونچے آسمان کو دوسروں پر فضیلت دے دی، حالاں کہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔

پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور اُن میں سے اُولو العزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اُولوالعزم رسولوں پر۔

پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام کو ساری دُنیا کے دوسرے لوگوں پر پھر قریش کو اُن سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور اولادِ بنی آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر، (اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی)۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے اسلاف اُمت کو بقیہ دوسرے مسلمانوں پر فضیلت دینا، یہ سب دراصل ''الرافع جل جلالہ'' کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے مقامات کو دوسرے مقامات پر اور بہت سے دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت دینا، یہ سب اُسی کے اختیار اور انتخاب کا اثر ہے۔ غرض فضیلت ومفضولیت کا اصل معیار تمام کائنات میں یہی انتخاب واختیار ہے۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾[2] ''یعنی آپ کا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے۔'' اس آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں، اپنے اکرام واعزاز کے لئے انتخاب فرما لیتے ہیں اور امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول اس آیت میں مشرکین کے اس قول کا جواب ہے جو وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾[3]

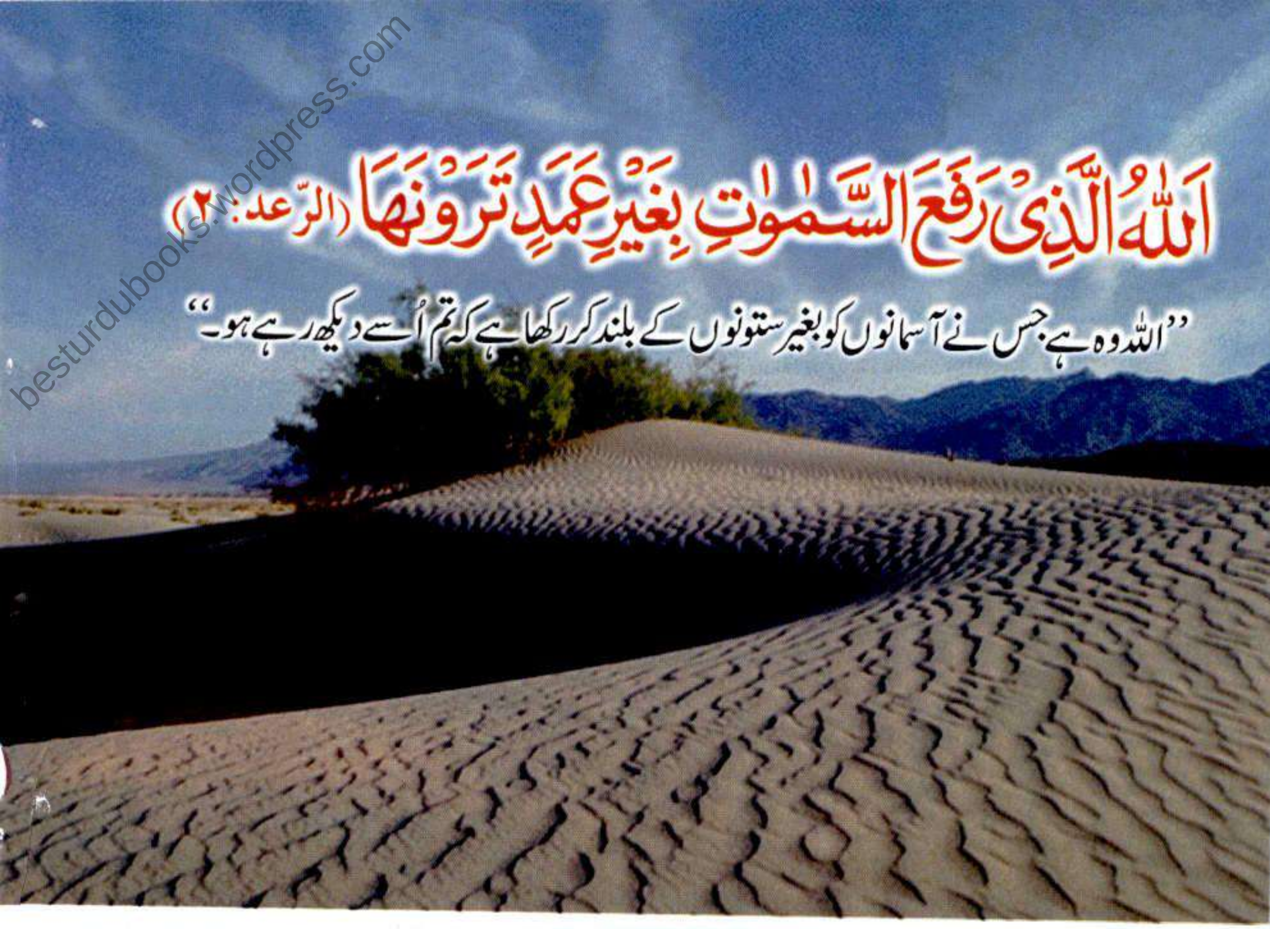
ترجمہ: ''یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل کرنا ہی تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ١٤٢ [2] القصص: ٦٨ [3] زخرف: ٣١

besturdubooks.wordpress.com

الفضائل الروائع





besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

پر نازل فرماتا۔" (کہ اس کی قدر و منزلت پہچانی جاتی۔ ایک یتیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟)

اس کے جواب میں فرمایا: جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے، یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے۔ اس میں وہ تمہاری تجویزوں کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے فلاں نہیں۔"[1]

سارے کے سارے اختیارات صرف اور صرف اسی "اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو حاصل ہیں۔

جیسا کہ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا﴾[2]

تَرجَمَہ: "اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

اَلرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے جو درجہ دیا اس پر شکر کریں

قرآنِ کریم میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا اُبھرتا ہے، جس کا تقاضہ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

کیوں کہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کی کوشش و عمل کا کوئی دخل نہیں۔ وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کا مرد ہونا .... یا کسی کا خاندانِ نبوت میں سے ہونا .... یا خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا......... یا حسین و جمیل پیدا ہونا......... وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً: مرد ہو جائے یا خاندانی سیّد بن جائے، اس کا ناک نقشہ، قد و قامت حسین ہو جائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں۔ نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں۔ اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرم ناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں، فسادات قتل و غارت گری کا سبب ہے۔

---

[1] معارف القرآن: ٦/٦٥٩، القصص: ٦٨
[2] النساء: ٣٢

besturdubooks.wordpress.com

قرآنِ کریم کی اس آیتِ بالا نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات وفضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو کوئی وصف دے دیا، کسی کو کوئی، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہئے۔ دوسرے کے فضائل وکمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج وغم اور حسد کے گناہِ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنا دیا وہ اس پر شکر ادا کرے جسے عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہوجاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکتی اور گناہ گار ہوجاتی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہوجاتا۔

جو شخص نسب کے اعتبار سے سیّد ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیوں کہ یہ چیز کسی کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں۔ اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کردے گی اور سوائے رنج وغم کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمالِ صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ میں مسابقت فی الخیرات، یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی وعمل اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ اُن اعمال وافعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور کسب واکتساب (کوشش) سے حاصل ہوسکتے ہیں، مثلاً: علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر اُن کے حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے۔

یہ آیت اس کے منافی نہیں، بل کہ آیتِ بالا کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے، جس میں ارشاد ہے:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ ﴾

تَرجَمہ: ''یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب وعمل کے ذریعے حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی وعمل کے ذریعے حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔''

اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فضائل وکمالات کی تحصیل میں کوشش اور جدوجہد بے کار نہیں، بل کہ ہر مرد وعورت کو اس کی سعی وعمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی اور اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے سعی وعمل (کوشش اور محنت) اور جدوجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔ یہاں ایک مغالطہ بھی دور ہوگیا جس میں بہت

besturdubooks.wordpress.com

سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں، بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش و آرام اور سکون و اطمینان کو دنیا ہی میں برباد کر لیتے ہیں اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیوں کہ حسد بے گناہِ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی اور کم ہمتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت و تقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات و فضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب و عمل (کوشش) مؤثر نہیں، اِن فضائل کو تو حوالۂ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے، اس پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور رنج و غم کا باعث ہے اور جو فضائل و کمالات اختیاری ہیں، جو کسب و عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب و عمل اور جد وجہد بھی ہو اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی و عمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بل کہ ہر ایک کو بقدرِ محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

آیتِ بالا میں اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اُس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی درخواست کرو، کیوں کہ فضلِ خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال و دولت فضلِ الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ و کفر میں مبتلا ہو جائے اور کسی کے لئے تنگی اور تنگ دستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مال دار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کی عزت و جاہ کی صورت میں فضلِ الٰہی ہوتا ہے، کسی کے لئے گم نامی اور کس مپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقتِ حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت و جاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصفِ معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخرِ آیت میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس میں اشارہ فرما دیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عینِ حکمت اور عینِ عدل و انصاف ہے۔

جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت و عدل تھا، مگر چوں کہ انسان کو اپنے اعمال کے انجام کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے (لہٰذا انسان کو

besturdubooks.wordpress.com

تقسیمِ الٰہی پر راضی رہنا چاہئے)۔[1]

الرافع جل جلالہ نے عزت و بلند مرتبہ اپنے کلام میں رکھا ہے

واقعہ نمبر ۴۸: ''حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ان سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا: جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟

انہوں نے کہا: ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ابن ابزیٰ کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض: کیا ہمارا ایک غلام ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اعتراضاً) فرمایا: غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انھوں نے کہا: کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حق تعالیٰ شانہٗ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفعِ درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے عزت و افتخار اپنے کلام میں رکھا ہے۔ اس کی تلاوت کرنے، اس کے مطابق عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو عزت و شرف کی چیز ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی قرآن مجید کی تعلیمات حاصل کر کے اور ان پر عمل پیرا ہو کر اعزاز حاصل کرنا چاہئے۔

انسان کی پستی کا سبب الرافع جل جلالہ کی ناشکری ہے

واقعہ نمبر ۴۹: بنی اسرائیل کے ایک عالم مقتدا کی گمراہی کا عبرت ناک واقعہ ہے، جو حضرت ابن مردویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اُس شخص کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ یہ ملکِ شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم اس کو حاصل تھا۔ قرآنِ کریم میں جو اس کی صفت میں ﴿الَّذِیٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا﴾[3] فرمایا ہے، اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے: ''یعنی: سے اپنے احکامِ علم کی نعمت ہم نے عطا کی تھی، ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ یعنی اُس نے اُن نعمتوں کی قدر نہ کی، بل کہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہوگیا۔''[4]

---

[1] معارف القرآن: ۳۹۲/۲، النساء: ۳۲

[2] "عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ." (مسلم، فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن: ۲۷۲/۱)

[3] الاعراف: ۱۷۵ [4] تفسیر ماجدی: ۳۶۶/۱، الاعراف: ۱۷۵

besturdubooks.wordpress.com

جب غرقِ فرعون اور فتحِ مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قومِ جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے اور ان کے مقابل قومِ فرعون کا غرق وغارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعورا کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں، اور وہ اس لئے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلے سے واپس کر دیں۔ وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعورا کو اسمِ اعظم معلوم تھا اور وہ اس کے ذریعے جو دُعا کرتا تھا وہ قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا: افسوس ہے، تم کیسی بات کہتے ہو؟ وہ اللہ کے نبی ہیں، ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں، میں ان کے خلاف بددُعا کیسے کر سکتا ہوں؟ حالاں کہ ان کا جو مقام اللہ کے نزدیک ہے، وہ بھی میں جانتا ہوں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

جب ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا: اچھا! میں اپنے رب سے اِس معاملے میں معلوم کرلوں کہ ایسی دُعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لئے استخارہ یا کوئی اور عمل کیا۔ خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کرے۔ اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بددُعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس وقت قومِ جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی، اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کردو اور ان کے اِلحاح و اصرار کی حد نہ رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ ہدیہ قبول کر لیں اور ان کا کام کر دیں۔ اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددُعا کرنی شروع کی۔

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلماتِ بددُعا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا، اس کی زبان سے وہ الفاظِ بددُعا خود اپنی قوم جبارین کے لئے نکلے۔ وہ چلا اُٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بددُعا کر رہے ہو۔ بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے، میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینے پر لٹک گئی اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دُنیا و آخرت تباہ ہو گئی۔ اب دُعا تو میری چلتی نہیں، لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعے تم موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم پر غالب آ سکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت سے نکلے

besturdubooks.wordpress.com

ہوئے ہیں، اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے، جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر وعذاب نازل ہوتا ہے اور وہ فاتح وکامران نہیں ہوسکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی اور اس پر عمل کیا گیا۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا، مگر وہ باز نہ آیا اور شیطانی جال میں مبتلا ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا، جس سے ایک روز میں ستر ہزار بنی اسرائیل مرگئے، یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے منظرِ عام پر لٹکا دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور پھر لوگوں نے توبہ کی، اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔[1]

وہ ذات الرافع جل جلالہ (بلندی دینے والا) جب کسی پر سے کرم کی نگاہ ہٹالے اور وہ خصوصی حفاظت سے محروم ہو جائے تو پھر وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کو چھوڑ کر شرک وکفر اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا ہے اور پستیوں میں جا گرتا ہے۔

لہٰذا ہمیشہ عافیت وحفاظت طلب کرتے رہنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں وہ نعمت سلب نہ فرمالے، اس کے لئے ان باتوں پر ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے:

1. اُس کے غضب وغصہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔
2. اپنے عمل کی قبولیت کے لئے خوب خوب دعا مانگتے رہنا چاہئے۔
3. دوسروں کے عیوب دیکھنے سے خوب بچتے رہنا چاہئے۔
4. اور یہ دعا اہتمام سے مانگنی چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ"[2]

ترجمہ: الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھن جانے سے ...... اور تیری عافیت کے پھر جانے سے ...... اور تیرے ناگہانی عذاب سے ...... اور تیرے ہر طرح کے غصے سے ......۔

اسی طرح نعمتوں کو باقی اور محفوظ رکھنے کے لئے یہ دعا مانگتے رہیں:

"اَللّٰهُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنَّا صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنَا."[3]

ترجمہ: اے اللہ! جو اچھی نعمت آپ نے ہمیں عطا کی اس کو ہم سے نہ روکنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو الرافع جل جلالہ کی نگاہ کرم اور اس کی حفاظت وپناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے۔ چناں چہ ہمیں تو ان دعاؤں کا اہتمام اور زیادہ کرنا چاہئے۔[4]

[1] معارف القرآن: ۱۱۹/۴، الاعراف: ۱۷۵ [2] مسلم: الذکر و الدعاء، باب اکثر اهل الجنة الفقراء: ۳۵۲/۲

[3] کنزالعمال، الغزوات والوفود: ۲۰۶/۱۰، رقم: ۳۰۰۸۷ [4] معارف الحدیث: ۳۰۰/۵

besturdubooks.wordpress.com

فوائد ونصائح

❶ جس بندے کو ان دونوں اسموں کی حقیقت سمجھ میں آگئی تو پھر یہ سمجھتا ہے کہ "اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی اپنے محبوب بندوں کو بڑے مرتبے عطا کرتے ہیں اور شیطان اور نفس کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں اور جو لوگ تکبر کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں انہیں ذلیل کرتے ہیں۔

❷ ہر انسان کو "اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی بلند اور پست کرتے ہیں، وہ شخص بلند ہرگز نہیں جو بڑی عمارتیں بنا ڈالے، غریبوں کا خیال نہ رکھتا ہو، نماز، روزے کی پابندی نہ کرتا ہو، بل کہ بلندی کا معیار تو نیک اور تقویٰ والی زندگی گزارنا ہے۔[1]

❸ جس کو "الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے جتنا درجہ دیا ہے، اس پر خوش رہے اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے۔ عورت پر مرد کو درجہ عطا فرمایا ہے تو بیوی کو چاہئے کہ جائز باتوں میں شوہر کی اطاعت کرے اور شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے اُس کی دل جوئی کے لئے مشورہ کرکے حتی الامکان رعایت رکھتے ہوئے فیصلہ کرے۔ اولاد کو چاہئے کہ باپ کو اللہ تعالیٰ نے بلند درجہ عطا فرمایا ہے تو اس کی اطاعت کرے اور والد کو چاہئے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

اس کے لئے خواتین کو چاہئے کہ ① "تحفۂ دلہن" ② "تحفۂ خواتین" ③ "مثالی ماں" ان تینوں کتابوں کا ہدایت کی نیت سے مطالعہ کریں اور مرد حضرات ① "تحفۂ دولہا" ② "مثالی باپ" ③ "والدین کی قدر کیجئے" کتابوں کا مطالعہ کریں ان شاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔[2]

❹ اس اسمِ مبارک میں ان لوگوں کے لئے بہت ہی زیادہ تسلی اور سہارا ہے، ڈھارس اور اطمینان کا سبب ہے، جو کسی امتحان یا آزمائش کی وجہ سے اپنے درجے سے نیچے گر جاتے ہیں۔ ان کو مایوسی اپنے پاس ہرگز نہیں بھٹکنے دینی چاہئے، بل کہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ پہلے جو درجہ کامیابی یا نعمت ملی تھی، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے تھی...... اور اب جو پستی و ناکامی والا حال بظاہر ہے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے...... اور میرے ذمہ کوشش اور محنت ہے، لہٰذا میں دوبارہ کوشش و دعا کروں کہ یہ ناکامی والا حال دوبارہ کامیابی والے حال سے بدل جائے۔ کاروبار میں نقصان ہوا، ملازمت چھوٹ گئی تو ہرگز مایوس ہوکر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جائیں، بل کہ کوشش ضرور کریں کہ جس "اَلْخَافِضُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے یہ پستی کا حال بھیجا ہے، اس کا نام "الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" بھی ہے اور اس "الرَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا وعدہ ہے:

﴿ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ ﴾[3]

ترجمہ: "کہ میں کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کروں گا۔"[4]

---

[1] المنہج للامام الجوزی: ۴۲۸ [2] ناشر بیت العلم ٹرسٹ [3] آل عمران: ۱۹۵

[4] مایوسی اور پریشانی سے بچنے کے لئے عربی زبان میں دکتور عائض القرنی کی کتاب لَاتَحْزَنْ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اردو میں بندہ کی کتاب "پریشان رہنا چھوڑ دیجئے" کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح پریشان حال حضرات کو "پریشانی کے بعد راحت" کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس سے تسلی وتشفی ہوگی۔

besturdubooks.wordpress.com

المُعِزُّ جَلَّ جَلَالُہٗ المُذِلُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(عزت دینے والا، ذلت دینے والا)

ان دونوں اسموں کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''بعض صالحین فرماتے ہیں:

''المُعِزُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے اپنی حفاظت کے ذریعے اپنے دوستوں کو اعزاز بخشا پھر اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا پھر ان کو اپنے معزز گھر (یعنی جنت) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں اپنے دیدار و زیارت سے نوازے گا۔

اور ''المُذِلُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس نے اپنے دشمنوں کو اپنی معرفت سے محروم رکھ کر اور اپنی مخالفت میں ڈال کر ذلیل فرمادیا، پھر ان کو اپنے عقوبت خانے (جہنم) میں منتقل فرمادے گا اور انہیں وہاں چھوڑ کر اور اپنے سے دور رکھ کر رسوا کردے گا۔'' [1]

عزت و ذلت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ [2]

تَرجَمۃ: ''جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔''

اس ''المُعِزُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے انسان کو سب سے زیادہ معزز بنایا اور ان میں بھی عزت کے اعتبار سے بے شمار درجات ہیں، سب سے زیادہ عزت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک متقی شخص کا ہے، یعنی اس کا جو گناہوں سے بچنے والا ہے۔

عزت کا مدار تقویٰ پر ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾ [3]

''وَقَالَ بَعْضُ الصَّالِحِيْنَ: ''اَلْمُعِزُّ'' اَلَّذِيْ أَعَزَّ أَوْلِيَاءَهٗ بِعِصْمَتِهٖ ......، ثُمَّ غَفَرَ لَهُمْ بِرَحْمَتِهٖ ......، ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلٰى دَارِ كَرَامَتِهٖ ......، ثُمَّ أَكْرَمَهُمْ بِرُؤْيَتِهٖ وَمُشَاهَدَتِهٖ ......

وَ''الْمُذِلُّ'' الَّذِيْ أَذَلَّ أَعْدَاءَهٗ بِحِرْمَانِ مَعْرِفَتِهٖ ......، وَرُكُوْبِ مُخَالَفَتِهٖ ......، ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلٰى دَارِ عُقُوْبَتِهٖ ......، وَأَهَانَهُمْ لِمَرَدِّهٖ وَمُفَارَقَتِهٖ.'' (شرح طیبی: الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالٰی ۳۱/۵)

[1] [2] آلِ عمران: ۲۶		[3] الحجرات: ۱۳

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔''

واقعہ نمبر (۵۰): یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریشِ مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اُن میں سے ایک نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پاگئے، اُن کو یہ روزِ بد دیکھنا نہیں پڑا۔

حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد کو اس کالے کوے (العیاذ باللّٰہ) کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے؟

ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا، کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کردے گا، چناں چہ جبرئیلِ امین تشریف لائے اور آں حضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بُلا کر پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟

انہوں نے اقرار کرلیا، اُسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے، جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سب سے افضل واشرف ہیں۔[1]

لفظِ تقویٰ کے اصلی اور لغوی معنی ''بچنے'' کے ہیں، شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ''تقویٰ'' کے فضائل و برکات کا خلاصہ پانچ چیزیں بیان فرمائی گئیں ہیں:

1. اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے والے شخص کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔
2. اس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔
3. اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرماتے ہیں۔
4. اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔
5. اور اس کا اَجر بڑھا دیتے ہیں۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے یہ خطبہ دیا:

''اے لوگو! یقیناً اللہ نے فخرِ جاہلیت کو اور اپنے آباء و اجداد پر تکبر کرنے کو تم سے دُور کردیا، اب تمام انسانوں کی

[1] معارف القرآن: ۸/۱۲٤، الحجرات: ۱۳

[2] معارف القرآن: ۸/٤۸٦، الطّلاق: ۳

besturdubooks.wordpress.com

صرف دو قسمیں ہیں: (۱) نیک اور متقی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ (۲) فاجر، شقی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے اور لوگ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔''[1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دُنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت، مال و دولت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا۔ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے، مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں اور قبیلوں میں فرمائی، اُس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے، مثلاً: ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہوسکتا ہے اور اس سے دُور اور قریب کے رشتوں کا علم ہوسکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کی مقدار پر ان کے حقوقِ شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔[2]

اکثر غیبت......، طعن و تشنیع ...... اور عیب جوئی...... کا منشأ کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا یا چھوٹا ہونا، معزز یا حقیر ہونا، ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا، بل کہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوتا ہے اُسی قدر ''المعز جل جلالہٗ'' کے یہاں معزز و مکرم ہوتا ہے۔

نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حواء علیہما الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ شیخ، سیّد، پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، مغل، فاروقی، صدیقی، عثمانی، علوی، خالدی اور انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام پر ختم ہوتا ہے، یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کیے ہیں۔

بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کر دے، وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوب صورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیارِ کمال اور فضیلت ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔

ہاں البتہ شکر ضرور کرنا چاہیے کہ اُس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو اخلاقِ بد اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال بزرگی، شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں، تقویٰ و طہارت ہے۔[3]

---

[1] "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا. فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ وَالنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ قَالَ اللّٰهُ: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ﴾" (ترمذی، ابواب التفسیر، سورة الحجرات: ۲/۱۶۲، ۱۶۳)

[2] معارف القرآن: ۸/۱۲۵، الحجرات: ۱۳ [3] تفسیر عثمانی: ۶۸۶

besturdubooks.wordpress.com

المعزّ جل جلالہ نے ہمیں عزت اسلام کی بدولت دی ہے

یاد رکھو! جو شخص اسلام پر عمل کرنے کے لئے ہمت کرکے اپنی کمر باندھ لیتا ہے وہی شخص دنیا سے اپنی عزت بھی کراتا ہے۔ عزت درحقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں ہے، بل کہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

"إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللّٰهُ." [1]

ترجمہ: "ہم ایک ذلیل قوم تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی۔ جب بھی ہم عزت کسی اور چیز میں تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے۔"

واقعہ نمبر ⑤١: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ میں فرماتے ہیں: میرے ایک بزرگ نے ایک سچا واقعہ سنایا، جو بڑی عبرت کا واقعہ ہے وہ یہ کہ ان کے ایک دوست لندن میں تھے اور کسی ملازمت کی تلاش میں تھے، ملازمت کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے کے لئے گئے، اس وقت ان کے چہرے پر داڑھی تھی، جو شخص انٹرویو لے رہا تھا اس نے کہا کہ داڑھی کے ساتھ یہاں کام کرنا مشکل ہے، اس لئے یہ داڑھی ختم کرنی ہوگی۔ اب یہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپنی داڑھی ختم کروں کہ نہ کروں۔ اس وقت تو وہ واپس چلے آئے اور دو تین روز تک دوسری جگہوں پر ملازمت تلاش کرتے رہے اور کش مکش میں مبتلا رہے۔

دوسری ملازمت نہیں مل رہی تھی اور بے روزگار اور پریشان بھی تھے، آخر میں فیصلہ کرلیا کہ چلو داڑھی کٹوا دیتے ہیں تاکہ ملازمت تو مل جائے۔ چناں چہ داڑھی کٹوادی اور اسی جگہ ملازمت کے لئے پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ داڑھی کٹوادو تو بہتر ملازمت مل جائے گی تو میں داڑھی کٹوا کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا: آپ مسلمان ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں! اس نے پھر پوچھا: آپ اس داڑھی کو ضروری سمجھتے تھے یا غیر ضروری سمجھتے تھے۔ جواب دیا کہ میں اس کو ضروری سمجھتا تھا اور اس وجہ سے رکھی تھی۔ اُس نے کہا: جب آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت رکھی تھی اور اب آپ نے صرف میرے کہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے وفادار نہیں اور جو شخص اپنے اللہ تعالیٰ کا وفادار نہ ہو، وہ اپنے افسر کا بھی وفادار نہیں ہوسکتا، لہٰذا اب ہم آپ کو ملازمت پر رکھنے سے معذور ہیں۔

"خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ" "دنیا بھی گئی اور آخرت بھی تباہ ہوگئی۔"

صرف داڑھی نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام ہیں، ان میں کسی کو یہ سوچ کر چھوڑنا کہ لوگ اس کا مذاق اُڑائیں

---

[1] مستدرك حاكم، معرفة الصحابة: ٤/٣٣، رقم: ٤٥٣٧

besturdubooks.wordpress.com

گے، یہ بسا اوقات دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

''المعز جل جلالہ'' نے عورتوں کی عزت حجاب میں رکھی ہے

حجاب کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نازل فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور ازواجِ مطہرات اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ اب اہلِ مغرب نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے عورتوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا ہے کہ ان کو گھروں میں بند کر دیا، ان کے چہروں پر نقاب ڈال دیا اور ان کو ایک کارٹون بنا دیا، تو کیا مغرب کے اس مذاق اور پروپیگنڈے کے نتیجے میں ہم ''المعز جل جلالہ'' اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو چھوڑ دیں؟

یاد رکھو! جب ہمارے دلوں میں یہ ایمان اور اعتماد پیدا ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ سیکھا ہے، وہی طریقہ برحق ہے، تو پھر اہلِ مغرب کے طعنوں کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑایا کرے، کوئی طعنے دیتا ہے تو دیا کرے، یہ طعنے تو مسلمان کے گلے کا زیور ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے، کیا انہوں نے کچھ کم طعنے سہے؟

جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے ان کو یہ طعنے دیئے گئے کہ یہ تو پس ماندہ لوگ ہیں، یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں، یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سارے طعنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیئے گئے اور تم جب مؤمن ہو تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہو اور جس طرح وراثت میں دوسری چیزیں ملتی ہیں، یہ طعنے بھی ملیں گے، کیا اس وراثت سے گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کو چھوڑ دو گے؟ اگر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو پھر ان طعنوں کو سننے کے لئے کمر کو مضبوط کر کے بیٹھنا ہوگا، کیوں کہ عزت و ذلت تو ''المعز، المذل جل جلالہ'' دینے والے ہیں۔[1]

جسے ''المعز جل جلالہ'' عزت دے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا

واقعہ نمبر ۵۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابوہریرہ کے! آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالاں کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان میں بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالاں کہ جنون نہیں تھا، بل کہ بھوک تھی۔ (یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا۔ بے ہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا)۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱/۱۷۱

besturdubooks.wordpress.com

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا پھر فتوحات اسلام کی وجہ سے "المعز جل جلالہٗ" نے تونگری عطا فرمائی اور احادیث کا علم بھی وافر مقدار میں آپ کے حصے میں آیا۔[1]

جسے "المعز جل جلالہٗ" عزت و بلند مرتبہ دینا چاہیں تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔

جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے فقیری　　جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری
تو کریم تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری　　کرم وعفو سے کوئی نہ کرے عذر پذیری
تو معزی تو مذلّی، ملک العرش بجائی

فوائد ونصائح

❶ ان دونوں اسموں سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ عزت اور ذلت کو صرف "المعز، المذل جل جلالہٗ" کے قبضے میں سمجھے اور اسی ذات سے عزت مانگے، مخلوق کے ہاں عزت کا سامان نہ ڈھونڈے۔

❷ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی عزت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، دنیا کی معمولی اور عارضی عزت کے درپے نہ ہو۔

❸ ہر انسان کو چاہئے کہ دوسرے انسان کی عزت و تکریم کرے، کسی کو تکلیف[2] اور ضرر نہ پہنچائے اور عزت کو لوگوں کے ہاتھ میں نہ سمجھے، بل کہ ایسے اعمال کرے جن سے انسان عزت والا کہلاتا ہے۔

---

[1] بخاری، الاعتصام، باب ذکر النبّی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ۱۰۸۹/۲

[2] دوسرے مسلمانوں کو اپنی ذات سے معمولی تکلیف سے بچانا ہی حقیقت میں زندگی کا ایک بہت بڑا ادب ہے۔ ہمارے اکابرین اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ کسی کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ پہنچے، بل کہ دوسروں کی راحت و آسانی ہی کوشش فرماتے تھے۔ ایسے ہی واقعات پر مشتمل کتاب "کسی کو تکلیف نہ دیجئے" بیت العلم ٹرسٹ سے شائع ہو چکی ہے جس کا مطالعہ ہر شخص کے لئے بہت ہی مفید ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

السَّمِیْعُ جل جلالہ

(سب کچھ سننے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ اَلسَّمِیْعُ بِمَعْنَى الْمُجِیْبُ۔[1]

ترجمہ: "السمیع" کا ایک معنیٰ "قبول کرنے والا" بھی ہے (جیسے نماز میں رکوع سے اٹھتے ہوئے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" پڑھنا مسنون ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرلی)۔[2]

[1] سَمِعَ بِمَعْنٰى أَجَابَ (النهاية: ۲/۴۰۱)

[2] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: فِعْلُ السَّمْعِ يُرَادُ بِهٖ أَرْبَعَةُ مَعَانٍ: أَحَدُهَا: سَمْعُ إِدْرَاكٍ وَ مُتَعَلِّقُهُ الْأَصْوَاتُ، اَلثَّانِيْ: سَمْعُ فَهْمٍ وَ عَقْلٍ اَلثَّالِثُ: سَمْعُ إِجَابَةٍ وَ إِعْطَاءُ مَاسُئِلَ، اَلرَّابِعُ: سَمْعُ قُبُوْلٍ وَانْقِيَادٍ. فَمِنَ الْأَوَّلِ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (المجادلة: ۱)
﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا﴾ ......(آل عمران: ۱۸۱)

وَمِنَ الثَّانِيْ: قَوْلُهٗ: ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا﴾ (البقرة: ۱۰۴) لَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعُ مُجَرَّدِ الْكَلَامِ بَلْ سَمْعُ الْفَهْمِ وَالْعَقْلِ وَمِنْهُ ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (البقرة: ۲۸۵)

وَمِنَ الثَّالِثِ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" وَفِي الدُّعَاءِ الْمَاثُوْرِ: "اَللّٰهُمَّ اسْمَعْ" أَيْ: أَجِبْ وَأَعْطِ مَا سَأَلْتُكَ

وَمِنَ الرَّابِعِ: قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ (المائدة: ۴۱)

أَيْ قَابِلُوْنَ لَهٗ وَمُنْقَادُوْنَ غَيْرَ مُنْكِرِيْنَ، وَمِنْهُ عَلٰى أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ ﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ (التوبة: ۴۷)
قَابِلُوْنَ وَمُنْقَادُوْنَ

فَمِنْ مَعَانِي "السَّمِيْعِ" اَلْمُسْتَجِيْبُ بِعِبَادِهٖ إِذَا تَوَجَّهُوْا اِلَيْهِ بِالدُّعَاءِ وَتَضَرَّعُوْا،

وَقَالَ فِي النُّوْنِيَّةِ:

وَهُوَ السَّمِيْعُ يَرٰى وَيَسْمَعُ كُلَّ مَا ... فِي الْكَوْنِ مِنْ سِرٍّ وَمِنْ إِعْلَانِ
وَلِكُلِّ صَوْتٍ مِنْهُ سَمْعٌ حَاضِرٌ ... فَالسِّرُّ وَالْإِعْلَانُ مُسْتَوِيَانِ
وَالسَّمْعُ مِنْهُ وَاسِعُ الْأَصْوَاتِ ... لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ بَعِيْدُهَا وَالدَّانِيْ

(النونية، ۲/۶۰۵ كلها نقلا عن النهج الاسمٰى، ۱/۲۲۷، ۲۲۸)

besturdubooks.wordpress.com

"اللہ سبحانہ وتقدس سننے والے ہیں بغیر کسی کیفیتِ معلومہ کے جانے ہوئے، اس کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کے سننے کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے اور نہ ہی دیکھنے میں کوئی مشابہت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں ان الفاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی حد اور کیفیت کے اپنی تعریف کے لئے بتلائے ہیں۔[1]

یہ اسم قرآن مجید میں ۴۵ مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[2]

❷ ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[3]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾[4]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں دیگر اسماءِ مبارکہ کے ساتھ بھی لایا گیا ہے۔

جیسے "سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ، سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ."

ان اسماء کے آپس میں ملا کر ذکر کرنے میں عقل مند آدمی کے لئے نصیحت بھی ہے اور تنبیہ بھی، تاکہ ہر شخص اپنے نفس کا اور اس سے نکلنے والے اقوال و افعال کا مراقبہ کرتا رہے، کیوں کہ "السَّمِيْعُ، الْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے بندوں کا کوئی بھی قول و فعل چھپا ہوا نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں کے تمام افعال محفوظ ہیں جن کا بدلہ انہیں آخرت میں دیا جائے گا، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اس کا بدلہ بھی اچھا ہوگا اور اگر اعمال بُرے ہوں گے تو ان کا بدلہ بھی برا ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں، جانتے بھی ہیں اور ہر نفس سے قریب بھی ہیں۔[5]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾[6]

سمیع، الفاظ و اقوال کا سننے والا، اور بصیر دلوں کا حال جاننے والا۔

حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں:

"پاک ہے وہ اللہ جس کے سننے کی طاقت سارے جہاں کی آوازوں پر محیط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جو عورت اپنے شوہر کے جھگڑے کے بارے میں حضور ﷺ کو بتلا رہی تھی اور وہ اپنے شوہر کی شکایت میرے گھر کے برابر میں حضور ﷺ سے کر رہی تھی، میں پوری بات اتنی نزدیک ہوتے ہوئے بھی اچھی طرح نہ سُن سکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس کی

[1] "فَهُوَ سَمِيْعٌ ذُوْسَمْعٍ، بِلَا تَكْيِيْفٍ وَلَا تَشْبِيْهٍ بِالسَّمْعِ مِنْ خَلْقِهٖ، وَلَا بَصَرُهٗ كَبَصَرِ خَلْقِهٖ وَنَحْنُ نَصِفُ اللّٰهَ بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ بِلَا تَحْدِيْدٍ وَلَا تَكْيِيْفٍ" (اللسان: ۲۰۹۶/۳ نَقْلاً عَنِ النهج الأسمٰى: ۲۲۷/۱)

[2] البقرہ: ۱۲۷ [3] المائدہ: ۷۶ [4] لقمان: ۲۸ [5] النهج الاسمٰى: ۲۳۲/۱ [6] المجادلة: ۱

besturdubooks.wordpress.com

آواز کو سُن لیا اور وحی بھیجی جس کا ترجمہ ہے:

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے، دیکھنے والا ہے۔"[1]

"السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کائنات کی ہر آواز سنتے ہیں

"السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز وہ اس طرح سنتے ہیں کہ گویا باقی ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کر رہا ہے۔ نہایت تاریک رات میں سنگِ سیاہ پر بھوری چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں۔

پھر دنیا کے بادشاہوں تک ہر آدمی کی رسائی ممکن نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شخص سے اس کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔ ایک بار صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا:

"أَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْهِ أَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ؟"

تَرْجَمَہ: "ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم اسے آہستہ پکاریں یا دور ہے کہ زور سے پکاریں؟"

اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۖ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (کہ میں ان سے نزدیک ہوں یا دور؟) تو (ان کو بتائیے کہ) میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔"

"السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کے عجز و نیاز کو دیکھتا ہے۔[3]

ہر کہ خواہد گو بیا وہر کہ خواہد گو برو دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

"جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے جائے، اس دربار میں نہ دار و گیر ہے نہ دربان کی حاجت۔"

جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ایسا سَمِیْع ہے جس کے سننے کی شان ایسی ہے، اس کے باوجود مخلوقات کو اپنی شکایتیں، درخواستیں، حاجات سنانا کتنی گھٹیا اور بے وقوفانہ بات ہوگی؟

وہ سنتا ہے، سمجھتا ہے، قبول کرتا ہے اور سب کو اپنی اپنی حاجات و ضروریات عطا بھی کرتا ہے پھر بھی اس کے خزانوں

---

[1] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، (وَاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ تَشْتَكِيْ زَوْجَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا فِيْ جَنْبِ الْبَيْتِ، وَإِنَّهُ لَيَخْفٰى عَلَيَّ بَعْضُ كَلَامِهَا) (ملخص من الحاشیه) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا ......﴾ (بخاري، التفسير، باب قوله وكان الله سميعا بصيرا: ۱۰۹۹/۲

[2] البقرة: ۱۸۶ [3] تفسير كبير: ۸۱/۵، البقرة: ۱۸۶

besturdubooks.wordpress.com

میں کمی نہیں آتی۔

پھر اس کے غیر کے پاس جانا اور اپنی مرادیں ان کو سنانا کتنی ہی جاہلانہ احمقانہ حرکت ہوگی، خصوصاً بزرگوں کی قبروں مزاروں پر جا کر ان کو اپنی مرادیں سنانا، جو زندگی میں ہی خود سب کی آوازیں سن نہیں سکتے...... سن لیں تو قبول نہیں کر سکتے...... قبول کر لیں تو دے نہیں سکتے...... تو مرنے کے بعد کیا دیں گے، اسی لئے شرک کو اتنا بڑا گناہ کہا گیا ہے۔

اس لئے آج فیصلہ کر لیں کہ اپنی مرادیں کسی بھی مخلوق کو نہیں سنائیں گے صرف اور صرف اسی ''اَلشَّفِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو سنائیں گے، نفلیں پڑھ پڑھ کر اسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے، زبان کھولیں گے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے: ؎

جو کتا دَر دَر پھرے سارے دَر دَر دُر دُر ہو اور جو ایک ہی دَر کا ہو رہے اسے کا ہے کو دُر دُر ہو

امام اصبہانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مخلوق کے سننے اور خالق کے سننے کے درمیان عجیب فرق بتلایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو جو سماعت دی ہے وہ محض اپنے فضل و کرم سے دی ہے، اس لئے وہ دی ہوئی ہے ذاتی نہیں ہے، عارضی اور فانی ہے۔

انسان کو بچپن میں اتنا کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ وہ سن نہیں سکتا اور اگر سن بھی لے تو اس کو سمجھ نہیں سکتا اور جب بڑا ہو کر سمجھتا ہے تو ان آوازوں میں فرق سمجھ کر اور پھر ان آوازوں کو سوچ کر مناسب الفاظ سے جواب دیتا ہے اور اچھے کلام کو برے کلام سے الگ کرتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس کے سننے کی حد یہ ہے کہ جب آواز دور سے آئے تو وہ سن نہیں سکتا اور بہت سارے لوگ ایک وقت میں اس سے بات کریں تو وہ کسی ایک کی بھی بات کو اچھی طرح نہیں سن سکتا اور جواب بھی نہیں دے سکتا۔

اس کے برخلاف ''اَلشَّفِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنی تمام مخلوقات کی دعاؤں اور ان کے الفاظ کو سننے والا ہے، چاہے وہ مخلوقات اجتماعی طور پر مانگیں .... یا انفرادی طور پر .... باوجودیکہ ان کی زبان اور ان کے الفاظ الگ الگ ہوں، مختلف زبانوں میں مختلف مخلوقات اس کو پکاریں تو ایک ہی وقت میں ساری مخلوقات کی آوازیں سن سکتا ہے اور اس ''اَلشَّفِيْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شان تو اس سے بھی اونچی ہے کہ جو الفاظ ابھی تک زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے اور دل ہی دل میں وہ خیالات کی شکل میں ہیں وہ اس کو بھی جانتا ہے اسی کو فرما رہے ہیں:

''يَعْلَمُ مَافِي قَلْبِ الْقَائِلِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ''

کہنے والے کے کہنے سے پہلے جو کچھ بھی اس کے دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتے ہیں اور جب کہنے والا اپنی بات کو بیان کرنے سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ وہ بات بھی جانتے ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے اس کی دعا پر یا بغیر مانگے اس کو عطا کرتے ہیں۔ مخلوقات کی صفتِ سماعت تو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سنتا

besturdubooks.wordpress.com

ہے اور ہمیشہ یہ صفت رہے گی اور وہ مخلوق کو ختم کرے گا اور خود اکیلا ہوگا اور اس کے سوا کوئی نہ ہوگا۔[۱]

لہٰذا بندہ کی سماعت کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ سماعت سے کوئی نسبت نہیں، ہاں ''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہی ہے جو چرند و پرند، وحوش وطیور کی بھی سنتا ہے، ''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہی ہے کہ کروڑوں اصوات اور ہزاروں لاکھوں لغات اور لاتعداد معروضات اُس کی سماعت میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں، وہ بے زبانوں کی بھی سنتا ہے اور سب بندوں کی ضروریات کو بھی نافذ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ پسند ہے جو اس سے مانگتا رہتا ہے، سوال کرتا رہتا ہے، اُس کی جناب میں گڑگڑاتا رہتا ہے اور وہ ایمان رکھتا ہے کہ میرا ایک ایک حرف حضورِ قدسی تک پہنچ رہا ہے اور ''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' تک باریاب ہو رہا ہے۔[۲]

''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی نے مخلوقات کو سننے کی صفت عطا فرمائی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکر گزاری کرو۔''

اس آیت میں ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ کے بعد فرمایا ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ یعنی اگرچہ ابتداءِ پیدائش میں انسان کو کسی چیز کا علم نہیں تھا، مگر قدرت نے اس کے وجود میں علم حاصل کرنے کے عجیب وغریب قسم کے آلات نصب کر دیئے تھے۔

ان آلات میں سب سے پہلے سمع یعنی سننے کی قوت کا ذکر فرمایا، جس کے پہلے ذکر کرنے کی وجہ شاید یہی ہے کہ

---

[۱] وَفِيْ بَيَانِ الْفَرْقِ بَيْنَ سَمْعِ الْخَالِقِ وَالْمَخْلُوْقِ، يَقُوْلُ أَبُو الْقَاسِمِ الْأَصْبَهَانِيُّ: خُلِقَ الْإِنْسَانُ صَغِيْراً لَا يَسْمَعُ، فَإِنْ سَمِعَ لَا يَعْقِلُ مَا يَسْمَعُ، فَإِذَا عَقَلَ مَيَّزَ بَيْنَ الْمَسْمُوْعَاتِ فَأَجَابَ عَنِ الْأَلْفَاظِ بِمَا يَسْتَحِقُّ، وَمَيَّزَ الْكَلَامَ الْمُسْتَحْسَنَ مِنَ الْمُسْتَقْبَحِ، ثُمَّ كَانَ لِسَمْعِهِ مَدًى إِذَا جَاوَزَهُ لَمْ يَسْمَعْ، ثُمَّ إِنْ كَلَّمَهُ جَمَاعَةٌ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ عَجَزَ عَنِ اسْتِمَاعِ كَلَامِهِمْ، وَعَنْ إِدْرَاكِ جَوَابِهِمْ.

وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَلسَّمِيْعُ لِدُعَاءِ الْخَلْقِ وَأَلْفَاظِهِمْ عِنْدَ تَفَرُّقِهِمْ وَاجْتِمَاعِهِمْ مَعَ اخْتِلَافِ أَلْسِنَتِهِمْ وَلُغَاتِهِمْ، يَعْلَمُ مَا فِيْ قَلْبِ الْقَائِلِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ، وَيَعْجِزُ الْقَائِلُ عَنِ التَّعْبِيْرِ عَنْ مُرَادِهِ فَيَعْلَمُ اللّٰهُ فَيُعْطِيْهِ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهِ، وَالْمَخْلُوْقُ يَزُوْلُ عَنْهُ السَّمْعُ بِالْمَوْتِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ: يُفْنِي الْخَلْقَ وَيَرِثُهُمْ فَإِذَا لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ قَالَ: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ فَلَا يَكُوْنُ مَنْ يَرُدُّ فَيَقُوْلُ: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ١٦) ''الحجة في المحجة (ورقة، ١٤ب، ١٥أ) نقلاً عن النهج الاسمىٰ، ١/٢٣١)

[۲] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۷ [۳] النحل: ۷۸

besturdubooks.wordpress.com

انسان کو سب سے پہلے علم اور سب سے زیادہ علم کانوں ہی کے راستے سے آتا ہے، شروع میں آنکھ تو بند ہوتی ہے، مگر کان سُنتے ہیں اور اس کے بعد بھی اگر غور کیا جائے تو انسان کو اپنی پوری عمر میں جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں ان میں سب سے زیادہ کانوں سے سُنی ہوئی ہوتی ہیں، آنکھ سے دیکھی ہوئی معلومات اس کی نسبت بہت کم ہوتی ہیں۔

ان دونوں کے بعد اُن معلومات کی باری ہے، جن کو انسان اپنی سنی اور دیکھی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کر کے معلوم کرتا ہے اور یہ کام قرآنی ارشادات کے مطابق انسان کے دل کا ہے، اس لئے تیسرے نمبر میں ''اَفْئِدَۃَ'' فرمایا، جو فُؤاد کی جمع ہے، جس کے معنی قَلْب (دل) کے ہیں، فلاسفہ نے عام طور پر سمجھ بوجھ اور ادراک کا مرکز انسان کے دماغ کو قرار دیا ہے، مگر ارشادِ قرآنی سے معلوم ہوا کہ دماغ کو اگرچہ اس ادراک میں دخل ضرور ہے، مگر علم و ادراک کا اصلی مرکز قَلْب (دل) ہی ہے۔

اس موقع پر حق تعالیٰ نے سننے ....، دیکھنے ..... اور سمجھنے ..... کی قوتوں کا ذکر فرمایا ہے، گویائی اور زبان کا ذکر نہیں فرمایا، کیوں کہ نطق اور گویائی کو حصولِ علم میں دخل نہیں، بل کہ وہ اظہارِ علم کا ذریعہ ہیں، اس کے علاوہ امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: سَمْع کے ساتھ نُطق بھی ضمناً آگیا، کیوں کہ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص سنتا ہے وہ بولتا بھی ہے، گونگا جو بولنے پر قادر نہیں وہ کانوں سے بھی بہرا ہوتا ہے اور شاید اس کے نہ بولنے کا سبب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی آواز سنتا نہیں، جس کو سن کر بولنا سیکھے۔ واللہ اعلم[1]

پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیے، جو بذاتِ خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے وسائل بھی ہیں۔ اگر آنکھ ..... کان ..... عقل ..... وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی وعملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں، اس کی شکر گزاری یہ تھی کہ اِن قوتوں کو ''اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اطاعت میں خرچ کرتے اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹا بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں اور منعمِ حقیقی ''اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔[2]

کانوں کی بے شمار قسمیں اس نے بنادی ہیں، انسانوں کے کان اور طرح کے، حشرات الارض کے اور طرح کے، معلوم نہیں کہ فرشتوں اور جنوں کے کان کیسے ہوتے ہیں اور وہ کیسے سنتے ہوں گے؟

پھر ان کے رنگ بھی مختلف، انسانوں میں بھی نر اور مادہ کے کانوں کا وضع میں اختلاف ہے، مرد کے کان اور طرح کے ہوتے ہیں، عورتوں کے اور طرح کے۔ بعض جانور اپنا کان ہلا سکتے ہیں، بعض نہیں۔ انسان عموماً اپنا کان نہیں ہلا سکتا، جب کہ گدھے، گھوڑے ہلا سکتے ہیں۔ یہ جانور کان سے مکھی وغیرہ کے دور کرنے کے لئے کان کے ہلانے ہی سے کام نکال سکتے ہیں۔

---

[1] القرطبی: ۱۰/۱۱۰، النحل: ۷۸ [2] تفسیر عثمانی: ۳۶۵

besturdubooks.wordpress.com

بعض جانور تو ہر سمت میں اپنا کان ہلاسکتے ہیں جیسے گھوڑا کہ وہ اپنے کان کے ایریل کو ہر طرف درست کرسکتا ہے، مگر بعض جانور صرف ہلاسکتے ہیں، ہر طرف نہیں کرسکتے۔ گدھے کے کان خوب لمبے ہوتے ہیں یہی حال خرگوش کا ہے۔ خرگوش کے کان میں رڈار لگا ہوا ہے، لہٰذا وہ یہ بھی محسوس کرلیتا ہے کہ چیز کتنی دور ہے، چمگادڑ، رڈار والا جانور ہے، آپ کسی بند کمرے میں چمگادڑ پر لاٹھی کے کتنے ہی وار کیے جائیں وہ اس طرح پرواز کرے گی کہ لاٹھی کی زد سے بچ جائے گی، کیوں کہ اس کا رڈار بتادیتا ہے کہ لاٹھی اس کے جسم سے کتنی دوری پر گھوم رہی ہے (یہ سب "السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی عطا کے کرشمے ہیں)۔[1]

فوائد و نصائح

❶ "السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہمیں سننے کی قوت عطا فرمائی، تو اس کا شکر یہ ہے کہ دین کی باتوں کو ہم دھیان سے سنیں اور توجہ، غور و فکر کے ساتھ ادب سے بیٹھ کر سنیں، جو دین کی باتوں کو ادب سے سنے گا اور سننے کا حق ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائیں گے۔

قرآن اور حدیث جاننے والے ماہرین کی نصیحت یہ ہے کہ باادب کو اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے جیسا کہ مشہور ہے "باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔" بعض لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت کی کیسٹ سنتے ہیں اور باتیں بھی ہو رہی ہوتی ہیں۔ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ، رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کا کلام پڑھا جارہا ہو تو اس وقت خاموشی کے ساتھ دھیان سے سننا چاہیے۔

❷ اسی طرح مسجد میں بیان ہو رہا ہو یا جہاں بھی دین کی بات ہو رہی ہو تو جس "السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے یہ قوتِ سماعت عطا فرمائی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اب مجاہدہ کے ساتھ دھیان سے بات سنیں، سوائے واقعی شدید ضرورت کے بیچ میں اٹھ کر نہ جائیں، بیان کے دوران آپس میں باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کان کی نعمت دی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس سے دین کی بات سنی جائے۔

اسی فائدے کو امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یوں فرماتے ہیں:

"جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ، لِتَسْمَعُوْا مَوَاعِظَ اللّٰہِ، وَالْأَبْصَارَ، لِتَبْصُرُوْا دَلَائِلَ اللّٰہِ، وَالْأَفْئِدَةَ، لِتَعْقِلُوْا عَظْمَةَ اللّٰہِ."[2]

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں کان کی نعمت عطا فرمائی تا کہ تم اس کے احکامات اور اس کی نصیحتیں سنو۔

اور آنکھیں عطا فرمائیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا مشاہدہ کرو۔

اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس اور اس پر غور و تدبر کرو۔"

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للازهری: ۲۰۶ [2] تفسیر کبیر: ۷۳/۱۹، النحل: ۷۸

besturdubooks.wordpress.com

لہٰذا روزانہ دین کی باتوں کو سننے کا معمول بنائیں، گھروں میں فضائلِ اعمال، منتخب احادیث، معارف الحدیث، ان کتابوں میں سے ایک پڑھے اور باقی سنیں تا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا ہو۔

ایک بہت پیاری دعا

❹ ایک حدیث میں ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تفسیر کے متعلق ایک بہت پیاری دعا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس دعا کا ترجمہ خوب اچھی طرح ذہن میں رکھ کر، اس کے مفہوم کو خوب مستحضر کر کے رکھے۔ اس دعا کو مانگے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنے دل میں بڑھائے۔

۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ تعالیٰ کے خصوصی مہمان، حجاج بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں، اُس دن وہاں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، وہ قبولیتِ دُعا کا خاص الخاص موقع ہے۔ اس موقع کی جو دُعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھئے۔ اور ان دعاؤں کو ''السَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی بارگاہ میں مانگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دُعا یہ تھی:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ، وَتَرٰى مَكَانِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ، وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ، وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ. اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا، وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ''[1]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے...... اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے...... اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے،...... تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں،...... میں دکھی ہوں،...... محتاج ہوں، ...... فریادی ہوں،...... پناہ کا طلب گار ہوں،...... لرز رہا ہوں، (ترساں ہوں) ہراساں ہوں،...... اپنے گناہوں کا اقراری ہوں،...... تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔...... تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے...... اور تجھ سے دُعا کرتا ہوں جیسے کوئی ڈرنے والا آفت رسیدہ دُعا کرتا ہے۔...... اُس

[1] البداية والنهاية، ذكر طوافه صلى الله عليه وسلم بين الصفا والمروة: ١٢٧/٥

besturdubooks.wordpress.com

بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو...... اور آنسو بہہ رہے ہوں ...... اور تن بدن سے وہ تیرے آگے ذلیل پڑا ہوا ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اِس دُعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا۔ اے اُن سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔"

حضرت مولانا منظور نعمانی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس دُعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی رُوح سے لبریز...... اور کمالِ معرفت کا ترجمان ہے...... دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دُعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی...... اس عاجز کو زندگی میں کئی مرتبہ اس کا موقع ملا کہ بعض خدا پرست غیر مسلموں کو میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا سُنائی اور اس کا ترجمہ کر کے بتایا تو وہ اپنا یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ دُعا اُسی دل سے نکل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا خاص حصہ دیا ہو اور اس کو نفس کی پہچان اور ربّ کی پہچان کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو۔...... اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قیمتی ورثہ کی قدر شناسی اور اس سے استفادہ کی توفیق دے۔[1]

اس اسم سے سبق حاصل کرنے والے کو لازم ہے کہ "السمیع جل جلالہ" کو اپنی ہر بات کا سننے والا یقین کرے کہ اس ذات سے ذرہ برابر کوئی بات چھپ نہیں سکتی فوراً سن لیتا ہے لہٰذا زبان کی حفاظت کرے۔ مطلب دنیا کا ہو یا دین کا، ...... مادی ہو یا روحانی، ...... ہر شے، ہر چیز کا سوال اسی "السمیع جل جلالہ" سے کیا کرے۔

---

[1] معارف الحدیث: ۲۵۲/۵

besturdubooks.wordpress.com

اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کچھ دیکھنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "قَالَ الْخَطَّابِيُّ: اَلْبَصِيْرُ هُوَ الْمُبْصِرُ، وَيُقَالُ الْبَصِيْرُ: اَلْعَالِمُ بِخَفِيَّاتِ الْأُمُوْرِ"[1]

"اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو دیکھنے والی ہے اور جو تمام خفیہ باتوں کو جاننے والی ہے۔"

❷ "وَقَالَ الْاٰلُوْسِيُّ: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ أَيْ: خَبِيْرٌ بِهِمْ وَبِأَحْوَالِهِمْ وَ أَفْعَالِهِمْ."[2]

"اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کے احوال اور افعال کا جاننے والا ہے۔"

❸ "اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو ہر چیز کا دیکھنے والا ہے، اگرچہ وہ بہت باریک اور چھوٹی ہو۔ وہ رات کے وقت، سخت چٹان میں رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھتا ہے اور وہ ساتوں زمینوں کے نیچے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جیسے ساتوں آسمانوں کے اوپر دیکھتا ہے۔"[3]

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدۂ نونیہ میں ارشاد فرماتے ہیں: جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ ایسے بصیر ہیں جو کہ کالی چیونٹی کو سخت چٹان اور پتھر کے نیچے بھی چلتا ہوا دیکھتے ہیں اور اعضاء میں پوشیدہ غذائی نالیاں بھی ان کے سامنے ظاہر ہیں اور رگوں کی سفیدی بھی ان کے لئے ظاہر و باہر ہے، اللہ تعالیٰ آنکھوں کی ان خیانتوں کو بھی جانتے ہیں جو گوشۂ چشم سے صادر ہوتی ہیں اور آنکھوں کی اُلٹ پلٹ سے بھی باخبر ہیں۔"[4]

---

[1] شان الدّعاء: ٦٠، ٦١ [2] روح المعاني: ١٠١/٢، آل عمران:15

[3] "وَقَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْبَصِيْرُ) اَلَّذِيْ يُبْصِرُ كُلَّ شَيْءٍ وَإِنْ دَقَّ وَصَغُرَ، فَيُبْصِرُ دَبِيْبَ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ، وَيُبْصِرُ مَا تَحْتَ الْأَرَضِيْنَ السَّبْعِ كَمَا يُبْصِرُ مَا فَوْقَ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ" (النهج الأسمٰى: ٢٣٦/١)

[4]
وَهُوَ الْبَصِيْرُ يَرٰى دَبِيْبَ النَّمْلَةِ الـ ... سَوْدَاءِ تَحْتَ الصَّخْرِ وَالصَّوَّانِ
وَيَرٰى مَجَارِيَ الْقُوْتِ فِيْ أَعْضَائِهَا ... وَيَرٰى عُرُوْقَ بَيَاضِهَا بِعَيَانِ
يَرٰى خِيَانَاتِ الْعُيُوْنِ بِلَحْظِهَا ... وَيَرٰى كَذٰلِكَ تَقَلُّبَ الْأَجْفَانِ

(النونيّة: ٢١٥/٢ كذافي النهج الأسمى: ٢٣٦/١)

besturdubooks.wordpress.com

یہ اسم قرآن کریم میں بیالیس (۴۲) مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

❶ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [1]

❷ ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ [2]

❸ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [3]

مخلوقات کو قوتِ بصارت البصیر جل جلالہ نے عطا فرمائی

اللہ ربُّ العزت بندوں پر اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝﴾ [4]

اس آیت میں چند اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ خود اُن کی صنعت وحکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت وقدرت کا نظارہ ان ہی چیزوں میں کرے۔ ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شریانیں (رگیں) اُن میں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع وہیئت کہ یہ نازک ترین عضو ہے، اس کی حفاظت کا کیا سامان خود اس کی خلقت میں کیا گیا، اس کے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خودکار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں، ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد وغبار کو روک لیں، اس کے اوپر بھووں کے بال رکھے کہ اُوپر سے آنے والی چیز براہِ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسار کی سخت ہڈی ہے، آدمی کہیں چہرے کے بل گر جائیں یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آپڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچا لیں گی۔ [5]

علامہ عبدالصمد صارم فرماتے ہیں: آنکھوں کی دنیا اور آنکھوں کی قسمیں اس قدر ہیں کہ بیان میں نہیں سما سکتیں، بعض مخلوق بے چشم ہے، مگر وہ کانوں یا پنکھوں وغیرہ سے دیکھتی ہیں۔

بچھو اپنی سماعت سے بصارت کا کام لیتا ہے جیسے سانپ بصارت سے سماعت کا کام نکالتا ہے، بہت سے حشرات الارض اپنے سر کے دو زاویوں سے بصارت کا کام لیتے ہیں جو مختلف طرح کے ہیں، میں نے دو نابینا ایسے دیکھے جو اپنے ہاتھوں سے دیکھتے تھے اور چھو کر رنگ کی پہچان کر لیتے تھے، اپنی جیبی گھڑیوں سے وقت دیکھ لیتے تھے جس پر آئینہ چڑھا ہوتا تھا۔

"البصیر جل جلالہ" نے ایسی بصارتیں پیدا کر دیں جو سمندر کی تہہ میں بھی دیکھ سکتی ہیں اور زمین کی گہرائیوں میں

---

[1] البقرة: ۲۳۳ [2] ال عمران: ۱۵ [3] الحديد: ۴ [4] البلد: ۸، ۹ [5] معارف القرآن: ۷۵۱/۸، البلد: ۸، ۹

besturdubooks.wordpress.com

بھی، تو اس سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

ہد ہد ذرا سا جانور یہ معلوم کر لیتا ہے کہ کس زمین کی تہہ میں پانی ہے اور کس میں نہیں، تب ہی حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کو اس کی ضرورت پڑی تھی، کیوں کہ فوج پیاسی تھی اور پانی ملتا نہ تھا، مٹی کی منوں تہیں اس کی بصارت سے مانع نہیں ہوتیں۔[1]

سب کی نگاہیں مل کر بھی اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ﴾[2]

تَرجَمہ: ''اس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی اور وہ سب کی نگاہوں تک پہنچ جاتا ہے۔''

یعنی ساری مخلوقات جن و اِنس و ملائکہ اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا اُن سب پر محیط ہے، اس مختصر سی آیت میں ''اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی عظیم صفت کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بل کہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اگر جہاں کے سارے انسان، جنات، فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔[3]

یہ خاص صفت ''اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی چھوٹی سی چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کُرے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے کُرّے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بل کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ اُن کرّوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں اُن کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے۔ ؎

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہے اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا، اسی لئے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالقِ کائنات کا پتہ

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۸۰

[2] الانعام: ۱۰۳ [3] تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۸۹، الانعام ۱۰۳، التفسیر المظھری: ۳/۲۷٤

besturdubooks.wordpress.com

لگانے اور اس کی ذات وصفات کے ادراک کے لئے اپنی عمریں بحث وتحقیق میں صرف کیں اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف وشہود کے راستے سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پاسکتا ہے۔[۱]

''اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو ہماری سمع وبصر کا مالک ہے۔

﴿ اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ﴾[۲]

ترجمہ: ''وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟''

قرآنِ حکیم نے اپنے حکیمانہ اور مربیانہ طریق پر مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے ان سے کچھ سوالات کئے ہیں، آں حضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: ان لوگوں سے کہیے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟

یا کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے کہ جب چاہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کر دے اور جب چاہے سلب کر لے اور کون ہے جو مردہ چیز میں سے زندہ کو پیدا کر دیتا ہے؟ جیسے مٹی سے گھاس اور درخت یا نطفہ سے انسان اور جانور یا انڈے سے پرندہ اور زندہ میں سے مردہ کو پیدا کر دیتا ہے، جیسے انسان اور جانور سے نطفہ بے جان پیدا کرتا ہے اور کون ہے جو تمام کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

پھر فرمایا: جب آپ ان لوگوں سے یہ سوال کریں گے تو سب کے سب یہی کہیں گے کہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے! تو آپ ان سے فرمادیں کہ پھر تم کیوں اللہ سے نہیں ڈرتے؟

جب ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور باقی رکھنے والا اور ان سب کے کام میں لگانے کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر عبادت واطاعت کا حق دار اس کے سوا کسی کو کیوں بناتے ہو۔[۳]

ربّ العالمین وہ ذات ہے جس نے کان کی ہڈی کو سننا، آنکھ کی چربی کو دیکھنا، زبان کے گوشت کو بولنا سکھایا ہے۔

ربّ العالمین وہ ذات ہے کہ سمندروں کی گہرائیاں، رات کی تاریکیاں اس کی دید کے لئے مانع نہیں، دلوں کی حالتیں اور طبائع کے اطوار سب اُس کی نظر کے سامنے ہیں۔[۴]

جب انسان کے دل میں یہ استحضار ہو کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ استحضار اس کو گناہ سے بچا لیتا ہے، اسی طرح ''اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا جتنا دل میں استحضار ہوگا اور جس قدر اس نام مبارک کی طرف دعوت دی جائے گی تو گناہ کے تصور سے بھی انسان لرز جائے گا اور عبادت ومناجات کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے

وَاقِعَہ نَمبَر (۵۳): کہتے ہیں کہ ایک چور نے اپنے بچے کو مدرسے میں بٹھا دیا، قاری صاحب روزانہ درس کے بعد بچوں

---

[۱] معارف القرآن: ۴۱۰/۳، الانعام: ۱۰۳ [۲] یونس: ۳۱

[۳] معارف القرآن: ۵۳۱/۴، یونس: ۳۱ [۴] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۸

besturdubooks.wordpress.com

کی ذہنی تربیت فرماتے تھے، ایک مرتبہ ''اَلْبَصِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر بیان کر رہے تھے کہ وہ ذات خوب دیکھنے والی ہے، ہم کہیں بھی اس سے چھپ نہیں سکتے۔ اللہ ربُّ العزت ہر جگہ، ہر ایک کو، ہر وقت دیکھتے ہیں۔

ایک دن یہ چور اپنے بیٹے کو لے کر سفر کر رہا تھا جب وہ انگور کے باغ کے قریب سے گزرے تو باپ کا دل للچایا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں، چناں چہ اس نے اپنے بیٹے کو ایک جانب کھڑا کیا اور کہا، بیٹا! تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر اُدھر جھانکنا، تاکہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے۔ جب وہ انگور توڑنے کے لئے گیا تو وہ ابھی درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچا دیا، کہنے لگا:

یَا أَبِيْ یَا أَبِيْ أَحَدٌ یَرَانَا۔

اے ابا جان! اے ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو باپ ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس نے بچے کے پاس آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا: کون دیکھ رہا ہے؟

بیٹے نے کہا: ابا جان! اگر کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر باپ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے ہمیشہ کے لئے چوری سے توبہ کر لی۔

دودھ میں پانی

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۵۴: ایک مرتبہ سیّدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رات کو گلی میں چکر لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے ایک بوڑھی ماں اپنی بیٹی سے باتیں کر رہی تھی۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ بڑھیا اس لڑکی سے پوچھ رہی تھی: کیا بکری نے دودھ دے دیا؟

اس نے کہا: جی دے دیا، پھر پوچھا: کتنا دودھ دیا ہے؟ لڑکی نے کہا: تھوڑا سا دیا ہے۔ وہ کہنے لگی، کہ مانگنے والے تو پورا مانگیں گے، اس لئے تم اس میں پانی ملا دو، اس نے کہا: امیر المؤمنین نے پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے اس لئے میں نہیں ملاتی، وہ بڑھیا کہنے لگی: کون سا امیر المؤمنین ہمیں دیکھ رہے ہیں؟ لڑکی نے کہا: ماں! اگر امیر المؤمنین نہیں دیکھ رہے تو امیر المؤمنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کا یہ مکالمہ سنا اور گھر آئے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صبح اس بڑھیا کو بھی بلوایا اور اس لڑکی کو بھی۔ اس کے بعد آپ نے اس لڑکی کے تقویٰ کی بنیاد پر اسے اپنی بہو کے طور پر پسند فرما لیا، چناں چہ آپ نے اس کا رشتہ مانگا، اور وہ آپ کی بہو بن گئی، یہ وہی لڑکی تھی، جو بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی نانی بنی۔ یہ ایمان ہوتا ہے جس کی تاثیر اللہ تعالیٰ اولادوں اور نسلوں میں چلا دیتے ہیں۔[1]

---

[1] سیر الصحابہ: ۱/۱۷۰

besturdubooks.wordpress.com

آگے کیا ہوگا

واقعہ نمبر ۵۵: حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جارہے تھے، جب ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے تو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ سامان مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، چناں چہ حضرت اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کر کے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے، تاکہ سامان بک کرا سکیں، کھڑکی پر ریلوے کا جو اہل کار موجود تھا وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جانتا تھا اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، جب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی، تو اس نے کہا کہ: مولانا! رہنے بھی دیجئے، آپ سے کیا سامان کا کرایہ وصول کیا جائے؟

آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں، میں ابھی گارڈ سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کو سامان کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گا۔

مولانا نے فرمایا: یہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟

ریلوے افسر نے جواب دیا "غازی آباد تک۔"

پھر مولانا نے پوچھا: "غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟"

افسر نے کہا: "یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہہ دے گا۔"

مولانا نے پوچھا: "وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟"

افسر نے کہا: "وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا۔"

مولانا نے پوچھا۔ "پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟"

افسر نے کہا: "کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔"

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نہیں، میرا سفر تو بہت لمبا ہے، کانپور پر ختم نہیں ہوگا، اس لمبے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی، یہ بتائیے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اپنا سامان تم کرایہ دیئے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے؟ تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کرسکیں گے"؟

پھر مولانا نے ان کو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپ کو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اس کے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کر دیا کریں، لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو یہ میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا، اور مجھے اللہ

besturdubooks.wordpress.com

تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا جواب دینا پڑے گا اور آپ کی رعایت مجھے بہت مہنگی پڑے گی، لہٰذا براہ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے۔

ریلوے کا وہ اہل کار مولانا کو دیکھتا رہ گیا، لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے۔

ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیا

واقعہ نمبر ۵۶: اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیش آیا، وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے، لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے، اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروالیں، مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہوگئے، خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ تبدیل کرالیں گے، لیکن اتفاق سے پورے راستے کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہ آیا، یہاں تک کہ منزل آگئی، منزل پر اتر کر وہ سیدھے ٹکٹ گھر پہنچے، وہاں جا کر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے؟

پھر اتنی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خرید لیا اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا، ریلوے کے جس ہندو افسر نے ٹکٹ دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی، بل کہ ہوسکتا ہے کہ والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دماغی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو، اس لئے اس نے باہر آکر ان سے پوچھ گچھ شروع کردی کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑا؟

والد صاحب نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے، ٹکٹ خرید کر میں نے یہ پیسے ریلوے کو پہنچا دیئے، اب یہ ٹکٹ بے کار تھا، اس لئے پھاڑ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: ''مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے، اب آپ سے کون زائد مطالبہ کرسکتا تھا'' والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ''جی ہاں، انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن جس حق دار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں، مجھے ایک دن ان کو منہ دکھانا ہے، اس لئے یہ کام ضروری تھا۔''

یہ دونوں واقعات قیامِ پاکستان سے پہلے اُس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، چناں چہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہوچکی تھیں، خود حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ برملا اپنی اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت ہونی چاہئے جس میں غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبارِ زندگی چلا سکیں، لیکن انگریز کی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اس کے قائم کیے ہوئے محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کیے بغیر حاصل کرنا انہیں منظور نہ تھا۔[1]

[1] ذکر و فکر: ۱۱۸

besturdubooks.wordpress.com

اس ''البصیر جل جلالہٗ'' کا دھیان ہی تقویٰ وعبادت کی بنیاد ہے اور نماز میں اس کا دھیان جمانے کا ایک نسخہ یہ بھی ہے کہ انسان عبادت اس طرح کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، قیام میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، رکوع میں سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یعنی ''البصیر جل جلالہٗ'' کا مراقبہ کرے کہ اللہ جل جلالہٗ کا نام البصیر ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے، قیام کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے، سجدہ کی حالت میں بھی وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

وہ ذات ''البصیر جل جلالہٗ'' ہے، جب کسی کو بصارت کے ساتھ ایمانی بصیرت بھی دیتی ہے تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور ساری مخلوق اور پھیلے ہوئے دوسرے نقشے اُسے چھوٹے اور بے حیثیت نظر آتے ہیں اعمالِ خیر میں کامیابی اور گناہوں میں واقعی نقصان نظر آتا ہے۔ جب دل کھل جاتا ہے بصارت ایمانی یعنی بصیرت عطا ہونے سے تو ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہنے وسننے میں اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ہونے کا وہ استحضار ہوتا ہے جو پہلے نہ تھا۔ پھر مخلوق کی نفی اور خود اپنی نفی کے دھیان کے ساتھ مولائے کائنات کی بڑائی کا دھیان جمتا ہے۔ نمازوں اور ذکر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا وِجدان نصیب ہوتا ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنیوالے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''البصیر جل جلالہٗ'' یقین کرتا ہوا ایسے کاموں کو نہ کرے جسے کسی دیکھنے والے کے سامنے نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اپنے آپ کو دے دے اور پھر دیکھے کہ دل اور دل کے خیالات کس قدر محفوظ ہوگئے ہیں۔[1]

❷ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ''البصیر جل جلالہٗ'' کی نظر کے سامنے سمندر کی گہرائیاں اور رات کی تاریکیاں رکاوٹ نہیں۔ دلوں کی حالتیں اور طبیعتوں کے طور طریقے سب اُس کے سامنے ہیں، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، کالی رات میں چلتی چیونٹی کو، گہرے سمندر میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو اس لئے بدنظری، اور ہر اس بری بات کے سننے سے اپنے آپ کو بچائے اور نظریں نیچی رکھے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی﴾[2]

ترجمہ: کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کا مراقبہ کرتے رہنا چاہئے کہ یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس مراقبے سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۷۸ [2] العلق: ۱٤

besturdubooks.wordpress.com

اَلْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(اٹل فیصلے کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے کہ:

''اَلْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس کے فیصلے کو کوئی رد نہ کر سکے اور جس کے حکم میں کوئی پس و پیش نہ کر سکے۔[1]

اللہ ربّ العزت ہی کی جانب سے سارے عالم کے فیصلے ہوتے ہیں، جو کوئی فیصلہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے عالم کی کسی بھی چیز کے متعلق صادر ہو جائے وہ ہو کر رہتا ہے۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ فیصلے فرمائیں گے۔ اس جہانِ فانی میں انسانوں کے لئے رزق کے فیصلے...... امن کے فیصلے...... صحت کے فیصلے...... چین و راحت کے فیصلے...... موت اور زندگی کے فیصلے...... اولاد کے فیصلے...... آسمان سے بارش کے فیصلے...... اور مصائب و مشکلات کے فیصلے...... سب اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتے ہیں اِن سب پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْ حُكْمِهٖ، كَمَا لَاشَرِيْكَ لَهٗ فِيْ عِبَادَتِهٖ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''بے شک تمام کا تمام حکم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو، یعنی نہ اس کا کوئی مزاحم (مدمقابل) ہے، نہ کوئی شریک ہے۔''

پس ایسی عالی شان ذات کی مخالفت سے بہت ڈرنا چاہئے۔[3]

''جس طرح اس کا علم محیط ہے اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے، جیسے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کے جاننے میں اس کا کوئی شریک نہیں، اختیارات و قدرت میں بھی کوئی شریک و سہیم (حصہ دار) نہیں ہو سکتا۔''[4]

دنیا میں اللہ ربّ العزت نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ حق کامیاب ہوگا اور باطل ناکام

---

[1] مرقاۃ: کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۸۳/۵
[2] الکہف: ۲٦، النہج الأسمیٰ: ۲٤٦/۱
[3] بیان القرآن: ۵۹۰/۱، الکہف: ۲٦
[4] تفسیر عثمانی: ص ۳۹۵، الکہف: ۲٦

besturdubooks.wordpress.com

ہوگا، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مختصر سی جماعت کو اس وقت کی بڑی طاقت کے مقابلے میں فتح نصیب فرمائی اور حق کا بول بالا ہوا۔

قیامت کے دن انسان دو گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک وہ ہوں گے جن کے لئے سعادت کا فیصلہ ہوگا، دوسرے وہ ہوں گے جن کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا، جس کسی نے ایمان اور تقویٰ والی زندگی گزاری ہوگی اس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور جو بے عمل و بے ایمان دنیا سے گیا اس کے لئے شقاوت (بدبختی) کا فیصلہ ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ غرض قیامت میں ہر جان دار کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

اسی طرح خیر و شر کے درمیان حکم و فیصل ذات بھی صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے شر قرار دیا وہی حقیقتاً شر ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے خیر قرار دیا وہی حقیقتاً خیر ہے۔

''الحَکَمُ جل جلالہ'' کے فیصلے

حدیث شریف میں ارشاد ہے:

''عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ أَنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ.''[1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کے امور پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے، اور یہ خیر مؤمن ہی کے لئے ہوتی ہے، اگر اسے خوشی کی کوئی بات پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ (شکر) اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر کوئی ضرر کی بات پہنچتی ہے، تو صبر کرتا ہے اور یہ (صبر بھی) اس کے لئے خیر ہے۔ (اور یہ شان مؤمن ہی کی ہوسکتی ہے)''

یہ حدیث مبارک کئی نفسیاتی بیماریوں کی دوا اور کئی امراض کے لئے سببِ شفاء ہے، جتنا اس حدیث پر غور کیا جائے، اس کے معانی کو دل و دماغ میں بٹھایا جائے، کتنی ہی پریشانیوں و بے چینیوں کے دور ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ پریشانیاں دور کرنے کا نسخۂ اکسیر یہ ہے کہ ''الحَکَمُ جل جلالہ'' کے معنی پر غور کیا جائے۔

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، اس کے ارادے کے بغیر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔

﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾[2]

ترجمہ: ''اور دراصل وہ بغیر اللہ کے مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

آیت سے ثابت ہوا کہ نفع و نقصان کے فیصلے اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں، لہٰذا ہرگز ہرگز

---

[1] مسلم، الزهد، باب في احاديث متفرقة: ٤١٣/٢ [2] البقرة: ١٠٢

besturdubooks.wordpress.com

پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے کسی جھوٹے عامل ...... پروفیسر...... جوتشی ...... کے پاس یا کسی صاحبِ مزار کی قبر پر نہیں جانا چاہئے۔اسی "اَلْحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے دربار میں گڑگڑا کر مانگنا چاہئے، کیوں کہ حقیقتاً پریشانی اور خوشی دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں، حتیٰ کہ موت اور زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے صادر ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساری دنیا اور اس کی طاقتیں کسی کو مارنا چاہیں اور اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھنا چاہیں تو کوئی طاقت بھی موت واقع نہیں کرسکتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی کو موت دینا چاہیں اور دنیا کی ساری طاقتیں اسے زندہ رکھنا چاہیں تو کوئی بھی اسے زندگی نہیں بخش سکتا۔

اللہ تعالیٰ تم کو یاد رکھے گا

واقعہ نمبر ۵۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا، کچھ دُور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لڑکے! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تم کو یاد رکھے گا، تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو، تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا، جب تمہیں سوال کرنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے قلمِ تقدیر اس کو لکھ چکا ہے۔

اگر ساری مخلوقات مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچادیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچائیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔

اگر تم کرسکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر و عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیوں کہ اپنی خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد، صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔[1]

افسوس یہ ہے کہ قرآن کے اس واضح اعلان اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھر کی تعلیمات کے باوجود یہ اُمت پھر اس معاملہ میں بھٹکنے لگی، سارے خدائی اختیارات مخلوقات کو بانٹ دیئے، براہِ راست کسی مخلوق کو حاجت روائی کے لئے پکارنا، ...... اس سے اپنی حاجتیں مانگنا، ...... اس قرآنی حکم کی کھلی بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین[2]

---

[1] ترمذی، ابواب صفة القيمة: ۷۸/۲

[2] معارف القرآن: ۲۹٤/۳، الانعام: ۱۷

besturdubooks.wordpress.com

''اَلْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کا فیصلہ سارے فیصلوں پر غالب ہے

وَاقِعَہ نمبر ⑤⑧: احمد بن طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی معتز باللہ کے زمانے میں مصر کے حاکم تھے، اس سے پہلے وہ معروف ترکی بادشاہ طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پاس رہتے تھے اور طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے انہیں کسی کام سے ''دارالامارۃ'' بھیجا وہاں انہوں نے بادشاہ کی ایک کنیز کو محل کے کسی خادم کے ساتھ بے حیائی میں مبتلا پایا۔ احمد بن طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے کام سے فارغ ہو کر بادشاہ کے پاس واپس پہنچے، لیکن اس قصے کا بادشاہ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

ادھر کنیز کو یہ یقین ہو گیا کہ ابن طولون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بادشاہ سے ضرور میری شکایت کر دیں گے، اس لئے اس نے یہ حرکت کی کہ طولون کے پاس جا کر احمد کی شکایت کر دی کہ وہ ابھی میرے پاس آئے تھے اور مجھے بے حیائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ کنیز نے شکایت اس انداز سے کی کہ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے فوراً احمد کو بلوایا اور کنیز کی شکایت کا زبانی طور سے تو کچھ ذکر نہیں کیا البتہ ایک مہر شدہ خط ان کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ یہ خط فلاں امیر کے پاس پہنچا دو۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ ''جو شخص یہ خط تمہارے پاس لا رہا ہے اسے فوراً گرفتار کر کے قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔''

احمد کو ادنیٰ وہم بھی نہ تھا کہ ان کے خلاف سازش ہو چکی ہے۔ وہ خط لے کر روانہ ہوئے، راستے میں اسی کنیز سے ملاقات ہو گئی۔ کنیز یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد کو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے، تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ میری شکایت درست تھی، چناں چہ اس نے احمد کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے، آپ خط لکھ دیجئے اور آپ بادشاہ کا جو مکتوب لے کر جا رہے ہیں وہ میں دوسرے خادم کے ذریعے بھجوا دیتی ہوں، چناں چہ اس نے بادشاہ کا مکتوب اسی خادم کے حوالے کر دیا جس کے ساتھ وہ مبتلا ہوئی تھی۔ وہ خادم خط لے کر اسی امیر کے پاس پہنچا امیر نے خط پڑھتے ہی اسے قتل کرا دیا اور اس کا سر طولون کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ وہ سر دیکھ کر حیران رہ گیا اور احمد کو بلوایا۔ احمد نے سارا ماجرا سنا دیا اور کنیز نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کر لیا، اس دن کے بعد سے بادشاہ کی نظر میں احمد کی وقعت دو چند ہو گئی اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے۔[1]

ابن حصار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اللہ ربّ العزت کی یہ صفت ''اَلْحَكَمُ'' تمام اعلیٰ صفات اور اسمائے حسنیٰ کے معانی کے لئے جامع وشامل ہے۔ ''اَلْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' (یعنی فیصلہ کرنے والا) صرف اور صرف وہی ہوتا ہے جو خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا اور خوب جاننے والا اور باخبر ہو اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں وہ ''اَلْحَكَمُ'' نہیں ہے۔

---

[1] البداية والنهاية: ۳۷/۱۱

besturdubooks.wordpress.com

اللہ ربُّ العزت کی ذات فیصلہ کرنے والی ہے اپنے بندوں کے درمیان، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، چاہے وہ ظاہری حالات ہوں، یا پوشیدہ حالات ہوں، اللہ ربُّ العزت ''الحَکَمُ جل جلالہٗ'' ہے، اس چیز میں بھی جو اس کی شریعت میں سے ہے اور اس میں بھی جس کا اس نے اپنی مخلوق پر فیصلہ فرما دیا ہے، چاہے وہ قول کے اعتبار سے ہو یا فعل کے اعتبار سے ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات میں نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے۔'' [1]

امام شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''چوں کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ ربُّ العزت کے قبضہ اختیار میں ہے، اس سے آپ یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ بے شک حلال چیز وہی ہے جسے اللہ ربُّ العزت نے حلال قرار دے دیا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دی ہے درحقیقت وہی حرام ہے، اور حقیقی دین وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، اس کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں۔''

اس کے بعد امام شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ذات اپنی صفاتِ عظیمہ کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہے کہ ہر چیز میں اسی کا فیصلہ اٹل ہو، کیوں کہ کوئی بشر ایسا نہیں جس میں ایسی صفات موجود ہوں جو اس کے خالق کی صفات کے مثل ہوں، حتیٰ کہ وہ اپنے رب کے ساتھ صفتِ حکم میں شریک ہو جائے۔ جب بات ایسی ہی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ ربُّ العزت کی صفتِ حکم میں کوئی غیر شریک نہیں ہو سکتا، اللہ ربُّ العزت اس بات سے بہت بلند ہیں کہ کوئی غیر ان کے ساتھ ان کی صفات میں شریک ہو سکے۔'' [2]

صاحب ''النہج الاسمیٰ'' فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں جس طرح چاہیں اور جو چاہے وہ فیصلہ فرماتے ہیں وہ فیصلہ فرمانے میں اکیلے ہیں کوئی ان کا شریک نہیں۔

---

[1] وَقَدْ تَضَمَّنَ هٰذَا الإِسْمُ. يَعْنِيْ (اَلْحَكَمُ). جَمِيْعَ الصِّفَاتِ الْعُلٰى وَالْأَسْمَاءِ الْحُسْنٰى، إِذْ لَايَكُوْنُ حَكَمًا إِلَّا سَمِيْعًا بَصِيْرًا عَالِمًا خَبِيْرًا إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، فَهُوَ سُبْحَانَهٗ اَلْحَكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، وَفِيْمَا شَرَعَ مِنْ شَرْعِهٖ، وَحَكَمَ مِنْ حُكْمِهٖ وَقَضَايَاهُ عَلٰى خَلْقِهٖ قَوْلًا وَفِعْلًا، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَلِذٰلِكَ قَالَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۴۶) (القصص: ۷۰).

[2] "وَبِذٰلِكَ تَعْلَمُ أَنَّ الْحَلَالَ هُوَ مَا أَحَلَّهُ اللّٰهُ، وَالْحَرَامَ هُوَ مَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَالدِّيْنَ هُوَ مَا شَرَعَهُ اللّٰهُ، فَكُلُّ تَشْرِيْعٍ مِنْ غَيْرِهٖ بَاطِلٌ، "ثُمَّ بَيَّنَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ بِصِفَاتِهِ الْعَظِيْمَةِ يَسْتَحِقُّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْحُكْمُ، فَهَلْ يُوْجَدُ فِي الْبَشَرِ مَنْ لَهٗ مِثْلُ صِفَاتِ خَالِقِهٖ لِيُشَارِكَ رَبَّهٗ فِي الْحُكْمِ، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا" (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۴۷)

besturdubooks.wordpress.com

’’اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی چیز کے حلال کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلال کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اور کسی چیز کے حرام کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حرام کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اور جس چیز کے واجب کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو واجب فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے احکامات وقضایا میں بھی حکم جاری فرماتے ہیں، ان تمام چیزوں میں اللہ رب العزت کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہے۔‘‘ [1]

’’وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُّرَاجِعَ اللّٰهَ فِيْ حُكْمِهٖ، كَمَا يُرَاجِعُ النَّاسُ بَعْضُهُمُ الْبَعْضَ فِيْ أَحْكَامِهِمْ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ [2]

فَحُكْمُهٗ فِي الْخَلْقِ نَافِذٌ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَّرُدَّهٗ أَوْ يُبْطِلَهٗ‘‘ [3]

تَرجَمہ: ’’اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ رب العزت کے کسی فیصلے میں پس وپیش کرے جیسا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے فیصلوں میں پس وپیش کرتے ہیں۔‘‘

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ’’اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘

’’پس اس کا حکم اس کی مخلوق پر نافذ ہو کر رہتا ہے اور کوئی اس کو رد یا ختم نہیں کر سکتا۔‘‘

یعنی اُس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے، جب وقت آجائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لئے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔ [4]

جس اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمالِ حکمت سے ان میں باہم فرقِ مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص وقویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اسی ’’اَلْحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار، علم محیط اور حکمتِ بالغہ کے تقاضے سے جس چیز کو، جس کسی کے لئے، جن حالات میں چاہے، حلال یا حرام کر دے ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ [5]

’’اس سے اس کے کئے کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا اور تمام مخلوقات سے اُن کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

اسم مبارک ’’اَلْحَکَمُ‘‘ قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾ [6]

---

[1] اَللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ وَمَا يَشَآءُ هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقْضِيْ فِيْ خَلْقِهٖ مَا يَشَاءُ مِنْ تَحْلِيْلِ مَا أَرَادَ تَحْلِيْلَهٗ وَتَحْرِيْمِ مَا أَرَادَ تَحْرِيْمَهٗ، وَ إِيْجَابِ مَا شَآءَ إِيْجَابَهٗ عَلَيْهِمْ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَحْكَامِهٖ وَقَضَايَاهُ، وَلَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ. (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۵۰) [2] الرعد: ۴۱ [3] النہج الاسمیٰ: ۱/۲۵۱

[4] تفسیر عثمانی: ۳۳۷ [5] الانبیاء: ۲۳ [6] الانعام: ۱۱۴

besturdubooks.wordpress.com

الحَکَمُ کو کنیت بنانا جائز نہیں

واقعہ نمبر ۵۹: ”حضرت ھانی بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی قوم کے ساتھ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ انہوں نے اپنی کنیت ”أبُوالحَکَم“ رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا: حکم والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے لئے، فیصلہ کرنا ہے۔ پس تم نے اپنی کنیت ”أبُوالحَکَم“ کیوں رکھی؟

تو انہوں نے کہا: جب میری قوم کا کسی چیز پر اختلاف ہو جاتا ہے تو فیصلے کے لئے وہ میرے پاس آتے ہیں اور دونوں فریقین میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں، اس لئے میری کنیت ”أبُوالحَکَم“ رکھ دی گئی۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتنی اچھی بات ہے، کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے؟

تو اس نے کہا: میرے تین بیٹے ہیں: شریح، مسلم اور عبداللہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ عرض کیا: شریح، فرمایا: تم ابوشریح ہو، یعنی اپنی کنیت ابوشریح رکھ لو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابی کی کنیت کا تبدیل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس اسم کو کنیت بنانا مکروہ ہے۔[1]

”الحَکَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے فیصلے پر راضی ہو جانا

اللہ ربُّ العزت حکم ہیں وہ جو بھی فیصلہ کریں، اس میں ہمارے لئے خیر ہے، کیوں کہ وہ حکم کے ساتھ ساتھ لطیف وخبیر بھی ہیں، یعنی ہمارے اوپر مہربان بھی ہیں اور اس فیصلے کے انجام سے باخبر بھی ہیں۔

شیخ دکتور ناصر بن مسفر الزھرانی فرماتے ہیں: بندہ کا اپنے رب سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جس چیز کا فیصلہ کر دیا ہو اس پر راضی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندہ کو ہر وقت اپنی فرماں برداری میں دیکھے، اور اُسے حرام کردہ امور سے بچتے ہوئے دیکھے۔

بڑی سے بڑی رضا مندی جو کسی بندے کو حاصل ہو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مندی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ”رضوان“ کا لفظ استعمال کیا، جس کے معنی ”بہت بڑی رضا“ کے ہیں۔

﴿ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا ﴾[2]

مؤمن کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کا یہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرے اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچے، اور ایمان والوں کے لئے ضروری ہے کہ اس فعل پر راضی ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس چیز کے چھوڑنے پر راضی ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور مؤمن کا راضی ہونا اللہ تعالیٰ سے یہی ہے

---

[1] ابوداؤد، باب تغییر الاسم القبیح: ۳۲۱/۲ [2] الفتح: ۲۹

besturdubooks.wordpress.com

کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہو اس پر راضی ہو جائے، چاہے اس پر فقر کے حالات آئیں یا کوئی بیماری اور مصیبت آئے اور بندے کا اس طرح کے معاملات پر راضی ہونا مستحب ہے اور حالات پر صبر کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خط کے ذریعے سے پیغام بھجوایا کہ:

أَمَّا بَعْدُ! تمام خیر حاصل کرنے کی جڑ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی ہونا ہے اور اگر تجھ میں اتنی طاقت نہ ہو تو صبر و تحمل سے کام لے۔

اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا محبت کو پیدا کرتا ہے اور اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، دل کی صفائی کی علامت ہے، اسی طرح یقین کامل کی طاقت اور صحیح معنی میں تقویٰ کی نشانی ہے۔[1]

چناں چہ دکتور ناصر آگے فرماتے ہیں: غم اور رنج کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرنا اور دنیا کے اسباب کی طرف متوجہ رہنا، جب ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی تو ان چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کمی پر رنج و تکلیف آجاتی ہے۔

پس وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مل گئی تو وہ بڑے مزے کی زندگی میں ہے۔ اس لئے کہ اسے رِضَا بِالْقَضَا کی دولت حاصل ہے، چناں چہ جو اس کے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔

اگر وہ دعا کرے اور دعا قبول نہ ہو تو اس کے دل میں اعتراض پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مملوک بنایا ہے اور اس کا مقصد صرف خالق کی بندگی ہی ہے۔ پس اسی صفت کی وجہ سے مال کا آنا جانا اور مخلوق کی طرف سے دکھ سکھ کا آنا اور خواہشات کے مزے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

تو دیکھے گا کہ وہ شخص خلوت میں بھی اپنے رب کے سامنے بڑا باادب ہے، اپنے رب سے مناجات کرنے سے بڑی اُنسیت رکھتا ہے اور لوگوں کے ملنے جلنے سے پریشان ہوتا ہے، اور جتنا مال و رزق ہے اسی پر قناعت کرتا ہے۔

اس کا اپنے رب سے معاملہ اس محبوب جیسا ہے کہ جب وہ اس کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو وہی اس کا مطلوب

---

[1] إِنَّ رِضَا الْعَبْدِ عَنِ اللّٰهِ بِمَعْنٰى أَنْ لَّا يَكْرَهَ مَا يَجْرِيْ بِهٖ قَضَاؤُهٗ، وَرِضَا اللّٰهِ عَنِ الْعَبْدِ هُوَ أَنْ يَّرَاهُ مُؤْتَمِراً بِأَمْرِهٖ وَمُنْتَهِيًا عَنْ نَهْيِهٖ. وَلَمَّا كَانَ أَعْظَمُ الرِّضَا هُوَ رِضَا اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، وَرَدَ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ بِصِيْغَةِ (الرِّضْوَانِ) وَهُوَ الرِّضَا الْكَثِيْرُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح: ٢٩) إِنَّ طَرِيْقَ الْمُؤْمِنِ لِنَيْلِ رِضَا اللّٰهِ تَعَالٰى عَنْهُ هُوَ أَنْ يَّمْتَثِلَ أَوَامِرَهٗ وَ يَجْتَنِبَ نَوَاهِيَهٗ، يَجِبُ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يَّرْضَا بِفِعْلِ مَا أُمِرَبِهٖ وَأَنْ يَّرْضَا بِتَرْكِ مَا نُهِيَ عَنْهُ. وَمِنْ رِضَا الْمُؤْمِنِ عَنْ رَّبِّهٖ أَنْ يَّرْضَا بِمَا قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَا ابْتَلَاهُ بِهٖ مِنْ فَقْرٍأَوْ مَرَضٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، وَالرِّضَا بِهٰذَا مُسْتَحَبٌّ مِّنَ الْعَبْدِ عَلَى الْقَوْلِ الرَّاجِحِ، أَمَّا الْوَاجِبُ فَهُوَ الصَّبْرُ. كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلٰى أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. قَائِلًا: "أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ فِي الرِّضَا فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضَ وَ إِلَّا فَاصْبِرْ" إِنَّ الرِّضَا عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى يُثْمِرُ الْمَحَبَّةَ وَيُقَرِّبُ الْعَبْدَ مِن رَّبِّهٖ، وَهُوَ دَلِيْلٌ عَلٰى نَقَاءِ الْقَلْبِ، وَقُوَّةِ الْيَقِيْنِ، وَعَمِيْقِ التَّقْوٰى. (اللّٰه........ اهل الثناء والمجد: ٢٤٧

besturdubooks.wordpress.com

مقصود ہوتا ہے۔

تو جس کو یہ نعمت نہ دی گئی ہو وہ زندگی میں کمی کے احساس میں رہتا ہے، اس لئے کہ وہ اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے مقدر میں نہیں ہے، اور ساری زندگی تمناؤں میں رہتا ہے، حالاں کہ دین پر نہ چلنے کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے ویسے بھی یہ محروم ہے۔[1]

فوائد و نصائح

❶ بندہ جب یہ یقین بناتا ہے کہ تمام فیصلے کرنے والا "الْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بہت ہی اطمینان وسکون سے قبول کرتا ہے اور ہر قسم کے حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔

❷ اللہ ربُّ العزت نے جنہیں ہم پر حاکم بنایا ہے ہمیں ان کا حکم ماننا چاہئے، بشرطیکہ ان کا حکم خلاف حکمِ الٰہی نہ ہو اور ان کی تعظیم کرنی چاہئے، ہمیں چاہئے کہ حکام کا احترام کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے ہمیں بتلایا ہے کہ قوم کے سردار کی تعظیم کی جائے، چناں چہ جو سردارانِ قبائل حاضر خدمت ہوتے تھے، آپ ﷺ ان کا احترام کرتے تھے اس لئے بڑوں کی عزت کا حکم ہے خواہ وہ عمر میں بڑے ہوں یا علم میں یا مرتبے میں۔

بلاوجہ کسی بھی چھوٹے بڑے حاکم کی توہین کرنا گناہ ہے۔ دوسروں کی عزت کریں، تاکہ یہ لوگ آپ کی عزت کریں۔[2]

"الْحَكَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے فیصلے پر راضی رہنے کے لئے دو دعائیں مانگتے ہیں

❶ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ"[3]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے تندرستی، پاک دامنی، امانت داری، اچھے اخلاق اور قضا وقدر پر راضی رہنے کا طلب گار ہوں۔"

---

[1] وَسَبَبُ الْهُمُوْمِ وَالْغُمُوْمِ: اَلْإِعْرَاضُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالْإِقْبَالُ عَلَى الدُّنْيَا. وَكُلَّمَا فَاتَ مِنْهَا شَيْءٌ وَقَعَ الْغَمُّ لِفَوَاتِهٖ، فَأَمَّا مَنْ رُزِقَ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِسْتَرَاحَ، لِأَنَّهٗ يَسْتَغْنِيْ بِالرِّضَا بِالْقَضَاءِ، فَمَهْمَا قُدِّرَ لَهٗ رَضِيَ.

وَ إِنْ دَعَا فَلَمْ يَرَ أَثَرَ الْإِجَابَةِ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ قَلْبِهٖ إِعْتِرَاضٌ، لِأَنَّهٗ مَمْلُوْكٌ مُدَبَّرٌ فَتَكُوْنُ هِمَّتُهٗ فِيْ خِدْمَةِ الْخَالِقِ، وَمِنْ هٰذِهٖ صِفَتُهٗ لَا يُؤْثِرُ جَمْعَ مَالٍ، وَلَا مُخَالَطَةَ الْخَلْقِ، وَلَا الْإِلْتِذَاذَ بِالشَّهَوَاتِ. فَتَرَاهُ مُتَأَدِّبًا فِي الْخَلْوَةِ بِهٖ، مُسْتَأْنِسًا بِمُنَاجَاتِهٖ، مُسْتَوْحِشًا مِنْ مُخَالَطَةِ خَلْقِهٖ، رَاضِيًا بِمَا يُقَدِّرُ لَهٗ، فَعَيْشُهٗ مَعَهٗ كَعَيْشِ مُحِبٍّ قَدْ خَلَا بِحَبِيْبِهٖ، لَا يُرِيْدُ سِوَاهُ، وَلَا يَهْتَمُّ بِغَيْرِهٖ.

فَأَمَّا مَنْ لَمْ يُرْزَقْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ، فَإِنَّهٗ لَا يَزَالُ فِيْ تَنْغِيْصٍ مُتَكَدِّرِ الْعَيْشِ لِأَنَّ الَّذِيْ يَطْلُبُهٗ مِنَ الدُّنْيَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَيَبْقٰى أَبَدًا فِي الْحَسَرَاتِ، مَعَ مَا يَفُوْتُهٗ مِنَ الْآخِرَةِ بِسُوْءِ الْمُعَامَلَةِ. (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ۲۰۹)

[2] شرح اسماء حسنیٰ: ۱۲۱ (للأزهری)

[3] المعجم الكبير للطبراني: ۱/۱۰۰

besturdubooks.wordpress.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی پر روزی کے معاملے میں تنگی ہو تو اسے گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعاء پڑھنی چاہئے۔''

۲ ''بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَدِيْنِيْ.... اَللّٰهُمَّ رَضِّنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا قُدِّرَ لِيْ حَتّٰى لَآ اُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ'' [1]

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کردے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما، تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرمادی ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے (فی الحال) مقدم کر دیا ہے اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔''

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ (لابن السنی) باب مایقول إذا عسرت علیه معیشته": ۱۲۵

besturdubooks.wordpress.com

اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سراپا عدل وانصاف)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

''اَلْعَدْلُ'' کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں ﴿ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾[1] اسی معنی کے لئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ ''عدل'' افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے، اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس جگہ لفظ ''عدل'' کی تفسیر ظاہر و باطن کی برابری سے کی ہے، یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ لفظِ عدل اپنے عام معنی میں ہے جو ان سب صورتوں کو شامل ہے، جو مختلف ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے منقول ہیں، ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں[2]

''اَلْعَدْلُ'' کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بغیر افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل و انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ گہری سے گہری محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اُس کے دونوں پلّوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔ جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجے میں مضر ہیں اُن سے اپنا بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے، اس کا نام ''تقویٰ'' ہے۔ ''عدل وقسط'' یعنی دوست و دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملے میں جذباتِ محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ خصلت حصولِ تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔

یعنی ایسا عدل وانصاف جس کو کسی کی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے، اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو پرہیزگار بننا آسان ہو جاتا ہے، اس کے حصول کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اُس کی شانِ جزا کا خوف ہے اور یہ خوف ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾[3] (بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے) کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] النسآء: ۵۸ [2] معارف القرآن: ۳۸۹/۵، النسآء: ۵۸ [3] المائدہ: ۸

besturdubooks.wordpress.com

جب کسی مؤمن کے دل میں یہ یقین بیٹھ جائے گا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیتِ الٰہی سے لرزنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔[1]

انصاف کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) زبردست ہونا کہ کوئی اُس کے فیصلے سے سرتابی نہ کر سکے، اور (۲) حکیم ہونا کہ حکمت ودانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے، کوئی حکم بے موقع نہ دے چوں کہ حق تعالیٰ عزیز بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں۔[2]

اس "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے بڑا زبردست نظامِ عدل قائم کیا ہے، کچھ کو یہاں سزا مل جاتی ہے، کچھ کو وہاں۔ مجرم کو قید، کوڑے، ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے یا سولی پر لٹکانے کی سزا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ اس "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے عدل وانصاف کے تحت ہی ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اکثر وبیشتر ظالموں کو وہ ایسی سزائیں دیتا ہے کہ مخلوق اگرچہ ان سزاؤں کا احساس نہیں کرتی، مگر وہ خود تو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمارے کیئے کی سزا مل رہی ہے اور ہم "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی گرفت میں آگئے، کیوں کہ ان کے ضمیر میں ایک ایسی خلش ہر وقت رہتی ہے جو کسی طرح ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی، وہ طرح طرح سے دل بہلاتے ہیں، مگر دل کسی طرح نہیں بہلتا، یہ بھی ایک قسم کا عذابِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک اور کان پیدا کیئے ہیں، تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو جوّاد (سخی) ہے اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں "اَلْعَدْلُ" ہے، مثلاً: آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ اگر اُس کو گدی، یا پاؤں پر، یا ہاتھ، یا کھوپڑی پر بنایا ہوتا تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اُس نے ہاتھوں کو کندھوں سے معلق کیا ہے۔

اگر ان کو سر کے ساتھ یا کوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا وہ محتاجِ دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کیئے ہیں، کیوں کہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا، بالاجمال اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اُس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اُسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں یا بائیں، اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص ...... یا باطل ...... یا خراب ...... یا بدنما ...... اور یا غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرے کے وسط میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا تو اُس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی، یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسانی جسم ایک جامع اور بے نقص بناوٹ اور تیزی کے ساتھ بہ سہولت

---

[1] تفسیر عثمانی: ۱۴۴ [2] تفسیر عثمانی: ٦٦

besturdubooks.wordpress.com

حرکت کر سکتا ہے۔

ذرا یہ تو تصور کریں کہ اگر ہر شے اس قدر جامع اور بے نقص نہ ہوتی اور پوری ٹانگ میں ایک ہی لمبی سی ہڈی ہوتی تو انسان کے لئے چلنا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے جسم بڑے بھدے اور سست ہوتے، تمام پھرتی ختم ہوگئی ہوتی۔ بیٹھنا تک مشکل ہو جاتا اور ہر ایسے کام میں ٹانگ پر جب دباؤ پڑتا تو وہ بہت جلد ٹوٹ جاتی۔ تاہم انسانی ڈھانچے کی ساخت اس قسم کی ہے جو جسم کو ہر طرح کی حرکت کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ڈھانچہ تخلیق کیا اور اب بھی اس کے تمام خدوخال تخلیق کر رہا ہے۔

انسان کو اس پر ضرور غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طاقت کی تعریف کرنی چاہئے، جس نے اسے تخلیق کیا ہے اور پھر اس کا شکر بجالانا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بہت بڑے گھاٹے میں رہے گا۔

''اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا اعضائے انسانی میں عدل

انسانی جسم کے تمام اعضا مل جل کر کام کرتے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی حرکات وسکنات مثلاً: سانس لینا یا مسکرانا انسانی جسم میں مکمل اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد زندگی کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ اتحاد جسم کے خود کار نظام میں خاص طور پر نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ چھوٹی سے چھوٹی حرکت کے لئے بھی پنجر کا نظام، پٹھے اور اعصابی نظام پوری طرح باہم مل جل کر کام کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسانی جسم کے اندر خفیہ اطلاعات کا ایک نہایت ترقی یافتہ جال بچھا ہوا ہے۔ یہ اطلاعات آنکھوں، کان کے اندرونی حصے کے توازن کے میکانکی عمل، پٹھوں، جوڑوں اور کھال کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ ہر سیکنڈ کے اندر کئی بلین معلومات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، اور نئے فیصلے اس کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں انسان کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو بس حرکت کرتا، ہنستا، چیختا، دوڑتا، کھاتا اور سوچتا ہے۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے لئے سترہ پٹھوں کو بیک وقت مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ ان پٹھوں میں سے ایک بھی اگر شریک نہ ہو یا اس کی شرکت ادھوری ہو تو چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔

چلنے کے قابل ہونے کے لئے پاؤں، ٹانگوں، کولہوں اور پشت کے ۵۴ مختلف پٹھوں کو باہمی تعاون سے کام کرنا ہوتا ہے۔ جب ہاتھ اوپر اٹھایا جاتا ہے تو کندھے کو جھکانا پڑتا ہے۔ بازو کے سامنے اور پیچھے کے پٹھوں کو جنہیں ''تین سروں والے پٹھے'' اور ''دوسروں والے پٹھے'' کہا جاتا ہے سکیڑ کر اور پھر ڈھیلا چھوڑ کر اور کہنی اور کلائی کے درمیانی پٹھوں کو مروڑنا ہوتا ہے۔ اس کام کے ہر حصے میں کئی ملین درآور عصبیے جو پٹھوں میں ہوتے ہیں پٹھوں سے متعلق معلومات کو فوری طور پر مرکزی نظامِ اعصاب تک پہنچاتے ہیں۔ جواباً یہ مرکزی نظام اعصاب پٹھوں کو بتاتا ہے کہ انہیں اگلے قدم پر کیا کرنا ہے۔

یقیناً کوئی بھی اس سارے عمل سے آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ تو بس اپنا ہاتھ اوپر اٹھانا چاہتا ہے اور ایسا فوراً کر لیتا ہے۔ اسی طرح جسم کو سیدھا رکھنے کے لئے آپ کو اپنی ٹانگ، پاؤں، کمر، پیٹ، چھاتی اور گردن کے پٹھوں میں موجود کئی بلین درآور

besturdubooks.wordpress.com

عصبیوں (Receptors) سے بہت سی معلومات حاصل کرنی ہوتی ہے۔ پھر آپ ان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور ہر سیکنڈ میں اتنے ہی احکامات پٹھوں کو جاری کرنے ہوتے ہیں۔ ہمیں بولنے کے لئے بھی کوئی اضافی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ انسان یہ منصوبہ بندی نہیں کرتا کہ صوتی ڈوریاں (Vocal Cords) کتنی دُور دُور ہونی چاہئیں ان میں ارتعاش کتنی کتنی دیر بعد پیدا ہونا چاہئے، منہ کے اندر سینکڑوں پٹھوں کو کتنی بار اور ان میں سے کن پٹھوں کو زبان اور گلے کو سکیڑ ا اور پھر ڈھیلا چھوڑا جانا چاہئے۔ نہ ہی وہ یہ حساب لگا سکتا ہے کہ کتنے مکعب سینٹی میٹر ہوا اسے پھیپھڑوں میں پہنچانی ہے اور کتنی سانس کے ذریعے خارج کرنی ہے۔ ہم ایسا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے منہ سے ادا ہونے والا ایک لفظ تک بہت سے نظاموں کے اجتماعی کام کا نتیجہ ہوتا ہے، جو نظامِ تنفس سے لے کر نظامِ اعصاب تک اور پٹھوں سے ہڈیوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی زندگی اس کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان کا اس میں کوئی کمال نہیں جس پر وہ غرور و تکبر یا سرکشی کا مظاہرہ کر سکے۔ انسان کی صحت، خوب صورتی یا توانائی اس کا اپنا کام نہیں ہے۔ نہ ہی یہ اسے ہمیشہ کے لئے دی گئی ہے۔ اسے ایک روز یقیناً بوڑھا ہو جانا ہے، جب اس کی صحت اور خوب صورتی جاتی رہے گی۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَىْءٍ فَمَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”تم لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

اگر انسان چاہتا ہے کہ اس میں آخرت میں اس سے کہیں زیادہ بہتر اور اعلیٰ صفات پیدا ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے اسے یہ رحمتیں عطا کی ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہئے۔[2]

عدل کے مختلف معانی

علامہ ابن عربی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: لفظ ”عدل“ کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

❶ ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات اور جی چاہنے پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی فرماں برداری و تعمیل اور اس کی شریعت کے ممنوعات و محرمات (چھوٹے بڑے تمام گناہ، ماں باپ کی بے ادبی، لوگوں کا دل دکھانا وغیرہ) سے

---

[1] القصص: ۶۰   [2] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۸۶ تا ۸۷

besturdubooks.wordpress.com

مکمل اجتناب کرے۔

❷ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ وہ یہ کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا رُوحانی ہلاکت ہو، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے، جو اس کے لئے مضر ہوں، اور قناعت وصبر سے کام لے، نفس پر بلا وجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ نیز کوئی غیر ضروری کام اور حقوق اپنے ذمّے نہ لے کہ اس کی وجہ سے اپنے فرائض اور واجبات پر نقص آئے۔

❸ تیسرا مفہوم اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کرنے کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ، اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔[1]

ایک تاجر ساری عمر غلط طور پر تجارت کر کے پیسے جمع کرتا رہتا ہے، کسی دن دکان میں آگ لگ جاتی ہے یا چور دکان صاف کر جاتا ہے، یہ شخص خوب سمجھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور اکثر لوگ بھی جان جاتے ہیں کہ یہ اس کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، چور اپنی عادت سے مجبور ہو کر ایسا کر بیٹھتا ہے پولیس اسے پکڑ کر مارتی پیٹتی ہے اور مال برآمد کر لیتی ہے۔ پولیس مسروقہ مال میں سے کچھ کھا جاتی ہے یا اس کے بچے اس مال کو کھا کر بیمار پڑ جاتے ہیں۔ ایسا کس لئے ہوا؟ اس "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے نظامِ عدل کے تحت ہوا۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے تو کیا کیا جائے۔ زلزلے......، طوفان......، وبائیں......، بلائیں بڑے بڑے ظالموں سے انتقام لے لیتی ہیں، وہ بستی جہاں ظلم ہو رہا ہو اور لوگ ظالم کو نہ روکیں تو وہ پوری بستی بھی ظالم ہوتی ہے، لہٰذا خود بھی ظلم سے بچیں اور دوسروں کو بھی ظلم سے بچائیں۔

اگر ہم ایک زمین خریدتے ہیں اور اس میں مکان بناتے ہیں تو چوں کہ ہم اس زمین کے مالک ہیں، اس لئے ہمیں پورا پورا اختیار ہوتا ہے کہ ہم اس زمین میں جہاں چاہیں بیت الخلاء اور جہاں چاہیں اپنی صاف ستھری بیٹھک بنائیں، زمین کو کسی طرح یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ یہ تو عدل کے خلاف (ناانصافی) ہے، کیوں کہ ناانصافی وہاں ہوتی ہے جو غیر کی ملکیت میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو "مَالِکُ الْمُلْکِ" ہے انہوں نے جیسے چاہا کر دیا۔ انسان کو مالک بنایا اور زمین کو مملوک بنایا ان کی طرف ناانصافی کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔[2]

قرآن کریم میں العدل کی صفت بائیس (۲۲) مرتبہ آئی ہے جس میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾[3]

❷ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[4]

❸ ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾[5]

---

[1] معارف القرآن: ۳۸۹/۵، النحل: ۹۰ [2] شرح اسماء الحسنٰی للأزھری: ۲۵۷ [3] النحل: ۹۰ [4] المائدة: ۸ [5] النساء: ۵۸

besturdubooks.wordpress.com

عادل آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ ہے

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے کون جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو اس بات کا زیادہ علم ہے، تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے جب حق آجائے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں، اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو مال کو خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ فیصلہ کرتے ہیں، تو ایسا عادلانہ کرتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے لئے کرتے۔[1]

اور جو شخص حاکم، ذمہ دار اور سرپرست ہونے کے باوجود اپنے ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کرتا اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

(امیر (ذمہ دار) چاہے دس آدمیوں کا ہی کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا، یہاں تک کہ اس کو طوق سے اس کا عدل چھڑائے گا یا اس کا ظلم اس کو ہلاک کر دے گا۔[2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ ظلم و ناانصافی سے دور رہے۔ معاملات اور کاروبار میں اعتدال کا خیال رکھے۔ عدل کی ضرورت فقط جھگڑوں ہی میں نہیں، بل کہ عدل کی ضرورت تو کھانے، پینے، سونے، بولنے، خاموش رہنے، ذکر اللہ کرنے یا آرام لینے وغیرہ وغیرہ سب میں ہے۔ اسی طرح والد کے لئے یہ حکم ہے کہ اولاد میں برابری رکھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ."[3]

تَرجَمَہ: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری رکھو۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"قَارِبُوْا بَيْنَ اَبْنَآئِكُمْ وَلَوْ فِي الْقُبَلِ."[4]

تَرجَمَہ: "اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو چاہے بوسہ لینے میں ہو۔"

لہٰذا کسی بیٹے کو یہ شبہہ نہ ہونے دے کہ والد میرے مقابلے میں فلاں کو زیادہ چاہتا ہے۔ جو شخص عدل و اعتدال کا

---

[1] مسند احمد: ۶/۶۷، رقم: ۲۳۸۵۷ [2] مسند احمد: ۲/۴۳۱، رقم: ۹۲۹۰

[3] کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض اولادہ، مسلم: ۲/۳۷

[4] تکملہ فتح الملھم، کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض الاولاد فی الھبة: ۲/۷۲

besturdubooks.wordpress.com

مسئلہ بھول جاتا ہے بالآخر وہ خود ہی مذموم ندامت والا بنتا ہے۔[1]

❷ "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، عدل و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں، کمی، زیادتی سے کوئی پلہ بھی جھکنے یا اُٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اُس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اُسے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

❸ ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

زمانے کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہئے اور نہ اس پر اعتراض کرنا، چاہئے بل کہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے حکم کے تابع ہیں اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب کے ساتھ چل رہے ہیں اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مشتمل ہے۔[2]

❹ ہر انسان کو اپنے اوپر آنے والے مصائب اور تکالیف کے معاملے میں بھی عدل سے کام لینا چاہئے ناشکری اور مایوسی کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔ اسی طرح خوش حالی، اور مالی فراوانی میں تکبر اور بخل نہ کرے، دونوں حالتوں میں عدل رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ."[3]

تَرْجَمَہ: "ابن آدم زمانے کو گالی دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا دیتا ہے، حالاں کہ میں ہی زمانہ (کا خالق اور مالک) ہوں دن رات کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔"

اور حضرت ابو قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے:

"لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ."[4]

تَرْجَمَہ: "زمانے کو برا بھلا نہ کہو، کیوں کہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ہی زمانے میں مختلف تبدیلیاں لاتے ہیں اور یہ تبدیلیاں عام طور پر ہمارے اعمال کے اچھا یا برا ہونے کی صورت میں اچھی یا بری ہوتی ہیں۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ للمنصورپوری: ۲۱٤

[2] مجموعۂ رسائل امام غزالی: ۳۱۲

[3] بخاری، التفسیر (الجاثیہ)، بابٌ ومایھلکنا إلّا الدّھر: ۲/۷۱۵

[4] مسند احمد: ۵/۲۹۹، رقم: ۲۲۰٤٦

besturdubooks.wordpress.com

اللَّطِيفُ جَلَّ جَلَالُهُ

(باریک بین)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اللَّطِيفُ جَلَّ جَلَالُهُ'' وہ ذات ہے جو کہ اپنے بندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ ایسی مہربانیاں کرتا ہے جس کو وہ بندے خود بھی نہیں جانتے۔ اوران کی مصلحت کے کاموں کے لئے ایسے ایسے اسباب، ایسی ایسی جگہوں سے مہیا فرماتا ہے کہ جس کا بندہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر، روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور زبردست۔''

❷ ''لطیف'' عربی لغت کے اعتبار سے دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے:

ایک مہربان کے معنی میں، دوسرا کثیف کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور کثیف وہ چیز ہوتی ہے جو حواس کے ذریعے محسوس و معلوم ہو، پس لطیف کے معنی یہ ہوں گے یعنی وہ چیز جو حواس کے ذریعے محسوس و معلوم نہیں کی جاسکتی۔[2]

اللہ تعالیٰ لطیف ہیں، اس کی مہربانی کا مظہر پانی کی نعمت ہے، جس برتن میں چاہو ڈال لو، پی لو، بہا دو، بھاپ بنا کر اڑا دو، مگر اتنا طاقت ور ہے کہ ساری مخلوق کو سیراب کرتا ہے، ان کے دل و دماغ کو تازہ رکھتا ہے، درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔ درختوں، پھلوں، میووں، انسانوں اور جانوروں کی رگ رگ میں جاری و ساری ہے، ہر جگہ گھس جاتا ہے۔[3]

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے لطیف کا ترجمہ ''حَفِیٌّ'' بمعنی ''مہربان'' سے اور حضرت عکرمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ''بارٌّ'' یعنی ''محسن'' سے کیا ہے۔

حضرت مقاتل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے سب ہی بندوں پر مہربان ہے۔ یہاں تک کہ کافر و فاجر

---

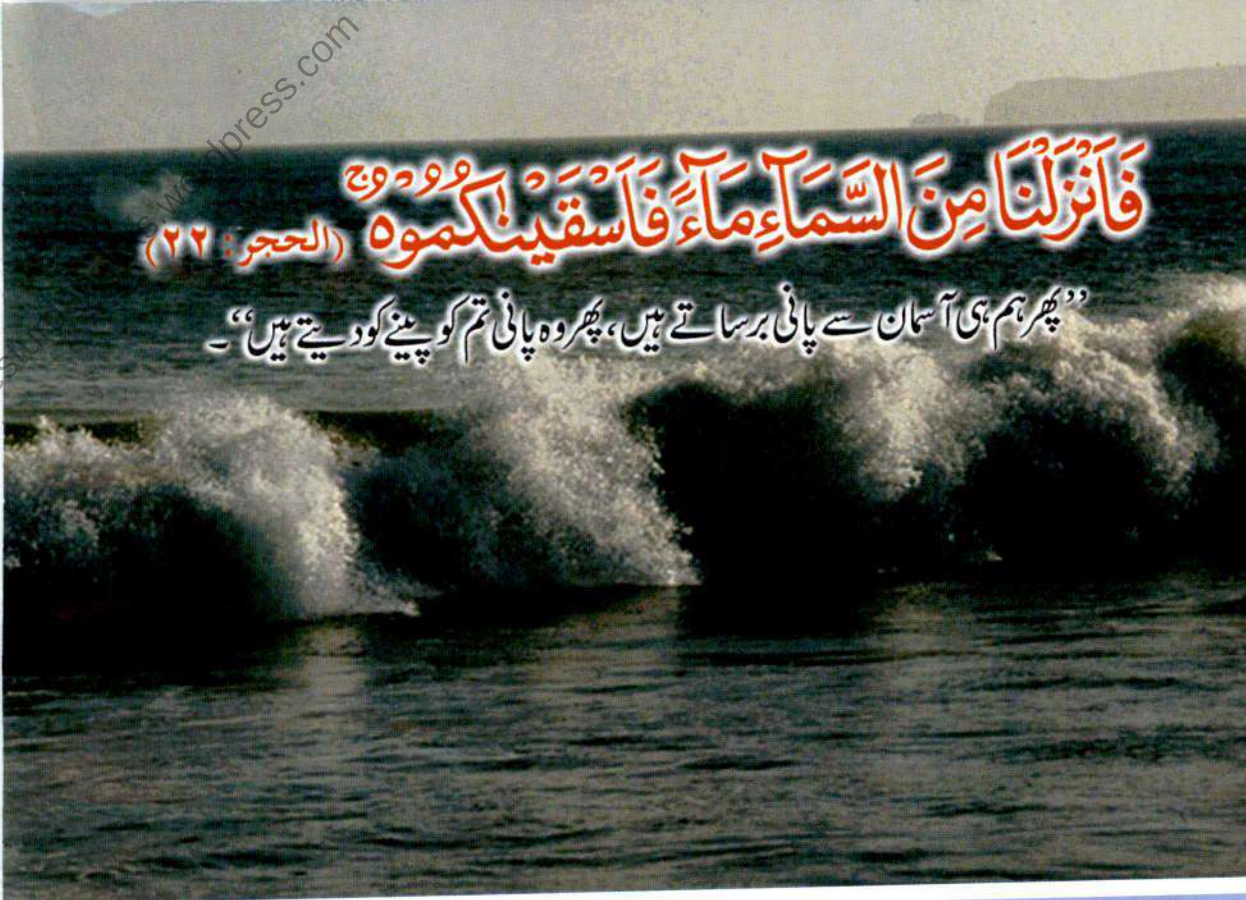
[1] اللَّطِيفُ: هُوَ الْبَرُّ بِعِبَادِهِ الَّذِي يَلْطُفُ لَهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ، وَيُسَبِّبُ لَهُمْ مَصَالِحَهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ كَقَوْلِهِ سُبْحَانَهُ: ﴿اللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ (شوریٰ: ۱۹) (النهج الاسمیٰ: ۲۶۰/۱)

[2] المعجم الوسيط: ۸۲۶ [3] شرح اسماء الحسنیٰ للازهری: ۳۵۵

اللَّطِيفُ

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com





besturdubooks.wordpress.com

پر بھی دُنیا میں اس کی نعمتیں برستی ہیں۔ حق تعالیٰ کی عنایات اور لطف و کرم اپنے بندوں پر بے شمار انواع و اقسام کے ہیں۔[۱]

۳ اَللَّطِيْفُ: الَّذِيْ يُوْصِلُ إِلَيْكَ أَرَبَكَ فِيْ رِفْقٍ.[۲]

ترجمہ: اَللَّطِيْفُ وہ ذات ہے جو تیری حاجت اور ضرورت کو مہربانی اور نرمی سے پوری فرماتا ہے۔

"اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اگرچہ وہ چیز بہت چھوٹی، باریک اور حقیر ہو، یعنی وہ ہر طرح کی باریکیوں کو جاننے والا ہے۔ بندوں کے باریک اُمور سے خوب باخبر ہے، بندوں کے مصالحِ خفی و منافعِ بعید سے خوب واقف ہے، بڑی نازک و رفیق حکمتوں اور تدبیروں والا ہے۔[۳]

۴ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ، أَيْ كَثِيْرُ اللُّطْفِ بِهِمْ بَالِغُ الرَّأْفَةِ لَهُمْ.[۴]

"یعنی بہت زیادہ مہربانی کرنے والا اور حد سے زیادہ بندوں پر نرمی کرنے والا۔"

۵ امام حلیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لئے بھلائی اور آسانی چاہتی ہے اور ان کے لئے بھلائی اور آسانی کے اسباب کو مہیا کرتی ہے۔[۵]

حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ إِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾[۶] اَيْ لَطِيْفُ التَّدْبِيْرِ لَهٗ.[۷]

ترجمہ: "میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ بے شک وہی ہے خبردار حکمت والا۔"

"یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا، مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کرنے والا۔"

فَإِذَا أَرَادَ حُصُوْلَ شَيْءٍ سَهَّلَ أَسْبَابَهٗ فَحَصَلَ وَإِنْ كَانَ فِيْ غَايَةِ الْبُعْدِ عَنِ الْحُصُوْلِ.[۸]

جب وہ ذات کسی کام کا ارادہ فرمالے، کسی کو کچھ عطا کرنے کا ارادہ فرمالے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور وہ چیز آسانی سے اس شخص کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ چاہے اس چیز کا حاصل ہونا کتنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہو یعنی جب اس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ارادہ فرمالیا تو ساری مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔

سورۂ یوسف کے سارے واقعات اسی اسم "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تجلّیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ بھائیوں

---

[۱] معارف القرآن: ۷/۶۸۵، الشوریٰ: ۱۹ [۲] النہج الاسمیٰ: ۱/۲۶۰

[۳] إِنَّهُ الَّذِيْ لَا تَخْفٰى عَلَيْهِ الْأَشْيَاءُ وَإِنْ دَقَّتْ وَلَطُفَتْ وَتَضَاءَلَتْ أَيْ هُوَ لَطِيْفُ الْعِلْمِ (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۶۱)

[۴] النہج الاسمیٰ: ۱/۲۶۳

[۵] وَهُوَ الَّذِيْ يُرِيْدُ بِعِبَادِهِ الْخَيْرَ وَالْيُسْرَ، وَيُقَيِّضُ لَهُمْ أَسْبَابَ الصَّلَاحِ وَالْبِرِّ. ("المنہاج فی شعب الایمان": ۱/۲۰۲، (النہج الاسمیٰ: ۱/۲۶۳)

[۶] یوسف: ۱۰۰ [۷] روح المعانی: ۱۴/۶۰، یوسف: ۱۰۰ [۸] تفسیر کبیر: ۲۱۶

besturdubooks.wordpress.com

نے کنویں میں پھینک کر ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے کنویں سے نکال کر عزیزِ مصر کے گھر پہنچا دیا۔

زُلیخا نے جیل میں بھیج کر ذلیل کرنے کا ارادہ کیا ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے اپنی تدبیرِ لطیف سے جیل سے نکال کر بادشاہت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ بھائیوں نے بیٹے کو باپ سے جدا کرنے کا ارادہ کیا اس ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے سارے خاندان کو ایک ساتھ اکٹھا فرما دیا۔

''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ رائی کا دانہ جو ہیئت کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا وزن کچھ بھی نہیں ہوتا، پس وہ زمین کے اندر کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں سے کسی آسمان میں ہو، جب وقت آئے گا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو بھی نکال کر لا حاضر کریں گے۔ اس لئے کہ وہی ذات باریک بین اور خبردار ہے۔ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں، اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت و مصلحت کے تحت واقع ہونے دیتا ہے۔[1]

جب بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا رب ہر چیز کو جاننے کی صفت سے متصف ہے اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کو اپنے قبضۂ قدرت میں رکھنے کی صلاحیت ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر فعل اور قول کا محاسبہ کرے اور اپنی حرکات و سکنات پر غور کرے۔ پس وہ ہر وقت اور ہر گھڑی اپنے رب کے سامنے ہے جو کہ ہر چیز کی باریکیوں کو اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔ ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ ''بھلا کیا وہ نہیں جانتا جس نے بنایا ہے؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔''[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت والے دن اپنے ہر بندے کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔ اگر اس نے اچھے اعمال کئے ہوں گے تو اس کا اچھا بدلہ ملے گا، اور اگر اس نے بُرے اعمال کئے ہوں گے تو برا بدلہ ملے گا اور اس کے عمل میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا جائے گا پھر نہ نیکی کرنے والا ایسا کوئی ہوگا کہ اس کی کسی نیکی میں سے ایک ذرّہ ضائع ہوگا اور نہ گناہ گار کہ اس کے گناہ میں سے ایک ذرّہ گناہ ضائع ہوگا۔[3]

---

[1] فَاللّٰہُ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ وَلَا الْخَرْدَلَةُ وَهِیَ الْحَبَّةُ الصَّغِیْرَةُ الَّتِیْ لَا وَزْنَ لَهَا فَإِنَّهَا وَلَوْ کَانَتْ فِیْ صَخْرَةٍ فِیْ بَاطِنِ الْاَرْضِ أَوْ فِی السَّمٰوٰتِ فَإِنَّ اللّٰہَ یَسْتَخْرِجُهَا وَیَاْتِ بِهَا لِأَنَّهُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. (النہج الاسمٰی: ۲۶۲/۱)

[2] وَإِذَا عَلِمَ الْعَبْدُ أَنَّ رَبَّهُ مُتَّصِفٌ بِدِقَّةِ الْعِلْمِ، وَإِحَاطَتُهُ بِکُلِّ صَغِیْرَةٍ وَکَبِیْرَةٍ، حَاسَبَ نَفْسَهُ عَلٰی أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ، وَحَرَکَاتِهِ وَسَکَنَاتِهِ، فَإِنَّهُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَحِیْنٍ، بَیْنَ یَدَیِ اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ: ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (الملک: ١٤)
(النہج الأسمٰی: ۲۶۲/۱)

[3] وَاللّٰہُ سُبْحَانَهُ یُجَازِی النَّاسَ عَلٰی أَفْعَالِهِمْ یَوْمَ الدِّیْنِ، إِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ، لَا یَفُوْتُهُ مِنْ أَعْمَالِهِمْ شَیْءٌ، فَلَا الْمُحْسِنُ یَضِیْعُ مِنْ إِحْسَانِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ وَلَا الْمُسِیْءُ یَضِیْعُ مِنْ سَیِّئَاتِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ. (النہج الاسمٰی: ۲۶۲/۱، ۲۶۳)

besturdubooks.wordpress.com

اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مہربانیاں

اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لئے عام ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا، ان کا رزق بھی ان کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام و انواع ہیں۔ بقدرِ ضرورتِ معاش رزق تو سب کے لئے عام ہے۔ پھر خاص خاص اقسامِ رزق کی تقسیم میں (اللہ تعالیٰ نے) اپنی حکمتِ بالغہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں، کسی کو مال و دولت کا رزق زیادہ دے دیا، کسی کو صحت وقوت کا، کسی کو علم و معرفت کا، کسی کو دوسری انواع واقسام کا، اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدنِ انسانی کی بنیاد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے۔ اوّل یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذا اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا بیک وقت نہیں دیتا ورنہ اوّل تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا پھر بھی وہ سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچتا۔[1]

پانی اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی بڑی مہربانی ہے

اُس ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ذات کی مہربانیاں دیکھیں کہ پینے کے پانی کو میٹھا بنایا اور سمندر کے پانی کو نمکین بنایا، اور یہ دونوں ہی اس کی مہربانیاں ہیں، اور اس تک پہنچ اتنی آسان بنائی کہ ہر ایک اس کو حاصل کرلے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتے ہیں:

﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے رہتے ہیں جو بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کو ذخیرہ کر کے رکھنے والے نہ تھے۔''

﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ ﴾ سے ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾ تک قدرتِ الٰہیہ کے اس حکیمانہ نظام کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اور جانور، چرندوں، پرندوں، درندوں کے لئے ضرورت کے مطابق آب رسانی کا ایسا نظامِ محکم قائم کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ہر جگہ، ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں، درختوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی بلا کسی قیمت کے مل جاتا ہے اور جو کچھ کسی کو کنواں بنانے یا پائپ لگانے پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنی سہولتیں حاصل کرنے کی قیمت ہے، پانی کے ایک قطرے کی قیمت بھی کوئی ادا نہیں کر سکتا، نہ

---

[1] تفسیر قرطبی، الشوریٰ: ۱۳/۸ [2] الحجر: ۲۲

besturdubooks.wordpress.com

کسی سے مانگی جاتی ہے۔

اس آیت میں پہلے تو اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح قدرتِ الٰہیہ نے سمندر کے پانی کو پوری زمین پر پہنچانے کا عجیب وغریب نظام بنایا ہے کہ سمندر میں بخارات پیدا فرمائے جن سے بارش کا مواد (مون سون) پیدا ہوا، اوپر سے ہوائیں چلائیں جو اس کو بادل کی شکل میں تبدیل کر کے پانی سے بھرے ہوئے پہاڑوں جیسے جہاز بنادیتی ہیں، پھر پانی سے لبریز ان ہوائی جہازوں کو دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں پہنچانا ہے پہنچادیں، پھر فرمانِ الٰہی کے تابع جس زمین پر جتنا پانی ڈالنے کا حکم ہے، اس کے مطابق یہ خودکار ہوائی جہاز وہاں پانی برسادیں۔

اس طرح یہ سمندر کا پانی زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں اور جانوروں کو گھر بیٹھے مل جاتا ہے، اسی نظام میں ایک عجیب وغریب تبدیلی پانی کے ذائقے اور دوسری کیفیات میں پیدا کردی جاتی ہے کیوں کہ سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا، اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہو جاتی، اس لئے قدرت نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنا دیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ غرض اس حکمت کی بناء پر سمندر کا پانی کھارا بل کہ تلخ بنایا گیا جو نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، نظامِ قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کئے ان کو صرف سمندری پانی کا خزانہ ہی نہیں بنایا بل کہ مون سون اُٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک اس میں ایسے انقلابات بغیر کسی ظاہری مشین کے پیدا کردیئے کہ اس پانی کا نمک علیحدہ ہو کر میٹھا پانی بن گیا۔

سورۂ مرسلٰت میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾ [1]

اس میں لفظ "فُرَاتًا" کے معنی ہیں ایسا میٹھا پانی جس سے پیاس بجھے، معنی یہ ہیں کہ ہم نے بادلوں کی قدرتی مشینوں سے گزار کر سمندر کے کھارے اور تلخ پانی کو تمہارے پینے کے لئے شیریں بنادیا۔

سورۂ واقعہ میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ [2]

تَرجَمَہ: "بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے، اگر ہم چاہیں کردیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔"

---

[1] المرسلٰت: ۲۷ [2] الواقعہ: ۶۸، ۶۹، ۷۰

besturdubooks.wordpress.com

یہاں تک تو قدرتِ الٰہیہ کی یہ کرشمہ سازی دیکھئے کہ سمندر کے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کر کے پورے روئے زمین پر بادلوں کے ذریعے کس حسنِ نظام کے ساتھ پہنچایا کہ ہر خطہ کے نہ صرف انسانوں کو بل کہ اُن جانوروں کو بھی جو انسانوں کی دریافت سے باہر ہیں گھر بیٹھے پانی پہنچا دیا اور بالکل مفت بل کہ جبری طور پر پہنچایا۔

لیکن انسان اور جانوروں کا مسئلہ صرف اتنی بات سے حل نہیں ہو جاتا، کیوں کہ پانی ان کی ایسی ضرورت ہے جس کی احتیاج ہر روز بل کہ ہر آن ہے، اس لئے ان کی ضرورتِ روز مرہ کو پورا کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جگہ سال کے بارہ مہینے ہر روز بارش ہوا کرتی، لیکن اس صورت میں اُن کی پانی کی ضرورت تو دور ہو جاتی، مگر دوسری معاشی ضروریات میں کتنا خلل آتا، اس کا اندازہ کسی اہلِ تجربہ کے لئے مشکل نہیں، سال بھر کے ہر دن کی بارش تندرستی پر کیا اثر ڈالتی اور کاروبار اور نقل وحرکت میں کیا مشکلات پیدا کرتی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سال بھر کے خاص خاص مہینوں میں اتنی بارش ہو جائے کہ اس کا پانی باقی مہینوں کے لئے کافی ہو جائے، مگر اس کے لئے ضرورت ہوتی کہ ہر شخص کا ایک کوٹہ مقرر کر کے اس کے سپرد کیا جائے، تا کہ وہ اپنے کوٹے اور حصے کا پانی خود اپنی حفاظت میں رکھے۔

اندازہ لگایئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینے کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بل کہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا، اس لئے قدرتِ الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقتِ ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں، انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصے کو برف کی شکل میں بحرِ منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے، جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر اگر وہ پانی سیال صورت میں رہتا تو ہوا کے ذریعے کچھ گرد وغبار یا دوسری خراب چیزیں اس میں پہنچ جانے کا خطرہ رہتا، پرندوں اور جانوروں کے اس میں گرنے مرنے کا اندیشہ رہتا، جس سے وہ پانی خراب ہو جاتا، مگر قدرت نے اس پانی کے عظیم خزانے کو بحرِ منجمد (برف) بنا کر پہاڑوں پر لاد دیا جہاں سے تھوڑا تھوڑا رس کر وہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور جہاں یہ چشمے بھی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطے پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آب رسانی کا یہ نظامِ الٰہی ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

① پانی کو پیدا کرنا۔

② بادلوں کے ذریعے اس کو زمین کے ہر خطہ پر پہنچانا۔

besturdubooks.wordpress.com

③ اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا۔

④ اس پانی کو ضرورت کے مطابق جمع اور محفوظ رکھنے کا نظامِ محکم۔

⑤ انسان کو اس سے پینے اور سیراب ہونے کا موقع دینا بھی ایک نعمت ہے، کیوں کہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایسی آفتیں ہوسکتی ہیں کہ اُن کی وجہ سے آدمی پینے پر قادر نہ ہو، قرآن کریم کی آیت: ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾[1] میں ان ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف اشارہ اور تنبیہ کی گئی ہے، ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[2]

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اس اسم کے لائق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے، اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بل کہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں اور اس کمالِ علم وعمل کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات میں جمع ہونا متصور اور ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل بیان نہیں ہوسکتی، بل کہ ہر مخفی بات اُس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے جیسے کھلی بات کچھ بھی فرق نہیں۔ افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی شمار میں نہیں آسکتی، کیوں کہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو۔ جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا، اسی قدر وہ ''اسم لطیف'' کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے اور امید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہوسکیں، ہاں! البتہ اس کی بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔[3]

ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے

''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین (بچے) کو ماں کے پیٹ میں تین اندھیریوں میں پیدا کرتا ہے، اور اس کی حفاظت کرتا ہے، اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پیدا ہوتا ہے تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ پیدائش کے وقت ہی اس کو سکھا دیا جاتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے، خواہ رات کا اندھیرا ہی کیوں نہ ہو، نہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔

کئی طرح کے دانت بناتا ہے

اسی طرح ''اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' انڈے کو توڑ کر چوزہ نکالتا ہے اور اُس کو دانے چگنا سکھاتا ہے، پھر یہ کہ وہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت دانت نہیں بناتا، کیوں کہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی، پھر جب کھانے کی چیزوں کو چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اُگاتا ہے اور وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے، ایک

---

[1] الحجر: ۲۲ [2] معارف القرآن: ۲۹۱/۵ المومنون: ۱۴ [3] رسائل امام غزالی: ۸۹

besturdubooks.wordpress.com

ڈاڑھیں ہیں جو کھانے کی چیزوں کو پیسنے کے لئے ہیں، اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں، اور ایک سامنے کے دانت ہیں جو کاٹنے کی خاطر ہیں، پھر یہ کہ وہ زبان بظاہر جس کی غرض کلام ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام پر مامور بھی ہے۔

لقمہ میں مہربانیاں

ایک لقمے کے میسر ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے، جو بندہ کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے، اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں اِتنی مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہوسکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا...... کسی نے بیج بویا...... کسی نے سینچا...... کسی نے فصل کو کاٹا...... کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا...... کسی نے اس کو پیسا...... کسی نے گوندھا...... کسی نے پکایا...... وغیرہ وغیرہ، تو اس کی تفصیل اختتام کو نہ پہنچے۔[1]

ایک لقمہ جو انسان کے پاس پکا پکایا پہنچتا ہے، اس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی اسی لقمے میں مہربانیاں سوچے تو گن نہیں سکتا کہ اس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے کتنے لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور انہوں نے محنت کی، ان سب کی محنت جمع ہوئی تو یہ لقمہ تیار ہوکر ہمارے پاس آیا۔

اور افعال واعمال میں جو اُس "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بندوں پر مہربانیاں ہیں ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سوچے گا اسی قدر "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی معرفت بڑھے گی۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے "اَلْحَكِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا "البدیع جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی "اَلْمُصَوِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا "اَلْعَدْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی "اَللَّطِيْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ہمیشہ کی جنت

بندوں پر اس کا ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ اُس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ تھوڑی بہت (یعنی دنیوی عمر میں خفیف) کوشش کرنے پر ان کو اَبدی سعادت ہمیشہ کی جنت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے، کیوں کہ اس عمر کو اَبد (آخرت کی زندگی) کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

---

[1] المقصد الأسنیٰ: ۶۲، ۶۳

besturdubooks.wordpress.com

آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ

ایک لطف (مہربانی) یہ ہے کہ وہ گوبر اور خون میں سے صاف دودھ .... اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر.......اور مکھی سے شہد.......اور کیڑے سے ریشم ....اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ، اپنی امانت کا حامل اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے، اور یہ وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا۔

یہ اسم قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[1]

❷ ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾[2]

❸ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[3]

فوائد و نصائح

❶ اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اِن کو بلائے اور دین کی دعوت دینے میں ان کے ساتھ خوب نرمی کرے، نہ یہ کہ تحقیر، سختی، لڑائی اور تعصب کرے۔

"اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا سب سے اچھا لطف جس میں قبولِ حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے وہ پاک عادات، اچھی صفات، اور نیک اعمال ہیں۔[4]

❷ ہر انسان کو چاہئے کہ "اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مہربانیوں کو یاد رکھے، اور اس کی عطا کی ہوئی زندگی کو اُس کے حکم کے مطابق گزارے۔

أَيَا مَنْ قَدْ تَهَاوَنَ بِالْمَنَايَا وَمَنْ قَدْ غَرَّهُ الْأَمَلُ الطَّوِيلُ
أَلَمْ تَرَ أَنَّمَا الدُّنْيَا غُرُورٌ وَأَنَّ مُقَامَنَا فِيهَا قَلِيلُ؟

تَرْجَمَۃ: "اے وہ شخص جسے تمناؤں نے تھکا دیا اور لمبی امیدوں نے اُسے دھوکے میں ڈالے رکھا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے اور ہمارا اس میں قیام بہت ہی مختصر ہے؟"

---

[1] الانعام: ۱۰۳ [2] یوسف: ۱۰۰ [3] الملك: ۱۴ [4] رسائل امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی: ۳۱۴

besturdubooks.wordpress.com

طلبہ، طالبات کو امتحان کے موقع پر یہ دعائیں مانگنی چاہئیں

۳ کاموں کی آسانی کے لئے ان دعاؤں کا معمول بنانا چاہئے۔ طلبہ کو امتحان کے اوقات میں کوئی کتاب یا مضمون مشکل معلوم ہو تو اس سے پہلے بھی یہ دعائیں مانگ لیا کریں:

۱ ’’اَللّٰھُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ کُلِّ عَسِیْرٍ عَلَیْكَ یَسِیْرٌ وَاَسْئَلُكَ الْیُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ‘‘[1]

ترجمہ: ’’اے اللہ! ہر دشواری کو آسان فرمانے میں مجھ پر مہربانی فرما، کیوں کہ آسان کرنا ہر دشوار کام کا آپ کے لئے بالکل آسان ہے، اور میں آپ سے سوال کرتا ہوں آسانی و سہولت کا اور عافیت و صحت کا دنیا اور آخرت دونوں میں۔‘‘

۲ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ اللُّطْفَ فِیْمَا جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِیْرُ‘‘[2]

ترجمہ: ’’اے اللہ! میں تیرے لطف و کرم کا سوالی ہوں ان تمام امور میں جن سے تقدیریں متعلق ہیں‘‘

۳ ’’یَالَطِیْفًا بِخَلْقِهٖ یَاخَبِیْرًا بِخَلْقِهٖ یَاعَلِیْمًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِیْ یَالَطِیْفُ یَاعَلِیْمُ یَاخَبِیْرُ‘‘[3]

ترجمہ: ’’اے اپنی مخلوق پر لطف و کرم کرنے والے! اے اپنی مخلوق کو خوب اچھی طرح جاننے والے! اے اپنی مخلوق (کے احوال) سے باخبر، مجھ پر لطف و کرم فرما، اے مہربان! اے خوب جاننے والے! اے بڑے ہی باخبر!‘‘

۴ اس اسم سے تخلق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو چاہئے کہ بنی نوعِ انسان کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آیا کریں، اور جو کوئی شخص مصیبت کے وقت امداد چاہے، اس سے بقدرِ وسعت دریغ نہ کریں۔ جو بھی ’’اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کے بندوں اور اس کی تمام مخلوقات کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرے گا ’’اَللَّطِیْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ بھی اس کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرے گا۔[4]

---

[1] مجمع الزوائد: الأدعية، باب الأدعية المأثورة عن رسول الله: ۲۱۳/۱۰

[2] "اوراد فضلية للصبح والمساء" للشيخ عبدالغفور العباسي: ٦١

[3] "اوراد فضلية للصبح والمساء" للشيخ عبدالغفور العباسي: ٦١

[4] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۸۰

besturdubooks.wordpress.com

الخبیر جل جلالہ

(ہر بات سے باخبر اور آگاہ)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الخبیر جل جلالہ" وہ ذات ہے جس سے کوئی پوشیدہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے اور اس کے حکم کے بغیر اس کی بادشاہت میں کوئی معاملہ جاری نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز حرکت کرتی ہے اور نہ ٹھہرتی ہے اور کوئی بھی جان دار پریشان ہوتا ہے یا مطمئن تو اس خبیر ذات کو ان سب چیزوں کی خبر ہے۔

اور "خَبِيْرٌ، عَلِيْمٌ" کے معنی میں ہے، لیکن علم کی نسبت پوشیدہ رازوں کے جاننے کی طرف ہو تو اس کو "خِبْرَةٌ" کہا جائے گا اور اس کے جاننے والے کو "الخبیر" کہا جائے گا۔[1]

"خبیر" کے معنی ہیں باخبر، معنی اس جملے کے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہیں، اس لئے حواس کے ذریعے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا اور خبیر ہیں اس لئے ساری کائنات کا کوئی ذرہ ان کے علم وخبر سے باہر نہیں۔

یہ نام قرآنِ کریم میں ۴۵ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[2]

❷ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾[3]

❸ ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾[4]

الخبیر جل جلالہ عالم کے ذرّے ذرّے سے باخبر ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾[5]

---

[1] هُوَ الَّذِي لَا تَعْزُبُ عَنْهُ الْأَخْبَارُ الْبَاطِنَةُ، وَلَا يَجْرِي فِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ شَيْءٌ وَلَا يَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ وَلَا يَسْكُنُ، وَلَا يَضْطَرِبُ نَفْسٌ وَلَا يَطْمَئِنُّ، إِلَّا وَيَكُوْنُ عِنْدَهُ خَبَرُهُ. وَهُوَ بِمَعْنَى الْعَلِيْمِ، لٰكِنَّ الْعِلْمَ إِذَا أُضِيْفَ إِلَى الْخَفَايَا الْبَاطِنَةِ سُمِّيَ خِبْرَةً، وَسُمِّيَ صَاحِبُهَا خَبِيْرًا. (المقصد الاسنىٰ: ٦٣، نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ١/٢٦٩)

[2] الحديد: ١٠ [3] الأنعام: ٧٣ [4] فاطر: ٣١ [5] الشورىٰ: ٢٧

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ خبیر ہے ہمارے عزم و ارادے، فکر و خیال یا حرکت و عمل اس کے علم سے باہر نہیں ہے، وہ ہماری خلوتوں (تنہائی) کے رازوں کو بھی دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہمارے دلوں کی نیتوں اور ارادوں سے بھی واقف ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ﴾[1]

یعنی جو اسرار (راز) لوگوں کے سینوں میں مخفی ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور وہ خبریں جو لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں، اُن سے بھی باخبر ہے۔

کوئی خصلت یا کوئی چیز اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو کہ پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر، یا آسمان کی بلندی پر، یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہاں سے لا حاضر کرے گا، آدمی کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رکھے کہ ہزاروں پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا وہ اللہ پاک کے سامنے ہے، چناں چہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

ہر چیز خواہ دور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہہ میں سب کی خبر رکھنا اسی ''اَلْخَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شان ہے۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ ''اَلْخَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے علاوہ کسی کو بھی ہر چیز کا بروقت خبر رکھنے والا نہ سمجھے بل کہ ماضی، حال اور مستقبل کی خبریں اس ذات کے علم میں ہونے کا یقین بنائے۔[2]

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کا سچا یقین رکھے کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کے ایک ایک ذرّہ پر اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز ہو اسی طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو، اللہ تعالیٰ کے علم و نظر سے نہیں چھپ سکتی اور وہ جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں: ﴿یٰبُنَیَّ اِنَّہَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾[3] کا یہی مطلب ہے کہ اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو ''اَلْخَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اُس سے باخبر ہے۔ انسان اچھا یا برا کام کتنا ہی چھپ کر کرے ''اَلْخَبِیْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے علم میں ہے، قیامت کے دِن ضرور حاضر کیا جائے گا یعنی اس کا بدلہ دے گا۔ رائی کے دانے کی مثال سورۂ لقمٰن کی آیت نمبر ۱۶ میں اس لئے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن ترازو کے پلڑے کو جھکا نہیں سکتا۔ حدیث شریف میں ہے اگر تم میں سے کوئی بے سوراخ کے پتھر میں بھی کوئی کام کرے گا جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ ہی کھڑکی اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا۔ چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔[4] اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اللطیف یعنی باریک بین اور الخبیر یعنی باخبر ہے۔

---

[1] لقمٰن: ۱۶　[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۸۱　[3] لقمٰن: ۱۶　[4] مسند احمد: ۲۸/۳، رقم: ۱۰۸۴۶

besturdubooks.wordpress.com

اَلْحَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(نہایت بردبار)

اس اسم مبارک کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

ان چھ تعریفوں کو پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجیے کہ دل میں یہ تعریفیں اتر جائیں، زندگی اس رخ پر گزر جائے۔

❶ اَلْحَلِيْمُ: يَعْنِيْ أَنَّهٗ ذُوْ أَنَاةٍ، لَا يُعَجِّلُ عَلٰى عِبَادِهٖ بِعُقُوْبَتِهِمْ عَلٰى ذُنُوْبِهِمْ.[1]

تَرْجَمَہ: حافظ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''الحلیم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو نرمی کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کو گناہ پر عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

❷ اَلْحَلِيْمُ: هُوَ ذُو الصَّفْحِ وَالْأَنَاةِ، الَّذِيْ لَا يَسْتَفِزُّهٗ غَضَبٌ، وَلَا يَسْتَخِفُّهٗ جَهْلُ جَاهِلٍ، وَلَا عِصْيَانُ عَاصٍ.[2]

تَرْجَمَہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''الحلیم جل جلالہ'' وہ ایسا معاف کرنے والا اور نرمی کرنے والا ہے، جس کی نرمی کو نہ غصہ ختم کرتا ہے اور نہ جاہلوں کی جاہلانہ باتیں اور نہ ہی گناہ گاروں کے گناہ اس کو کم کرتے ہیں۔

❸ حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''حَلِيْمٌ وَّ غَفُوْرٌ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ بندے اس کی ذات کا انکار اور اس کی نافرمانیاں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے، ان کے معاملے کو مؤخر کرتا ہے، ان کو مہلت دیتا ہے اور ان پر جلدی نہیں فرماتا اور پھر دوسروں کی نظروں سے اُن کے عیوب کو چھپاتا ہے اور اُن کو معاف کر دیتا ہے۔[3]

امام ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ''الحلیم جل جلالہ'' ہیں بندے کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے، تاکہ بندہ کو مہلت مل جائے اور وہ گناہ سے توبہ کر لے۔[4]

---

[1] جامع البیان: ۳۲۷/۲ نقلا عن النّهج الأسمٰی: ۲۷۴/۱ [2] النهج الأسمٰی: ۲۷۴/۱

[3] قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (حَلِيْمٌ غَفُوْرٌ): أَنْ يَّرٰى عِبَادَهٗ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِهٖ وَيَعْصُوْنَهٗ، وَهُوَ يَحْلُمُ فَيُؤَخِّرُ وَيُنْظِرُ، وَيُؤَجِّلُ وَلَا يُعَجِّلُ، وَيَسْتُرُ آخَرِيْنَ وَيَغْفِرُ. (تفسیر ابن کثیر: ۷۴۰/۳ فاطر: ۴۱)

[4] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ:

وَهُوَ الْحَلِيْمُ فَلَا يُعَاجِلُ عَبْدَهٗ ... بِعُقُوْبَةٍ لِيَتُوْبَ مِنْ عِصْيَانِ

(النونية: ۲۲۷/۲، نقلاً عن النهج الأسمٰی: ۲۷۶/۱)

besturdubooks.wordpress.com

❹ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کی زیادتی کرتا ہے، باوجودیکہ مخلوقات کے گناہ اور غلطیاں بہت زیادہ ہیں اور ان کے گناہوں کے مقابلے میں نرمی کا معاملہ کرتا ہے اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں اور ان کو مہلت دیتا ہے، تاکہ وہ رجوع کرلیں۔[1]

وہ گناہوں پر فوراً پکڑ نہیں کرتا، اس لئے نہیں کہ وہ عاجز ہے، بل کہ وہ اپنے حلیم ہونے کی بنا پر معاف کرتا ہے اور درگزر کرتا رہتا ہے اور قدرت ہونے کے باوجود ان کو مہلت دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔

اس کا حلم اس لئے نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال سے ناواقف ہے، بل کہ وہ ہر خیانت کرنے والی آنکھ اور دلوں کے رازوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾[2]

تَرجَمَہ: ''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا ہے اور بڑا حلم والا ہے۔''

وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے، جس کی جب چاہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمالِ حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا، سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔[3]

اور اسی طرح اس کا حلم اس لئے نہیں ہے کہ اس کی کوئی حاجت بندوں سے اٹکی ہوئی ہے، بل کہ وہ مخلوق سے مستغنی ہے، دراصل وہ درگزر اور معاف کرنے والا ہے۔[4]

❺ امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس معنی کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے کہ جو اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ان پر انعامات اور آسائشوں کو روکتا نہیں ہے، بل کہ وہ جس طرح ایک فرماں بردار کو رزق دیتا ہے، اسی طرح نافرمان کو بھی رزق دیتا ہے، اور ان نعمتوں کا نزول مسلسل اپنے گناہ گار بندوں پر بھی کرتا رہتا ہے،

---

[1] وَقَالَ السَّعْدِيُّ: (اَلْحَلِيْمُ): الَّذِيْ يَدُرُّ عَلٰى خَلْقِهِ النِّعَمَ الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ، مَعَ مَعَاصِيْهِمْ وَكَثْرَةِ زَلَّاتِهِمْ، فَيَحْلُمُ عَنْ مُقَابَلَةِ الْعَاصِيْنَ بِعِصْيَانِهِمْ وَيَسْتَعْتِبُهُمْ كَيْ يَتُوْبُوْا، وَيُمْهِلُهُمْ كَيْ يُنِيْبُوْا. (تيسير الكريم الرحمٰن: فصل في اصول وكلّيات من اصول التفسير: ٩٤٨)

[2] الاحزاب: ٥١ [3] تفسير ماجدى: ٨٥٣، الاحزاب: ٥١

[4] فَحِلْمُهُ لَيْسَ لِعَجْزِهِ عَنْهُمْ، وَإِنَّمَا هُوَ صَفْحٌ وَعَفْوٌ عَنْهُمْ، أَوْ إِمْهَالٌ لَهُمْ مَعَ الْقُدْرَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ.

وَحِلْمُهُ أَيْضًا لَيْسَ عَنْ عَدَمِ عِلْمِهِ بِمَا يَعْمَلُ عِبَادُهُ مِنْ أَعْمَالٍ، بَلْ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَلِيْمُ الَّذِيْ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْعَيْنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ. قَالَ سُبْحَانَهُ: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾ (الاحزاب: ٥١)

وَحِلْمُهُ عَنْ خَلْقِهِ لَيْسَ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهِمْ، إِذْ هُوَ سُبْحَانَهُ يَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَصْفَحُ وَيَغْفِرُ مَعَ اسْتِغْنَائِهِ عَنْهُمْ، قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى: ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ٢٣٥) (النهج الأسمٰى: ١/٢٧٦، ٢٧٧)

besturdubooks.wordpress.com

جس طرح ایک فرماں بردار اور متقی پر کرتا رہتا ہے۔[1]

❷ علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عجیب بات فرماتے ہیں: (اللہ کرے ہم اس پر عمل کرنے والے بن جائیں، پڑھنے سے پہلے دو رکعت صلوٰۃ الحاجات پڑھ کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی اس ہدایت پر عمل کرنا آسان فرمادے، تاکہ ''اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے ہمارا تعلق مزید مضبوط ہو جائے)۔

''جو شخص یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کے ساتھ حلم و کرم کا معاملہ فرماتا ہے، تو اس شخص پر ضروری اور واجب ہے کہ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ نرمی و بردباری کا معاملہ کرے جو اس کے حکموں کے خلاف چلتے ہیں اور یہی چیز انسان کے دین کے لئے اور اس کی صحت کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ نرم خو، بردبار، سنجیدہ و باوقار رہے، تو نتیجۃً یہ شخص اس وصف سے حلم کی اتنی مقدار حاصل کرلے گا جس سے غصہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور برائی کرنے والے سے بدلہ لینے کا جذبہ بھی دور ہو جاتا ہے، بل کہ درگزر کرنے کی اس قدر عادت ڈالنی چاہئے کہ معاف کرنا طبیعت بن جائے اور جیسا کہ تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تیرا مالک تیرے ساتھ نرمی والا معاملہ کرے، اسی طرح تو بھی اپنے ماتحتوں، بیوی، بچوں، شاگردوں اور ملازموں کے ساتھ نرمی والا معاملہ کر۔ اس لئے کہ تجھ کو بھی بردباری کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔[2]

یہ اسم مبارک قرآنِ کریم میں گیارہ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾[3]

❷ ﴿وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ﴾[4]

❸ ﴿وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا﴾[5]

اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر دعا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مُدَّظِلُّہُ الْعَالِي فرماتے ہیں:

---

[1] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ فِيْ مَعْنَى (اَلْحَلِيْمُ): الَّذِيْ لَا يَحْبِسُ إِنْعَامَهُ وَأَفْضَالَهُ عَنْ عِبَادِهِ لِأَجْلِ ذُنُوْبِهِمْ، وَلٰكِنْ يَرْزُقُ الْعَاصِيَ كَمَا يَرْزُقُ الْمُطِيْعَ، وَيُبْقِيْهِ وَهُوَ مُنْهَمِكٌ فِيْ مَعَاصِيْهِ، كَمَا يُبْقِي الْبَرَّ التَّقِيَّ. (المنهاج فى شعب الايمان: ۲۰۰/۱ تا ۲۰۱ نقلا عن النهج الأسمٰى: ۲۷۷/۲)

[2] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: فَمِنَ الْوَاجِبِ عَلٰى مَنْ عَرَفَ أَنَّ رَبَّهُ حَلِيْمٌ عَلٰى مَنْ عَصَاهُ أَنْ يَحْلُمَ هُوَ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرَهُ فَذٰلِكَ بِهِ أَوْلٰى حَتّٰى يَكُوْنَ حَلِيْمًا. فَيَنَالُ مِنْ هٰذَا الْوَصْفِ بِمِقْدَارِ مَايَكْسِرُ سَوْرَةَ غَضَبِهِ وَيَرْفَعُ الْإِنْتِقَامَ عَمَّنْ أَسَاءَ إِلَيْهِ. بَلْ يَتَعَوَّدُ الصَّفْحَ حَتّٰى يَعُوْدَ الْحِلْمُ لَهُ سَجِيَّةً. وَكَمَا تُحِبُّ أَنْ يَحْلُمَ عَنْكَ مَالِكُكَ، فَاحْلُمْ أَنْتَ عَمَّنْ تَمْلِكُ لِأَنَّكَ مُتَعَبَّدٌ بِالْحِلْمِ، مُثَابٌ عَلَيْهِ. (الكتاب الاسنٰى: ۲٦٥ النهج الأسمٰى: ۲۸۰/۱)

[3] البقرة: ۲۳۵ [4] البقرة: ۲٦۳ [5] الاحزاب: ۵۱

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات، اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کامل اور مکمل طور پر بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود خاصیتیں رکھی ہیں، اس لئے جب خود حضور اقدس ﷺ (صلاۃ الحاجۃ کی دعا کے طور پر) یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسمائے حسنیٰ ہی کا ذکر کرو، تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز پنہاں (چھپا ہوا) ہوگا، لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات کہنے چاہئیں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو۔ (چناں چہ جب کوئی حاجت وضرورت پیش آجائے، تو دو رکعت نماز پڑھ کر جو کلمات سکھلائے گئے ہیں، اُن ہی کلمات سے دعا کریں۔) وہ کلمات یہ ہیں:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ.... سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.... اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.... اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ.... وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ.... وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ.... وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ.... لَاتَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ"[1]

اب اس دعا کے ایک ایک جملے کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ کیجیے۔

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہے اور کریم ہے۔"

"حِلْم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور "کَرَم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کرسکوں۔

اس وجہ سے کہ میرے گناہ بے شمار ہیں، میری خطائیں بے شمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے، لیکن چوں کہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطا کار ہو، اس کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آکر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بل کہ اپنی صفت "حِلْم" کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں آپ کو آپ کی صفتِ "حِلْم" کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں اور آپ کی صفت "حِلْم" کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔

اور پھر صفتِ "کَرَم" کا معاملہ فرمائیں، یعنی صرف یہ نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں، بل کہ مزید نوازشات عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اوپر فرمائیں، لہٰذا صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر اس دعا کا اہتمام فرمائیں۔

[1] ابوداؤد، الصلوٰۃ، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل: ۱/۱۸۷

besturdubooks.wordpress.com

اس کے بعد فرمایا: "سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ"......

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

"وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"......

ترجمہ: "اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے:

"اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ"......

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت ملنے کا سبب ہوں۔"

"وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ"......

ترجمہ: "اور آپ کی طرف سے پختہ مغفرت عطا کیے جانے کا سوال کرتا ہوں۔"

"وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ"......

ترجمہ: "اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمائیے۔"

"وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ"......

ترجمہ: "اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھیے۔"

"لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ"......

ترجمہ: "ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑیے، جس کو آپ نے معاف نہ فرما دیا ہو" (یعنی ہر گناہ کو معاف فرما دیجئے۔)

"وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ"......

ترجمہ: "اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیے، جس کو آپ نے دور نہ فرما دیا ہو" (یعنی کوئی شدید غم ایسا نہ چھوڑیے، جس کو دُور کر کے کشادگی نہ دی ہو)۔

"وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ"......

ترجمہ: "اور ہماری کوئی حاجت، جس میں آپ کی رضا مندی ہو، ایسی نہ چھوڑیے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرما دیا ہو۔"

یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے۔ یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے۔ اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ یقین ہو کہ زبانِ نبوت سے سکھلائی گئی یہ دعا جب اُمتی شرائط کے ساتھ اور اخلاص سے مانگیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو اپنی رحمت سے ضرور قبول فرمائیں گے۔

besturdubooks.wordpress.com

ہر ضرورت کے لئے نمازِ حاجت پڑھ کر دعا مانگیں

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى." [1]

یعنی جب کبھی حضور اقدس ﷺ کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا، تو آپ ﷺ سب سے پہلے نماز کا اہتمام فرماتے، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرما دیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔ (اسی طرح بچے بھی والدین کے پاس ضرورت لے کر آئیں، تو ان کو بھی سمجھائیں کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر ظاہری سبب کے طور پر ہم کو اطلاع دو)۔

"صلوٰۃُ الحاجۃ" کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

دو رکعت "صلوٰۃُ الحاجۃ" کی نیت سے پڑھیں، اور اس صلوٰۃ الحاجۃ کے پڑھنے کے طریقے میں اور دوسری عام نفلی نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "صلوٰۃُ الحاجۃ" پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے وغیرہ وغیرہ، لیکن حضور ﷺ نے "صلوٰۃُ الحاجۃ" کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے، اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ مخصوص طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی قرآن کی سورۃ کی لازمی درجہ میں تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے مجربات میں سے ہے کہ اگر "صلوٰۃُ الحاجۃ" میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو اس کو سنت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سنت سمجھ کر اختیار کرے گا، تو وہ بدعت ہو جائے گا، چناں چہ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے، کہ جب صلوٰۃُ الحاجۃ پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں "سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ" اور دوسری رکعت میں "سورَۃُ النَّصْرِ" پڑھ لیا کرو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورتیں نمازِ حاجت میں پڑھنا سنت ہے، بل کہ بزرگوں کے تجربے سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر (کبھی کبھی) پڑھ لے، تو اس میں

[1] ترمذی، الوتر، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ: ۱/۱۰۸

besturdubooks.wordpress.com

سنت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہر حال صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، بل کہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کرلے کہ میں دو رکعت "صلوٰۃ الحاجۃ" کے طور پر پڑھتا ہوں۔[1]

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کریں:

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ان الفاظ سے دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرے، لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کردے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو، حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔"[2]

یعنی اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔

لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تو بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے دربار سے مانگنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے کہ جوتے کے تسمے کا درست ہو جانا ہماری نسبت سے یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ اس کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں۔ ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد، اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[3] "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" اس کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے ہر حاجت بڑی ہو یا چھوٹی، بس اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو اور پھر مسنون اور مشروع طریقے پر تدبیر کرو۔ بس شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اس بندے نے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز جانا۔

نمازِ حاجت کی برکت

واقعہ نمبر ⑥۰: پچھلے زمانے میں مسلمان بادشاہ اور رعایا دونوں اللہ کی ذات پر یقین رکھتے تھے۔ مشکل وقت میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے مانگتے تھے اور مسئلہ حل کروا لیتے تھے۔ عرب حضرات کی ایک جماعت ملتان آئی۔ ایک ساتھی نے سب حاضرین کو بتایا کہ کسی بھی ضرورت کے وقت دو نفل پڑھ کر اللہ کی ذات سے مانگ لیں اور اللہ سے مانگنا بہت ہی اچھا ہے۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱۰/۴۲، ۴۳　[2] ترمذی، الدعوات، باب (لیسأل أحدکم ربّه حاجته): ۲/۲۰۱　[3] البقرة: ۲۰

besturdubooks.wordpress.com

اسی طرح کا واقعہ اسلامی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے بارے میں ملتا ہے۔ سلطان محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بت پرستی کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان پر سترہ حملے کئے، آخری حملہ سومنات کے بت کو ختم کرنے کے لئے کیا۔ اللہ کی ذات نے اس کو کامیابی سے نوازا اور کافی مال و متاع ہاتھ لگا۔ ہندو قوم ان کی دشمن ہوگئی۔ واپسی پر ان کے گائیڈ (راستہ بتانے والے) جو پہلے ہندوؤں سے ملے ہوئے تھے انہوں نے سلطان کی فوج کو راجپوت کے ریگستان میں ڈال دیا جہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے فوج کے جانور پیاس سے مرنے لگے اور فوج کے پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔

سلطان غزنوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو اطلاع ملی کہ فوج کے راہ بر گائیڈ خوش ہیں اور تمام فوج پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہے۔ فوج کے راہ بروں کے خوش ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے خفیہ کسی کو بتایا کہ سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ہمارے دیوتاؤں کو تنگ کیا ہے اس لئے وہ اور اس کی ساری فوج دیوتا کی بددعا سے پیاسی مر جائے گی۔

سلطان غزنوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو یہ سن کر حیرانگی ہوئی اور جوش ایمانی میں بول پڑا کہ ہمارا رب بہت ہی طاقتوں کا مالک ہے۔ سلطان مرحوم کو اللہ کی ذات پر یقین تھا۔ دو نفل صلوٰۃ الحاجۃ پڑھے اور اللہ سے تمام مشکلات کے لئے دعا کی، ابھی دعا مانگ رہا تھا کہ اس کے اوپر سے دو مرغابیاں اڑتی ہوئی گزریں۔ صحرا میں مرغابیاں خوش خبری کی علامت تھیں۔ گھوڑ سواروں کا ایک گروپ مرغابیاں جہاں سے آرہی تھیں ادھر بھیجا اور ایک گروپ جدھر جارہی تھیں وہاں بھیجا۔ لشکر کے پڑاؤ کے قریب دریائے گھاگھرا بہہ رہا تھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دریا اب صدیوں بعد خشک ہو چکا ہے۔ اسلامی لشکر نے وہاں سے اپنی ضروریات پوری کیں۔

سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے گائیڈوں کو بلایا اور اللہ کی ذات کی قدرت بتائی کہ ہمارا اللہ اتنی قدرتوں کا مالک ہے کہ دو نفل پڑھ کر ہمارا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ بتوں کی نفی کی اور ہندو راہ بروں کو مروا دیا اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا۔ واقعی ہم اللہ کو بھلا دیتے ہیں، مگر وہ ذات ہمیں کبھی نہیں بھلاتی۔ [1]

حلم و بردباری "اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی محبوب صفات میں سے ہے

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر (حلم) کرنے والا کوئی نہیں، جو اپنے بندوں سے یہ باتیں سنتا ہے کہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا بیٹا (یا اس کا شریک) ٹھہراتے ہیں اس کے باوجود، وہ ان بندوں کو رزق بھی دیتا ہے اور عافیت بھی دیتا ہے۔" [2]

---

[1] ماہنامہ الخیر: مارچ ۲۰۰۵ء

[2] "لَیْسَ اَحَدٌ اَوْ لَیْسَ شَیْءٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی سَمِعَهٗ مِنَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ لَیَدْعُوْنَ لَهٗ وَلَدًا وَ اِنَّهٗ یُعَافِیْهِمْ وَیَرْزُقُهُمْ" (بخاری، الأدب، باب الصبر والاذٰی ......: ۹۰۱/۲)

besturdubooks.wordpress.com

ایک اور حدیث میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْأَشَجِّ ...... أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ، اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ."[1]

تَرْجَمَہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار "اشج" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔"

وَاقِعَہ نمبر (۶۱): قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ تو اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بل کہ اتر کر پہلے سارے سامان کو یک جا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں:

1. حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا۔
2. أناة یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بل کہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام حلم اور وقار کے ساتھ انجام دیں

حدیث شریف میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ."[2]

تَرْجَمَہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔"

یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت، ایک اچھی عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْإِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ."[3]

---

[1] مسلم، الایمان، باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ: ۱/۳۵

[2] الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التأنی والعجلة: ۲/۲۱

[3] الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التأنی والعجلة: ۲/۲۱

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔“

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے، یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جن فضائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی اختیار کرنا۔[1]

بردبار بننے کے لئے آپ ﷺ کی ایک وصیت

”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِیْ، قَالَ: لَاتَغْضَبْ، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضَبْ“۔[2]

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اُس شخص نے اپنی (وہی) درخواست کئی بار دہرائی۔ آپ ﷺ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔“

غصہ آئے تو یہ وصیت یاد کر لیجئے کہ میرے محبوب ﷺ نے وصیت فرمائی ”لَاتَغْضَبْ۔“ ”غصہ نہ کیا کرو۔“ ان شاء اللہ اس کو سوچتے ہی ہمت پیدا ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ غصہ آنے کے بعد وہ دو کام کریں جو آپ ﷺ نے بتلائے ہیں:

1. ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو (دین) سکھاؤ، خوش خبریاں سناؤ اور دشواریاں پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ خاموشی اختیار کر لے۔“[3]

2. ”حضرت عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان (کے اثر) سے ہوتا ہے۔ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۲۳۵

[2] البخاری، الادب، باب الحذر من الغضب: ۲/۹۰۳

[3] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْیَسْكُتْ.“ (مسند احمد: ۱/۲۳۹، رقم: ۲۱۳۷)

besturdubooks.wordpress.com

آئے تو اس کو چاہئے کہ وضو کرلے۔" [1]

فوائد و نصائح

❶ "الحلیم جل جلالہ" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی کام میں جلد بازی نہ کرے..... سکون، ...... وقار، ...... حلم و بردباری ...... کو ہمیشہ اپنی زندگی کا شیوہ بنائے، تاکہ کسی بھی کام میں شیطان اور نفس کے جال میں پھنس کر غصہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اگر انسانوں میں سے کسی سے تکلیف پہنچے تو ظاہری طور پر توبہ کرے اور باطنی طور پر اپنی کی کوتاہی ڈھونڈ کر اصلاح کرے۔

❷ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے ہر کام کو حلم، متانت، وقار سے کرے اور صفتِ حلم کو اختیار کرے کہ یہ بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔

"الحلیم جل جلالہ" کا حلم و بردباری مسلمان، کافر، گناہ گار، نیک سب کو حاصل ہے، اس لئے کہ کتنے ہی گناہ گار ہیں جن کو مہلت دی ہوئی ہے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے، لیکن قربان جایئے "الحلیم جل جلالہ" پر کہ پھر بھی انہیں محروم نہیں فرماتے۔

آسمان و زمین، پہاڑ و سمندر روزانہ اجازت چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کہ گناہ گاروں کو ختم کر ڈالیں لیکن "الحلیم جل جلالہ" ان سب کو منع فرماتے ہیں۔ [2]

لہٰذا "الحلیم جل جلالہ" سے حلم مانگیں، بردباری صبر و تحمل مانگیں اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ" والی دعا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہے مانگنے کا خوب اہتمام کریں۔

---

[1] "عَنْ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ." (ابوداؤد، الادب، باب ما يقال عند الغضب: ۳۰٤/۲)

[2] المنهج للامام الجوزی: ۳٤٦

besturdubooks.wordpress.com

العظیم جل جلالہ

(بڑی عظمت والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ: هُوَ الَّذِيْ جَاوَزَ قَدْرُهُ عَزَّوَجَلَّ حُدُوْدَ الْعُقُوْلِ، حَتّٰى لَا تُتَصَوَّرُ الْإِحَاطَةُ بِكُنْهِهٖ وَ حَقِيْقَتِهٖ.[1]

ترجمہ: "العظیم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اس کی حقیقت کا نہ تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی احاطہ ممکن ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ عظمت والے ہیں بلا کسی کے ساتھ مقابلہ کے۔ پس وہ اپنی ذات وصفات میں بھی بڑے عظمت والے ہیں، اپنے تمام اسماء میں بھی عظیم ہیں، دیکھنے میں بھی سننے میں بھی اپنی قدرت وقوت میں بھی اور اپنے علم میں بھی عظیم ہیں۔ پس کسی چیز میں ان کی عظمت کی کمی جائز نہیں۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان کی منشا میں تصرف کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "اَلنُّوْنِيَة" میں اسی بات کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر اس معنی کے ساتھ عظیم ہے جس کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔ تعظیم کی وجوہات کسی انسان کے شمار میں نہیں آ سکتیں۔[2]

---

[1] النهاية: ٢٥٩/٣، نقلًا عن النهج الاسمٰى: ٢٨٣/١

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ، هُوَ الْعَظِيْمُ الْمُطْلَقُ، فَهُوَ عَظِيْمٌ فِيْ ذَاتِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ أَسْمَائِهٖ كُلِّهَا، عَظِيْمٌ فِيْ صِفَاتِهٖ كُلِّهَا، فَهُوَ عَظِيْمٌ فِيْ سَمْعِهٖ وَ بَصَرِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ قُدْرَتِهٖ وَ قُوَّتِهٖ، عَظِيْمٌ فِيْ عِلْمِهٖ ......، فَلَا يَجُوْزُ قَصْرُ عَظَمَتِهٖ فِيْ شَيْءٍ دُوْنَ شَيْءٍ، لِأَنَّ ذٰلِكَ تَحَكُّمٌ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ مُقَرِّرًا ذٰلِكَ:

وَهُوَ الْعَظِيْمُ بِكُلِّ مَعْنًى يُوْجِبُ ... التَّعْظِيْمَ لَا يُحْصِيْهِ مِنْ إِنْسَانٍ

(النونية: ٢١٤/٢ (النهج الأسمٰى: ٢٨٤/١)

besturdubooks.wordpress.com

❷ ''علامہ حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''العظیم جل جلالہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس کی حکم عدولی نہ کی جا سکے، جیسا کہ ''عظیم القوم'' کہا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ قوم کے سیاہ وسفید کا مالک ہے، نہ کوئی اس کے مقابل کھڑا ہوسکتا ہے نہ اس کے حکم کی مخالفت کرسکتا ہے۔''

دنیا کا بڑا سے بڑا شخص بھی ایک وقت میں بیمار ہوکر یا اپنے منصب سے ہٹ کر یا موت کے گھاٹ پر اتر جانے کے بعد اس کا جاہ وجلال ختم ہوجایا کرتا ہے، اس کی عظمت ختم ہوجاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے عظیم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، کوئی اسے کسی زمانے میں اور کسی حال میں بھی عاجز نہیں کرسکتا اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس پر دباؤ ڈال کر اس کی نافرمانی کی جاسکے، یا زبردستی اس پر غلبہ پا کر اس کے حکم کی مخالفت کی جائے۔ وہی حقیقتاً ''العظیم جل جلالہ'' ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ نام (صرف) مجازاً بولا جاتا ہے۔[۱]

عربی زبان میں ایک عجیب سی حلاوت وحرارت ہے جس کی حقیقی ترجمانی ممکن نہیں، جو عربی سے واقف ہوں گے وہی اس تعریف کی لذت پاسکیں گے، عربی زبان میں کیا پیاری تعریف کی گئی ہے:

❸ **هُوَ الَّذِيْ لَا تَكُوْنُ عَظَمَتُهٗ بِتَعْظِيْمِ الْأَغْيَارِ، جَلَّ قَدْرُهٗ عَنِ الْحَدِّ وَالْمِقْدَارِ، وَقِيلَ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَيْسَ لِعَظَمَتِهٖ بِدَايَةٌ، وَلَا لِجَلَالِهٖ نِهَايَةٌ.**[۲]

''العظیم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جس کی عظمت اپنی ذاتی ہے، کسی غیر کی عظمت کی وجہ سے وہ عظیم نہیں ہے۔ اس کی شان اس بات سے بہت اونچی ہے کہ جسے کسی حد اور مقدار سے سمجھا جاسکے جس کی عظمت کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ ہی اس کی جلالتِ شان کی کوئی انتہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: (حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا) ''کیا ہوا ہے تم کو، کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی۔''[۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تم نے اللہ ربّ العزت کی عظمت کو کما حقہ نہیں پہچانا'' اور (فرمایا) اللہ ربّ العزت کی عظمت یہ ہے کہ تم کسی بھی مخلوق کو اللہ ربّ العزت کے ساتھ کسی بھی چیز میں برابری مت دو۔

نہ ہی الفاظ میں اس طور پر کہ تم کہو ''اللہ کی قسم اور تیری زندگی کی قسم'' (یہاں اللہ ربّ العزت کے نام کی عظمت کے

---

[۱] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ فِيْ(الْعَظِيْمِ): وَمَعْنَاهُ الَّذِيْ لَا يُمْكِنُ الْإِمْتِنَاعُ عَلَيْهِ بِالْإِطْلَاقِ، لِأَنَّ عَظِيْمَ الْقَوْمِ إِنَّمَا يَكُوْنُ مَالِكَ أُمُوْرِهِمْ، الَّذِيْ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى مُقَاوَمَتِهٖ وَمُخَالَفَةِ أُمُوْرِهٖ، إِلَّا أَنَّهٗ وَإِنْ كَانَ كَذٰلِكَ، فَقَدْ يَلْحَقُهُ الْعِجْزُ بِآفَاتٍ تَدْخُلُ عَلَيْهِ فِيْمَا بِيَدِهٖ فَتُوَهِّنُهٗ وَتُضَعِّفُهٗ، حَتّٰى يُسْتَطَاعَ مُقَاوَمَتُهٗ، بَلْ قَهْرُهٗ وَإِبْطَالُهٗ، وَاللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ، وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُعْصٰى كُرْهًا، أَوْ يُخَالَفَ أَمْرُهٗ قَهْرًا. فَهُوَ الْعَظِيْمُ إِذًا حَقًّا وَصِدْقًا، وَكَانَ الْإِسْمُ لِمَنْ دُوْنَهٗ مَجَازًا. (النهج الاسمٰى: ۱/۲۸٤)

[۲] لوامع البيّنات في الأسماء والصفات: ۲٦۰ [۳] النوح: ۱۳

besturdubooks.wordpress.com

ساتھ مخلوق کو ملا دیا) اسی طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہیے ’’میرا اللہ تعالیٰ کے سوا اور تیرے سوا کوئی سہارا نہیں۔‘‘ (یہاں بھی اللہ ربّ العزت کے ساتھ مخلوق کی تعظیم کو شامل کرلیا گیا ہے)۔

اس طرح یوں بھی نہیں کہنا چاہیے ’’ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور تو چاہے گا‘‘ (ایسے الفاظ بھی تعظیم کے منافی ہیں) اس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یہ حق ہے کہ کسی بھی مخلوق کو محبت ......، تعظیم ......، بزرگی اور اطاعت ...... میں اللہ ربّ العزت کے برابر نہ دل سے سمجھا جائے اور نہ ہی زبان سے کہا جائے۔[1]

یہ ’’اسم مبارک‘‘ قرآن کریم میں نو مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ﴾[2]

❷ ﴿فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ﴾[3]

❸ ﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ﴾[4]

تمام مخلوقات العظیم جل جلالہ کی عظمت کی دلیل ہیں

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور کریں، جس میں کئی بلین سے بھی زائد ستارے اور کہکشائیں جن کا شمار ممکن نہیں اپنے اپنے مدار پر سرگرم سفر ہیں، مگر پھر بھی ان سب میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ستارے، سیارے اور سب سیٹلائٹ اپنے اپنے محوروں کے گرد اور اس نظام کے اندر گردش کرتے ہیں جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زمین اپنے محور کے گرد ۱۶۷۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی سمتی رفتار سے گردش کرتی ہے۔ جب ہم اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ سب سے تیز گولی کی سمتی رفتار (Velocity) ۱۸۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے تو اس سے ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین اپنی بہت بڑی جسامت کے باوجود کس قدر تیزی سے گردش کر رہی ہے۔ سورج کے گرد زمین کی اپنے مدار پر رفتار گولی کی رفتار سے تقریباً ۶۰ مرتبہ زیادہ ہوتی ہے جو ۱۰۸۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ بنتی ہے۔ نظامِ شمسی کہکشاں کے مرکز کے گرد ۷۲۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے گردش کرتا ہے۔ خلاء میں خود ’’کہکشاں‘‘ (Milky Way) جس میں ۲۰۰ بلین ستارے ہیں کی رفتار ۹۵۰۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔

اس قدر زیادہ رفتار دراصل یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس زمین پر ہماری زندگیاں اسی طرح گزرتی ہیں جس طرح چاقو کی نوک پر گزاری جا رہی ہوں۔ اس قسم کے پیچیدہ نظام میں عام حالات میں تو بڑے بڑے حادثات پیش آنے کے

---

[1] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا تَعْرِفُوْنَ حَقَّ عَظَمَتِهٖ وَمِنْ عَظَمَتِهٖ أَنْ لَّا تَعْدِلَ بِهٖ شَيْئًا مِّنْ خَلْقِهٖ، لَا فِي اللَّفْظِ، بِحَيْثُ تَقُوْلُ وَاللّٰهِ وَحَيَاتِكَ، مَالِيْ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنْتَ، وَمَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَلَا فِي الْحُبِّ وَالتَّعْظِيْمِ وَالْإِجْلَالِ وَلَا فِي الطَّاعَةِ. (الدّرالمنثور: ۵۱۶/۷، النوح: ۱۳، فوائد الفوائد: ۹۴)

[2] البقرة: ۲۵۵ [3] الواقعة: ۹۶ [4] النمل: ۲۶

besturdubooks.wordpress.com

امکانات تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝﴾[1]

ترجمہ: ''جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادیا کہ اس نظام میں کوئی ''بے ربطی'' یا ''تناسب کی کمی'' نہیں پائی جاتی۔ اس کائنات کو اس کے اندر موجود تمام چیزوں سمیت بس یوں ہی اس کے اپنے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا گیا، بل کہ یہ تو ایک ایسے توازن کے مطابق کام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔[2]

انسان کو خود اپنے جسم کی تخلیق کے بارے میں سوچنا چاہیے، کوئی شخص ماں کے رحم میں بچے کو بنتے ہوئے دیکھے تو یہ تصور نہیں کرسکتا کہ اس اندھیری کوٹھڑی میں جو انسان تیار ہورہا ہے یہ مستقبل کا وزیرِ اعظم یا بادشاہ یا بڑا ڈاکٹر ہوگا۔ ماں کے پیٹ میں نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، مگر جب اس دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس پیدا کرنے والی عظیم ذات کو بھلا دیتا ہے۔

ایک نوزائدہ بچہ یا ایک چھ فٹ لمبے انسان کا جسم دس لاکھ کھرب خلیوں سے بنا ہوتا ہے۔ (خلیہ اینٹوں کی شکل کا ہوتا ہے جو صرف خوردبین سے نظر آتا ہے) زمین پر کوئی عمارت، حتیٰ کہ تجارتی مرکز کی بلند ترین عمارت بھی اتنی اینٹوں سے نہیں بنتی جتنے انسان میں خلیے ہیں۔ یہ تمام دس لاکھ کھرب خلیے اسی ایک خلیے سے لئے ہیں جو باپ کے مادہ تولید اور ماں کے انڈے کے ملاپ سے بنتا ہے۔ جسم کے مختلف اعضا مثلاً آنکھ، دل، ناک، گردے، دماغ وغیرہ اس ایک خلیے سے بنتے ہیں، مگر حیران کن حد تک مختلف مخصوص کام کرتے ہیں۔ یہ سب کس نے کیا؟ میرے اللہ العظیم جل جلالہ کی قدرت سے ہوا۔ حیران کن بات جو دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ کہ انسان کے جسم کا ہر عضو اپنے موزوں ترین مقام پر بنایا گیا ہے، مثلاً: اگر آنکھیں پاؤں پر ہوتیں تو دیکھنا مشکل ہوجاتا، یہ سب چیزیں العظیم جل جلالہ کی عظمت کی واضح دلیلیں ہیں۔

جس نے العظیم جل جلالہ کی عظمت کو جان لیا، دنیا اس کی نظر میں ذلیل ہے

واقعہ نمبر (۶۲): ❶ عبدالواحد بن زید کہتے ہیں: ایک مرتبہ میرا گزر ایک عبادت گاہ پر ہوا۔ وہاں ایک راہب (دنیا سے منقطع) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی، وہ نہ بولا۔ پھر دوسری مرتبہ پکارا پھر بھی نہ بولا۔ پھر تیسری

[1] الملک: ۳ تا ۴ [2] ''عقل والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں'': ۲۵۶

besturdubooks.wordpress.com

مرتبہ میں نے پکارا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: میں راہب نہیں ہوں، راہب وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو...... اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو...... اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو...... پھر اُس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو...... اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہو...... اس کی عظمت کے سامنے تواضع سے رہتا ہو...... اس کی عزت کے مقابلے میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو...... اس کی کامل اطاعت کرنے والا ہو...... اس کی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو...... میں تو ایک ہڑکایا ہوا کتا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں۔

میں نے اُن سے پوچھا: کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت کو جانتے ہیں پھر بھی اس سے ان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے؟

اس نے کہا: صرف دنیا کی محبت نے اور اس کی زیب و زینت نے اُن کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دنیا گناہوں کا گھر ہے، سمجھ دار اور عاقل وہ شخص ہے جو اس کی محبت کو اپنے دل سے نکال پھینکے اور اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف متوجہ ہو جائے اور ایسے کام کرے جو اسے عظیم ذات کے قریب کر دیں۔[1]

ہمیں یہ یقین بنانا چاہئے کہ عظمت و بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کو دیکھ کر دل میں یہی خیال کریں کہ یہ حقیر چیز ہے، عظیم نہیں ہے، اپنی زبان سے اَلْعَظِیْمُ کی عظمت کے علاوہ کسی کی عظمت نہ بولیں، کسی بھی چیز کی بڑائی دل میں نہ لائیں۔

کھڑی مٹی اور پڑی مٹی

❷ ہمارے بھائی امین صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (کراچی کے امیر) فرماتے تھے: دنیا کی بڑی سے بڑی عمارت پر جب نگاہ پڑے تو سوچو کہ دو مٹی کے درمیان کی شکل ہے، پہلے بھی مٹی تھی، اخیر میں بھی مٹی ہوگی، ایک میاں جی کو ہم جماعت میں لے کر نکلے تو کراچی کی سب سے بڑی عمارت دکھلائی کہ یہ ۲۵ منزلہ ہے، تو میاں جی نے کہا:

"کھڑی مٹی اور پڑی مٹی ہمارے لئے برابر ہے۔" یہ جملہ یاد رکھنا چاہئے۔ اگر اَلْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت کا یقین اور استحضار ہمارے دل میں ہو تو دنیاوی رُعب اور دبدبہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر اثر نہیں کرے گا۔

ع زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

اَلْعَظَمَةُ لِلّٰہِ

وَاقِعَۂ نمبر ۶۳: سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی بلندی اور خون ریزی میں بہت مشہور ہے، ایک مرتبہ وہ حضرت شیخ قطب الدین منور رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رہائش گاہ کے

---

[1] نزھة البساتین: ۳۱۱

besturdubooks.wordpress.com

قریب سے گزرا، حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس کے استقبال کے لئے باہر نہیں نکلے، سلطان کو یہ بات بہت ناگوار گزری، اور اس نے باز پرس کے لئے حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔

حضرت دربار میں داخل ہوئے تو ملک کے تمام بڑے بڑے اُمراء، وزراء اور فوجی افسر بادشاہ کے سامنے مسلح ہوکر کھڑے تھے۔ دربار کے رُعب ودبدبہ کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کے کلیجے پگھلے جارہے تھے۔ حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے نوعمر صاحبزادے نورالدین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔ انہوں نے اس سے قبل کبھی بادشاہ کا دربار نہیں دیکھا تھا، ان پر یہ منظر دیکھ کر رعب طاری ہوگیا۔ حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو مرعوب ہوتے دیکھا تو زور سے پکار کر کہا:

”اَلْعَظَمَةُ لِلّٰہِ!“ (عظمت تمام تر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے)

حضرت نورالدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جوں ہی اپنے والد کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی، میں نے اپنے اندر ایک عجیب وغریب قوت محسوس کی، میرے دل سے دربار کی ساری ہیبت زائل ہوکر رہ گئی، اور تمام حاضرین مجھے ایسے معلوم ہونے لگے جیسے وہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ ہو“ [۱]

اسی طرح مثلاً ہم ایک ایسا بادشاہ فرض کرلیتے ہیں جو ساری دنیا کا مالک ہو اور صاحبِ عظمت و بلندی ہو، لیکن اگر اس کی سلطنت ختم ہوجائے، تو اس کی عظمت ختم ہوجائے گی، معلوم ہوا وہ بذات خود عظیم نہ تھا، اس کی عظمت کسی دوسری چیز کی مرہونِ منت تھی، اس کی عظمت، سلطنت کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا جب سلطنت زائل ہوگئی تو اس کی عظمت بھی زائل ہو گئی، تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملیں گے کہ شاہانِ وقت کی سلطنت کسی دشمن نے چھین لی تو وہ ذلیل و برباد ہو گئے۔ قید خانوں میں گل سڑ کر مرگئے اور کسی نے بھی ان کی تعظیم نہ کی۔ بہادر شاہ ظفر رنگون میں اسیری کی زندگی گزار کر مر گئے۔

دراصل حقیقی اور ذاتی عظمت کا مالک وہی ”العظیم جل جلالہ“ ہے، اس کے سوا کوئی بھی ”العظیم“ نہیں، سب کی عظمتیں فانی اور غیر حقیقی ہیں۔ یہ دنیا رہے یا نہ رہے اس کی عظمت میں فرق نہیں پڑتا، وہ اس کائنات سے پہلے بھی ”العظیم جل جلالہ“ تھا اور اس کائنات کے بعد بھی ”العظیم جل جلالہ“ ہی رہے گا۔ [۲]

اللہ تعالیٰ کی عظمت سے انکار کرنا نہایت محرومی کا سبب ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ [۳]

---

[۱] تراشے: ۹۱ [۲] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ۲۶۴ [۳] الحاقۃ: ۳۰، ۳۳

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکۂ جہنم کو حکم ہوگا) اسے پکڑلو، پھر اسے طوق پہنادو، پھر اسے دوزخ میں ڈال دو، پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو، بے شک یہ اللہ، عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔

الْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے یہ بات ہے کہ انسان تمام منکرات وحرام کردہ چیزوں سے بچے جن کو اللہ ربُّ العزت نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات سے اس کی حرمت کو واضح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سب سے بڑی چیز شرک اور اس کی اقسام ہیں۔

الْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعظیم میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے احکامات پر چلے۔ ان میں سے سب سے بڑی چیز توحید اور عبادت میں اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔

اس سے زیادہ گمراہ کوئی شخص نہیں جو ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انکار کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوسروں کو شریک کرنے پر جما رہے، جو نہ خود اپنے رزق کے مالک ہیں اور نہ نفع اور نقصان کے، یہ مشرک اپنی حاجتیں پوری کرواتے ہیں، پتھروں اور قبروں سے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ پتھر کیسے انسان کی حاجتیں پوری کریں گے جو قبروں میں مدفون ہیں وہ تو ختم ہو گئے، ان کی ہڈیاں بھی چورا چورا ہو گئیں، اب وہ ان کی حاجت کو کیسے پورا کریں گے اور مریضوں کو کیسے شفا دیں گے۔ ایسے لوگ جو بتوں کے پاس یا مزاروں کے پاس یا پیروں، ولیوں کے لباس میں بیٹھے ہوئے جاہلوں، کاہنوں، نجومیوں، کے پاس جا کر اپنی ضرورتیں مانگتے ہیں، دنیا میں بھی اندھے اور دور کی گمراہی میں ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پس جب کوئی شخص ''الْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی تعظیم نہیں کرے گا تو اس کو عذابِ عظیم ہوگا۔ جو بڑے کا حقِ عظمت ادا نہیں کرے گا، تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

الْعَظِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت رکوع میں بیان کیجیے

❶ حضور نبی کریم ﷺ نے رکوع میں اس تسبیح کا حکم دیا ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، پس رکوع میں تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ'' بیان کرو اور سجدہ میں خوب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو، یہ اس کے مناسب ہے کہ تمہاری دعا قبول کی جائے۔[1]

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ''[2]

---

[1] مسلم، الصلوٰة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود: ۱۹۱/۱

[2] بخاري، اذان، باب الدعاء في الركوع، رقم: ۷۹۴

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”اے اللہ! تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار، اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے۔“

اس دعا کو بھی رکوع اور سجدہ میں پڑھنا چاہئے، اس سے تعدیل ارکان پر بھی عمل ہوگا اور جس سے نماز قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی۔

فوائد و نصائح

❶ ”العظیم جل جلالہٗ“ کی عظمت ہر مسلمان کے دل و دماغ پر اتنی چھائی ہوئی ہو کہ وہ کسی اور کو عظیم نہ سمجھے، جتنی بھی مخلوق عظیم سے عظیم تر نظر آئے یا معلوم ہو وہ ان سب کو اس ”العظیم جل جلالہٗ“ کے مقابلے میں حقیر و فانی مخلوق سمجھے۔

اس ”العظیم جل جلالہٗ“ کی عظمت کا اتنا تصور کیا جائے اور مخلوقِ خدا کو اس کی عظمت کی طرف اتنی دعوت دی جائے کہ انسان ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہو کہ یہ کام میں کبھی نہیں کر سکتا کہ اس ”العظیم جل جلالہٗ“ نے منع کیا ہے۔ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو اس ”العظیم جل جلالہٗ“ کی فوجیں چاروں طرف سے مجھے گھیر لیں گی، میری بنی بنائی زندگی خراب ہو جائے گی اور میرے لئے سوائے اسی کی طرف توبہ کرنے کے اور معافی مانگنے کے، نجات کا راستہ کہیں نہیں ملے گا، وہ ہمارے تصور سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

❷ اللہ تعالیٰ کی بہترین تعظیم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلے، گناہوں، بدنظری، گانے سننا ان سب سے بچے اور اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعاؤں کو مانگ کر بے چینی، بے قراری اور غموں، پریشانیوں کو دور کرے۔

العظیم جل جلالہٗ کی عظمت کا واسطہ دے کر بے چینی دور کیجئے

❶ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے چینی کے وقت یہ دُعا پڑھتے تھے:

”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ..... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ..... لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو بہت بڑے اور بردبار ہیں (گناہ پر فوراً پکڑ نہیں فرماتے) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو عرشِ عظیم کے رب ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کے اور معزز عرش کے رب ہیں۔“ [۱]

یہ دعا بخاری شریف میں ”دعاء الکرب“ کے نام سے ہے، اس دعا میں دو مرتبہ لفظ عظیم آیا ہے، ایک جگہ اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے اور دوسری جگہ عرش کی صفت بیان کی گئی اللہ جل جلالہٗ خود بھی عظیم ان کا عرش بھی عظیم۔

---

[۱] بخاری، الدعوات، باب الدعاء عند الکرب: ۹۳۹/۲

besturdubooks.wordpress.com

الْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا واسطہ دے کر ذلت ورسوائی سے بچئے

❷ اس مبارک دعا میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے۔ اردو داں حضرات اس کا ترجمہ یاد فرمالیں تو ان شاء اللہ "الْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی عظمت اور قدرتِ واسعہ کا دھیان دل میں بیٹھے گا۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ رَبٌّ عَظِیْمٌ لَّا یَسَعُکَ شَیْءٌ مِّمَّا خَلَقْتَ وَاَنْتَ تَرٰی وَلَا تُرٰی وَاَنْتَ بِالْمَنْظَرِ الْاَعْلٰی وَاَنَّ لَکَ الْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی وَلَکَ الْمَمَاتُ وَالْمَحْیَا وَاَنَّ اِلَیْکَ الْمُنْتَھٰی وَالرُّجْعٰی نَعُوْذُبِکَ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو بڑی عظمت والا رب ہے، کوئی بھی چیز تیری وسعت کو نہیں پاسکتی۔ تو سب کو دیکھتا ہے اور خود تو دیکھا نہیں جاسکتا اور سب سے بلند منظر (مقام) پر ہے اور تیرے ہی لئے ہے آخرت اور دنیا اور تیرے ہی لئے ہے (بندوں کا) مرنا اور جینا اور تیری ہی طرف ہے سب کا پہنچنا اور سب کا پھر لوٹ کر آنا۔ ہم تیری پناہ لیتے ہیں اس بات سے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں۔"

الْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے عرش عظیم کا واسطہ دے کر غموں کو دور کیجئے

❸ حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح وشام سات مرتبہ اس دعا کو سچے دل سے مانگے یعنی فضیلت کے یقین کے ساتھ مانگے یا یوں ہی فضیلت کے یقین کے بغیر مانگے تو الْعَظِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ (دنیا اور آخرت کے) تمام غموں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

دعا مانگنی ہو تو سب سے بہتر اسمائے حسنیٰ کا واسطہ اور وسیلہ دے کر انسان دعا مانگے، ذلت ورسوائی سے بچنے کے لئے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو دعا مانگی اس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کا واسطہ دیا ہے:

"حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ"

ترجمہ: "مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"[2]

اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ عجز وانکساری کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ حاضر ہوں اور دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے پُر رکھیں اور غیر اللہ کی بڑائی دل میں نہ آنے دیں۔

---

[1] کنزالعمال، کتاب الاذکار: ۹۱/۲، رقم: ۳۷۷۹

[2] ابوداؤد، الأدب، باب مایقول إذا أصبح رقم: ۵۰۸۱

besturdubooks.wordpress.com

الشَّکُوْر جلّ جلالہٗ

(قدردان، تھوڑے پر بہت دینے والا)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ أَصْلُ الشُّكْرِ فِي اللُّغَةِ هُوَ الزِّيَادَةُ وَالظُّهُوْرُ۔[1]

ترجمہ: لغت میں شکر کے معنی اصلی، ''زیادتی اور ظہور پذیر ہونے'' کے ہیں۔

''الشکور جلّ جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے اور چند روز کے اعمال کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے اور جو نیکی کا کئی گنا عوض دے اُس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔[2]

❷ ''وہ قدردان ایسا ہے کہ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ''الشکور جلّ جلالہٗ'' اُسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيهَا حُسْنًا﴾[3]

یعنی جس قدر اجر اُس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اُس سے کہیں زائد دے دیں گے۔''[4]

❸ ''الشکور جلّ جلالہٗ'' وہ قدردان ایسا ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عملِ صالح کو بھی قبول کر لیتا ہے اور بردبار ایسا ہے کہ بڑی سے بڑی نافرمانیوں پر بھی فوراً گرفت نہیں کرتا۔''

❹ ''الشکور جلّ جلالہٗ'' قدردان ایسا کہ اعمالِ صالح کی قدر ان کے استحقاق سے بڑھ کر کرتا ہے۔''[5]

امام شرف الدین حسین بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ کی شرح طیبی میں تحریر فرماتے ہیں:

❺ ''هُوَ الَّذِيْ يُعْطِي الثَّوَابَ الْجَزِيْلَ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيْلِ.''[6]

ترجمہ: '''''الشکور جلّ جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو بندے کے تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔''

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی کم تر جان کر نہ چھوڑا جائے، کیا خبر اس قدردان کے یہاں سے

---

[1] النهج الاسمیٰ: ۲۹۰/۱ [2] رسائل امام غزالی: ۳۱۷

[3] شوریٰ: ۲۳ [4] تفسیر ماجدی: ۹۷۱/۲، الشوریٰ: ۲۳ [5] تفسیر ماجدی: ۸۷۸/۲

[6] شرح طیبی، الدعوات، باب اسماء اللّٰه تعالیٰ: ۳۷/۵

besturdubooks.wordpress.com

اس چھوٹی سی نیکی پر بھی مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ". [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نیکی کے کاموں میں سے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔"

یعنی اپنے بھائی سے خوشی کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے اور اس نیکی کو حقیر نہ سمجھے، بل کہ اس پر شکر ادا کرے، تا کہ زیادہ اجر پائے۔

الشکور جل جلالہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی پر مغفرت

واقعہ نمبر ۶۴: ایک شخص جو کسی سفر میں جا رہا تھا، شدید پیاس کا شکار ہوا، ایک کنویں پر اس نے پانی دیکھا تو کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی، باہر نکلا تو پیاس سے ہانپتا ایک کتا نظر آیا۔ اسے فوراً خیال آیا کہ جس طرح یہ پیاس سے ہانپ رہا ہے میں بھی ابھی کچھ دیر قبل اسی طرح پیاس سے بے چین تھا۔ فوراً اس نے موزہ اتارا، اس کو منہ سے پکڑا، اس میں پانی بھرا اور کتے کو پلایا تو اللہ پاک نے اس عمل پر خوش ہو کر اس کی مغفرت کر دی۔ [2]

عورت کی مغفرت کر دی گئی

واقعہ نمبر ۶۵: اسی طرح دوسرا واقعہ ہے کہ ایک عورت فاحشہ تھی، کتے کو پیاس سے زبان لٹکائے دیکھا تو بے چین ہو گئی اور اپنے موزہ میں پانی نکال کر اسے پلایا۔ اس پر اُس عورت کی مغفرت کر دی گئی۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خصوصیات عطا کی ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کی۔ انسان اپنی ضرورت کے لئے کنویں میں اتر کر پانی حاصل کرنے پر قادر ہے، لیکن جانور کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھانے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کی پیاس بجھانے کے لئے انسان کے دل میں جذبہ پیدا کیا اور انسان کی مغفرت کے لئے یہی عمل بہانہ بن گیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں واقعات میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی، نہ کوئی

---

[1] مسلم، البر والصلة والادب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: ۲/۳۲۹

[2] بخاری، المساقاة، باب فضل سقي الماء: ۱/۳۱۸

[3] مسلم، قتل الحيات وغيرها، باب فضل سقي البهائم: ۲/۲۳۷

besturdubooks.wordpress.com

ڈول تھا، نہ رسی تھی، نہ کوئی دوسرا برتن تھا۔ اس شخص نے اپنی پیاس تو خود کنویں میں اتر کر بجھالی تھی، لیکن کتے کو کیسے پانی پلاتا؟ کوئی چیز تو تھی نہیں، لہٰذا اس نے موزہ اتارا، اسے پانی سے بھرا، لیکن اب اوپر کیسے چڑھے؟

ہاتھوں میں موزہ کو پکڑ نہیں سکتا کہ ہاتھوں سے کنویں کی منڈیر کو پکڑنا ضروری ہے، نہیں تو اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ لہٰذا اس نے اپنے منہ سے موزہ کو پکڑا، حالاں کہ عام حالات میں انسان اپنے موزے اور جوتے وغیرہ کو چہرہ کے قریب لانا بھی گوارا نہیں کرتا، چہ جائے کہ منہ سے اسے پکڑے، لیکن جب رحم کا جذبہ ہو تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اس عورت کے پاس بھی بظاہر پانی نکالنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ خود کنویں میں اتر سکتی تھی، آخر موزہ اتارا اور اسے بطور ڈول استعمال کیا اور اپنا دوپٹہ اتارا، اسے بطور رسی استعمال کیا۔ دونوں واقعات میں ایک بے زبان جانور کو پانی پلانے کے لئے اپنی تکلیف کی پروا نہ کرنے پر "الشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے مغفرت سے سرفراز فرمایا، حالاں کہ کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، انسان کو طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے، خاص طور پر جب کہ وہ آوارہ پھرنے والا ہو، لیکن مخلوقِ خدا کی تکلیف کو دور کرنا، "الشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے نزدیک نہایت قابلِ اعزاز عمل ٹھہرا اور اس کی بنا پر وہ مغفرت و فضل کے مستحق ہو گئے۔

اس واقعے میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا مستحق بناتا ہے، خصوصاً بے زبان جانوروں پر رحم کرنا، ان کی تکلیف کو دور کرنے کا سامان کرنا بہت بڑی بات اور انسانیت کا بہترین درجہ ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جب بے زبان جانوروں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق بناتا ہے، تو ان بے زبان جانوروں پر ظلم کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا (جب کہ وہ موذی نہ ہوں) اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ کا بھی مستحق بنائے گا۔

❷ انسان کی مغفرت بعض اوقات کسی بظاہر چھوٹے نظر آنے والے عمل پر بھی ہو جاتی ہے، مغفرت اور رحمتِ حق کسی بھی انسان پر کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ عمر بھر کا گناہ گار لمحہ بھر میں مقربین میں شامل ہو سکتا ہے اور سو سال کی عبادت لمحہ بھر کی لغزش سے بے قیمت ہو سکتی ہے۔[1]

صبر و شکر مغفرت کا سبب بن گیا

وَاقِعَہْ نَمْبَر (۶۲): دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرّس حضرت مولانا محمود دیوبندی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی دیوبند ہی کے باشندے اور بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاذ تھے، حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پہلے استاذ، ان دونوں حضرات رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا: کیا گزری، کیا معاملہ ہوا؟

---

[1] قصص الحدیث: ۲۰۱

besturdubooks.wordpress.com

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے بخش دیا۔

پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: اور کسی چیز کے بارے میں، پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں، درس و تدریس کے بارے میں بھی کسی نے نہیں پوچھا۔ البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہوگیا اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھالیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دُکھے گا، اس صبر و تحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں۔ جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

ہر آن اس حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد سے ہو رہا ہے، اس دنیا میں جتنے واقعات پیش آتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتے ہیں اور اس کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ اِدھر سے اُدھر حرکت نہیں کرسکتا، لیکن ہر رنج و راحت اور غم و مسرت کے وقت اس حقیقت کا استحضار نہیں رہتا، اس لئے جب کسی ظاہری ذریعے سے کوئی خوشی یا تکلیف پہنچتی ہے، تو آدمی اسی ظاہری ذریعے کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور خوشی اور تکلیف دونوں کی نسبت اسی کی طرف کرتا ہے، لیکن ''توحیدِ عملی'' کا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہر آن اس طرح مستحضر رکھے گویا اس کو دیکھ رہا ہے، اسی کو بعض بزرگوں نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ ؎

توحیدِ خدا واحد دیدن بود، نہ واحد گفتن　　　شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تعلق باتوں سے نہیں، بل کہ دِل سے ہے۔ جتنا تیری نعمتوں کا شکر کیا جائے کم ہے۔

''صبر'' کے بعد دوسرا مقام، جس کی تحصیل فرض ہے ''مقامِ شکر'' کہلاتا ہے۔ اگر آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے تو اس میں بے شمار آیات دیکھی ہوں گی، جن میں انسان کے ذمہ ''شکر'' کو واجب قرار دیا ہے، اب مختصراً یہی بتلانا ہے کہ اس ''شکر'' سے کیا مراد ہے؟ اور اس مقام کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

''شکر'' کے تین لازمی عناصر

''شکر'' کی حقیقت یہ ہے کہ محسنِ حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو، گویا ''شکر'' کے تین لازمی عناصر ہیں:

besturdubooks.wordpress.com

❶ احسانات کا اقرار واعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں، وہ سب کی سب ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کی طرف سے ہیں اوراس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

اس کا اعتراف واقرار کرنے کے لئے یہ دعا صبح وشام مانگ لینی چاہئے:

''اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ.''[1]

❷ چوں کہ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهُ'' نے مجھ پر اپنے فضل وکرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں، اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

❸ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں، بالفاظِ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں، ان کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچوں، جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

جب یہ تین جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو ''علماء'' کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے ''مقامِ شکر'' کو حاصل کر لیا ہے۔

پھر مقامِ شکر کو حاصل کرنے کے لئے ان تین جذبات میں سے بھی اصل اور بنیادی پہلا ہی جذبہ ہے، کیوں کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال کما حقہ راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن متوجہ رہتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود بیدار ہوگا، لہٰذا اگر کسی وقت محبت اور اطاعت میں کوتاہی محسوس ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ''الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کی نعمتوں کا صحیح اقرار واعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔[2]

حضرت شبلی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں، شکرِ نعمت یہ ہے کہ نعمت دہندہ کو دیکھو اور نعمت کو نہ دیکھو۔

حضرت جنید بغدادی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا قول ہے کہ شکرِ نعمت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو اس نعمت کے قابل نہ سمجھ۔

حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا: شکر نصف ایمان ہے۔[3]

بقول ایک اللہ والے کے فرمایا: اے لوگو! میں نے اللہ کی اتنی ناشکری کی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا: آج ہمارے دانت نئے کھانے کھاتے کھاتے گھس گئے۔ پر زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَامُ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر کرنے والے اور اس کی تعریف کرنے والے تھے۔ جو چیز بھی کھاتے فوراً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فرماتے اور جو چیز پیتے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' فرماتے۔ چلتے پھرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتے اور کپڑے پہنتے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہتے۔

ایک روایت کے مطابق، اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی:

[1] ابوداؤد، الأدب، بَابُ مايقول إذا أصبح: ۲/۲۳۶ [2] دل کی دنیا: ۷۹ [3] مكاشفة القلوب، باب الشكر: ۱۵۸

besturdubooks.wordpress.com

﴿اِنَّہٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾[1] یقیناً وہ (نوح عَلَیْہِ السَّلَام) نہایت شکر گزار بندے تھے۔"[2]

سخت پریشانی میں شکر

وَاقِعَۃٌ نمبر ۹۷: حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں ایک دن سفر میں تھا، میرے پاؤں میں زخم آگیا اور اس زخم کی وجہ سے میرا پاؤں خراب ہوگیا۔ طبیبوں کو جمع کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ اس کا کاٹنا بہت ضروری ہے۔

پھر اسی دن آپ کے محبوب ترین بیٹے کے سینے پر اونٹ نے لات ماردی اور وہ مرگیا، آپ نے فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" "ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے" گو کہ یقیناً اس سفر میں ہم کو تکلیف بھی پہنچی۔ پھر آسمان کی طرف خشوع وخضوع کے ساتھ اور محتاجی اور خاک ساری کی حالت میں ہاتھ اٹھائے اور کہا: "اے اللہ! میرے چار اعضا تھے دو ہاتھ دو پاؤں، ایک تو نے لے لیا تین باقی بچ گئے اور میرے سات بیٹے تھے ایک کو تو نے لے لیا چھ باقی رہ گئے۔ پس میں تیری تعریف کرتا ہوں، اس پر جو تو نے دیا اور جو باقی بچا ہے، اس پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔"[3]

پریشانیوں اور مصیبتوں میں بھی شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ وہ کیسے؟ اس کے لئے انسان کو چاہئے کہ نعمتوں کو سوچے کہ کتنی نعمتیں مجھ پر باقی ہیں۔ یعنی جو لے لی گئی ہیں اس کے مقابلے میں کتنی ابھی باقی ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

أَنَالَكَ رِزْقَهُ لِتَقُوْمَ فِيْهِ ... بِطَاعَتِهٖ وَتَشْكُرَ بَعْضَ حَقِّهٖ
فَلَمْ تَشْكُرْ لِنِعْمَتِهٖ وَلٰكِنْ ... قَوِيْتَ عَلٰى مَعَاصِيْهِ بِرِزْقِهٖ[4]

تَرْجَمَہ: اللہ ربُّ العزت نے تجھے رزق سے نوازا، تاکہ تو اس کی اطاعت میں لگ کر اس کا شکر ادا کرے، لیکن تو نے اس کا شکر تو کیا ادا کیا، بل کہ اسی کے عطا کردہ رزق سے قوت حاصل کرکے اس کی نافرمانیوں میں پڑ گیا۔

والدین کا شکر ادا کرنا، گویا کہ "اَلشَّكُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا شکر ادا کرنا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾[5]

تَرْجَمَہ: "شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھ ہی تک آنا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے شکر کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ

---

[1] بنی اسرائیل: ۳ [2] اللّٰہ ...... اھل الثناء والمجد: ۲۱۷ [3] اللّٰہ ......اھل الثناء والمجد: ۲٤١
[4] النھج الاسمٰی: ۳۰٦/١ [5] لقمٰن: ١٤

besturdubooks.wordpress.com

والدین اس کے دنیا میں آنے کا سبب ہیں۔ والدین نے راتوں کو جاگ کر اور مشقتیں اٹھا کر اس کی تربیت کی اور اس کی غذا کا بندوبست کیا۔

لہٰذا جو شخص والدین کی نافرمانی کرے اور ان کے ساتھ برا سلوک کرے، ایسا شخص والدین کی نیکیوں کا شکر گزار نہیں، بل کہ والدین کے احسانات کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے والدین کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ"[1]

تَرْجَمَہٗ: "جس نے لوگوں کا احسان نہیں مانا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی احسان نہیں مانا۔"

اللہ ربُّ العزت کا سب سے بڑا شکر توحید ہے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی تعداد میں بندوں پر انعامات و احسانات فرمائے ہیں۔ حتی کہ کسی انکار کرنے والے کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا انکار کر سکے، بل کہ اگر انسان اپنے جسم میں ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو وہ عاجز ہو جائے گا، اس لئے ہمیشہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اللہ رب العزت کا سب سے بڑا شکر توحید ہے یعنی ایک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک سمجھنا اور عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کرنا اور دعا بھی صرف اللہ ہی سے مانگنا جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور عدم سے وجود بخشا ہے اور انسان کو طرح طرح کے رزق عطا فرمائے ہیں اور ان تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

"الشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ناشکری کا انجام

اللہ ربُّ العزت نے قومِ سبا کے واقعے کو قرآنِ مجید میں بیان فرمایا چند خصوصیات کے ساتھ: (۱) یہ لوگ خوب نعمتوں میں تھے (۲) مال کی فراوانی تھی۔ (۳) چاروں طرف میوے اور پھل تھے (۴) دور دور کے سفر بلا خوف و خطر کرتے تھے، لیکن پھر انہوں نے اپنے آپ کو بدل لیا اور نافرمانی و ناشکری میں پڑ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی حالتوں کو تبدیل کر دیا۔ ان پر پانی کا ایک تیز ریلہ چھوڑ دیا، جو ان کے درختوں، باغات اور اموال کو بہا کر لے گیا۔ اس کے بعد ان درختوں کو کڑوے، خاردار اور بے پھل درختوں سے تبدیل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾[2]

---

[1] ترمذی، البرّ والصّلة، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیك: ۱۷/۲

[2] السباء: ۱۷

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی (انہوں نے) اور ہم یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکرا ہو۔“

”اَلشَّكُوْرُ“ کا لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾[1]

❷ ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾[2]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾[3]

ذکر و شکر پر استقامت کی دعا

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: مجھے تم سے محبت ہے، لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا مت بھولنا:

”اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“[4]

ترجمہ: اے اللہ! میری مدد فرما اپنی یاد کرنے میں، اپنے شکر کرنے میں اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دعا میں یہ کلمات فرمایا کرتے تھے:

”رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ ...... وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ ...... وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ ......

وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ.

رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا.

رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ ...... وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ ...... وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ ...... وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ ......

وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ ...... وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ.“[5]

ترجمہ: ”اے اللہ! میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما، اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما،

اور میرے لئے تدبیر فرما اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما، اور مجھے سیدھی راہ چلا، اور میری مدد فرما اس شخص کے مقابلہ میں جو مجھ پر ظلم کرے۔

اے میرے رب! مجھے اپنا شکر گزار بنا، اپنا ذکر کرنے والا بنا، اپنے سے ڈرنے والا بنا، اپنا تابع دار بنا، اپنی طرف رجوع کرنے والا بنا اور تیرے خوف سے آہیں بھرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا۔

[1] فاطر: ۳۰ [2] فاطر: ۳۴ [3] الشورٰی: ۲۳ [4] ابوداؤد، الصلوٰة، ابواب الوتر، باب في الإستغفار: ۲۱۳/۱

[5] ترمذي، الدعوات، باب في الدعاء: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ ۱۹۵/۲

besturdubooks.wordpress.com

اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما، میرے گناہ دھو ڈال، میری دعا قبول فرما، حجت ثابت فرما، میرے دل کو سیدھی راہ دکھا، میری زبان درست کر اور میرے سینے سے تمام میل کھینچ ڈال۔"

مخلوقِ خدا کا حق ادا کر کے الشَّكُورُ جَلَّ جَلَالُہٗ کا شکر ادا کیجیے

واقعہ نمبر ۶۸: صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص کسی بیابان اور ویران جگہ میں تھا کہ اسی دوران اس نے ایک بادل میں آواز سنی، فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ تو وہ بادل (دوسرے بادلوں سے ہٹ کر) ایک طرف کو چلا گیا اور پانی ایک پتھریلی زمین پر برسا دیا۔ وہ سارا پانی وہاں بنی نالیوں میں جمع ہوتا گیا (اور ایک جانب کو بہتا گیا) وہ شخص (جس نے آواز سنی تھی) پانی کے پیچھے پیچھے چلا (کہ دیکھے آخر کیا ماجرا ہے؟)

آگے چل کر اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچے سے پانی کو باغ کی طرف پھیر رہا ہے۔ اس شخص نے اس باغ والے سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا کیا نام ہے؟ اس آدمی نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا۔ اب اس باغ والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! تو نے میرا نام کس لیے پوچھا ہے؟

اس نے کہا: میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی آرہا ہے، غیبی آواز سنی تھی، کسی کہنے والے نے تمہارا نام لے کر کہا تھا کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر دے۔ تو آخر تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ (جو اتنے مقرب ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں)۔

اس نے کہا: جب تم نے یہ بات کہی ہے تو مجھے بتانا ہی پڑے گا، میں اس باغ کی پیداوار کو جمع کرتا ہوں، اس کی کل پیداوار (تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ان) میں سے ① ایک تہائی صدقہ کر دیتا ہوں، ② ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھا پی لیتے ہیں ③ اور ایک تہائی دوبارہ اسی باغ میں استعمال کر لیتا ہوں۔" [1]

شکر کے بہت سے مواقع

صبح سے شام تک سینکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں۔ صبح آنکھ کھلی صحت بالکل ٹھیک ہے تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، گھر والوں کو دیکھا کہ وہ بھی سب تندرست ہیں تو چپکے سے کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نماز کو گئے جماعت مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، صبح وقت پر ناشتہ مل گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کام پر جانے لگے خطرہ ہے کہ دیر نہ ہو جائے، مگر صحیح وقت پر کام پر پہنچ گئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، بس میں جانے کا معاملہ ہے معلوم نہیں بس ملے یا نہ ملے، مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، بس میں چڑھ گئے تو معلوم نہیں سیٹ ملے نہ ملے، سیٹ مل گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، واپس آنے پر اہلِ خانہ کو ہشاش بشاش دیکھا

---

[1] مسلم، الزهد، باب فضل الإنفاق على المساكين وابن السبيل: ۴۱۱/۲

besturdubooks.wordpress.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، گرمی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا طبیعت کے موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے، جس بات سے بھی دل کو لذت و مسرت حاصل ہو، جس کارِ خیر کی بھی توفیق ہو جائے اس پر ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں، اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

شکر کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ عبادت ہے

شکر کی عبادت اللہ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے عظیم اور محبوب کتاب قرآنِ کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو سورۂ فاتحہ سے شروع فرمایا اور سورۂ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع کیا، پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا پہلا لفظ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے، آخر کچھ تو بات ہے جو شکر کو اتنی اہمیت سے بیان کیا جا رہا ہے اور یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس سورۃ کو نہ صرف ہر نماز میں بل کہ ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حمد و تعریف ہے اور ''اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو اپنی تعریف و شکر بہت پسند ہے۔[1]

عبادتِ شکر جنت میں بھی جاری ہوگی

جنت میں کوئی عبادت بھی نہیں ہوگی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب عبادتیں ختم ہو جائیں گی، صرف عیش و عشرت ہوگی، لیکن ایک عبادت وہاں بھی رہے گی یعنی شکر۔ حدیث میں آتا ہے کہ اہلِ جنت کے منہ سے ہر وقت حمد جاری رہے گی، جس طرح دنیا میں بغیر کسی ارادے اور محنت کے سانس جاری رہتا ہے اسی طرح جنت میں بلا اختیار حمد جاری رہے گی۔[2]

گناہ کے ساتھ شکر گزاری نہیں ہوسکتی

یاد رکھو شکر گزاری نہیں ہوسکتی جب تک کہ بندہ گناہ میں مبتلا رہے۔ اگر کسی شخص کو کسی ایک گناہ کی بھی عادت ہے، مثلاً: صرف غیبت کرتا ہے، صرف جھوٹ بولتا ہے، صرف بخل کی بیماری ہے، صرف شرعی وضع قطع جو ہونا ضروری ہے وہ نہیں ہے یا اسی طریقے سے گناہوں میں سے ایک گناہ کا عادی ہے تو ایسا شخص مکمل شاکر نہیں، شکر کرنے والا اور نعمت کی قدر کرنے والا نہیں، پھر جب شکر گزار نہیں تو پھر نعمت میں ترقی کیسے ہوگی؟ نعمت میں زیادتی تو جب ہوگی جب شکر کرے۔

مقامِ شکر سے محرومی کا انجام

جب انسان کو ''مقامِ شکر'' حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور نعمتوں کے لئے

---

[1] سکونِ قلب: ۱۹۲ [2] الترمذی، باب صفة اهل الجنّة: ۸۰/۲

besturdubooks.wordpress.com

نہایت سست ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ نعمتوں کو بھول کر اپنی ساری توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنالیتا ہے اور اسی کا غم لئے بیٹھا رہتا ہے، اس کے برعکس جس شخص کو "مقامِ شکر" حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیوں میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے اور اسی وجہ سے اس حالت میں بھی اس کی زبان پر شکووں اور آہوں کے بجائے شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔ جب دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں تو دل کو یہ از جامِ جسم پاتے ہیں۔

بیماری میں بھی "اَلشَّکُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا شکر

وَاقِعَہ نمبر ۶۹: حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اکابر دیوبند میں حضرت میاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں شدید بخار آیا، وہ چارپائی پر تقریباً مدہوش لیٹے ہوئے تھے، بخار اپنے شباب پر تھا اور اس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری تھی، وہ ذرا ہوش میں آئے تو اسی حالت میں بے ساختہ فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ"! بہت اچھا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ دل صحت مند ہے، گردے میں درد نہیں، سینے میں کوئی تکلیف نہیں، سب اعضا ٹھیک کام کر رہے ہیں، بس بخار ہے۔[1]

یہ ہے "مقامِ شکر" کا نتیجہ کہ انسان شدید بخار میں، مدہوش ہونے کی حالت میں بھی اس حقیقت کا استحضار رکھتا ہے کہ "تکلیف ایک ہے اور نعمتیں بے شمار" حقیقت بلاشبہ وہی ہے جو حضرت میاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان فرمائی کہ بخار بے شک ایک تکلیف ہے، لیکن اس کے ساتھ نعمتیں کتنی موجود ہیں! دیکھنے کے لئے آنکھ، بولنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان، پکڑنے کے لئے ہاتھ، علاج کے لئے حکیم وغیرہ وغیرہ۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود نعمتیں انسان پر ہوتی ہیں جس کو تحریرِ قلم میں لایا نہیں جاسکتا۔

فوائدِ شکر

فَائِدَہ ①: موجودہ نعمتوں پر مزید اضافے کی بشارت

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جتنا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اور بڑھا دیں گے، چناں چہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو، اسے چاہئے کہ سچے دل سے اللہ کا شکر ادا کرے۔

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ۵۵ [2] ابراھیم: ۷

besturdubooks.wordpress.com

بندہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس عمل کی برکت سے اس کی خوب صورتی میں ضرور اضافہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

اسی طرح اگر کوئی مال، عزت اور دین داری میں بڑھوتری چاہتا ہے وہ بھی کثرت سے شکر ادا کرے۔

فَائِدَہ ②: عطاءِ محبتِ الٰہی کی بشارت

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک مجلس میں فرمایا: ''شکر سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور محبت سے قربِ حق کا تقاضا ہوتا ہے'' (جو کہ مقصودِ اصلی ہے)۔

فَائِدَہ ③: شکر عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''یعنی اگر تم میرا شکر کرتے رہو تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔''

معلوم ہوا کہ جو ایمان والے شکر گزار ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔[2]

فوائد و نصائح

① جس بندہ کا ''اَلشَّكُوْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' سے تعلق پیدا ہو جائے گا تو وہ ہر چھوٹی بڑی نعمت پر شکر ادا کرے گا، اور نیک اعمال میں مزید ترقی کی کوشش کرے گا۔

② شکر کی توفیق جسے مل گئی گویا اسے آدھا ایمان مل گیا اور اگر صبر بھی خوب کرنے والا ہے تو صبر کرنا بھی آدھا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے: ''اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو'' اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اور میرا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو۔''

③ شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں، اس لئے خوب ذکر و شکر کرنے کی عادت ڈالیں، جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر شکر ہو اور اگر کوئی پریشانی آئے تو صبر کریں اور اس اسم مبارک میں دی گئی ذکر و شکر کی دعا، نعمتوں کے ختم ہونے سے بچنے کی دعا کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کریں اور نمازوں کے بعد مانگتے رہیں۔

---

[1] النساء: ۱۴۷ [2] سکونِ قلب: ۱۹۳، ۱۹۴

besturdubooks.wordpress.com

اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت بلند و بالا)

اس اسم مبارک کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جس کے رتبے سے بڑا کوئی رتبہ نہیں ہے، اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہیں۔[1]

❷ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِیُّ'' معنی ''بلند ذات'' کے ہیں۔ بلند ہونے والے کو ''عالی'' اور ''علی'' کہا جاتا ہے۔ ''اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جو اپنی مخلوق پر اپنی قدرت کی وجہ سے بلند ہے۔[2]

❸ ''اَلْعَلِيُّ: اَلرَّفِيْعُ فَوْقَ خَلْقِهٖ، اَلْمُتَعَالِيْ عَنِ الْأَشْبَاهِ.''[3]

''جو اپنی مخلوق سے برتر ہے اور اس بات سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی مثل ہو۔''

❹ اَلْعَلِيُّ: هُوَ الْعَالِيْ الْقَاهِرُ.[4]

امامِ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''اَلْعَلِیُّ'' کا مطلب ''اَلْعَالِيْ الْقَاهِرُ'' ہے، یعنی بلند و غالب۔

❺ علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''اَلْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ'' یعنی وہ بلند ہے، بڑائی والا ہے، ''اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ'' یعنی وہ بلند ہے بڑے مرتبے والا ہے ''اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ'' یعنی وہ بڑا ہے بلند تر ہے، سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ پس ہر چیز اللہ ربُّ العزت کے غلبہ، قوت اور بزرگی کے تحت ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ اس لئے کہ وہ بزرگی والا ہے، اور اس سے بڑا بزرگ کوئی نہیں، بلند مرتبہ ہے اور اس سے بلند کوئی نہیں، بڑائی والا ہے اور اس سے بڑا کوئی نہیں۔ بلند مرتبہ ہے، پاکیزہ ہے، بے عیب ہے، غالب ہے

---

[1] رسائل امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ۳۱۹/۱

[2] قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَالْعَلِيُّ الْفَعِيْلُ. مِنْ قَوْلِكَ: عَلَا يَعْلُوْ عُلُوًّا، إِذَا ارْتَفَعَ فَهُوَ عَالٍ وَعَلِيٌّ، وَالْعَلِيُّ ذُو الْعُلُوِّ وَالْإِرْتِفَاعِ عَلٰى خَلْقِهٖ بِقُدْرَتِهٖ. (النهج الاسمٰى: ۳۲۲/۱)

[3] تفسیر ماجدی: ۱۰۷/۱

[4] شان الدعا: ٦٦ نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۳۲۳/۱

besturdubooks.wordpress.com

اور پاک ہے ان باتوں سے جنہیں ظالم اور سرکش لوگ کہا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت ہی بلند ہے، عالی شان ہے، عظیم الشان ہے۔[1]

باری تعالیٰ کا یہ صفاتی نام قرآن کریم میں آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾[2]
2. ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾[3]
3. ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ﴾[4]

اللہ تعالیٰ سے اس کے پیارے نام کے ذریعے دعا مانگئے

وَاقِعَہ نمبر ۷۰: درحقیقت ہر عزت و عظمت اور بلندی و برتری کی مالک و مختار، وہی ذات پاک ہے۔ یہ اسمِ مبارک ان چار ناموں میں سے ہے، جن کے ذریعے دعا مانگ کر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیئے تھے اور سمندر میں "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنی قدرت سے ان کے لئے راستے بنا دیئے۔

حضرت سہم بن منجاب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ہم علاء بن حضرمی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ ہم چلتے چلتے دارین (جزیرے) کے پاس پہنچ گئے۔ ہمارے اور دارین والوں کے درمیان سمندر تھا۔ علاء بن حضرمی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے یہ دعا مانگی:

"يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ! إِنَّا عَبِيدُكَ وَفِي سَبِيلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ لَنَا إِلَيْهِمْ سَبِيلًا."

تَرجَمَہ: "اے علیم، اے حلیم، اے علی، اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں، اور تیرے راستے میں تیرے دشمن سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اے اللہ! دشمن تک پہنچنے کا ہمارے لئے راستہ بنا دے۔"

اس کے بعد علاء بن حضرمی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) ہمیں لے کر سمندر میں اتر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گھس گئے، اور سمندر کا پانی ہماری زین کے نمدوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم لوگ ان تک پہنچ گئے۔[5]

وَاقِعَہ نمبر ۷۱: ایک موقع پر حضرت علاء بن حضرمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے کہ

---

[1] قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَقَوْلُهُ ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (الحج: ٦٢)، كَمَا قَالَ ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرة: ٢٥٥)، وَقَالَ ﴿الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد: ٩) فَكُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَهْرِهِ وَسُلْطَانِهِ وَعَظَمَتِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَلَا رَبَّ سِوَاهُ. لِأَنَّهُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا أَعْظَمَ مِنْهُ. اَلْعَلِيُّ الَّذِي لَا أَعْلٰى مِنْهُ اَلْكَبِيرُ الَّذِي لَا أَكْبَرَ مِنْهُ تَعَالٰى وَتَقَدَّسَ وَتَنَزَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ الْمُعْتَدُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا." (تفسير ابن كثير: ٢٣٢/٣ الحج: ٦٢)

[2] البقرة: ٢٥٥　[3] الحج: ٦٢　[4] المؤمن: ١٢　[5] حِلْيَةُ الاولياء: ٧/١

besturdubooks.wordpress.com

لشکر والے سخت پیاسے ہوئے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور دعا کی:

''اَللّٰهُمَّ يَاعَلِيْمُ يَاحَلِيْمُ يَاعَلِيُّ يَاعَظِيْمُ..... إِنَّا عَبِيْدُكَ وَفِيْ سَبِيْلِكَ نُقَاتِلُ عَدُوَّكَ..... فَاسْقِنَا غَيْثًا نَشْرَبُ مِنْهُ وَنَتَوَضَّأُ..... وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيْهِ نَصِيْبًا غَيْرِنَا.''

ترجمہ: ''اے اللہ! اے علیم! اے حلیم! اے علی! اے عظیم! ہم تیرے بندے ہیں اور تیری راہ میں تیرے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ سو ہم پر ایسی بارش برسا، جس سے ہم سیراب بھی ہوں اور وضو بھی کریں اور اس میں ہمارے علاوہ کسی اور کا حصہ نہ ہو۔ یعنی وہ صرف ہمارے لئے مخصوص ہو۔''

اس کے بعد وہ تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ انہوں نے بارش کے پانی کی نہر دیکھی جس کا پانی اُچھل رہا تھا۔ سارے لشکر والوں نے اس پانی کو استعمال کیا اور اپنے برتن بھی بھر لئے۔ پھر وہ آگے چل دیئے۔ کچھ ساتھی اپنی ضرورت کے لئے واپس نہر کی جانب آئے تو وہاں انہوں نے کچھ بھی نہ پایا۔ گویا کہ اس جگہ پر اس سے پہلے کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ (یہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کی برکت تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصیت کو بھی برقرار رکھا کہ وہ چشمہ صرف اسی لشکر کے لئے پیدا کیا گیا تھا)۔[1]

جو اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے، اگر وہ ساری دنیا کی چیزیں حاصل بھی کر لے تب بھی وہ نقصان میں ہوتا ہے، تو وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جس کا کل سرمایہ ہی دنیا کا تھوڑا سا مال و متاع ہو؟ ایسی حقیر دنیا کا مال و متاع، جو ساری کی ساری مل کر بھی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔[2]

یہ نام کتنا اہم ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر جو تسبیح سنی ان تسبیحات میں یہ نام بھی مذکور ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمانوں میں جو تسبیحات سنیں، وہ یہ تھیں:

''سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى.''[3]

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو بلند، سب سے برتر، پاک اور عالی شان ہے۔''

امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا اس تسبیح سے شروع فرماتے تھے:

''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الْأَعْلَى الْوَهَّابِ''[4]

ترجمہ: ''میرا رب سب عیبوں سے پاک ہے، بلند اور سب سے برتر اور سب سے زیادہ دینے والا ہے۔''

---

[1] الله ...... اهل الثناء والمجد: ٢٧١
[2] الله...... اهل الثناء والمجد: ٣٦٢
[3] تفسير قرطبي: ٢١٢/٢
[4] المستدرك للحاكم: ٦٨٢/١، حديث: ١٨٨٧

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

❶ جو لوگ اس اسم سے تعلق پیدا کرنا چاہیں، ان کو ہمت پیدا کرنی چاہیے اور ہمیشہ روحانی ترقی میں کوشاں رہنا چاہیے۔[1]

❷ ہمیشہ "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بلند و بالا ذات سے ہر اُمید وابستہ کرے اور دِل و دماغ اُس ذات کی بلندی کا خیال لاتا رہے نہ یہ کہ کمزور مخلوق کو مشکل کشا سمجھے۔

❸ ہر وقت "اَلْعَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی دعائیں مانگتا رہے۔ اور دعاؤں میں یَا عَلِیُّ، یَا عَلِیْمُ، یَا حَلِیْمُ یَا عَظِیْمُ کے الفاظ سے دعا مانگیں، اسمائے حسنیٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات سخت سے سخت کام اور مشکل کو آسان فرماتے ہیں۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری:۸۸

besturdubooks.wordpress.com

الحفیظ جل جلالہ

(سب کی حفاظت کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الزَّجَاجِيُّ: (اَلْحَفِيْظُ): اَلْحَافِظُ.

تَرجَمہ: "امام زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حفیظ، حافظ کے معنی میں ہے۔"

❷ (اَلْحَافِظُ) وَمَعْنَاهُ: اَلصَّائِنُ عَبْدَهُ عَنْ أَسْبَابِ الْهَلَكَةِ فِيْ أُمُوْرِ دِيْنِهٖ وَدُنْيَاهُ.[1]

تَرجَمہ: اَلْحَافِظُ وہ ذات ہے جو تمام دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔

❸ علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر حفیظ ہیں۔ (یعنی ساری مخلوق ان کی حفاظت ونگرانی میں ہے) اور وہی اُن کی حفاظت کرتے ہیں ہر ناگہانی وغیر متوقع آفت ومصیبت سے جو پیش آگئی ہو یا جس کا خدشہ ہو۔[2]

"حِفْظ" امانت کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسی معنی میں حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کا قول ہے: ﴿ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴾[3]

یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں امانت دار (نگہبان) اور خوب جاننے والا ہوں۔

کبھی "الحفیظ" کسی چیز کو گن کر اور جان کر محفوظ کرنے والے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بے شک وہی چیز محفوظ رہتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ

---

[1] المنهاج: ۲۰٤/۱

[2] وَقَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ نُوْنِيَّتِهٖ:

وَهُوَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْكَفِيْلُ بِحِفْظِهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ عَانَ

(النونية: ۲۲۸/۲، كلها نقلًا عن النهج الاسمٰى: ۳٤۱/۱ تا ۳٤۲)

[3] يوسف: ۵۵

besturdubooks.wordpress.com

فرماتے ہیں کہ یہ چیز محفوظ رہے اور باقی رہے اور جس چیز یا ہستی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضائع کرنے یا کمزور کرنے یا ہلاک کرنے کا فیصلہ فرمادیں تو یقیناً وہ ضائع ہونے والی ہے اور ہلاک ہونے والی ہے۔

اسم مبارک ''الحفیظ'' قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴾[1]

❷ ﴿ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴾[2]

❸ ﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ﴾[3]

الحفیظ جل جلالہ کی حفاظت کے کرشمے

❶ ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اپنی کتابِ عزیز کی حوادثاتِ زمانہ کے باوجود، جو کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں، تغیر، تبدیلی اور تحریف (ردّ و بدل) سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾[4]

تَرْجَمَہ: ''ہم نے خود اُتاری ہے یہ نصیحت (قرآن) اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں۔''

لہٰذا قرآن مجید اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اس کلام مجید کی ان طویل زمانوں کے گزر جانے کے باوجود حفاظت فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے آنکھوں دیکھی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی پر ایک دلیل ہے۔

مسلمانوں پر تاریخ کا وہ سیاہ دور بھی گزرا ہے جو فتنوں سے پر تھا۔ جس میں اہلِ بدعت اور نفس پرست لوگوں کا ہجوم ہوگیا تھا، جنہوں نے اس دین میں طرح طرح کی نئی چیزیں داخل کیں اور رسول اللہ ﷺ کی جانب طرح طرح کی جھوٹی باتیں منسوب کیں، لیکن اس کے باوجود وہ سب کے سب قرآن مجید میں کوئی تحریف کرنے سے قاصر رہے، حتیٰ کہ ایک حرف کو بھی تبدیل نہ کرسکے۔ قرآن مجید اپنی حالت پر برقرار رہا اور اب بھی ہے اور قرآن مجید کا ایک ایک حرف اسی طرح باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

دنیا کے کتب خانے ایسی کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو چودہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف، نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو۔

❷ اسی طرح ان مقامات کا حال ہے جو عبادت کے لئے مخصوص کئے گئے۔ ان میں سے وہی مقامات محفوظ ہیں جن کی ''الحفیظ جل جلالہ'' نے حفاظت فرمائی اور ''الحفیظ جل جلالہ'' بہترین حفاظت فرمانے والے ہیں۔

❸ امام ابنِ تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ، اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ان نشانیوں میں سے

---

[1] ہود: ۵۷ [2] سبا: ۲۱ [3] الشوریٰ: ۶ [4] الحجر: ۹

besturdubooks.wordpress.com

ایک کعبہ بھی ہے۔ کعبۃ اللہ پتھروں سے بنا ایک گھر ہے، جو ایسی وادی میں واقع ہے جہاں کھیتی بھی نہیں۔ نہ ہی اس جگہ کوئی دشمن سے کعبۃ اللہ کی حفاظت کرنے والا تھا اور نہ ہی آس پاس باغات تھے اور نہ ہی ایسے امور جن کی طرف لوگوں کو رغبت ہوتی ہو اور اگرچہ اس کی طرف رغبت کی اور عظمت کی کوئی ظاہری صورت نہ تھی، مگر پھر بھی اُس ذات "اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنی قدرت سے ایسی ہیبت اور عظمت لوگوں کے دلوں میں اپنے گھر کی ڈالی کہ ایک تو رغبت سے مخلوق اس کی طرف مائل ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ جو اس دربار میں آتا ہے، ذلیل ہو کر، دل میں عاجزی لے کر، بل کہ اپنی پستی کی انتہائی سوچ کے ساتھ آتا ہے اور روئے زمین سے مخلوق ان ہی جذبات کے ساتھ کھنچی چلی آتی ہے۔ یہ ہزار سال سے زائد عرصے سے ہو رہا ہے، کسی اور گھر کے ساتھ پوری دنیا میں کہیں ایسا معاملہ نہیں کیا جاتا، جو اس قدرت والے کی رحمت کے سایہ کی وجہ سے اس دربار کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز (اس بات کو یوں بھی سوچو کہ) دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ عظیم الشان محلات بناتے ہیں۔ وہ کچھ عرصے باقی اور قائم رہتے ہیں پھر منہدم ہو جاتے ہیں، پس کوئی ان کی بنیاد یا باقیات دیکھنے نہیں جاتا اور کوئی ان کے خراب ہونے یا گر جانے سے نہیں ڈرتا۔[1]

❹ "اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اپنے بندوں کے اعمال کی حفاظت فرماتے ہیں اور کسی عمل کو ضائع نہیں فرماتے اور نہ "اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر کوئی عمل مخفی رہتا ہے، خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور ان اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورا پورا عطا فرمائیں گے۔ اگر اچھے اعمال کیے ہوں گے تو اچھا بدلہ اور اگر برے اعمال کیے ہوں گے تو برا بدلہ۔ "اَلْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ان اعمال میں سے کسی عمل کو بھولتے نہیں اگرچہ لوگ بھول جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال گن رکھے ہیں اور وہ لوگ ان اعمال کو بھول گئے ہیں۔"[2]

"اور ہر چیز ہم نے گن کر لکھ رکھی ہے۔"[3]

ہر چیز گن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں میں سے کراماً کاتبین کو مقرر فرمایا ہے۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے:

"اور تم پر نگہبان مقرر ہیں، عزت والے، عمل لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔"[4]

اسی طرح حضرت ہود عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا:

﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾[5]

تَرجَمَہ: "یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

جب ہود عَلَیْہِ السَّلَامُ کی قوم نے حضرت ہود عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے کہا: ہمارا خیال یہ ہے کہ

---

[1] النهج الأسمى: ۱/۳۴۵ [2] المجادلة: ۶
[3] النبأ: ۲۹ [4] الإنفطار: ۱۰، ۱۱ [5] هود: ۵۷

besturdubooks.wordpress.com

ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو اُن کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو سمجھایا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بے چاری پتھر کی مورتیاں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتیں ہیں، تم سب جو بڑے شہ زور...... تنومند اور طاقت ور...... نظر آتے ہو، اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر مجھ جیسے تنہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

سنو! میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بے زار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ نہ اس میں ذرا کوتاہی کرو، نہ ایک لمحہ کی مجھے مہلت دو۔

اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ اَللّٰه وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ پر ہے، جو میرا رب ہے اور وہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے، گو کج فہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بل کہ ہر چھوٹی بڑی چیز، جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضے اور تصرف میں ہے۔ گویا اُن کے سر کے بال اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے قبضۂ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اُس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں، نہ سچے اُس کی پناہ میں رہ کر رُسوا ہو سکتے ہیں۔

بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے، اُس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام۔ اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اُس نے بتلائی، بیشک اُسی پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اُس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لئے خود ہر وقت وہاں اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے موجود ہے۔[1]

"الحفیظ جل جلالہٗ" کی طرف سے حفاظت کے اسباب

اُس ذات "الحفیظ جل جلالہٗ" کی جانب سے حفاظت کے عجیب عجیب طریقے ہیں اور عجیب و غریب باتیں مشاہدے میں آتی ہیں کہ ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ دنیوی اور روحانی اعتبار سے بھی ہمارا کوئی محافظ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پولیس، چوکی دار یا ہمارے عزیز و اقارب یا پڑوسی ہماری جان و مال کی حفاظت کر رہے ہیں، مگر دراصل حقیقتاً ایسا نہیں ہے، حفاظت دراصل اسی "الحفیظ جل جلالہٗ" کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی حفاظت کو جس دم اٹھا لیتا ہے، چور مال چرا کر لے جاتے ہیں اور قاتل قتل کر جاتا ہے، خواہ کتنے ہی پہرے دار محافظ اور نگہبان کیوں نہ ہوں۔

واقعۂ عجیب (۴۷): ایک مشہور بادشاہ (شاہ فیصل رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک مضبوط قلعے میں ایک محفوظ مقام پر محافظوں کی

[1] تفسیر عثمانی: ۳۰۱

besturdubooks.wordpress.com

نگرانی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ساری حفاظتیں بے فائدہ ثابت ہوئیں، کیوں کہ وقت آگیا تھا اور ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اپنی حفاظت کو ان سے اٹھالیا۔

وہ سارے پہروں اور محافظوں میں بے خوف و خطر بیٹھے تھے کہ سب کے سامنے دن دہاڑے قاتل نے ان کا کام تمام کردیا، حالاں کہ وہ اس سے پہلے ہزاروں خطرناک مقامات پر گئے اور صحیح سالم رہے، مگر اب ان کی عمر ختم ہونے کا پروانہ جاری ہو چکا تھا، لہٰذا محافظ فرشتوں کی حفاظت ان سے اٹھالی گئی تھی۔

کیسے بڑے بڑے بادشاہ مضبوط قلعوں میں بیٹھے بٹھائے اپنے ہی محافظوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ وہ محافظ جنہوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر بڑی محبت اور محنت سے برسوں ان کی حفاظت کی تھی۔ تو پھر ایسا کیوں ہوا کہ محافظ قاتل بن گیا؟

مہربان خادمین کیسے قاتل بن جاتے ہیں؟ اور سایۂ پدری، جو اپنے خون اور پانی سے ایک ننھے پودے کی آب یاری کر کے اس کو تناور درخت بنادیتا ہے، کیسے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے؟

ان کی وہ رات دن کی حفاظت، اُلفت و محبت کہاں چلی جاتی ہے؟

معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے کوئی اور ہی طاقت کارفرما ہوتی ہے کہ جب وہ کنارہ کش ہو جاتی ہے تو سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے اور وہ خود ہی اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

انڈوں کے اندر، ماؤں کے رحموں میں وہ ''الحفیظ جل جلالہ'' نطفوں اور بچوں کی کس اہتمام کے ساتھ حفاظت کرتا ہے کہ اسے سب سے بڑا اور سب کا محافظ ماننا ہی پڑتا ہے۔ انڈے اور رحم کے اندر بچہ کس قدر آسائش و حفاظت کی زندگی گزارتا ہے کہ اسے وہ ایک وسیع دنیا محسوس ہوتی ہے۔ غذا بھی وہاں ہی حاصل کرتا ہے، حرکت کرتا ہے، اور خون، پانی، رطوبت اور ہوا سے مستفید ہوتا ہے۔ پھر بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر باہر آجاتا ہے تو اس کے مادر و پدر وغیرہ یا چشم آفتاب و قمر اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کے آرام و آسائش و غذا کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر وہ ''الحفیظ جل جلالہ'' ذرا سے قطرے کی حفاظت نہ کرتا تو یہ کیسے پروان چڑھتا؟

ایک ذرا سا حقیر بیج، سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل آتا ہے۔ زمین کے اندر اس ''الحفیظ جل جلالہ'' نے اس کی حفاظت کی، اسے خرابی سے بچایا اور پھر اس ناتواں کو اتنی طاقت دی کہ وہ سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل پڑتا ہے۔ اس ناتواں مخلوق کی چشم آفتاب و قمر حفاظت و پرورش کرتی ہے تو وہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا اور قد آور ہو جاتا ہے۔

سیپیوں کے اندر گھونگھوں اور سمندروں کی تہوں میں وہ لاتعداد مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے اور جب وہ کسی مخلوق سے

besturdubooks.wordpress.com

اپنی حفاظت کو اٹھا لیتا ہے تو وہ فنا ہو جاتی ہے۔ خشخاش کے دانوں کے برابر، بل کہ اس سے بھی چھوٹے انڈوں میں وہ کس کمال حفاظت سے نطفہ مادر و پدر کو محفوظ کر کے انہیں ایک زور آور مخلوق بنا دیتا ہے۔ زمینوں، پتھروں، آتش و آب میں وہ بے شمار مخلوقات کی رات دن حفاظت کرتا ہے۔

اس کی حفاظت کے بھی عجیب وغریب طریقے ہیں۔ وہ فرعون جیسے بنی اسرائیل کے دشمن کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو پروان چڑھا دیتا ہے، خون خوار درندوں سے انسانوں کے بچوں کی پرورش کرا لیتا ہے۔ ابھی کچھ سالوں کا واقعہ ہے کہ لکھنؤ کے ہسپتال میں ایک ایسے فرزندِ آدم کو زیرِ علاج رکھا گیا تھا، جسے بھیڑیے نے بچپن میں اپنے کھانے کے لئے اٹھا لیا تھا، مگر حفاظت الٰہیہ سے وہ دشمن اس کا تربیت کرنے والا بن گیا حتیٰ کہ وہ جوان ہو گیا۔

ابھی کچھ دنوں کا واقعہ ہے کہ کراچی میں ایک بلی نے بچے دیئے پھر وہ مرگئی، ایک کتیا ادھر سے گزری تو وہ اپنے دودھ سے ان کی پرورش کرنے لگی، یہ عجوبہ قدرت اہلِ کراچی نے بڑے تعجب سے دیکھا۔[1]

ع سچ ہے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے

الحفیظ جل جلالہ کا انسانی جسم میں حفاظت کا عجیب وغریب انداز

ہر روز آپ کے جسم کی گہرائیوں کے اندر ایک جنگ لڑی جاتی ہے جس کا ادراک آپ کو نہیں ہوتا۔ اس جنگ میں ایک فریق وائرس اور بیکٹیریا پر مشتمل ہوتا ہے جو آپ کے جسم کے اندر سرایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے قابو میں کر لیتے ہیں اور دوسری جانب دوسرا فریق محافظ خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ان دشمنوں سے آپ کے جسم کو بچاتے ہیں۔ دشمن حملے کے لئے انتظار کرتا ہے، تاکہ موقع ملتے ہی مطلوبہ حصے میں پہنچ جائے اور پھر پہلے مرحلے میں اپنے ہدف کے علاقے میں داخل ہو جائے، مگر ہدف والے حصے میں موجود مضبوط، منظم اور اچھے ڈسپلن کے حامی سپاہی دشمن کو آسانی کے ساتھ اندر آنے نہیں دیتے۔

سب سے پہلے دفاعی جنگ لڑنے والے یہ سپاہی دشمن کے سپاہیوں کو نگل جاتے ہیں اور انہیں (خلیہ خوروں کو) میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی بے اثر بنا دیتے ہیں، تاہم کبھی کبھار یہ جنگ اس قدر سخت ہوتی ہے کہ دفاع کرنے والے ان سپاہیوں کے بس کی بات نہیں رہتی۔ ایسے موقعوں پر دوسرے سپاہی (بڑے اکال خلیے (macrophoges) طلب کر لیے جاتے ہیں۔ ان کی شمولیت ہدف کے علاقے میں خطرہ پیدا کر دیتی ہے اور دوسرے سپاہی (مددگارئی خلیے) بھی جنگ میں بلا لئے جاتے ہیں۔ یہ سپاہی مقامی آبادی سے بہت مانوس ہوتے ہیں۔ وہ بہت جلد اپنی اور دشمن کی فوج کے درمیان پہچان کر لیتے ہیں اور فوراً ان سپاہیوں کو ہدایت جاری کرتے ہیں جن کے ذریعے ہتھیاروں (بی خلیوں) کی فراہمی ہوتی ہے۔

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ للازھری: ۱۰۴

besturdubooks.wordpress.com

ان سپاہیوں میں غیر معمولی صلاحیتیں ہوتی ہیں، حالاں کہ انہوں نے دشمن کو کبھی دیکھا نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود ایسے ہتھیار فراہم کر سکتے ہیں جو دشمن کو بے اثر بنا دیں۔ مزید یہ کہ وہ اُن ہتھیاروں کو جو انہیں مہیا کرنے ہوتے ہیں، جہاں تک ضرورت ہو اُٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ اس سفر کے دوران وہ اس مشکل ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہو جاتے ہیں کہ نہ تو کوئی اپنے آپ کو کوئی ضرر پہنچائے اور نہ ہی اپنے حلیفوں کو۔ بعد ازاں حملہ آور ٹیمیں (مارنے والے ٹی خلیے) اندر گھس آتی ہیں۔ یہ دشمن کے نہایت ہی اہم مقام پر وہ زہریلا مادہ چھوڑ دیتی ہیں، جو وہ اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔

فتح ونصرت کی صورت میں سپاہیوں کا ایک اور دستہ (جبر وتشدد کرنے والے ٹی خلیے) میدانِ جنگ میں پہنچ جاتا ہے اور تمام سپاہیوں کو ان کے کیمپ میں واپس بھیج دیتا ہے۔ وہ سپاہی جو میدانِ جنگ میں آخر میں پہنچتے ہیں، (قوتِ حافظہ کے خلیے) دشمن کے متعلق تمام ضروری معلومات ریکارڈ کر لیتے ہیں، تاکہ مستقبل میں اسی قسم کے حملے کی صورت میں اسے استعمال کیا جا سکے۔

جس بہترین لشکر کا اوپر ذکر کیا گیا وہ ایک ایسا عجیب نظام ہے جو انسانی جسم کے اندر موجود ہوتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا اوپر ذکر ہوا، اسے ان خوردبینی خلیوں کے ذریعے کیا جاتا ہے جن کو انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔[1]

کتنے لوگ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ان کے جسموں کے اندر اس قدر منظم، ڈسپلن کی پابند اور بہترین فوج موجود ہے؟

ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کو یہ علم ہے کہ وہ ہر طرف سے جرثوموں سے گھرے ہوئے ہیں، جن سے ان کو بیماریاں بھی لگ سکتی ہیں اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے؟

بے شک اس ہوا میں بہت خطرناک جرثومے موجود ہوتے ہیں جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ جو پانی ہم پیتے ہیں وہ ان جرثوموں سے پاک نہیں ہوتا۔ جو خوراک ہم کھاتے ہیں اس میں جرثومے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن سطحوں کو ہم چھوتے ہیں وہ جرثومے سے خالی نہیں ہوتیں۔

ایسی صورت میں جب کہ ایک انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے، اس کے جسم کے اندر موجود خلیے مسلسل اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اسے اس بیماری سے بچا لیں، جو اس کی موت کا بھی باعث ہو سکتی ہے۔[2]

قتل کے ارادے سے آنے والا شخص محافظ بن گیا

واقعہ نمبر ۴۳: کفار اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلے اور تکلیف پہنچانے میں ممتاز تھے، نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے جو محمد (ﷺ) کو قتل کر دے؟

---

[1] مزید معلومات درکار ہوں تو ازراہِ کرم ملاحظہ کیجیے ایک دوسری تصنیف "غور وفکر کرنے والوں کے لئے: آسمانوں اور زمین میں نشانیاں" از ہارون یحییٰ۔

[2] اللہ کی نشانیاں: ۳۳ تا ۳۶

besturdubooks.wordpress.com

عمر نے کہا: میں کروں گا۔ لوگوں نے کہا: بے شک تم ہی کر سکتے ہو۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے اُٹھے اور چل دیئے، اسی فکر میں جارہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ بنی زُہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہے (اور بعضوں نے کسی اور صاحب کا نام لکھا ہے) ملے۔ اُنہوں نے پوچھا: عمر! کہاں جارہے ہو؟

کہنے لگے: محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد نے کہا: بنو ہاشم اور بنو زُہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہوگئے؟ وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہوگیا ہے، لا پہلے تجھ ہی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہوگیا ہوں، تلوار سنبھال لی۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصے سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔

وہاں حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مکان کے کواڑ بند کیے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کواڑ کھلوائے۔ اُن کی آواز سے حضرت خباب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ جلدی میں باہر ہی رہ گیا، جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا: اپنی جان کی دشمن! تو بھی بے دین ہوگئی۔ اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا: بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے: ”کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلیا؟“

بہنوئی نے کہا: اگر دوسرا دین حق ہو تب؟

یہ سننا تھا کہ اُن کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو اُن کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں: عمر! ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہوگئے، بے شک ہم مسلمان ہوگئے ہیں جو تجھ سے ہوسکے کرلے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفے پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصے کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہوگیا تھا اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آرہی تھی۔ کہنے لگے: اچھا! مجھے دکھلاؤ یہ کیا ہے؟

بہن نے کہا: تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہر چند اصرار کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا۔ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اس کو پڑھنا شروع کیا اور ﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾[1] تک پڑھا تھا کہ حالت ہی بدل گئی۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۴

کہنے لگے: اچھا! مجھے بھی محمد (ﷺ) کی خدمت میں لے چلو۔ یہ الفاظ سن کر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر سے نکلے اور کہا: اے عمر! تجھے خوش خبری دیتا ہوں کہ کل شب حضور ﷺ نے دعا مانگی تھی: "اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَیْنِ إِلَیْکَ: عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ عُمَرَ بْنِ ھِشَامٍ" کہ یا اللہ! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو، اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے) معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے۔[1]

الحفیظ جل جلالہ حفاظت نہ فرمائے تو مکڑی بھی موت کا سبب بن سکتی ہے

واقعہ نمبر ۴۷: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: پہلی امتوں میں ایک عورت تھی۔ اس کو جب وضعِ حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی سی دیر کے بعد بچی پیدا ہوئی تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے پوچھا: اس عورت نے کیا جنا ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ لڑکی ہے، تو اس آدمی نے کہا: آپ یاد رکھیے! یہ لڑکی آخر ایک مکڑی سے مرے گی۔

ملازم یہ سن کر واپس ہوا اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا اور سوچا کہ اب یہ مرگئی ہے تو بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر اس کا پیٹ جوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہوگئی اور خوب صورت اتنی تھی کہ اُس شہر میں وہ اپنے حسن میں بے مثال تھی۔

اس ملازم نے بھاگ کر سمندر کی راہ لی اور کافی عرصہ تک مال و دولت کماتا رہا اور پھر شادی کرنے کے لئے واپس شہر آیا۔ یہاں اس کو ایک بڑھیا ملی تو اس سے ذکر کیا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوب صورت اس شہر میں اور کوئی نہ ہو۔ اس عورت نے کہا: فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں ہے، آپ اسی سے شادی کرلیں۔ آخرکار اس نے کوشش کی اور اس سے شادی کرلی، شادی کے بعد اس لڑکی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں کے ہو؟

اس نے کہا: میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا میں پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا۔ پھر اس نے پورا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر وہ بولی کہ وہ لڑکی میں ہی ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا جس پر نشان موجود تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا: اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق ایک بات یہ بتلاتا ہوں کہ تو مکڑی سے مرے گی۔

شوہر نے اس کے لئے ایک عالی شان محل تیار کرایا، جس میں مکڑی کے جالے کا نام تک نہ تھا۔ ایک دن دونوں اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی۔ عورت بولی: کیا مکڑی یہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟

شوہر نے کہا: ہاں، اس پر وہ فوراً اُٹھی اور کہا: اس کو تو میں فوراً ماردوں گی۔ یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل

---

[1] اسد الغابة: ١٣٩/٤، رقم: ٣٨٢٩

besturdubooks.wordpress.com

کر ہلاک کر دیا۔

مکڑی تو ہلاک ہوگئی، لیکن اس کے زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں، جو اس کی موت کا سبب بن گئیں۔[1]

یہ عورت صاف ستھرے شان دار محل میں بحکم الٰہی اچانک ایک مکڑی کے ذریعے ہلاک ہوگئی۔ اس کے بالمقابل کتنے ہی ایسے آدمی ہیں کہ زندگی بھر جنگوں اور معرکوں میں گزار دی وہاں موت نہ آئی۔

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو اسلام کے سپاہی اور جرنیل مشہور ہیں اور "سیف اللہ" ان کا لقب ہے، پوری عمر شہادت کی تمنا میں جہاد میں مصروف رہے اور ہزاروں کافروں کو تہہ تیغ کیا۔ ہر خطرے کی وادی کو بے خوف وخطر عبور کیا اور ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ میری موت عورتوں کی طرح چارپائی پر نہ ہو، بل کہ ایک نڈر سپاہی کی طرح میدانِ جہاد میں ہو، لیکن آخرکار ان کی موت بستر پر ہی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کا نظام قادرِ مطلق نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب وہ چاہے تو آرام کے بستر پر ایک مکڑی کے ذریعے مار دے اور بچانا چاہے تو تلواروں کی چھاؤں میں بچالے۔[2]

الحفیظ جل جلالہ جس طرح چاہے حفاظت فرماتا ہے

واقعہ نمبر ۷۵: حضرت عمرو بن یحییٰ علوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ ہم ایک قافلے کے ساتھ کوفہ سے مکہ مکرمہ جارہے تھے۔ راستے میں ہمارے ایک ساتھی کو استسقاء (پیاس لگنے) کی بیماری ہوگئی۔ اسی سفر کے دوران کچھ عرب ڈاکو ہمارے قافلے میں سے اونٹوں کی ایک قطار چرا کر لے گئے۔ اتفاق سے وہ بیمار شخص اسی قطار میں شامل تھا۔ اس لئے وہ بھی ہم سے بچھڑ گیا، اس کے کافی دنوں بعد جب ہم واپس کوفہ پہنچے تو وہی شخص ہمیں وہاں پوری طرح صحت مند نظر آیا۔

ہم نے اس سے پوچھا: تو اس نے بتایا: وہ قبائلی لوگ مجھے اپنی بستی میں لے گئے۔ جو وہاں سے چندکوس کے فاصلے پر تھی اور مجھے انہوں نے اپنے گھروں کے قریب لے جا کر ڈال دیا۔ میں اس کرب ناک زندگی سے عاجز آکر موت کی تمنا کررہا تھا۔ اتنے میں ایک دن میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بہت سے اژدہے شکار کر کے لائے ہیں اور ان کے سر اور دُم کاٹ کر انہیں بھون رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ لوگ اژدہوں کے کھانے کے عادی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر میں کھالوں تو مرجاؤں، ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اگر میں مرگیا تو اس المناک زندگی سے نجات مل جائے گی۔

چناں چہ میں نے ان سے وہ بھنا ہوا اژدہا کھانے کو مانگا تو انہوں نے میری طرف پھینک دیا، میں اسے کھا گیا۔ اس کا کھانا تھا کہ مجھے زبردست نیند آئی اور جب میں بیدار ہوا تو پسینے سے شرابور تھا اور شدید متلی ہورہی تھی۔ اس کے بعد مجھے سو سے بھی زائد مرتبہ ابکائیاں آئیں، یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوتے میرا پھولا ہوا پیٹ پچک گیا۔ پھر میں نے ان

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۷۰۰/۱، النساء: ۷۸
[2] معارف القرآن: ۴۸۳/۲، النساء: ۷۸

besturdubooks.wordpress.com

لوگوں سے کوئی کھانے کی چیز مانگی اور چند روز میں بالکل شفایاب ہوگیا۔[1]

إِنَّ الْمَقَادِيرَ إِذَا سَاعَدَتْ أَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

ترجمہ: ''یعنی جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے۔''

اسی طرح ''الحفیظ جل جلالہ'' کی حفاظت زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ بادام واخروٹ کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے، جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، تا کہ ان سے بعض کھانے والے جان داروں کا دفاع ہوتا رہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں، جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ، پنجے اور کچلیاں ہیں، بل کہ پانی کے قطرے قطرے کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہوتے ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔[2]

داعی کے گھر والوں کی حفاظت

واقعہ نمبر ۷: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے علاقے سے ہجرت فرمائی تو ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام بھی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے آگ میں ڈالا اور آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے گل گلزار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور دور دراز علاقوں میں پڑاؤ کرتے رہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان غیر مانوس اور اجنبی علاقوں میں کوئی ان کا مددگار و حمایتی نہ تھا اور ایسے حالات میں ظالم و سرکش لوگ، مسافر لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایسے ظالم و جابر اور اقتدار کے نشے میں مدہوش فرعون صفت انسان سے واسطہ پڑا۔ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) اس کی سرزمین پر دنیا کی حسین وجمیل عورت کے ساتھ اترا ہے۔ اس زمانے میں ظالم اور بدمعاش لوگوں کا وطیرہ تھا کہ اگر کسی عورت کو حاصل کرنا چاہتے تو اس کے شوہر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے تھے (اگر وہ عورت شوہر والی ہوتی)۔ البتہ اگر وہ کنواری ہوتی یا اپنے باپ یا بھائی کے ساتھ ہوتی تو اس صورت میں اس سے اور اس کے عزیز و اقارب اور گھر والوں کو کچھ نہ کہتے۔

یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس ظالم بادشاہ کے قاصد سے یہی کہا کہ سارہ میری بہن ہے (تا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار نہ کرے اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت پر حملہ آور نہ ہو) لیکن اس کے باوجود اس ظالم نے ان پر بدنیتی سے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو اس بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ بحیثیتِ پیغمبر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقینِ راسخ (پکا) تھا کہ ''الحفیظ جل جلالہ'' حضرت سارہ کی عزت و عصمت کی حفاظت

---

[1] حیاۃ الحیوان: ۱/۳۱، تراشے: ۱۰۶
[2] رسائل امام غزالی: ۲/۱۰۰

besturdubooks.wordpress.com

فرمائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "الحفیظ جل جلالہ" کی ذات پر کامل یقین تھا کہ حضرت سارہ علیہا السلام جابر بادشاہ کی شیطانیت سے محفوظ رہیں گی، لہٰذا انہیں بھیج دیا۔ البتہ انہیں یہ بتلا دیا کہ:

"میں نے بادشاہ کو یہ بتلایا ہے کہ تم میری دینی بہن بھی ہو۔" یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سے سب ایمان والے بہن بھائی ہیں، اس طور پر شرعاً یہ جھوٹ بھی نہ ہوا۔

بہرکیف! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے اسے یہی بتلایا ہے کہ "تم میری بہن ہو اور حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے، لہٰذا تم میری ایمانی بہن ہو۔" (اللہ جل جلالہ کا ارشاد بھی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [1] "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں")

چناں چہ جب حضرت سارہ علیہا السلام اس سرکش و شیطانی صفت بادشاہ کے پاس پہنچیں، اُس نے تو ازراہِ شیطانیت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو قدرت کی غیبی قوتیں حرکت میں آگئیں اور وہ ظالم شیطان عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گیا اور حق تعالیٰ نے اسے اپاہج اور معذور کر دیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ یہ اگر مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اس شیطان نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: تم اللہ سے دعا کرو کہ مجھے اس عذاب سے نجات دے تو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور تم سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ تو حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اور اسے عذاب سے نجات مل گئی، لیکن عذاب سے نجات ملتے ہی اس کی شیطانیت پھر لوٹ آئی اور اس نے دوسری بار ازراہِ خباثت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر قدرت کی غیبی مدد ان کے ساتھ تھی، لہٰذا پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اُس ظالم بادشاہ کو اپاہج و معذور کر دیا گیا۔ وہ پھر رونے لگا کہ تم دعا کرو کہ اس مصیبت سے نجات مل جائے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ حضرت سارہ نے پھر دعا کی:

"یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر الزام لگے گا کہ اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا، لہٰذا اسے چھوڑ دیجئے۔" غرض اسے نجات دے دی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے دربانوں اور مددگاروں کو بلوایا اور انہیں کہا کہ تم تو میرے پاس کس شیطان کو لے آئے ہو (وہ سمجھتا تھا کہ غیبی قوت کے خزانے شیطان کے پاس ہوتے ہیں) اسے لے جاؤ اور بالکل صحیح وسالم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس پہنچا دو۔ کیوں کہ وہ جان گیا تھا کہ ان کی حفاظت تو کہیں اور سے کی جا رہی ہے اور وہ ہر طرح بے آبروئی سے محفوظ ہیں اور اس نے بطور خادمہ ہاجرہ علیہا السلام بھی ہدیۃً پیش کیں اور یہ وہی ہاجرہ ہیں جو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے انہیں اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کو ہدیہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ [2]

---

[1] الحجرات: ۱۰ [2] قصص الحدیث: ۶۳

besturdubooks.wordpress.com

جسے الحفیظ جل جلالہ اپنی حفاظت میں رکھے اُسے کون چکھے

واقعہ نمبر ۷۷: اللہ رب العزت جب کسی کی حفاظت کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو موت کے منہ سے بھی اسے بچا لیتے ہیں۔

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیساریہ کو فتح کر کے غزہ کا محاصرہ کیا تو وہاں کے گورنر نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ گفتگو کے لئے کوئی آدمی میرے پاس بھیجئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے خود تشریف لے گئے اور گفتگو شروع کی۔ غزہ کا گورنر ان کے حکیمانہ اندازِ گفتگو اور جرات و بے باکی سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے پوچھا: ''کیا تمہارے ساتھیوں میں تم جیسے کچھ اور لوگ بھی ہیں؟''

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''یہ بات نہ پوچھئے، میں تو ان میں سب سے کم تر آدمی ہوں، جب ہی تو انہوں نے مجھے یہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا ہے۔''

غزہ کے گورنر نے یہ سن کر انہیں کچھ تحفے دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیج دیا کہ: ''جب یہ شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے قتل کر کے اس کا مال چھین لو۔''

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب واپس جانے کے لئے مڑے تو راستے میں غسان کا ایک عیسائی ملا۔ اس نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان لیا اور چپکے سے بولا:

''عمرو! تم اس محل میں اچھی طرح داخل ہوئے تھے، اچھی طرح سے نکلنا۔''

یہ سن کر حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھٹک گئے۔ وہ فوراً مڑے اور واپس گورنر کے پاس پہنچ گئے۔ سردار نے پوچھا: ''کیا بات ہے واپس کیوں آ گئے؟''

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''آپ نے مجھے جو تحفے دیئے ہیں، میں نے انہیں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ میرے چچازاد بھائیوں کے لئے ناکافی ہیں۔ لہٰذا میرے دل میں یہ آ رہا ہے کہ میں اپنے دس بھائیوں کو آپ کے پاس لے آؤں، آپ یہ تحفے ان سب میں تقسیم کر دیں۔ اس طرح آپ کا تحفہ ایک کے بجائے دس آدمیوں کے پاس پہنچ جائے گا۔''

گورنر دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس طرح ایک کے بجائے دس آدمیوں کو قتل کرنے کا موقع ملے گا، چناں چہ اس نے کہا:

''تم ٹھیک کہتے ہو، انہیں جلدی سے لے آؤ۔''

اور یہ کہہ کر دربان سے کہلا دیا کہ ''اب اس شخص کو جانے دو۔''

besturdubooks.wordpress.com

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل سے نکل کر دور تک مڑ مڑ کر دیکھتے رہے اور جب خطرے کی حدود سے باہر نکل گئے تو فرمایا: ''آئندہ ان جیسے غداروں کے پاس نہیں آؤں گا۔''

چند روز کے بعد غزہ کے گورنر کو صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ اس مقصد کے لئے وہ خود مسلمانوں کے پاس آیا اور جب حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے میں داخل ہو کر انہیں امیرِ لشکر کی حیثیت سے بیٹھا دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے بوکھلا کر پوچھا: ''کیا آپ وہی ہیں؟''

''جی ہاں!'' حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

''میں تمہاری غداری کے باوجود زندہ ہوں۔'' [1]

زہر کس نے ملایا تھا؟

واقعہ نمبر ۷۸: جج صاحب نے سزائے موت لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہی تھا کہ اس کی نب ٹوٹ گئی۔ انہوں نے دوسرا قلم لیا تو اس کی نب بھی ٹوٹ گئی۔ اسی طرح جب تیسرا قلم بھی ٹوٹ گیا تو جج صاحب کو بہت حیرت ہوئی۔ انہوں نے کیس کی تفتیش نئے سرے سے کرنے کا فیصلہ کیا۔

معاملہ ایک کسان نذیر کے قتل کا تھا۔ اس کے قتل کے الزام میں اس کی بیوی کو گرفتار کیا تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہوا تھا کہ نذیر اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت اس کی بیوی اس کا کھانا لے کر آئی۔ نذیر کا کام ابھی کافی باقی تھا، چناں چہ اس نے بیوی سے کہا:

''کھانا اس درخت کی شاخ سے باندھ دو...... میں ابھی کچھ دیر اور کام کرنا چاہتا ہوں۔''

کسان کی بیوی نے کھانا باندھا اور گھر چلی گئی۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر نذیر درخت کی طرف گیا۔ اس نے رومال کھولا اور وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ ابھی اس نے دو چار لقمے ہی کھائے تھے کہ وہ گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح نکل گئی۔ آس پاس کچھ دوسرے کسان بھی کام کر رہے تھے...... وہ دوڑ کر حکیم کو بلا کر لے آئے۔ حکیم صاحب نے نذیر کو دیکھ کر بتایا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ کھانے کا ایک لقمہ ایک بلی کو کھلا کر تجربہ کیا گیا تو وہ بھی مر گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ کھانے میں زہر کس نے ملایا۔

نذیر کے ساتھی کسان پر شک گیا، وہ اس کا ساجھے دار (شریک) تھا، لیکن ایک سیدھا سادا آدمی تھا...... پھر جس درخت پر رومال لٹکایا گیا تھا، وہ اس کے قریب جاتا بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اب گھوم پھر کر شک اس کی بیوی پر گیا...... وہی کھانا تیار کر کے لائی تھی...... پولیس نے ہانڈی کے باقی کھانے کو چیک کیا کہ کہیں کھانا پکاتے وقت کوئی زہریلی چیز نہ گر گئی ہو...... اس کھانے کو بھی ایک بلی کو کھلایا گیا...... اسے کچھ نہ ہوا...... اس سے یہی مطلب لیا گیا کہ کھانے میں زہر

[1] تراشے: ۳۰

besturdubooks.wordpress.com

بیوی نے بعد میں ملایا ہے، چناں چہ اس پر مقدمہ چلا اور آخر جج صاحب نے یہی فیصلہ کیا کہ زہراسی نے ملایا ہے، لیکن جب ان کا قلم تین بار ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس جگہ کا معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا، جس جگہ کھانا باندھا گیا تھا۔

جج صاحب نے درخت کا اچھی طرح جائزہ لیا...... آخر انہوں نے حکم دیا:

''اس درخت کو اکھاڑ ڈالا جائے۔''

درخت کو اکھاڑا گیا تو اس کے نیچے سے ایک مردہ سانپ ملا۔ اس پر ان گنت چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں، نذیر کے کھانے پر سے بھی چند چیونٹیاں ملی تھیں، لیکن اس وقت چیونٹیوں کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں گیا تھا، لیکن اب سارا معاملہ سمجھ میں آگیا...... سانپ کا زہر ان چیونٹیوں کے ذریعے کھانے میں منتقل ہوا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے گناہ عورت موت کی سزا سے صاف بچ گئی۔ سچ ہے...... جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔

اس قصے میں دو عبرت کے پہلو ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سارے فیصلوں پر غالب رہتا ہے، اللہ تعالیٰ بچانے کا اور زندہ رکھنے کا ارادہ فرمالیں تو کوئی موت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو مزید زندہ رکھنے کا فیصلہ فرمالیا تو عدالت اس کو موت نہ دے سکی۔

❷ جب اللہ تعالیٰ نے اس کسان کو موت دینے کا ارادہ فرمالیا تو معمولی سا ایک بہانہ موت کا سبب بن گیا۔

کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جس کا تیسرا اللہ ہو؟

واقعہ نمبر ۷۹: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ہجرت کے موقع پر) غار میں تھا تو میں نے وہاں پر مشرکین کے قدموں کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدم کو اٹھالیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا.'' ''(اے ابوبکر) تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے، میں، جن کا تیسرا اللہ ہو۔'' [۱]

فائدہ: اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم پر جو بھی مصیبت یا حال آئے، ہر وقت میں ہماری نظر صرف اسی ''الحفیظ جل جلالہ'' پر ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ حفاظت کی جانی چاہیے وہ عقیدۂ توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! کیا تم

---

[۱] بخاری، التفسیر، باب قولہ ثانی اثنین اذھما فی الغار: ۶۷۲/۲

besturdubooks.wordpress.com

جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا نہ جائے۔ پھر فرمایا: اے معاذ! کیا تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کرلیں؟ (یعنی عقیدۂ توحید پر صحیح طریقے سے جمے رہیں اور صحیح عمل پر بھی قائم رہیں)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسی صورت میں بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے۔''[1]

یہ بہت بڑا حق ہے جس کی حفاظت و رعایت کا ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے حکم فرمایا ہے اور اسی حق کی حفاظت کی خاطر ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ سو جس شخص نے اس حق کی حفاظت دنیا میں کی، ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' قیامت کے دن اپنے عذاب سے اس کی حفاظت فرمائیں گے اور اسے سلامتی وامن نصیب فرمائیں گے اور ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ہاں اس کے لئے ایک عہد ہوگا جس کے تحت ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور جہنم سے حفاظت نصیب فرمائیں گے اور اگر ایسے شخص کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب بھی ہوا تو بھی ایسا شخص توحید پر قائم رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے سے محفوظ رہے گا۔ (بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا) جب کہ کفار جنہوں نے ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے حق یعنی توحید کو ضائع کیا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اور وہ بڑے بڑے واجبات جن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے ان میں ایک نماز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾[3]

تَرْجَمَہ: ''(کامیاب ہوئے وہ مؤمنین) جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں۔''

سو جس نے نمازوں اور اس کے ارکان کی حفاظت کی تو ''اَلْحَفِيْظُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اس کی اپنے عذاب سے حفاظت فرمائیں گے اور اس کو قیامت کے دن نجات حاصل ہوگی۔

---

[1] مسلم، الایمان، باب الدلیل علی ان من مات ......: ۴۴/۱

[2] البقرة: ۲۳۸ [3] المؤمنون: ۹

besturdubooks.wordpress.com

دنیا و آخرت کی بھلائی نماز میں ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نماز روزی کو کھینچنے والی ہے...... صحت کی حفاظت کرنے والی ہے......، تکلیف کو دور کرنے والی ہے......، بیماریوں کو ہٹانے والی ہے......، دل کو مضبوط کرنے والی ہے......، چہرے کو روشن رکھنے والی ہے......، نفس کو فرحت بخشنے والی ہے......، سستی کو دور کرنے والی ہے......، اعضا کو چست رکھنے والی ہے......، قوت کو بڑھانے والی ہے......، سینے کو کھولنے والی ہے......، روح کی غذا ہے......، دل کو منور کرنے والی ہے......، نعمت کی محافظ ہے......، عذاب کو دور کرنے والی ہے......، برکات کو لانے والی ہے......، شیطان سے دوری کا سبب ہے......، رحمٰن سے قرب کا ذریعہ ہے۔[1]

اور وہ چیزیں جن کی حفاظت کا "الحفیظ جل جلالہ" نے حکم دیا ہے، ان میں کان، آنکھ اور دل بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾[2]

ترجمہ: "بیشک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔"

سو اپنے کانوں کی حفاظت کیجئے اور ایسی بات سنئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہوں اور اپنی نگاہ کی حفاظت کیجئے اور ایسی چیز دیکھئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ ہو اور اپنے دل اور عقل کی ایسی چیزوں سے حفاظت کیجئے جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ متعلق ہو اور دل و عقل کو اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے بھی محفوظ رکھیے۔[3]

اور جن چیزوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں شرمگاہ بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾[4]

ترجمہ: مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں، اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَرِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ"[5]

ترجمہ: "جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری دیدے تو

---

[1] الطب النبوي: ۳۳۲ [2] الإسراء: ۳٦

[3] فَاحْفَظْ سَمْعَكَ، فَلَا تَسْمَعْ إِلَّا مَا يُرْضِيهِ، وَاحْفَظْ بَصَرَكَ فَلَا تَنْظُرْ إِلَّا إِلَى مَا يُرْضِيهِ، وَاحْفَظْ قَلْبَكَ وَعَقْلَكَ مِنْ أَنْ يَتَعَلَّقَ بِمَا يُغْضِبُهُ وَيُسْخِطُهُ وَيَنْشَغِلَا بِغَيْرِهِ.

[4] النور: ۳۰ [5] بخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان: ۹۵۸/۲

besturdubooks.wordpress.com

میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

قسم کی حفاظت

جن چیزوں کی ضمانت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ان میں سے قسم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاحْفَظُوٓا اَیْمَانَكُمْ﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ”اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔“

قسم کی حفاظت انسان کے ایمانی جذبہ کے تحت ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ قسم کے معاملے کو انتہائی آسان سمجھتے ہیں اور بات بات میں قسم اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ اور اکثر قسم کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ان پر کفارے لازم ہوتے رہتے ہیں، لیکن انہیں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ (یا تو دینی معاملات سے ناواقفیت کی بنا پر یا کفارے کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) تو ایسے لوگ گناہ میں پڑے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک نازک معاملہ ہے، اس میں سب کو احتیاط برتنی چاہئے اور عوام میں اس مسئلے کو اجاگر کرنا علماءِ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کی اہمیت کا شعور عوام میں پیدا کریں۔

دین کی حفاظت کے لئے سب سے اہم چیز دعا ہے۔ مؤمن بندہ جب اللہ تعالیٰ سے اپنے دین کی حفاظت کے لئے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مؤمن بندے اور ان چیزوں کے درمیان، جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں، ایسے اسباب حائل فرمادیتے ہیں جن کی طرف بندہ کا گمان بھی نہیں جاتا اور بعض اوقات بندہ ان اسباب کو ناپسند بھی کرتا ہے، حالاں کہ وہ اس کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں اور یہ دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ایسے فرماتے ہیں جیسا کہ یوسف عَلَیْہِ السَّلَامُ کے دین کی حفاظت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ [2]

تَرْجَمَہ: ”اور یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہم یوسف سے برائی اور بے حیائی دور کردیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔“

اپنی حفاظت کے لئے یہ دعائیں کیجئے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے، اسے کوئی زہریلا جانور نقصان نہیں پہنچائے گا:

1. ”اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.“ [3]

---

[1] المائدة: ۸۹ [2] یوسف: ۲۴ [3] مسلم، الذکر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ: ۲/۳۴۷

besturdubooks.wordpress.com

صبح وشام ایک ایک مرتبہ ذیل کے کلمات پڑھے تو جن وانس کے شر سے حفاظت ہوتی ہے۔

❷ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ."[۱]

❸ اور ہر فرض نماز کے بعد قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ـــ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ـــ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔

حفاظت کے لئے ان کلمات کو پڑھنے کے ساتھ ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ کئی جگہ مال و اسباب کی ہلاکت کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پوری طرح زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔ اس لئے زکوٰۃ پوری طرح ادا کرنے کا اہتمام کریں اور دوسرے کسی مسلمان کا کوئی اور جانی یا مالی حق بھی ہرگز نہ دبائیں کہ جس کی بنا پر آپ اس کی بددعا کے مستحق ٹھہریں اور وہ بددعا آپ کے جان و مال کے نقصان کا سبب بنے۔[۲]

فوائد ونصائح

اس صفاتی اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ ان چند باتوں پر عمل کریں:

❶ اللہ تعالیٰ کو محافظِ حقیقی یقین کریں۔

❷ حفاظتِ ظاہری کے جملہ اسباب کو بغیر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے ہیچ وحقیر سمجھیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا حقیقی محافظ سمجھیں۔

❹ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور نامحرم کی طرف دیکھنا ہے، اور آخری نتیجہ زنا ہے، لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کا تعلق ملے، مضبوط اور پختہ ایمان حاصل ہو، اس کو چاہئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے، اخبار، ٹی وی، اشتہارات، کمپیوٹر، وغیرہ پر خصوصاً اور عمومی زندگی میں عموماً اپنی نگاہ پر سخت چوکی دار بٹھائے۔[۳]

❺ اسی کی حفاظت میں آکر جملہ بلیاتِ شیطانی و آفاتِ نفسانی سے کنارہ کش رہیں اور مؤمن بندہ پر یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری میں زندگی گزارے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بندوں کے حقوق، ظلم نہ کرنا، الزام نہ لگانا، تکلیف نہ پہنچانا وغیرہ کا اہتمام و حفاظت کرے۔[۴]

---

[۱] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲ [۲] حفاظت اور عافیت کے لئے تیس (۳۰) دعائیں صبح و شام مانگنے کا معمول بنالیں، جو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "صبح و شام کی مسنون دعائیں" میں درج ہیں اور مستند مجموعہ وظائف میں بھی یہ دعائیں موجود ہیں۔

[۳] طبرانی: ۳۹۹ [۴] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۱

besturdubooks.wordpress.com

اَلْمُقِيْتُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(سب کی روزی پیدا کر کے پہنچانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُقِيْتُ" خَالِقُ الْأَقْوَاتِ الْبَدَنِيَّةِ وَالرُّوْحَانِيَّةِ وَمُوْصِلُهَا إِلَى الْأَشْبَاحِ وَالْأَرْوَاحِ.[1]

تَرْجَمَہ: "اَلْمُقِيْتُ بدنی اور روحانی روزی کا پیدا کرنے والا اور اس کو جان داروں تک پہنچانے والا ہے۔"

❷ اَلْمُقِيْتُ: اَلْمُقْتَدِرُ عَلَى الشَّيْءِ، يُقَالُ: اَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ.[2]

تَرْجَمَہ: امام زجاجی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْمُقِيْتُ" کا مطلب ہے کسی چیز پر قادر ہونا، کہا جاتا ہے أَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ إِذَا اقْتَدَرَ عَلَيْهِ یعنی فلاں نے کسی چیز پر قدرت پالی۔[3]

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک ایک مرتبہ آیا ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾[4]

اس آیت کے تین مطلب ذکر کیے جاتے ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والے اور اس پر نگراں ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں۔

❸ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں۔[5]

علامہ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: لغتِ قریش میں "اَلْمُقِيْتُ" "اَلْقَدِيْرُ" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[6]

---

[1] شرح الطیبی، الدعوات، باب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۵/۳۹ [2] النہج الاسمیٰ: ۱/۳۵۶

[3] هُوَ إِسْمُ الْفَاعِلِ مِنْ أَقَاتَ يُقِيْتُ إِقَاتَةً فَهُوَ مُقِيْتٌ، وَالْيَاءُ فِيْهِ بَدَلٌ مِّنَ الْوَاوِ لِأَنَّهٗ مُشْتَقٌّ مِّنَ الْقُوْتِ. (النہج الاسمیٰ: ۱/۳۵۶

[4] النساء: ۸۵ [5] النہج الاسمیٰ: ۱/۳۵۷

[6] وَالصَّوَابُ مِنْ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ، قَوْلُ مَنْ قَالَ: مَعْنَى الْمُقِيْتِ، اَلْقَدِيْرُ، وَذٰلِكَ أَنَّ ذٰلِكَ فِيْمَا يُذْكَرُ كَذٰلِكَ بِلُغَةِ قُرَيْشٍ. (النہج الاسمیٰ: ۱/۳۵۷)

besturdubooks.wordpress.com

لفظ مُقِیتُ کے لغت کے اعتبار سے بھی تین معنی ہیں: ① قادر مقتدر ② حاضر ونگران اور ③ روزی تقسیم کرنے والے۔[1]

زمین کو المقیت جل جلالہ نے عظیم الشان گودام بنایا ہے

تیسرے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰمٓ سجدۃ میں زمین کی پیدائش کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ﴾[2]

ترجمہ: ''اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں۔''

حضرت حسن اور حضرت سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصے میں اس کے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی۔

مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصۂ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔

اسی تقدیرِ الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہوگئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات...... مختلف قسم کے نباتات ...... درخت...... اور جانور...... اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج ومرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیے۔

اسی وجہ سے ہر خطہ کی مصنوعات وملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب، سابور میں سابوری، رے میں طیالسہ، کسی خطہ میں گندم، کسی میں چاول اور دوسرے غلات، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جو، کسی میں سیب، انگور اور کسی میں آم اس اختلافِ اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے۔

حضرت عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں، کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو، باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے۔

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات، غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں، وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہے گا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔[3]

---

[1] اَلْمُقِيتُ مَعْنَاهُ خَالِقُ الْأَقْوَاتِ، وَمُوْصِلُهَا إِلَى الْأَبْدَانِ وَهِيَ الْأَطْعِمَةُ، وَ إِلَى الْقُلُوْبِ وَهِيَ الْمَعْرِفَةُ، فَيَكُوْنُ بِمَعْنَى "الرَّزَّاقِ" إِلَّا أَنَّهُ أَخَصُّ مِنْهُ إِذِ الرِّزْقُ يَتَنَاوَلُ الْقُوْتَ وَغَيْرَ الْقُوْتِ، وَالْقُوْتُ مَايُكْتَفِيْ بِهِ فِيْ قِوَامِ الْبَدَنِ. (النهج الاسمٰی: ۳۵۹/۱)

[2] حٰمٓ السجدة: ۱۲

[3] معارف القرآن: ۶۳۸/۷، حٰمٓ السجدة: ۱۲

besturdubooks.wordpress.com

جس طرح مخلوق مختلف انواع و اقسام کی ہے، اسی طرح قوت یعنی روزی کی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ سطح زمین ایک وسیع دستر خوان ہے، جہاں صلائے عام صدائے عام ہے ''بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست''

کافر و مؤمن، فاسق و فاجر اور زاہد و متقی کا کوئی امتیاز نہیں، کوئی اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو، اس کی حمد و ثنا کرتا ہو یا گستاخِ بارگاہ ہو سب برابر ہیں۔ وہ ''المُقِيتُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہر ایک کو اس کے مناسب حال روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ گوشت خور کو گوشت، سبزی خور کو سبزی، پھل اور میوے کھانے والوں کو پھل اور میوے اور پھول کھانے والے کو پھول۔

بے شمار انواع و اقسام کے روزینے ہیں، گوشت، سبزی، پھل، پھول، شہد، لکڑی، آگ، مٹی، دھواں، ہوا، پانی، ریت، نمی، کیچڑ، کیڑے مکوڑے، خون، بلغم، پیپ، گندگی، کوڑا کرکٹ، میل، کانٹے، گھاس پھونس، ہڈی، کوئلہ، کائی، بیج، نمک، گوند، گٹھلیاں، روٹی، درختوں کی چھال اور پوست، برادہ، آٹا، دودھ، انڈے، الغرض طرح طرح کے برے بھلے رزق ہیں کہ جن کی غذا ہیں ان کے لئے بہر حال بھلے ہی بھلے ہیں، جن سے خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ دوسروں کے لئے قابلِ نفرت ہیں۔

رزق جو نصیب میں لکھا ہے ضرور ملے گا

چوں کہ وہ ''المُقِيتُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔ لہٰذا اس کی اس صفت کا ظہور کامل و اکمل طریق پر ہونا چاہئے تھا، سو ایسا ہی ہے۔ انسان ہو یا حیوان، جڑی بوٹیاں ہوں یا نباتات سب کے لئے اس نے رزق پیدا کر دیا ہے، عقل والا ہو یا بے عقل، زبان والا ہو یا بے زبان، چلنے پھرنے والا ہو یا ساکن و صامت، اس معاملے میں سب برابر ہیں۔ کسی مذہب و ملت، ملک و قوم، شرقی و غربی اور کافر و مؤمن کا کوئی فرق نہیں۔ دعوت عام ہے اور صدائے تام ہے۔

کھانے پینے کے معاملے میں جس کسی نے اولیاء اللہ میں سے اس بارے میں کوئی امتیاز برتا تو انہیں تنبیہ کی گئی کہ فلاں شرابی و زانی کے ساتھ تم نے کیوں کھانے کے بارے میں فرق کو ملحوظ رکھا؟ کیا وہ ہمارا بندہ نہیں ہے؟

اگرچہ گناہ گار ہے، ہم امتیاز نہیں کرتے تو تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ وہ کافروں کو پلاؤ زردے کھلاتا ہے اور مؤمنوں کو چٹنی روٹی، رزق کا معاملہ مقدر سے طے کر دیئے جانے پر موقوف ہے، اسلام و کفر پر نہیں ہے۔[1]

المُقِيتُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسان کو حصولِ رزق کا طریقہ سکھایا

اس ''المُقِيتُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہر ایک کو رزق حاصل کرنے کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ مناسب آلات تو دیئے ہی ہیں حیلے اور طور طریقے بھی سکھا دیئے ہیں، مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے۔ اسے کوئی مرغی یا مرغا نہیں بتاتا کہ تو ایسا کر۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازہری: ٤٥٦

besturdubooks.wordpress.com

بعض جانوروں کو ان کی مائیں اشارہ کرتی ہیں اور پھر وہ الہامِ خداوندی سے پستان یا تھن کو چوسنے لگتے ہیں۔ جب گائے، بھینس یا بکری بچے دیتی ہیں تو مادرِ مہربان بار بار اس کے منہ کی طرف اپنے تھن کرتی ہے۔ وہ ''المقیت جل جلالہ'' کے الہام سے اسے چوسنے لگتا ہے تو شرابِ طہور پاتا ہے۔ پھر تو خوب چٹخارے لے لے کر پینے لگتا ہے۔ اپنا سر یا ہاتھ یا پنجے مار مار کر دودھ زیادہ سے زیادہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور نعمتِ خداوندی سے سیراب ہوتا ہے۔

کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اس کا
پہنچتا ہے ہر ایک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا[1]

محدثین کی خبر لو

واقعہ نمبر ⑧⓪: اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے روزی پہنچاتے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں مصر میں چار محدثین بڑے مشہور ہوئے، چاروں کا نام محمد تھا اور چاروں علمِ حدیث کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: ① محمد بن نصر مروزی ② محمد بن جریر طبری ③ محمد بن المنذر اور ④ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان کا ایک عجیب واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات مشترکہ طور سے حدیث کی خدمت میں مشغول تھے۔ بسا اوقات ان علمی خدمات میں انہماک اس قدر بڑھتا کہ فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی۔

ایک دن چاروں ایک گھر میں جمع ہو کر احادیث لکھنے میں مشغول تھے کھانے کو کچھ نہیں تھا، بالآخر طے پایا کہ چاروں میں سے ایک صاحب طلبِ معاش کے لئے باہر نکلیں گے، تا کہ غذا کا انتظام ہو سکے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نکلا۔ انہوں نے طلبِ معاش کے لئے نکلنے سے پہلے نماز پڑھی اور دعا کرنی شروع کردی۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور مصر کے حکمران احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ ''اپنی قیام گاہ میں آرام کر رہے تھے، ان کو سوتے ہوئے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا: محدثین کی خبر لو، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔'' ابن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ بیدار ہوئے تو لوگوں سے تحقیق کی کہ اس شہر میں محدثین کون کون ہیں؟

لوگوں نے ان حضرات کا پتا دیا۔ احمد بن طولون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے اور جس گھر میں وہ خدمتِ حدیث میں مشغول تھے اسے خرید کر وہاں ایک مسجد بنوادی اور اسے علمِ حدیث کا مرکز بنا کر اس پر بڑی جائیدادیں وقف کردیں۔[2]

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ٤٦٢

[2] تراشے: ۱۳۲

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

اس واقعے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

❶ ہمارے اسلاف اپنے مسائل نماز اور دعا کے ذریعے حل کرواتے تھے، خواہ کوئی بھی مسئلہ اور کوئی بھی پریشانی ہو، دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ ربُّ العزت سے مانگتے تو ان کے مسائل حل ہو جاتے۔ ہم بھی اگر اپنے مسائل اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں پیش کریں اور دل کے یقین سے اللہ ربُّ العزت سے دعائیں مانگیں تو اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ ہمارے بھی معاشی، گھریلو، کاروباری تمام مسائل اپنی قدرت سے حل فرمائیں گے، لہٰذا مشکل کشا، روزی دینے والی ذات، اولاد دینے والی ذات اور ہر قسم کے مسائل اور پریشانیاں دور کرنے والی ذات صرف ایک اللہ ربُّ العزت کی ذات ہے اس پر یقین کریں اور اسی سے دعاؤں اور نیک اعمال کے ذریعے اپنے اپنے مسائل حل کروائیں۔

❷ ہر مکلف (انسان) پر یہ ضروری ہے کہ وہ یہ جانے کہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے مطابق کام بنانے والا کوئی نہیں ہے مگر صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات۔ اس لئے کہ وہی ان کی غذا اور رزق کا بندوبست کرتا ہے، وہی ان کو رزق حاصل کرنے کی سمجھ عطا کرتا ہے، رزق حاصل کرنے کے طریقے، آلات مہیا فرماتا ہے۔[1]

ہر مخلوق کی کسی نہ کسی صورت میں غذا ہے۔ پس جسموں کی غذا کھانے اور پینے کی چیزیں ہیں۔ روحوں کی غذا علوم کا جاننا ہے۔ ملائکہ کی غذا تسبیح ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی نگہبانی کرنے والا ہے اور ان کی خبر گیری کرنے والا ہے۔

لہٰذا اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے تمام اعضاء کی صحت و طاقت جملہ قویٰ کی بقا و قوت کا سوال اسی مالک سے کرے اور التجا کیا کرے کہ اے میرے رب میرے مددگار! میرے اعضاء، مرے قویٰ، میرے حواس، میری خدمات، میری معلومات اور میرے مشاہدات کو تو ہی اپنی رحمت و طاقت سے بڑھاتا رہ اور تو ہی ان سب کی درستی و توانائی کا سامان فرمایا کر۔[2]

---

[1] النهج الأسمٰى: ۳۶۱/۱

[2] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۲

besturdubooks.wordpress.com

اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کے لئے کافی ہوجانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَسِيْبُ: هُوَ الْعَلِيْمُ بِعِبَادِهٖ، كَافِي الْمُتَوَكِّلِيْنَ، اَلْمُجَازِيْ لِعِبَادِهٖ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ بِحَسْبِ حِكْمَتِهٖ وَعِلْمِهٖ بِدَقِيْقِ أَعْمَالِهِمْ وَجَلِيْلِهَا.[1]

تَرجَمہ: شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو جاننے والا ہے، توکل کرنے والوں کو کافی ہے۔ اپنے بندوں کو ان کے اعمالِ خیر اور شر، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے سب کا بدلہ دینے والا ہے۔ اپنی حکمت اور علم کے موافق معاملہ کرنے والا ہے۔

❷ صاحب "النہج الاسمیٰ" فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی ہیں اور بندے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، کیوں کہ ان کا وجود اسی ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا مرہونِ منت ہے۔ وہی ان کو پیدا کرنے والا ہے، رزق دینے والا ہے اور دنیا و آخرت میں ان کی کفایت کرنے والا ہے اور اس کفایت میں اس ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا کوئی شریک نہیں اور اگر کوئی اپنی نادانی سے یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا اس کے لئے کافی ہے تو اس کا خیال خیالِ باطل ہے، محض غلطی اور فریب ہے، کیوں کہ ہر چیز اسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئی ہے، اسی کے حکم سے باقی رہنے والی ہے اور اسی کے حکم سے فنا ہوجانے والی ہے۔[2]

❸ امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جو کوئی اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے لئے کافی ہیں اور "اَلْحَسِیْبُ" ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں

---

[1] تیسیر الکریم الرحمٰن: ۳۰۲/۵

[2] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى هُوَ الْكَافِيْ لِعِبَادِهٖ، اَلَّذِيْ لَا غِنٰى لَهُمْ عَنْهُ أَبَدًا، بَلْ لَا يُتَصَوَّرُ لَهُمْ وُجُوْدٌ بِدُوْنِهٖ، فَهُوَ خَالِقُهُمْ وَبَارِئُهُمْ وَرَازِقُهُمْ وَكَافِيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، لَا يُشَارِكُهٗ فِيْ ذٰلِكَ أَحَدٌ أَبَدًا، وَإِنْ ظَنَّ النَّاسُ أَنَّ غَيْرَ اللّٰهِ يَكْفِيْهِمْ فَهُوَ ظَنٌّ بَاطِلٌ، وَخَطَأٌ مَحْضٌ، بَلْ كُلُّ شَيْءٍ بِخَلْقِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَأَمْرِهٖ. (النہج الاسمیٰ: ۳۶۷/۱)

besturdubooks.wordpress.com

تصور نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ کفایت کرنے والا بھی کفایت کا محتاج ہوتا ہے اور وہ ذات ایسی ہو جس کا وجود ہو اور وجود بھی دائمی اور کامل ہو کسی کا محتاج نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی ایسا وجود نہیں جو کسی دوسرے کے لئے پوری طرح کافی ہو، اللہ تعالیٰ اکیلے ہی ہر ایک کے لئے کافی ہیں۔ ایسا نہیں کہ بعض کے لئے کفایت کرنے والے ہوں اور بعض کے لئے نہ ہوں، بل کہ تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کفایت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے تمام اشیاء کو وجود و دوام ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے ان کی تکمیل ہوتی ہے۔

آپ یہ گمان نہ کریں اس بچے کے متعلق جسے ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے کہ اس کی کفایت ماں کررہی ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی کفایت فرمائی، اس طور پر کہ اس کی ماں کو پیدا فرمایا اور اس کی ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا فرمایا اور اس دودھ کو حاصل کرنے میں اس بچے کی رہنمائی فرمائی اور ماں کے دل میں اس بچے کے لئے شفقت اور محبت پیدا فرمائی حتیٰ کہ ماں نے اس بچے کو اٹھایا اور دودھ پلایا۔ تو معلوم ہوا کہ ظاہراً کفایت ان اسباب سے حاصل ہوجاتی ہے لیکن درحقیقت ان اسباب کو پیدا کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اکیلے ہر ایک کے لئے کافی ہیں اور ''الحسیب جل جلالہ'' کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو اکیلے کسی دوسری چیز کے لئے کافی ہو، بل کہ تمام مخلوقات میں سے بعض بعض کے محتاج ہیں اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اکیلے یہ کسی کی بھی ضرورت پوری نہیں کرسکتے، بل کہ سب مل کر بھی کسی کے کام تب آسکتے ہیں جب ''الحسیب جل جلالہ'' چاہیں اور اللہ تعالیٰ اکیلے ہر ایک کے لیے تمام مخلوقات کے بغیر، سب اسباب و وسائل کے بغیر کافی ہیں اور اس کفایت میں کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں اور یہی صحیح معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا:

''اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ تعالیٰ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں مسلمان (ان کو بھی)۔''[۱]

اسی معنی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے اور بہت سے دلائل سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔[۲]

اسم مبارک ''الحسیب جل جلالہ'' قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾[۳]

۲ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾[۴]

۳ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾[۵]

صرف زمین و آسمان، سورج، چاند ہی نہیں، اَن گنت ان سے بھی بڑے بڑے اجسام اس ''الحسیب جل جلالہ'' کی کفایت وحسبان سے فضا میں تیر رہے ہیں اور اس خوبی سے کہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾[۶] مگر

---

[۱] ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال: ٦٤)

[۲] النهج الأسمیٰ: ۱/۳٦۸ [۳] النساء: ٦ [۴] الاحزاب: ۳۹ [۵] النساء: ۸٦ [٦] الكهف: ۲٤

besturdubooks.wordpress.com

یہ کہ اللہ ہی چاہے۔

یہ بھاری بھر کم معلق گیندیں (چاند وسورج) چلتی پھرتی بھی ہیں، گھومتی ہیں، حرکت کرتی ہیں، پھر بھی نہیں گرتیں اور آپس میں نہیں ٹکراتیں۔ بس اس "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی قدرت کا کرشمہ ہے، عقلیں حیران ہیں۔

عجیب وغریب کاریگری ہے اور عجیب وغریب اس کا نظام ہے۔

"اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی کفایت

ہم اپنے اچھے برے اعمال کی جزا وسزا کے لئے کسی کے محتاج نہیں، کیوں کہ وہ "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہمارے لئے کافی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں اپنے نیک اعمال کی جزا کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا اور اپنے اعمالِ بد کی سزا کی معافی کے لئے بھی کسی کی خوشامد نہیں کرنی پڑتی۔ وہ ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں اس کے در کے سوا کسی کا دروازہ کھٹکھٹانا نہیں پڑتا۔ جب اللہ والوں سے کہا گیا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں، ڈرو تو انہوں نے کہا:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[1]

تَرْجَمَہ: "ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں۔"

کیسے کیسے کٹھن مقامات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر عَلَیْہِمُ السَّلَام اور ان کے ماننے والوں کو نکالا ہے کہ ماننا پڑتا ہے وہ "اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ" یقیناً کافی ووافی ہے اور ساری قوتیں اور وسائل اس کی کفایت کے سامنے بے کار ہیں۔

دشمن نے بارہا رسولِ کریم ﷺ اور مسلمانوں کو مٹا دینے اور قتل وغارت کر دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کو خائب وخاسر (محروم وناکام) کر دیا۔[2]

"اَلْحَسِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی کفایت سے دشمن کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں

وَاقِعَہ نمبر ⑧١: کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ رسولِ کریم ﷺ کو اپنے گھر میں بلا کر قتل کرنے کی سازش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کر دی اور ان کی ساری سازش خاک میں مل گئی۔

اسی طرح حضرت مجاہد اور عکرمہ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم ﷺ کسی معاملے کے لئے یہودِ بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر باتوں میں مشغول کیا اور دوسری طرف عمرو بن جحش کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ پیچھے سے اوپر چڑھ کر پتھر کی ایک چٹان آپ کے اوپر ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو ان کے ارادے پر مطلع فرمایا اور آپ فوراً وہاں سے اُٹھ گئے۔[3]

---

[1] آل عمران: ۱۷۳ [2] شرح اسماء الحسنٰی للازھری: ۱۰۰ [3] معارف القرآن: ۳/۷۵، المائدۃ: ۱۱

besturdubooks.wordpress.com

"اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" جب کافی ہے تو پھر اسی ذات پر ہمیں بھروسہ کرنا چاہئے۔ نہ کسی سے دل میں اتنا خوف ہو کہ ڈر کر، سہم کر رہیں اور کوئی کام نہ کرسکیں۔ نہ کسی سے امید اتنی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غافل ہو جائیں۔

اسی لئے "اَلْحَسِیْبُ" کے معنی بعضوں نے یہ کئے ہیں:

"إِنْ كَانَ اللّٰهُ مَعَكَ فَمَنْ تَخَافُ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْكَ فَمَنْ تَرْجُوْ"[1]

تَرْجَمَہ: "اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تو پھر تمہیں کس چیز کا ڈر ہے؟ اور اگر وہ تمہارے ساتھ نہیں تو تم کس سے امید لگائے بیٹھے ہو؟

وہ ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سب کے لئے کافی ہے

جب وہ بندوں کی کفایت پر قادر ہے اور ان کے کام بنانے پر قادر ہے اور اس نے فریاد پہنچانے کے لئے اپنے دربار میں کوئی سیڑھی .... چپڑاسی .... منشی .... قاصد .... اور اہل کار .... یا پیش کار .... وزیر مشیر، معاونِ مددگار نہیں رکھے تو ہم خدا کو پکارنے یا راضی کرنے کے لئے جھوٹے سہارے کیوں ڈھونڈیں؟ اور سہارے بھی وہ جو خود اپنے کاموں کے بننے یا بگڑنے میں اسی ذات "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے محتاج ہیں کہ جب تک وہ کفایت نہ کرے کسی کے کام نہیں بن سکتے، پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مرض الموت میں یعنی جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت یہ اشعار ارشاد فرمائے ہیں جن میں "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کو اپنے لئے کافی قرار دیا ہے:

أَنْتَ حَسْبِيْ وَفِيْكَ لِلْقَلْبِ حَسْبُ وَلِحَسْبِيْ إِنْ صَحَّ لِيْ فِيْكَ حَسْبُ
لَا أُبَالِيْ مَتٰى وِدَادُكَ لِيْ صَحَّ مِنَ الدَّهْرِ مَا تَعَرَّضَ خَطْبُ[2]

تَرْجَمَہ: "تو میرے لئے کافی ہے اور دل میں تیرے بارے میں اچھا گمان ہے اور میرا تیرے لئے اچھا گمان مجھے کافی ہے۔ جب مجھے تیری سچی محبت حاصل ہے تو مجھے مصیبتوں اور پریشانیوں کی کوئی پروا نہیں۔"

فوائد و نصائح

1. بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی ہمت اور ارادے میں خاص "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی صرف اور صرف اُس کے لئے کافی ہے۔

2. ہر مسلمان کو چاہئے کہ کامل بھروسہ اور اعتماد صرف اور صرف "اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر ہی رکھے۔ اُس کے علاوہ کسی پر

[1] مرقاۃ: باب شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: ۸۷/۵

[2] دیوان امام شافعی: ۵۹

besturdubooks.wordpress.com

بھروسہ یا کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔

۳ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں آسمان، سورج، چاند کو "الحسیب جل جلالہٗ" کافی ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے دلوں میں "الحسیب جل جلالہٗ" کے کافی ہونے کے یقین کو بٹھائیں اور ہر حال میں اس کو کافی سمجھیں۔

۴ ہر مسلمان کو چاہیے کہ آخرت کے حساب کی تیاری کرے، اگر دنیا میں کسی کا محاسبہ ہو جائے تو کتنا پریشان ہوتا ہے لہٰذا جس دن ہر چیز کا حساب دینا ہوگا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، نظر کا تو اس دن کی تیاری میں اپنے اوقات لگائے، جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا تو آخرت میں ان شاء اللہ اس کا حساب آسان ہوگا۔

besturdubooks.wordpress.com

الجلیل جل جلالہ

(بڑے اور بلند مرتبے والا)

اس اسم مبارک کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

"الجلیل جل جلالہ" بڑی شان والا، عظمت والا، بلند مرتبے والا، بڑی بزرگی والا۔

❶ اَلْجَلِیْلُ: هُوَ مِنَ الْجَلَالِ، وَالْعَظَمَةِ وَمَعْنَاهُ: مُنْصَرِفٌ إِلٰی جَلَالِ الْقُدْرَةِ وَعَظَمِ الشَّانِ. فَهُوَ الْجَلِیْلُ الَّذِيْ یَصْغُرُ دُوْنَهٗ کُلُّ جَلِیْلٍ، وَیَتَّضِعُ مَعَهٗ کُلُّ رَفِیْعٍ.[1]

ترجمہ: "لفظ "الجلیل جل جلالہ" جلال سے بنا ہے، جس کے معنی بڑائی و بزرگی کے ہیں اور جلیل کا مطلب "بڑی قدرت والا اور بلند شان والا،، ہونا ہے۔ اللہ رب العزت کی قدرت اور بڑائی کے آگے ہر بڑائی والا چھوٹا اور ہر بلند شان والا پست ہے۔"

❷ "اَلْجَلِیْلُ: أَيِ الْمَنْعُوْتُ بِنُعُوْتِ الْجَلَالِ وَالْحَاوِيْ لِجَمِیْعِهَا عَلٰی وَجْهِ الْکَمَالِ بِحَیْثُ لَا یُمْکِنُ لِأَحَدٍ أَنْ یُّدَانِیَهٗ فَضْلًا عَنْ أَنْ یُّسَاوِیَهٗ"[2]

ترجمہ: ""الجلیل جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بڑائی اور بزرگی کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو، اور کامل اور اکمل طور پر ان تمام صفات پر حاوی ہو، اس طور پر کہ کسی دوسرے کے لئے یہ ممکن ہی نہ ہو کہ وہ اِن صفات میں اس "الجلیل جل جلالہ" کے قریب ہو جائے، چہ جائے کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ صفات میں برابر ہو۔

اللہ رب العزت کی جلالتِ شان کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾[3]

ترجمہ: "نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی۔"

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کامل صفات کی کثرت پر ایک بڑی دلیل ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ رب العزت کی صفات کی کثرت اور ان کی عظمت و وسعت کی اصل اور بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا کوئی مثل نہیں، نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے اور نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے نہ ہمسر اور نہ ہم جنس۔

---

[1] شان الدعاء: ۷۰ [2] مرقاۃ: ۸۷/۵ کتاب أسماء اللّٰہ تعالٰی [3] الشوریٰ: ۱۱

besturdubooks.wordpress.com

وہ ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا سننا مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے، کیوں کہ اس کی نظیر کہیں اور موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت اور مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس ومنزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے گی۔ اس کی شانِ عظمت وبزرگی بہت ہی بلند واعلیٰ ہے۔[1]

اسی طرح علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ جس کی تاریکیاں چھا چکی ہوں، مگر یہ کہ ''الجلیل جل جلالہ'' پکارتے ہیں کہ کون مجھ سے بڑا سخی ہے؟ مخلوقات میری نافرمانی کرتی ہیں اور میں ان کے بستروں میں ان کی ایسی حفاظت کرتا ہوں گویا کہ انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی، اور میں نے ان کی حفاظت کی ایسی ذمہ داری لی ہے گویا کہ وہ گناہ کرتے ہی نہیں اور میں اپنے فضل کی سخاوت گناہ گار پر بھی اور خطا کار پر بھی کرتا رہتا ہوں۔

کون ہے جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو؟ کون ہے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے پورا نہ کیا ہو؟ میں سخی ہوں اور سخاوت میری ہی صفت ہے، میں کریم ہوں اور میں ہی بے مانگے دینے والا ہوں۔

اور میں اپنے کرم کی وجہ سے بندہ کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہوں اور بے مانگے بھی عطا کرتا ہوں اور اپنے کرم کی وجہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی بخشش کرتا ہوں گویا کہ اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ سو مجھ سے مخلوق کہاں بھاگ رہی ہے اور گناہ گار میرے در کو چھوڑ کر کہاں سہارے ڈھونڈ رہے ہیں۔

اللہ ربُّ العزت فرماتے ہیں: ''میرے ساتھ انسانوں اور جنات کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں پیدا کرتا ہوں اور عبادت غیر کی کی جاتی ہے، میں رزق دیتا ہوں اور میرے غیر کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کیا، میری طرف سے خیر تیری جانب اُترتی رہتی ہے اور تیری جانب سے شر میری طرف چڑھتا رہتا ہے۔ میں نے اپنی نعمتیں تجھ پر نچھاور کر کے کتنے ہی اسبابِ محبت پیدا کیے، حالاں کہ میں تجھ سے غنی ہوں، اور تو نے گناہوں کے ذریعے کتنے ہی سامانِ نفرت پیدا کر لئے، حالاں کہ تو میرا محتاج ہے، اور فرشتہ تیرے اعمالِ قبیحہ مسلسل میرے دربار میں پیش کرتا رہتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمام اعمال پیش ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق پھر بندوں سے معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی تو ایسی ستاری فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات پر سب کچھ معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن اکثم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک بہت بڑے محدث تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا: کیا گزری؟ فرمانے

---

[1] تفسیر عثمانی: ۶۴۳

[2] اسماء اللہ الحسنیٰ لابن قیم: ۱۵۰

besturdubooks.wordpress.com

لگے: میری پیشی ہوئی، مجھ سے فرمایا: او گناہ گار بوڑھے! تو نے فلاں کام کیا، فلاں کام کیا، میرے گناہ گنوائے اور کہا گیا کہ تو نے ایسے ایسے کام کیے۔

میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہنچی! فرمایا کیا حدیث پہنچی؟

عرض کیا مجھ سے عبدالرزاق نے کہا، ان سے معمر نے کہا، اُن سے زہری نے کہا، ان سے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اُن سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، اُن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُن سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ان سے آپ نے فرمایا:

"مَاشَابَ لِيْ عَبْدٌ فِي الْإِسْلَامِ شَيْبَةً اِلَّا اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ اَنْ اُعَذِّبَهُ بِالنَّارِ."

ترجمہ: "جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اور میں اس کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں، لیکن اس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں"، ارشاد ہوا کہ:

"قَالَ اللّٰهُ: صَدَقَ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَصَدَقَ مَعْمَرُ وَصَدَقَ الزُّهْرِيُّ وَصَدَقَ اَنَسٌ وَصَدَقَ نَبِيٌّ وَصَدَقَ جِبْرَئِيْلُ أَنَا قُلْتُ ذٰلِكَ، اِنْطَلِقُوْا بِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ"

عبدالرزاق نے سچ کہا اور معمر نے بھی سچ کہا، زہری نے بھی سچ کہا، عروہ نے بھی سچ نقل کیا، عائشہ نے بھی سچ کہا اور نبی نے بھی سچ کہا اور جبرئیل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچی بات کہی حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس کے بعد مجھے جنت میں داخلے کی اجازت عنایت کر دی۔[1]

ایک ماں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی فرماں برداری کے عادی بن جاؤ، کیوں کہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے عادی ہوتے ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح اس (اللہ تعالیٰ کی اطاعت) کے علاوہ ہر چیز سے وحشت کرتے ہیں۔ پھر اگر شیطان ملعون کسی گناہ کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ گناہ ان کے سامنے خوب زیب و زینت کے ساتھ آتا ہے، تو وہ اُس سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں اور اُس سے بچتے ہیں۔ کسی بھی محبت کرنے والے کے لئے اپنے محبوب کو راضی اور خوش کرنے کے سوا کوئی فکر اور غم نہیں ہوتا۔ (محبوب کے علاوہ) جو راضی ہوتا ہے تو راضی ہو اور ناراض ہوتا ہے تو ناراض ہو۔[2]

---

[1] تہذیب الکمال، باب الیاء: ۱۰/۶۳۶

[2] قَالَتِ امْرَأَةٌ لِأَبْنَائِهَا: تَعَوَّدُوْا حُبَّ اللّٰهِ وَطَاعَتَهٗ، فَإِنَّ الْمُتَّقِيْنَ أَلِفُوا الطَّاعَةَ فَاسْتَوْحَشَتْ جَوَارِحُهُمْ مِنْ غَيْرِهَا، فَإِنْ عَرَضَ لَهُمُ الْمَلْعُوْنُ بِمَعْصِيَةٍ مَرَّتِ الْمَعْصِيَةُ بِهِمْ مُحْتَشِمَةً فَهُمْ لَهَا مُنْكِرُوْنَ.

لَا هَمَّ لِلْمُحِبِّ غَيْرَ مَا يُرْضِيْ حَبِيْبَهٗ، رَضِيَ مَنْ رَضِيَ، وَسَخِطَ مَنْ سَخِطَ. (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ۳۶۰)

besturdubooks.wordpress.com

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے
مد نظر تو مرضیٔ جاناں نا چاہیے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کہ کیا کرنا چاہیے کیا نہ کرنا چاہیے

بقول کسی صاحب دل کے ؎

میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے
مرضی تیری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
پھر اس کی زباں پہ نہ اگر ہے نہ مگر ہے

تَعَالَى الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْجَلِيْلُ
وَحَاشٰى أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ عَدِيْلُ
هُوَ الْمَلِكُ الْعَزِيْزُ وَ كُلُّ شَيْءٍ
سِوَاهُ فَهُوَ مُنْتَقِصٌ ذَلِيْلُ[1]

ترجمہ: بلند ذات ہے وہ جو اکیلا، بے نیاز اور عظمت والا ہے اور یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی اس کی برابری کر سکے۔

وہی بادشاہ ہے، زبردست قوت و غلبہ والا ہے۔ اس کے سوا ہر چیز نقص والی اور ذلیل ہونے والی ہے۔

الجلیل جل جلالہ کے جلال سے فرشتے بھی مغلوب ہیں

اللہ تعالیٰ سورۂ سبا کی آیت نمبر ۲۲، ۲۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ﴾

ترجمہ: ”آپ (ﷺ) (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ جن (معبودوں) کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا (دخیلِ خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو (اپنی حاجتوں کے لئے) پکارو (تو سہی، معلوم ہو جائے گا کہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں، ان کی حالتِ واقعہ تو یہ ہے کہ) وہ ذرہ برابر (کسی چیز کا) اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں (کی کائنات) میں اور نہ زمین (کی کائنات) میں، اور نہ اُن کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا (کسی کام میں) مددگار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی، (بلکہ سفارش ہی نہیں ہوسکتی) مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ (کسی سفارش کرنے والے کو) اجازت دے دے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کفار و مشرکین میں کچھ جاہل تو ایسے تھے جو پتھر کے خود تراشیدہ بتوں ہی کو حاجت روا، کارفرما اور خدائی کا شریک سمجھتے تھے، اُن کے رد کے لئے تو آیت کے پہلے جملے آئے: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾[2] اور بعض لوگ اتنا

---

[1] اللّٰه ...... أهل الثناء والمجد: ۲۵۳ [2] سباء: ۲۲

besturdubooks.wordpress.com

قادر تو نہیں کہتے تھے، مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بُت خدا تعالیٰ کے کاموں میں اس کے مددگار ہیں، اُن کے رد کے لئے یہ فرمایا: ﴿وَمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾

اور کچھ ایسے سمجھ دار تھے کہ ان بے جان بتوں کو کسی چیز کا خالق یا خالق کا مددگار تو نہیں مانتے تھے، مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں کہ جس کی سفارش کر دیں، اس کا کام بن جاتا ہے، جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [1] ان کے رد کے لئے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان بتوں میں کسی قابلیت کے تو تم بھی قائل نہیں، مگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت حاصل ہے۔ یہ محض تمہارا خیالِ بے بنیاد ہے، نہ ان میں کوئی قابلیت اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت۔

آگے یہ ارشاد فرمایا: ان میں تو نہ کوئی قابلیت ہے نہ مقبولیت، جن میں قابلیت بھی موجود ہو اور مقبولیت بھی جیسے اللہ تعالیٰ کے فرشتے، وہ بھی کسی کی سفارش کرنے میں خود مختار نہیں، بل کہ ان کے لئے شفاعت کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سفارش کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے، صرف اس کی سفارش کر سکتے ہیں، اور وہ بھی بڑی مشکل سے، کیوں کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال سے مغلوب ہیں۔

جب اُن کو کوئی عام حکم دیا جاتا ہے یا کسی کے لئے سفارش ہی کا حکم ملتا ہے، تو وہ حکم سننے کے وقت ہیبت سے مدہوش ہو جاتے ہیں۔ جب یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہو جاتی ہے، اس وقت حکم پر غور کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ کر تحقیق کر لیتے ہیں کہ ہم نے جو سنا ہے وہ کیا ہے، اس تحقیق کے بعد وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں، جس میں کسی کی سفارش کا حکم بھی داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے، جو قابلیت بھی رکھتے ہیں، مقبولیت عنداللہ بھی، وہ بھی کسی کی سفارش از خود بلا اجازت نہیں کر سکتے اور جب کسی کے لئے اجازت ملتی بھی ہے، تو خود ہیبت سے مدہوش جیسے ہو جاتے ہیں، اس کے بعد جب ہوش درست ہوتا ہے تو سفارش کرتے ہیں، تو یہ پتھروں کے خود تراشیدہ بت جن میں نہ کسی طرح کی قابلیت ہے نہ مقبولیت، وہ کیسے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟ [2]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جب تم اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال میں غور کرو گے، تو عالم کی ہر چیز تمہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت کی مظہر نظر آئے گی۔ اس غور وتدبر کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ومحبت بڑھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے محبوب بندوں کا احترام پیدا ہوگا۔ [3]

---

[1] یونس: ۱۸

[2] معارف القرآن: ۲۹۰/۷، سباء: ۲۲

[3] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالیٰ: ۸۷/۵

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

❶ جو شخص اسم "الجلیل جل جلالہ" سے تعلق پیدا کرنا چاہے اسے چاہئے کہ جلالِ الٰہی کے تصور میں خود کو بے حقیقت سمجھے۔ اللہ ربُّ العزت کے نام اور ذات کی بڑائی بیان کرنے کا عادی بنے اور اپنے افعال و اقوال میں متانت اور وقار سے رہے، ادنیٰ لوگوں سے شفقت اور پیار کا معاملہ کرے۔[1]

❷ جب اس "الجلیل جل جلالہ" کی عظمت دل میں بیٹھ جائے گی تو اپنے ماتحتوں اور ظاہراً اپنے سے کم درجے والے لوگوں پر بھی شفقت کرے گا، اُن کے قصوروں کو معاف کردے گا کہ اس "الجلیل جل جلالہ" کی جلالتِ شان کے سامنے تو ہم سب برابر ہیں، اور کسی کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔

❸ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ بزرگی اور عظمت صرف اور صرف "الجلیل جل جلالہ" کے لئے ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری:۱۹۹

besturdubooks.wordpress.com

الکریم جل جلالہ

(بہت کرم کرنے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

کریم ایک ایسا لفظ ہے جس کا پوری طرح ترجمہ اردو زبان میں نہیں کیا جاسکتا، عام طور پر اس کا ترجمہ "سخی" کیا جاتا ہے اس لئے کہ سخی انسان شریف آدمی ہوتا ہے۔ دراصل کریم اس کو کہتے ہیں جو ایسی صفات کا حامل ہو جو سوائے ذاتِ خداوندی کے کسی میں نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص کسی نہ کسی اعتبار سے کسی نہ کسی کمی کوتاہی میں مبتلا ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابنِ عربی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "الکریم جل جلالہ" کی تشریح میں سولہ اقوال نقل کیئے ہیں جن کو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔ پڑھنے سے پہلے ہو سکے تو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لیجئے کہ اے کریم! اپنی معرفت سے ہمارے دلوں کو منور فرما دیجئے، جتنے کریم کے معانی بیان ہوں، وہ ہمارے دلوں میں ایسے پیوست فرما دیجئے کہ آپ کے سوا کسی کے در کی طرف ہمارا خیال ہی نہ جائے اور آپ کے رحم وکرم کو ہم ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچائیں، وہ اقوال یہ ہیں:

❶ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی عوض کے عطا کرتا ہے۔

❷ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بغیر کسی سبب کے دینے والا ہے۔

❸ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اسباب ووسائل کا محتاج نہیں ہے۔

❹ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کو عطا کرنے میں اور اچھا معاملہ کرنے میں کسی کی پروانہیں ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان، اطاعت گزار ہو یا نافرمان۔

❺ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے انعامات واحسانات بندوں کی طرف سے قبول کرنے پر خوش ہوتا ہے اور پھر ان احسانات کو جتلاتا نہیں ہے۔

❻ "الکریم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو دیتا بھی خود ہے اور تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ ان کو ایمان عطا کیا اور ان کے دلوں میں کفر، گناہوں اور نافرمانیوں سے نفرت ڈال دی اور پھر

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۳٤۹

besturdubooks.wordpress.com

قرآنِ کریم کی اس آیت میں ان کی تعریف بھی فرمادی جس کا ترجمہ ہے:

''وہی لوگ ہیں نیک راہ پر، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، حکمتوں والا ہے۔'' [1]

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص سے سنا، وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

﴿إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ﴾ [2]

ترجمہ: ''سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑا ہی رغبت رکھنے والا۔''

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی پاک ذات ہے، جس نے خود ہی صبر جیسی بہترین صفت اپنے بندہ کو عطا کی اور پھر خود ہی اس کی تعریف فرمادی۔

یعنی مطلب یہ تھا کہ ایوب علیہ السلام نے جو صبر جھیلا، وہ بھی تو اللہ ربُّ العزت کی عطا فرمودہ توفیق ہی سے جھیلا، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا تھی اور اللہ تعالیٰ خود ہی صبر کی توفیق عطا فرما کر ایوب علیہ السلام کے صبر کرنے پر اُن کی تعریف فرماتے ہیں۔ [3]

❼ ''الکریم جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے کہ اس کی نعمتیں ہر ایک کے لئے عام ہیں، چاہے وہ ضرورت مند ہو یا امیر ہو یا بادشاہ ہو۔

❽ ''الکریم جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو اس کو بھی دیتا ہے جو اس کی شان میں (نعوذ باللہ) گستاخی کرے۔

❾ ''الکریم جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو ہمارے مانگنے سے پہلے ہی عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے: اور اللہ پاک نے تم کو وہ سب کچھ دیا جو تم نے اس سے مانگا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کرسکتے۔

❿ ''الکریم جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے، جو اس کے احکام سے روگردانی کرے، اسے بھی عطا کرتا ہے۔ (اُسے نہ کسی کی شکرگزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان، جود وکرم تو بہرصورت اس کا شیوہ ہے)۔

---

[1] الحجرات: ۷، ۸

[2] صٓ: ٤٤

[3] اَلْأَوَّلَ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ لَا لِعِوَضٍ. اَلثَّانِيْ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ سَبَبٍ. اَلثَّالِثُ: اَلَّذِيْ لَايَحْتَاجُ اِلَى الْوَسِيْلَةِ. اَلرَّابِعُ: اَلَّذِيْ لَا يُبَالِيْ مَنْ أَعْطٰى وَلَا مَنْ يُحْسِنُ، كَانَ مُؤْمِنًا أَوْ كَافِرًا، مُقِرًّا أَوْ جَاحِدًا. اَلْخَامِسُ: اَلَّذِيْ يَسْتَبْشِرُ بِقُبُوْلِ عَطَائِهٖ وَيَسُرُّبِهٖ. اَلسَّادِسُ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ وَيُثْنِيْ، كَمَا فَعَلَ بِأَوْلِيَائِهٖ حَبَّبَ إِلَيْهِمُ الْإِيْمَانَ وَكَرَّهَ إِلَيْهِمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، ثُمَّ قَالَ: ﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات: ۷، ۸)

وَيُحْكٰى أَنَّ الْجُنَيْدَ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ﴾ (صٓ: ٤٤) فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! أَعْطٰى وَأَثْنٰى، اَلْمَعْنٰى: أَنَّهُ الَّذِيْ وَهَبَ الصَّبْرَ وَأَعْطَاهُ، ثُمَّ مَدَحَهٗ بِهٖ وَأَثْنٰى.

besturdubooks.wordpress.com

⓫ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہوئے بھی معاف فرما دیتا ہے۔

⓬ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے کئے ہوئے وعدے پورے کرتا ہے۔

⓭ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ہر چھوٹی بڑی حاجت پیش کی جاتی ہے۔

⓮ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اس کے سائے میں پناہ لیتا ہے اسے ضائع نہیں کرتا اور جو اس کے سامنے التجا کرتا ہے اس کو بے یار و مددگار و بے آسرا نہیں چھوڑتا۔

⓯ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بلا وجہ کسی پر غصہ نہیں فرماتا۔

⓰ "اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بلا وجہ اور ناانصافی سے کسی کو سزا نہیں دیتا۔[1]

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا یہ اسم (اَلْکَرِیْمُ) قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

❶ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾[2]

❷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾[3]

❸ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾[4]

اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے زیادہ کوئی کریم نہیں

علامہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"هُوَ أَكْرَمُ الْأَكْرَمِيْنَ، لَا يُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ، وَلَا يُعَادِلُهُ فِيْهِ نَظِيْرٌ"[5]

"وہ کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ کریم ہے، اس کے رحم و کرم کے سامنے مخلوق کا رحم و کرم کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا، نہ اس کے مقابلے کا کوئی کریم ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔"

واقعہ نمبر ⑧②: حضرت جلال الدین رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی مثنوی میں ایک چنگ یعنی سارنگی بجانے والے کا

---

[1] السَّابِعُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يَعُمُّ عَطَاؤُهُ الْمُحْتَاجِيْنَ وَغَيْرَهُمْ. الثَّامِنُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يُعْطِيْ مَنْ يَلُوْمُهُ.
اَلتَّاسِعُ: أَنَّهُ الَّذِيْ يُعْطِيْ قَبْلَ السُّؤَالِ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهيم: ٣٤)
اَلْعَاشِرُ: اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِالتَّعَرُّضِ. اَلْحَادِيْ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ إِذَا قَدَرَ عَفَا. اَلثَّانِيْ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ إِذَا وَعَدَ وَفٰى. اَلثَّالِثُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ تُرْفَعُ إِلَيْهِ كُلُّ حَاجَةٍ صَغِيْرَةً كَانَتْ أَوْ كَبِيْرَةً.
اَلرَّابِعُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُضِيْعُ مَنْ تَوَسَّلَ إِلَيْهِ وَلَا يَتْرُكُ مَنِ الْتَجَأَ إِلَيْهِ. اَلْخَامِسُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُعَاتِبُ. اَلسَّادِسُ عَشَرَ: أَنَّهُ الَّذِيْ لَا يُعَاقِبُ (الكتاب الاسنى: ٢٦٩، النهج الأسمٰى: ٣٧٩/١)

[2] المؤمنون: ١١٦ [3] الانفطار: ٦ [4] النمل: ٤٠ [5] شان الدعاء: ١٠٣، ١٠٤

besturdubooks.wordpress.com

قصہ لکھا ہے کہ یہ سارنگی بجایا کرتے تھے، بہترین آواز تھی، ہر وقت گانا گا رہے ہیں، سارنگی بجا رہے ہیں، آواز ایسی کہ بچے اور جوان، مرد اور عورت ہر وقت گھیرے رہتے ہیں۔ کوئی حلوہ لا رہا ہے، کوئی بریانی لا رہا ہے، کوئی کباب لا رہا ہے، پیسے برس رہے ہیں، لیکن جب بڈھے ہوگئے اور آواز خراب ہوگئی تو ساری دُنیا ہٹ گئی، سب لوگ بھاگ گئے کہ اب یہ کوے کی سی آواز کون سنتا ہے۔ اب کوئی پوچھتا نہیں، یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آگئی، بھوکوں مرنے لگے، تب مدینہ پاک کے قبرستان میں جا کر ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں لیٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کو اپنا حال سنانا شروع کیا۔ سارنگی بھی بج رہی ہے اور حال بھی سنا رہے ہیں اور کیا سنا رہے ہیں کہ اے اللہ! جب میری آواز اچھی تھی تو آپ کے بندے مجھے حلوہ دیتے تھے، مرد اور عورتیں، بوڑھے، بچے سب گھیر لیتے تھے، اب میری آواز خراب ہوگئی تو آپ کی مخلوق نے مجھ سے بے وفائی کی۔ میں ساری دُنیا سے مایوس ہو کر اب آپ کے دروازے پر آپڑا ہوں، اس قبرستان میں اب میں آپ کو اپنی آواز سناؤں گا۔ اگر بچے پر فالج گر جائے، لنگڑا لولا ہو یا اندھا ہو، لیکن ماں باپ اس کو رد نہیں کرتے، ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی ماں باپ نے لنگڑے لولے بچے کو پھینک دیا ہو۔ آپ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میری آواز کے خریدار آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آج آپ ہی کو سناؤں گا۔ آپ کی مرضی چاہے تو زندگی دیجیے یا قبر میں سلا دیجیے، میں تو پہلے ہی سے لیٹا ہوا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو بھوک سے روح نکال لیں، میں تو قبرستان ہی میں ہوں، میرے لئے تو کسی کو قبر بنانے کی بھی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دکھایا کہ اے عمر! میرا ایک بندہ قبرستان میں لیٹا ہوا ہے۔ گناہ گار زندگی ہے، سارنگی لئے ہوئے ہے اور مجھے رو رو کے یاد کر رہا ہے۔ اس کو جا کر میرا سلام کہیے اور بیت المال سے اس کا ماہانہ مقرر کر دیجیے اور اس سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خراب آواز کو قبول کر لیا ہے اور آئندہ سے تم کو بھیک مانگنے کی، گانے بجانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر قبر کو جھانکا جس قبر میں یہ لیٹے ہوئے تھے اس میں جھانکا تو یہ کانپنے لگے، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُعب بہت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم ڈرو مت، میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا سلام اور پیغام لایا ہوں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے سلام کہلایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں تمہارے لئے وظیفہ مقرر کر دوں۔ ہر مہینہ تم کو سرکاری خزانے سے وظیفہ ملتا رہے گا۔ اب تم کوئی فکر مت کرو۔ گویے نے فوراً پتھر اٹھایا اور سب سے پہلے سارنگی توڑی اور حضرت عمر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور کہا کہ اے عمر! گواہ رہنا میں آج کی تاریخ سے کوئی نافرمانی نہیں کروں گا، جو اللہ مجھ جیسے گانا بجانے والے پر اتنی رحمت کر رہا ہے کہ آپ جیسے خلیفۃ المسلمین کو ایسی مقدس شخصیت کو جس کے اسلام پر فرشتوں نے خوشیاں منائی تھیں، مجھ جیسے نالائق کے پاس بھیج رہا ہے اور سلام کہلوا رہا ہے اور بیت المال سے میرے لئے وظیفہ بھی مقرر کرا دیا میں ایسے اللہ کو کیسے ناراض کروں؟[1]

---

[1] مثنوی مولوی معنوی، دفتر اول، داستان پیر چنگی: ۲۱۵/۱

besturdubooks.wordpress.com

حضرت ملا علی قاری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ''اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

❶ ''كَثِيْرُ الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ، الَّذِيْ لَا يَنْفَدُ عَطَاؤُهٗ، وَلَا تَفْنِيْ خَزَائِنُهٗ''[1]

''بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، ایسا عطا کرنے والا ہے کہ اس کی عطائیں رُکتی نہیں اور اس کے خزانے ختم یا فناء نہیں ہوتے۔''

اسی طرح مزید فرماتے ہیں:

❷ ''اَلْمُتَفَضِّلُ بِلَا مَسْئَلَةٍ وَّلَا وَسِيْلَةٍ''[2]

''وہ ایسا فضل کرنے والا ہے کہ بغیر مانگے بھی فضل وکرم کرتا ہے اور اس کا فضل طلب کرنے میں بندوں کو کسی وسیلے ...... یا سفارش ...... اور واسطے ...... کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''اَلْكَرِيْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ ایسی ذات ہے کہ قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب عطا کرتا ہے تو تمنا کرنے والوں کی تمنا سے زیادہ دیتا ہے اور دینے میں پروا نہیں کرتا کہ کتنا دیا اور کس کو دیا۔ (کیوں کہ اس میں اس کا کچھ نقصان نہیں) اور جب اس کے غیر کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتا ہے تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔ (جس کا کرم وفضل واحسان اتنا وسیع ہو پھر بھی بندہ اس کے غیر کے پاس اپنی حاجت لے کر جائے (جس غیر کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کریم کا دیا ہوا ہے) تو وہ کریم ناراض ہو جاتا ہے۔''[3]

❸ ''اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ اِسْتِحْقَاقٍ وَبِدُوْنِ الْمِنَّةِ''[4]

تَرْجَمَہ: ''جو بغیر استحقاق اور بغیر کسی احسان جتائے عطا کرے۔''

حضرت شہر ابن حوشب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حاملانِ عرش میں سے چار فرشتے اپنے رب کی تسبیح اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ''

تَرْجَمَہ: ''پاکی بیان کرتے ہیں ہم آپ کی تعریف کے ساتھ، آپ ہی کے لئے تعریف ہے اس بات پر بھی کہ آپ سزا دینے پر مکمل قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں۔''

اور چار فرشتے اس طرح تسبیح کرتے ہیں:

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵ [2] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵

[3] ''هُوَ الَّذِيْ إِذَا قَدَرَ عَفَا وَإِذَا وَعَدَ وَفٰى، وَإِذَا أَعْطٰى زَادَ عَلَى الْمُتَمَنّٰى وَلَا يُبَالِيْ كَمْ أَعْطٰى وَلِمَنْ أَعْطٰى وَإِذَا رُفِعَتِ الْحَاجَةُ إِلٰى غَيْرِهٖ لَا يَرْضٰى'' (مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵)

[4] مرقاۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب التطوع: ۲۱۲/۳

besturdubooks.wordpress.com

”سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ.“[1]

تَرْجَمَۃ: ”پاکی بیان کرتے ہیں ہم آپ کی تعریف کے ساتھ اور آپ ہی کے لئے ساری تعریفیں ہیں، اس بات پر کہ باوجود گناہوں کا علم ہونے کے آپ بردباری (اور درگزر) کا معاملہ فرماتے ہیں۔“

پس جس میں یہ تمام صفات حقیقی طور پر جمع ہوں اور وہ صفات اس کی ذاتی اور حقیقی ہوں، کسی سے عارضی طور پر نہ لی ہوں، وہ کریم ذات ہے اور وہ کریم ذات صرف اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی ہے۔[2]

صاحب ”النہج الاسمٰی“ فرماتے ہیں:

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات ہمیشہ سے کریم ہے اور ہمیشہ کریم رہے گی۔ اس کی صفت کریم ہے اس معنی میں کہ اس کی ذات میں کوئی نقص نہیں ہے اور وہ ہر اچھائی سے متصف ہے۔ اسی وجہ سے یہی صفت اس کا ذاتی نام بھی ہے یعنی یہ صفت اس کی ذات کی شرافت اور اس کی صفات کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔[3]

اسی طرح صاحبِ ”النہج الاسمٰی“ فرماتے ہیں: ”الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے جتنے بھی معانی بیان کئے جائیں، وہ اللہ ربُّ العزت کی ذات پر صادق آتے ہیں۔ جیسے کہ مصنف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی کتاب میں نمبر وار بیان کئے ہیں:

❶ اگر ”کریم“ کے معنی یوں کئے جائیں: ”الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے، جو ہمیشہ خیر و بھلائی کو تقسیم کرنے والی ہے، تو بھی یہ معنی صرف اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ سوائے اس کے ہر عطا کرنے والا کبھی نہ کبھی رُک جاتا ہے یا اس کے خزانے ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ”الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی عطائیں اور اس کے احسانات کبھی ختم نہیں ہوتے، اس کا یہ معاملہ دنیا اور آخرت دونوں میں رہے گا۔

❷ اگر ”کریم“ کے معنی یوں کئے جائیں کہ ”الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے کہ اس سے بھلائیاں، خیر، انعامات اور عطیات حاصل کرنا اور اس کے خزانوں سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے بہت ہی زیادہ آسان ہے۔ غریب و امیر، حاکم و محکوم، کالا و گورا، مرد و عورت، ہر ایک کی رسائی اس کے در تک آسانی سے ہو سکتی ہے۔ اُس ”الکریم جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتیں پہنچانے کے لئے نہ کسی خاص وقت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی خاص آدمی کی ضرورت ہے تو یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ اس کے اور اس کے بندے کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے، یعنی اس کے دربار میں دعاؤں کے ذریعے ہر ایک کی رسائی آسان ہے، کیوں کہ وہ دعا کرنے والے شخص کے بہت زیادہ قریب ہے۔

---

[1] حاشية الجمل على الجلالين: ٤/٥

[2] رسائل امام غزالی: بتصرف: ۳۲۹

[3] وَاللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ لَمْ يَزَلْ كَرِيْماً وَلَا يَزَالُ، وَوَصْفُهٗ بِأَنَّهٗ كَرِيْمٌ هُوَ بِمَعْنٰى نَفْيِ النَّقَائِصِ عَنْهُ، وَوَصْفُهٗ بِجَمِيْعِ الْمَحَامِدِ وَعَلٰى هٰذَا الْوَصْفِ يَكُوْنُ مِنْ أَسْمَاءِ الذَّاتِ، إِذْ ذٰلِكَ رَاجِعٌ إِلٰى شَرَفِهٖ فِيْ ذَاتِهٖ وَجَلَالَةِ صِفَاتِهٖ. (النّهج الأسمىٰ: ١/٣٧٨)

besturdubooks.wordpress.com

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، عجب نہیں کہ ہدایت پاجائیں۔“

۳ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے، جس کی بہت بڑی قدرت ہے، تو ایسی قدرت کسی ذات کی نہیں ہے سوائے اللہ ربُّ العزت کے، اس لئے کہ ہر چیز کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے، اسی کی شرافت کی وجہ سے ہر چیز شرافت حاصل کرتی ہے اور اسی کی بڑائی کی وجہ سے ہر چیز بڑی بنتی ہے۔

۴ اگر ”کریم“ کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو ہر نقص اور آفات سے پاک ہو، تو یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ وہی ہر نقص اور آفت سے پاک ہے اور اس کی ساری صفاتِ حمیدہ کامل اور مکمل طریقے سے ہر وقت اور ہر حال میں صرف اور صرف اکیلے اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ بخلاف مخلوقات کے کہ وہ کبھی کسی وجہ سے باعزت ہوجاتی ہیں اور کسی وجہ سے ذلیل ہوجاتی ہیں۔

۵ اگر ”کریم“ کے معنی ”اَلْمُکْرِمُ“ (عزت دینے والا) سے کئے جائیں تو یہ صفت بھی اللہ ربُّ العزت کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ عزت دینے کا ارادہ کرے، وہ ذلت کے گڑھوں میں بھی عزیز ہوجاتا ہے، وہ قید خانہ کی کوٹھری سے نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت کی کرسی پر بٹھاسکتا ہے اور اللہ ربُّ العزت جس کو اس کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ذلیل کرنا چاہے، اسے عزت کے مقام سے گرا کر ذلت کے گڑھے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات ہے، جس کو اللہ تعالیٰ بڑا بنائے، وہ بڑا ہوجاتا ہے اور جس کو ذلیل کرے، وہ ذلیل ہوجاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾[2]

ترجمہ: ”اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔“

۶ اگر ”کریم“ کے معنی یہ ہوں کہ ”اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو محتاجوں اور غیر محتاجوں دونوں کو عطا کرنے والی ہے، تو یہ صفت بھی صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کی شان کے لائق ہے، اس لئے کہ وہ عطا کرتا ہے اور ضرورت سے

---

[1] البقرۃ: ۱۸۶ [2] الحج: ۱۸

besturdubooks.wordpress.com

زیادہ عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش فرما دیتا ہے۔

❼ اگر ''کریم'' کے معنی اس طرح کیے جائیں کہ ''الکریم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو بڑی حاجت کے ساتھ چھوٹی حاجت کو بھی پورا کرنے والا ہے، تو یہ صفت بھی اللہ جل جلالہ کی شان کے لائق ہے۔

علامہ قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بار بار چھوٹی سی چھوٹی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہوئے مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی:

''يَا مُوسٰى لَا تَسْئَلْ غَيْرِيْ وَسَلْنِيْ حَتّٰى مِلْحَ عَجِيْنِكَ وَعَلَفَ شَاتِكَ''[1]

ترجمہ: ''اے موسیٰ! میرے علاوہ کسی اور سے مت مانگ، یہاں تک کہ اپنے کھانے کا نمک اور اپنے چوپایوں کا چارہ بھی مجھ ہی سے مانگو۔''

اس لئے کہ وہ ذات کریم ہے اس کا معاملہ تو لفظ ''کُنْ'' کے کاف اور نون کے درمیان ہے (یعنی وہ کسی کام کے ہوجانے کے متعلق حکم فرماتا ہے کہ وہ ہوجائے ...... تو وہ ہوجاتا ہے) ...... بل کہ اس کے نزدیک بڑا کام اور چھوٹا کام سب برابر ہیں، بل کہ بڑا کام اس کی نظر میں چھوٹا اور مشکل کام آسان اور سخت کام نرم اور ناممکن ممکن، اور عدم وجود ہے۔

❽ اگر ''کریم'' کے معنی یوں کئے جائیں کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب کوئی انسان وعدہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ وعدہ پورا کرنا بسا اوقات ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ اس کو کوئی عذر پیش آجائے اور اسے اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ آجائے۔ مگر اللہ رب العزت کو اپنا وعدہ پورا کرنے میں کوئی عذر، کوئی مانع، کوئی رکاوٹ نہیں، اپنی قدرت اور ملکیت کی وجہ سے، کیوں کہ اس بات کا اس کے بارے میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے ارادہ کو کوئی ختم کردے یا اس کے کسی کام میں کچھ رکاوٹ ہو۔

❾ اگر ''کریم'' کے معنی یہ ہوں کہ ''الکریم جل جلالہ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو ان کی چاہت اور تمناؤں سے زیادہ دیتی ہے، اس کی عطائیں بندوں کے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہوتی ہیں۔

تو حدیثِ قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''أَعْدَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ''[2]

یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی جنت تیار کی ہے، جس کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ ہی کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔[3]

---

[1] النهج الاسمٰى: ۳۸۳/۱

[2] بخاري: التفسير، باب قوله تعالى فلا تعلم نفس ما أخفي لهم: ۷۰٤/۲

[3] الكتاب الأسنى: ۲۷۰، ۲۷۲ نقلا عن النهج الاسمٰى: ۳۸۱/۱ تا ۳۸٤، بتصرف

besturdubooks.wordpress.com

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تخلق (تعلق) پیدا کرنے والوں کو اوصاف کریمانہ کے حصول کی سعی و کوشش کرنا ضروری ہے۔[1]

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ صفتِ کریم کو اپناتے ہوئے باوجود قدرت کے دوسروں کے قصور معاف کر دے، اور جب کسی سے وعدہ کرے تو پورا کر کے دکھائے۔

❸ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا والا اور کرم والا ہے جب کوئی بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے کہ اس بندے کو خالی ہاتھ لوٹائے۔[2]

چناں چہ ہم سب پر لازم ہے کہ ''اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی سے سب کچھ مانگیں، یہاں تک کہ نمک بھی ضرورت ہو تو اسی سے مانگیں وہ ذات تو سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیتا ہے تو پھر کسی اور سے کیوں مانگیں جو خود اللہ کا محتاج ہے۔

---

[1] شرح اسماء الحسنیٰ للمنصورپوری: ۹۵

[2] ابن ماجه، كتاب الدعاء: رقم ۳۸٦٥

besturdubooks.wordpress.com

الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ

(بڑا نگہبان)

اس اسم مبارک کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① الرَّقِيْبُ: اَلْمُرَاعِيْ أَحْوَالَ الْمَرْقُوْبِ، اَلْحَافِظُ لَهٗ جُمْلَةً وَّتَفْصِيلاً، اَلْمُحْصِيْ لِجَمِيْعِ أَحْوَالِهٖ.[1]

تَرجَمَہ: علامہ ابن حصار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ ذات ہے جو مرقوب (جس کی نگہبانی کی جائے) کے تمام احوال کی رعایت کرتا ہے اور اس کی تمام چھوٹی بڑی مصیبتوں سے حفاظت کرنے والا ہے اور اس کے تمام احوال کو گھیرنے والا ہے۔

② اَلرَّقِيْبُ: اَلْمُطَّلِعُ عَلٰى مَا أَكْنَتْهُ الصُّدُوْرُ، اَلْقَائِمُ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، اَلَّذِيْ حَفِظَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَأَجْرَاهَا عَلٰى أَحْسَنِ نِظَامٍ وَأَكْمَلِ تَدْبِيْرٍ.[2]

تَرجَمَہ: شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ ذات ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات سے بھی باخبر ہے اور ہر ایک کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ بھی کسی سے غافل نہیں، خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں، سب اُس ''الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' کے سامنے ہے، وہ ہر وقت ساتھ ہے، ہر وقت دیکھ رہا ہے، وہ مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی مخلوقات کے نظام کو بہتر طریق اور اچھی تدبیر کے ساتھ چلاتا ہے۔

وَهُوَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْخَوَاطِرِ وَاللَّوَا ... حِظِ كَيْفَ بِالْأَفْعَالِ بِالْأَرْكَانِ[3]

تَرجَمَہ: ''اللہ ربُّ العزت دلوں کے بھیدوں اور آنکھوں کے اشاروں پر بھی مطلع ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے ظاہری امور کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔''

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز ... سب کو تو ہے جانتا اے بے نیاز

③ ''اَلَّذِيْ هُوَ مِنَ الْأَسْرَارِ قَرِيْبٌ وَعِنْدَ الْإِضْطِرَارِ مُجِيْبٌ''

---

[1] النهج الاسمٰى: ۱/۳۹۵ [2] تيسير الكريم الرّحمٰن، فصل في أصول و كليّات من أصول التّفسير: ۹۳۷

[3] شرح اسماء الحسنىٰ للرازي: ۲۸۰

besturdubooks.wordpress.com

تَرْجَمَۃ: اللہ ربُّ العزت باعتبار علم کے تمام راز کی باتوں سے قریب تر ہیں اور بے قراری کے وقت دعا قبول کرنے والے ہیں۔

علامہ جوہری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ''اَلرَّقِیْبُ'' کے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

❹ اَلرَّقِیْبُ الْحَافِظُ، وَالرَّقِیْبُ الْمُنْتَظِرُ.

① رقیب کہتے ہیں حفاظت کرنے والے کو۔

② رقیب کہتے ہیں نگرانی کرنے والے کو۔

یہ اسم قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے:

❶ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ [1]

❷ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ [2]

❸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [3]

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عملِ خیر ہو یا شر، اس کے علم سے باہر نہیں وہ اعمال کا بدلہ پورا پورا دے دے گا۔ جو ذاتِ پاک خالق و مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے، اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ [4]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے، اگر رسمی طور پر شرما شرمی، بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا، مگر دل میں جذبۂ ایثار و خدمت نہ ہو تو قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگراں ہے۔ قرآنِ کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا، بل کہ تربیت و شفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔'' [5]

سارے نظاموں پر اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ نگران ہیں

بے شک کائنات میں پائے جانے والے توازن کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اجرام فلکی مخصوص مداروں پر یا ''دائروں میں'' سفر کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں زمانہ قریب تک کچھ معلوم نہ تھا، مگر قرآن پاک میں ان مداروں پر بڑا زور دیا گیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ [6]

---

[1] المائدۃ: ۱۱۷ [2] الاحزاب: ۵۲ [3] النسآء: ۱

[4] انوار البیان: ۲/۲۳۱ [5] معارف القرآن: ۲/۲۸۲، النسآء: ۱ [6] الانبیاء: ۳۳

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک اپنے آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔

ستارے، سیارے اور سیٹلائٹ اپنے اپنے مداروں کے گرد اِن نظاموں کے اندر گردش کرتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اس قدر بڑی کائنات، ایک نہایت نازک اور لطیف تنظیم وترتیب میں ایک مشین کے گیئروں کی مانند کام کرتی ہے۔

کائنات کے مدار، مخصوص اجرام فلکی کی گردشوں کے پابند نہیں ہیں۔ ہمارے نظامِ شمسی اور کہکشاؤں کو دوسرے مراکز کے گرد ایک بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ ہر سال زمین اور نظامِ شمسی گزشتہ برس کے مقابلے میں اپنی جگہ سے ۵۰۰ ملین کلومیٹر دور ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر یہ اجرام فلکی اپنے مداروں سے ذرا سا بھی ہٹ جائیں تو یہ سارا نظام اُلٹ پلٹ جائے۔ مثال کے طور پر آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ اگر صرف ۳ ملی میٹر ہی زمین اپنے مدار سے ہٹ جائے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا:

''سورج کے گرد گھومتے ہوئے زمین ایک ایسے مدار پر گردش کرتی ہے کہ ہر ۱۸ میل کے بعد یہ اپنے اصل راستے سے ۲٫۸ ملی میٹر ہٹ جاتی ہے۔ وہ مدار جس پر زمین گردش کرتی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا، اس لئے کہ ۳ ملی میٹر کا انحراف بھی تباہ کن نتائج پیدا کر دے گا، اگر یہ انحراف ۲٫۸ کے بجائے ۲٫۵ ملی میٹر ہوتا، تو پھر مدار بہت بڑا ہوتا اور ہم سب یخ بستہ ہو جاتے۔ اگر یہ انحراف ۳٫۱ ملی میٹر ہوتا تو ہم گرمی سے جھلس کر مر جاتے۔''[1]

اس باریکی کے ساتھ کائنات کا حسنِ انتظام ''الرقیب جل جلالہ'' ہی کے مناسب ہے، جو کائنات کے ذرّے ذرّے کے بارے میں پل پل کی خبر رکھتا ہے، یہ سارا نظام اسی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

خفیہ تصویر کشی اور خدائی نظام

واقعۂ نمبر ۸۳: یہ خبر لندن کے اخبار ٹائمز میں ایک تصویری خبر کے ساتھ شائع ہوئی ہے، خبر میں بتایا گیا ہے کہ کار چلانے والے دس اشخاص اس جرم میں پکڑے گئے اور ان پر جرمانہ کیا گیا کہ انہوں نے سڑک کی لال بتی جل جانے کے باوجود اپنی گاڑی نہیں روکی تھی۔

ایک گاڑی عین اس نازک لمحہ (Fatefulmoment) میں پکڑ لی گئی جب کہ وہ لال بتی والے مقام پر ٹریفک قاعدہ کی خلاف ورزی کر رہی تھی، یہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک خاص چوراہے پر پہنچی، اس کے پہنچتے ہی وہاں کی لال بتی جل اٹھی، اب اس گاڑی کو وہاں رک جانا چاہئے تھا، مگر لال بتی جلنے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔

ڈرائیور کو معلوم نہ تھا کہ مخفی نظام کے تحت اس کا فوٹو لیا جا رہا ہے، چناں چہ عین اس وقت جب کہ اس نے لال بتی

---

[1] اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لئے: ۲۵۶

besturdubooks.wordpress.com

جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اس کو پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ کے بعد پیش آیا۔

ایک دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے یہ کیا کہ لال بتی جل جانے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دوسیکنڈ بعد پیش آیا۔ پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا، اور دوسری تصویر میں دوسیکنڈ کی خلاف ورزی کو۔

ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کئے جانے والے کیمروں کی شہادت پر عمل میں آئی۔ مذکورہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزرتی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھیں، مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی، ان تصویروں کے ذریعے انہیں باآسانی پکڑ لیا گیا۔

اس طرح کے واقعات قرآن کے لفظوں میں ''آیات اللہ'' (خدا کی نشانیاں) ہیں۔ وہ ''نشانی'' کے روپ میں حقیقت کا اظہار ہیں۔ یہ واقعات دنیوی تجربے کے ذریعہ آخرت کے تجربے کا تعارف کراتے ہیں۔ وہ انسانی سطح پر پیش آنے والے معاملے کی صورت میں خدائی سطح پر پیش آنے والے معاملے کو بتا رہے ہیں۔

مذکورہ واقعہ انسان کی خفیہ ریکارڈنگ کی مثال ہے، یہی خفیہ ریکارڈنگ بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ انسان کی تمام گزرگاہوں پر اللہ تعالیٰ کے ''تار'' لگے ہیں اور اس کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کے ''کیمرے'' نصب ہیں۔ آدمی جیسے ہی مقررہ حد کو پار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا تصویر کشی کا نظام فوراً متحرک ہوکر اس کو محفوظ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آخرت کی عدالت میں اسی ریکارڈ کی بنیاد پر ہر آدمی کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ انسان کا بنایا ہوا نظام ہے جو ایک سیکنڈ کے بقدر خلاف ورزی کو بھی فوراً پکڑ لیتا ہے۔ پھر جب انسان کے بنائے ہوئے نظام کا یہ حال ہے تو خدا کے بنائے ہوئے نظام کی گرفت کتنی زیادہ ہوگی۔ انسانی نظام محدود ہے اور خدائی نظام لامحدود، اسی سے دونوں نظاموں کے فرق کو سمجھا جاسکتا ہے۔

آدمی اگر اس سنگین حقیقت پر غور کرے تو اس کے چلتے ہوئے قدم رک جائیں، اس کی بولتی ہوئی زبان بند ہوجائے، اس کا قلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔

دنیا میں آدمی کسی سڑک پر صرف اس وقت تک اپنی گاڑی کو غلط چلاتا ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس سڑک پر ٹریفک پولیس نے اس کی غلطی کو پکڑنے کا طاقتور انتظام کر رکھا ہے۔ پولیس کے اس انتظام کا علم ہوتے ہی ہر آدمی چوکنا ہوجاتا ہے اور اپنی گاڑی کو غلط دوڑانے سے رک جاتا ہے۔

اسی طرح آدمی کو اگر اس بات کا پورا یقین ہوجائے کہ اس کے چاروں طرف اللہ تعالیٰ کی ''پولیس'' لگی ہوئی ہے جو ہر لمحہ اس کی نگرانی کر رہی ہے اور اس کی ہر چھوٹی یا بڑی کاروائی کا ریکارڈ تیار کرنے میں مشغول ہے تو اس کی ساری سرکشی ختم ہوجائے۔ یہ احساس پیدا ہوتے ہی آدمی ایک محتاط انسان بن جائے گا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ذمہ دارانہ

besturdubooks.wordpress.com

رویہ اختیار کرے گا۔

انسان کا بگاڑ اس کا نام ہے کہ وہ اس سنگین حقیقت سے بے خبر ہو۔ اس کے مقابلے میں انسان کی اصلاح یہ ہے کہ اس کو سنگین حقیقت کا زندہ احساس ہو جائے۔[1]

الرقیب جل جلالہ سے تعلق بڑھانے کے لئے کثرتِ ذکر اور مراقبے کی ضرورت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا: اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ بات کیا کرو اور لوگوں سے بہت کم بات کیا کرو۔ انہوں نے کہا: ہم کیسے اللہ تعالیٰ سے بات کریں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا: خلوت میں مناجات کرو اور اُسی سے مانگو۔

محمد بن نضر رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا: کیا آپ کو اکیلے میں وحشت نہیں ہوتی؟ تو انہوں نے کہا: مجھے کیسے وحشت ہو سکتی ہے کہ جب کہ وہ ذات میرے ساتھ ہے جس کا فرمان ہے کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہوں جو مجھے ہر وقت یاد رکھتے ہیں۔

بے شک ذکر و دعا کے قائم مقام کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی اور اس کے برابر بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کی معیت کا استحضار ذکر ہی کی دولت سے نصیب ہوگا۔

ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے بہت سارے احکامات اتر چکے ہیں، مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دیں جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں تو اللہ مجھے بخش دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تروتازہ رہے۔[2]

کثرتِ ذکر سے پھر یہ دولت نصیب ہوتی ہے کہ "الرقیب جل جلالہ" کی نگرانی میں وہ اپنے آپ کو ہر وقت پاتا ہے، کثرتِ ذکر سے اس کی محبت ہر شئ پر غالب رہتی ہے، اسی کی یاد میں دن اور رات گزرتے ہیں۔ بقول کسی صاحبِ دل بزرگ: ؎

---

[1] اخذ و اختصار۔ عقلیات اسلام بشکریہ ماہنامہ تدریس القرآن۔ فروری ۱۹۹۷ء

[2] قَالَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا مَعْشَرَ الْحَوَارِيِّيْنَ كَلِّمُوا اللّٰهَ كَثِيرًا، وَكَلِّمُوا النَّاسَ قَلِيلًا، قَالُوْا: كَيْفَ نُكَلِّمُ اللّٰهَ كَثِيرًا؟ قَالَ: اخْتَلُوْا بِمُنَاجَاتِهِ، أُخْلُوْا بِدُعَائِهِ.

قِيْلَ لِمُحَمَّدِ بْنِ النَّضْرِ: أَمَا تَسْتَوْحِشُ وَحْدَكَ؟ قَالَ: كَيْفَ أَسْتَوْحِشُ وَهُوَ يَقُوْلُ: أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ؟

إِنَّ الذِّكْرَ لَا يَقُوْمُ مُقَامَهُ شَيْءٌ، وَلَا يَعْدِلُهُ شَيْءٌ، وَلَا يُوَازِيْهِ شَيْءٌ، أَقْبَلَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِلًا لَهُ: إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَبَابٌ وَاحِدٌ أَتَشَبَّثُ بِهِ أَيْ دُلَّنِيْ عَلٰى بَابٍ وَاحِدٍ مِنَ الْعِبَادَةِ وَسَبَبٍ وَاحِدٍ مِنْ أَسْبَابِ الْمَغْفِرَةِ أَتَشَبَّثُ بِهِ وَأَعَضُّ عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ. فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (ترمذی، الدعوات، باب ماجاء فی فضل الذکر: ۱۷۵/۲)

besturdubooks.wordpress.com

تصور میں تیرے میں سب کھو چکا ہوں یوں ہی دن بھی گزرا یوں ہی شب گزاری

"اَلرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی صفات کے مراقبہ اور کثرتِ ذکر و مناجات سے وہ تعلق نصیب ہو جاتا ہے کہ پھر یہ دولت حاصل کرنے والے جسم کے اعتبار سے تو فرشی ہوتے ہیں اور روح کے اعتبار سے عرشی ہوتے ہیں۔

مراقبہ نمبر ①: علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت کی عبادت میں شانِ عبدیت، اللہ ربُّ العزت کے اسم "اَلرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے مراقبے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کی تمام حرکات خواہ ظاہر ہوں یا مخفی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس بات کو بندہ ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھے تو یہ بات اس بندے کو ہر اس فکر اور خیال سے محفوظ رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو اور اس بندے کا ظاہر ہر اس فعل اور قول سے محفوظ ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہو اور یہ بندہ بتدریج مقامِ احسان تک پہنچ جاتا ہے، پھر یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مقام کو نہ پائے تو کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ اس بندے کو اس بات کا استحضار حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں۔[1]

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قول و فعل پر رقیب ہے۔ چاہے وہ ان کی حرکات ہوں یا اُن کی سکنات ہوں اور چاہے ان کے اقوال یا افعال ہوں، بل کہ جو ان کے دلوں میں خیالات اُمنڈتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں، وہ ان کو بھی جاننے والا ہے، غرض اس کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے، سو اس سے ڈرتے رہو۔"[2]

مراقبہ نمبر ②: علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ روزانہ وقت متعین کر کے اس کو سوچے اور سوچ سوچ کر دل میں اتنا دھیان جما لے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر نگہبان ہیں، اس کی طرف دیکھنے والے ہیں، اس کی باتوں کو سننے والے ہیں، ہر وقت کے ہر عمل کا کامل علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر لحہ، ہر سانس اور ہر آنکھ کے جھپکنے کا بھی علم رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام "اَلْحَفِيْظُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ" کا مراقبہ کرے۔[3]

---

[1] شَرْحُ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی: ۱۹۵ (ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی)

[2] يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَّعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ شَأْنُهٗ هُوَ الرَّقِيْبُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْ يُرَاقِبُ حَرَكَاتِهِمْ وَسَكَنَاتِهِمْ، وَأَقْوَالَهُمْ وَأَفْعَالَهُمْ بَلْ مَا يَجُوْلُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ، لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِهٖ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ سُبْحَانَهٗ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ (البقرة: ۲۳۵) (النهج الاسمٰى: ۳۹٦/۱)

[3] مدارج السالكين: ٦/٦٥، ٦٦ باختصار، نقلا عن النهج الاسمٰى: ۳۹۷/۱

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: "اَلْمُرَاقَبَةُ" دَوَامُ عِلْمِ الْعَبْدِ، وَتَيَقُّنُهٗ بِإِطِّلَاعِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَ بَاطِنِهٖ. فَاسْتَدَامَتُهٗ لِهٰذَا =

besturdubooks.wordpress.com

''حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم کو اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم نہ بتادوں؟ کہ جس کے ذریعے دعا کی جائے تو قبول فرماتے ہیں اور سوال کیا جائے تو پورا فرماتے ہیں: یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعے حضرت یونس (علیہ السلام) نے تین اندھیریوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾[1]

ترجمہ: آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ تمام عیبوں سے پاک ہیں بے شک میں ہی قصور وار ہوں۔

(تین اندھیریوں سے مراد: رات، سمندر اور مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے ہیں) ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا تمام ایمان والوں کے لئے عام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک نہیں سنا: ﴿وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[2]

ترجمہ: کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو مصیبتوں سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان اس دعا کو چالیس مرتبہ اپنی بیماری میں مانگے پھر اگر وہ اس مرض میں فوت ہو جائے تو اس کو شہید کا ثواب دیا جائے گا اور اگر اس بیماری سے اسے شفاء مل گئی تو اس شفاء (ملنے کی دولت) کے ساتھ اس کے تمام گناہ معاف کیے جاچکے ہوں گے۔[3]

مراقبہ نمبر ③: کسی دن اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کرے کہ مجھے اللہ نے کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایک ایک نعمت کو سوچے، میں جب دنیا میں آیا تو ننگا تھا، اللہ تعالیٰ نے کپڑے دیئے، بھوکا تھا کھانا دیا، کمزور تھا طاقت ور بنایا، اکیلا تھا شادی کروا

= الْعِلْمِ وَالْيَقِيْنِ: هِيَ الْمُرَاقَبَةُ، وَهِيَ ثَمَرَةُ عِلْمِهٖ بِأَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ رَقِيْبٌ عَلَيْهِ، نَاظِرٌ إِلَيْهِ، سَامِعٌ لِقَوْلِهٖ، وَهُوَ مُطَّلِعٌ عَلٰى عَمَلِهٖ كُلَّ وَقْتٍ وَكُلَّ لَحْظَةٍ وَكُلَّ نَفَسٍ وَكُلَّ طَرْفَةِ عَيْنٍ.

قَالَ: "وَالْمُرَاقَبَةُ" هِيَ التَّعَبُّدُ بِاسْمِهِ (الرَّقِيْبُ)، اَلْحَفِيْظُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ.

فَمَنْ عَقَلَ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ، وَتَعَبَّدَ بِمُقْتَضَاهَا، حَصَلَتْ لَهُ الْمُرَاقَبَةُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. (النهج الاسمٰی: ۱/۳۹۷)

[1] الانبیاء: ۸۷

[2] الانبیاء: ۸۸

[3] "عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى، اَلدَّعْوَةُ الَّتِيْ دَعَا بِهَا يُوْنُسُ حَيْثُ نَادَاهُ فِي الظُّلُمَاتِ الثَّلَاثِ، ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾" فَقَالَ رَجُلٌ: "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلْ كَانَتْ لِيُوْنُسَ خَاصَّةً أَمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَامَّةً؟" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا تَسْمَعُ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾" وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّمَا مُسْلِمٍ دَعَا بِهَا فِيْ مَرَضِهٖ أَرْبَعِيْنَ مَرَّةً فَمَاتَ فِيْ مَرَضِهٖ ذٰلِكَ أُعْطِيَ أَجْرَ شَهِيْدٍ وَإِنْ بَرَأَ بَرَأَ وَقَدْ غُفِرَ لَهٗ جَمِيْعُ ذُنُوْبِهٖ" (مستدرك للحاكم، كتاب الدعاء: ۱/۶۹۱، ۶۹۲، رقم: ۱۹۱۷)

besturdubooks.wordpress.com

دی، مال دیا وغیرہ وغیرہ اس طرح سوچنے سے اللہ جَلَّ جَلَالُهُ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔[1]

مراقبہ نمبر ④: جب بندہ صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے چند گھڑیاں فارغ کرے اور پس اپنے نفس سے کہے: اے نفس! نہیں ہے تیرے لئے جمع پونجی یا قیمتی چیز مگر صرف اور صرف تیری عمر اور یہی تیرا اصل سرمایہ ہے، اور جب سرمایہ ہی فنا ہو جائے گا تو تجارت اور نفع دونوں سے محرومی ہو جائے گی، تو جان لے! کہ آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اور تیری موت کو مؤخر کیا اور تجھ پر انعام و اکرام کیا، اگر وہ تجھ کو موت دے دے تو تو تمنا کرے گا کہ کاش! ایک دن مجھے مل جاتا تو اس میں نیکی کر لیتا، لہٰذا اے نفس! آج کے دن کی قدر کر لے، بھلے اعمال سے اس کو آباد کر لے ماضی کو سوچ کر مایوس نہ ہو، اور مستقبل کو سوچ کر خوف زدہ نہ ہو صرف اور صرف آج کی قدر کرے۔[2]

مراقبہ نمبر ⑤: علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نام سے سرور حاصل کرنا اور اس کے ذریعے دل کا خوش ہونا اور آنکھوں کا ٹھنڈا ہونا، یہ دنیا کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے مشابہ نہیں اور اس پر دنیا کی کسی اور نعمت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور یہ جنتیوں کے احوال میں سے ایک حالت ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) لہٰذا یہ سوچ سوچ کر خوش ہو جائے کہ اللہ میرے ساتھ ہیں، میرا پالنے والا میرے ساتھ ہے، میرا نگران، میرا رب ''الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ'' میرے ساتھ ہے، پھر مجھے کسی کی پروا نہیں۔[3]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ: اپنے خیالات و معاملات کو باری تعالیٰ کی نگرانی میں دے دیں۔ نفس و شیطان سے محفوظ ہونے کا یہی آسان طریقہ ہے۔[4]

❷ بندہ کو چاہئے کہ وہ اس بات کا مراقبہ کرے: ''الرَّقِيْبُ جَلَّ جَلَالُهُ'' ہر معاملے میں اس کا رقیب اور شاہد ہے، اسے دیکھ رہا ہے، اس کی باتیں سن رہا ہے اور اس کے ہر عمل کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور

---

[1] إِذَا فَرَغَ الْعَبْدُ مِنْ فَرِيْضَةِ الصُّبْحِ، يَنْبَغِي أَنْ يُفْرِغَ قَلْبَهُ سَاعَةً لِمُشَارَطَةِ نَفْسِهِ فَيَقُوْلُ لِلنَّفْسِ: مَالِيْ بِضَاعَةٌ إِلَّا الْعُمْرُ! فَإِذَا فَنِىَ مِنِّيْ رَأْسُ الْمَالِ وَقَعَ الْيَأْسُ مِنَ التِّجَارَةِ وَطَلَبِ الرِّبْحِ وَهٰذَا الْيَوْمُ الْجَدِيْدُ قَدْ أَمْهَلَنِيَ اللّٰهُ فِيْهِ وَأَخَّرَ أَجَلِيْ وَأَنْعَمَ عَلَيَّ بِهِ وَلَوْ تَوَفَّانِيْ لَكُنْتُ أَتَمَنّٰى أَنْ يُرْجِعَنِيْ إِلَى الدُّنْيَا حَتّٰى أَعْمَلَ صَالِحاً.

[2] مختصر منهاج القاصدين: ۳۹۸ نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۳۹۷/۱

[3] قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ: فَإِنَّ سُرُوْرَ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ وَفَرْحَهُ بِهِ، وَقُرَّةَ الْعَيْنِ بِهِ، لَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِّنْ نَّعِيْمِ الدُّنْيَا أَلْبَتَّةَ، وَلَيْسَ لَهُ نَظِيْرٌ يُّقَاسُ بِهِ، وَهُوَ حَالٌ مِّنْ أَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (النهج الاسمٰى: ۳۹۸/۱)

[4] شرح اسماء الحسنٰى للمنصورپورى: ۹۵

besturdubooks.wordpress.com

شیطان بھی، یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ان سے بچتے رہنے کی تدبیر کرے۔

۳ جب مؤمن بندہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ "الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اس کی نگرانی فرمارہے ہیں تو اپنی ہر ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور نگرانی میں لے آتا ہے اور کوئی بھی گناہ کرنے سے پہلے وہ خوب سوچے گا کہ "الرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نگہبان ہے اور خوب نگہبانی کررہا ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کیا خوب فرمارہے ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ ۔۔۔ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

جب کسی دن تنہائی میسر ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا ۔۔۔ بل کہ یہ خیال کرنا کہ مجھ پر کوئی نگران موجود ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً ۔۔۔ وَلَا أَنْ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

اللہ تعالیٰ کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہرگز غافل نہ سمجھنا ۔۔۔ اور یہ نہ ماننا کہ تمہارے مخفی امور اس کے علم سے باہر ہیں۔

غَفَلْنَا لَعَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى تَرَاكَمَتْ ۔۔۔ عَلَيْنَا ذُنُوْبٌ بَعْدَهُنَّ ذُنُوْبُ

بخدا! ہم نے غفلت کی اس لئے ہمارے گناہوں کا ۔۔۔ ڈھیر لگ گیا اور ہم گناہ پر گناہ کرتے رہے۔

فَيَا لَيْتَ أَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ مَا مَضٰى ۔۔۔ وَيَأْذَنُ فِيْ تَوْبَاتِنَا فَنَتُوْبُ

کاش کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ۔۔۔ اور رجوع کی توفیق عطا فرما دیتے تاکہ ہم توبہ کرلیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْيَوْمَ أَسْرَعُ ذَاهِبٍ ۔۔۔ وَأَنَّ غَدًا لِلنَّاظِرِيْنَ قَرِيْبُ

کیا تو نہیں جانتا کہ آج بہت جلد گزر جائے گی ۔۔۔ اور آنے والی کل دیکھتے ہی دیکھتے آموجود ہوگی۔[1]

---

[1] دیوان امام شافعی: ۸۰


الرقيب

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾
(الانبیاء: ۳۳)

”اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج و چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک
اپنے اپنے آسمان میں تیرتا پھرتا ہے“۔





besturdubooks.wordpress.com

اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(قبول فرمانے والا)

اس اسم مبارک کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ "هُوَالَّذِيْ يُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِيْ إِذَا دَعَاهُ وَيَسْعَفُ الْمُضْطَرَّ إِلٰى مَااسْتَدْعَاهُ وَتَمَنَّاهُ." [1]

ترجمہ: اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے اور بے قرار کی وہ حاجت پوری کرتا ہے جس کی وہ دعا مانگتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں "نَادٰىنَا" اہلِ معرفت کے لئے بہت ہی پیارا جملہ ہے کہ ہمیں پکارا تھا نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے اور جو ہمیں پکارا کرتا ہے ہم اس کی پکار کا بہتر جواب دیتے ہیں، یعنی ہم نے فریاد رسی کی اس لئے کہ ہم "نِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ" ہیں، یعنی ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کے بعد اس وقت بددعا کی تھی جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلانے پر اکتفا کرنے کے بجائے اُلٹا آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ان کی پکار کیسی سنی اور مدد کو کس طرح پہنچے؟

① نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو مع اُن کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا ② ہول ناک طوفان کے وقت اُن کی حفاظت کی ③ تنہا اُن کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا اور رہتی دنیا تک اُن کا ذکرِ خیر لوگوں میں باقی چھوڑا، چناں چہ آج تک خلقت اُن پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہاں میں نوح عَلَیْہِ السَّلَام کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی ونصرانی بھی آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ [3]

---

[1] مرقاۃ، کتاب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۸۸/۵ [2] الصّٰفّٰت: ۷۵ [3] معارف القرآن: ۴۴۵/۷، الصّٰفّٰت: ۷۵

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ [۱]

ترجمہ: کون ہے جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحبِ تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

اس آیت میں شرک کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر (بے بس) ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو، پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔ [۲]

کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ جب ہی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو۔ اس لئے "مُضطَر" وہ شخص ہے جو سب دُنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے "مُضطَر" کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ" [۳]

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں، اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

"مُضطَر" اسی شخص کو کہتے ہیں: جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کا مصداق ہے۔ پس خدائے برحق ہے کہ جب اسبابِ ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے۔ [۴]

یہ "اسم مبارک" قرآن کریم میں دو مرتبہ آیا ہے:

۱ ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ﴾ [۵]

اور تم اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

۲ ﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ﴾ [۶]

اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

(اس آیت میں یہ اسم جمع کے صیغے کے ساتھ آیا ہے)

---

[۱] النمل: ٦٢ [۲] تفسیر عثمانی: ص ٥٠٩ [۳] قرطبی: ۱۲۹/۷

[۴] معارف القرآن: ٤/٦ (کاندھلوی) [۵] هود: ٦١ [۶] الصّٰفّٰت: ٧٥

besturdubooks.wordpress.com

بے قرار کی دُعا اخلاص کی بنا پر ضرور قبول ہوتی ہے

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے "مُضطَر" کی دُعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرمادیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور تعلقات سے منقطع ہوکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مؤمن ہو یا کافر اور متقی ہو یا فاسق و فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمتِ حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ﴾[1]

کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدت مندی سے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا اللہ تعالیٰ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔[2]

ایک حدیث میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: تین دُعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں: ① مظلوم کی دُعا ② مسافر کی دُعا ③ باپ کی جو اپنی اولاد کے لئے بددُعا کرے۔[3]

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا: ان تینوں دُعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دُعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دُنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہوکر دفعِ ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسافر حالتِ سفر سے اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بناء پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔

امامِ حدیث آجری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت نقل کی ہے: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو۔[4]

---

[1] العنكبوت: ٦٥ [2] تفسير عثماني: ٥٣٨

[3] ابن ماجه، الدعاء، باب دعوة الوالد و دعوة المظلوم: ٢٨٣ [4] قرطبي: ١٧٠/٧

besturdubooks.wordpress.com

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو، بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے، یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ إلی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم[1]

''اَلمُجِیبُ جلّ جلالہٗ'' کے ہاں دعا کی قبولیت کے نمونے

شہد کی مکھیوں کے ذریعے حفاظت

واقعہ نمبر ۸۴: حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: جنگِ اُحد کے بعد قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کی ایک جماعت حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں آئی اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم لوگوں میں اسلام آچکا ہے، آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ صحابہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ) بھیج دیں جو ہمیں دین کی باتیں سمجھائیں اور ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام ہمیں سکھائیں۔

چناں چہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کے ہم راہ اپنے ساتھیوں میں سے چھ آدمی بھیج دیئے (اور راوی نے ان چھ آدمیوں کا تذکرہ بھی کیا) چناں چہ یہ حضرات اس جماعت کے ساتھ چل پڑے۔ جب یہ مقامِ ''رجیع'' پر پہنچے، یہ قبیلہ ہذیل کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے ایک کنارے پر ''ہدأ'' مقام کے شروع میں ہے تو اس جماعت نے ان صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے غداری کی اور انہوں نے قبیلہ ہذیل کو ان کے خلاف مدد کے لئے بلا لیا۔

حضرات صحابہ (اطمینان سے) اپنی قیام گاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اچانک ان کو ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے بہت سے آدمیوں نے گھیر لیا تو یہ حضرات گھبرا گئے۔ حضرات صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے ان سے لڑنے کے لئے اپنی تلواریں ہاتھوں میں پکڑلیں تو کافروں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، بل کہ ہم تو تمہارے بدلے میں مکے والوں سے کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں اللہ کا عہد و پیمان دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔
حضرت مرثد، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے فرمایا: ہم کسی مشرک کا عہد و پیمان کبھی قبول نہیں کریں گے اور حضرت عاصم بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

مَا عِلَّتِيْ وَأَنَا جَلْدٌ نَابِلٌ   وَالْقَوْسُ فِيْهَا وَتَرٌ عُنَابِلٌ

ترجمہ: میں بیمار نہیں ہوں، بل کہ میں تو طاقت ور تیرانداز ہوں اور (میری) کمان میں مضبوط تانت لگا ہوا ہے۔

تَزِلُّ عَنْ صَفْحَتِهَا الْمَعَابِلُ   أَلْمَوْتُ حَقٌّ وَّالْحَيَاةُ بَاطِلُ

ترجمہ: لمبے اور چوڑے پھل والے تیر اس کمان کے اوپر سے پھسل جاتے ہیں، موت حق ہے اور زندگی باطل یعنی فانی ہے۔

---

[1] معارف القرآن: ٥٩٦/٦

besturdubooks.wordpress.com

وَكُلُّ مَا حَمَّ الْإِلٰهُ نَازِلٌ
بِالْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ آيِلٌ
إِنْ لَّمْ أُقَاتِلْكُمْ فَأُمِّيْ هَابِلٌ

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے وہ آدمی کے ساتھ ہو کر رہے گا اور آدمی اسی کی طرف لوٹ جائے گا، اگر میں تم لوگوں سے جنگ نہ کروں تو میری ماں مجھے گم کردے (یعنی میں مرجاؤں)۔

أَبُوْ سُلَيْمَانَ وَرِيْشُ الْمُقْعَدِ وَضَالَةٌ مِّثْلُ الْجَحِيْمِ الْمُوْقَدِ

ترجمہ: میں ابوسلیمان ہوں اور میرے پاس مقعد نامی شخص کے بنائے ہوئے تیر ہیں اور میرے پاس دہکتی ہوئی آگ کی طرح کمان ہے۔

إِذَا النَّوَاجِيْ افْتُرِشَتْ لَمْ أُرْعَدِ وَمُجْنَأٌ مِنْ جِلْدِ ثَوْرٍ أَجْرَدِ
وَمُؤْمِنٌ بِمَا عَلٰى مُحَمَّدِ

ترجمہ: تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر جب بہادر آدمی آئیں تو میں کپکپی محسوس نہیں کرتا ہوں (کیوں کہ میں بہادر ہوں بزدل نہیں ہوں) اور میرے پاس ایسی ڈھال ہے جو کم بال والے بیل کی کھال کی بنی ہوئی ہے اور حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ آسمان سے نازل ہوا ہے میں اس پر ایمان لانے والا ہوں۔

أَبُوْ سُلَيْمَانَ وَمِثْلِيْ رَامٰى وَكَانَ قَوْمِيْ مَعْشَرًا كِرَامًا

ترجمہ: میں ابوسلیمان ہوں اور میرے جیسا بہادر ہی تیر چلاتا ہے اور میری قوم ایک معزز قوم ہے۔

پھر حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ان کافروں سے لڑائی شروع کردی یہاں تک کہ شہید ہوگئے اور ان کے دونوں ساتھی بھی شہید ہوگئے، شہید ہونے سے پہلے حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ دعا مانگی تھی:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَحْمِيْ لِدِيْنِكَ وَأُدَافِعُ عَنْهُ، فَاحْمِ لَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَلَا تُظْفِرْ بِهِمَا أَحَدًا مِّنْ أَعْدَاءِ اللّٰهِ"

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کے دین کی حفاظت کرنے کے لئے نکلا ہوں اور اس کے خلاف فتنوں کی مدافعت کے لئے۔ جس طرح میں آپ کے دین کی حفاظت کے لئے گھر سے نکلا ہوں آپ بھی میرے گوشت اور ہڈیوں کی حفاظت فرمائیے اور میرے گوشت اور ہڈیوں پر کسی کافر کا بس نہ چلے۔

چوں کہ حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو پتہ چل گیا تھا کہ کفار میرے سر کی تلاش میں ہیں، اس لئے انہوں نے "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے دعا کی اور "اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اس کو قبول فرمایا۔ جب حضرت عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ شہید ہوگئے تو قبیلہ ہذیل نے ان کا سر کاٹنا چاہا، تاکہ یہ سر سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچ دیں، کیوں کہ حضرت عاصم

besturdubooks.wordpress.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلافہ کے بیٹے کو جنگِ اُحد کے دن قتل کیا تھا، تو سلافہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اسے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مل گیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی (جب قبیلہ ہذیل کے لوگ ان کا سر کاٹنے کے لئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کو ہر طرف سے گھیر لیا) اور ان مکھیوں نے قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو ان کے قریب نہ آنے دیا۔

جب یہ مکھیاں ان کے اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان حائل ہوگئیں تو ان لوگوں نے کہا: ان کو ایسے ہی رہنے دو۔ جب شام کو یہ مکھیاں چلی جائیں گی تو پھر ہم آکر ان کا سر کاٹ لیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کی ایسی رو بھیجی جو ان کی نعش کو بہا کر لے گئی، حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو ناپاک ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ لگا سکے۔ چناں چہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ شہد کی مکھیوں نے ان کافروں کو قریب نہ آنے دیا تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن بندے کی ایسے ہی حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔[۱]

زنجیر پاؤں سے گر پڑی

واقعہ نمبر ۸۵: حضرت بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۷۶ھ) مشہور محدثین میں سے ہیں، حدیث میں ان کی سند اہل علم میں معروف ہے۔ یہ بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ نہایت عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کر رکھا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کردوں اور اسے قید سے چھڑا لوں، آپ کسی سے کہہ دیجئے کہ میرا گھر خرید لے، اس لئے کہ میرے دل کا سکون اور راتوں کا چین رخصت ہو چکا ہے۔

حضرت بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سنی تو اس سے کہا: "تم جاؤ میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا۔" اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس کی رہائی کے لئے دعا کرتے رہے، اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی عورت پھر واپس آئی اور اس مرتبہ اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا۔

وہ کہنے لگی: "اس سے سنئے اس کے ساتھ کیا عجیب واقعہ پیش آیا" حضرت بقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے واقعہ پوچھا، کہنے لگا: "مجھے بادشاہ نے ان قیدیوں کے ساتھ شامل کر دیا تھا جو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن میں اپنے ذمہ کی خدمت انجام دینے کے لئے جا رہا تھا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی کہ اچانک چلتے چلتے زنجیر پاؤں سے گر پڑی مجھ پر جو سپاہی متعین تھا وہ مجھے گالیاں دینے لگا کہ پاؤں سے زنجیر کیوں نکالی؟

---

[۱] حياة الصحابه، باب غزوة رجيع: ۵۵۴/۱

besturdubooks.wordpress.com

میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ زنجیر میرے پاؤں سے کیسے نکلی ہے؟

اس پر انہوں نے لوہار کو بلوا کر دوبارہ میرے پاؤں میں پہنا دی اور اس مرتبہ اس کی میخیں خوب اچھی طرح مضبوط گاڑ دی گئیں، لیکن اس کے فوراً بعد میں اٹھ کر چلنے لگا تو زنجیر پھر گر پڑی۔ انہوں نے پھر اسے باندھا، لیکن پھر چلا تو پھر گر گئی۔ وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور اپنے راہبوں سے اس کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟

میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دعا کی ہے اور اس کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ پھر راہبوں نے متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا کہ اب اسے چھوڑ دیا جائے، چناں چہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں بلادِ اسلام میں پہنچ گیا۔" حضرت بقی بن مخلد (رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ) نے زنجیر گرنے کا وقت پوچھا تو یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب آپ اس کی رہائی کے لئے دعا کر رہے تھے۔[1]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی دعا مستجاب اور مقبول ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں والدین کی دعائیں لینی چاہئیں۔[2]

اے فریاد کرنے والوں کی مدد پر آنے والے! میری مدد فرما

وَاقِعَۃ نمبر ۸۶: ایک شخص سردی کے موسم میں نکلا، اُس نے چار سو درہم سے زریاب پرندے کے قیمتی بچے (تجارت کے لئے خریدے جب کہ اس کی کل جمع پونجی یہی رقم تھی)۔ جب وہ شخص بغداد میں اپنی دوکان پر آیا تو (اچانک) سخت سرد ہوا چلی جس کی وجہ سے سب بچے مر گئے، سوائے ایک بچے کے جو کہ اُن سب میں بہت کمزور اور چھوٹا تھا۔ اب تو اس شخص کو دیوالیہ ہونے کا یقین ہوگیا۔ پھر وہ شخص رات بھر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و اِنکساری کرتا رہا، دُعا اور مدد طلب کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے فراخی مانگتا رہا پریشانی کی وجہ سے جو اُس پر آئی تھی اور وہ ان الفاظ سے دُعا مانگتا تھا:

"يَاغِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اَغِثْنِيْ"

تَرْجَمَۃ: اے فریاد کرنے والوں کی مدد پر آنے والے! میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دُعا کو قبول فرمایا، وہ اس طرح کہ جب صبح ہوئی تو سردی ختم ہوچکی تھی اور وہ بچ جانے والا بچہ پر پھیلانے لگا اور کہنے لگا:

"يَاغِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اَغِثْنِيْ" اے فریاد کرنے والوں کی مدد کو پہنچنے والے میری مدد فرما۔

پھر تو بہت سے لوگ اس کی دوکان پر جمع ہوگئے زریاب کے بچے کو دیکھتے اور آواز سنتے تھے اور قدرتِ الٰہی کا نظارہ تعجب سے کرتے تھے کہ ایک زریاب کا بچہ اللہ سے پیارے الفاظ میں دُعا مانگ رہا ہے۔ شاہی خاندان کی با ندیوں میں

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۴۵/۱۱

[2] والدین کی دعا حاصل کرنے کے دنیا و آخرت میں کیا فوائد ہیں، اور ان کی بددعا سے بچنے کے کیا فوائد ہیں، اس کے لئے راقم کی کتاب "والدین کی قدر کیجئے" سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

besturdubooks.wordpress.com

سے ایک باندی وہاں سے سواری پر گزری اس نے پرندے کی آواز سنی اور اسے دیکھا تو اُسے پرندہ پسند آیا، وہ اس آدمی کے پاس اُتری اور اُس نے زریاب کے بچے کو دو ہزار درہم میں خرید لیا اور اُس شخص کو دراہم دے دیئے اور زریاب پرندے کے بچے کو لے لیا، ...... یہ اس دُعا کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چار سو کے عوض دو ہزار نصیب فرما دیئے...... [1]

"اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے پکارنا بدترین گمراہی ہے

قرآن کریم نے مخلوق کو پکارنے اور اس سے دُعائیں مانگنے کو سب سے بدترین گمراہی قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [2]

تَرجَمَہ: اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتے اور وہ ان کی دعا سے بالکل بے خبر ہیں۔

بزرگوں سے مرادیں مانگنا اور ان سے اپنی حاجات کے لئے دعائیں کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ دعا ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی کی جاتی ہے، چناں چہ آں حضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" [3]

تَرجَمَہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾" [4]

تَرجَمَہ: دعا ہی اصل عبادت ہے، یہ ارشاد فرما کر آں حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا سنوں گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

"لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ" [5]

تَرجَمَہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی چیز قابل قدر نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں: دعا افضل ترین عبادت اور عبادت

---

[1] سمير المؤمنين: ١٠٠، ١٠١، الفرج بعد الشدّة والضيقة: ٩٩/٣

[2] الاحقاف: ٥

[3] الترمذي، الدعوات، باب ماجاء في فضل الدعاء: ١٧٥/٢

[4] الترمذي، ابواب الدعوات باب ماجاء في فضل الدعاء: ١٧٥/٢

[5] الترمذي، الدعوات باب ماجاء في فضل الدعاء: ١٧٥/٢

besturdubooks.wordpress.com

کا مغز اس لئے ہے کہ عبادت کا خلاصہ ہے۔

''معبود کے سامنے انتہائی عجز و بے بسی اور خضوع و تذلل کا مظاہرہ کرنا'' اور یہ بات دعا میں کامل طور پر پائی جاتی ہے، اسی بنا پر دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب عبادات سے زیادہ لائقِ قدر ہے۔[1]

بہر حال جب یہ معلوم ہوا کہ دعا نہ صرف عبادت ہے بل کہ عبادت کا مغز ہے اور خلاصہ ہے تو حق تعالیٰ کے سوا جس طرح کسی اور کی عبادت جائز نہیں، اسی طرح کسی بزرگ ہستی سے دعائیں کرنا اور مرادیں مانگنا بھی روا نہیں، اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔[2]

''اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو سب کی دعائیں اور پکار سننے والی ہے، اس سے اہتمام سے دعائیں مانگنے میں لگنا اور ہر مرحلے پر اسی سے لو لگا کر درحقیقت اُس کے سامنے ہی حاجات پیش کرنے میں لگنا ہوگا۔

دعا سے کوئی شخص مستغنی نہیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سب کو دعا والے بنا کر گئے۔ یہ بھی نہیں کہ بزرگوں کے ہوتے ہوئے ہم کیا دعا مانگیں۔ سارے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ہوتے ہوئے تابعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دعا مانگتے ہیں اور ان کی دعا پر سواری زندہ ہوتی ہے۔ یوں نہیں دیا گیا یہ راستہ کہ بعض دعا والے بن جائیں، بعض بن جائیں شیطان، جب ان پر مصیبت آجائے تو وہ دعا والوں کے پاس چلے جائیں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ راستہ دے کر نہیں گئے۔ نہ عالموں کو عوام پر چھوڑا، نہ حاکم کو محکوم پر، نہ محکوم کو حاکم پر چھوڑا ہے۔ تم ذرا تصور کرو اس زندگی کا کہ کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کی چیز پر نگاہ نہیں رکھتا، کوئی کسی سے کسی چیز کا لالچ نہیں رکھتا۔ ہر ایک کی زندگی مستقل بن رہی ہے چیزوں پر موقوف نہیں۔ ۲۴ گھنٹے کی زندگی کو حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طریقوں پر گزار لو، ان کے طریقے اپنانے سے پیسہ گھٹے تو گھٹنے دو، کیوں کہ پیسے کے راستے سے دعا قبول نہیں ہوگی، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے راستے سے دعا قبول ہوگی، تو صالح بن، تو ولی بن، تو دعا والا بن۔

قرآن و حدیث پر عمل کرو ولی بنے گا، اگر آج یہ قرآن و حدیث پر عمل کرلیں ولی ہو جائیں گے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ چشمہ ہیں۔ ساری ولایتیں اسی سمندر سے پھوٹ رہی ہیں۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کٹ کر ولی بن گیا ہو۔ جو ولی بنا ہے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ بندھ کر ولی بنا ہے۔ تم خوش بودار پھول بن کر، چمک دار سورج بن کر، سخاوت کے ساتھ بہنے والا سمندر بن کر ان کے سامنے آؤ (یہ ساری دنیا والے) ہر چیز کو چھوڑ کر تمہاری طرف آجائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو خود دین کے پھیلانے کی محنت کر کے دعا والا بن، دعا جتنی فکر سے تو اپنے لئے مانگتا ہے اتنی

---

[1] حاشیۃ مشکوٰۃ: حاشیہ نمبر۱۲، ۱۹۴

[2] اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۵۸، ۵۹

besturdubooks.wordpress.com

فکر سے دوسرا نہیں مانگ سکتا۔ دیکھو!

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْعَالِمَ" نہیں کہا۔

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الذَّاکِرَ" نہیں کہا۔

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ" [۱] کہا کہ وہ بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے۔

تیرا ایک عمل تو یہی ہوگا کہ سیکھ دعائیں۔ دعا والا بن، خود اپنے لئے بھی دعا کر اور دوسروں کے لئے بھی دعا کر۔

تیسری بات یہ کہ عمل کا جائزہ لیتے رہو، کوئی عمل ایسا نہ ہو کہ دعا پر زد پڑے یعنی کوئی ایسا گناہ نہ ہو جو دعا کی قبولیت میں مانع ہو جائے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ بزرگانِ دین جن حقائق کی طرف ہماری توجہ دلا رہے ہیں اور خدائے پاک سے گڑگڑا کر، لو لگا کر مانگنے سیکھنے سکھانے اور اعمال کو سنت کے دائرے میں رکھنے پر زور دے رہے ہیں۔ ہم ان ہدایات پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت بنائیں۔ وہ "المجیب جل جلالہ" جو سب کی پکار اور دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے ہم ہر حال میں اسی کو اپنی حاجات میں پکاریں، اس کے در سے مایوس نہ ہوں۔ اُس کے غیر کے پاس اپنی حاجتیں لے کر نہ جائیں۔[۲]

جناب دکتور ناصر فرماتے ہیں:

ہر انسان کے ساتھ اللہ ربُّ العزت کا کوئی نہ کوئی ایسا معاملہ ضرور ہوتا ہے جس میں اللہ ربُّ العزت بندے کے کسی غم کو ہلکا فرماتے ہیں یا تکلیف کو زائل فرماتے ہیں یا ضرر اور نقصان سے بچاتے ہیں یا خطرے کو ٹال دیتے ہیں یا مطلوب و محبوب چیز کا حصول آسان فرما دیتے ہیں، بے شک اس کا دروازہ کھلا ہے اور اس کی عطائیں بے حساب ہیں...... اس کا احسان بہت بڑا ہے...... اس کی سخاوت بے پناہ ہے...... کتنی ہی ضروریات اللہ ربُّ العزت کے یہاں سے پوری کردی گئیں اور دعائیں قبول کر لی گئیں اور برکتیں نازل کردی گئیں اور رحمتوں نے ڈھانپ لیا، وُسعت حاصل ہوگئی اور گناہ بخش دیئے گئے، خطائیں مٹا دی گئیں، توبہ قبول کر لی گئی، سزا زائل کردی گئی، مشقت کو دور کر دیا گیا، عطایا کے دروازے کھول دیئے گئے (کوششیں بارآور ہوگئیں) یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو اس ذات کو پکارتے ہیں جو "المجیب جل جلالہ" ہے اور اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

مؤمن بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کثرت سے دعائیں کرے اور ہر وقت آسمان و زمین کے پروردگار سے التجا کرتا رہے۔[۳]

---

[۱] النمل: ٦٢ [۲] بیان (مولانا محمد یوسف کاندھلوی)

[۳] مَامِنْ إِنْسَانٍ إِلَّا وَلَهُ تَجْرِبَةٌ مَعَ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا فِي تَفْرِيجِ هَمٍّ، أَوْ تَنْفِيسِ كُرْبَةٍ، أَوْ دَفْعِ ضَرَرٍ، أَوْ مَنْعِ خَطَرٍ، أَوْ نَيْلِ مَحْبُوبٍ، أَوْ حُصُولِ مَطْلُوبٍ، فَإِنَّ بَابَهُ مَفْتُوحٌ، وَعَطَائَهُ مَمْنُوحٌ، وَكَرَمَهُ عَظِيمٌ، وَجُودَهُ كَبِيرٌ. فَكَمْ مِنْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ، وَمِنْ دَعْوَةٍ قُبِلَتْ، وَمِنْ بَرَكَةٍ تُدُلِّتْ، وَرَحْمَةٍ غَشِيَتْ وَنَفْحَةٍ نِيلَتْ، وَخَطِيئَةٍ غُفِرَتْ، وَزَلَّةٍ مُحِيَتْ، وَتَوْبَةٍ قُبِلَتْ، وَعُقْبَةٍ أُزِيلَتْ، وَمِحْنَةٍ أُزِيحَتْ، =

besturdubooks.wordpress.com

ہر مصیبت کے وقت ہم اللہ کو پکارتے ہیں اور مصیبت دور ہو جانے کے بعد اسے بھول جاتے ہیں، اس دعا کی قبولیت کی ہم کیسے امید رکھیں کہ جس کی قبولیت کے راستوں کو ہم نے گناہوں سے بند کر رکھا ہے۔

دعا کو قبولیت سے روکنے والی چیزیں:

❶ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب صدقِ دل سے توجہ کا نہ ہونا۔

ابن بطال رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ''دعا کرنے والے کو چاہئے کہ دعا کرنے میں خوب کوشش کرے اور دعا کرنے کے بعد دعا کی قبولیت کے بارے میں پر امید رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیوں کہ وہ ایک کریم ذات سے مانگ رہا ہے (اور کریم کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا)۔ [1]

❷ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود شریف کا نہ پڑھنا یہ بھی قبولیت دعا کے لئے مانع ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں: ''دعا آسمان و زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور آگے نہیں بڑھ پاتی جب تک کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود نہ پڑھا جائے۔'' یعنی اگر ہم چاہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں تو اپنی دعاؤں میں درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں۔ [2]

❸ دعا کی قبولیت کے بارے میں بے صبری کا مظاہرہ کرنا یہ بھی قبولیتِ دعا کے لئے مانع ہے۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: ''تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ تم جلدی نہ کرو'' یعنی یوں نہ کہو ''میں نے تو دعا کی تھی اب تک قبول ہی نہیں ہوئی۔'' [3]

= وَمَنْحَۃٍ أُثْمِرَتْ. لِدَاعِیْنَ دَعْوَاتُہُمْ، وَأُنَاسٍ لَجَؤُوْا إِلٰی خَالِقِہِمْ؟

إِنَّ عَلَی الْمُؤْمِنِ أَنْ یُّکْثِرَ الدُّعَاءَ، وَیَلْجَأَ إِلٰی رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَآءِ فِيْ کُلِّ أَوْقَاتِہٖ وَفِيْ جَمِیْعِ أَحْیَانِہٖ.

نَحْنُ نَدْعُو الْإِلٰہَ فِيْ کُلِّ کَرْبٍ ثُمَّ نَنْسَاہُ عِنْدَ کَشْفِ الْکُرُوْبِ
کَیْفَ نَرْجُوْا إِجَابَۃً لِدُعَاءٍ قَدْ سَدَدْنَا طُرُقَہَا بِالذُّنُوْبِ

(اللّٰہ ...... اھل الثناء و المجد: ۲۵۵)

[1] مِنْ مَوَانِعِ الْإِجَابَۃِ:

❶ عَدَمُ الْإِقْبَالِ عَلَی اللّٰہِ بِصِدْقٍ وَالتَّوَجُّہِ إِلَیْہِ فِيْ عَزِیْمَۃٍ.

وَیَقُوْلُ ابْنُ بَطَّالٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ: "یَنْبَغِيْ لِلدَّاعِيْ أَنْ یَّجْتَہِدَ فِي الدُّعَاءِ وَیَکُوْنَ عَلٰی رَجَاءِ الْإِجَابَۃِ، وَلَا یَقْنَطُ مِنَ الرَّحْمَۃِ، فَإِنَّہٗ یَدْعُوْ کَرِیْمًا.

[2] ❷ عَدَمُ الصَّلَاۃِ عَلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ: "إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَيْءٌ حَتّٰی تُصَلِّيَ عَلٰی نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" (کنزالعمال: ۲/۱۱۷، رقم: ۳۹۸۱)

[3] ❸ اِسْتِعْجَالُ الْإِجَابَۃِ، یَقُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "یُسْتَجَابُ لِأَحَدِکُمْ مَالَمْ یُعَجِّلْ یَقُوْلُ: دَعَوْتُ رَبِّيْ فَلَمْ یَسْتَجِبْ لِيْ." (مسلم، الذکر والدعاء، باب بیان انہ یستجاب...... رقم: ۶۹۳۵)

besturdubooks.wordpress.com

❹ حرام کھانا، حرام پینا، حرام پہننا، دعاؤں کی عدمِ قبولیت کے اسباب میں سے یہ سب سے اہم اسباب ہیں اور ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہونے کی بڑی وجہ یہی ہو، حالاں کہ لوگ اکلِ حرام (جرائم) کا ارتکاب کرنے کے باوجود کہتے ہیں "ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔"[۱]

❺ "أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کا ترک کرنا بھی قبولیتِ دعا کے لئے رکاوٹ ہے اور جو "أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" نہ کرے اس کی دعا قبول بھی کیسے ہوسکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کے ٹوٹنے پر اسے غصہ نہیں آتا اور برائیاں ظاہر ہونے پر وہ نکیر نہیں کرتا، جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کے احکامات ٹوٹنے پر دینی غیرت کی وجہ سے غم ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کرتے رہو قبل اس کے کہ تم دعا مانگو میں قبول نہ کروں اور تم مجھ سے مدد مانگو میں مدد نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں پورا نہ کروں۔"[۲]

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو قوم بھی "أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف" اور "نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر" کے فریضے کو چھوڑ دیتی ہے ان کے اعمال آسمانوں تک نہیں جاتے اور نہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہٰذا نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کی محنت ہر ایک کو کرنی چاہئے۔

دعاؤں کی قبولیت کے لئے معاملات درست ہونے چاہئیں

واقعہ نمبر ۸۷: سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل سات سال قحط میں رہے یہاں تک کہ وہ مردار اور حرام کھانے پر مجبور ہوگئے اور بچے کھانے لگے، وہ اسی حالت میں گریہ وزاری کرتے اور پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاتے اور روتے رہتے تھے اور دعائیں مانگتے رہتے تھے، لیکن ساتھ ساتھ لوگوں پر ظلم بھی

---

[۱] ❹ وَهُوَ مِنْ أَهَمِّ الْأَسْبَابِ: أَكْلُ الْحَرَامِ أَوْ شُرْبُ الْحَرَامِ أَوْ لُبْسُ الْحَرَامِ، فَإِنَّ هٰذِهِ مِنْ أَقْوَى مَوَانِعِ الْإِجَابَةِ، وَلَعَلَّهَا السِّرُّ الْأَكْبَرُ فِي عَدَمِ قُبُوْلِ دَعَوَاتِ النَّاسِ، وَمَعَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ دَعَوْتُ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِي.

[۲] ❺ تَرْكُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ: كَيْفَ يُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ لِمَنْ لَمْ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ؟ كَيْفَ يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ لَمْ يَغْضَبْ لِحُرُمَاتِهِ إِذَا انْتُهِكَتْ وَيُنْكِرِ الْمَعَاصِيَ إِذَا ظَهَرَتْ؟ بِقَدْرِ حُبِّكَ لِلّٰهِ وَغَيْرَتِكَ عَلٰى شَرْعِهِ، بِقَدْرِ قُبُوْلِهِ لَكَ وَرِضَاهُ عَنْكَ وَإِجَابَتِهِ لِدَعْوَتِكَ.

وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَدْعُوْنِي فَلَا أُجِيْبُكُمْ، وَتَسْأَلُوْنِي فَلَا أُعْطِيْكُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِي فَلَا أَنْصُرُكُمْ، مسند احمد: ۱۵۹/۶، رقم: ۲۴۷۲۷"، "وَمَا تَرَكَ قَوْمٌ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ إِلَّا لَمْ تُرْفَعْ أَعْمَالُهُمْ وَلَمْ يُسْتَجَبْ لِدُعَائِهِمْ"

کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کی جانب وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے قدموں سے میرے پاس چل کر آؤ حتیٰ کہ تمہارے گھٹنے بھی گھس جائیں اور تمہارے ہاتھ آسمان تک پہنچ جائیں اور تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے تھک جائیں تب بھی میں تمہارے کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب نہ دوں گا اور نہ ہی کسی رونے والے پر رحم کروں گا یہاں تک کہ تم حق والوں کا حق انہیں لوٹا دو۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا لوگوں کے مال جو ظلم سے لئے ہوئے تھے وہ واپس کیے، حق والوں کو حق دیا اور جن کے دل دکھائے تھے اُن سے معافی مانگ لی تو اسی دن ان پر بارش برسا دی گئی۔[1]

مناجات

اللہ تعالیٰ سے راز ہی راز میں سرگوشی کرنا مناجات کہلاتا ہے، ایسی کیفیت میں اللہ تعالیٰ بھی بندے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ راتوں کو جب اس ذاتِ عالی سے اپنے تعلق استوار کریں تو گاہ گاہ ان مناجات کو بھی دربارِ عالی میں ضرور پیش کریں جن کا ترجمہ یہ ہے:

تَرجَمَہ: اے وہ کہ دل کی باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے، تو ہی پوری کرنے والا ہے ہر امید کو، اے وہ کہ تمام مشکلات کے لئے اس سے امید کی جاتی ہے، اے وہ کہ اسی کے پاس شکایت کی جاتی ہے اور وہی ملجا ہے۔

اے وہ کہ تمام رزق کے خزانے اس کے لفظِ "کُنْ" میں ہیں، فضل کر اس لئے کہ تمام بھلائی تیرے ہی پاس ہے۔

میرے پاس تیری طرف سوائے محتاجگی کے کوئی وسیلہ نہیں، پس محض اپنی محتاجگی کے ذریعہ سے اپنی حاجت پوری کرنا چاہتا ہوں۔

میرے پاس تیرے در کے کھٹکھٹانے کے سوا کوئی حیلہ نہیں، پس اگر تو نے واپس کر دیا تو پھر کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔

اور کون ہے کہ جس کے نام کو پکاروں اور وسیلہ کروں، اگر تیرا فضل تیرے فقیر کو نہ ملا۔

کبھی تیرے فضل سے گنہگار ناامید نہیں ہوسکتا، تیرا فضل بے حساب ہے اور بخشش تیری وسیع ہے۔

---

[1] ❻ عَدَمُ رَدِّ الْمَظَالِمِ إِلَى أَهْلِهَا، يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: "بَلَغَنِيْ أَنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ قُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ حَتّٰى أَكَلُوا الْمَيْتَةَ مِنَ الْمَزَابِلِ وَأَكَلُوا الْأَطْفَالَ، وَكَانُوْا كَذٰلِكَ يَخْرُجُوْنَ إِلَى الْجِبَالِ يَبْكُوْنَ وَيَتَضَرَّعُوْنَ.

فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى أَنْبِيَائِهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَوْ مَشَيْتُمْ إِلَيَّ بِأَقْدَامِكُمْ حَتّٰى تَحْفٰى رُكَبُكُمْ وَتَبْلُغَ أَيْدِيْكُمْ عَنَانَ السَّمَاءِ وَتَكِلَّ أَلْسِنَتُكُمْ عَنِ الدُّعَاءِ فَإِنِّيْ لَا أُجِيْبُ لَكُمْ دَاعِياً، وَلَا أَرْحَمُ لَكُمْ بَاكِياً حَتّٰى تَرُدُّوا الْمَظَالِمَ إِلٰى أَهْلِهَا، فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مِنْ يَوْمِهِمْ. (اللّٰه ...... اهل الثناء والمجد: ۲۵۵ تا ۲۵۷)

besturdubooks.wordpress.com

پھر صلوٰۃ اور سلام ہو نبی اور اس کی آل پر، جو کہ بہترین خلائق ہیں اور اُن ہی کی شفاعت طلب کی جاتی ہے۔[1]

یہ مناجات عربی اشعار کا ترجمہ ہے، اس دعا کو ایمان بڑھانے کے لئے کبھی کبھی ضرور مانگنی چاہئے، اس کے معانی کا استحضار معرفتِ الٰہی بڑھانے میں مفید و معاون ہوگا۔ اور کوشش یہ کریں کہ ہر دعا عربی میں مانگیں، کیوں کہ عربی میں دعا مانگنا بہتر اور افضل ہے، جو عربی نہ پڑھ سکے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان میں دعا مانگے۔ اور اپنی اولاد کو عربی زبان سے محروم نہ رکھے۔

فوائد و نصائح

''اَلْمُجِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے مانگنے کے لئے اور اپنی دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور ان وظائف کو پڑھ کر مانگنا بہت مفید ہے۔

---

[1]

يَا مَنْ يَّرٰى مَا فِي الضَّمِيْرِ وَيَسْمَعُ ۔۔۔ اَنْتَ الْمُعِدُّ لِكُلِّ مَا يُتَوَقَّعُ

يَا مَنْ يُّرَجّٰى فِي الشَّدَائِدِ كُلِّهَا ۔۔۔ يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمَفْزَعُ

يَا مَنْ خَزَائِنُ رِزْقِهٖ فِيْ قَوْلِ كُنْ ۔۔۔ اُمْنُنْ فَاِنَّ الْخَيْرَ عِنْدَكَ اَجْمَعُ

مَالِيْ سِوَا فَقْرِيْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ ۔۔۔ فَبِالْاِفْتِقَارِ اِلَيْكَ فَقْرِيْ اَدْفَعُ

مَالِيْ سِوَا قَرْعِيْ لِبَابِكَ حِيْلَةٌ ۔۔۔ فَلَئِنْ رَدَدْتَّ فَاَيُّ بَابٍ اَقْرَعُ

وَمَنِ الَّذِيْ اَدْعُوْ وَاَهْتِفُ بِاسْمِهٖ ۔۔۔ اِنْ كَانَ فَضْلُكَ عَنْ فَقِيْرِكَ يُمْنَعُ

حَاشَا لِجُوْدِكَ اَنْ تُقَنِّطَ عَاصِيًا ۔۔۔ اَلْفَضْلُ اَجْزَلُ وَالْمَوَاهِبُ اَوْسَعُ

ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ ۔۔۔ خَيْرِ الْاَنَامِ وَمَنْ بِهٖ يُتَشَفَّعُ

(حیوۃ الحیوان: ۱/۱۷۶)

ترجمہ

① اے وہ ذات جو دلوں کی باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے تو ہی ہے جو متوقع چیزوں کو مہیا کرسکتا ہے۔
② اے وہ ذات جس سے مصیبت میں امید باندھی جاتی ہے۔ اے وہ ذات جس کے دربار میں پریشان و خوف زدہ پناہ لیتے ہیں۔
③ اے وہ ذات جس کے قول کن (ہوجا) میں رزق کے خزانے موجود ہیں، آپ احسان کیجئے اس لئے کہ تمام بھلائیاں آپ کے پاس ہیں۔
④ میرے پاس آپ کی خدمت کے لئے فقر و فاقہ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں، پس میں تو اپنے فقر کو آپ کی محتاجی کی وجہ سے دور کرتا ہوں۔
⑤ میرے پاس آپ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا کوئی بھی حیلہ نہیں۔ اگر آپ نے مجھے لوٹا دیا تو پھر کون ہے جس کے دروازے پر میں آواز لگاؤں گا۔
⑥ اگر آپ کا فضل اس فقیر پر نہ ہو تو اور کون ہے جس کا نام لے کر میں پکاروں اور آواز دوں؟
⑦ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ کی سخا سے کوئی گناہ گار مایوس ہوجائے، پس آپ کا فضل و کرم بہت ہے اور آپ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔
⑧ پھر رحمت نازل ہو ایسے نبی پر جو لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور جن کی شفاعت قبول کی جائے گی اور ان کی آل پر بھی رحمت نازل ہو۔

besturdubooks.wordpress.com

❶ اس اسم سے تخلق (تعلق) حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ جب موقع ملے تب ہی دل کھول کر یا ہاتھ اُٹھا کر پوری توجہ، پوری رغبت سے اور پورے یقینِ قبولیت سے دعا کیا کریں، نامنظوری یا عدمِ قبولیت کا وہم بھی دل میں نہ آنے دیں۔[1]

اس لئے کہ مجیب وہ ذات ہے:

اَلَّذِیْ یُجِیْبُ الْمُضْطَرِّیْنَ، وَلَا یَخِیْبُ لَدَیْہِ اٰمَالُ الطَّالِبِیْنَ۔[2]

تَرجَمَہ: جو بے قراروں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس کے دربار سے طالبین اور سائلین نامراد نہیں لوٹتے۔

دعا قبول کروانے کا بہترین مستند نبوی نسخہ

❷ کم از کم چالیس دن تک اس نسخے پر عمل کر کے دیکھئے اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی آپ کی تمام پریشانیاں کافور ہو جائیں گی۔ دلی سکون حاصل ہوگا، گھبراہٹ، پریشانی دور ہو جائے گی، وحشت سکون سے تبدیل ہو جائے گی۔

پانچوں وقت کی نمازیں خشوع وخضوع اور اطمینان کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوں گی اور دعائیں قبول ہوں گی۔

وہ عمل یہ ہے کہ اذان کا ادب کریں، اذان جب ہو تو خاموشی سے سنیں، اور پھر اذان کا جواب زبان سے بھی دیں، اور قدم سے بھی دیں، اذان کے بعد صرف اور صرف نماز کی تیاری کریں اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مصیبت یا سختی میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ مؤذن کا منتظر رہے، جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو یہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اور جب وہ أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے تو یہ بھی کہے أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور جب وہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہے تو یہ بھی اسی طرح کہے۔ پھر یہ دعا مانگیں:

''اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ الصَّادِقَۃِ الْمُسْتَجَابِ لَھَا دَعْوَۃِ الْحَقِّ وَکَلِمَۃِ التَّقْوٰی اَحْیِنَا عَلَیْھَا وَاَمِتْنَا عَلَیْھَا وَابْعَثْنَا عَلَیْھَا وَاجْعَلْنَا مَنْ خِیَارِ اَھْلِھَا اَحْیَاءً وَّاَمْوَاتًا۔''

تَرجَمَہ: اے اللہ! اس سچی پکار کو قبول کرنے والے، حق کی دعوت کے رب اور کلمۂ تقویٰ کے رب ہمیں اسی دعوتِ حق پر زندہ رکھ اور اسی پر موت عطا فرما اور اسی دعوت پر ہمیں روزِ قیامت اُٹھا اور ہمیں زندہ ومردہ اس دعوت کے بہترین اہل میں سے بنا۔

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگے۔ اذان اور اقامت کے درمیان دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس عمل کے بعد عافیت کی یہ دعا مانگیں:

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی للمنصورپوری: ۹۹ [2] شرح اسماء الحسنٰی للرازی: ۲۸۲

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ."

تَرْجَمَۃ: اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت میں درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ [1]

۳ ہر مؤمن بندہ کو چاہئے کہ اپنے یقین کو بھی پختہ کرے کہ "اَلْمُجِيْبُ جَلّ جَلَالُهٗ" کے سوا کوئی مشکل کشا، غوث، علم غیب جاننے والا، حاضر ناظر نہیں اور نہ ہی کسی کی معمولی سی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ یہی دعوت لوگوں کو بھی دے کہ جس پیر صاحب فقیر، عامل، جوتشی کی اپنی کوئی اولاد نہیں وہ دوسرے کو کیسے اولاد دے گا، جس کی اپنی دکان چھپر والی ہے وہ دوسرے کے کاروبار کو کیسے نفع والا بنائے گا اس لئے کہ دعائیں قبول کرنے والا حاجات پوری کرنے والا صرف "اَلْمُجِيْبُ جَلّ جَلَالُهٗ" ہی ہے اور کوئی نہیں۔

---

[1] مَنْ نَزَلَ بِهٖ كَرْبٌ أَوْ شِدَّةٌ فَلْيَتَحَيَّنِ الْمُنَادِيَ فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرَ وَ إِذَا تَشَهَّدَ تَشَهَّدَ وَ إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ وَ إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ثُمَّ يَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا دَعْوَةِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ التَّقْوٰى أَحْيِنَا عَلَيْهَا وَأَمِتْنَا عَلَيْهَا وَابْعَثْنَا عَلَيْهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خِيَارِ أَهْلِهَا أَحْيَآءً وَّأَمْوَاتًا ثُمَّ يَسْئَلُ اللّٰهَ حَاجَتَهٗ.

وَالدُّعَآءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ فَادْعُوْا فَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (المستدرك: كتاب الدعاء: ۷٤١/۱، رقم: ۲۰۵٦).

besturdubooks.wordpress.com

اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(وُسعت وکشادگی والا)

اس اسم مبارک کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① اَلْوَاسِعُ: هُوَ الْغَنِيُّ الَّذِي وَسِعَ غِنَاهُ مَفَاقِرَ عِبَادِهِ، وَوَسِعَ رِزْقُهُ جَمِيْعَ خَلْقِهِ.[1]

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ غنی ذات ہے جس کی سخاوت اس کے محتاج بندوں کے لئے کافی ہے اور اس کا رزق تمام مخلوقات کے لئے وسیع ہے۔

② امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اَلْوَاسِعُ" سے مراد وہ ذات ہے کہ تمام چیزیں اس کے قبضۂ قدرت اور اس کے علم میں ہوں۔ اپنے فضل اور اپنی رحمت کو پھیلانے والا ہو اور یہ چیز اس کو تمام نقص اور عیبوں سے پاک کرتی ہے اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا ہے۔[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی واسعِ مطلق ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کے علم کی طرف دیکھا جائے تو اس کے علم کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے...... بل کہ سمندر بھی ختم ہو جائیں اگر اس کی تعریفات کو لکھا جائے...... اگر اس کے احسان اور نعمتوں کی طرف دیکھا جائے تو اس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں...... اس کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا...... حالاں کہ ہر وسیع چیز چاہے کتنی ہی بڑی ہو، ایک حد کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور جس ذات کی معلومات، قدرت اور وُسعت کی کوئی حد ہی نہ ہو تو وہی ذات "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کہلانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کا اگر مقابلہ کیا جائے تو وہ اپنے سے بڑی چیز کے سامنے تنگ ہے اور ہر وُسعت کی ایک حد ہے اور اس حد پر زیادتی کا تصور بھی کیا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس پر زیادتی کا کوئی تصور ہے۔[3]

---

[1] شان الدعاء: ۷۲

[2] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ: (اَلْوَاسِعُ): وَمَعْنَاهُ الْكَثِيْرُ مَقْدُوْرَاتُهُ وَمَعْلُوْمَاتُهُ، الْمُنْبَسِطُ فَضْلُهُ وَرَحْمَتُهُ، وَهٰذَا تَنْزِيْهٌ لَهُ مِنَ النَّقْصِ وَالْعِلَّةِ، وَاعْتِرَافٌ لَهُ بِأَنَّهُ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَرَحْمَتُهُ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (المنهاج: ۱/۱۹۸، كلّها نقلًا عن النهج الاسمٰى: ۱/۴۰۳)

[3] المقصد الاسنٰى: ۷۵

besturdubooks.wordpress.com

مخلوقات کی وسعت ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتی ہے مثلاً:

فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے، ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے، لیکن ہر فرشتے کی قوت اور اس کی عملی مصروفیات اسی دائرہ میں محدود کر دی گئیں جس کے لئے وہ نامور ہے، مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ مَلَکُ الْمَوْت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے، مگر مادہ کے پیٹ میں موجود بچے کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔

حضرت جبرئیل چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں، لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں، اسی طرح انسان کی قوتیں محدود ہیں، کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے، لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا، آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی، لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں۔[1]

❸ حضرت ابوعبیدہ معمر بن المثنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخی ہے جو سوال کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ (اس کی سخاوت کی وسعت ہر سائل کے سوال کو پورا کر سکتی ہے)۔[2]

❹ حضرت ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف واسع کی صفت سے کی ہے کہ اس نے اپنی کفایت فضل و احسان، تدبیر اور سخاوت کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے وسیع کر دیا ہے۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس نے اپنے رزق کو اپنی تمام مخلوقات کے لئے پھیلا دیا ہے اور کوئی بھی ایسی مخلوق نہیں ہے جو اس کے دیئے ہوئے رزق سے نہ کھاتی ہو اور کوئی اس بات پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لئے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو چھوڑ کر کسی اور سے اپنی ضرورت پوری کر لے، کیوں کہ رزق دینے والی ایک ہی ذات ہے۔

وَاقِعَۃٌ لَطِیْفَۃٌ ﴿۸۸﴾: ❺ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔ ایک مرتبہ اللہ سے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تمام مخلوقات کی ایک سال کی میزبانی کی اجازت دے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہو سکے گا۔ تو پھر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک ہفتہ کی اجازت چاہی تو دوبارہ وہی جواب ملا۔

آخر ایک دن کی میزبانی کی اجازت مل گئی، حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے تمام جن و انس کو پوری دنیا کے جانور، مال

---

[1] معارف القرآن للشیخ کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ۲۹۴/۸

[2] قَالَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ مَعْمَرُ بْنُ الْمُثَنّٰى: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۱۱۵) أَيْ: جَوَادٌ يَسَعُ لِمَا يُسْأَلُ. (مجاز القرآن: ۵۱/۱)

[3] قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾: يَعْنِيْ جَلَّ ثَنَاؤُهُ بِقَوْلِهِ (وَاسِعٌ) يَسَعُ خَلْقَهُ كُلَّهُمْ بِالْكِفَايَةِ وَالْإِفْضَالِ وَالْجُوْدِ وَالتَّدْبِيْرِ. (جامع البيان: ۴۰۳/۱)

besturdubooks.wordpress.com

مویشی اور دوسرے پھل فروٹ اکٹھے کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ سب جمع ہوگیا تو جانوروں کو ذبح کے بعد بڑی بڑی دیگوں میں پکایا گیا اور ہوا اُن کھانوں پر چلتی رہی، تاکہ خراب نہ ہوں۔

اور اتنا لمبا دسترخوان بچھایا گیا کہ اس کی لمبائی و چوڑائی ایک، ایک مہینہ کی مسافت کے برابر تھی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سمندر کی مخلوقات کے ضیافت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ پہلے دعوت میں شریک ہو، چناں چہ مچھلی نے وہ تمام چیز ختم کر ڈالی اور مزید مانگنے لگی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا؟ تو مچھلی نے کہا:

"هٰكَذَا يَكُوْنُ جَوَابُ اَصْحَابِ الضِّيَافَةِ لِلضَّيْفِ اِعْلَمْ يَا سُلَيْمَانُ! اَنَّ لِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِثْلَ مَا صَنَعْتَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ."

میں تو دن میں تین مرتبہ اتنا کھاتی ہوں جتنا آپ نے ایک وقت تیار کیا تھا، تو حضرت سلیمان علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگے۔[1]

❻ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الواسع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو بڑی بزرگی، شان دار بادشاہت، عظیم سلطنت کا مالک، بہت زیادہ فضل اور احسان کرنے والا ہے، اس کے ساتھ ہی بہت زیادہ کریم اور سخی ہے۔[2]

❼ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الواسع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر دین کے معاملے میں بھی آسانی کا معاملہ کرتا ہے اور ایسے کام کا حکم نہیں دیتا جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں۔[3]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں نو مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[4]

❷ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾[5]

❸ ﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾[6]

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت "الواسع جل جلالہ" ایک دوسری صفت "العلیم جل جلالہ" کے ساتھ بھی آئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا کرنے والے اور اپنی مخلوق پر بہت کرم کرنے والے ہیں۔ تمام کی تمام مخلوق اس کی رحمت اور فضل کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔

---

[1] نفحة العرب: ۱۱۱

[2] قَالَ السَّعْدِيُّ: وَاسِعُ الْعَظَمَةِ وَالسُّلْطَانِ وَالْمُلْكِ، وَاسِعُ الْفَضْلِ وَالْإِحْسَانِ، عَظِيْمُ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ. (تيسير الكريم: ۳۰۵/۵، كلها نقلًا عن النهج الاسمى: ۴۰۲/۱، ۴۰۴)

[3] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: اَلْوَاسِعُ أَنَّهُ الَّذِيْ يُوْسِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ دِيْنِهِمْ، وَلَا يُكَلِّفُهُمْ مَا لَيْسَ فِيْ وُسْعِهِمْ. (النهج الاسمى: ۴۰۷/۱)

[4] البقرة: ۱۱۵ [5] النساء: ۱۳۰ [6] النجم: ۳۲

besturdubooks.wordpress.com

جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے پست و ذلیل کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے، اور یہ تمام کام اپنے علم و حکمت کے مطابق فرماتا ہے اور اس کا علم تمام اشیاء پر حاوی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ واسع ہے۔ اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ وہی نہ ختم ہونے والی وُسعت کا مالک ہے۔ اسی نے موجودات کو وُسعت وانبساط بخشا ہے۔ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾[2]

اس کا علم آسمانوں اور زمین سے فراخی میں بہت زیادہ ہے۔

﴿وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾[3]

ترجمہ: ''وہی ہے جس کا علم ہر شے پر حاوی ہے۔''

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[4]

ترجمہ: ''وہی ہے جس کی رحمت ہر شے سے فراخ تر ہے۔''

اس عالَم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپا ہوا ہے۔ ایک لمحہ کو بھی اس کی رحمت ہٹ گئی تو نظامِ عالم تباہ ہو جائے گا۔ ہر جان دار میں رُوحِ حیات اس کی رحمت سے ہے۔ کسی پر اس کی نظرِ کرم زیادہ ہے تو وہ سراپا رحمت میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ وہ ہے جس نے اپنے وجود کو اس کی چاہت اور منشا میں فنا اور ختم کرلیا ہے۔ اپنی ہر ہر حرکت کو ''الواسع جل جلالہٗ'' کی رضا جوئی کے لئے وقف کردیا ہے۔ ایسے ہی بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔

جس سے ''الواسع جل جلالہٗ'' کی نظرِ کرم ہٹ جائے اس کے مقدر میں خسران و ناکامی ہی ہوتی ہے۔ خواہ اس کے پاس کتنے ہی ظاہری اسباب ہوں، لیکن وہ دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دل کی چاہت کو مولیٰ کی چاہت پر مقدم کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ جب رحمت کے ذرّے سے بھی محروم کردیئے جاتے ہیں تو عذاب ان کو آپکڑتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اس ذات ''الواسع جل جلالہٗ'' کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ جس کے قبضے میں ہر ہر چیز کی ملکیت ہے۔ ؎

جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا، تو کوئی شے نہیں میری

لہٰذا تمام ظاہری اسباب سے نظر کو ہٹا کر اس ذات مسبب الاسباب پر نظر مرکوز کرنی چاہئے۔ اسی سے حاجات مانگنی چاہئے، اسی کے آگے اپنی ضروریات پیش کرنی چاہئے، اسی سے تعلق قائم کرنا چاہئے۔ اس کے تعلق کے آگے دنیا کے تعلقات ہیچ، اس کی قدرت کے سامنے تمام اسباب ایک طرف، اس کی وسعت کے آگے تمام وسعت و کشائش بے قدر

---

[1] النہج الاسمٰی: ۱/۴۰۶ [2] البقرۃ: ۲۵۵ [3] الانعام: ۸۰ [4] الاعراف: ۱۵۶

besturdubooks.wordpress.com

اس کی محبت اور اطاعت کے سامنے سارا جہاں بے قیمت ہے۔ جس نے اس کو اپنا بنا لیا اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔

اس ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے آسمان بنائے جن کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ کہکشاؤں کی کوئی پیائش نہیں کر سکتا۔ سوائے چند ایک ستاروں کے باقی ستاروں کی لمبائی چوڑائی تک کسی کو رسائی نہیں اور جن کی پیائش کا انسان دعوے دار ہے، وہ بھی بالکل یقینی اور حتمی نہیں۔ ان آسمانوں کی نہ کسی کو ابتدا معلوم ہے نہ انتہا۔ ان افلاک کے درمیانی فاصلوں کی وسعت کو کوئی نہیں بتا سکتا کہ کتنی ہے۔ یہ جو فضا دن رات ہم دیکھتے ہیں، اس کی وسعت کا کسی کو اندازہ نہیں کہ کتنی وسیع وعریض ہے۔ ہوا کتنی لمبی چوڑی ہے کسی کو پتہ نہیں۔

یہ زمین جس پر ہم رات دن چلتے پھرتے ہیں، کوئی نہیں بتا سکتا کہ روئے زمین کے پہاڑوں کی کتنی وسعت ہے۔ ان کی مجموعی لمبائی اور اونچائی کا بھی صحیح علم کسی کو نہیں تو ان کی اندرونی سطحوں کی وسعت کون بتا سکتا ہے؟

کون بتا سکتا ہے کہ ان کے اندر چھپی معدنیات کی وسعت کیا ہے؟

تیل، گیس اور پانی کتنا ہے؟

کیچڑ، کوئلہ، گندھک اور آگ کتنی ہے؟ ان وسعتوں کے علاوہ بھی لاتعداد وسعتیں ایسی ہیں جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں، جن بہشتوں کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی وسعتوں کا ہمیں کچھ علم نہیں۔[۱]

سورۂ مدثر کی آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

تَرجَمَہ: ''تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

یعنی رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں، صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ ستر ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لئے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔[۲]

اگر غور کیا جائے کہ یہ سب کچھ اللہ ربُّ العزت نے کیوں پیدا فرمایا؟ تو قرآن کریم اس کا جواب دیتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[۳]

تَرجَمَہ: ''اور آسمان اور زمین کی ہر ہر چیز کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا ہے۔ جو غور کریں وہ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔''

یہ تمام چیزیں انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئیں ہیں، تاکہ ان میں غور وفکر کر کے ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی ذاتِ عالی کو پہچانے۔ اس کی صفات کا استحضار کرے، جس سے عظمتِ باری تعالیٰ دل میں پیدا ہو اور ''اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے احکامات پر چلنا آسان ہو جائے، کیوں کہ جس کسی کی عظمت و بڑائی دل میں ہو، اس کی بات کی اہمیت

---

[۱] شرح اسماء الحسنیٰ للازھری: ۵۰۷

[۲] بخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ۴۵۶/۱

[۳] الجاثیہ: ۱۳

besturdubooks.wordpress.com

بھی دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کو جس قدر سنا جائے گا اور جس قدر بیان کیا جائے گا، اتنا ہی اُس کی صفات پر یقین پیدا ہوگا اور جیسے جیسے یقین پیدا ہوتا جائے گا، احکاماتِ باری تعالیٰ کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوتا چلا جائے گا۔

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:[1]

''ہوا، بادل، چاند، سورج اور آسمان سب کے سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

''تاکہ تو اپنا توشہ حاصل کرے اور اسے غفلت سے نہ کھائے۔''

''یہ سب تیرے لئے سرگشتہ اور فرماں بردار ہیں۔''

''اب بھی تو حق تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے تو یہ ظلم ہوگا۔''

رحمتِ خداوندی کی وُسعت بے انتہا ہے

وَاقِعَہ نمبر (۸۹): حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وحشی (حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قاتل) کو اسلام قبول کرنے کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں کہلایا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں، حالاں کہ میں نے قتل بھی کیا ہے، زنا بھی اور شرک بھی اور قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾[2] ''یعنی جو ان (مذکورہ بالا گناہوں) کا ارتکاب کرلے تو وہ گناہ میں جا پڑا۔ (قیامت کے دن) اس کے عذاب کو دگنا کردیا جائے گا۔''

اور میں تو یہ سب گناہ کرچکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا﴾[3] ''مگر وہ آدمی جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور اعمالِ صالحہ کیے (یعنی اس کی مغفرت ہوجائے گی)۔''[4]

وحشی نے کہا: یہ تو بڑی کڑی شرائط ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں یہ شرائط پوری نہ کرسکوں (یعنی توبہ، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا درجہ حاصل نہ کرسکوں)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[5]

---

[1]

ابر و باد، ومہ وخورشید، وفلک درکارند ۔۔۔ تاتو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہرِتو سر گشتہ و فرماں بردار ۔۔۔ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

[2] الفرقان:۶۸،۶۹ [3] الفرقان:۷۰ [4] الفرقان:۷۰ [5] النساء:۴۸

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: ”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔“
وحشی نے کہا: مجھے اب بھی شبہ ہے کہ پتہ نہیں میری مغفرت ہو یا نہ ہو؟ اس لیئے کہ آیت میں ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ہے۔ (یعنی جس کے لئے چاہے گا معاف کردے گا)۔
اس پر آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو (توبہ سے) بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“
وحشی نے کہا: ہاں یہ بات ہے۔ یعنی اب مجھے اپنی نجات کی امید ہوگئی ہے۔ پھر وہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔
مسلمانوں نے معلوم کیا: یہ خاص طور پر ان ہی کے لئے ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے؟
حضور ﷺ نے فرمایا: ”سب مسلمانوں کے لئے یہی بات ہے۔“[2]
حسن بصری تابعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اس وسعتِ کرم وشفقت کی کوئی انتہا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیئے، ان ہی کو دعوتِ توبہ ومغفرت دی جاتی ہے۔[3]

عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی رحمت کی دعا اس طرح مانگتے تھے

حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ اِنْ لَّمْ اَكُنْ اَهْلًا اَنْ اَبْلُغَ رَحْمَتَكَ..... فَاِنَّ رَحْمَتَكَ اَهْلٌ اَنْ تَبْلُغَنِيْ..... وَرَحْمَتُكَ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ..... وَاَنَا شَيْءٌ فَتَسَعُنِيْ رَحْمَتُكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.“[4]

”اے اللہ! اگرچہ میں اس بات کا اہل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچ پاؤں، لیکن تیری رحمت تو اس کی اہل ہے نہ مجھ تک پہنچ جائے، کیوں کہ تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، جیسا کہ تیرا ارشاد ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[5] ”میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے“ اور میں بھی ایک ”شے“ ہوں، لہٰذا تیری رحمت مجھے بھی شامل ہوگی، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔“

---

[1] الزمر: ۵۳ [2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: باب الاستغفار والتوبۃ: ۱۴۹/۵ [3] تفسیر ابن کثیر: ۲۲۵/۳

[4] اللہ.....اہل الثناء والمجد: ۲۹۴ [5] الاعراف: ۱۵۶

besturdubooks.wordpress.com

پانچ ہزار بکریوں سے افضل پانچ کلمات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دوں یا تمہیں ایسے پانچ کلمات سکھلا دوں جن میں تمہارے لئے دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں ہیں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پانچ ہزار بکریاں تو بہت ہیں، لیکن آپ مجھے یہ کلمات سکھلا دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا مانگ لیا کرو:

❶ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ خُلُقِیْ وَطَیِّبْ لِیْ کَسْبِیْ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَاتُذْهِبْ قَلْبِیْ اِلٰی شَیْءٍ صَرَفْتَهٗ عَنِّیْ''[1]

اے اللہ! ① میرے گناہ بخش دے...... ② میرے اخلاق وسیع کر دے...... ③ اور میری کمائی پاک کر دے...... ④ جو روزی تو مجھے عنایت فرمائے، اس پر قناعت نصیب فرما...... ⑤ جو چیز تو مجھ سے ہٹا لے تو میرے دل میں اس کی تلاش باقی نہ رکھ۔......یعنی جو میرے مقدر میں نہیں ہے اس کی طرف میرا دھیان بھی نہ جائے دعا کا آخری جملہ کتنا پیارا اور کتنا اہم ہے کہ بسا اوقات انسان کے مقدر میں کوئی چیز ہوتی ہی نہیں اور وہ رات دن اس کے لئے کوشش کرتا ہے، بعد میں پتہ چلتا ہے وہ میرے مقدر میں نہیں تھی۔

گھر میں کشادگی کی دعا

❷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہیں، اور تصور کر کے مانگنا چاہے تب بھی وہ چیزیں نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے، وضو کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی اس میں پہلی چیز گناہوں کی معافی ہے۔ دوسری چیز وسعتِ دار، لہٰذا وضو کے وقت یہ دعاء نبوی اہتمام سے مانگیں:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ''[2]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، میرے گھر میں کشادگی اور وسعت فرما، اور جو رزق تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔''

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب وسعتِ دار والی دعا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرمایا: ''وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ''

---

[1] کنز العمال، الأذکار من قسم الأفعال: ۲/۲۸۹، رقم: ۵۰۵۸ [2] مسند احمد: ۴/۶۳، رقم: ۱۶۱۶۳

besturdubooks.wordpress.com

ترجمہ: "اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما"

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ گھر کی کشادگی مطلوب ہے، تنگی مطلوب نہیں اور یہ کشادگی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کشادگی ظاہری ہوتی ہے کہ گھر لمبا چوڑا ہے، کمرے بڑے ہیں، صحن بڑا ہے، برآمدہ وسیع وعریض ہے، ایک کشادگی تو یہ ہے۔

دُوسری کشادگی معنوی ہے، وہ یہ کہ جب آدمی گھر کے اندر جائے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، آرام اور راحت نصیب ہو، لیکن اگر گھر تو بہت بڑا ہے، بڑی کوٹھی اور بنگلہ ہے، مگر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کا طرزِ عمل اور بیوی بچوں کا طرزِ عمل ایسا ہے جس سے انسان کو ضیق اور تنگی ہوتی ہے اور اس گھر میں اس کو آرام اور سکون نہیں ملتا تو اس صورت میں گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی، وہ کشادگی بے کار ہے۔

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے جو کشادگی مانگی، اس کے اندر دونوں قسم کی کشادگی داخل ہے، یعنی اے اللہ! ظاہری کشادگی بھی عطا فرما اور باطنی کشادگی بھی عطا فرما، تاکہ جب میں گھر میں جاؤں تو راحت اور سکون نصیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے سکون کی جگہ بنایا، لہٰذا گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، اگر سکون نصیب نہیں تو پھر وہ گھر چاہے کتنا ہی بڑا بنگلہ ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر جھونپڑی ہو اور اس کے اندر سکون حاصل ہو جائے تو وہ بڑے بڑے محلات سے بہتر ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

دلوں کا ملا ہوا ہونا کشادگی میں داخل ہے

پھر "کشادگی" کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو، بل کہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر تو بڑا ہے لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو وہ گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہو سکے گی، لہٰذا اس دعا کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر کے ماحول کے اندر راحت ملے، یہ نہ ہو کہ گھر میں داخل ہو کر انسان ایک عذاب کے اندر مبتلا ہو جائے۔

گھر میں خوب صورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ میرے گھر کو خوب

---

[1] النحل: ۸۰

besturdubooks.wordpress.com

صورت بنا دیجئے یا میرے گھر کو عالی شان بنا دیجئے، بل کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ''کشادگی'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اس جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گھر کی اصل صفت یہ ہے کہ اس میں کشادگی ہو، تنگی نہ ہو، کیوں کہ اگر تنگی ہوگی تو وہ انسان کے لئے تکلیف دہ ہوگی اور کشادگی انسان کے لئے راحت کا سبب ہوگی، باقی ٹیپ ٹاپ اور آرائش یہ زائد چیزیں ہیں، انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ گھر کے اندر کشادگی ہو، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔[1]

اس کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس واقعہ سے لگالیں

وَاقِعَۃٌ مُّبِیۡن (۹۰): ''لیلیٰ حلو'' مراکش کی رہنے والی تھی۔ وہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک مشہور ایکٹریس تھی، فلمی حلقوں میں اس کا نام بڑا معروف تھا۔ اسے ایک انتہائی مہلک مرض لاحق ہوگیا جسے دنیا اب تک لاعلاج تصور کرتی ہے اور جسے ''کینسر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خاتون نے اپنے مہلک مرض کے علاج کے لئے مختلف ماہرینِ طب کے دروازے کھٹکھٹائے، لیکن ڈاکٹروں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور اب خاتون کو اپنی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ہاں ایک امید باقی تھی اور وہ اس کے رب کا دروازہ تھا۔

لیلیٰ کہتی ہے: میں ایک عرصے سے ایک بے حد خطرناک مرض کا شکار ہوگئی تھی جسے دنیا ''سرطان'' یا ''کینسر'' کے نام سے جانتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ مرض انتہائی خطرناک اور مہلک ہے، لیکن مراکش میں ہم اسے ''کینسر'' کا نام نہیں دیتے ہیں، بل کہ ہمارے یہاں اس کو ''خبیث مرض'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میرے دل کی وہ شریان جو بائیں جانب سے نکل کر دل کو خون بہم پہنچاتی ہے اور جو تاج نما ہوتی ہے، اس موذی مرض میں مبتلا ہوگئی۔ اس وقت میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور، بل کہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے یکسر خالی تھا، کیوں کہ میں اللہ سے بالکل غافل تھی۔ میں تو مشہور فلمی ایکٹریس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان کا حسن و جمال تاحیات اس کی شخصیت کو تازگی بخشا رہتا ہے اور یہ نعمت پوری عمر زائل ہونے کا نام نہیں لیتی اور عنفوانِ شباب کی مسرتوں سے اسے ہمیشہ لطف اندوزی کا خوش کن موقع نصیب رہتا ہے، نیز اس کی صحت ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کی قلبی فرحت کو روئیدگی و بالیدگی ملتی رہتی ہے۔ میرے حاشیۂ خیال میں یہ تصور تک بھی نہیں گزرا تھا کہ میں کبھی ''کینسر'' جیسی مہلک و جان لیوا بیماری میں گرفتار ہو جاؤں گی، لیکن جب میں اس خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئی تو اس کے خوف و دہشت نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں بری طرح حواس باختہ ہوگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں، لیکن بھاگ کر جاتی بھی تو کدھر جاتی؟ جہاں کہیں بھی جاؤں گی یہ لاعلاج مرض بھی تو میرے ساتھ ساتھ جائے گا، اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خودکشی کرلوں، لیکن مجھے میرے شوہر اور بچوں سے شدید محبت تھی، اس لئے میں نے خودکشی نہ کی۔

---

[1] اصلاحی خطبات: ۱۳/۱۱۴تا ۱۱۶

besturdubooks.wordpress.com

قارئین! یہ نہ سمجھیں کہ اس وقت میرے خودکشی نہ کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا خوف یا ڈر تھا۔ اس طرف تو کبھی خیال گیا ہی نہیں تھا۔ دراصل میں تو اسلام سے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوسوں دور تھی۔ میں توبہ اور استغفار سے ناواقف تھی۔ بس شاید میرے رب کو میری ہدایت اور رہنمائی منظور تھی، تب ہی تو مجھے یہ خطرناک مرض لگ گیا۔ ہاں! بعض اوقات بیماری بھی انسان کے لئے رحمت کا باعث ہوتی ہے اور وہ اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ نہ صرف مجھ پر کرم کر کے مجھے سیدھے راستے پر لائے، بل کہ کتنے ہی اور لوگ میری وجہ سے سیدھے ہو جائیں۔ ہاں میں وہی ''دلیلیٰ حلو'' جو نجانے کتنے لوگوں کو گمراہ کر چکی تھی، اپنے جسم کی نمائش کر کے رقص کے ذریعے، سینما کی سکرین کے ذریعے ...... میں بیمار ہوئی ...... دولت ...... شہرت ......تعلقات ......ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر ......ہسپتال ...... سب کچھ میسر تھا...... محترم قارئین! میں بیرون ملک بلجیم گئی، بہت سے ڈاکٹروں سے بغرضِ علاج رجوع کیا۔ سب نے میرے شوہر سے کہا کہ اس کی چھاتی کاٹ دینا ضروری ہے، اور ایسی کیمیکل دوائیں استعمال کرنا پڑیں گی جن سے سر کے بال جھڑ جائیں گے، پلکیں اور بھویں گر جائیں گی، چہرے پر داڑھی کے بال اُگ آئیں گے، ناخن اور دانت گر جائیں گے۔ میں نے ڈاکٹروں کی تجویز سن کر علاج سے مکمل انکار کر دیا اور کہا: میں چھاتی کٹانے، گنجی ہونے اور قدرتی بناوٹ اور خوبصورتی کو داغدار کرنے پر مرجانے کو ترجیح دوں گی، چناں چہ میں نے ڈاکٹروں سے گزارش کی کہ وہ میرے لئے آسان سا علاج سوچیں۔

پھر میں مراکش واپس آ گئی اور چھوٹا موٹا علاج کرتی رہی، لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ مجھے نجانے کیسے محسوس ہوا کہ ڈاکٹروں نے میری درست تشخیص نہیں کی اور خواہ مخواہ میرے اندر ''کینسر'' کا مرض ثابت کر دیا ہے، جب کہ میں بالکل صحیح سلامت ہوں، لیکن تقریباً چھ ماہ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے وزن میں خاطر خواہ کمی ہو چکی ہے، میرا رنگ خاصا بدل چکا ہے۔ مجھے درد والم کی شکایت رہنے لگی اور یہ شکایت آہستہ آہستہ مستقل ہوتی گئی۔ جب میں نے ایک مراکشی ڈاکٹر سے طبی جانچ کروائی تو اس نے مجھے بلجیم جانے کا مشورہ دیا، چناں چہ میں نے دوبارہ بلجیم کے لئے رختِ سفر باندھا۔

بلجیم میں ڈاکٹروں نے جب میرا معائنہ کیا تو انہوں نے نہایت افسوس ناک خبر میرے شوہر کو بتائی: ''کینسر'' پورے جسم میں پھیل چکا ہے اور پھیپھڑے بھی اس سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس اب ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے کوئی دوا یا علاج نہیں ہے۔ اب تمہارے لئے صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ تم اپنی بیوی کو وطن لے جاؤ تاکہ اسے وہاں قبر نصیب ہو سکے۔

ڈاکٹروں نے جب میرے خاوند کو یہ رپورٹ دی تو ان پر یہ خبر بجلی بن کر گری، وہ حواس باختہ ہو گئے۔ پھر ہم لوگوں نے واپس اپنے وطن مراکش جانے کے بجائے بلجیم سے فرانس کا ٹکٹ لیا، شاید مجھے وہاں کوئی علاج مہیا ہو سکے اور وہاں

besturdubooks.wordpress.com

میں چھاتی کٹوا کر کیمیاوی دوائیں استعمال کروں، تاکہ کسی طرح زندگی بچ سکے۔

اچانک میرے خاوند کے ذہن میں آیا کہ ہم تمام دنیاوی علاج کروا چکے ہیں مگر ایک طبیب باقی رہ گیا ہے، اس کے پاس جانا چاہئے۔ اس نے جب مجھ سے بات کی تو جیسے مجھے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ بلاشبہ ہمیں مکہ مکرمہ جانا چاہئے، بیت اللہ کی زیارت کریں اور وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں توبہ واستغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس مہلک مرض سے مجھے شفایاب کردے، کیوں کہ آسمان کے دروازے ہر مریض کے لئے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور وہاں ہر بیماری کا کامیاب علاج ہمہ وقت دستیاب ہے!!

غرض ہم میاں بیوی پیرس سے خانۂ کعبہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستہ بھر ہم "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ." کے ورد سے رطب اللسان تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہورہی تھی، کیوں کہ بیت اللہ شریف کی طرف میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا اور پہلی مرتبہ اللہ کے گھر کا دیدار نصیب ہونے والا تھا۔ میں نے پیرس ہی میں قرآن کریم کا ایک نسخہ خرید لیا تھا اور گاہے بگاہے اس کی تلاوت کرتی رہتی۔

آخرکار وہ مبارک وقت آگیا جب ہم مکہ مکرمہ پہنچ کر صحن کعبہ میں داخل ہوئے۔ جوں ہی نگاہ کعبہ پر پڑی، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ مجھے اپنی گزشتہ زندگی یاد آگئی، رب کی نافرمانی اور معصیت کی زندگی۔ میرا ماضی بے حد غلط تھا۔ نماز روزے سے قطعاً دور رہی۔ فرائض کا پتہ تک نہ تھا۔ اب میں نہایت عاجزی کے ساتھ اس "رب العالمین" کے دروازے پر حاضر تھی جو توبہ قبول کرنے والا، اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے اور پھر میں نے خانہ کعبہ کے دروازے کے قریب جاکر رو رو کر یہ دعا کی:

"اے میرے پروردگار! میری مہلک بیماری کا علاج ڈاکٹروں کے بس میں نہیں۔ وہ ہزار کوشش کے باوجود میرے علاج سے انکار کرچکے ہیں۔ میرے پیارے رب! بیماری تیری ہی طرف سے آتی ہے اور اس کا علاج بھی تو ہی کرتا ہے۔ میری بیماری کے علاج کے معاملے میں ڈاکٹروں نے ہسپتالوں کے دروازے بند کر رکھے ہیں، صرف تیرا دروازہ میرے لئے کھلا ہوا ہے۔ میں اپنے علاج کے لئے تیرے ہسپتال میں پہنچ چکی ہوں۔ میرے رب! اپنا دروازہ میرے لئے بند مت کردینا۔"

پھر میں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرتی رہی کہ:

"اے اللہ! میری دعا کو نامراد واپس نہ کرنا اور مجھے ناامید مت کرنا اور مجھے شفا عنایت کرکے ڈاکٹروں کو اپنی عظمتِ شان سے حیران وششدر کردینا۔"

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے، میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھی اور اس کے دین پر کبھی عمل نہ کیا تھا، لیکن اب میری وہ کیفیت نہ رہی جو پہلے تھی، بل کہ اب میں نے اللہ کے دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، چناں چہ میں

besturdubooks.wordpress.com

مکہ مکرمہ میں موجود علماء ومشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ایسی دعاؤں پر مشتمل کتابوں کے متعلق پوچھتی جنہیں میں جلدی سے یاد کرسکوں تاکہ حسبِ ضرورت ان دعاؤں کا ورد کیا کروں اور "اللّٰہ رب العزت" کے دربار میں دعا و مناجات کا نذرانہ پیش کرسکوں۔ علماء ومشائخ نے کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور زیادہ سے زیادہ آبِ زمزم پینے کی نصیحت فرمائی۔ نیز انہوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اللہ عزوجل کا ذکر کروں اور رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجوں۔ مسجد حرام میں مجھے کافی راحت محسوس ہو رہی تھی اور میرے دل کو بہت اطمینان تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ مجھے مسجد حرام ہی میں وقت گزارنے کی اجازت دیں۔ میں اب ہوٹل کم ہی جاؤں گی۔ زیادہ وقت اللہ کے گھر میں گزاروں گی۔ میرے خاوند نے میری درخواست قبول فرمائی اور میں اپنے اوقات مسجد حرام ہی میں رب ذوالجلال والاکرام کے مقدس دربار میں دعا ومناجات کے ساتھ گزارنے لگی۔

مسجد حرام کے اندر میرے پڑوس میں مصر اور ترکی کی چند خواتین تھیں جو کثرتِ آہ وبکا سے میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھتی تھیں۔ انہوں نے میری کثرت آہ وزاری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے ان سے جواباً کہا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے مبارک گھر کا طواف نصیب ہوگا جس کے بارے میں مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ اس سے ایسی محبت ہوگی جیسی اب میرے دل میں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے "کینسر" کی بیماری لاحق ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری کر رہی ہوں۔"

ان خواتین کا معمول تھا کہ نمازوں کے بعد میرے اردگرد بیٹھ جاتیں اور خاصی دیر بعد الگ ہوتیں۔ یوں ہماری اللہ کے لیے آپس میں محبت ہوگئی۔ پھر میں نے ان سے کہا: "کیوں نہ میں مسجد میں اعتکاف کی نیت کرلوں؟" ان عورتوں نے اس بات کو پسند کیا اور کہنے لگیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ رمضان المبارک کا مہینہ نہ تھا۔ پھر بھی ان عورتوں کے خاوندوں نے اجازت دے دی اور اب ہم سب اللہ تعالیٰ کے گھر میں معتکف تھیں۔ اب ہمارا سارا دن ذکر واذکار، قرآن پاک کی تلاوت، نمازوں اور نوافل میں گزر جاتا۔ نیند بھی کم آتی، بھوک تو گویا مٹ ہی گئی تھی، چند لقمے کفایت کر جاتے۔ ہاں اب ہم آبِ زمزم کثرت سے پیتیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہمیں یاد تھا:

"مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ"

تَرجَمَہ: "آبِ زم زم جس نیت سے بھی پیا جائے وہ نیت پوری ہو جاتی ہے۔"[۱]

یعنی آبِ زمزم اگر بیماری سے شفایابی کی نیت سے نوش کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا بخشتے ہیں۔ اگر سیرابی کی نیت سے پیا جائے تو پیاس مٹ جاتی ہے۔ اگر اللہ کی پناہ کی نیت سے پیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے دامن میں پناہ دیتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بھوک کو زمزم کی برکت سے ختم کر کے ہمیں آسودگی بخشی۔

---

[۱] صحیح، ابن ماجه، المناسك، باب الشرب من زمزم: ۳۰۶۲

besturdubooks.wordpress.com

ہم خواتین مسلسل خانۂ کعبہ کا طواف کرتیں اور طواف کے اختتام پر دو رکعتیں مقامِ ابراہیم کے پیچھے (اور اگر مقامِ ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملتی تو مسجد کے کسی بھی حصے میں) پڑھتیں اور پھر دوبارہ طواف کرنے لگتیں۔ اگر کچھ تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوتی تو اس کے لئے آبِ زمزم ہر وقت دستیاب تھا۔

میں جب بیت اللہ شریف پہنچی تھی اس وقت بہت ہی پتلی دبلی اور کمزور تھی۔ میرے جسم کے اوپری حصے میں سوجن اور چھوٹی چھوٹی بہت ساری سرخ پھنسیاں تھیں جو اس بات کی واضح علامت تھیں کہ میرے جسم کے اوپر والے حصے میں کینسر پھیل چکا ہے۔ میری سہیلیاں مجھے نصیحت کرتیں کہ میں اپنے جسم کے اوپر والے حصے کو آبِ زمزم سے دھوتی رہوں، لیکن جسم کی پھنسیوں اور سوجن کو چھونے سے مجھے خوف لاحق ہوتا اور دھونے کا تصور آتے ہی میں کانپ اٹھتی تھی۔ مجھے جب بھی اس مہلک مرض کا خیال آتا میرا دھیان اللہ تعالیٰ کے ذکر و اذکار اور اس کی عبادت سے ہٹ کر اس میں الجھ جاتا۔ بہرحال میں نے اپنے جسم کو ہاتھ لگائے بغیر آبِ زمزم کو اپنے جسم پر ڈالنا شروع کیا۔

کچھ دن یوں ہی گزر گئے۔ میری سہیلیوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو آبِ زمزم سے دھو ڈالوں۔ میں نے شروع میں انکار کیا، مگر مجھے محسوس ہوا کہ کوئی اندرونی طاقت مجھے آبِ زمزم سے اپنے جسم کو دھونے پر آمادہ کر رہی ہے، میں نے خوف کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اپنے جسم کو آبِ زمزم سے نہیں دھویا، کیوں کہ مجھے ڈر لگتا تھا، تاہم جب تیسری مرتبہ بھی میرے دل نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو زمزم سے ضرور دھوؤں تو میں اٹھی اور آبِ زمزم لے کر اپنے ہاتھوں سے جسم اور چھاتی پر ملنا شروع کر دیا جو کہ فاسد خون، پیپ، پھنسیوں وغیرہ سے پر تھی ...... لیکن ...... دیکھتے ہی دیکھتے میرا جسم حیرت انگیز طور پر ان تمام بیماریوں سے پاک ہونے لگا ...... چھوٹی چھوٹی پھنسیاں جانے کدھر گئیں ...... جسم کو چور کر دینے والے درد و الم اور خون نما پیپ ...... سب غائب ہو گئے۔

میں پہلے تو گھبرا اٹھی، پھر اپنے کپڑے کے نیچے ہاتھ لے کر جا کر بار بار جسم کو چھونے لگی، لیکن میرے جسم کے اندر اب ہرگز کوئی سوجن نہیں تھی۔ میں کانپ اٹھی، مگر فوراً میرے ذہن نے کہا: ''اس قدر تعجب کیوں کرتی ہو؟ کیا اللہ رب العزت اس کام پر قادر نہیں ہے؟'' میں نے اپنی ایک سہیلی سے کہا کہ ذرا میرے جسم کو چھونا اور میری پھنسیوں کو دیکھنا۔ میری سہیلیوں نے جب دیکھا کہ میرے جسم سے ساری پھنسیاں غائب ہیں اور میرا جسم بالکل صحیح سالم ہے تو بے ساختہ چیخ اٹھیں: اللہ اکبر ...... اللہ اکبر ......

میں فرطِ مسرت سے اپنے شوہر کو خوش خبری دینے کے لئے مسجد حرا سے نکل کر ہوٹل کو چلی۔ کمرے میں داخل ہو کر جب اپنے شوہر کے سامنے کھڑی ہوئی تو ان سے کہنے لگی: دیکھو، یہ دیکھو اللہ کی رحمت ......!! کدھر ہیں میرے جسم پر پھوڑے پھنسیاں ......!! ...... ہیں کہیں؟ ...... ختم ہو گئی نا!! پھر میں نے انتہائی مسرت و شادمانی کے ساتھ اسے اپنے

besturdubooks.wordpress.com

حالات سے آگاہ کیا، لیکن میرے شوہر کو میری گفتگو افسانہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ میری بات کو مذاق سمجھ رہا تھا۔ یکایک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے بلند آواز میں کہا: ''کیا تجھے نہیں معلوم، کیا تو اتنی جلدی بھول گئی کہ صرف تین ہفتہ قبل ڈاکٹروں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ تو چند ہی دنوں کی مہمان ہے؟'' میں نے اپنے شوہر سے کہا:

''اِنَّ الْاٰجَالَ بِیَدِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی وَلَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔''

تَرْجَمَہ: ''زندگی اور موت کا وقت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔''

اس کے بعد ہم میاں بیوی بیت اللہ شریف میں ایک ہفتہ قیام پذیر رہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرتی رہی اور اس کی حمد وثنا بیان کرتی رہی۔ پھر ہم نے مسجد نبوی شریف کی زیارت کی اور اس کے بعد فرانس واپس ہو گئے۔ جب وہاں کے ڈاکٹروں نے مجھے پوری صحت وعافیت کے ساتھ دیکھا اور انہیں علم ہوا کہ مہلک وخطرناک مرض نے مجھے خیر باد کہہ دیا ہے تو وہ حیران وپریشان رہ گئے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر مجھ سے کہنے لگے: ''محترمہ! کیا آپ ہی وہ خاتون ہیں جو......؟'' میں فخر سے جواب دیتی: ''جی ہاں، میں ہی ہوں وہ خاتون جس کی موت کا اعلان آپ لوگوں نے کر رکھا تھا اور یہ میرے شوہر ہیں جنہوں نے میری شفایابی کے لئے سارے وسائل استعمال کر ڈالے تھے۔ میں آپ لوگوں کے علاج سے فرار ہو کر اپنے رب تعالیٰ کے ہسپتال میں جا کر داخل ہو گئی اور اب اس کے علاج سے شفایابی کے بعد واپس آئی ہوں۔ مجھے اب اس کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے کیوں کہ قضا وقدر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی زندگی وموت کا مالک ہے اور تمام امور اسی کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔ ایک پتا بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں گرتا ہے۔''

ڈاکٹروں نے مجھ سے کہا: ''محترمہ! آپ کا یہ معاملہ عجیب وغریب ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کی سوجن ختم ہو گئی مگر ضروری ہے کہ آپ کا دوبارہ چیک اپ کیا جائے، نئے سرے سے ٹیسٹ لئے جائیں۔''

چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ میری تشخیص کی اور میرے تمام ٹیسٹ لئے، مگر تمام ٹیسٹ کلیئر تھے، مجھے الحمد للہ کوئی بیماری نہ تھی۔ وہ سب دنگ رہ گئے۔ شاید ان کا تعجب اس لئے بھی زیادہ تھا کہ جو مرض مجھے لاحق تھا، اس کے علاج میں اب تک میڈیکل سائنس ناکام ہے۔ بہرحال میں جب اس مرض میں مبتلا تھی تو سوجن کی وجہ سے میرے لئے سانس لینا بھی دوبھر ہو چکا تھا، لیکن جب میں نے بیت اللہ شریف کا سفر کیا اور اللہ سے اپنی شفایابی کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر مجھے اس آفت سے یکسر نجات عطا فرما دی اور ''سرطان'' جیسی خوفناک بیماری ایسے غائب ہو گئی جیسے کبھی ہوئی ہی نہ تھی۔

پھر اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتی اور زار وقطار روتی۔ نیز پہلے مجھ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جو تقاضے پورے نہ ہو سکے تھے اور جن ایام کو میں نے اللہ کی یاد سے کوسوں دور گزارا تھا، انہیں یاد کر کے بارہا میری آنکھیں

besturdubooks.wordpress.com

ڈبڈبا جاتیں اور میں بے ساختہ رونے لگتی تھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہوں کہ ''الہ العالمین میری اور میرے شوہر کی توبہ قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنے دامن بخشش ومغفرت میں جگہ عنایت فرمائے۔آمین!''[1]

الواسع جل جلالہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے

واقعہ نمبر ۹۱: طائف سے آپ جنوب کی طرف سفر کرتے جائیں تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے جہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچپن گزارا تھا۔اماں حلیمہ سعدیہ اسی علاقے کی رہنے والی تھیں۔ ذرا نیچے چلے جائیں تو ابہا اور خمیس مشیط کا علاقہ ہے جو گرمیوں میں اپنے معتدل بل کہ قدرے سرد موسم کی وجہ سے مشہور ہے۔ پہاڑوں کے ان سلسلوں میں آج بھی آپ کو بدو بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

''ابومشہود'' نامی ایک چرواہا اپنے ساتھ بکریوں کا ریوڑ لے کر صبح کو نکلتا ہے۔ بارشوں کے بعد پہاڑوں پر خود رو پودے اس کی بکریوں کی خوراک بنتے، شام کو وہ چھوٹے چھوٹے جوہڑوں سے بکریوں کو پانی پلاتا ہوا اپنے گھر واپس آجاتا۔ایک دن شام ڈھلے اس کی بکریاں تو واپس آگئیں، مگر ابومشہود واپس نہیں آیا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا بیٹا اور دوسرے رشتہ دار اس کی تلاش میں نکلے، مگر ناکام واپس آئے۔ اگلے دن صبح سویرے پھر گاؤں سے نوجوانوں کا ایک گروہ ''ابومشہود'' کو تلاش کرتا ہوا پہاڑ کے دامن ایک چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں اس کی لاش پڑی تھی۔ جسم پر بندوق کی گولی کا نشان تھا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ واقعات، حالات اور شواہد واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اس کا کسی دوسرے چرواہے کے ساتھ پانی پلانے پر جھگڑا ہوا ہے۔ چرواہوں کے درمیان جھگڑے معمول کا حصہ ہیں۔عموماً چرواہے آپس میں اس بات پر لڑ پڑتے ہیں کہ کس کی بکریاں پہلے پانی پئیں گی۔مگر یہ اختلاف اور جھگڑے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جو اسی وقت نہ سہی اگلے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ پولیس والوں نے لواحقین سے پوچھا کہ ان کو کس پر شک ہے یا اس کے ساتھ کون جھگڑا کرسکتا ہے؟

گھر والوں نے بتایا کہ وہ سیدھا سادا بے ضرر انسان تھا۔ اس کا کسی کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا، البتہ وہ فلاں فلاں کے ساتھ مل کر بکریاں چراتا تھا۔

معمولی تفتیش کے بعد پولیس نے علی بن عبدالرحمٰن کو گرفتار کرلیا جس نے بعد میں اعتراف جرم کرلیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا اور واقعات، شواہد اور اعتراف جرم کی بنا پر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا بڑا بیٹا مشہود اس وقت سترہ سال کا تھا مگر سب سے چھوٹا بیٹا اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ قاضی نے فیصلے میں لکھا کہ جب تک یہ بچہ

---

[1] سنہری کرنیں: صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۷ بحوالہ ''العائدون إلی اللّٰہ'' عبدالعزیز المسند ج ۲۔ مولف کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ قصہ خود ''لیلیٰ حلو'' کی آواز میں ایک کیسٹ کے حوالے سے سن کر اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

بالغ نہ ہو جائے، اس وقت تک حکم کی تنفیذ نہ کی جائے۔ چنانچہ قاتل کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت قاتل کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس کو جیل میں ۱۸ سال تک اپنی پھانسی کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ جب تک سب سے چھوٹا بیٹا ۱۸ سال کا نہیں ہو جاتا، اس وقت تک فیصلے کی تنفیذ ناممکن تھی۔ اس کو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا قاتل کو معاف کر دیا جائے یا اس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

علی بن عبدالرحمٰن نے یہ سارا وقت دو احتمالات کی کشمش میں گزارا کہ آیا اس کو لواحقین معاف کرتے ہیں یا اسے قتل کی سزا ملے گی۔

ابومشہود کا چھوٹا بیٹا جو اب یتیم ہو چکا تھا، اس کا نام نجانے کیوں یتیم رکھا گیا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب یتیم کی عمر ۱۸ سال ہو چکی تھی اور اب اسے اپنے بھائیوں کے ساتھ فیصلہ کرنا تھا کہ باپ کے قاتل کو معاف کرنا ہے یا بدلہ لینا ہے۔ ادھر دستور کے مطابق قبائل کے سرکردہ افراد جمع ہوئے انہوں نے ورثا سے کہا خون بہا لے لیں اور قاتل کو معاف کر دیں۔ عموماً سعودی عرب میں خون بہا کی قیمت کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار ریال ہے مگر یہ ورثا پر ہے کہ وہ اس رقم کو قبول کر لیں یا زیادہ کا مطالبہ کریں۔ ادھر ورثا نے انکار کر دیا کہ وہ خون بہا قبول نہیں کریں گے۔ رقم کی بولی لگتی گئی اور علی بن عبدالرحمٰن کے قبیلے نے دس لاکھ سعودی ریال تک دینے کا اعلان کر دیا۔

علی بن عبدالرحمٰن اپنے جیل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب میں جیل میں گیا تو میری عمر ۴۲ سال کی تھی۔ میں اس وقت جوان تھا اور اب میری عمر ۶۰ سال کی ہو چکی تھی۔ جیل گزارنا بھی ایک عذاب ہوتا ہے۔ میں ۸ سال تک ''بلجرشی'' نامی قصبے کی جیل میں رہا۔ اور باقی مدت ''الباحہ'' کی جیل میں گزاری۔ جیل میں کوئی نیا قیدی آتا تو اپنے واقعات اور حالات بیان کرتا۔ ایسے قصے اور واقعات ہم ہزاروں مرتبہ ایک دوسرے کو سنا چکے ہوتے۔ اس دوران میں نے جیل میں حلقہ تحفیظ القرآن الکریم کے ذریعے سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا۔ لکھنا پڑھنا آیا تو کچھ کتابیں بھی پڑھنے لگا اور ایک طویل انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا جب میری قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ادھر میرے قبیلے کے لوگ مسلسل معافی کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے، مگر اس کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آتی تھی، میں امید و یاس کی کیفیت میں تھا۔

ایک دن صبح سویرے جیل کے حکام نے مجھے بلایا اور کہا کہ صلح کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی ہیں، لہٰذا کل تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ مجھے ان کے احکامات سن کر ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔ دراصل ۱۸ سال جیل میں رہنے کے بعد سارے خوف ختم ہو چکے تھے۔ میں زندگی سے ویسے ہی مایوس اور ناامید ہو چکا تھا۔ کل کا دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا...... اپنا بچپن، اپنی جوانی...... اپنی بیوی بچے، رشتہ دار، احباب...... دوست، خاندان اور قبیلے کے افراد یاد آئے، جنہوں نے اب دیت کے دس لاکھ ریال کے علاوہ اس میں ایک قطعہ زمین بھی شامل کر دیا تھا۔ میں نے جتنا قرآن یاد تھا، پڑھ لیا۔ وہ رات میری زندگی کی عجیب د

besturdubooks.wordpress.com

غریب رات تھی۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے ذکر اذکار اور نوافل میں وقت گزار دیا۔ صبح سویرے ہی جیلر آ گیا۔ میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، ساتھیوں نے اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا۔ میں نے بڑی حسرت کے ساتھ ان دیواروں پر آخری نظر ڈالی اور پولیس کی کڑی نگرانی میں چل پڑا۔ جیل کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے اندر دھکیل دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میدانِ قصاص میں اتارا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندی ہوئی تھی۔ مگر لوگوں کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہ خمیس مشیط کا مرکزی چوک تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میرے قتل کا منظر دیکھنے کے لئے جمع تھی۔ میرے رشتہ دار، عزیز و اقارب ایک دن پہلے مجھ سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ مجھے بٹھا کر عدالتی اہلکار نے میرے جرم کا اعلان کیا...... میرا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ، سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ سب لوگ دم بخود سن رہے تھے۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ مجرم کا سر قلم کر دیا جائے۔ وہ آگے بڑھا اس نے تلوار اپنی میان سے نکالی۔ میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے سوچا ابھی تلوار میری گردن کو الگ کر دے گی۔ میں نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کیا کہ اچانک ایک آواز گونجی:

"غَفَرْتُ لَكَ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى"

ترجمہ: "جاؤ میں نے تمہیں اللہ کی رضا کے لئے معاف کر دیا"

یہ مقتول کے بڑے بیٹے کی آواز تھی۔ لوگ جو تصور میں میری لاش دیکھ رہے تھے، اب معافی کا اعلان سن رہے تھے۔ سارا چوک "اللہ اکبر" کی آواز سے گونج اٹھا۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہر شخص کی زبان پر تھا۔ مجھ سمیت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے معافی مل سکتی ہے۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا...... مجھے اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں ڈالا گیا اور دوبارہ جیل میں لے آئے۔ ہر چند کہ لواحقین نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میری رہائی میں قانونی کارروائی باقی تھی۔ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کس روز جیل سے رہائی ملے گی۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے جیلر نے بلا کر بتایا کہ سارے قانونی تقاضے پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا تمہیں ابھی رہا کیا جا رہا ہے۔ میری زندگی کا نیا آغاز ہو رہا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر مجھے اتنا وقت بھی نہ ملا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دے سکوں کہ میں رہا ہو چکا ہوں اور میں آ رہا ہوں۔ میں جیل سے نکلا۔ ایک ٹیکسی نظر آئی، میں نے اس کو اشارہ کیا اور لپک کر اس میں بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں اپنا گھر آیا، رشتہ دار یاد آئے، وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں ان کے درمیان ہوں گا۔

مگر اچانک ہی میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے سب سے پہلے "ابومشہود" کے گھر جانا چاہئے تاکہ ان کا شکریہ ادا کروں، اس کے بیٹوں کا، اس کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا۔ میں نے اپنی یادداشت کو بحال کرنا شروع کیا۔ اٹھارہ سالوں میں ہر چیز ہی بدل چکی تھی۔ میں نے ٹیکسی والے کو گاؤں کا پتہ بتایا اور میں تھوڑی دیر کے بعد "ابومشہود" کے

besturdubooks.wordpress.com

خاندان والوں سے مل رہا تھا۔

''میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے کلمات نہیں ہیں۔ یہ الفاظ کافی نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ بلاشبہ اصل بدلہ تو آپ کو اللہ ہی عطا کرے گا۔''

میں ان کو گلے لگا رہا تھا، ان کے ماتھے چوم رہا تھا۔

اب مقتول کا بڑا بیٹا مشہود گویا ہوا: ''بیٹھو میں تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خاندان کی طرف سے ہمیں دس لاکھ ریال کی پیش کش کی گئی اور بعد میں زمین کا قطعہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے ہی لوگوں نے معاف کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر ہم نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ایک دن ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میری والدہ بھی اب میرے پاس ہی رہتی ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی یتیم اب جوان ہو چکا ہے۔ تمام گھر والوں نے مجھے تحریری طور پر لکھ دیا کہ میں جو بھی فیصلہ کروں انہیں منظور ہے۔ میرے پاس جو بھی سفارش لے کر آتا، میرے غصے میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میری آنکھوں کے سامنے والد کی شکل آ جاتی جو مجھے بدلہ لینے پر ابھارتی۔ لہٰذا میں نے ہر سفارش ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔ میرا ایک ہی جواب ہوتا کہ ہمیں رقم نہیں چاہئے، ہم بدلہ چاہتے ہیں، صرف بدلہ۔ یوں میں نے سب کو انکار کر دیا۔

ایک دن پھر ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: ''تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر ہم قاتل کو رضائے الٰہی کی خاطر معاف کر دیں اور یہ ہمارے والد کی طرف سے صدقہ ہو۔'' اس دن ہم نے بہت غور و فکر کیا۔ بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہاں ہمیں لوجہ اللہ معاف کر دینا چاہئے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی کو قطعاً اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے۔

ادھر عدالتی کارروائی جاری تھی، ہم سے پوچھا گیا کہ کیا صلح کی کوئی امید یا صورت ہے؟ مگر میں نے مکمل انکار کر دیا حتیٰ کہ ''الباحہ'' کی پولیس کو حکم تنفیذ کا آرڈر مل گیا۔ مجھ سے آخری مرتبہ پھر پوچھا گیا کہ ''...... کیا تم معاف کرتے ہو یا قصاص لینا چاہتے ہو؟'' میں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور قصاص لینے پر اصرار کیا، اور پولیس والوں سے کہا کہ میں اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سمیت قصاص کے وقت حاضر ہوں گا۔

پھر جب تمہیں میدانِ قصاص (عدل) میں لایا گیا، تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تم ہمیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ عدالتی اہلکار نے جرم، تمہارا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور پھر جلاد نے تلوار نکال لی۔ وہ تمہاری گردن مارنے جا رہا تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں نے اللہ کے لئے تمہیں معاف کر دیا۔

میں کسی شخص سے کوئی تعریف یا مدح نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سارا کام اللہ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ اگر میں اپنی

besturdubooks.wordpress.com

مدح یا شہرت چاہتا تو جب میرے پاس سفارشیں آ رہی تھیں، مجھے دس لاکھ ریال کی پیش کش ہوئی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا، مگر میں نے اپنے والد کی طرف سے صدقہ کیا ہے، اللہ اس کو قبول فرمائے۔"

اور یوں قارئین، ابومشہود نے ایک سنہرا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔[1]

فوائد و نصائح

❶ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ: "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بادشاہت کی وسعت میں غور و فکر کرے، سخاوتِ طبعی کو اپنے اندر پیدا کرے، نفس کے اعتبار سے مستغنی رہے، ضائع ہونے والی چیز کے ضائع ہونے پر (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) افسوس نہ کرے اور خواہشات کے حصول کے لئے (شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے) اہتمام نہ کرے ملازموں کو بقدر گنجائش اُن کے حق سے زیادہ دے، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں بونس دے، ملازموں کی شادی، بچے کی پیدائش پر ان کی تنخواہ میں اضافہ کرے، رکشہ/ٹیکسی والوں سے جو کرایہ طے کیا اُس سے کچھ زیادہ دے، اسی طرح ملازمین کو چاہئے کہ ادارہ میں کام دل کی وسعت کے ساتھ کرے، اپنے ذمہ دار کی چاہت پہچان کر کام کرے اور "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے وسعت کی اُمید رکھے۔"[2]

❷ بندے کی وسعت اس کے اخلاق و اعمال میں ہوتی ہے، لہٰذا اچھے اعمال اور اخلاق پر کار بند رہنا چاہئے، تاکہ اس کی وسعت کا فائدہ عام ہو۔

❸ ہر خیر اور بھلائی "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی وسعت اور فضل سے ہے۔ تمام بندوں کو رزق پہنچاتا ہے، آسمانوں و زمین کی ہر چیز تک اس کی پہنچ ہے کوئی چیز اس نظر کی وسعت سے غائب نہیں، لہٰذا ہر طرح کی وسعت صرف اور صرف "اَلْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے مانگے غیر اللہ کے در پر نہ جائے۔

---

[1] اس واقعہ کو سعودی عرب کے روزنامے عکاظ کے شمارہ نمبر ۸۴۳۹، ۱۴۱۰ سے لیا گیا۔ محترم ابراہیم حازمی نے اپنی کتاب "الفرج بعد الشدة والضیقة" کے اندر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ بیت العلم نے اس کا "پریشانی کے بعد راحت" کے نام سے ترجمہ بھی طبع کیا ہے راقم (مولف) نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ سنہرے فیصلے: ص ۱۱۳ تا ۱۱۹

[2] وَحَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ اَنْ يَّسْعٰى فِیْ سِعَةِ مَعَارِفِهٖ وَأَخْلَاقِهٖ وَيَكُوْنَ جَوَّادًا بِالطَّبْعِ غَنِیَّ النَّفْسِ لَايَضِيْقُ قَلْبُهٗ بِفَقْدِ الْفَائِتِ وَلَا يَهْتَمُّ بِتَحْصِيْلِ الْمَآرِبِ (مرقاة شرح مشكوٰة: كتاب اسماء الله تعالٰی: ۸۹/۵)

besturdubooks.wordpress.com

جلد اوّل میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد وفضائل

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

جلد اوّل میں بیان کیے گئے واقعات کی فہرست

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

besturdubooks.wordpress.com

یادداشت

besturdubooks.wordpress.com

اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے ناموں کی دل نشین تشریح

شرح اسمائے حسنیٰ

جلد دوم

- ★ قرآن کریم واحادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر وتشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
- ★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
- ★ توحیدِ باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
- ★ ہر اسمِ مبارک سے متعلق مفید فوائد ونصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان ویقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

PDF Reducer Demo

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث وبانی جامعہ امداد العلوم پشاور

تقریظ
مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

جمع وترتیب
محمد حنیف عبدالمجید عفی عنہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

کلماتِ تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بیت العلم ٹرسٹ کراچی

اَسمَائے حُسنیٰ (جلد دوم)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

11040507

—— اسٹاکسٹ ——

مکتبہ بیت العلم

فون: 2726509-21-92+ موبائل: 8213802-0300 - 8266655-0301

کتاب کا نام .... اسمائے حسنیٰ (جلد دوم)

تاریخ اشاعت اول .... رجب ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۲ء

تاریخ اشاعت دوم .... شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۵ء

تاریخ اشاعت سوم .... صفر المظفر ۱۴۲۸ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۷ء

تاریخ اشاعت چہارم .... رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق اگست ۲۰۰۷ء

کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپیوٹرز کراچی

ناشر .... بیت العلم ٹرسٹ

ST-9E بلاک نمبر 8، گلشن اقبال، کراچی، فون: 4976073-21-92+

فیکس: 4972736-21-0092 ای میل - bit-trust@cyber.net.pk

ملنے کے دیگر پتے

- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔ فون: 2630744-021
- مکتبہ بیت العلم، نزد جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون 4914569-4916690-021
- مکتبہ فہم دین، نزد مسجد بیت السلام، ڈیفنس، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 7224228-042
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار لاہور۔
- مکتبہ امدادیہ ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون: 544965-061
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 5771798
- اسلامیہ کتب خانہ، گاڑی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 340112
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 662263
- کتاب مرکز، فریئر روڈ، سکھر۔
- حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ۔
- بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدر آباد
- حافظ کتب خانہ، مردان۔
- مکتبہ المعارف، محلہ جنگی، پشاور

الأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

بِمَوْقِفِ ذُلِّيْ دُوْنَ عِزَّتِكَ الْعُظْمٰی
تیری عظیم ذات کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار کے ذریعہ

بِمَخْفِيِّ سِرٍّ لَا أُحِيْطُ بِهٖ عِلْمًا
ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِإِطْرَاقِ رَأْسِيْ، بِاعْتِرَافِيْ بِذِلَّتِيْ
اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے

بِمَدِّ يَدِيْ، أَسْتَمْطِرُ الْجُوْدَ وَالرُّحْمٰی
دست سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنَی الَّتِيْ بَعْضُ وَصْفِهَا
آپ کے ان اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے جس کی عظمت کے

لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّثْرَ وَالنَّظْمَا
تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِعَهْدٍ قَدِيْمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
عہد اَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے

بِمَنْ كَانَ مَكْنُوْنًا فَعُرِّفَ بِالْأَسْمَا
اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنیٰ سے جانی گئی

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأُنْسِ يَامَنْ إِذَا سَقٰی
ہمیں بھی شراب محبت پلا اے وہ عظیم ذات

مُحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا
کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعي: ۲۱۹)

بِاللّٰهِ يَا نَاظِرًا فِيْهِ وَ مُنْتَفِعًا
مِنْهُ سَلِ اللّٰهَ تَوْفِيْقًا لِّجَامِعِهٖ
وَقُلْ اٰنِلْهُ اِلٰهَ الْعَرْشِ مَغْفِرَةً
وَاقْبَلْ دُعَاهُ وَجَنِّبْ عَنْ مَّوَانِعِهٖ
وَخُصَّ نَفْسَكَ مِنْ خَيْرٍ دَعَوْتَ بِهٖ
وَمَنْ يَّقُوْمُ بِمَا يَكْفِيْ لِطَابِعِهٖ
وَالْمُسْلِمِيْنَ جَمِيْعًا مَّا بَدَا قَمَرٌ
اَوْ كَوْكَبٌ مُّسْتَنِيْرٌ مِّنْ مَّطَالِعِهٖ

دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ باعمل بھی ہوں گے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے مالی گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درج ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

مِنْ — From

....

....

اِلٰی — To

....

....

منفرد علمی اور دینی تحفہ

"اسمائے حُسنیٰ"

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب ہدیہ میں پیش کرکے ہم " تَهَادَوْا تَحَابُّوْا "[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں...... رشتہ داروں...... دفتر کے ساتھیوں...... کاروباری حلقے...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں معاون و مددگار بنئے۔

❹ کتاب کو ہدیہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت

---

[1] موطّا امام مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی المهاجرة: ۷۰۶، ۷۰۷

ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... ہم نے اس کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے۔ تا کہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اَغلاط وغیرہ نظر آئیں تو ازراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں "خط" دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدر دان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا بھی کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احبابِ بیت العلم ٹرسٹ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

❶ اگر ممکن ہو تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت وعظمت میرے دل میں بٹھا دے اور کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اگر آسان اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں، ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کیے نہیں اُٹھایا کرتے تھے۔ لہٰذا ''اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح'' کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ باوضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔

❷ مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔

اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللّٰہ ضرور نصیب ہوگا۔

❸ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللّٰہ فائدہ ہوگا۔

❹ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الٰہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

❺ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست واحباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللّٰہ سب کا فائدہ ہوگا۔

فہرست مضامین

Muhammad Hassan Jan
Sheikul Hadish, Jamia Imdoadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A.(Gold Madalist) Peshawar University
Voice President Wifaq Almadaris
Ex.Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office:271497 Res:844302

محمد حسن جان
شيخ الحديث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر باكستان
(خريج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
الماجستير من جامعة بشاور
نائب رئيس وفاق المدارس
عضو البرلمان الوطني سابقاً
عضو مجلس الفكر الاسلامي بجمهورية باكستان الاسلامية سابقاً
هاتف الجامعة:۲۷۱۴۹۷ هاتف المنزل:۸۴۴۳۰۲

Ref No:
Date: ۱۱ / ۳ / ۲۰۰۶ ء
۱۰ / ۲ / ۱۴۲۷ ھ

تصدير

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَنَحْنُ نَدْعُوْهُ بِهَا. وَصَلَاتُهُ وَسَلَامُهُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدِ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَعَلٰى مَنِ اقْتَدٰى بِسِيْرَتِهِ وَاهْتَدٰى:

وَبَعْدُ! فَإِنَّ هٰذَا الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَيْنَ يَدَيْكَ أَيُّهَا الْقَارِى الْكَرِيْمِ. كِتَابٌ قَيِّمٌ وَصَحِيْفَةٌ عِلْمِيَّةٌ نَيِّرَةٌ، أَوْضَحَ فِيْهِ أَخُوْنَا فِي اللّٰهِ تَعَالٰى "مُحَمَّد حَنِيْف" ـ اَلْمُحْتَرَمُ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- أَسْمَآءَ اللّٰهِ الْحُسْنَى الَّتِي وَرَدَتْ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَشَرَحَهَا مُفَصَّلًا، وَاعْتَنٰى بِكَلِمَاتِهَا وَمِيْزَاتِهَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا اهْتَمَّ بِهِ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وِرْدِهَا وَذِكْرِهَا، وَفِي مَا جَعَلُوْهُ لِحَلِّ مَشَاكِلِهِمِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْأُخْرَوِيَّةِ فِي التَّوَسُّلِ بِهَا، وَمَا بَيَّنُوْا مِنْ مَعَالِمِ الْهِدَايَةِ فِيْهَا لِلْأُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِيْ جِدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِهِ الْبَرَّاقَةِ مِنْ نَظَرِى الْفَاتِرِ فِي عُجْلَةِ الْمُسْتَوْفِزِ. وَأَرْجُو اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى أَنْ يَنْفَعَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَةَ مِنَ الطَّلَبَةِ، وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ مِمَّنْ طَالَعُوْهُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزْمِ الْإِسْتِفَادَةِ مِنْ أَضْوَائِهِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَأَنْ يَجْعَلَهُ وَسِيْلَةً لِنَجَاةِ الْمُؤَلِّفِ الْمُحْتَرَمِ وَ إِخْوَانِهِ الَّذِيْنَ سَاعَدُوْهُ فِي جَمْعِهِ وَطَبْعِهِ وَذُخْراً لِعِقَابِهِمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ وَهُوَ وَلِيُّ ذٰلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ.

اخوكم في الله
محمد حسن جان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حامدًا وّمُصلّیًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی اُستاذ، مثالی ماں، تحفۂ دلہن اور تحفۂ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطورِ خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے ''اسمائے حسنیٰ'' کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہوسکتا ہے۔

اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنی لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ''السَّلَامُ'' کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کردی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ عفا اللہ عنہ
استاذ حدیث و تفسیر و فقہ واصول فقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمرؓ۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

Moulana Hafiz Qari Miftahullah
USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,
Allama Banuri Town, Karachi-5.
KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER
Federal 'B' Area, Block No. 20,
Karachi-Pakistan.

DATE ۰۱ - ۰۹ - ۱۴۲۶

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال واشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اُورا در دلش انداختند[۱]

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، الحمد للہ ”تحفۂ دلہن“، ”تحفۂ دولہا“، ”والدین کی قدر کیجئے“، مقبولِ عام وخاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیرِ نظر تصنیف ”اسمائے حسنیٰ“ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے مفید بنائے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسمائے مبارکہ سے متعلق ہیں۔

ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول و نافع بنائے، آمین ثم آمین۔

مفتاح اللہ
یکم رمضان المبارک
۱۴۲۶ھ

[۱] ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔“

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

احقر نے برادر مکرم مولانا حنیف عبدالمجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب "اسمائے حسنیٰ" دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں۔ آمین

احقر محمود اشرف غفراللہ لہ
جامعہ دار العلوم کراچی (۷۵۱۸۰)
۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ طبعِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

اما بعد! انسان کے مختلف بشری تقاضے اور ضروریات ہوتی ہیں، جب انسان پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، مصائب و مشکلات کا شکار ہوتا ہے اور مخلوق میں سے کسی کے بارے میں اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص میرا کام کر دے گا، تو یہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے، اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں تھانیدار، گورنر، وزیر سے میری جان پہچان ہے، تو انسان مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب میرا کام ہو جائے گا۔ اسی طرح انسان کی کوشش یہ ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی جان پہچان نصیب ہو جائے یعنی ہر پریشانی، ہر مصیبت بل کہ ہر آن، ہر گھڑی، ہر حال میں ہماری نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کا تعلق اپنے خالق سے کس طرح قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کو کس طرح حاصل ہو؟

اس کا ایک اہم ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ جب انسان ان ناموں کے معنی اور مفہوم میں غور و فکر کرے اور ان میں موجود صفات سے تعلق اور نسبت پیدا کرے، تو یہ انسان دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگا۔

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کی صفات و معرفت ہوں گی، اُس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہوگا، اور جس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق مل گیا اس کو کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوسکتی، بقول کسی شاعر کے ؎

جس کو مولیٰ ملے اُسے کوئی مرض نہ ملے　　جس کو مولیٰ نہ ملے اُسے کوئی دوا نہ ملے

اسی طرح جس کو اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل ہوگی، تو اس کو پریشانی و بے چینی نہیں ستائے گی اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوگا، اس لئے کہ جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہی عَلِیْمٌ وَ خَبِیْرٌ ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے، تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے زیادہ خوف رکھے گا، برخلاف اس شخص کے، جو اللہ تعالیٰ کی یہ صفات نہیں جانتا، اور جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ قَدِیْرٌ ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، تو وہ اس شخص کے مقابلے میں زیادہ متقی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے ناواقف ہو۔

اسی بات کی حقیقت دل میں بٹھانے کے لئے ''اسمائے حسنیٰ حصہ اوّل'' کے بعد ''اسمائے حسنیٰ حصہ دوم'' کی تیاری میں یہ ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے، جس میں مندرجہ ذیل امور کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے:

❶ اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔

۲ قرآن کریم کی جن آیات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہے اُن میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔
۳ قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ کی تشریح۔
۴ اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے مواعظِ حسنہ۔
۵ ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔
۶ ہر اسم کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد و نصائح۔

آخر میں گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں، مصنّفین اور مؤلفین کو یاد رکھیں جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔

تاہم یہ کام پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیقِ الٰہی کے ساتھ ساتھ مخلص احباب کی ایک مجلسِ شوریٰ اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی، خاص کر شروع کی تصحیح میں مولوی صالح صاحب اور مولوی عمیر صاحب (فاضلانِ جامعہ فاروقیہ)، اور اِن کے بعد عزیزم مولوی ریاض احمد صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ)، مولوی ارشد محمود صاحب (فاضل جامعہ عربیہ احسن العلوم)، اور مولوی ارشد اقبال صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن) کے تعاون کا نہایت ممنون ہوں۔

ان کے لئے بھی اور ادارہ کے تمام اساتذہ معاونین کے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی عافیت نصیب فرمائے اور اعلائے دین کی خدمت کے لئے دیر سے دیر اور دور سے دور کے لئے ہم سب کو قبول فرمائے اور بندہ کے لئے بھی فرض نماز کے بعد ضرور دعا کیجئے اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ." [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے غائبانہ (پیٹھ پیچھے) دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حصہ اوّل کی طرح حصہ دوم کو بھی اپنی بارگاہ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے نوازیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبد المجید

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

---

[1] مسلم، كتاب الذكر، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب: ۲/۳۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبعِ ثانی

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحی: ۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح وتفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ و والدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدْ جُدْتَّ اِنْعَامًا عَلَیَّ وَمِنَّةً وَفَضْلاً وَّاِحْسَانًا فَھَا اَنَا شَاکِرٌ[1]

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین وآسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کارخانۂ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،...... وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت وعبادت اور تعظیم واحترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطۂ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا ...... اچھائی کی قدر کرنے والا ...... رحم کرنے والا ...... انصاف کرنے والا ...... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا ...... اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا، اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا والتجا کرنے اور کسی کو کارساز ومشکل کشاء سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض ومعاملات کی

[1] ترجمہ: ''بلا شک وشبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کر دی ہے، لیجئے میں آپ کے عظیم وعالی دربار میں شکر کرنے آ پہنچا۔''

تفصیل بیان کی ہے۔

سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اُردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض بتوفیقِ الٰہی ہم سے لیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہوچکی ہیں کہ ''اسمائے حسنیٰ'' سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اُردو زبان میں کم ہوا تھا ...... بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی اب یہ کام مکمل ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس نئے ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنہوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح وتخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ ربّ العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ''اسمائے حسنیٰ'' سے حاصل ہونے والے اخلاق وصفات آجائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزارہا انسانی مسائل کا حل اسمائے حسنیٰ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض وبرکات، انوار واسرار اور اخلاق وآثار نصیب فرمائے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبدالمجید

۱۵؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

اَلْحَكِيْمُ جل جلالہٗ

(بڑی حکمتوں والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَكِيْمُ: اَلَّذِيْ لَا يَدْخُلُ فِيْ تَدْبِيْرِهٖ خَلَلٌ وَّلَا زَلَلٌ.[1]

تَرْجَمَۃ: علامہ ابنِ جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْحَكِيْمُ جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے جس کی تدبیریں مضبوط ہیں اور اُن میں کوئی خلل اور رکاوٹ نہیں آتی۔“

❷ علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْحَكِيْمُ جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے جو اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے۔ اس طرح کہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر اپنے علم، حکمت اور انصاف کے ساتھ رکھتا ہے۔“[2]

❸ حضرت امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْحَكِيْمُ جل جلالہٗ“ وہ ذات ہے کہ ٹھیک بات کہنا اور صحیح کام کرنا ہی اس کی شان ہو اور مناسب بھی یہی ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوں اس لئے کہ اس کے افعال بالکل مناسب اور اس کی پیدا کردہ چیزیں بالکل ٹھیک ہیں اور یہ سب باتیں حکیم ذات کے علاوہ کسی سے نہیں ہوسکتیں جیسا کہ تمام کاموں پر قدرت اسی ذات کو ہے جو زندہ ہے، تمام باتوں کو جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[3]

اللہ پاک کا اسم مبارک ”اَلْحَكِيْمُ“ قرآن مجید میں (۹۴) مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[4]

[1] النهج الاسمٰى: ۲۴۴/۱

[2] قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْحَكِيْمُ فِيْ أَفْعَالِهٖ وَأَقْوَالِهٖ فَيَضَعُ الْأَشْيَآءَ فِيْ مَحَالِّهَا لِعِلْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ وَعَدْلِهٖ. (تفسير ابن كثير: ۱۲۲، البقرة: ۱۲۹)

[3] وَقَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "اَلْحَكِيْمُ" وَمَعْنَاهُ الَّذِيْ لَا يَقُوْلُ وَلَا يَفْعَلُ إِلَّا الصَّوَابَ، وَ إِنَّمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْصَفَ بِذٰلِكَ لِأَنَّ أَفْعَالَهٗ سَدِيْدَةٌ، وَصُنْعَهٗ مُتْقِنٌ، وَلَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ الْمُتْقِنُ السَّدِيْدُ إِلَّا مِنْ حَكِيْمٍ، كَمَا لَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ عَلٰى وَجْهِ الْإِخْتِيَارِ إِلَّا مِنْ حَيٍّ عَالِمٍ قَدِيْرٍ. (النهج الاسمٰى: ۲۴۴/۱)

[4] البقرة: ۲۲۸

تَرْجَمَۃ: ’’اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ’’اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔‘‘

﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ’’اور وہی بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

حکمتِ خداوندی کی کھلی نشانی

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنے سفرنامے میں اس قدرتِ باری تعالیٰ کا عملی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

’’کیپ ٹاؤن دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ یہاں سمندروں، پہاڑوں، جھیلوں اور سرسبز میدانوں میں ہر طرح کا فطری حسن موجود ہے اور اسی شہر کے جنوب میں تقریباً ۷۰،۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر وہ مشہور تاریخی ٹیلہ ہے، جسے اردو میں ’’راسِ اُمید‘‘ عربی میں ’’رَأْسُ الرَّجَاءِ الصَّالِح‘‘ اور انگریزی میں (Capofgoodhope) کہا جاتا ہے، جو اس سمت میں آباد دنیا کا آخری کنارہ ہے۔

یہیں سے ’’واسکوڈی گاما‘‘ نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا اور اسی مقام پر دنیا کے دو بڑے سمندروں ’’بحرِ اوقیانوس‘‘ اور ’’بحرِ ہند‘‘ کا وہ سنگم ہے جو ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾[3] کا دل آویز منظر پیش کرتا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہاں آنا ہوا تھا لیکن اس وقت ابر آلود موسم کی وجہ سے دونوں سمندروں کا امتیاز واضح نہ تھا۔ اس مرتبہ موسم صاف تھا، اس لئے وہ امتیازی لکیر میلوں دُور تک نظر آرہی تھی جسے قرآن حکیم نے ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾[4] سے تعبیر فرمایا ہے اور جسے دیکھ کر انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[5]

اسی طرح حکمتِ خداوندی کے بہت سے مظاہر انسان اپنے جسمانی نظام میں غور کرے تو نظر آئیں گے مثلاً: سانس لینا، کھانا پینا، پیدل چلنا وغیرہ۔ لوگوں کے لئے یہ فطری باتیں ہیں، مگر یہ بنیادی کام کس طرح عمل پذیر ہوتے ہیں اس میں غور نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر جب ہم پھل کھاتے ہیں، عین اُسی وقت ہمارا جسم بڑی جزئیات کے ساتھ ایسے فعل سے گزر رہا

---

[1] النساء: ۲٦   [2] الأنعام: ۱۸

[3] الرحمٰن: ۱۹، تَرْجَمَۃ: ’’اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔‘‘

[4] الرحمٰن: ۲۰، تَرْجَمَۃ: ’’ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے (یعنی دونوں کے پانی آپس میں نہیں ملتے)۔‘‘

[5] المؤمنون: ۱٤، تَرْجَمَۃ: ’’سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔‘‘ (جہانِ دیدہ: ۲)

ہوتا ہے جس کا ہمیں تصور تک نہیں ہوتا۔

جوں ہی خوراک کا ایک لقمہ ہمارے منہ کے اندر جاتا ہے تو نظامِ ہضم اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لعاب دہن خوراک کو پہلے گیلا کرتا ہے اور پھر دانتوں سے اس کے پس جانے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو جانے پر مُری (Oesphagus) سے نیچے معدے میں اُتار دیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معدے میں موجود نمک کے ترشے سے یہ خوراک ہضم ہو جاتی ہے۔ یہ ترشہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں موجود صلاحیت خوراک کو تحلیل کر دیتی ہے۔ مفید خوراک کے وہ ٹکڑے جن کو نظامِ ہضم توڑتا ہے، انہیں چھوٹی آنت کی دیواریں جذب کر لیتی ہیں اور یہ خون کی ندی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی آنت کے اندر کی سطح پر چھوٹے چھوٹے عسلج (Tendrils) جمع ہو جاتے ہیں۔ جنہیں خملہ (Villus) کہتے ہیں۔ اس کے سب سے اوپر والے حصے میں موجود خلیوں پر خوردبینی توسیع ہوتی ہے، جسے خورد خملے (Micro Villus) کہتے ہیں۔ یہ توسیعات خوراک کو جزوِ بدن بنانے کے لئے پمپوں کا کام کرتی ہیں۔ اس طرح جزو بدن بننے والی خوراک جسم میں دورانِ خون کے نظام کے ذریعے چاروں طرف پہنچادی جاتی ہے۔

اب آپ ایک جان دار کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں کہ جب خوراک اُس کے معدے کے اندر پہنچتی ہے تو اس کے اندر کئی کیمیائی تبدیلیوں سے معدے میں اسے توڑنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور محض کسی ارتقائی عمل سے اُس کے جسم میں اس قسم کی کیمیائی تبدیلی ممکن نہیں۔ مزید برآں یہ کہ اس تحلیل کے دوران معدے کی دیواریں ساتھ ساتھ وہ افراز (Secretion) پیدا کرتی ہیں جسے لعاب کہتے ہیں۔

اگر یہ پیدا نہ ہو تو ترشہ تو معدے کو تباہ کر دے گا۔ اس لئے زندگی کو قائم رکھنے کے لئے معدے کو یہ دونوں سیال مادّے (ترشہ اور لعاب) ساتھ ساتھ پیدا کرنے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی تدریجی انطباق یا اتفاقی ارتقاء نہیں ہے، بل کہ اللہ ربُّ العزت کی شعوری تخلیق اور حکمت کا مظہر ہے۔[1]

الحکیم جل جلالہٗ کی حکمت کے کرشمے

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا: ؎

نہیں کوئی چیز نکمّی زمانے میں ۔۔۔ کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں، ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے، البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں ہوتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز

[1] اللہ کی نشانیاں: ۳۷، بالتلخیص

بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں مثلاً: سانپ اور بچھو ہیں، ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے، ان میں فائدہ موجود ہے، چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

مکھی اور متکبر بادشاہ

وَاقِعَۃ نَمْبَر ①: ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑی شان وشوکت سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اُڑا دیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت ضدی قسم کی ہوتی ہیں۔ ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ اسی جگہ پر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کی تھی۔ بادشاہ نے اس وقت کہا: خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟

یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا۔ اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا: اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی ہے۔ تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو۔ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔[1]

ناکامی میں بھی حکمت ہے

وَاقِعَۃ نَمْبَر ②: امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا:

ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے نکلے، ان میں ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے بھر جاتا اور مسلمان اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اس کے ہاتھ نہ آتی، اس کا جال خالی رہتا، اسی طرح غروبِ آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے، آخرکار ایک مچھلی مسلمان کے ہاتھ لگی۔

لیکن وائے ناکامی! وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کر پانی میں کود گئی، یہاں تک کہ یہ بے چارہ غریب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب وخاسر (خالی ہاتھ) لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کام یاب لوٹا کہ اس کا تھیلا مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا، اس عجیب وغریب حیرت ناک واقعہ سے مؤمن کے فرشتے (جو اللہ کی طرف سے ہر انسان کی

---

[1] اصلاحی خطبات، ایک بادشاہ ایک مکھی: ۱۵۸/۵

نگرانی پر مامور ہیں) کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مؤمن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے، ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اس کا تھیلا مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مؤمن کا عالی شان محل دکھا کر جو اس کے لئے جنت میں تیار کر رکھا ہے مؤمن کے فرشتے سے خطاب فرمایا: اے فرشتے! کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد میرے اس بندہ مؤمن کو جو رنج وتعب دنیا میں مچھلیوں کے شکار میں ناکامی کے باعث ہوا تھا، باقی رہے گا؟

اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کر رکھا ہے ارشاد فرمایا: کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئیں اس جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا: اے میرے پروردگار! آپ کی ذات کی قسم، بالکل ایسا نہیں ہوسکتا۔[1]

کوئی نکمہ نہیں قدرت کے کارخانہ میں

واقعہ نمبر ③: امام رازی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ انہوں نے "تفسیر کبیر" کے نام سے قرآن کریم کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس تفسیر میں سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے: میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں: "ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے "دریائے دجلہ" کے کنارے کی طرف چلا گیا۔ جب میں دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا فرمایا ہے۔ اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آرہا ہے؟...... کہاں جارہا ہے؟...... اس کی منزل کیا ہے؟...... وہاں جا کر کیا کرے گا......؟

میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے، چناں چہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہوگیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہوگیا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آرہا ہے۔ وہ کچھوا آکر کنارے لگ گیا، اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چناں چہ وہ کچھوا اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے

[1] سکونِ قلب: ۳۲۵

روانہ ہوگیا۔ چوں کہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جارہا ہے، اس لئے میں نے بھی کشتی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا اور اسی طرح دوسرے کنارے جاکر لگ گیا اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کردیا۔

آگے چل کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جارہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کردوں تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہوگیا اور اس کو ایک ایسا ڈنک مارا کہ وہ سانپ بل کھا کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہوگیا۔ اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جارہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھایا اور اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑلیا اور اس سے کہا: ''تم جس بچھو کو مارنے جارہے ہو، یہ تمہارا محسن ہے اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے۔ حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا ہوا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا اور قریب تھا کہ ڈنک مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کررہے ہو۔''

وہ بزرگ فرماتے ہیں: میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے۔'' بہر حال دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کے پیدا کرنے میں اَلْحَکِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔[۱]

بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے، جسے دیکھ کر بالبداہت (بغیر دلیل کے) اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا .... اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب و سلیقہ سے جوڑنے والا .... اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا .... بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یوں ہی محض اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادے سے نہیں ہوسکتا۔

---

[۱] التفسیر الکبیر: ۱/۱۸۹ الفاتحۃ: ۲

اس نقصان میں بھی نفع ہے

واقعہ نمبر ④: ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو جگا دیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی۔ ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ گیا۔ شیخ نے فرمایا: ''رومت اسی میں بہتری ہوگی'' اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا۔

اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا: ''اس میں خیر تھی رونے کی کوئی بات نہیں۔'' اس کے بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا: غم نہ کرو اس میں بھلائی تھی، غرض صبح ہوئی تو اچانک غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آپڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور سوائے ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کر کے باندی غلام بنا کر لے گئے۔

ان کے مکانات کا پتہ دشمن کی فوج کو اس طرح چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا: دیکھا! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے، اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے ورنہ آج ہم بھی گرفتار ہوتے۔[۱]

اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی

واقعہ نمبر ⑤: ایک بادشاہ کا وزیر شاکرِ تقدیر (تقدیر پر شکر کرنے والا) تھا اور ہر ایک برے بھلے واقعے پر یہ کہنے کا عادی تھا کہ ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔'' ایک مرتبہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی تو وزیر نے حسبِ عادت کہا: ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔''

بادشاہ کو وزیر کے اس بے محل فقرے کے استعمال سے رنج ہوا اور وزیر کو قید خانے بھجوانے کا حکم دے دیا۔ وزیر نے اس حکم کو سن کر بھی وہی فقرہ کہا: ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔''

دوسرے روز بادشاہ شکار کے لئے گیا اور شکار کے دوران اپنے ہم راہیوں سے بچھڑ کر اکیلا جنگل میں دور نکل گیا۔ چوں کہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے لاچار ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک شیر نمودار ہوا اور بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ نے سانس کھینچ لیا اور مردہ سا بن کر پڑا رہا۔ شیر زخمی انگلی کو سونگھ کر بادشاہ کو اس خیال سے چھوڑ کر چلا گیا کہ یہ پہلے سے کسی جانور نے کھایا ہوا ہے۔ بقول

---

[۱] تبلیغ دین: نویں فصل ''رضا بر قضا'' ۲۶۲

غار اندر بمیرد بدبختی در سگ خوردۂ نیم شیر نخورد

اتنے میں بادشاہ کے ہم راہی بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں آ گئے اور بادشاہ کو صحیح سلامت پا کر سجدۂ شکر بجالائے اور اس واقعہ کو سن کر بادشاہ کی جان بچ جانے کو نہایت غنیمت اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت خیال کیا۔ واپس آکر بادشاہ نے وزیر کو قید خانے سے طلب کر کے انعام سے مالا مال کر دیا اور کہا:

''واقعی اگر کل میری انگلی نہ کٹتی تو آج وہ شیر مجھے ہرگز نہ چھوڑتا اور انگلی کا کٹ جانا واقعی بہت اچھا ہوا'' اور وزیر سے کہا: ''تم نے قید خانے کو جاتے وقت بھی ''اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی'' کہا تھا، اس میں کیا مصلحت خیال کر کے یہ فقرہ کہا تھا؟

وزیر نے جواب دیا کہ لازمی طور پر میں آپ کا ہم رکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا۔

نتیجہ یہ کہ قدرت کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔[1]

اَلْحَکِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ بندوں کی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑥: شیخ علی الطنطاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ''اَلْبَابُ الَّذِيْ لَا يُغْلَقُ فِيْ وَجْهِ سَائِلٍ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو شیخ زہرانی نے اپنی کتاب ''اَللّٰهُ اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ'' میں نقل کیا ہے، جس کا اردو میں مختصر خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے (اہل علم اور عربی جاننے والوں کو ان دو کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اگر کسی اہلِ علم کو توفیق ہو جائے تو ان کا اردو میں ترجمہ فرما دیں تو اردو جاننے والوں کے لئے بھی ان شاء اللہ یہ دو کتابیں مشعلِ راہ بنیں گی اور ترجمہ کرنے والوں کے لیے صدقہ جاریہ ہوں گی)۔

فرماتے ہیں: ''میں ۱۳۸۲ھ میں سعودیہ گیا، ایک سال ریاض میں رہائش پذیر رہا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلا آیا۔ میرے ساتھ ایک آدمی رہتا تھا جو ملک شام کا تھا اور میں اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے پہلے وہ اور اس کی ماں دونوں ریاض میں تھے۔ ایک دن اس کو ایک کام پیش آیا اور اس نے لبنان کی طرف سفر کا ارادہ کیا، لیکن اس کی ماں نے اس کے اس سفر کو پسند نہیں کیا کہ وہ کہیں اکیلی نہ رہ جائے۔ جب جانے کا وقت قریب آیا تو وہ اپنا سامان ایئر پورٹ لے گیا اور کمپنی کے حوالے کر دیا اور واپس آ گیا تاکہ وہ فجر کے وقت جائے اور سفر کر سکے۔

اس نے اپنی ماں سے یہ امید لگائی کہ وہ فجر سے تھوڑا پہلے اس کو جگا دے گی، لیکن اس کی ماں نے اس کو نہیں جگایا، یہاں تک کہ جہاز کی روانگی میں پون گھنٹہ رہ گیا تو وہ جلدی سے اٹھا، گاڑی پکڑی اور ڈرائیور سے کہا کہ جلدی سے ائیرپورٹ پہنچا دے اور زیادہ پیسے دینے کی بھی بات کی اور اس نے دعا کرنی شروع کر دی کہ جہاز کے اڑنے سے پہلے وہ

---

[1] مخزن اخلاق، حکایات مفید: ۳۵۰، ۳۵۱

وہاں پہنچ جائے۔ جب وہ ویٹنگ روم میں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی ۱۵ منٹ باقی ہیں۔ ویٹنگ روم میں داخل ہوا اور کرسی پر بیٹھا اور نیند آگئی۔ پھر مسافروں کے لئے آواز لگائی گئی کہ وہ جہاز میں آجائیں، لیکن اس نے نہیں سنا اور جہاز اُڑ گیا۔ میں اس وقت اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے تعجب کرنا شروع کیا کہ اس نے کس طرح مجبوری کی حالت میں اخلاص کے ساتھ دعا مانگی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کیوں قبول نہیں کی؟

میں نے اسے تسلی دی اور کہا: اللہ تعالیٰ اخلاص سے مانگی ہوئی دعا کو کبھی بھی رد نہیں فرماتا، لیکن بعض اوقات انسان شر کو خیر سمجھتے ہوئے مانگتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی مصلحت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

شاید آپ میں سے کسی کو یاد ہو کہ سعودی ائرلائن کا ایک جہاز گر کر تباہ ہو گیا تھا اور اس میں سوار تمام لوگ ہلاک ہو گئے تھے، یہ وہی طیارہ تھا جو اس دن اس آدمی سے رہ گیا تھا۔

کبھی انسان وہ چیز مانگتا ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ان کے والدین اور ان کے رشتہ داروں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ وہ حکیم ہے کہ سارے کام اس کی حکمت کے موافق ہوتے ہیں، اگر کسی کو مطلوبہ چیز نہ ملے تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ اس میں اس کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔[1]

الحکیمُ جلّ جلالہٗ نے تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے

❶ زمین پیدا کرنے کی حکمت:

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾[2]

تَرجَمہ: ”تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے کمالِ مہربانی سے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا، نہ اتنا نرم کہ ہم اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنا سخت کہ ہم زمین پر کوئی کام ہی نہ کرسکیں بل کہ ہمارے تمام کاموں کے مناسب بنایا اور ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات اور کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔

❷ آسمان پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾[3]

تَرجَمہ: ”اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔“

یعنی جب آپ اس کائنات میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک مکان ہے جس میں ہماری ضروریات کی تمام

---

[1] الله اهل الثناء والمجد: ۳۷۳ [2] البقرة: ۲۲ [3] الانبياء: ۳۲

چیزیں موجود ہیں۔ آسمان بطورِ چھت کے اور زمین بطورِ فرش کے ہے۔ ستارے آسمان میں روشنی کے لئے چراغوں کی طرح ہیں اور راہ نمائی کے کام بھی دیتے ہیں۔

۳ سورج پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾[1]

ترجمہ: ''اور سورج کو چراغ بنایا۔''

یعنی ایک تو سورج کی روشنی سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو نظامِ دنیا درہم برہم ہو جائے۔

۴ سمندر پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾[2]

ترجمہ: ''اس پاک ذات نے سمندر کو تمہارے قبضہ میں دے دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا اور زمین میں خشکی کے اردگرد اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اس پانی میں ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیتا ہے جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہے اور پانی مخلوق کی زندگی باقی رکھنے میں ہوا کے بعد دوسرے درجے میں ہے۔

اسی طرح کان، آنکھ، ناک، منہ، پلکیں، ہڈیاں، پھر ان سب کو ملا کر ایک خوب صورت جسم بنایا اور انسان کی ایک مخصوص صورت بنائی اور اس میں بے شمار حکمتیں رکھ دیں ان کو شمار کرنا، ایک ایک تفصیل سے بیان کرنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کی بس کی بات نہیں۔[3]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی حکمت میں سے جس کو چاہتے ہیں، کچھ حصہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی، اسے یقیناً خیرِ کثیر عطا ہوگئی۔''[4]

ایک حدیث میں ہے کہ دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے:

۱ ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔

۲ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔[5]

---

[1] نوح: ١٦ [2] النحل: ١٤ [3] مأخذہ "اَللّٰهُ وَحْدَهٗ": ١٤٢ تا ١٦٦

[4] اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يُؤْتِيْ حِكْمَتَهٗ مَنْ يَّشَاءُ: كَمَا قَالَ عَنْ نَفْسِهٖ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (سورة البقرة: ٢٦٩)

[5] مسند احمد: ٤٣٢/١، رقم: ٤٠٩٨

رُشد و ہدایت کے حصول کی دعا

وَاقِعَہ نمبر ۷: حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے میرے والد سے فرمایا: ''اے حصین! تم دن میں کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟'' میرے والد نے کہا: (جو کہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ''سات، جن میں سے چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان پر۔''

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''ان میں سے کس سے تمہیں چاہت اور ڈر زیادہ ہے؟''

حصین نے کہا: ''اس معبود سے جو آسمان میں ہے۔'' (یعنی اللہ ربُّ العزت۔ چوں کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودانِ باطلہ کو شریک کرتے تھے جو کہ چھ تھے اور کعبۃ اللہ میں بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے تھے)

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''اے حصین! اگر تو ایمان لے آیا تو میں تجھے دو ایسے کلمات سکھلاؤں گا، جو تجھے نفع دیتے رہیں گے۔'' راوی کہتے ہیں: جب حصین (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) اسلام لے آئے، تو انھوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے وہ دو کلمات سکھلا دیجیے، جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔''

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: پڑھو:

''اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ.''[1]

''اے اللہ! میرے مقدر کی بھلائی میرے دل میں ڈال دے...... اور مجھ کو میرے نفس کی بدی سے بچا لے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں یوں ہے: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان سے پوچھا: تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ جواب دیا: سات کی، چھ وہ جو زمین میں ہیں اور ایک جو آسمان میں ہے۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کسے پکارتے ہو؟ جواب دیا: اسے جو آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا: جب مال ہلاک ہو جائے تو کسے پکارتے ہو؟ پھر جواب دیا اسے جو آسمان میں ہے۔ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یہ عجیب بات ہے! تمہاری ضرورتیں تو سب آسمان والا پوری کرتا ہے اور تم اس کے علاوہ دوسروں کو بھی پکارتے ہو۔ حضرت حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ان جیسی ہستی سے پہلے کبھی بات نہیں کی۔[2]

اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رُشد و ہدایت کی دعا مانگنی چاہیے۔

---

[1] عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِيْ: يَا حُصَيْنُ! كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلٰهًا؟ قَالَ أَبِيْ: سَبْعَةً: سِتَّةً فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ. قَالَ: فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ: الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ. قَالَ: يَا حُصَيْنُ! أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ: فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ، قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِيْ فَقَالَ: قُلْ "اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ." (الترمذی، ابواب الدعوات: ۱۸۶/۲، رقم: ۳۴۸۳)

[2] الاصابة فی تمیز الصحابة، حرف الحاء، القسم الاول: ۳۳۷/۱، رقم: ۱۷۳۵

بے شک وہ حکیم ذات ہے، اگر دعا کی قبولیت کے فوری اسباب نظر نہ آئیں تو مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ وہ بڑی حکیم ذات ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اس ذات نے آپ کی دعا کے بدلے کوئی بڑی مصیبت جو آپ پر آنے والی تھی ٹال دی ہو، یا آپ کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن گئی ہے۔ جو کہ ہر لحاظ سے انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، اگرچہ انسان کو وہ حکمت نظر نہ آئے۔

فوائد ونصائح

❶ بندہ کو چاہیے کہ ہر کام اور ہر حال میں یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہوگی تو ان شاء اللہ ایسے شخص کو حقیقی امن اور سکون نصیب ہوگا۔[1]

❷ بندہ کو چاہیے کہ اس اسم مبارک کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہر حال میں یہ سوچے کہ جو اللہ نے کیا اس میں خیر ہے، زبان سے بھی اسی جملے کو دہرائے، انسان پریشانیوں اور مصیبتوں میں دوسروں پر الزامات تھوپتا ہے، اپنے ماتحتوں کی برائی بیان کرتا ہے، اپنی قسمت کو موردِ الزام قرار دیتا ہے، اور اس نام مبارک سے جتنا تعلق ہمارا بڑھتا جائے گا اتنا ہی ہر حال، ہر پریشانی میں ہماری زبان پر یہ ہوگا: اللہ نے جو کیا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اللہ کا نام حکیم ہے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

ایسا شخص تسلی سے پریشانی کے درمیان بھی پریشانی سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے، اور ماتحتوں کو بھی اعتماد میں لے کر اُن سے مشورہ کر کے جلد بلاؤں، مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ نکال لیتا ہے۔

❸ چرند، پرند، درخت، پھل، پھول ہر چیز میں الحکیم جل جلالہ کی حکمتوں کو سوچے، بل کہ اپنے آپ میں بھی غور وفکر کرے کہ کیسا بہترین نظام اس حکمت والی ذات نے عطا کیا ہے کہ جو کسی اور کی طاقت میں نہیں۔

---

[1] المنهج للامام الجوزي: ۳۳۹، ۳۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الودود جل جلالہ

(اپنے بندوں کو چاہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَدُوْدٌ لِأَوْلِيَائِهِ...... وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهِ...... وَهُوَ مُحِبٌّ لَهُمْ.[1]

ترجمہ: امام زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللّٰہ عزوجل اپنے دوستوں اور اپنے نیک بندوں کے لئے "وَدُوْدٌ" ہیں۔ (یعنی) وہ ان سے محبت کرنے والے ہیں۔

❷ هُوَالْوَادُّ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ، أَيِ الرَّاضِيْ عَنْهُمْ بِأَعْمَالِهِمْ...... وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ لِأَجْلِهَا...... وَالْمَادِحُ لَهُمْ بِهَا.[2]

ترجمہ: امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الودود جل جلالہ" وہ ذات ہے جو فرماں بردار لوگوں کو پسند کرتی ہے۔ یعنی وہ ان کے اعمال سے راضی ہے اور ان اعمال کے بدلے میں ان سے احسان کا معاملہ کرتی ہے اور اس پر ان کی تعریف بھی کرتی ہے۔

❸ وَقَدْ قِيْلَ: هُوَ الْوَدُوْدُ بِكَثْرَةِ إِحْسَانِهِ...... أَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُوَدَّ فَيُعْبَدَ وَيُحْمَدَ.[3]

ترجمہ: "الودود جل جلالہ" وہ ذات ہے، جس کے انعامات کی کثرت کی وجہ سے اُس سے محبت کرنی چاہیے۔ یعنی ان بے شمار نعمتوں کی وجہ سے اس کی ذات اس کے لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کی تعریف کی جائے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: الودود کے معنی الحبیب کے ہیں۔[4]

---

[1] اشتقاق اسماء اللّٰہ: ۱۵۲، نقلاً عن النهج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[2] المنهاج: ۱/۲۰۶، نقلاً عن النهج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[3] المنهاج: ۱/۲۰۶، نقلاً عن النهج الاسمیٰ: ۱/۴۲۱

[4] بخاری، التوحید، باب قوله ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾: ۲/۱۱۰۳

اسی طرح علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلْوَدُوْدُ"، "اَلْوُدُّ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خالص محبت کے ہیں۔ اس اسم کا اطلاق اللہ ربُّ العزت کی ذاتِ عالی پر دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ اللہ ربُّ العزت محبت کرنے والے ہیں یعنی اپنے انبیاء، فرشتوں اور نیک بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ محبوب بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے انبیاء، فرشتے اور نیک بندے سب محبت کرتے ہیں، بل کہ ان کے نزدیک اللہ ربُّ العزت کی ذات سے زیادہ محبوب اور کوئی شے نہیں ہوتی۔

اور آگے فرماتے ہیں: یہ بات ضروری ہے کہ بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہر چیز کی محبت سے بڑی ہوئی ہو، غالب ہو اور باقی ساری محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوں۔[1]

امام ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں:

"اَلْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے بندے بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور بزرگی احسان کرنے والے کے لئے ہے۔ وہی ذات ہے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں محبت کو پیدا کیا اور پھر اُسی محبت کا اُن کو بدلہ عطا کیا۔ حقیقت میں یہی چیز اللہ پاک کی طرف سے بندوں پر احسان ہے۔ جو اللہ پاک بغیر عوض (بغیر بدلے کے) عطا فرماتے ہیں اور بندوں کی طرف سے شکر کی امید و توقع کے بغیر عطا فرماتے ہیں۔ بل کہ اللہ پاک تو بندوں کے شکر ادا کرنے کے محتاج نہ ہونے کے باوجود شکر ادا کرنے والوں کو اور اُن کے شکر ادا کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔[2]

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ آیا ہے:

1. ﴿اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ﴾[3]

تَرجَمَہ: "یقین مانو کہ میرا ربّ بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔"

"رَحِیْمٌ"، یعنی رحمت کے تقاضوں سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور "وَدُوْدٌ"، محبت کے تقاضے سے اطاعتوں کو قبول کرے گا، ایسے "رَحِیْمٌ" اور "وَدُوْدٌ" ربّ کی طرف اطاعت وعبادت کے ساتھ رجوع کرو۔

---

[1]
وَهُوَ الْوَدُوْدُ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّهٗ ‏ أَحْبَابُهٗ وَالْفَضْلُ لِلْمَنَّانِ
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الْمَحَبَّةَ فِيْ قُلُوْ ‏ بِهِمْ وَجَازَاهُمْ بِحُبٍّ ثَانِ
هٰذَا هُوَ الْإِحْسَانُ حَقًّا لَا مُعَا ‏ وَضَةً وَلَا لِتَوَقُّعِ الشُّكْرَانِ
لٰكِنْ يُحِبُّ شَكُوْرَهُمْ وَشُكُوْرَهُمْ ‏ لَا لِاحْتِيَاجٍ مِّنْهُ لِلشُّكْرَانِ

(شرح اسماء حسنیٰ: ۲۳۳)

[2] النونية: ۲/۲۳۰، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۱/۲۲۲ [3] هود: ۹۰

کیسا ہی پرانا، عادی مجرم ہو جب صدقِ دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے تو وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے، بل کہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔[1]

❷ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾[2]

ترجمہ: ”اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا۔“

اُس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے فرماں بردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ہے، اُن کے عیب چھپاتا ہے اور انہیں طرح طرح کے لطف و کرم اور عنایت و شفقت سے نوازتا ہے۔[3]

اللہ سے محبت پیدا کیجیے

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ربُّ العزت بغیر کسی حاجت و ضرورت کے اپنی مخلوق سے محبت کرنے والے ہیں، ان کی تعریف کرنے والے ہیں اور ان پر احسان کرنے والے ہیں۔“[4]

صاحب ”أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ“ فرماتے ہیں: ”جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگیا اُس نے زندگی کا مقصد پالیا...... اور سعادت مندی کو حاصل کرلیا...... اور زندگی کا مزہ اُسے مل گیا...... اُس کا دل مطمئن اور منور ہوگیا...... اُسے شرحِ صدر حاصل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کے دل میں نقش ہوگئی...... اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ مظہر بن گیا...... اللہ تعالیٰ کے اسماء اُس کے سامنے آنے لگے...... تو وہ اُن اسماء کی حفاظت کرنے لگا اور اُس کی صفات میں غور و فکر کرنے لگا اور اپنے دل میں ”اَلرَّحْمٰنُ“ ”اَلرَّحِيْمُ“ ”اَلْجَمِيْلُ“ ”اَلْحَلِيْمُ“ ”اَلْبَرُّ“ ”اَللَّطِيْفُ“ ”اَلْمُحْسِنُ“ ”اَلْوَدُوْدُ“ ”اَلْكَرِيْمُ“ ”اَلْعَظِيْمُ“ وغیرہ صفات کا استحضار کرنے لگا۔ اس استحضار کے نتیجہ میں ذات ”اَلْبَارِيْ“ کے ساتھ تو اُنس اور ذات ”اَلْعَظِيْمُ“ کے ساتھ محبت اور ذات ”اَلْعَلِيْمُ“ کے ساتھ اُسے قرب حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق، اطاعت و محبت کا نتیجہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا، اُس کے احکامات کو پورا کرے گا، منع کردہ چیزوں سے بچے گا اور اپنی محبت میں سچا ہوگا، وہ تعلق کا ذائقہ، قرب کی لذت اور مناجات کی سعادت کو حاصل کرے گا۔“[5]

---

[1] تفسیر عثمانی: ۳۰۷ حاشیہ ۲، ھود: ۹۰

[2] البروج: ١٤ [3] تفسیر عثمانی: ٧٨٦ حاشیه ٤

[4] "قَالَ الْقُرْطَبِيُّ: فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ، أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ "الْوَدُوْدُ" عَلَى الْإِطْلَاقِ، اَلْمُحِبُّ لِخَلْقِهٖ، وَالْمُثْنِيْ عَلَيْهِمْ وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ." (النهج الاسمٰى: ٤٢٢/١)

[5] وَمَنْ أَنِسَ بِاللّٰهِ أَنِسَ بِالْحَيَاةِ، وَسَعِدَ بِالْوُجُوْدِ، وَتَلَذَّذَ بِالْأَيَّامِ، قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ، وَفُؤَادُهٗ مُسْتَنِيْرٌ، وَصَدْرُهٗ مُنْشَرِحٌ، نُقِشَتْ مَحَبَّةُ =

الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُهٗ کن بندوں سے محبت فرماتے ہیں

واقعہ نمبر ⑧: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا وہ دوسری بستی میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو اس کا منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا: ''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

اس نے کہا: ''اس بستی میں میرا بھائی ہے، اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔''

فرشتہ نے کہا: ''کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟''

وہ کہنے لگا! ''نہیں (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُهٗ کے لئے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتہ نے کہا: ''بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ)

''أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے کتنی محبت ہے کہ مخلوق پر کسی قسم کا ظلم، کسی کی طرف سے بھی ہو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دشمنی و انتقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، یہاں تک کہ درختوں، پودوں اور بے زبان جانوروں کو بلاوجہ نقصان پہنچانا بھی پسندیدہ نہیں۔

واقعہ نمبر ⑨: ایک چیونٹی نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا۔ انہوں نے چیونٹیوں کی بستی کو جلانے کا حکم دیا تو بستی جلا دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ فرمایا:

''آپ نے ایک ایسی پوری امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی جب کہ ایک ہی چیونٹی نے آپ کو کاٹا تھا۔''[2]

اللّٰهِ فِيْ قَلْبِهٖ، وَسَكَنَتْ صِفَاتُ اللّٰهِ فِيْ ضَمِيْرِهٖ، وَمَثُلَتْ أَسْمَاءُ اللّٰهِ أَمَامَ عَيْنَيْهِ، فَهُوَ يَحْفَظُ أَسْمَائَهٗ، وَيَتَأَمَّلُ صِفَاتَهٗ، وَيَسْتَحْضِرُ فِيْ قَلْبِهِ الرَّحْمٰنَ، اَلرَّحِيْمَ، اَلْجَمِيْلَ، اَلْحَلِيْمَ، اَلْبَرَّ، اَللَّطِيْفَ، اَلْمُحْسِنَ، اَلْوَدُوْدَ، اَلْكَرِيْمَ، اَلْعَظِيْمَ ...... إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْجَلَالِ وَأَسْمَاءِ الْكَمَالِ، فَتَثْبُرُ أُنْسًا بِالْبَارِيْ، وَحُبًّا لِلْعَظِيْمِ، وَقُرْبًا مِنَ الْحَلِيْمِ.

إِنَّ الْأُنْسَ بِاللّٰهِ ثَمَرَةٌ لِلطَّاعَةِ، وَنَتِيْجَةٌ لِلْمَحَبَّةِ، فَمَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَامْتَثَلَ أَمْرَهٗ وَاجْتَنَبَ نَهْيَهٗ وَصَدَقَ فِيْ مَحَبَّتِهٖ، وَجَدَ لِلْأُنْسِ طَعْمًا وَلِلْقُرْبِ لَذَّةً، وَلِلْمُنَاجَاةِ سَعَادَةً. (الله أهل الثناء والمجد: ١٠٦ (بالاختصار)

[1] مسلم، البر والصلة، فضل الحب في الله تعالىٰ: ٣١٧/٢

[2] مسلم، السلام، النهي عن قتل النملة: ٢٣٦/٢

اس لئے کہ عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم کی سزا نہ دی جائے، یہ بات اہل اللہ کی شان سے مناسبت نہیں رکھتی۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دیگر انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں اور تمام انسانی صفات و عادات ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں، کسی کے تکلیف پہنچانے پر ناگواری ہونا اور غصہ ہوجانا انسانی عادت ہے۔ چناں چہ مذکورہ نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی بات پیش آئی۔

قصہ سے حاصل شدہ باتیں

اس واقعہ میں ہمارے لئے بہت سے فوائد اور سبق پوشیدہ ہیں:

1. اگر کوئی چیونٹی ایذاء پہنچائے مثلاً کاٹ لے تو اس کو مار سکتے ہیں، لیکن بلا کسی سبب و ایذاء کے چیونٹیوں کو مارنا جائز نہیں۔ اسی طرح دوسرے بے ضرر اور معصوم جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔

چناں چہ ایک حدیث میں صراحتاً چار جانوروں کا نام لے کر حضور ﷺ نے ان کے قتل سے منع فرمایا۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُد ہُد اور صرد (ایک خاص پرندہ ہے)۔[1]

البتہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے مثلاً: سانپ، بچھو وغیرہ۔

2. کسی بھی جان دار کو آگ میں جلانا بالکل ناجائز ہے۔ شریعتِ محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ میں یہ بالکل حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی:

''آگ کا عذاب، آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔''[2] (البتہ شاید پچھلی شریعتوں میں اس کی اجازت رہی ہوگی)۔

3. کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم میں قتل کرنا جائز نہیں، جس نے جرم کیا ہے سزا اسی کو ملنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہی فرمایا: ''فَهَلَّا نَمْلَةً وَّاحِدَةً'' ...... ''ایک ہی چیونٹی کو ہلاک کیوں نہ کیا؟

یعنی سب سے انتقام لینے کا کیا تقاضا تھا؟

4. چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔''[3]

5. اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی تسبیح کرنے والے کو بلاوجہ ہلاک کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک وہ زندہ رہے گا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح کرتا رہے گا۔

---

[1] ابوداؤد، الادب، في قتل الذر: ۲/۳۵۸

[2] ابوداؤد، الادب، باب في قتل الذر: ۲/۳۵۸

[3] الإسراء: ٤٤

❻ چیونٹی بھی ایک پوری امت ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی جو بے شمار امتیں ہیں، ان میں سے چیونٹی ایک مستقل امت ہے۔
ماہرینِ حیوانات کی تحقیق کے مطابق چیونٹی حشرات الارض میں سب سے زیادہ عقل مند جانور ہے اور اپنے زندگی کے نظام کو ایک مستقل اور مربوط طریقہ سے چلاتی ہے۔

ماہرینِ حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیاتِ اجتماعی اور نظامِ سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شؤنِ بشریہ (انسانی عادات) سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں میں بھی خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاونِ باہمی کا جذبہ..... تقسیمِ عمل کا اصول ..... اور نظامِ حکومت کے ادراکات ..... نوعِ انسانی کے مشابہہ پائے جاتے ہیں۔ محققینِ یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

''جب کوئی دشمن چیونٹیوں کی بستی کا رُخ کرتا ہے تو سب چیونٹیاں کام روک دیتی ہیں اور لشکرِ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلتی ہیں..... پہلے ان میں سے ایک آگے جاتی ہے تاکہ دشمن کے متعلق اطلاعات حاصل کرے اور جا کر قوم کو بتائے۔ چناں چہ وہ واپس جا کر سب کو بتاتی ہے جو کچھ اس نے معلومات حاصل کی ہوتی ہیں، پھر تھوڑی دیر بعد تین یا چار چیونٹیاں نکلتی ہیں۔ ان کے پیچھے چیونٹیوں کا ایک پورا لشکر ہوتا ہے۔ پھر جو مقابلہ پر آتا ہے یہ اسے ڈستی اور کاٹتی ہیں۔[1]

غرض چیونٹی بظاہر تو ایک حقیر سا کیڑا ہے، لیکن فی الواقع وہ ایک بڑا عقل مند اور منصوبہ ساز جانور ہے اور اس کی نسل ایک پوری اُمت ہے اور نہ صرف چیونٹی بل کہ دیگر تمام حیوانات، چرند پرند، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) غرض جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی جان دار مخلوقات ہیں، سب الگ الگ امت کی حیثیت رکھتی ہیں۔[2]

یہ ''اَلْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی اپنی مخلوق سے محبت ہے اور پھر نوعِ انسانیت سے تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہے۔ انسان کو بھی چاہئے کہ اس ذات سے ان ہزار ہا نعمتوں کے سبب محبت میں دِن بدن اضافہ کرے تاکہ ''اَلْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی معرفت مضبوط ہوتی جائے۔

جب محبت کرنے والے کا حال اور معرفت مضبوط ہو جاتی ہے تو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی سے کوئی چیز نہیں روکتی اور وہ بظاہر مخلوق کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس کا دل سب سے اونچی جگہ پر ہوتا ہے۔ جیسے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''ان کے جسم تو دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کا دل سب سے اعلیٰ جگہ پر ہوتا ہے''[3] عبادت گزار کے لئے آرام کی جگہ جنت میں طوبیٰ کا درخت ہی ہے، محبوب کا دل محبوب کی یاد سے کبھی نہیں بھرتا، سچا

---

[1] تفسیر عثمانی: ۵۰۴ حاشیہ ۳، سورۃ النمل: آیت ۱۷
[2] چیونٹی کی پیدائش، اس کے رہن سہن میں کتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اس کے لئے کتاب ''چیونٹی ایک معجزہ'' مصنف ہارون یحییٰ صاحب، کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا۔
[3] صفة الصفوة: ۱/۱۷۳، كلمات منتخبة من كلامه .....

عاشق وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کرے اور اس کی حدود کی حفاظت نہ کرے۔

"اَلْمَحَبَّةُ هِيَ مُوَافَقَةُ الْمَحْبُوْبِ عَلٰی جَمِيْعِ الْأَحْوَالِ"

محبت اسے کہتے ہیں کہ ہر حال میں محبوب کی موافقت ہو، جیسے ایک عربی شاعر نے کہا ہے: ؎

إِنَّ هَوَاكَ الَّذِيْ بِقَلْبِيْ صَيَّرَنِيْ سَامِعًا مُطِيْعًا

ترجمہ: "اے اللہ! آپ کی محبت نے میرے دل میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ آپ کا فرمان سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی میری زندگی کا حاصل ہے۔"

حضرت داؤد طائی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی رات کی تنہائی میں اپنے ربّ سے مناجات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

میرے محبوب! تیرے غم نے مجھے دوسرے غموں سے بے نیاز کر دیا، تیری محبت میری نیند پر غالب آگئی اور تہجد میں اُٹھنا آسان ہوگیا۔ تیرے دیدار کے شوق اور تڑپ نے مجھے کسی اور طرف دیکھنے سے بے گانہ کر دیا، میرے دل کی چاہتوں پر تجھ سے ملاقات کا شوق غالب آگیا۔ میں تو اے کریم! تیری محبت کا اسیر (قیدی) ہوں، ایسی قید جس پر ہزار آزادیاں قربان۔"[1]

محبت الٰہی میں جان کا نذرانہ

واقعۂ ملتِ مبین (۱۰): آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے ایک قاصد کو مسیلمہ کذاب (نبوت کے جھوٹے دعوے دار) کے پاس پیغام دے کر بھیجا اور اس نے قاصد کو جیل میں ڈال دیا اور سخت تکلیف پہنچائی، پھر ایک خاص دن اپنی قوم والوں کو جمع کیا اور اس قاصد کو لایا گیا۔ اور مسیلمہ کذاب نے اس سے کہا: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" تو قاصد (جن کا نام حبیب بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھا) نے جواب دیا:

"ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

مسیلمہ بہت غصہ ہوا اور کہا: "تو میرے لیے بھی اس کی گواہی دیتا ہے؟"

تو حبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مذاق اڑانے والے انداز میں کہا: "نہیں میں تمہاری بات پر کان بھی نہیں دھرتا" مسیلمہ غصے میں لال پیلا ہوگیا اور چیخ کر اپنے جلاد کو حکم دیا: اس کو اس طرح وحشیانہ طور پر قتل کرو کہ جس طرح ایک وحشی جانور انسان کو چیر پھاڑتا ہے۔ جلاد نے اپنی تلوار کی نوک سے حضرت حبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تکلیف پہنچائی اور زندہ حالت میں تڑپا تڑپا کر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، لیکن اس بدترین ظلم نے بھی حضرت حبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کے کلمہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" سے نہیں ہٹایا اور وہ اس پر آخری وقت تک قائم تھے، یہاں تک کہ ان کی پاک روح نے اپنے ربّ سے ملاقات کی۔[2]

[1] صفوة الصفوة: ۳/۹۳، داود بن نصير الطائي.

[2] صور من حياة الصحابة، حبيب بن زيد الانصاري: ۳۱۲ تا ۳۱٤

حضرت حبیب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی روح کو اپنے حبیب کے لئے بیچا یعنی اپنی زندگی ان کے نام پر قربان کردی اور خود ہی اس عذاب کو خوشی سے برداشت کیا اور اپنے معاملہ کو ''الْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے سپرد کیا، تو اس وجہ سے کرب و تکلیف کی آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کردی گئی! سو کیا ہی عظمت و بزرگی تھی اور کیا ہی محبت و فدائیت تھی اور کیا ہی صبر وایمان تھا۔

''الْوَدُوْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے محبت کی تدبیریں

❶ غور وفکر اور سمجھ کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کے معانی اور مطلب کو سمجھنا۔ جیسے کوئی شخص کسی کتاب کی شرح کرتے ہوئے کتاب والے کی مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، ایسے ہی اللہ ربُّ العزت کی کتاب میں تدبر اور غور کرنا چاہئے تاکہ اس کی چاہت کے مطابق چلے اور اس کی محبت ومعرفت نصیب ہو۔

❷ اللہ ربُّ العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی کثرت۔ اس لئے کہ نوافل محبوبیت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہر وقت اللہ ربُّ العزت کے ذکر میں مشغول رہنا۔ زبان سے...... دل سے ...... عمل سے...... حال سے...... جس قدر ذکر ہوگا، اس قدر محبتِ الٰہی حاصل ہوگی۔

❸ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ ربُّ العزت کی محبوب چیزوں کی خاطر قربان کردینا۔ اللہ ربُّ العزت کے اسما وصفات میں دل کی گہرائیوں سے غور کرنا۔ کیوں کہ جس نے اللہ ربُّ العزت کی معرفت اس کے اسماء وصفات کے ذریعے حاصل کرلی وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔ اللہ ربُّ العزت کے اِحسانات وانعامات اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو سوچنا کیوں کہ احسانات کا استحضار محبت کا سبب ہے۔

❹ جب اللہ ربُّ العزت دنیاوی آسمان پر اپنی شان کے موافق نزول فرماتے ہیں (یعنی تہجد کے وقت)، اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنا تاکہ اس کے ساتھ مناجات (دعا) کی جاسکے اور اس کے کلام کی تلاوت کی جاسکے اور آدابِ عبودیت کو اختیار کرکے دل میں اس کی معرفت کا نور حاصل کیا جاسکے، پھر اس خلوت کو استغفار اور توبہ پر ختم کرنا۔

حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وہ شخص میری محبت کے دعوٰی میں جھوٹا ہے جو رات کو سو جائے۔ کیا ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کو پسند نہیں کرتا''؟[1]

محبین صادقین کی مجلس اختیار کرنا اور ان کے پاکیزہ کلام کے خوشوں کو چننا۔

اور اس گناہ سے دوری اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے محبت کرنے والے منازلِ محبت طے کرگئے اور انہوں نے محبوب کی بارگاہ میں باریابی حاصل

[1] حلیة الأولیاء: ۱۰۲/۸، رقم: ۱۱۵۰۹

کر لی اور ان تمام باتوں کا سرمایہ دو چیزیں ہیں:

① اپنے آپ کو چھوٹے بڑے اور ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرنا۔

② دل میں ایسی کیفیت کا ہونا جس سے گناہوں سے دوری نصیب ہو۔

❺ شیخ محمد حمود فرماتے ہیں: مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی اتباع کریں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بچے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

پھر اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر (حکموں) کو پورا کر کے اور اس کے منع کردہ چیزوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کریں، جیسے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور احسانات کی کثرت سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی محبت کرے جتنی اللہ پاک اُس سے محبت فرماتے ہیں۔

اور اس بات کو جان لو کہ گناہوں سے بچ کر اللہ پاک سے اپنی محبت کا اظہار کرنا، نیکیوں کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ نیک اعمال کا ظہور کبھی کبھی نیک و بد دونوں ہی سے ہو جاتا ہے۔ جب کہ گناہوں سے رُکنا صرف اور صرف کامل اور سچے مؤمن ہی سے ہو سکتا ہے۔[1]

محبتِ الٰہی کے لئے آسان دعا

اس اسم کے تحت یہ پیاری دعا یاد کر کے مانگتے رہنا چاہئے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ''[2]

تَرْجَمَہ: ''الٰہی! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور وہ کام جو مجھ کو تیری محبت نصیب کرے۔''

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شرح اسمائے حسنیٰ میں فرماتے ہیں:

اس اسم مبارک سے بندہ کے لئے سبق آموز حصہ یہ ہے: وہ لوگوں سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے محبت کرے۔ (جس کے لئے نمونہ اور مثال نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی ہے۔) کیوں کہ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دندانِ مبارک (غزوۂ اُحد میں) شہید ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے شفقت سے ان کے لئے دعا فرمائی: ''اے اللہ! میری

---

[1] فَيَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَّتَّبِعَ مَايُحِبُّهُ اللّٰهُ وَيَرْضَاهُ، وَيَتَجَنَّبَ مَايُبْغِضُهُ وَلَا يُحِبُّهُ، ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَّتَوَدَّدَ إِلٰى رَبِّهٖ بِامْتِثَالِ أَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ، كَمَا تَوَدَّدَ إِلَيْهِ بِإِدْرَارِ نِعَمِهٖ وَفَضْلِهٖ، وَيُحِبُّهُ كَمَا أَحَبَّهُ.

وَاعْلَمْ أَنَّ مِثَالَ مَحَبَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِتَرْكِ الْمَنَاهِيْ، أَكْثَرُ مِنْ مِّثَالِهَا بِسِوَاهَا مِنْ أَعْمَالِ الطَّاعَاتِ، فَالْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ قَدْ يَعْمَلُهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، وَالْإِنْتِهَاءُ عَنِ الْمَعَاصِيْ لَاتَكُوْنُ إِلَّا بِالْكَمَالِ أَوْ إِلَّا مِنْ مُّصَدِّقٍ. (النهج الاسمٰی: ۱/۴۲۳)

[2] ترمذی: ابواب الدعوات: ۲/۱۸۷

قوم کو ہدایت عطا فرما کہ یہ لوگ نادان ہیں۔‘‘[1] جو نبی ﷺ اپنے دانت مبارک شہید کرنے والوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرے اُمتی کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے نبی کی اقتدا کرتے ہوئے مخالفین کے لئے ہدایت کی دعا کرے۔[2]

فوائد و نصائح

1. اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی محبت کو اپنے اعمال کے ذریعے بڑھائیں اور مذکورہ بالا ۵ تدبیروں کو محبت الٰہی بڑھانے کے لئے اختیار کرے۔
2. جب بندہ ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کا محبوب بننے اور اس ذات کو اپنا محبوب بنانے والی زندگی گزارے گا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنانے والی دُعا کو خوب اہتمام سے مانگتا رہے گا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہیں تو دنیاوی زندگی کا لطف اٹھا سکے گا پھر دنیاوی چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گی اور وہ بندہ ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کا قریبی بندہ بن جائے گا۔
3. دشمنوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا مانگنا اور ان کے دِلوں میں ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی محبت پیدا کرنے کی فکر کرنا۔ دنیا میں بسنے والے سارے انسان کالے، گورے، عرب، عجم سب کے دلوں میں ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی محبت پیدا ہو جائے، سب کے دِلوں کا رخ دنیا کی چیزوں کی محبت سے ہٹ کر ’’الوَدُودُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی محبت کی طرف آ جائے اور دشمنوں سے بھی محبت کرے۔

---

[1] قَالَ: "رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ." رواه مسلم، الجهاد، غَزْوَةُ أُحُدٍ: ۱۰۸/۲

[2] حَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ أَنْ يَكُونَ كَثِيرَ التَّوَدُّدِ إِلَى النَّاسِ بِالطُّرُقِ الْمَشْرُوعَةِ وَمِنْ ذٰلِكَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (شرح الاسماء الحسنٰى: (للرازى) ۲۸۸)

المجید جل جلالہٗ

(بڑی بزرگی والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ أَيْ: مَحْمُوْدٌ مَاجِدٌ."[1]

ترجمہ: ابوعبیدہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"حمید مجید" (کے معنی اللہ پاک کے حق میں یہ ہیں کہ) وہ بزرگی والا اور ساری تعریفوں کے لائق ہے۔

❷ "مَجِيْدٌ: ذُوْ مَجْدٍ وَمَدْحٍ وَثَنَاءٍ وَكَرِيْمٌ."[2]

ترجمہ: علامہ ابن جریر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"المجید جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو بزرگی والی ہے، بہترین تعریف کے لائق اور کریم ہے۔

"المجید جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو شرافت وکرامت والی ہے، اس کے افعال حکمتوں سے بھرے ہوئے ہیں، اس کی عطائیں اور بخششیں بے شمار ہیں۔[3]

❸ علامہ شوکانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"المجید جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کے ذریعے بہت زیادہ احسانات کرنے والی ہے۔[4]

❹ اَللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ (الْمَجِيْدُ) تَمَجَّدَ بِأَفْعَالِهِ، وَمَجَّدَهُ خَلْقُهُ لِعَظْمَتِهِ.[5]

علامہ ازہری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ہی المجید ہے اپنے افعال کی وجہ سے، اور اس کی مخلوق

---

[1] مجاز القرآن: ۲۹۳/۱ [2] جامع القرآن: ۴۷/۱۲

[3] وَفِي الْمَقْصَدِ: (اَلْمَجِيْدُ) هُوَ الشَّرِيْفُ ذَاتُهُ، اَلْجَمِيْلُ أَفْعَالُهُ، اَلْجَزِيْلُ عَطَاؤُهُ وَنَوَالُهُ. (المقصد الاسنی: ۷۷ نقلاً عن النهج الاسمی: ۴۳۲/۱)

[4] وَقَالَ الشَّوْكَانِيُّ: (مَجِيْدٌ): كَثِيْرُ الإِحْسَانِ إِلٰى عِبَادِهِ، بِمَا يُفِيْضُهُ عَلَيْهِم مِّنَ الْخَيْرَاتِ. (فتح القدير: ۵۱۱/۲)

[5] اللسان: ۴۱۳۸/۵، نقلاً عن النهج الاسمی: ۴۲۳/۱

اس کی بزرگی، عظمت کی وجہ سے بیان کرتی ہے۔"

پس "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" اپنے عظیم افعال اور اپنی بلند صفات اور اپنے اچھے ناموں کی وجہ سے بڑی بزرگ اور عظیم ذات ہے۔ اس کی بزرگی کے سامنے اور کسی کی بزرگی نہیں ہے اور اس کی عظمت کے سامنے کسی اور کی عظمت نہیں ہے۔ اور اگر کسی اور مخلوق کی بڑائی اور اونچا مقام ہو تو وہ بھی "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی طرف سے عطا اور فضل ہے۔[1]

لہٰذا خوب سے خوب "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف بیان کیجیے، "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف سنئے اور "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف کو اور اس کی نعمتوں کو سوچئے۔ ہر مجلس میں، ہر جگہ آپ "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی تعریف بیان کریں گے، اس کی عظمت اس کی کبریائی لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کریں گے تو "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" بغیر مانگے عطا فرمائیں گے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کرب (شدت و تکلیف) کے موقع پر دعائے کرب مانگا کرتے تھے، جو یہ ہے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ."[2]

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نہایت عظیم بردبار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے۔"

یہ دعائے کرب ہے...... جو ہر پریشانی...... ہر کرب...... اور ہر مصیبت...... میں کام آنے والی دعا ہے۔ ایک مشہور تابعی سفیان بن عیینہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے پوچھا گیا کہ اس دعا کو "دعائے کرب" کیسے کہہ دیا گیا جب کہ یہ تو ساری کی ساری حمد و ثنا والی دعا اور مدح و ثنا والے جملے ہیں، یعنی اس دعا میں پریشانی دور کرنے کی درخواست تو سمجھ میں نہیں آتی؟

حضرت نے جواب دیا: "کیا تم نے وہ حدیثِ قدسی نہیں سنی کہ جس میں "الْمَجِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا ارشاد ہے:

"جس کسی کو میرے ذکر کرنے (یعنی قرآن مجید کی کثرتِ تلاوت) نے یہ موقع اور یہ وقت نہیں دیا کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ سکے اور مجھ سے دعا کرے، تو اس کو میں ان لوگوں سے زیادہ بہتر چیزیں عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگتے ہیں۔[3]"

امام سفیان رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنا...... اس کی حمد و ثنا کرنا...... اور اس کی تعریف کرنا...... بھی دعا ہی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بغیر مانگے سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔[4]

---

[1] فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لَهُ الْمَجْدُ، الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ بِأَفْعَالِهِ الْعَظِيْمَةِ وَصِفَاتِهِ الْعُلْيَةِ وَبِأَسْمَائِهِ الْحُسْنٰى، فَلَا مَجْدَ اِلَّا مَجْدُهٗ، وَلَا عَظَمَةَ اِلَّا عَظَمَتُهٗ، وَكُلُّ مَجْدٍ لِغَيْرِهٖ اِنَّمَا هُوَ مِنْهُ عَطَاءٌ وَتَفَضُّلٌ. (النهج الاسمىٰ: ۴۳۳/۱)

[2] البخاري، التوحيد، قول الله ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ﴾ (المعارج: ۴): ۱۱۰۴/۲

[3] ترمذي، ابواب القراء ات، رقم: ۲۹۲۶ [4] كتاب الدعاء: ۳۰

فَائِدَة: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف، کبریائی، عظمت بیان کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے جس سے بھی ملاقات ہو، جس مجلس میں بھی جائیں وہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو خوب بیان کرنا چاہیے۔

قرآنِ کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے اور دو جگہ قرآن کریم کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ آیا ہے: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾[1] اور دوسرا: ﴿إِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾[2] اور قرآنِ کریم کے لئے بھی ایک جگہ میں: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾[3] دوسری جگہ میں: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾[4] آیا ہے۔

درود شریف کے اخیر میں بھی اس اسم مبارک کا ذکر ہے۔ عجیب بات ہے کہ درود شریف کا اول "اَللّٰهُمَّ"...... اور آخر...... "إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" ہے۔

درود شریف کو "اَللّٰهُمَّ" سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں "حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" پر ختم کیا گیا ہے۔

بعض جلیل القدر حضرات ائمہ سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ "اَللّٰهُمَّ" اللہ تعالیٰ کے تمام "اسمائے حسنیٰ" کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعے دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے دعا کی جائے۔[5]

اور "حَمِيْدٌ وَ مَجِيْدٌ" اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفاتِ جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں۔

"الحمید جل جلالہٗ" وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور لائق ہو۔

"المجید جل جلالہٗ" وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجۂ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر "إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" کا مطلب یہ ہوا: "اے اللہ! تو تمام صفات جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے۔ اس لئے سیدنا محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر صلوۃ اور برکت بھیجنے کی آپ ہی سے درخواست ہے۔"

قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہے، وہاں بھی اللہ ربّ العزت کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے ان ہی کو بالکل اسی طرح خاتمۂ کلام بنایا گیا ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے:

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۚ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾[6]

---

[1] البروج: ۱۵ [2] ھود: ۷۳ [3] البروج: ۲۱ [4] ق: ۱

[5] شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "جلاء الافہام" میں اس پر بڑی نفیس اور فاضلانہ بحث کی ہے، جو اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔

[6] ھود: ۷۳

الغرض ”اَللّٰھُمَّ“ سے درود شریف کا آغاز اور ﴿اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بے حد بڑھ جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔[1]

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا جس کے ذریعے ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے ملی ہے۔ اس لئے یہ امت اللہ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان حضور ﷺ کی ہے۔

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح ان کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت اور رفعِ درجات کی دعا کی جائے۔

درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ...... وفاداری و انکساری کا نذرانہ...... اور ممنونیت و شکر گزاری کا اظہار...... ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت؟

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا جو خود ہم کو پہنچتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ہیں۔ جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ (یعنی ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت

[1] (صحیح البخاری، الانبیاء، باب ﴿یزفون﴾ النسلان فی المشي: ۱/۴۷۷)، معارف الحدیث: ۵/۳۸۹

کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقامِ عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت وسلامتی کی دعائیں کی جائیں۔

رحمت وسلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے..... اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے..... تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے، کیوں کہ ساری مخلوق میں ان ہی کا مقام سب سے بالا و برتر ہے اور شرک کی جڑ اور بنیاد یہی حرام عقیدہ ہے کہ خیر درحمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضے میں بھی سمجھی جائے یا کسی اور کو بھی اللہ کی مخصوص صفات میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار سمجھا جائے۔ بہرحال درود وسلام نے ہم کو نبیوں کے لئے دعا گو بنا دیا اور اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اور پیغمبر کا جو امتی پیغمبروں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہو، وہ خود اس پیغمبر کا یا کسی اور مخلوق کا پرستش کرنے والا کیسے ہو سکتا ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی نَائِیًا أُبْلِغْتُهٗ."[2]

تَرْجَمَہ: "جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا . . . . وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِیْدًا . . . . وَصَلُّوْا عَلَیَّ . . . . فَإِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِيْ حَیْثُ کُنْتُمْ . . . ."[3]

تَرْجَمَہ: "اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ . . . . اور میری قبر کو عید میلہ نہ بنا لینا . . . . اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو . . . . کیوں کہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو . . . . وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

فوائد ونصائح

❶ بندہ کو چاہئے کہ وہ یقین بنائے کہ بزرگی اور عظمت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ایسے افعال و اعمال کرے جن سے "اَلْمَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہو، مثلاً: قرآنِ کریم کی کثرت سے تلاوت . . . . نمازوں کی پابندی . . . . اپنے کھانے پینے، لباس اور رہن سہن میں نبی اکرم ﷺ کے طریقوں پر چلنے کی پابندی۔

---

[1] مستند مجموعہ وظائف: ۷۹

[2] شعب الایمان: ۱۴۰/۳، رقم: ۱۴۸۱

[3] ابو داؤد، المناسك، زیارة القبور، رقم: ۲۰۴۲

❷ ایسی بزرگ و برتر ذات پر اپنے یقین کو بڑھائے اور شرافت و بزرگی کی صفات اپنے اندر پیدا کرے، تاکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی کوئی کوتاہی باقی نہ رہے۔

❸ کم از کم ہر جمعہ کے دن ۳۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھے اور ہو سکے تو تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ لے۔

❹ اپنے اندر ایسی طلب و چاہت پیدا کرے کہ آخری دم تک بس اللہ تعالیٰ کی بزرگی و بڑائی میں لگا رہے کہ یہ اِنْ شَآءَ اللّٰہ جنت تک لے جانے کا ذریعہ ہے۔[1]

---

[1] المنهج للامام الجوزی: ۲۸٦

الباعث جل جلالہٗ

(زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ بَاعِثُ الرُّسُلِ إِلَى الْأُمَمِ بِالْأَحْكَامِ أَوِ الَّذِي يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ لِلْحَشْرِ وَالنُّشُوْرِ.
ترجمہ: ''الباعث جل جلالہٗ'' ہی وہ ذات ہے جو انبیاء اور رسولوں کو احکامات دیکر قوموں کی جانب مبعوث فرماتے ہیں اور ''الباعث جل جلالہٗ'' ہی حشر کے لئے تمام انسانوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

❷ بعض حضرات کا قول ہے: ''الباعث جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو بندوں تک بغیر کسی محنت کے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتی ہے جہاں سے ان بندوں کو گمان بھی نہیں ہوتا۔[1]

ہر ذی روح چیز مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کی جائے گی

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾[2]
ترجمہ: ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔''

سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾[3]
ترجمہ: ''اگر تجھے تعجب ہو...... تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے...... کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے...... تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے......؟''

حالاں کہ ''الباعث جل جلالہٗ'' وہ قادرِ مطلق ہے جو ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا اور پھر ہر چیز کے وجود میں

[1] وَقِيْلَ هُوَ الَّذِيْ يَبْعَثُ الْأَرْزَاقَ إِلَى عَبْدِهِ وَلَوْ لَمْ يَكْتَسِبْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (مرقاة: كتاب أسماء الله تعالىٰ: ٥/٩٠)

[2] الحج: ٧ [3] الرعد: ٥

کیسی کیسی حکمتیں رکھیں کہ انسان ان کا ادراک و احاطہ بھی نہیں کرسکتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ذات پہلی مرتبہ بالکل عدم سے ایک چیز کو وجود عطا کرسکتی ہے، اس کو دوبارہ وجود عطا کر دینا کیا مشکل ہے؟ انسان بھی جب کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو پہلی مرتبہ اس کو مشکل پیش آتی ہے اور اسی کو دوبارہ بنانا چاہے تو آسان ہو جاتا ہے۔ اور ''اَلْبَاعِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے لئے تو پہلی بار بھی مشکل نہ تھی۔

تو تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے تو قائل ہیں کہ پہلی مرتبہ تمام کائنات کو بے شمار حکمتوں کے ساتھ اسی نے پیدا فرمایا ہے، پھر دوبارہ پیدا کرنے کو کیسے محال اور خلافِ عقل سمجھتے ہیں؟

شاید ان منکرین کے نزدیک بڑا اشکال یہ ہے کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد انسان کے اجزا اور ذرّات دنیا بھر میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ ہوائیں ان کو کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں اور دوسرے اسباب و ذرائع سے بھی یہ ذرّات سارے جہاں میں پھیل جاتے ہیں، پھر قیامت کے روز ان تمام ذرّات کو جمع کس طرح کیا جائے گا؟ پھر ان کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا؟

مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس وقت جو وجود ان کو حاصل ہے اس میں کیا سارے جہاں کے ذرّات جمع نہیں؟

دنیا کے مشرق و مغرب کی چیزیں، پانی، ہوا اور ان کے لائے ہوئے ذرّات انسان کی غذا میں شامل ہو کر اس کے بدن کا جزو بنتے ہیں۔ اس مسکین کو بسا اوقات خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایک لقمہ جو وہ اپنے منہ تک لے جا رہا ہے، اس میں کتنے ذرّات افریقہ کے...... کتنے امریکہ کے...... اور کتنے مشرقی ممالک کے ہیں......؟

تو جس ذات نے اپنی حکمتِ بالغہ اور تدبیرِ امور کے ذریعہ اس وقت ایک ایک انسان اور جانور کے وجود کو سارے جہان کے منتشر ذرّات جمع کر کے کھڑا کر دیا ہے، کل اس کے لئے یہ کیوں مشکل ہو جائے گا کہ ان سب ذرّات کو جمع کر ڈالے؟

جب کہ دنیا کی ساری طاقتیں، ہوا اور پانی اور دوسری قوتیں سب اس کے حکم کی تابع اور مسخر ہیں۔ اس کے اشاروں پر اگر ہوا، پانی اور فضا اپنے اندر کے سب ذرّات کو جمع کر دیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ''اَلْبَاعِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت اور قدر کو پہچانا ہی نہیں۔ اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں۔ حالاں کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اپنی اپنی حیثیت کا ادراک و شعور رکھتے ہیں اور حکمِ حق کے تابع چلتے ہیں۔ ؎

خاک و باد و آب و آتش زندہ اند ‌ ‌ ‌ با من و تو مردہ باحق زندہ اند

تَرجَمۂ: ''مٹی، ہوا، پانی اور آگ (یہ چاروں عناصر) زندہ ہیں ــــــ میں اور تو اگرچہ ان کو مردہ سمجھتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے ہاں یہ بھی زندہ ہی ہیں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود جس طرح ان کا نبوت سے انکار قابلِ تعجب ہے، اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن سے انکار تعجب کی چیز ہے۔[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴾[2]

تَرجَمَہ: ''ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو درست کر دیں۔'' حاصل یہ ہے کہ تمہیں تو اس پر تعجب ہے کہ میت کے پھیلے ہوئے ذرّاتِ اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کیسے کیا جائے گا؟ اور اُن میں دوبارہ حیات کیسے ڈالی جائے گی؟

حالاں کہ یہ بات پہلے ایک مرتبہ مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ہر انسان کا وجود دُنیا میں پلتا اور بڑھتا ہے۔ وہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں، خطوں کے اجزاء اور ذرّات کا مرکب ہوتا ہے، تو جس ذاتِ قادر نے پہلی مرتبہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ذرّات کو ایک انسان کے وجود میں جمع کر دیا تھا، اب دوبارہ جمع کر لینا اس کے لئے کیوں مشکل ہوگا؟

اور جس طرح پہلے اس کے ڈھانچے میں رُوح ڈال کر زندہ کیا تھا، دوبارہ ایسا کرنے میں کیا حیرت کی بات ہے؟

قیامت کے دن ''الباعث جل جلالہٗ'' کا عجیب وغریب معاملہ

غور اس پر کرو کہ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل وصورت پر پہلے پیدا کیا گیا تھا، قدرتِ حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں اُنہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنیٰ فرق کے جمع کر دے گی۔ حالاں کہ یہ اربوں کھربوں انسان، ابتدائے دُنیا سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے۔ کس کی مجال ہے کہ ان سب کی شکلوں، صورتوں اور قد و قامت کی کیفیتوں کو الگ الگ یاد بھی رکھ سکے؟

مگر حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اسی پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزا و اعضاء کو دوبارہ اُسی طرح بنا دیں، بل کہ انسانی وجود کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی ہم ٹھیک اُسی طرح کر دیں گے جس طرح وہ پہلے تھیں۔ اس میں ''بنان'' یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ سب سے چھوٹے اجزا ہیں۔ جب ان چھوٹے اجزا کی دوبارہ ساخت میں فرق نہیں آیا تو بڑے بڑے اعضا ہاتھ پاؤں وغیرہ میں کیا فرق ہوگا۔

اور اگر غور کیا جائے تو ''شاید'' بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔

خصوصاً انسانی چہرہ جو چند مربع انچ سے زائد نہیں، اس کے اندر قدرتِ حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں

---

[1] معارف القرآن: ۱۷۴/۵ [2] القیامۃ: ۴

کھربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے، بوڑھے، عورت، مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے۔ اُس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں کہ اُن کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں، وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔

صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم و جدید ہر زمانے میں انگوٹھے کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں، ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد، پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمھیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوگا؟

ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہوگا، بل کہ اپنی سابقہ شکل وصورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کے ساتھ زندہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشأۃ ثانیہ (دوسری پیدائش) میں بھی بالکل وہی ہوں گے۔[1]

سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ دعوت دی ہے کہ (اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے) تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی؟

اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر، فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اُگا دیے۔ تو وہ اللہ جس طرح مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح تمھیں بھی دوبارہ زندہ کر دے گا۔[2]

﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[3]

تَرْجَمَہ: ”ہم نے ان دونوں یعنی زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں۔

(1) مثلاً قدرتِ خداوندی پر۔

---

[1] معارف القرآن: ۸/۶۲۳ [2] تفسیرِ عثمانی: ۴۴۳، الحج: ۵ [3] الدخان: ۳۹

(۲) آخرت کے امکان پر کیوں کہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔

(۳) جزا و سزا کی ضرورت پر۔

کیوں کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانۂ وجود بے کار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزا و سزا دی جائے، ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ حکمت سے بعید ہے۔

(۴) یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر اُبھارنے والی بھی ہے، کیوں کہ یہ ساری مخلوقات اُس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے خالق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔[1]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسی صفت پر غور کرے ''کہ اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا بالکل آسان ہے جیسے پہلے پیدا کیا'' اور اس بات کا استحضار کرے کہ یہ معاملہ اس کے ساتھ بھی ہوگا، لہٰذا دنیا کے تعیش سے نکل کر آخرت کی تیاری کرے، لوگوں کو دین کی طرف بلائے اور ان کو سیدھی راہ دکھلائے اور قیامت کے دن کی تیاری کی فکر پیدا کرے۔

❷ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالے گا تو دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجائیں گی، اس لئے دل صاف رکھنے کی کوشش کرے اور دل کی صفائی کے لئے یہ دعا مانگتا رہے۔

''اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ...... کَالثَّوْبِ الْاَبْیَضِ مِنَ الدَّنَسِ''[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا پاک کر دیجئے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔

---

[1] معارف القرآن: ۷۷۱/۷

[2] مسند احمد: ۲۳۱/۲، رقم: ۷۱۲٤

اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ایسا حاضر جو سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فَإِنَّهُ تَعَالٰى شَهِيْدٌ عَلٰى أَفْعَالِهِمْ، حَفِيْظٌ لِأَقْوَالِهِمْ، عَلِيْمٌ بِسَرَائِرِهِمْ وَمَا تُكِنُّ ضَمَائِرُهُمْ.[1]

ترجمہ: ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام افعال کو دیکھتے ہیں، بندوں کے اقوال پر محافظ ہیں (یعنی بندوں کے تمام اقوال اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہیں) اور بندوں کے رازوں سے بھی واقف ہیں۔ حتیٰ کہ ان باتوں سے بھی واقف ہیں جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

❷ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام اشیا پر مطلع ہے اور تمام آوازوں کو سنتی ہے خواہ وہ آوازیں ظاہر ہوں یا مخفی اور اللہ تعالیٰ تمام موجودات کو دیکھتے ہیں خواہ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے ذرّات ہوں یا بڑے بڑے اَجسام۔ اللہ تعالیٰ کے علم نے بندوں کے اعمال میں سے ہر اُس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو بندوں کے حق میں اور بندوں کے خلاف گواہی دیتی ہے۔[2]

❸ "اَلشَّهِيْدُ" کے معنیٰ "اَلْعَلِيْمُ" کے معنیٰ کے ساتھ ایک گونہ مناسبت رکھتے ہیں اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ "شَهِيْد" ہیں۔ "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہیں، یعنی پوشیدہ اور ظاہر دونوں کو یکساں طور پر جاننے والے ہیں۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو پوشیدہ ہو اور شہادۃ سے مراد وہ چیز ہے جو ظاہر ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ ظاہر اور مخفی سب سے باخبر ہیں۔

اگر صرف علم کا اعتبار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات "اَلْعَلِيْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اگر اسی علم کی نسبت غیب اور مخفی (یعنی چھپے ہوئے) امور کی جانب کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات "اَلْخَبِيْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے اور اگر اسی علم کی نسبت ظاہری

---

[1] التفسير لابن الكثير: ۸۹۱، الحج: ۱۷

[2] وَقَالَ السَّعْدِيُّ: "الشَّهِيْدُ" أَيِ الْمُطَّلِعُ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ، سَمِعَ جَمِيْعَ الْأَصْوَاتِ خَفِيِّهَا وَجَلِيِّهَا، وَأَبْصَرَ جَمِيْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ دَقِيْقِهَا وَجَلِيْلِهَا، صَغِيْرِهَا وَكَبِيْرِهَا، وَأَحَاطَ عِلْمُهُ بِكُلِّ شَيْءٍ الَّذِيْ شَهِدَ لِعِبَادِهِ وَعَلٰى عِبَادِهِ بِمَا عَمِلُوْهُ. (تيسير الكريم: ۵/۳۰۳، نقلاً عن النهج الاسمىٰ: ۱/۴۴۲)

امور کی طرف کی جائے تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات "اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہے۔[1]

یہ اسم قرآن کریم میں اٹھارہ مرتبہ آیا ہے، اِن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾[2]

ترجمہ: "آپ ﷺ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔"

۲ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾[3]

ترجمہ: "وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔"

۳ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾[4]

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ بطورِ گواہ کافی ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے اور ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے اور جو ہر چیز کے ذرّے ذرّے کے احوال سے باخبر ہے۔ مظلوم کی مظلومیت سے بھی باخبر ہے، بس اس کی نصرت کرے گا اور ظالم کے ظلم پر بھی اس کو سزا دے گا، خواہ دنیا میں یا پھر آخرت میں۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾[5]

ترجمہ: "اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔"

یہ یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآنِ کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہلِ کتاب کہلانے کے، مسلسل کلام اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو؟ یاد رکھو! تمہاری سب کاروائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا، رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔[6]

اس اسم مبارک "اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" میں ہمارے لئے دو سبق موجود ہیں۔ ویسے اسمائے حسنیٰ کے اسرار و خواص تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، لیکن اب تک بزرگوں کی کتابوں سے جو سمجھ میں آتے ہیں، ان میں سے دو سبق بہت اہم ہیں۔

اوّل توحید: اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ قرآن مجید میں اور دوسری آسمانی کتابوں میں توحید یعنی اپنی وحدانیت اہتمام

---

[1] وَفِي الْمَقْصَدِ: (اَلشَّهِيْدُ) يَرْجِعُ مَعْنَاهُ إِلَى (الْعَلِيْمِ) مَعَ خُصُوْصِ إِضَافَةٍ، فَإِنَّهٗ تَعَالٰى عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَالْغَيْبُ عِبَارَةٌ عَمَّا بَطَنَ وَالشَّهَادَةُ عَمَّا ظَهَرَ، وَهُوَ الَّذِيْ يُشَاهِدُ. فَإِذَا اُعْتُبِرَ الْعِلْمُ مُطْلَقًا فَهُوَ الْعَلِيْمُ. وَ إِذَا اُضِيْفَ إِلَى الْغَيْبِ وَالْاُمُوْرِ الْبَاطِنَةِ فَهُوَ الْخَبِيْرُ. وَإِذَا اُضِيْفَ إِلَى الْاُمُوْرِ الظَّاهِرَةِ فَهُوَ الشَّهِيْدُ. (النهج الاسمیٰ: ۴۴۱/۱)

[2] الانعام: ۱۹ [3] سبا: ۴۷ [4] النساء: ۱۶۶

[5] اٰلِ عمرٰن: ۹۸ [6] تفسیر عثمانی: ۸۰، حاشیہ: ۱

سے بیان کی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں مسلسل اس یقین اور عقیدے کو مستحکم کروا رہے ہیں اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق، بل کہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق ربُّ العالمین کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ﴾[1]

یعنی: ہم اپنی قدرت کاملہ اور وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کو دکھلاتے ہیں آفاق (عالم) میں بھی اور خود ان کے اپنے تن وبدن میں بھی۔

آفاق اُفق کی جمع ہے، آسمان کے نچلے کنارے کو کہا جاتا ہے۔ مراد آفاق سے اطراف عالم ہیں یعنی سارے عالم کی چھوٹی بڑی مصنوعات ومخلوقات، آسمان وزمین اور ان کے درمیانی مخلوقات میں سے ہر چیز کو دیکھو تو وہ اللہ جل جلالہٗ کے وجود اور اس کے علم وقدرت کے محیط ہونے اور اس کے یکتا ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اس سے زیادہ قریب کی چیز خود انسان کی اپنی جان اور جسم ہے۔ اس کے ایک ایک عضو اور اس میں کام کرنے والی باریک اور نازک مشینوں کو دیکھئے کہ ان میں انسان کی راحت وسہولت کے کیسے کیسے انتظام رکھے گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر ان نازک مشینوں کو اتنا مضبوط بنایا ہے کہ ستر اَسّی سال تک بھی وہ گھستی نہیں۔

انسان کے عام جوڑوں میں جو اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ اگر انسانی صنعت ہوتی تو فولادی اسپرنگ بھی گھس کر ختم ہو جاتے۔ یہاں ہاتھوں کی کھال اور اس پر لکھی ہوئی لکیریں اور خطوط بھی ساری عمر نہیں گھستے۔ جن میں کوئی ادنیٰ عقل و شعور کا آدمی بھی غور کرے تو اس یقین پر مجبور ہوگا کہ اس کی پیدا کرنے والی اور قائم رکھنے والی کوئی ایسی ذات ہے جس کے علم وقدرت کی کوئی انتہا نہیں اور جس کا مثل کوئی نہیں ہوسکتا۔[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دیگر اشیاء مثلاً سبزیوں اور پھلوں میں سے کسی کا رنگ...... کسی کی خوشبو...... کسی کا مزا...... کسی کی صورت وشکل...... کسی کا مخصوص موسم میں پیدا ہونا...... کسی کا خاص خطۂ زمین میں پیدا ہونا...... کسی کا پانی اور کسی کا شیرہ...... صاحبِ عقل وحکمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔

اسی طرح اخروٹ کی ساخت بالکل دماغ کی صورت کی سی ہے اور اس کا مغز بالکل بھیجے کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اس کی بناوٹ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دماغ کے لئے خصوصیت سے فائدہ مند ہے۔

پستے کی ساخت بتاتی ہے کہ وہ دل کی شکل پر ہے اور اس کا مغز بتاتا ہے کہ میں دل کے لئے مفید ہوں۔

انار گواہی دیتا ہے کہ میں سراپا خون ہوں اور دل وجگر کے لئے مفید ہوں۔ فالسہ اور جامن کا رنگ بتا رہا ہے کہ ہم

---

[1] حٰمٓ السجدة: ٥٣   [2] معارف القرآن: ٦٦٨/٧، حٰمٓ السجدة: ٥٣

جگر کے لئے نفع رساں ہیں۔

سیب کھلے منہ گواہی دے رہا ہے کہ میں دل کو طاقت دیتا ہوں اور میرے اندر فولاد ہے، لہٰذا خون پیدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے معدہ وجگر کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔[1]

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[2]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہلِ علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

اس میں تین شہادتوں کا ذکر ہے، ایک خود اللہ جل شانہ کی شہادت، دوسرے اس کے فرشتوں کی، تیسرے اہلِ علم کی۔ اللہ جل شانہ کی شہادت تو بطورِ مجاز ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام مظاہر و مصنوعات اللہ تعالیٰ کی توحید کی کھلی نشانیاں ہیں:

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید — وحدہٗ لاشریک لہ گوید

زمین سے اگنے والی گھاس کی ہر ہر پتی — زبانِ حال سے توحید کی دیتی ہے گواہی

اور ایک شاعر اللہ تعالیٰ کی توحید یوں بیان کرتا ہے:

وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَةٌ — تَدُلُّ عَلٰی أَنَّهٗ وَاحِدٌ

اور ہر چیز میں ایک نہ ایک ایسی نشانی موجود ہے — جو اللہ رب العزت کی وحدانیت پر دلیل ہے

اس کے علاوہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور کتابیں بھی اس کی توحید پر شاہد ہیں اور یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو گویا خود اس کی شہادت اس بات پر ہے کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔

دوسری شہادت فرشتوں کی ذکر کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اس کے تکوینی امور کے اہلکار ہیں۔ وہ سب کچھ جان کر اور دیکھ کر شہادت دیتے ہیں کہ لائقِ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

تیسری شہادت اہلِ علم کی ہے۔ اہلِ علم سے مراد انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اور علماءِ اسلام ہیں۔ اسی لئے امام غزالی اور ابنِ کثیر رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالیٰ نے فرمایا: ''اس میں علماء کی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اپنی اور اپنے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہلِ علم سے مطلق وہ لوگ مراد ہوں، جو علمی اصول پر صحیح نظر کر کے

---

[1] شرح اسماء حسنیٰ: ۲۲۵ (الازہری) [2] آلِ عمرٰن: ۱۸

یا کائناتِ عالم میں غور وفکر کرکے حق جل شانہ کی وحدانیت کا علم حاصل کرسکیں، اگرچہ وہ ضابطہ کے عالم نہ ہوں۔"[1]

دوسری جگہ سورۂ انعام میں بھی اللہ تعالیٰ توحید کی طرف بلا رہے ہیں کہ معبودِ برحق ایک ہی ہے۔

ایک مرتبہ اہلِ مکہ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیوں کہ ہمیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملا کہ جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالاں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے بھی اس کی تحقیق میں پوری کوشش کی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً﴾[2]

"آپ کہہ دیجئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے؟"

جس کے قبضے میں کل جہان اور سب کا نفع وضرر ہے۔ پھر آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد وہ معجزات اور آیاتِ بینات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے رسولِ برحق ہونے کے متعلق ظاہر فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد اہل مکہ کو خطاب کرکے یہ ارشاد فرمایا:

﴿اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "کیا تم سچ مچ یہی گواہی دوگے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔"[4]

مندرجہ بالا آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اِثبات اور شرک کی نفی واضح ہوگئی۔

دوسرا سبق یہ ہے: جب اللہ تعالیٰ "اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں، ہمارے ہر حال سے واقف ہیں تو ہمیں اپنے معاملات صاف رکھنے چاہئیں۔ اگر ہم نے کسی سے قرض لیا ہے تو ہمیں وقت پر ادا کرنا چاہئے، ٹال مٹول یا جان بوجھ کر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ خاص طور سے دینے والے نے امانت دار، دین دار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر دیا ہو تو بہت زیادہ اہتمام سے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر ہمارے والد دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں اور ان کی میراث میں مال، جائیداد یا اور کچھ ہمارے پاس ہو تو ان کے حق داروں کو دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، خصوصاً چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو ان کا پورا پورا حق دے دینا چاہئے۔

بخاری شریف میں ایک سبق آموز واقعہ مذکور ہے، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ جناب رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "ایک شخص جس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کیا اور ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود اپنی بساط بھر پوری کوشش کرلی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ ہوا۔

[1] معارف القرآن: ۲/۳٤، اٰلِ عمرٰن: ۱۸ [2] الانعام: ۱۹ [3] الانعام: ۱۹ [4] معارف القرآن: ۳/۲۹۵

"اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" پر یقین کا فائدہ

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ⑪: "ایک شخص نے بنی اسرائیل کے کسی شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے، اس نے کہا: گواہ لاؤ تاکہ میں انہیں قرض کے اس معاملہ پر گواہ بنالوں۔ قرض خواہ نے کہا:

"اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔" اس نے کہا: "اچھا کوئی کفیل (ضامن) لے آؤ۔" کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ ہی میرا ضامن اور کفیل ہے۔" اس نے کہا:

"تم نے سچ کہا" ...... اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے اس نے ایک ہزار دینار اسے قرض دے دیئے۔

قرض لینے والا اپنے کسی کام سے سمندر میں سفر پر گیا اور اپنا کام پورا کیا۔ فارغ ہونے کے بعد جب اس نے سمندر عبور کرنے کے لئے کشتی تلاش کی تاکہ اس پر سوار ہو کر اپنی مقررہ مدت پر، جو اس نے متعین کی تھی، قرض کی ادائیگی کے لئے پہنچ جائے تو اُسے کوئی کشتی نہ ملی۔ اس نے ایک بڑی لکڑی لی، اسے اندر سے کھود کر کھوکھلا کیا اور ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اور ایک خط قرض دینے والے کے نام لکھ کر رکھ دیا۔ پھر اس نے کھوکھلی جگہ کو اچھی طرح سے بند کر دیا اور اسے لے کر سمندر پر آگیا اور دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّيْ كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا اَلْفَ دِيْنَارٍ.... فَسَاَلَنِيْ كَفِيْلًا.... فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيْلًا.... فَرَضِيَ بِكَ.... وَسَاَلَنِيْ شَهِيْدًا فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا.... فَرَضِيَ بِكَ.... وَاِنِّيْ جَهَدْتُ اَنْ اَجِدَ مَرْكَبًا اَبْعَثُ اِلَيْهِ الَّذِيْ لَهٗ.... فَلَمْ اَقْدِرْ.... وَاِنِّيْ اَسْتَوْدِعُكَهَا." [1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار قرض کے طور پر لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا: میرا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ آپ کی ضمانت پر راضی ہوگیا۔ پھر اس نے گواہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا: میرے لئے اللہ تعالیٰ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے۔ وہ آپ کی گواہی پر راضی ہوگیا اور میں نے اب بہت کوشش کی کہ کوئی ایسی سواری ڈھونڈوں جس کے ذریعے اس کا قرض اس تک پہنچا سکوں، لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہوا اور میں اس قرض کی حفاظت آپ کے ہی سپرد کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک کہ وہ پانی میں داخل ہوگئی۔ پھر وہ واپس لوٹ آیا اور وہ پھر کشتی کی تلاش میں رہا کہ اپنے شہر کی طرف نکل جائے۔ اُدھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا سمندر کی طرف یہ دیکھنے کے لئے نکلا کہ شاید کوئی کشتی اس کا مال لے کر آئی ہو، اچانک اس نے وہی لکڑی جس میں مال تھا دیکھی۔ اس نے اسے یہ سوچ کر لے لیا کہ گھر والوں کو ایندھن کے طور پر جلانے میں کام آئے گی۔ گھر جا کر اس نے جو اسے چیرا تو اس میں اپنا

[1] بخاري، الكفالة، الكفالة في القرض: ۳۰۶/۱

مال اور خط پایا۔

پھر کچھ دنوں بعد قرض لینے والا شخص آگیا اور ہزار دینار لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میں مسلسل کشتی کی تلاش میں رہا تاکہ تمہارا مال لے کر تمہارے پاس آؤں، مگر مجھے اب سے قبل کوئی کشتی نہ ملی۔''

اس نے کہا: ''کیا تم نے مجھے کچھ بھیجا تھا؟''

اُس نے جواب میں کہا: ''میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کوئی سواری نہ پائی کہ اس میں آتا۔''

اس نے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس مال کی ادائیگی کردی ہے جو تم نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ لہٰذا اپنے ہزار دینار لے کر کامیاب واپس لوٹ جاؤ۔''[1]

امام قشیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اہلِ معرفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا مونس (غم خوار) نہیں بناتے، یعنی اپنے حالات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہیں کرتے۔ ہر حاجت، ہر ضرورت اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ذات ''اَلشَّہِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہمارے احوال سے واقف ہے۔''

آگے فرماتے ہیں:

''وَكَيْفَ لَا وَهُوَ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى...... وَيَسْمَعُ النَّجْوٰى...... وَيَكْشِفُ الضُّرَّ وَالْبَلْوٰى...... وَيَجْزِلُ الْحُسْنٰى ...... وَيَصْرِفُ الرَّدٰى ...... وَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى.''[2]

تَرجَمَہ: ''اور اس سے کوئی بات کیسے چھپ سکتی ہے؟ جب کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور سرگوشی کو سنتا ہے اور ہر مصیبت اور بلا کو دور کرتا ہے اور نیک کاموں کا بدلہ دیتا ہے اور ہلاکت کو دفع کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی حکومت اسی کے قبضے میں ہے۔''

فوائد و نصائح

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''وَحَظُّكَ مِنْهُ أَنْ تُرَاقِبَهٗ حَتّٰى لَا يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ وَلَا يَفْقُدُكَ حَيْثُ أَمَرَكَ.''[3]

1 اور تیرا حصہ (یعنی ایمان و عمل کی تقویت کے لئے روحانی غذا کے لئے) اس اسمِ مبارک سے یہ ہے کہ تو اس بات کا خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس جگہ میں نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور وہاں سے غائب نہ پائے، جہاں موجود

[1] قصص الحديث: ۲۲۷

[2] مرقاة، شرح مشكاة كتاب اسماء الله تعالىٰ: ۹۰/۵

[3] مرقاة، شرح مشكاة كتاب اسماء الله تعالىٰ: ۹۰/۵

ہونے کا حکم دیا ہے یعنی جن گناہوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اُن میں وہ ’’اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ ہمیں مشغول نہ پائے اور جن معروفات (نیکیوں) کا حکم دیا ہے ان پر عمل سے ہمیں غائب نہ پائے۔

۲ اور اس کے ’’اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ ہونے پر ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تو اپنی حاجتوں کو اس کے غیر کی طرف نہ لے جائے اور کسی کو دھوکہ نہ دے۔

۳ جہاں بھی ہو یہ یقین رکھے کہ ’’اَلشَّهِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ‘‘ میرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ چناں چہ خیانت، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، برا گمان کرنے سے بچے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(برحق و برقرار رہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْقُشَيْرِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ-: ''اَلْحَقُّ'' مِنْ أَسْمَائِهِ، وَهُوَ بِمَعْنَى الْمَوْجُوْدِ الْكَائِنِ.[1]

تَرْجَمَہ: ''''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے وجودِ برحق کے ساتھ موجود ہے۔''

❷ قَالَ ابْنُ الْأَثِيْرِ -رَحِمَهُ اللّٰهُ-: ''اَلْحَقُّ'' هُوَ الْمَوْجُوْدُ حَقِيْقَةً. أَلْمُتَحَقِّقُ وُجُوْدُهٗ وَ إِلٰهِيَّتُهٗ.[2]

تَرْجَمَہ: ''''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو حقیقۃً موجود ہو، اس کے وجود اور معبودیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہو۔''

❸ ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جس کے وجود سے انکار کی گنجائش نہ ہو اور اس کا ثبوت اور اس کے وجود کا اعتراف لازمی ہو، صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا وجود ہی اس بات کے لائق تر ہے کہ اس کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے، اس ذاتِ حق جَلَّ جَلَالُہٗ کے وجود سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ ایسی کوئی بات واضح دلائل سے ثابت نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو خلاف واقع ثابت کرسکے۔[3]

قرآنِ کریم ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی برحق اور سچی کتاب ہے

وَاقِعَہ نمبر ⑫: ایک شخص نے یہ جانچنا چاہا کہ کون سا دین صحیح ہے، وہ عمدہ اور خوش خط کاتب بھی تھا، اس کے لئے

[1] التحبير في التذكير: ٨٦

[2] النهاية: ٤١٣/١، كلها عن النهج الأسمى: ١١،١٠/٢

[3] قَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: (اَلْحَقُّ) مَا لَا يَسَعُ إِنْكَارُهٗ، وَيَلْزَمُ ثُبُوْتُهٗ وَالْإِعْتِرَافُ بِهٖ، وَوُجُوْدُ الْبَارِيْ عَزَّ ذِكْرُهٗ أَوْلٰى مَا يَجِبُ الْإِعْتِرَافُ بِهٖ، وَلَا يَسَعُ جُحُوْدُهٗ إِذْ لَا مُثْبِتَ يَتَظَاهَرُ عَلَيْهِ مِنَ الدَّلَائِلِ الْمُبَيِّنَةِ الْبَاهِرَةِ، مَا تَظَاهَرَتْ عَلٰى وُجُوْدِ الْبَارِيْ -جَلَّ جَلَالُهٗ-. (الاسماء والصفات للبيهقي: ١٣،١٢)

اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تورات، انجیل اور قرآنِ کریم کی انتہائی خوب صورت کتابت کی، تاہم درمیان میں کمی بیشی بھی کر دی۔

پھر تورات کو لے کر علمائے یہود کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور خوب صورت کتابت پر اسے انعام سے نوازا۔

انجیل کا نسخہ عیسائی پادریوں کے پاس لے کر گیا، انہوں نے اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بڑی رقم دے کر اس خوش خط نسخے کو خریدا۔

اس کے بعد قرآنِ کریم کا نسخہ علمائے اسلام کی خدمت میں لایا، انہوں نے جب اس میں کمی بیشی دیکھی تو پکڑ کر اس کی ٹھکائی کر دی اور اسے حاکم کے پاس لے کر گئے، حاکم نے "تحریفِ قرآن" کے جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا، تب اس نے اصل حقیقت بتائی اور کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" میں مسلمان ہوں لیکن میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کون سا دین صحیح اور محفوظ ہے تو میرے اس تجربے سے ثابت ہو گیا کہ دینِ اسلام ہی ایک محفوظ دین ہے، (اور قرآن کریم "الحق جل جلالہ" کی حق اور سچی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی بھی تحریف نہیں کر سکتا)۔[1]

"الحق جل جلالہ" کا حق کسی اور کو دینا شرک ہے

عبادت کے معنی یہ ہیں کہ کسی ذات کی انتہائی عظمت ومحبت کی بناء پر اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہی شرک کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اسی کو نہیں کہتے کہ بت پرستوں کی طرح کسی پتھر کی مورتی وغیرہ کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھے، بل کہ کسی کی عظمت......محبت......اطاعت......کو وہ درجہ دینا جو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے یہ بھی شرک جلی میں داخل ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے شرک کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[2]

ترجمہ: "ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے۔"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مسلمان ہونے سے پہلے نصرانی تھے انہوں نے اس آیت کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "ہم تو اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے، پھر قرآن میں ان کو معبود بنانے کا الزام ہم پر کیسے لگایا گیا؟"

[1] فَلَمَّا أَرَادَ قَتْلَهُ أَشْهَرَ إِسْلَامَهُ، وَأَخْبَرَهُمْ بِقِصَّتِهِ وَأَنَّهُ امْتَحَنَ الْأَدْيَانَ فَعَرَفَ أَنَّ الْإِسْلَامَ دِيْنٌ حَقٌّ. (صفوة التفاسير للصابوني): ۹۸/۲، ۹۹ (کتابوں کی درس گاہ میں، حفاظت قرآن: ۱۸۲) [2] التوبة: ۳۱

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے علماء بہت سی ایسی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور تم اپنے علماء کے کہنے پر ان کو حرام ہی سمجھتے ہو اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تمہارے علماء ان کو حلال کر دیتے ہیں تو تم ان کے کہنے کا اتباع کر کے حلال کر لیتے ہو؟''

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''بے شک ایسا تو ہے۔''

اس پر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہی تو ان کی عبادت ہے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف حق تعالیٰ کو ہے جو شخص اس میں کسی دوسرے کو شریک قرار دے اور اللہ تعالیٰ کے احکام حرام و حلال معلوم ہونے کے باوجود ان کے خلاف کسی دوسرے کے قول کو واجب الاتباع سمجھے وہ گویا اس کی عبادت کرتا ہے اور شرک میں مبتلا ہے۔[2]

وہ مخصوص مدد و نصرت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادرِ مطلق اور مختارِ کل سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگنا، یہ تو ایسا کھلا ہوا کفر ہے کہ عام مشرکین بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، اپنے بتوں، دیوتاؤں کو بالکل اللہ تعالیٰ کے مثل قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق یہ کفار بھی نہیں مانتے۔

❷ وہ استعانت جس کو کفار اختیار کرتے ہیں، قرآن مجید اس کو باطل و شرک قرار دیتا ہے۔ ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾[3] میں یہی مراد ہے کہ ایسی استعانت و امداد ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق فرشتے، ولی یا دیوتا، کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کامل اختیارات اسی کے ہیں، لیکن اس نے اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص (فلاں پیر، فلاں مجاور، فلاں عامل) کو بوجہ اس کے نیک اور مقرب ہونے کے سونپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے یہی وہ استعانت ہے جو مؤمن و کافر میں فرق اور اسلام و کفر میں امتیاز کرتی ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

اس معاملے میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کرتے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطے میں پڑ سکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار سپرد کر دیا ہے، یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بہت سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں، جن کو معجزات کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعے بھی ایسے ہی بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے، یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت و اختیار ان کے سپرد نہ کرتا تو ان کے ہاتھ

[1] التفسیر المظہری: ٤/١٩٥، التوبة: ٣١	[2] معارف القرآن: ١/٩٨	[3] الفاتحة: ٤

سے یہ کیسے وجود میں آتے؟

اس سے وہ انبیاء و اولیاء کو ایک درجہ میں مختارِ کل ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت یوں نہیں بل کہ معجزات اور کرامات براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف اس کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کو اس کے وجود میں لانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، قرآن مجید کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً آیت:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾[1] میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپ ﷺ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں جالگیں، اس کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی بل کہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ معجزہ جو نبی کے واسطہ سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ بلا لیجئے، تو انھوں نے فرمایا:

﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ﴾[2]

یعنی معجزہ کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضے میں نہیں، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آجائے گا پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

سورۂ ابراہیم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک جماعت کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾[3]

یعنی کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت (اجازت و ارادہ) کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے کوئی پیغمبر...... کوئی ولی...... جب چاہے جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھا دے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں، رسول کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بہت سے معین معجزات کا مطالبہ مشرکین نے کیا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا ظاہر کر دیا جس کو نہ چاہا نہیں ہوا۔ پورا قرآن کریم اس کی شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ عقیدہ تو یہی رکھنا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ انبیاء و اولیاء کی عظمت وضرورت کا بھی اعتراف ضروری ہے، اس کے بغیر رضائے الٰہی اور طاعتِ احکامِ خداوندی سے محروم رہے گا جس طرح کوئی شخص بلب اور پنکھے کی قدر نہ پہچانے اور ان کو ضائع کر دے تو روشنی اور ہوا سے محروم رہتا ہے۔[4]

---

[1] الانفال: ۱۷ [2] هود: ۳۳ [3] ابراهيم: ۱۱ [4] معارف القرآن: ۱/۱۰۰

''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی حقانیت کی دلیل

انسان اور اس کے اندر چلنے والا آٹو میٹک (خودکار) نظام، انسان کے اردگرد کا ماحول و معاشرہ، زمین و آسمان اور غرض کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ شانہ کی حقانیت کی دلیل ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے: ؎

تَاَمَّلْ سُطُوْرَ الْکَائِنَاتِ فَاِنَّھَا مِنَ الْمَلِکِ الْاَعْلٰی اِلَیْکَ رَسَائِلُ
وَقَدْ خَطَّ فِیْھَا لَوْ تَاَمَّلْتَ خَطَّھَا اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ[1]

کائنات کے رموز میں غور کر کہ یہ شہنشاہِ عالم (حق تعالیٰ) کی جانب سے پیغامات ہیں اگر تو ان پیغامات کی واضح تحریر پر غور کرے، تو تو یہ لکھا ہوا پائے گا کہ ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ماسوا سب کچھ فانی اور دھوکہ ہے۔

قرآن کریم میں دس (۱۰) مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾[2]

❷ ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾[3]

❸ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾[4]

حق یہ ہے کہ صرف ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی سے دعائیں مانگی جائیں

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ تمام کام اور یہ عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر اس کے سوا اور دوسروں کو معبود بنانے سے ڈرتے نہیں۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو ''خَالِقُ الْکُلِّ، مَالِکُ الْمُلْکِ، رَبٌّ مُطْلَقٌ'' اور ''مُتَصَرِّفٌ عَلَی الْاِطْلَاقِ'' ہو، اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو، جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے اور کیا رہ گیا، سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ تمام چیزوں کا مالک وہی ''اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی...... دن چھوٹا...... اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی...... ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر......، اسی طرح کبھی سردی......کبھی گرمی......، کبھی بہار...... اور کبھی خزاں......، موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و ارادے سے ہوتا ہے۔

پھر اپنی حاجتیں، ضرورتیں اس کے در کو چھوڑ کر اسی کے بنائے ہوئے انسانوں کے پاس (جو منوں مٹی کے نیچے مدفون ہو چکے ہیں اور جو خود تمہاری دعائے مغفرت کے محتاج ہیں) کیوں لے کر جاتے ہیں، یہ سراسر باطل ہے، حق یہ

---

[1] اللہ اھل الثناء والمجد: ۱۳۸

[2] الانعام: ۶۲ [3] یونس: ۳۰ [4] یونس: ۳۲

ہے کہ "الحیّ جل جلالہٗ" ہی کی عبادت کی جائے اور صرف اور صرف اسی سے دعائیں مانگی جائیں اور اللہ کے غیر سے نہ مانگی جائیں، اللہ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھی جائے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ بڑے سے بڑے بزرگ، ولی یا نبی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا مکمل محتاج ہونا، بندہ ہونا، مخلوق ہونا ہر ایک پر واضح ہو جاتا ہے، اب وہ خود کفن نہیں پہن سکتا، خود بستر سے اُٹھ کر نہانے نہیں جا سکتا، خود اپنی جنازہ کی نماز کے لئے لوگوں کو دعوت نہیں دے سکتا، خود اپنی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا، پھر قبر میں خود نہیں اُتر سکتا، ان تمام مراحل میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، کوئی اور اس کو کفن دیتا ہے، کوئی اور بستر سے اُٹھا کر چارپائی پر رکھتا ہے، پھر کندھا دے کر نمازِ جنازہ کے لئے لے جاتے ہیں۔ آج تک جو لوگ دعا کی درخواست کرنے اس کے پاس آتے تھے وہ سب اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا... اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ." کہ اے اللہ! ہمارے زندوں اور مُردوں کی مغفرت فرما اور اے اللہ اس میت کی مغفرت فرما، گویا خود وہ اب اپنے لئے اپنی مغفرت کے لئے بھی دعا نہیں کر سکتا، لوگ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، خود قبر میں نہیں لیٹ سکتا، لوگ قبر میں اتارتے ہیں، ان باتوں کے ذریعے ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ مخلوق ہیں، یہ بندے ہیں، یہ خود فقیر اور محتاج ہیں۔

اب کتنا ظلمِ عظیم ہے کہ ایسے محتاج شخص کو جب قبر میں ڈال کر دفن کر دیا گیا تو اب اس سے مرادیں مانگنا، اس کی قبر پر دور سفر کر کے جانا، قبر پر راتوں کو قیام کرنا، اس پر چادریں چڑھانا، اس کے پتھر کو مبارک سمجھ کر ہاتھ پھیرنا، یہ سب ناجائز اور حرام ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔

"الحیّ جل جلالہٗ" سے تہجد کے وقت مانگنے کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز پڑھنے اٹھتے تو "الحیّ جل جلالہٗ" کا واسطہ دے کر تہجد میں دعا اس طرح مانگتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ ..... وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ ..... وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ ..... وَوَعْدُكَ الْحَقُّ ..... وَقَوْلُكَ حَقٌّ ..... وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ ..... وَالنَّارُ حَقٌّ ..... وَالسَّاعَةُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ ..... وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ." [1]

ترجمہ: "اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو ان میں ہے، تو ان سب کا نور ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے، تو ان سب کی ہستی برقرار رکھنے والا ہے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، دراصل موجود تو ہی ہے، تیرا وعدہ ٹل نہیں سکتا، تیرا فرمان برحق ہے، تیری ملاقات ضرور ہونی

[1] بخاري، الدعوات، باب إذا انتبه من الليل: ٢/٩٣٥

ہے، جنت واقعی موجود ہے اور دوزخ بھی واقعی موجود ہے، قیامت ضرور آنی ہے، تیرے جتنے نبی ہیں سب برحق ہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر ہیں۔"

فوائد و نصائح

1. اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نہ دے، یعنی عبادت اور دعا کے لائق صرف اور صرف "اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی کو مانے، کیوں کہ بندگی اور دعا کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔
2. "اَلْحَقُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی برحق کتاب قرآن کریم کو پڑھنے اور اس کو سمجھنے کا اہتمام کرے۔
3. اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دُعا کو اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(کارساز، کام بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْوَكِیْلُ: وَهُوَ الْمُوَكَّلُ..... وَالْمُفَوَّضُ إِلَیْهِ عِلْمًا..... بِأَنَّ الْخَلْقَ وَالْأَمْرَ لَهُ ..... لَا یَمْلِكُ أَحَدٌ مِنْ دُوْنِهٖ شَیْئًا." [1]

امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ اس بات کو جانتے ہوئے سب کام اسی کے سپرد کیے گئے ہوں کہ تمام مخلوقات اسی کی ہیں اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔

وکیل لغت میں اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ قرآنِ کریم میں ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا﴾ [2] کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے سب کاروبار، معاملات اور حالات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔

توکل یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسبابِ مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا تو توکل نہیں تعطّل (بے کار ہونا) ہے۔ [3]

❷ اللہ تعالیٰ "اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے کہ جملہ امور میں درستگی و اصلاح اسی سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ "اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے کہ نظامِ عالم کا اعتماد اسی کی ذاتِ مقدس پر ہے۔ اللہ تعالیٰ "اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے کہ عاجز نوازی، بندہ پروری اسی کی شان ہے۔ [4]

❸ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْوَكِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بندوں کے امور کی رکھوالی کرنے والا اور ان کے لائقِ مصلحت کاموں کا ذمہ دار ہو۔ [5]

---

[1] المنهاج ۱/۲۰۸ نقلا عن النهج الأسمٰی: ۲/۲۷ [2] المزمّل: ۹

[3] تفسیر عثمانی: ۱٤۸، المائدة: ۲۳ [4] شرح اسماء حسنیٰ: ۱۱۳ (منصور پوری)

[5] المرقاة، شرح مشكوة: ۵/۹۱

وکیل و کارساز ایک اور صرف ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، اس اسم مبارک کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا:

﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔''

یعنی یہاں تو ارشاد فرمایا کہ ''میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ'' اور سورۂ مزمل میں آیت نمبر ۹ میں ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے ''...... اللہ ہی کو وکیل بناؤ ......'' مطلب یہ کہ:

ایک طرف نہی ہے کہ ''میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔''

دوسری طرف اثباتاً حکم دیا گیا کہ ''مجھے ہی کارساز بناؤ۔''

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اور آپ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔''

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہا نہ مانئے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا (جماعت) بنالیں ...... سازشیں کریں ...... جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں ...... عیارانہ مشورے دیں ...... اپنی طرف جھکانا چاہیں ...... آپ کسی کی کچھ پروا نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے، اسی کے آگے جھکئے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے، اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنئے، اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔

وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا، اسی میں تمہاری بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تو وہ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا، دوسرا دل ہو تو کسی دوسری طرف جائے لیکن:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ﴾[3]

تَرْجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔''

---

[1] بنی اسرائیل: ۲ [2] الاحزاب: ۳ [3] الاحزاب: ٤

قرآن کریم میں چودہ مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[۱]

۲ ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[۲]

۳ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[۳]

سورۂ مزمّل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾[۴] ''اُسی ذات کو اپنا کارساز بنا لیجئے'' اس سورت میں جو احکام رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے ہیں یہ ان میں پانچواں حکم ہے۔

امام یعقوب کرخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقاماتِ سلوک (اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے راستوں) کی طرف اشارہ ہے یعنی:

۱ رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت (تنہائی)۔

۲ قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہنا۔

۳ ذکر اللہ پر ہمیشگی اختیار کرنا۔

۴ اللہ تعالیٰ کے غیر سے اِعراض وترکِ تعلق کرنا۔

۵ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔[۵]

توکل کے حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق ومغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی کفیل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہوسکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ......﴾[۶] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے (سب مہمات ومشکلات) کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔

وکیل کی صفت ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ کسی بات سے خوف نہیں کھانا چاہئے، اپنے سب کام ''اَلوَکِیلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے حوالے کردینے چاہئیں۔ اس لئے کہ وہ کارساز ہے اور اس بات کو وہ بار بار قرآن کریم میں سمجھاتا ہے۔

واقعہ نمبر (۱۳): سورۂ آلِ عمران میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کا اللہ تعالیٰ پر بے مثال بھروسہ بیان فرمایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی جماعت نے ظاہری اسباب اور ظاہری نقشوں کے خلاف جب اللہ تعالیٰ کو کارساز اور وکیل بنا لیا تو کیسے اس پر بھروسہ کیا اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کہہ کر جرأت اور مستعدی کا ثبوت دیا اور ڈر اور خوف

---

[۱] اٰلِ عمرٰن: ۱۷۳ [۲] ھود: ۱۲ [۳] الزمر: ۶۲ [۴] المزمل: ۹

[۵] معارف القرآن: ۸/۵۹۵، المزمّل: ۹ [۶] الطلاق: ۳

سے نجات پائی۔ جس کا اظہار واقعہ ''حَمْرَاءُ الْأَسَد'' سے ہوتا ہے کہ:

ابوسفیان جب اُحد سے مکہ واپس گیا تو راستے میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں۔

آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجود یہ کہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی پکار پر نکل پڑے، آپ ﷺ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام ''حَمْرَاءُ الْاَسَدْ'' تک (جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے) پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی، دوبارہ حملے کا ارادہ ختم کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔

جنگِ اُحد ختم ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر لڑائی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے قبول کر لیا، جب اگلا سال آیا تو حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو، اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ تعالیٰ کا رسول تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلا۔ تھوڑی دور چل کر کمرِ ہمت ٹوٹ گئی، رعب چھا گیا، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے، مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر پڑے۔

عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آرہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ وہ مدینے پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب وخوف زدہ ہو جائیں، انہوں نے مدینے پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کو ختم کرنے کی غرض سے تیار کیا ہے، یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوشِ ایمان بڑھ گیا، اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[1] ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے۔

آخر مسلمان حسبِ وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو ''بدر صغریٰ'' بھی کہتے ہیں۔ اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ اُحد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرأت کی، مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چناں چہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام ''جَيْشُ السَّوِيْق'' رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا، پی کر واپس آگیا۔[2]

---

[1] آل عمران: ۱۷۳

[2] ماخوذ از تفسیر عثمانی: ۹۳، حاشیہ: ۲

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر تیار ہو جانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت کا اس جہاد کے سفر میں تمام راستہ یہی جملہ وردِ زبان رہا اور اسی جملے کے جو فوائد و برکات قرآنِ کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بل کہ جو شخص بھی جذبۂ ایمانی (کامل یقین) کے ساتھ ان کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرے گا۔

اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبۂ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا۔ ہجومِ افکار و مصائب کے وقت اس کا پڑھنا مجرب ہے۔[1]

ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں

دلیل اوّل: یہاں یہ بات خصوصیت سے قابلِ غور ہے کہ رسولِ کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ تو دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا، لیکن آپ ﷺ کی صورتِ توکل یہ نہ تھی، کہ اسبابِ ظاہرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرما دے گا، نہیں بل کہ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا، زخم خوردہ لوگوں کے دلوں میں نئی روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے تیار کیا اور نکل کھڑے ہوئے، جتنے اسباب و ذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے، یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسولِ کریم ﷺ نے اس پر عمل کیا اور کرایا۔

اسبابِ ظاہرہ دنیویہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک کر دینا اس کی ناشکری ہے، ترکِ اسباب کر کے توکل کرنا سنتِ رسول ﷺ نہیں ہے، کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے، ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ

ع برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند

دلیل دوم: رسولِ کریم ﷺ نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[2] کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

واقعہ نمبر (۱۴): حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا آپ ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ

[1] معارف القرآن: ۲/۲۴۴ [2] آل عمرٰن: ۱۷۳

الوکیل[1]

یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر عاجز ہو جاؤ تو اس وقت کہو: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾[2]

وَاقِعَة نمبر ⑮: دلیل سوم: ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

"أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ ......؟"

تَرجَمہ: "میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں اور توکل کروں یا اُس کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ" اُس کو باندھو اور توکل کرو۔[3]

اسی طرح قرآن کریم میں سورۂ مریم کی آیت نمبر ۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کھانے کا حکم دیا تو ساتھ ساتھ فرمایا: کھجور کے درخت کو ہلاؤ حالاں کہ بغیر درخت ہلائے بھی اللہ تعالیٰ کھجور عطا فرما سکتے تھے۔معلوم ہوا کوشش کرنا رزق کے لئے، کاروبار کے لئے سبب کے طور پر ضروری ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ توکل بھی کرے کہ مجھ سے جتنا ہو سکتا ہے میں کرتا ہوں تو ان شاء اللہ توکل کا بھرپور فائدہ اُٹھائے گا۔حضرت مریم علیہا السلام کے اسی واقعہ کو کسی شاعر نے عربی میں یوں بیان کیا ہے: ـــ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى لِمَرْيَمَ وَهُزِّيْ إِلَيْكِ الْجِذْعَ يُسَاقِطِ الرُّطَبَ

وَلَوْ شَاءَ أَحْنَى الْجِذْعَ مِنْ غَيْرِ هَذِّهِ إِلَيْهَا وَلٰكِنْ كُلُّ شَيْءٍ لَهٗ سَبَبٌ[4]

تَرجَمہ: "ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو فرمایا: درخت کو ہلاؤ تو کھجوریں گریں گی، حالاں کہ بغیر ہلائے بھی کھجوریں اللہ گرا سکتے تھے، لیکن ہر چیز کے ہونے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ اور سبب ضرور ہوتا ہے۔"

الوکیل جل جلالہ ہی وکیل بھی ہیں اور کفیل بھی

عقیدۂ توکل کا ذہنوں میں پروان چڑھنا اور دلوں پر اثر انداز ہونا بہت ضروری ہے، اس کے نتیجے میں مؤمن اپنے تمام امور اور تمام حالات میں اللہ ربُّ العزت ہی کی ذاتِ عالی پر توکل کرنے والا ہوتا ہے، اپنے خالق پر اعتماد کرنے والا ہوتا ہے، کسی کا محتاج نہیں ہوتا اپنے ہی معبود پر بھروسہ کرتا ہے، بندہ کا کام فقط اسباب اختیار کرنا ہوتا ہے اور فیصلے تو اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں۔اس لئے کہ اللہ جل جلالہ ہمارا وکیل بھی ہے اور کفیل بھی ہے کہ ہر مشکل گھڑی میں ہمارا کارساز بھی ہے۔

"الزھد" میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیثِ قدسی نقل فرمائی ہے کہ:

---

[1] ابو داؤد، القضاء، باب الرجل يحلف على حقه: ۲/۱۵۵ [2] معارف القرآن: ۲/۲۴۳

[3] الترمذی، ابواب صفة القيامة: ۲/۷۸ [4] روح المعاني: ۱۶/۸۵، مريم: ۲۵

”جو شخص مجھے چھوڑ کر مخلوق کا سہارا پکڑتا ہے میں اس پر آسمان و زمین کے (رزق کے) تمام ذریعوں کو بند کر دیتا ہوں، تو اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو نہیں دیتا، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دُعا کو قبول نہیں کرتا اور اگر مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اُسے معاف نہیں کرتا۔

اور میرے بندوں میں سے جو شخص مخلوق کو چھوڑ کر میرا سہارا پکڑتا ہے میں اس کے لئے آسمان اور زمین کے رزق کا ضامن ہو جاتا ہوں، تو جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اُسے معاف کر دیتا ہوں۔“[1]

دنیا میں جتنے گناہ ہیں ان سب کی تین بنیادیں ہیں:

1. دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہونا۔
2. غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا۔
3. قوت شہوت کا غلط استعمال کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے غیر سے تعلق شرک تک پہنچانے والا ہے۔

غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا قتل تک پہنچا دیتا ہے۔

شہوانی قوت کی اطاعت کرنا زنا تک پہنچانے کا سبب ہے۔

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے توحید مضبوط ہوگی اور جتنی توحید مضبوط ہوگی اتنا ہی انسان فواحش اور ظلم کے گناہ سے بچے گا۔ اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ختم ہوگا۔

انسان کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا جائے گا اتنا ہی وہ جنت کے قریب ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ یہی مضبوط ایمان، انسان کی راہ نمائی جنت کی طرف کرتا ہے۔ چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے؛ جس کا ترجمہ یہ ہے:

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کیے اُن کا ربّ اُن کو اُن کے ایمان کے سبب اُن کے مقصد تک پہنچا دے گا۔ نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔“[2]

ہر قسم کی پریشانی سے بچنے کا نسخہ توحید، توکل، اور اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر مؤمن بندے پر واجب ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اس کی ضرورت کی وہ تمام چیزیں جن کے بغیر اس کا گزران نہیں اس تک پہنچانے کے لئے اللہ ربُّ العزت اس کے کفیل بھی ہیں اور وکیل بھی۔ یا تو اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس کی ضرورت کو پورا فرما دیں گے جیسے شکم سیری اور سیرابی، کیوں کہ نفس کو اللہ

[1] الفوائد، لابن قیم الجوزی: ۵۷

[2] سورۃ یونس: ۹

ربُّ العزت ہی سیر فرماتے ہیں (ورنہ استسقاء کی بیماری والے کے پاس پانی موجود بھی ہو تب بھی وہ سیراب نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی سیرابی کا فیصلہ نہیں ہوا) یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ بذاتِ خود دلوں میں نورِ ہدایت پیدا فرماتے ہیں۔“[1]

یا کسی سبب اور واسطے کے ذریعے ضرورت پوری فرما دیتے ہیں وہ واسطہ فرشتہ کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔

یعنی مؤمن بندوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی ہیں، لیکن مسلمان کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا۔ شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔[2]

”وکیلِ مطلق وہ ہے کہ تمام معاملات اس کے اختیار میں ہوں اور وہ ان کو اچھے طریقہ سے پورا کر رہا ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔“[3]

ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کے یہ معنیٰ نہیں کہ کسبِ معاش اور دفعِ بلا کے جو اسباب و آلات قدرتِ حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو چھوڑ کر ”اَلْوَكِيْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ پر بھروسہ کرو، بل کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے قوت و توانائی اور جو اسباب میسّر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسبابِ مادّیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو، اعمالِ اختیاریہ کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا.“[4]

تَرجَمَۃ: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو۔ اس لئے کہ کوئی جان دار اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رزق کو پورا حاصل نہیں کر لیتا۔“

---

[1] قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ كُلَّ مَالًا بُدَّلَهُ مِنْهُ، فَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ هُوَ الْوَكِيْلُ وَالْكَفِيْلُ الْمُتَوَكِّلُ بِإِيْصَالِهٖ إِلَى الْعَبْدِ، إِمَّا بِنَفْسِهٖ فَيَخْلُقُ لَهُ الشِّبْعَ وَالرِّيَّ، كَمَا يَخْلُقُ لَهُ الْهِدَايَةَ فِي الْقُلُوْبِ، أَوْ بِوَاسِطَةِ سَبَبِ مَلَكٍ أَوْ غَيْرِهٖ يُوَكِّلُهُ بِهٖ. (المقصد الأسنٰى: ٤١٢)

[2] انوار البیان: ۱۹۹/۲

[3] ”وَالْوَكِيْلُ الْمُطْلَقُ هُوَ الَّذِيْ اَلْأُمُوْرُ مَوْكُوْلَةٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ مَلِيٌّ بِالْقِيَامِ بِهَا، وَفِيٌّ بِإِتْمَامِهَا، وَذٰلِكَ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَطْ.“ (المقصد الاسنیٰ: ۸۱ نقلاً عن النہج الأسمیٰ ۳۰/۲، ۳۱)

[4] ابن ماجه، ابواب التجارات، الاقتصاد فی طلب المعيشة: ۱۵۵/۱

حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کو حرام کرلو، یا جو مال تمہارے پاس ہو اُسے خواہ مخواہ اڑا دو، بل کہ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔“[1]

سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بل کہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیوں کہ یہ سب تدبیریں ”اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا، ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ مولانا رومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے خوب فرمایا ہے ؎

خویش را دیدیم و رسوائی خویش　　امتحانِ ما مکن اے شاہِ بیش

تَرجَمَۃ: ”میں نے اپنے آپ کو اور اپنی رسوائی (عاجزی) کو دیکھ لیا، اے شہنشاہ! مزید میرا امتحان مت لے۔“

یعنی کئی مرتبہ اپنے غلط فیصلے کا احساس ہوگیا۔

اس آیت کریمہ: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾[2] ”پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔“ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توکل ترکِ اسباب اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں بل کہ اسبابِ قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنتِ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسبابِ بعیدہ اور لمبی امیدوں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو مؤثر سمجھ کر مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہو جانا بے شک خلافِ توکل ہے۔[3]

بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا، جب کہ آیت ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پوری سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے، کیوں کہ اس کے پہلے جملے میں شرک سے بری ہونے کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوت وقدرت سے بری ہونے کا اظہار ہے کہ بندہ عاجز بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کچھ نہیں کرسکتا، جس کا نتیجہ اپنے سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔[4]

❶ علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”توکل نصف دین ہے اور باقی نصف، رجوع اِلی اللہ ہے، اس لئے کہ دین، استعانت یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں مدد چاہنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا نام ہے اور استعانت ہی توکل ہے اور رجوع الی اللہ ہی عبادت ہے۔“

❷ توکل یہ ہے کہ اسبابِ قریبہ اور اسباب اختیاریہ کو اپنانے کے بعد بندہ اپنے دل کو اپنے ربّ تعالیٰ کے سامنے ڈال دے، یعنی ربّ کی مرضی پر اپنے دل کو راضی کرلے، جیسا کہ میت غسل دینے والے کے سامنے بے حس وحرکت پڑی

---

[1] ترمذی، ابواب الزھد، باب الزھادۃ فی الدنیا: ۵۹/۲

[2] آل عمران: ۱۵۹　[3] معارف القرآن: ۲۲۷/۲، آل عمران: ۱۵۹　[4] معارف القرآن: ۹۸/۱

ہوتی ہے وہ جیسے چاہتا ہے اسے الٹتا، پلٹتا ہے،

۳ بعض مرتبہ آدمی (زبان سے تو) کہتا ہے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا حالاں کہ (عمل کے اعتبار سے) وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوتا۔

۴ تمام شکوک وشبہات کی نفی کر دینے اور اپنے تمام معاملات کو ''مالک الملک'' کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔

۵ توکل یہ ہے کہ جسمانی اعتبار سے سراپا عبدیت کا اظہار ہو اور دل کا تعلق ربوبیت سے ہو، بقدرِ کفایت چیز کے حصول سے اطمینان حاصل ہو جائے اور عطاء زیادہ ہو جائے تو شکر کرے اور اگر (اسباب اختیار کرنے کے بعد) کچھ بھی نہ ہو تو صبر کرے۔

۶ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، بل کہ اسباب کے اختیار کر لینے کے بعد توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ بلا اسباب کے توکل کرنا توکلِ فاسد ہے[1]

اسی توکل کو اختیار کرنے کی حدیث شریف میں تعلیم دی گئی ہے:

''عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً، فَمَنِ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا، لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ، وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ''[2]

ترجمہ: ''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کے دل کے لئے ہر میدان میں ایک راہ ہے، پھر جس نے اپنے دل کو تمام راہوں کے پیچھے لگا دیا تو اللہ پاک اس کی پروانہ کرے گا کہ کون سے میدان میں اسے تباہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ پاک اسے تمام میدانوں میں کافی ہو جائے

---

[1] ۱ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- اَلتَّوَكُّلُ نِصْفُ الدِّيْنِ، وَالنِّصْفُ الثَّانِي الْإِنَابَةُ، فَإِنَّ الدِّيْنَ إِسْتِعَانَةٌ وَعِبَادَةٌ، فَالتَّوَكُّلُ هُوَ الْإِسْتِعَانَةُ وَالْإِنَابَةُ هِيَ الْعِبَادَةُ.

۲ هُوَ اِنْطِرَاحُ الْقَلْبِ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ كَاِنْطِرَاحِ الْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَاسِلِ يُقَلِّبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ.

۳ يَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ: تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، وَهُوَ يَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ لَوْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ رَضِيَ بِمَا يَفْعَلُ اللّٰهُ.

۴ اَلتَّوَكُّلُ هُوَ نَفْيُ الشُّكُوْكِ وَالتَّفْوِيْضُ إِلٰى مَالِكِ الْمُلُوْكِ.

۵ اَلتَّوَكُّلُ هُوَ طَرْحُ الْبَدَنِ فِي الْعُبُوْدِيَّةِ، وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالرُّبُوْبِيَّةِ، وَالطُّمَأْنِيْنَةُ إِلَى الْكِفَايَةِ، فَإِنْ أُعْطِيَ شَكَرَ، وَإِنْ مُنِعَ صَبَرَ.

۶ وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ التَّوَكُّلَ لَا يُنَافِي الْقِيَامَ بِالْأَسْبَابِ، فَلَا يَصِحُّ التَّوَكُّلُ إِلَّا مَعَ الْقِيَامِ بِهِ، وَإِلَّا فَهُوَ بِطَالَةٌ وَتَوَكُّلٌ فَاسِدٌ. (اللّٰه اهل الثناء والمجد: ۳۹۹)

[2] ابن ماجه: الزهد، اليقين والتوكل: ۳۰۷

گا۔‘‘

جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے (مثلاً بیمار ہوگیا، بار بار معالج بدلے، اچھی طرح علاج بھی نہ کیا اور کسی نے کہہ دیا کہ تم پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے فلاں عامل کو دکھا دو) یا اسے کسی چیز کی طلب ہوتی ہے تو اس کے خیالات چاروں طرف دوڑتے ہیں کہ فلاں نبی کو............ یا فلاں امام کو...... فلاں پیر کو...... یا فلاں شہید کو...... یا فلاں پری...... کو پکارا جائے۔ یا فلاں نجومی سے...... یا فلاں کاہن سے...... یا فلاں علم جفر...... جاننے والے سے پوچھا جائے، یا فلاں مولوی صاحب سے فال نکلوائی جائے۔ پھر جو کوئی ہر خیال کے پیچھے دوڑتا ہے، اللہ پاک اس سے اپنی قبولیت والی نگاہ پھیر لیتا ہے۔

اس کو اپنے مخلص بندوں میں شمار نہیں فرماتا اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی تربیت و ہدایت کی راہ جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان خیالات کے پیچھے دوڑتا ہوا تباہ ہو جاتا ہے۔

’’اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ‘‘ کوئی دہریہ بن جاتا ہے، کوئی ملحد، کوئی مشرک اور کوئی سب سے منکر ہو جاتا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتا ہے کسی خیال کے پیچھے نہیں دوڑتا، وہ اللہ عزوجل کا مقبول بندہ ہے۔ اس پر ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں اور اس کے دل کو ایسا چین و آرام میسر ہوجاتا ہے کہ خیالات کے پیچھے دوڑنے والا خواہ مخواہ پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔ اور توکل والے کو آرام مل جاتا ہے۔

اللہ پاک کو دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ سمجھو کہ بڑے کام تو خود کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام نوکروں سے کرواتے ہیں، اس لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں سے التجا کرنی پڑتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کارخانہ ایسا نہیں ہے، وہ قادرِ مطلق تو پلک جھپکنے میں بے شمار چھوٹے بڑے کام ٹھیک فرما دیتا ہے۔ اس کی سلطنت میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس لئے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی براہ راست اس سے مانگو، کیوں کہ اس کے سوا کوئی اور نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے اور نہ بڑی۔[1]

’’اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ ہمارا کارساز بھی ہے ذمہ دار بھی، نگہبان بھی اور نگران قادر بھی، ہم اس کی ہر ادا پر خوش ہیں۔

ہم نے اپنے سارے کام اس ’’اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کے سپرد کر دیئے ہیں کہ وہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، بل کہ ہم نے سپرد نہیں کیے اس نے خود ذمہ داری اٹھالی ہے، اگر ہم چاہیں بھی کہ اس کی وکالت و کفالت سے نکل جائیں تو نہیں نکل سکتے، کیوں کہ وہ ہمارا کارساز ہے وہ خود ہی ہمارا نگہبان بنا ہے تو ہمیں کسی اور سے منت سماجت کی کیا ضرورت؟

ہم اس کی نگرانی میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور بڑی عمر کو پہنچے، تو اور کیا چاہیے؟ مرنا جینا جب اسی (کے حکم) سے ہے تو پھر کیا رہ گیا؟

---

[1] تقویة الایمان: ٦١، ٦٢

فرماتے ہیں ؎

میر بندوں سے کام کب نکلا   مانگنا ہے جو کچھ اللہ سے مانگ

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز   وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

''اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' صرف ہمارا تمہارا ہی نہیں ساری دنیا کا کارساز ہے، اسی کی کارسازی سے سبزہ سنگ لاخ زمین سے سر اٹھاتا ہے پھلتا پھولتا اور لہلہاتا ہے، اسی کی کارسازی سے دن اور رات آتے جاتے ہیں، موسم تبدیل ہوتے ہیں، سورج چاند اور ستارے طلوع وغروب ہوتے ہیں، وہی زمین وآسمان کو تھامے ہوئے ہے، وہی سیاروں کی رفتار کو کنٹرول کرتا ہے ورنہ کب کے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾[1]

''سورج اپنی راہ پر گامزن ہے یہ غالب وعلیم کا درست اندازہ ہے۔''

''اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سب کا نگہبان ہے۔ جب تک چاہتا ہے وہ اور اس کے مقرر کردہ فرشتے انسان کی حفاظت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب وہ اپنی حفاظت کو اٹھالیتا ہے تو پھر کسی صورت کہیں پناہ نہیں ملتی۔[2]

''اَلْوَکِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سب کا ذمہ دار ہے ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق آلات واعضاء رزق دیے ہیں اور جب چاہتا ہے ان پر مسلط ہو کر سب کچھ چھین لیتا ہے۔

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہلِ ایمان کی بہت بڑی صفت ہے...... اور بہت بڑی منقبت ہے، اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسبابِ ظاہرہ مکمل اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والے ہیں، اور قاضی الحاجات ہیں، اور ہم اس کے ہر فیصلے پر راضی ہیں، یہ اہلِ ایمان کی عظیم صفت ہے۔[3]

دل کو غموم وہموم سے پاک کرنے کا نسخہ

امام فخر الدین رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سورۂ یوسف کی تفسیر میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے اپنی تمام عمر میں یہ تجربہ کیا ہے کہ انسان اپنے کسی کام میں جب غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اعتماد کرتا ہے تو یہ اس کے لئے محنت ومشقت اور سختی کا سبب بن جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور مخلوق کی طرف نگاہ نہیں کرتا تو یہ کام ضرور بالضرور نہایت حسن اور خوبی کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔

یہ تجربہ ابتدائے عمر سے لے کر آج تک (جب کہ میری عمر ۵۷ سال ہے) برابر کرتا رہا اور اب میرے دل میں یہ

[1] یٰس: ۳۸ [2] شرح اسماء الحسنیٰ، (الازهری): ٥١٤، تا ٥١٦ [3] انوار البیان: ۱۳۹/٤

بات راسخ ہے، کہ انسان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ اپنے ہر کام میں مکمل اسباب اختیار کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان پر نگاہ رکھے اور دوسری چیز پر ہرگز ہرگز بھروسہ اور اعتماد نہ کرے۔[۱]

حضرت شقیق بلخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے شیخ سے جو آٹھ باتیں سیکھی تھیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ "الوکیل جل جلالہ" پر جو بھی بھروسہ اور اعتماد کر لیتا ہے تو اس کا دل افکار سے اور غموں اور پریشانیوں سے نجات پالیتا ہے، اور آنے والے اَن دیکھے حوادثات اور خواہشات سے بھی وہ پریشان نہیں ہوتا وہ نسخہ یہ ہے فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے، کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لے گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾[۲]

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔"

اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔[۳]

اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

" مِنْ كُلِّ مَاضَاقَ عَلَى النَّاسِ يَكْفِي اللّٰهُ بِهٖ "[۴]

"ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے تنگی اور تکلیف کا سبب بنتی ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کے مقابلہ میں کافی ہو جاتے ہیں۔"

اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے

ہمیں ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دُعا کرتے رہنا چاہئے۔ کیوں کہ حقیقت شناس مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ کتنا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جدوجہد اللہ کی راہ میں کر رہا ہو، اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر ناز و فخر کرے، اس لئے کہ درحقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس کے بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا، حدیث میں مذکور ہے:

"فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا."[۵]

---

۱ تفسیر کبیر: ۱۸/۱۱۶، یوسف: ٤٢ ۲ الطلاق: ۳

۳ رسائل امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ، حاتم بن اصم کے بیان کردہ فوائد: ۴۶

۴ شرح السنۃ: ١٤/٢٩٨ بحوالہ رزق کی کنجیاں: ۳۳

۵ بخاری، المغازی، غزوۃ الخندق: ۲/۵۸۹

ترجمہ: ”اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ہمیں نہ سیدھے راستے کی ہدایت ملتی اور نہ ہم سے زکاۃ و نماز ادا ہو سکتی۔“

اس کے علاوہ جو نیک عمل کوئی انسان کرتا ہے وہ کتنا ہی درست کر کے کرے لیکن مالک الملک والملکوت کی شانِ جلالی کے مطابق کر لینا اس کے بس میں نہیں، اس لئے اس کے ادائے حق میں کوتاہی ناگزیر ہے، اس سے حالتِ عمل میں بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

نیز یہ بھی کسی کو اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جو نیک عمل وہ اس وقت کر رہا ہے آگے بھی اسے اس کی توفیق ہوگی، اس لئے موجودہ عمل میں کوتاہی پر ندامت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعا مؤمن کا وظیفہ ہونا چاہیے۔[1]

توکل کا صحیح مفہوم

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”چوں کہ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں لوگ عموماً غلطیاں کرتے ہیں اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

1. انسان نظری طور سے تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر رکھے، لیکن عملی طور پر اس کا دھیان اسباب ہی کی طرف لگا رہے اور ظاہری اسباب و وسائل ہی اس کی بیشتر توجہات کا مرکز بنے رہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں، اس پر آپ کو بھروسہ تو ہوتا ہے، لیکن معاملہ اس کے سپرد کر کے آپ بالکل فارغ نہیں ہو جاتے، بل کہ ہر وقت دھیان اور کوشش اس کی طرف لگی رہتی ہے۔

2. آپ ظاہری اسباب کو اس لئے اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور یہ بات ہر آن ذہن میں رکھیں کہ یہ ظاہری اسباب کوئی حقیقت نہیں رکھتے، کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، چناں چہ آپ کی بیشتر توجہات اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنے میں صرف ہوں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے وہ بس اپنی ماں ہی کو پکارتا ہے، خود کچھ ہاتھ پاؤں مارے بھی تو اس پر مطمئن نہیں ہوتا، اس کی توجہ اسی کی طرف رہتی ہے کہ کسی طرح ماں متوجہ ہو جائے تو ہر مشکل کو حل کر دے گی۔

3. اللہ تعالیٰ پر اس درجہ بھروسہ کیا جائے کہ ظاہری اسباب کی طرف مطلق نظر نہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو پکارے بھی نہیں اور یہ سمجھے کہ وہ تو خود میرے دکھ درد کو جانتا ہے، خود ہی مداوا کرے گا۔

توکل کے ان تین درجات میں سے پہلا درجہ تو عامیانہ توکل ہے جو توکل کا بالکل ادنیٰ درجہ ہے اور تیسرا درجہ توکل

---

[1] معارف القرآن: ۲/۲۰۱

کی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہے مگر یہ انبیاء وصلحاء کے خاص احوال سے متعلق ہے، دائمی طرز کے لئے شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔ شریعت میں مطلوب توکل کا دوسرا درجہ ہے، آں حضرت ﷺ نے سنت اسی کو قرار دیا ہے۔ کہ ظاہری اسباب کو معمولی طور سے اختیار کرو، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرو، لیکن بھروسہ ان ظاہری اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھو۔'' [۱]

بیماری اور تنگ دستی دور کرنے کے لئے بہترین نسخہ توکل ہے

وَاقِعَۃٌ مُّبِیۡن (۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟''

اس شخص نے عرض کیا: ''بیماری اور تنگ دستی نے میرا یہ حال کردیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگ دستی جاتی رہے گی''، وہ کلمات یہ ہیں:

''تَوَکَّلۡتُ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ..... اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا..... وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ..... وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ..... وَکَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا۔''

تَرۡجَمَۃ: ''میں نے توکل کیا اس ذات پر جو زندہ ہے جسے موت نہیں آتی۔ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار کمزوری میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔''

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر آپ ﷺ اس طرف تشریف لے گئے پھر اس کو اچھے حال میں پایا، آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا، اس نے عرض کیا: ''جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کلمات کو پڑھتا ہوں۔'' [۲]

فوائد ونصائح

❶ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ وہ مکمل صحیح اسباب کو اپناتے ہوئے بھی اعتماد اور بھروسہ صرف اور صرف ''اَلوَکِیلُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر کرے۔

❷ وہ ذات وکیل مطلق ہے ہر کام کو اہتمام سے اپنی اپنی جگہ پورا فرمارہا ہے کسی بندے کو بے سروپا نہیں چھوڑتا، لہٰذا

---

[۱] مجالس مفتی اعظم: ص ۳۵۶، ص ۳۵۷

[۲] تفسیر ابن کثیر: ۸۰۲، الاسراء: ۱۱۱

بندہ کو بھی اسی سے التجا کرنی چاہئے، مایوسی، کم ہمتی کو اپنے قریب بھی نہیں بھٹکنے دینا چاہئے، ہر مصیبت اور ہر پریشانی میں، مصیبت اور پریشانی دور کرنے کے شرعی اسباب اختیار کرکے التجا دعا، صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنا چاہئے، کسی پیر، فقیر، کسی مزار، قبر، پر جاکر دعا نہیں مانگنی چاہئے۔

❸ جب تمام امور اسی کے سپرد ہیں تو بندہ غیر کی طرف توجہ کرکے "الوکیل جل جلالہ" کی ذات سے اپنے ایمان اور یقین کو کمزور نہ کرے۔ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہو جائے گی وہ دل کا ایک ذرّہ اور ایک گوشہ بھی اللہ کے سوا کسی طرف مائل نہیں کرے گا اس کو ایک عربی شاعر کہتا ہے: ؎

خُذُوْا عَنِّیْ فُؤَادِیْ وَفَتِّشُوْهُ کَمَا تُرِیْدُ ــــ فَوَاللّٰهِ فَلَنْ تُحِسُّوْا سِوَاهُ

"تم میرے دل کو دیکھ لو اس کا ایک ایک ذرہ اور قطرہ قطرہ کو اپنی لیباٹری میں چیک کرلو،
اللہ کی قسم! تم اس میں اللہ کے غیر کی بو نہ پاؤ گے۔"

جو شخص اس نام کو سمجھ لے گا وہ کبھی بھی ڈپریشن ...... ٹینشن ...... اُلجھن ...... کے مرض کا شکار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کرکے مطمئن ہو کر صحیح اسباب مکمل اختیار کرے گا۔

سونے سے پہلے اس دعا کا ترجمہ سمجھ کر مانگنا چاہئے۔

"اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ ...... وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ ...... وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ ...... رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ ...... لَامَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ ...... اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ ...... وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ ......"[1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو تیرے سپرد کردیا ...... اور تیری طرف اپنا رخ کیا ...... اور اپنے سب اُمور تیرے حوالہ کردیئے ...... تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے ...... اور تیرے رحم و کرم کی طلب و اُمید کرتے ہوئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنالیا ...... اے مولیٰ! تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں ...... اے اللہ! میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی ...... اور تیرے نبی پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔"

---

[1] ترمذی، الدعوات، باب ما جآء في الدعا اذا اوى الى فراشه: ۱۷۷/۲

القوی جل جلالہ المتین جل جلالہ

(بڑی طاقت وقوت والا، شدید قوت والا)

ان اسماء کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْقَوِيُّ هُوَ الْكَامِلُ الْقُدْرَةِ عَلَى الشَّيْءِ"[1]

امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "القوی جل جلالہ" وہ ذات ہے...... جو تمام چیزوں پر پورے طور پر قدرت رکھتی ہے۔

"القوی جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کو تمام چیزوں پر کامل و مکمل قدرت حاصل ہے، جیسے ایک عام محاورے میں یہ بات کہی جائے کہ "یہ شخص اس کام پر قادر ہے اور یہ چیز اس شخص کی ملکیت میں ہے" تو اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ اس چیز میں حد کے اندر رہتے ہوئے تصرف کرسکتا ہے، اس کی خرید وفروخت کرسکتا ہے لیکن اگر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ طاقت ور بھی ہو کہ اس سے کوئی یہ چیز چھین بھی نہیں سکتا، اور جس طرح استعمال کرنا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا، تو یہ اس صفت کی مزید وضاحت ہوگی۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ سب چیزوں پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ قوی بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنی اسی صفت مبارکہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾[2]

اللہ ربّ العزت نے اپنی ذات کو قرآنِ کریم میں قوت کے ساتھ متصف فرمایا ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[3]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"أَيْ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ وَلَا يَفُوْتُهُ هَارِبٌ"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات ایسی (قوی) ذات ہے کہ کوئی اس پر غلبہ پانا چاہے تو غلبہ نہیں پاسکتا اور کوئی (مجرم ظالم) اس کی پکڑ سے (بھاگ کر) بچنا چاہے تو اس کی پکڑ سے بچ (کر بھاگ) نہیں سکتا۔[4]

[1] النهج الاسمیٰ: ۲/۳۷ [2] الذٰریٰت: ۵۸ [3] الانفال: ۵۲ [4] تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۲۰، الانفال: ۵۲

علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ "نونیۃ" میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْقَوِيُّ لَهُ الْقُوَّةُ جَمْعًا لَهُ ۔۔۔ إِلٰى رَبِّ ذِي الْأَكْوَانِ وَالْأَزْمَانِ[1]

"وہ ذات طاقت ور ہے، جتنی بھی طاقت اور قوت ہے اسی کی ہے۔ وہ عظیم رب ہے تمام کائنات اور زمانوں کا۔"

❷ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ ......، وَلَا يَرُدُّ قَضَاءَهُ رَادٌّ ......، يَنْفُذُ أَمْرُهُ ..... وَيَمْضِي قَضَاءُهُ فِي خَلْقِهِ ......، شَدِيْدٌ عِقَابُهُ لِمَنْ كَفَرَ بِآيَاتِهِ ..... وَجَحَدَ حُجَجَهُ .....[2]

تَرْجَمَہ: علامہ ابن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ ربّ العزت بہت قوت والے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور نہ ہی ان کے فیصلے کو کوئی ٹال سکتا ہے، ان کا حکم اور فیصلہ ان کی مخلوق میں نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس کی آیات اور دلائل کو جھٹلانے والے کے لئے اس کا عذاب بہت سخت ہے۔"

❸ قَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- (اَلْمَتِيْنُ): أَلشَّدِيْدُ الْقَوِيُّ.[3]

تَرْجَمَہ: "المتین کے معنی ہیں وہ ذات جو انتہائی قوت والی ہو۔"

❹ اَلْمَتِيْنُ أَلشَّدِيْدُ الْقَوِيُّ الَّذِي لَا تَنْقَطِعُ قُوَّتُهُ، وَلَا تَلْحَقُهُ فِي أَفْعَالِهِ مَشَقَّةٌ، وَلَا يَمَسُّهُ لُغُوْبٌ.[4]

تَرْجَمَہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو انتہائی قوت والی ہو، جس کی قوت اس سے کبھی جدا نہ ہوتی ہو اور اسے اپنے کسی بھی کام میں کبھی مشقت لاحق نہ ہوتی ہو اور نہ ہی تھکاوٹ پہنچتی ہو۔"

❺ وَفِي الْمَقْصَدِ: اَلْقُوَّةُ تَدُلُّ عَلَى الْقُدْرَةِ التَّامَّةِ ......وَالْمَتَانَةُ تَدُلُّ عَلٰى شِدَّةِ الْقُوَّةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى. فَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ بَالِغُ الْقُدْرَةِ تَامُّهَا: (قَوِيٌّ) ......، وَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ شَدِيْدُ الْقُوَّةِ: (مَتِيْنٌ).[5]

تَرْجَمَہ: "المقصد الأسنٰی نامی کتاب میں ہے "اَلْقَوِيُّ" کا مطلب کامل قوت والا ہوتا ہے جب کہ "اَلْمَتِيْنُ" کا مطلب شدید قوت والا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے لہٰذا اگر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کامل اور مکمل قدرت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ "اَلْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ مضبوط قوت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ "اَلْمَتِيْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں۔"

❻ صاحبِ مرقاۃ نے "اَلْقَوِيُّ" کا معنی بہت ہی پیارا لکھا ہے:

"أَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ الْبَالِغَةُ السَّابِغَةُ الْوَاصِلَةُ إِلَى الْكَمَالِ.....وَاللّٰهُ قَوِيٌّ بِهٰذَا الْمَعْنٰى.....وَلَا قُوَّةَ لِغَيْرِهِ إِلَّا بِهِ"[6]

[1] النونية: ۲/۲۱۸ [2] جامع البيان: ۱۰/۱۷، ۱۸ [3] غريب الحديث: ۴۲ [4] شان الدعاء: ۷۷
[5] المقصد الأسنٰى: ۸۱، ۸۲، نقلاً عن النهج الأسمٰى: ۲/۳۹ [6] المرقاة، شرح مشكوة: ۵/۹۱

ترجمہ: ”ایسی کامل ومکمل قوت والا، جس کی قوت وقدرت اپنے ارادہ کو پہنچ کر رہتی ہے اپنے مطلوب اور ہدف کو پا کر رہتی ہے، جس کی قوت نے سب چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کی قوت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے اور کمال کے اعلیٰ درجہ تک پہنچی ہوئی ہے، قوت کے ان معانی کے ساتھ وہ قوی ہے اور ایسی قوت صرف اسی اکیلے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے“ اس کا کوئی غیر اپنی ذات سے قوی نہیں، ہاں یہ کہ وہ ہی کسی کو کوئی قوت دے۔“

ان دونوں اسموں سے ایمانی ثمرات یہ ہیں کہ:

قوت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے..... کوئی بھی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا..... اور نہ ہی اس کے حکم میں پس وپیش کر سکتا ہے..... اور اس کے حکم کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا..... جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے..... اور جسے چاہتا ہے ذلیل فرما دیتا ہے..... جس کی چاہے مدد فرماتا ہے..... اور جس سے چاہتا ہے اپنی مدد ہٹا لیتا ہے۔

پس عزت والا وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائیں۔ اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کریں، اور مدد اسی کی ہوئی جس کی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے مدد کی اور بے یار و مددگار وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی مدد ونصرت اٹھالیں پس، تسبیح و تقدیس صرف اسی ذات کے لئے ہے جو انتہائی قوت والی ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھلایا، اور اپنے بندہ (محمد ﷺ) کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت سے نوازا اور اکیلے ہی تمام لشکر والوں کو ناکام ونامراد فرما دیا۔[۱]

”اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[۲]

❷ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾[۳]

❸ ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[۴]

”اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ یہ اسم مبارک قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

❶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾[۵]

محمد الحمود النجدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اللہ ربُّ العزت کی اطاعت کی قوت بندے کو حاصل نہیں ہوسکتی ہاں یہ کہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے اسے

---

[۱] مِنْ آثَارِ الإِيْمَانِ بِهٰذَيْنِ الإِسْمَيْنِ: أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ تَعَالَى جَمِيْعًا، وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، فَلَا رَادَّ لِقَضَائِهِ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ، يُعِزُّ مَنْ يَشَاءُ وَيُذِلُّ مَنْ يَشَاءُ، يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ، وَيَخْذُلُ مَنْ يَشَاءُ، فَالْعَزِيْزُ مَنْ أَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالذَّلِيْلُ مَنْ أَذَلَّهُ، وَالْمَنْصُوْرُ مَنْ نَصَرَهُ، وَالْمَخْذُوْلُ مَنْ خَذَلَهُ، فَسُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقَوِيِّ الْعَزِيْزِ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ. (النهج الاسمیٰ: ۲/۴۰)

[۲] الانفال: ۵۲ [۳] هود: ۶۶ [۴] الحج: ۴۰ [۵] الذّٰریٰت: ۵۸

قوت اور توفیق عطا ہو جائے، اسی طرح گناہوں سے بچنے پر قدرت بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنے نفس سے ''شرور'' کو دور کر سکتا ہے مگر یہ سب اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ توفیق کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔

حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی امت کو (اس قول مبارک کے ذریعے جو عبداللہ بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ارشاد فرمایا) خبردار اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ سکھلاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے...... ؟

وہ کلمہ یہ ہے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ہے۔[1]

امام نووی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''علماء نے فرمایا: اس کلمے کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ سراپا بندگی ہے یعنی اپنی ذات کو سپردگی اور اطاعت کا پیکر بنا دینا، اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد اور حوالے کر کے اسی ''اَلْقَوِیُّ، اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پر پورا بھروسہ کرنا اور اس کلمہ میں اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر یقین کرنے کا اعتراف ہے، اور اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی صانع (خالق) نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے فیصلہ کو روکنے اور ٹالنے والا ہے۔ اس کلمہ کے ذریعہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ بندہ سراپا فقیرانہ محتاج ہی ہے، اپنی زندگی کے بارے میں کسی قسم کے فیصلے کا مالک نہیں اور نہ ہی دوسروں کی زندگی کے فیصلوں کا مالک ہے، اللہ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

امام نووی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اہلِ لغت کا قول نقل کرتے ہیں: "لَا حَوْلَ" کے اندر "اَلْحَوْلُ" کا مطلب ہے حرکت کرنا اور کسی کام کی راہ تلاش کرنا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کوئی حرکت...... کوئی طاقت...... کوئی راہ...... اور کوئی چارہ...... نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ ربُّ العزت کی مشیت اور چاہت شاملِ حال نہ ہو۔

بعض حضرات نے اس کلمہ مبارکہ کا مطلب یہ بیان فرمایا: شر اور برائی کو دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی خیر کو حاصل کرنے کی کوئی طاقت ہے مگر اللہ رب العزت کی جانب سے اور بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے حفاظت کا فیصلہ ہو جائے اور اطاعت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے مدد شاملِ حال ہو جائے، یہ قول حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہی اَن تھک طاقتوں والا، اور وہی لامحدود قوتوں والا ہے۔[2]

---

[1] مسلم، الدعاء، استحباب الاکثار من قول: لا حول ...... : ۲/۳۴۶

[2] لَا قُوَّةَ لِلْعَبْدِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا بِقُوَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَوْفِيْقِهٖ، وَلَا حَوْلَ لَهٗ عَلٰى إِجْتِنَابِ الْمَعَاصِيْ وَدَفْعِ شُرُوْرِ النَّفْسِ إِلَّا بِاللّٰهِ تَعَالٰى، وَقَدْ نَبَّهَ الشَّارِعُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهٗ إِلٰى ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ: "يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ، أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ."

اسی بناء پر "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا ہے کہ اس میں "حول" اور "قوۃ" دونوں کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے یعنی نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت نہ کوئی نیکی کرنے کی قوت انسان کے ہاتھ میں ہے سوائے اس بزرگ اور برتر اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ (اس کلمہ کو پڑھنے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، ہر غم اور پریشانی کے وقت اس کو چالیس مرتبہ پڑھ لینا چاہئے)۔ اور اس کلمہ کے معانی کا استحضار رکھنا چاہئے۔

بعض لوگ اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ محض بزرگوں کی توجہ سے ہم نیک بن جائیں گے اور وہ بزرگوں پیروں و مشائخ کے مزاروں پر جا کر بھیک مانگتے رہتے ہیں یا زندہ بزرگوں کے پاس جا کر محض ان کی توجہ کے طالب ہوتے ہیں اس کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" نے ان کے اس باطل عقیدہ کی جڑ کو سرے سے ہی کاٹ دیا کہ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، غیر اللہ میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے، محض بزرگوں کی توجہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود سے ہمت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہئے۔ ان بزرگوں کو بھی نیکی کرنے کی جو طاقت، گناہوں سے بچنے کی جو ہمت ملی ہے وہ بھی اللہ ہی نے دی ہے، جب ان کو بھی اللہ ہی نے دی تو ہر انسان کو چاہئے کہ اللہ ہی سے مدد مانگے۔

حضور اکرم ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو ہدایت نہ دے سکے آخر تک کوشش فرماتے رہے لیکن آخر میں جو چچا کے ایمان نہ لانے کی دلیل تھی وہ یہ کہ انھوں نے کہا:

"اَلسَّبَّةُ وَ الْعَارُ"[1]

تَرْجَمَہ: "میں لوگوں کی گالیاں اور عار برداشت نہیں کرسکتا۔"

یقیناً عطا کرنے والی ذات تو "القَوِيُّ المَتِیْنُ جَلّ جَلَالُہٗ" ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہئے اور خود سے ہمت کرنی چاہئے۔

اسی لئے حکیم الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کسی نے کہا: "حضرت! جو آپ کے سینے میں ہے وہ عطا فرما دیجئے" تو جواب میں ارشاد فرمایا: "میرے سینے میں تو بلغم ہے وہ دوں؟"

عارفین کا قول ہے:

قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَالَ الْعُلَمَاءُ: سَبَبُ ذٰلِكَ أَنَّهَا كَلِمَةُ اسْتِسْلَامٍ وَ تَفْوِيْضٍ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَ إِعْتِرَافٌ بِالْإِذْعَانِ لَهُ، وَأَنَّهُ لَا صَانِعَ غَيْرُهُ، وَلَا رَادَّ لِأَمْرِهٖ، وَأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا مِّنَ الْأَمْرِ.

ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: "اَلْحَوْلُ" اَلْحَرَكَةُ وَالْحِيْلَةُ، أَيْ: لَا حَرَكَةَ وَلَا اسْتِطَاعَةَ وَلَا حِيْلَةَ إِلَّا بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

وَقِيْلَ مَعْنَاهُ: لَا حَوْلَ فِيْ دَفْعِ شَرٍّ، وَلَا قُوَّةَ فِيْ تَحْصِيْلِ خَيْرٍ إِلَّا بِاللّٰهِ.

وَقِيْلَ: لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعِصْمَتِهٖ، وَلَا قُوَّةَ عَلٰى طَاعَتِهٖ إِلَّا بِمَعُوْنَتِهٖ، وَحُكِيَ هٰذَا عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكُلُّهُ مُتَقَارِبٌ. (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۳۴۶/۲)

[1] الخصائص الكبرى باب رؤيا عبد المطلب: ۶۸/۱

"أَنْ لَّا تَطْلُبَ الْقُوَّةَ وَالْقُوْتَ إِلَّا مِنْ مَّوْلَاكَ"[1]

کہ تم قوت اور روزی اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے طلب مت کرو۔

یعنی کتنے بھی اسباب بُرے پڑے نظر آئیں مگر اسی ایک مالک "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" سے اپنا تعلق جوڑے رکھو، اسی سے مانگتے رہو، ایک بار نہیں بار بار اسی سے مانگتے رہو، اس کے علاوہ کوئی در ہی نہیں جہاں سے مانگا جا سکتا ہو، جہاں سے مسئلہ حل ہونے کی امید ہو، سب کے سب ضعیف (کمزور) ہیں، وہی ایک قوی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مانگا اور مسئلہ حل نہیں بھی ہوا تو مانگنے کا ثواب الگ ملے گا، مسئلہ حل نہ ہونے کے باوجود دل کو تسلی الگ ملے گی اور اس دعا پر آخرت میں اجر و ثواب الگ ملے گا، اس دعا کی برکت سے آنے والی مصیبت ٹل سکتی ہے، لیکن مزاروں پر جا کر مانگنے سے یا زندہ روحانی علاج کے دعویٰ کرنے والوں سے ہدایت...... یا قوت...... یا شفا...... کی بھیک مانگنے والوں کا مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر بھی آیا تو اور کئی مسائل پیدا ہو جائیں گے جو پریشان کریں گے اور شرک کے گناہ کی وجہ سے آخرت تو بگڑی اور مسائل کا حل پا کر بھی دنیا مزید پریشان سے پریشان ہوگی؛ کیوں کہ جس کے پاس حقیقی قوت ہے اس کے دَر کو چھوڑ کر عاجز و مخلوق کے دَر پر اپنی ناک رگڑتا ہے۔

مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ

حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے فرمایا: "دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے یہ بتائی ہے کہ روزانہ پانچ سو مرتبہ یہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا کرے اور سو سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے۔"[2]

وَاقِعَہ نمبر ⑰: حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت عوف بن مالک رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو مصیبت سے نجات اور حصولِ مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کے ساتھ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا کریں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عوف اشجعی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے لڑکے حضرت سالم رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ان کو کہلوا دو کہ بکثرت "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھتا رہے۔

ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی بیڑیاں کھل گئیں اور یہ وہاں سے نکل بھاگے ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے، راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی، باپ نے آواز سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم

[1] مرقاة شرح المشكاة: ٥/٨٦ [2] التفسير المظهرى: ٩/٣٢٠، ٣٢١، الطلاق: ٦٥

یہ تو سالم ہے۔

ماں نے کہا: ''ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔'' اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے دروازہ کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تمام انگنائی (آنگن) اونٹوں سے بھری پڑی ہے، پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟

انہوں نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا: ''اچھا ٹھہرو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں......''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو۔''[1]

''المتین جل جلالہٗ'' اللہ تعالیٰ کا اسم اس لئے بھی ہے کہ وہ خود بخود قائم و دائم ہے، کسی دوسری طاقت کا محتاج نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ ''المتین جل جلالہٗ'' ہے۔ ہر ایک استحکام و پائیداری اور شدت وقوت اس کے حکم سے ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ قوی ہے...... اور تمام قوتیں اسی سے حاصل ہوتی ہیں...... اللہ تعالیٰ قوی ہے...... اسی نے جملہ مظاہر کو قوتِ ربانی سے ظہور بخشا ہے...... اللہ تعالیٰ قوی ہے...... اسی کا نام ضعیفوں کے لئے توانائی بخشنے والا ہے...... دل کو قوتِ ایمان بخشا ہے...... روح کو قوتِ عرفان عطا کرتا ہے......اس اسم سے تخلق کرنے والے کو جملہ قوت ہائے ظاہری و باطنی کی درخواست اسی سے کرنی چاہئے۔[3]

اللہ تعالیٰ ''متین'' ہے اور متین کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات ایسی قوی ہے جسے اپنے افعال میں مشقت وکلفت اور تعب (تھکن) لاحق نہیں ہوتی۔ ''قوی'' اور ''متین'' میں تھوڑا سا فرق ہے۔ قدرت میں بالغ وتام کو قوی اور قدرت میں مضبوط وشدید کو متین کہتے ہیں۔[4]

اس ''ذُوالقُوَّةِ المَتِين جل جلالہٗ'' نے کئی طرح کی قوتیں پیدا کی ہیں: بعض قوی ہیں مگر متین نہیں...... اور بعض متین ہیں مگر قوی نہیں۔

ہوا، پانی اور آگ قوی تو ہیں مگر متین نہیں، جو شخص چاہے ہوا کو اِدھر سے اُدھر کر دے، قید کر دے، روک دے۔ کسی ڈبہ سے باہر خارج کر دے، کسی کمرے میں بند کر دے اور کسی مکان سے بالکل خارج کر دے۔ اس کی رفتار کو تیز کر دے یا دھیما کر دے، اسے سرد یا گرم کر دے۔ ہوا قوی تو ہے مگر مضبوط نہیں۔ قوی ایسی کہ تناور درختوں کو اکھاڑ کر پھینک دے۔ بجلی کے بڑے بڑے لوہے کے کھمبوں اور تاروں کو تہ و بالا کر دے، مکانوں کی چھتیں اڑا کر لے جائے، سمندروں میں طوفان برپا کر دے اور بستیوں کی بستیاں اجاڑ کر رکھ دے۔

وہ شخص دھوکہ میں مبتلا ہے جو مخلوق کی قوت کو دیکھ کر اس کو حقیقی قوت والا سمجھے، مخلوق کی ساری کی ساری قوتیں،

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۳۵۳، الطلاق: ۲
[2] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۹، (منصور پوری)
[3] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۸، (منصور پوری)
[4] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۱۹ (منصور پوری)

سارے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور ایک چھوٹا سا تنکا اس ’’اَلْقَوِیُّ، اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ کی نگاہ میں برابر ہے، وہ چاہے تو ابابیل کے منہ میں آئے ہوئے ننھے سے کنکر کو ایٹم بم کی قوت دے دے، اور وہ چاہے تو ایٹم بم کی قوت فیل کردے۔

جس کو بھی دنیا میں قوت ملی ہے اسی ’’اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ نے قوت دی ہے۔ حضرت داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کے دست مبارک میں اس ’’اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ نے ایسی قوت رکھ دی تھی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم ہو جاتا تھا اور وہ بڑی آسانی سے زرہیں بنا لیتے تھے کہ لوہے سے کوئی چیز بنانے میں ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، جیسے کوئی اون سے سوئیٹر بن لیتا ہے، یا اس طرح جس طرح اونٹ اور بکری کے معدہ میں کانٹے پانی ہو جاتے ہیں اور بگلے کی چونچ میں مچھلی کے کانٹے اور سخت ترین ہڈیاں نرم ہو جاتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ’’اور نرم کر دیا ہم نے اس کے لئے لوہا۔‘‘

یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح بنا دیا جس طرح چاہے موڑ لیتے، اور جو چاہتے بنا لیتے۔

’’اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ سے مانگنے کے نبوی الفاظ

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے:

’’اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِىْ رِضَاكَ ضُعْفِىْ ..... وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِىْ ..... وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِىْ ..... اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِىْ وَاِنِّىْ ذَلِيْلٌ ..... فَاَعِزَّنِىْ ..... وَاِنِّىْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِىْ.‘‘[2]

تَرْجَمَہ: ’’یا اللہ! میں کمزور ہوں، اپنی مرضیات میں میرا ضعف اپنی قوت سے بدل دے اور مجھے پیشانی سے پکڑ کر خیر کی طرف لے جا اور اسلام کو میری پسند کا منتہی (مقصد) بنا دے، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت ور بنا دے، میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں مجھے رزق عطا کر دے۔‘‘

اس اسم مبارک سے اس طرح دعا مانگی جاتی ہے ’’يَا ذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ‘‘

حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی جو ایک بڑے تابعی ہیں وہ ان الفاظ سے ’’اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ‘‘ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

’’اِلٰهِىْ لَقَدْ خَلَقْتَنِىْ بِاَمْرِكَ ..... وَاَقَمْتَنِىْ فِىْ بَلَايَا هٰذِهِ الدُّنْيَا بِمَشِيْئَتِكَ ..... ثُمَّ قُلْتَ لِىْ، اِسْتَمْسِكْ فَكَيْفَ اَسْتَمْسِكُ اِنْ لَّمْ تُمْسِكْنِىْ بِلُطْفِكَ يَاقَوِىُّ يَامَتِيْنُ.‘‘

[1] سبا: ۱۰ [2] مجمع الزوائد، باب الأدعية المأثورة عن رسول الله ﷺ..........: ۱۰/۲۱۳، رقم: ۱۷۴۲٤

ترجمہ: ”اے اللہ! تو نے اپنی قدرت سے مجھے پیدا کیا اور اپنی مرضی سے دنیا کی مصیبتوں میں رکھا اور پھر حکم دیا کہ میری مرضی پر جمے رہو۔ اے قوی و متین ذات میں تیرے فضل و کرم کے بغیر کیسے تیری مرضی پر جم سکتا ہوں۔“ [۱]

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر بھی ”القوی جل جلالہ“ کے حکم کے تابع ہیں

واقعہ نمبر ⑱: اللہ رب العزت ”القوی جل جلالہ“ ہیں، اللہ رب العزت ہی کے حکم سے فرشتے حرکت کرتے ہیں، بڑے سے بڑے فرشتے باوجود بڑی بڑی صفات اور قوت حاصل ہونے کے ایک پر مارنے کی جرأت نہیں کر سکتے، کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو یا فرشتہ ہو وہ بھی عبد مامور ہے خود سے کچھ نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان تھے۔ کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے آپ اور زیادہ دل گیر ہوئے۔ آخر جبرئیل تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُوْرَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا“ [۲] (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟)

تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ [۳]

ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے۔

(یعنی میں فقط اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتا ہوں) وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیوں کہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان) کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ [۴]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ [۵]

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے! تمہاری جان، موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم سب اپنے

---

[۱] تابعین کے واقعات: ۱/۴۸ [۲] مسند احمد: ۱/۲۳۱، رقم: ۲۰۴۴ [۳] مریم: ۶۴ [۴] تفسیر عثمانی: ۴۱۴ [۵] السجدة: ۱۱

پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

یعنی سابقہ تم کو اللہ تعالیٰ ہی سے آکر پڑے گا اور یہ موت کا فرشتہ تم پر متعین کر دیا گیا ہے، موت کا فرشتہ اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔

اس میں ان مشرک جاہل قوموں کا رد آگیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل ومتصرف حاکم ہے۔ ایک حدیث میں مَلَكُ الْمَوْتِ خود رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں:

"وَاللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ! لَوْ أَنِّي أَرَدْتُ أَنْ أَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوْضَةٍ ...... مَا قَدَرْتُ عَلٰى ذٰلِكَ ...... حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الْاٰمِرُ بِقَبْضِهَا"[1]

تَرجَمَہ: "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔"

"القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ" کی قوت کن لوگوں کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ قوی ہے، زور آور ہے، سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[2]

"اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔"

یعنی لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے......؟

مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔

اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے اس نے اپنے حکم ازلی میں یہ بات لکھ دی ہے کہ انبیاء اور رسول (عزت والے) ہیں تو ان کے متبعین بھی (عزت والے) ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اپنے نبی کی اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں گے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ان سے بچتے رہیں گے، دین کو دنیا میں پھیلانے کی فکر میں رہیں گے اور جہاد کرتے رہیں گے تو وہ "القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ" کی قوت کو ساتھ پائیں گے، "القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ" اپنی قوت سے ان کو غالب کر دے گا اور سارا کا سارا باطل اپنے تمام اسباب کے ساتھ ضعیف وکمزور ہو جائے گا، صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ دین کی دعوت لے کر اٹھے تو سب پر غالب آکر رہے جو طاقت ان سے ٹکرائی پاش پاش ہوگئی۔

خلیفۂ اول صدیق اکبر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے مقابلے پر اندرونی فتنے اور بغاوتیں کھڑی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب پر غالب فرمایا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۰۴۵/۱، السجدة: ۱۱ [2] المجادلة: ۲۱

اوّل: حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقابلے پر دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں قیصر وکسریٰ کی آگئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ونشان مٹا دیا اور پھر ان کے بعد کے خلفاء اور مسلمانوں میں جب تک ان احکامات کی پابندی رہی کہ مسلمانوں نے غیروں کے ساتھ خلط ملط اور گہری دوستی کے تعلقات قائم نہیں کئے وہ ہمیشہ مظفر ومنصور (کامیاب) نظر آئے۔[1]

اسی طرح جو اس "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے دین پھیلانے والے بندوں کے مقابلے میں آئے گا اور دعوت کا انکار کرے گا یا ان کو تکلیف پہنچائے گا تو وہ "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" خود ہی اپنی قوت کا اظہار فرمائیں گے اور اُن کے دشمن کو نیست ونابود فرمادیں گے۔

دوم: جن لوگوں نے اپنے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور ان کے ماننے والوں کو قتل کیا تو وہ کیسے کیسے عذابات میں گرفتار کر کے رسوا کئے گئے اس سے تاریخ لبریز ہے، حضرت یحییٰ، زکریا وشعیب عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے قاتلوں پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو ذلیل وخوار کر کے قتل کیا۔

سوم: نمرود کو اللہ تعالیٰ نے کیسے عذاب میں پکڑا۔

چہارم: عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا، جنہوں نے ان کو ذلیل وخوار کیا اور پھر قیامت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر غالب فرمائیں گے۔

پنجم: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں زیر کیا، ان کے سرکش سردار مارے گئے، کچھ قید کر کے لائے گئے، باقی ماندہ فتحِ مکہ میں گرفتار کر کے لائے گئے جن کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آزاد کر دیا۔ آپ کا کلمہ دنیا میں بلند ہوا اور وہی سب ادیان پر غالب آیا۔ پورے جزیرۃ العرب پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانے ہی میں اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔[2]

مادّی فتح اور ظاہری عزت و رِفعت بھی آخر کار انہی کو حاصل ہوتی ہے جو حق کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں اور اس "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی معیت کو اپنے ساتھ لینے کی فکر کرتے ہیں جن صفات کو اپنانے سے اس "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی معیت ساتھ ہوتی ہے ان صفات کو اپناتے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے، ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجامِ کار مؤمنین دُعاۃ (دین کی دعوت دینے والوں) کے مقابلے میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے داعیوں کا انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

جو لوگ اس "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرف دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے میں اپنے

---

[1] معارف القرآن: ۱۸۰/۳ [2] معارف القرآن: ۶۰۹/۷

دن ورات کھپائیں ان کو کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلتِ عدد اور عُدد (گنتی اور سامان) سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بل کہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس "اَلْقَوِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے جیسے انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو غالب فرمایا، اسی طرح ہمیں بھی غالب فرمائے گا یا اہلِ باطل کو ہدایت دے گا یا ان کو نیست و نابود کر دے گا۔

علامہ طیبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اس کے کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کو نافذ فرمانے میں کسی لشکر یا فوج کے محتاج نہیں، نہ وہ کسی کی مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ ارادہ فرمائیں کسی بندے یا قوم کو ہلاک کرنے کا تو ان کے اسبابِ حفاظت بھی ان کے لئے اسبابِ ہلاکت بن جاتے ہیں۔ شیخ ابوعلی الدقاق رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"خَفْ مَنْ لَّا یَحْتَاجُ إِلٰی عَوْنٍ عَلَیْكَ، بَلْ لَوْ شَآءَ إِتْلَافَكَ أَخْرَجَكَ عَلٰی نَفْسِكَ، حَتّٰی یَکُوْنَ هَلَاکُكَ عَلٰی یَدِكَ" کَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

إِلٰی حَتْفِيْ مَشٰی قَدَمِيْ أَرٰی قَدَمِيْ أَرَاقَ دَمِيْ[1]

تَرْجَمَۃ: "اس ذات کو ناراض کرنے سے ڈرو کہ جو اگر تمہارے خلاف فیصلہ کرنا چاہے تو کسی کے مشورے یا مدد کا محتاج نہیں بل کہ وہ ایسا قوی ہے کہ تمہارے اسبابِ حفاظت ہی کو تمہارے لئے اسبابِ ہلاکت بنا دے، اگر تمہاری ہلاکت کا فیصلہ فرمالے تو تمہارے ہاتھوں ہی تمہیں ہلاک کر دے۔"

یعنی تمہاری ہی کلہاڑی تمہارے پاؤں پر پڑ جائے گی۔

جیسے شاعر کہتا ہے:

"میری موت ہی کی طرف میرے قدم بڑھے اور میرے قدموں ہی نے میرا خون کیا ہے۔"

"اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے مخلوق کو بھی مختلف قوتیں دی ہیں

"اَلْمَتِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے کسی کو ایسی قوتِ حافظہ عطا کی ہے کہ وہ جو پڑھ لیتا ہے یا سن لیتا ہے عمر بھر کے لئے اس کی قوتِ حافظہ میں ضبط ہو جاتا ہے۔ کسی کو سونگھنے کی طاقت ایسی عطا کی ہے کہ وہ بہت دور پڑی ہوئی چیز کی خوشبو کو بھی محسوس کر لیتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں اور مکوڑے وغیرہ، کتے کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ مختلف خوشبوؤں کا ریکارڈ اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکتا ہے اور اگر کبھی کسی راہ پر چلا ہو تو برسوں کے بعد بھی سونگھ سونگھ کر اس راہ پر اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

شروع زمانہ میں اسلامی حکومتوں نے تو باقاعدہ کبوتروں سے نامہ رسانی کا کام لیا ہے اور کبوتروں کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ تھا۔ جنگوں میں تو خاص طور سے کبوتروں سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ اور دوسرے پرندے اور شہد کی مکھیاں وغیرہ کھلی

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ: ٥/٤٨

فضا میں کیسے امتیاز کر لیتے ہیں، اس "المَتِینُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے معمولی معمولی کیڑے، مکوڑوں کو بھی بڑی بڑی قوتیں عطا کی ہیں کہ بڑے سے بڑے انسان کو بے تاب کر دیتے ہیں اور قوت سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

اس قصہ سے "المَتِینُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر اعتماد سیکھنا چاہئے

وَاقِعَۃٌ نَمْبَرُ ⑲: ہندوستان کے بادشاہ عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے زمانے میں کسی ریاست کا ایک راجہ تھا، اس کا انتقال ہوگیا اس کے لڑکے کے جو چچا وغیرہ تھے وہ اس کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور اس کو محروم کرنا چاہتے تھے، وزیروں نے اس کے باپ کا نمک کھایا تھا، اس کو سکھایا کہ بیٹا دہلی چلو، ہم عالمگیر سے سفارش کر دیں گے۔ تم بچے ہو بادشاہ رحم کر دے گا اور تمہیں تمہارے باپ کی گدی دے دے گا اور دو وزیر اس کو راستہ بھر پڑھاتے رہے کہ بادشاہ یہ پوچھے تو یہ کہنا اور یہ پوچھے تو یہ کہنا۔ پھر جب دہلی کا قلعہ قریب آیا تو لڑکے نے کہا: آپ لوگوں نے جو پڑھایا ہے اگر بادشاہ نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سوال کر لیا تو کیا جواب دوں گا؟

تب دونوں وزیر ہنسے اور کہا: یہ لڑکا بہت چالاک ہے یہ خود ہی جواب دے دے گا۔ اس کی رہبری کی ضرورت نہیں۔

عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حوض پر نہا رہے تھے کہ یہ لڑکا پہنچا اور اس نے سلام کیا اور کہا: حضور! میں کچھ درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست سن کر عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور کہا: میں تجھ کو اس پانی میں ڈبو دوں؟

لڑکا زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا تب عالمگیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: ایسے پاگل کو کیا ریاست ملے گی۔ تجھ کو تو کہنا چاہئے تھا کہ ہمیں نہ ڈبوئیے، لیکن تو موقعِ خوف پر ہنس رہا ہے یہ تو پاگلوں کا کام ہے، تو کیا ریاست سنبھالے گا۔ اس نے کہا: حضور پہلے آپ مجھ سے سوال تو کر لیں کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں۔ پھر جو آپ کا فیصلہ ہو وہ کریں، فرمایا: اچھا بتاؤ کیوں ہنسے؟

اس نے کہا: حضور! آپ بادشاہ ہیں، بادشاہوں کا اقبال بہت بڑا ہوتا ہے۔ اگر میری انگلی آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو میں نہیں ڈوب سکتا تھا چہ جائے کہ میرے دونوں بازو آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔ میں کیسے ڈوب سکوں گا۔ ہم ہر خوف، ہر پریشانی میں سوچیں کہ ہم "المَتِینُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی نگرانی میں ہیں، ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں۔

مخلص و مؤمن بندوں کو چاہئے کہ وہ "المَتِینُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر اعتماد رکھیں اور کامل بھروسہ اسی کی ذات پر رکھیں۔[1]

---

[1] ماخوذ از استغفار کے ثمرات: مولانا حکیم اختر صاحب: ۲۲، ۲۳

فوائد ونصائح

❶ جو بندہ اللہ کی قوت ومضبوطی کو پہچان لیتا ہے تو وہ اپنی طاقت پر فخر کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ لوہا اس ذات کے حکم سے موم بنتا ہے تو ساری دنیا کا لوہا اور ساری دنیا کا اسلحہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، تو وہ شخص کسی کی طاقت سے متاثر، مرعوب اور خوف زدہ نہیں ہوگا۔

❷ جب بندہ یہ یقین پیدا کرے کہ طاقت وقوت والا صرف وہی اللہ ہے تو وہ یہ بھی سمجھے گا کہ عبادت، نیکی، شرک سے دوری بھی اسی ذات کی وجہ سے ہے۔ نفس اور شیطان کے شر سے بھی بچنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

❸ وہ ذات اتنی بڑی طاقت وقوت والی ذات ہے کہ ساری دنیا کی طاقت اس کے سامنے مچھر کے پر کی حیثیت نہیں رکھتی، ساری دنیا کا علم چڑیا کی چونچ میں سمانے والے پانی کے برابر نہیں۔

اَلْوَلِیُّ جل جلالہ

(سرپرست و مددگار)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْوَلِيُّ: النَّاصِرُ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾[1]

وَهُوَ تَعَالٰى وَلِيُّهُمْ بِأَنْ يَّتَوَلّٰى نَصْرَهُمْ وَ إِرْشَادَهُمْ ......، كَمَا يَتَوَلّٰى ذٰلِكَ مِنَ الصَّبِيِّ ...... وَلِيُّهٗ، وَهُوَ يَتَوَلّٰى يَوْمَ الْحِسَابِ ثَوَابَهُمْ وَجَزَاءَهُمْ.[2]

امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اَلْوَلِیُّ کے معنی "الناصر"، یعنی مددگار کے ہیں، اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے۔

یعنی اللہ ربّ العزت ہی مؤمنین کے ولی (دوست) ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مؤمنین کی مدد، ان کی خیر خواہی، ان کی بھلائی، اور ان کی ساری ضرورتوں کے پورا کرنے کی ذمہ داری خود قبول فرمالی ہے، جیسا کہ ایک ننھے بچے کی بعض ظاہری ضرورتوں کی ذمہ داری عارضی وقت کے لئے اس کا سرپرست قبول کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اپنے بندوں کی جزا و سزا کے متولی و مددگار ہوں گے۔"

ولی کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے مشکل ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست، مددگار، محبت کرنے والا ...... سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ یعنی ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور خصوصی تعلق ہو۔

❷ "مُحِبُّهُمْ وَمُتَوَلِّيْ أُمُوْرِهِمْ" بندوں سے محبت کرنے والا اور ان کے امور کا نگراں۔

❸ "نَصِيْرُهُمْ وَظَهِيْرُهُمْ يَتَوَلَّاهُمْ بِعَوْنِهٖ" بندوں کا مددگار اور ان کو اپنی پناہ اور مدد میں لینے والا۔

❹ "اَلْوَلِيُّ الْمُتَكَفِّلُ بِالْمَصَالِحِ" بندوں کی بھلائی چاہنے والا ...... اہلِ ایمان کے بگڑے کام بنانے والا ...... آڑے وقت ان کے کام آنے والا ...... صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ کہ کوئی بندہ ...... یا کوئی دیوی ...... دیوتا ...... نہ

[1] البقرة: ۲۵۷ [2] تفسير الاسماء: ۵۵، نقلاً عن النهج الاسمٰى: ۲/ ۴۶

سیارے ستارے...... اور نہ ہی کوئی پیر فقیر۔[1]

۵ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلْمُحِبُّ لِأَوْلِيَائِهٖ...... اَلنَّاصِرُ لَهُمْ عَلٰى أَعْدَائِهِمْ...... مِنْ أَنْفُسِهِمْ...... وَأَهْوِيَتِهِمْ...... وَمَا يَدْعُوْهُمْ إِلٰى غَيْرِ لِقَائِهٖ"[2]

ترجمہ: "ولی وہ ذات ہے جو اپنے دوستوں سے محبت کرے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے، (وہ دشمن) چاہے نفس کی شکل میں ہو یا (ناجائز) خواہشاتِ نفسانی کی شکل میں ہو یا وہ دشمن ہو جو آخرت کی تیاری کرنے میں مانع بنے۔"

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "اَلْوَلِيُّ" اس مددگار کو کہتے ہیں جو شفقت اور محبت کرنے والا بھی ہو۔[3] مددگار تو بہت ہوتے ہیں، ایسا مددگار جو ہر قسم کی...... ہر وقت...... ہر جگہ...... ہر موقع پر...... انفرادی، اجتماعی مدد کرے، اور اس مدد کے ساتھ محبت و شفقت بھی ہو وہ ذات اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ہے جس کا ایک مبارک نام "اَلْوَلِيُّ" ہے۔

ابنِ جریر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کی کفایت فرمانے والے ہیں، تمہارے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ربُّ العزت تمہارے ربّ ہیں...... تمہارے دوست ہیں...... تم سے قریب ہیں...... تمہارے معاملات سے بھی قریب ہیں...... اور تمہارے تمام حالات سے بھی باخبر ہیں...... تمہاری نگرانی فرماتے ہیں...... دشمنوں سے تمہاری حفاظت فرماتے ہیں...... کہ کہیں تمہارے دشمن تمہیں دین سے دور نہ کر دیں یا تمہیں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اتباع سے روک نہ دیں۔"

اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"یقیناً میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے۔"[4]

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ مشرکین سے جو کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں فرما دیجئے! "بے شک میرا دوست...... میرا مددگار...... میرا معاون...... اور تم سے میری حفاظت کرنے والا...... میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور وہ ہر اس بندے/ بندی کا دوست ہے جس کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طریقوں کے موافق ہو۔"[5]

---

[1] تفسیر ماجدی: ۱/۱۰۸، البقرۃ: ۲۵۷ [2] مرقاۃ شرح المشکاۃ: ۵/۹۲ [3] تفسیر قرطبی: ۷/۳۳۵، الاعراف: ۱۹۶ [4] الاعراف: ۱۹۶

[5] وَقَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (النساء: ۱۳۲) وَكَفَاكُمْ وَحَسْبُكُمْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ وَلِيًّا يَلِيْكُمْ وَيَلِيْ أُمُوْرَكُمْ بِالْحِيَاطَةِ لَكُمْ، وَالْحِرَاسَةِ مِنْ أَنْ يَسْتَفِزَّكُمْ أَعْدَاؤُكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ، أَوْ يَصُدُّوْكُمْ عَنِ اتِّبَاعِ نَبِيِّكُمْ. (جامع البيان: ۵/۷۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِندَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [1]

أَيْ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِسَبَبِ أَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ الَّتِي قَدَّمُوهَا وَ تَقَرَّبُوا بِهَا إِلَى رَبِّهِمْ. [2]

ترجمہ: ''ان لوگوں کے واسطے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی ان کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ (نیک اعمال) کرتے رہے ہیں۔''

یعنی اللہ ربُّ العزت ان کے دوست ہیں، ان کے کارساز ہیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے جنہیں وہ آگے بھیج چکے ہیں اور ان اعمال کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہیں۔

سورۂ انعام کی یہ آیت نمبر ۱۲۷ بڑی عجیب آیت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مبارک تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔

وَالْوَلِيُّ مَعْنَاهُ الْقَرِيبُ فَقَوْلُهُ ﴿عِندَ رَبِّهِمْ﴾ يَدُلُّ عَلَى قُرْبِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى وَقَوْلُهُ ﴿هُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ يَدُلُّ عَلَى قُرْبِ اللّٰهِ مِنْهُمْ وَلَا نَرَى فِي الْعَقْلِ دَرَجَةً لِلْعَبْدِ أَعْلَى مِنْ هٰذِهِ الدَّرَجَةِ. [3]

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقۂ قرب وولایت ہے یہ ان بندوں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہے ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ولی کے معنی قریب کے ہیں اور مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے نیک اعمال کرنے والے بندوں کا انتہائی شرف واعزاز ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ اُن سے نزدیک اور وہ اللہ سے نزدیک، یعنی اللہ تعالیٰ تو سب بندوں سے نزدیک وقریب ہے یہاں قرب بمعنی خصوصی تعلق بندوں کا اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے انعام ہے۔ ﴿عِندَ رَبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ﴿وَلِيُّهُمْ﴾ بندوں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کا مظہر۔

﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبہ اور اعزاز کہ آخرت میں ان کے لئے سلامتی کا گھر...... اور اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور کارساز بنا...... یہ ان کے نیک عملوں کی وجہ سے ہے ترکِ اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

وَقَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ وَلِيِّـيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ﴾ (الاعراف: ۱۹۶) يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ لِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلْمُشْرِكِينَ مِنْ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ: إِنَّ وَلِيِّي وَنَصِيرِي وَمُعِينِي وَظَهِيرِي عَلَيْكُمُ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ عَلَيَّ بِالْحَقِّ، وَهُوَ يَتَوَلَّى مَنْ صَلَحَ عَمَلُهُ بِطَاعَتِهِ مِنْ خَلْقِهِ." (النهج الاسمى: ۲/۴۵)

[1] الانعام: ۱۲۷ [2] النهج الاسمى: ۲/۵۲ [3] تفسير ماجدى: ۲/۱۰۰

❶ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾[1]

❷ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾[2]

❸ ﴿وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾[3]

ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ساتھ ''اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مدد

وَاقِعَۂ نَمبر (۴۰): اللہ تعالیٰ جس کا ولی ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ معجزہ تو مشہور ہے کہ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ آگ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہی نمونہ امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے ایک بزرگ حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے لئے ظاہر فرمایا، جس وقت یمن کے جھوٹے نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی نے انہیں بلا کر اپنی نبوت کا اقرار کروانا چاہا، لیکن انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اسود عنسی نے لکڑیاں جمع کر کے ایک زبردست آگ دہکائی اور حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اس میں ڈال دیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنا دیا، اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔ لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ ان کو مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے، اس لئے یہاں سے جلا وطن کر دیں چناں چہ اسود عنسی نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو جلا وطن کر دیا۔

یمن سے جلا وطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خلیفہ بن گئے تھے۔ مسجدِ نبوی کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں دیکھا تو پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''یمن سے''

(چوں کہ اس واقعہ کی شہرت مدینہ تک پہنچ چکی تھی کہ اسود عنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محفوظ رہا) اس لئے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا:

''ہمارے اس دوست کا کیا قصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے دشمن (اسود عنسی) نے آگ میں ڈالا مگر اسے نقصان نہیں پہنچا؟''

ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جواب دیا: ''وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا۔''[4]

---

[1] البقرة: ۲۵۷ [2] الشوریٰ: ۹ [3] الشوریٰ: ۲۸ [4] عبداللہ بن ثوب ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہی کا نام تھا۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "قسم کھا کر بتاؤ وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟"

"ہاں وہ میں ہی ہوں" ابو مسلم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جواب دیا۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس لے گئے اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ بالکل ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَام جیسا معاملہ ہوا۔"

یہ ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کا بڑا احترام فرماتے تھے، یہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نرم و گرم نصیحتیں فرماتے رہتے تھے اور وہ ان کی بڑی قدر وانہماک کے ساتھ سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو یا تین مہینے تک تنخواہیں نہیں ملیں، اسی دوران حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے دورانِ خطبہ ہی کہا:

"اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔"

حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا: "لوگو! ابو مسلم نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا، ابو مسلم نے سچ کہا اور میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا اور پانی آگ بجھاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔ اب تم لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔"[1]

دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے تین تدابیر

① پہلی تدبیر یہ ہے کہ ہم شرک سے بچیں اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے غیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہ ہونے کا یقین دل و دماغ میں بٹھائیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھیں، اور کسی سے خوف نہ کھائیں۔

② چھوٹے بڑے ہر گناہ سے بچیں، گناہ کرتے ہوئے بندہ، بندی کبھی اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں بن سکتا، حدیث میں آتا ہے "اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ"[2] گناہوں کو چھوڑ دو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، جو جتنا گناہوں سے بچے گا اتنا ہی وہ اس حدیث کے مواقق عبادت گزار بن جائے گا، گناہ سے بچنے والے کی دعا بہت جلد قبول

[1] حلية الاولياء: ٢/١٥٢، رقم: ١٧٧٦ [2] مسند احمد: ٢/٣١٠، رقم: ٨٠٣٤

ہوتی ہے، جو اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کو اپنا کارساز بنانا چاہے اور اس کی بات نہ مانے اس کی غلامی میں داخل نہ ہو تو کیسے وہ اپنا کارساز اللہ تعالیٰ کو بنا سکتا ہے۔ جب ہم غلام ہیں، عبد ہیں تو غلام کو اپنے مالک کی چاہت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔

جو غلام اپنی آنکھوں کی حفاظت نہ کر سکے، اپنی زبان کو غیبت وفضول گوئی سے نہ بچا سکے، جو باندی اپنے آپ کو بے پردگی سے نہ بچا سکے، وہ اپنے آپ کو بندہ اور بندی کی فہرست میں کیسے شامل کر سکتا ہے۔

۳ کسی پر ظلم کرنے سے بچے، کسی کو نہ ستائے، کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی آہ نہ لے، کسی کو کسی قسم کی بھی اذیت نہ دے، ہماری شریعت میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کو تکلیف دینا ہے۔[۱]

جو "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نبیوں اور ولیوں کی مدد کرتا رہا وہ اب بھی صالحین بندوں کی مدد اور کام بنانے پر اسی قدرت اور وعدوں کے ساتھ موجود ہے۔ ہم اسی کو کارساز اور ہمدم اور دم ساز سمجھیں۔ ساری حاجات اسی "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سامنے پیش کریں۔

"اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" جب کسی کی مدد کا فیصلہ فرمالے تو خواہ کسی کے اپنے ہی اقرباء رشتہ دار یا جاہ ومنصب والے اس کو ہلاک یا رسوا کرنے کا ارادہ کریں اور ہلاکت اور رسوائی کے سارے اسباب بھی اپنا لیں تب بھی وہ "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" اس کو عزت حفاظت اور نیک نامی کا تاج پہنا دیتا ہے۔

اس لئے ہمیں کبھی کسی مخلوق سے ڈرنا، گھبرانا نہیں چاہئے۔ اپنا ولی اسی "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کو بنانا چاہئے جس کا وہ ولی ہو اس کو مخلوق کی دھمکیوں سے پریشانی لاحق نہیں ہوتی وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ دھمکیاں اصل "مَالِکُ الْمُلْکِ" اور میرے ولی کی مرضی کے بغیر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لہٰذا کوئی انسان ......، جن، جادوگر......، شیطان کا کوئی چیلہ ......، ہمارا بال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بیکا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں بھی چاہئے کہ اس "اَلْوَلِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مدد ساتھ لینے کے لئے ان صفات سے متصف ہوں، جن پر اس کی مدد کے وعدے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[۲]

تَرجَمَہ: "وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے۔"

یعنی مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے، اگر دنیا میں مسلمانوں کو وقتی ناکامی بھی ہو جائے تو انجام کار کامیابی ہوگی اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہی ہے، لہٰذا مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔[۳]

[۱] حقوق العباد کے متعلق ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں: (۱) "کسی کو تکلیف نہ دیجئے" (۲) "مظلوم کی آہ" (مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی) یہ دونوں کتابیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے یا کسی کو تکلیف دینے سے بچانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

[۲] محمد: ۱۱ [۳] معارف القرآن: ۲۹/۸

چناں چہ جنگ اُحد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے، مثلاً کافروں کا یہ نعرہ "اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ" (ہبل بت کی جے ہبل بت زندہ باد) کے جواب میں مسلمانوں نے:
"اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ" کا نعرہ بلند کیا۔ اسی طرح "لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ" کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا۔

"اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ"...... اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔[1]

پریشانیوں،...... بے چینیوں......، اُلجھن...... اور ٹینشن...... کے وقت سورۂ آلِ عمران کی آیت ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[2] "مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے" کا مراقبہ دل کی ڈھارس اور تسلی کا سبب بنتا ہے، اور ویسے بھی وقتاً فوقتاً تنہائی میں بیٹھ کر اس آیت کو اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ کو ترجمہ کے دھیان کے ساتھ آہستہ آہستہ بار بار پڑھیں دل کو عجیب سکون ملے گا۔

اسی طرح دعائے قنوت کا یہ جملہ "تَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ." بہت سکون کا ذریعہ ہے۔ یعنی "اے اللہ! جن لوگوں کا تو سہارا اور ولی بنا ہے اس میں مجھے بھی شامل فرمادے یہ دعا قبول ہوگی تو بیڑہ پار ہے، جس کا سہارا اور کارساز اللہ بن جائے اُس کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

فوائد ونصائح

۱ شیخ محمد الحمود النجدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کے بندوں میں جو صفتِ ولایت پر قائم ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ان کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بغض ونفرت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی اور تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی اطاعت گزاری میں لگے رہتے ہیں اور نافرمانی سے بچتے ہیں۔[3]

۲ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو لازم ہے کہ ہر آن، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے زیرِ سرپرستی

---

[1] بخاري، المغازي، باب غزوة أحد: ٢/٥٧٩ [2] آل عمران: ٦٨

[3] وَمِنْ صِفَةِ الْوَلِيِّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ: أَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى وَرَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُحِبُّ مَنْ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَيُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَيُوَالِيْ مَنْ وَالَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَيُعَادِيْ مَنْ يُعَادِي اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَيَنْتَهِيْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ. (النهج الاسمٰى: ٢/٥٣)

سمجھیں ہر خوشی، غمی میں اس بات کا خیال رکھے کہ اللہ میرے مددگار ہیں، اللہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کو کامل صداقت کے ساتھ دل میں قائم کریں۔ اسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہ بھٹکیں۔ سینہ میں دل ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کو ایک ہی کی نذر کردیں جو "اَلْوَاحِدُ الصَّمَدُ" ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۳ جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ کبھی بھی قرآن کریم اور احادیث کا علم رکھنے والے حفاظ اور علماء کرام کی غیبت نہیں کرے گا۔ جن لوگوں نے اللہ کے کلام کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا اس کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی اگر نفس و شیطان نے ان پر حملہ کیا پھر بھی ہمارے لئے غیبت کرنے کا جواز نہیں ہے اس لئے کہ اللہ ہمارا ولی ہے اور جو ولی کے دین کی حفاظت اور اشاعت کرنے والے ہیں ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اُن سے محبت رکھیں۔

اسلام پر ثابت قدمی کی دعا

اس اسم کے متعلق یہ دعا یاد رکھنی چاہئے:

"يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى أَلْقَاكَ."[1]

تَرجَمَہ: "اے مالک اسلام کے اور اسلام والوں کے مجھے اسلام پر قائم رکھ، یہاں تک کہ میں تیرے سامنے حاضر ہو جاؤں۔"

---

[1] المعجم الأوسط للطبراني، من اسمه احمد: ۱/۱۹۷، رقم: ٦٦١

الحمید جل جلالہ

(لائق حمد وستائش)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْحَمِيْدُ: اَلَّذِيْ اسْتَوْجَبَ عَلَيْكُمْ أَيُّهَا الْخَلْقُ الْحَمْدَ بِصَنَائِعِهِ الْحَمِيْدَةِ إِلَيْكُمْ، وَآلَائِهِ الْجَمِيْلَةِ لَدَيْكُمْ، فَاسْتَدِيْمُوا ذٰلِكَ أَيُّهَا النَّاسُ بِاِتِّقَائِهِ، وَالْمُسَارَعَةَ إِلٰى طَاعَتِهٖ فِيْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ وَيَنْهَاكُمْ عَنْهُ.[۱]

"الحمید سے مراد وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق پر اپنی تعریف کو واجب قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنی مخلوق پر خوب خوب انعامات کر رکھے ہیں اور احسان کا معاملہ فرمایا ہے۔ تو اس کی نافرمانی سے بچتے ہوئے اس کی تعریف میں مستقل لگے رہو اور اس کی فرماں برداری کی جانب دوڑ کر چلو یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے اس کے پورا کرنے کی فکر کرو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔"

❷ اَلْحَمِيْدُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّحْمَدَ، لِأَنَّهٗ -جَلَّ ثَنَاؤُهٗ- بَدَأَ فَأَوْجَدَ، ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَ النِّعْمَتَيْنِ الْجَلِيْلَتَيْنِ: اَلْحَيَاةِ وَالْعَقْلِ، وَوَالٰى بَيْنَ مِنَحِهٖ، وَتَابَعَ آلَاءَهٗ وَمِنَنَهٗ، حَتّٰى فَاتَتِ الْعَدَّ، وَإِنِ اسْتُفْرِغَ فِيْهَا الْجُهْدُ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ سِوَاهُ؟ بَلْ لَهُ الْحَمْدُ كُلُّهٗ لَا لِغَيْرِهٖ كَمَا أَنَّ الْمَنَّ مِنْهُ لَا مِنْ غَيْرِهٖ.[۲]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الحمید جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تعریف کی مستحق ہے۔ اسی نے ساری انسانیت کو وجود بخشا پھر دو عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ ① زندگی ② عقل ...... اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بل کہ اس کی عطایا پے در پے جاری ہیں، اس کے احسانات و انعامات مسلسل جاری ہیں اور اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، اگر کوئی ان نعمتوں کو شمار کرنے کے لئے اپنی ذاتی جد و جہد کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی پوری کوشش کر لے تب بھی وہ ان نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتا۔

[۱] جامع البيان: ۲۰۵/۵ [۲] الاسماء للبيهقي: ۵۹، وكذا في الكتاب الأسنى: ۲۹٤

جو ربّ العزت ایسی کریم ذات ہو کہ جس کی نعمتوں کو گنا ہی نہ جا سکتا ہو، ہر گھڑی ہر ہر انسان پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں کروڑں نعمتوں کی بارشیں برسا رہی ہو، اس کے سوا تعریف کا اور کون مستحق ہوسکتا ہے؟

لہٰذا تمام کی تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے نہیں، جس طرح کہ تمام احسانات اللہ ربّ العزت کی طرف سے ہیں غیر کی طرف سے کوئی ایک احسان بھی نہیں ہے۔"

۳ وَهُوَ (الْحَمِيْدُ) أَيْ: أَلْمَحْمُوْدُ فِيْ جَمِيْعِ أَفْعَالِهِ وَأَقْوَالِهِ......وَشَرْعِهِ وَقَدَرِهِ......، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ...... وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.[۱]

"امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "الحمید جل جلالہ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت اپنے تمام کاموں میں اور تمام باتوں میں اور اپنی شریعت اور تقدیر میں لائقِ تعریف و حمد ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی کوئی پروردگار ہے۔"

یعنی ہر ہر کام اس کا قابلِ تعریف ہے......اس کا ہر ہر قول لائق ستائش ہے......اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہر ہر حکم حکمتوں پر مبنی ہے......اللہ کا ہر ہر فیصلہ اٹل اور انصاف والا ہے...... ہر ہر مخلوق کو اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ سے پیدا کیا ......اور مقررہ وقت پر اس کو اپنے فیصلہ کے موافق موت دی، یہ سب امور قابلِ تعریف ہیں۔

۴ "اَلْحَمِيْدُ فِيْ ذَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ، فَلَهُ مِنَ الْأَسْمَآءِ أَحْسَنُهَا، وَمِنَ الصِّفَاتِ أَكْمَلُهَا وَأَحْسَنُهَا، فَإِنَّ أَفْعَالَهُ تَعَالٰى دَآئِرَةٌ بَيْنَ الْفَضْلِ وَالْعَدْلِ."[۲]

"امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ربّ العزت اپنی ذات، اپنے اسماء، اپنی صفات اور اپنے تمام افعال میں لائق حمد و تعریف ہیں، اللہ ربّ العزت کے اسمائے مبارکہ سب ناموں سے اچھے ہیں اور اسی طرح "الحمید جل جلالہ" کی صفات سب کی سب کامل اور خوب تر ہیں، اللہ ربّ العزت کے تمام کام احسان اور انصاف پر مبنی ہیں۔"

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ "قصیدہ نونیہ" میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ "الحمید" ہیں یعنی تمام تعریفیں اسی کی طرف رجوع ہو کر جاتی ہیں، اس لئے کہ جتنے بھی محامد و محاسن بیان ہونے والے ہیں یا جو گزشتہ زمانوں میں بیان ہو چکے، یہ تمام محامد و محاسن وجود کائنات کو بھر دیں حتیٰ کہ ان کا شمار و اندازہ بھی ممکن نہ رہے تب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ان تمام تعریفات کے اہل ہیں اور ان ہی کے لائق یہ تعریفات ہیں، پاک ہے وہ ذات اور اسی کے لئے تمام تعریفات ہیں کیوں کہ تمام تعریفات احسان کرنے والے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔"[۳]

۱ تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۲۱، البقرۃ: ۲۶۷ ۲ تیسیر الکریم: ۵/۶۹۹، البقرۃ: ۲۶۷

۳ قَالَ ابن القیم رحمہ اللہ فی نونیتہ:

وَهُوَ الْحَمِيْدُ فَكُلُّ حَمْدٍ وَاقِعٌ أَوْ كَانَ مَفْرُوْضًا مَدَى الْأَزْمَانِ

پس "الحمید جل جلالہ" وہ ذات ہے جس کی ایسی صفات اور اسباب حمد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ محمود ہے اور اگر کوئی اس کی تعریف نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنی ذات میں حمید ہے اور محمود وہ ذات ہے جس کے ساتھ تعریف کرنے والوں کی تعریف کا تعلق ہو اور یہی فرق مجید اور ممجد، کبیر اور مکبر، عظیم اور معظم میں ہے۔" [۱]

قرآن کریم میں کئی جگہوں پر یہ اسم مبارک آیا ہے ان میں سے تین یہ ہیں:

① ﴿وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [۲]

② ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۚ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ [۳]

③ ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [۴]

الحمید جل جلالہ کے بہترین بندے اس کی حمد وثناء کرنے والے ہیں

واقعہ نمبر (۲۱): حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل کہتے ہیں:

بخت نصر نے دو شیر بھوکے رکھے، پھر انہیں ایک کنوئیں میں ڈالا، اور پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو لایا، انہیں ان کے پاس پھینک دیا، اللہ کی قدرت وہ دونوں شیر ذرہ برابر ہیجان میں نہیں آئے حالاں کہ بھوکا ہونے کی وجہ سے انہیں غیظ وغضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی بوٹی بوٹی نوچ لینی چاہئے تھی۔ مگر جتنی دیر اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی دانیال وہاں ٹھہرے۔

پھر انسانوں کی طرح انہیں کھانے پینے کی اشتہاء ہوئی تو اللہ نے ارمیا [۵] نبی کو وحی کی حالاں کہ وہ وہاں سے بہت دور شام کے علاقہ میں تھے، کہ دانیال کے لئے کھانا، پینا تیار کرو۔ ارمیا نے عرض کیا:

"میرے پروردگار! میں شام کی سرزمین مقدس میں ہوں، دانیال سرزمین بابل میں ہیں، جو کہ عراق میں ہے، وہاں

مَلَأَ الْوُجُوْدَ جَمِيْعَهٗ وَنَظِيْرَهٗ مِنْ غَيْرِ مَا عَدٍّ وَلَا حُسْبَانِ
هُوَ أَهْلُهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِحَمْدِهٖ كُلُّ الْمَحَامِدِ وَصْفُ ذِي الْإِحْسَانِ

(النونية: ۲/۲۱۵)

[۱] "فَالْحَمِيْدُ الَّذِيْ لَهٗ مِنَ الصِّفَاتِ وَأَسْبَابِ الْحَمْدِ مَا يَقْتَضِيْ أَنْ يَّكُوْنَ مَحْمُوْدًا، وَ إِنْ لَّمْ يَحْمَدْهُ غَيْرُهٗ فَهُوَ حَمِيْدٌ فِيْ نَفْسِهٖ وَالْمَحْمُوْدُ مَنْ تَعَلَّقَ بِهٖ حَمْدُ الْحَامِدِيْنَ، وَهٰكَذَا الْمَجِيْدُ وَالْمُمَجَّدُ وَالْكَبِيْرُ وَالْمُكَبَّرُ وَالْعَظِيْمُ وَالْمُعَظَّمُ" (النهج الأسمٰى: ۲/۶۳)

[۲] البقرة: ۲۶۷ [۳] هود: ۷۳ [۴] ابراهيم: ۸

[۵] ارمیا بنی اسرائیل کے چار بڑے انبیاء میں سے ایک ہیں، انہوں نے یہودا کی مملکت کے خاتمے سے پہلے نبوت کا اعلان کیا تھا اور اس وقت کے بادشاہوں کی ستم رانیوں کو برداشت کرتے رہے تھے۔

رسائی کیسے ہو؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اسے تیار کریں، سواری کا بندوبست ہم خود کریں گے، جو تجھے اور تیار کھانے کو اٹھا لے جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سواری کا انتظام کر دیا۔ اب وہ کنوئیں کے کنارے کہ جہاں اللہ کے نبی قید تھے، پہنچتے ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں اور مندرجہ ذیل مکالمہ ہوتا ہے:

دانیال: ''کون ہو؟''

ارمیا: ''میں ارمیا نبی ہوں۔''

دانیال: ''کس لئے تشریف لائے؟''

ارمیا: ''مجھے رب کائنات نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔''

دانیال: ''کیا رب ذوالجلال نے میرا ذکر کیا ہے؟''

ارمیا: ''ہاں۔''

(یہ سن کر) دانیال اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریفات کے نغمات بلند کرنے لگے۔[1]

۱ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا يَنْسٰى مَنْ ذَكَرَهٗ."

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کو یاد کرتا ہے وہ اسے نہیں بھولتا۔''

۲ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا يُخَيِّبُ مَنْ رَجَاهُ."

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کے ساتھ امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ اسے نامراد و ناکام نہیں کرتا۔

۳ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ."

''تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔''

۴ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنْ وَثِقَ بِهٖ لَمْ يَكِلْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ."

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جو اس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اسے اپنے غیر کے سپرد نہیں کرتا۔''

۵ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَجْزِيْ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسَّيِّاٰتِ غُفْرَانًا."

''تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے اور گناہوں کے بدلہ میں مغفرت عطا کرتا ہے۔''

۶ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَجْزِيْ بِالصَّبْرِ نَجَاةً."

''تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو صبر کے بدلہ میں نجات دیتا ہے۔''

---

[1] یہاں سے ''نو'' ''کلمات حمد'' ذکر کئے جاتے ہیں جس کو نمبروار بیان کیا گیا ہے۔

❼ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَكْشِفُ ضُرَّنَا بَعْدَ كَرْبِنَا."
"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو ہماری پریشانی کے بعد تکلیف کو دور کرتا ہے۔"

❽ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ ثِقَتُنَا حِيْنَ تَسُوْءُ ظُنُوْنُنَا بِأَعْمَالِنَا."
"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جب ہماری بداعمالیوں کے ساتھ بدگمانیاں بڑھ جاتی ہیں تو ہمارا اس وقت سہارا ہے۔"

❾ "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ رَجَاءُ نَا حِيْنَ تَنْقَطِعُ الْحِيَلُ مِنَّا."
"اور تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جو ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے اور ڈھارس اور تسلی کا سبب ہے اس وقت کہ جب ہماری حیلہ سازیوں کے تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے

حضرت مطرف بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے ارشاد فرمایا: "آج میں تم سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں تا کہ آج کے بعد اللہ تعالیٰ تم کو اس حدیث کی وجہ سے نفع دیں:"

اِعْلَمْ أَنَّ خَيْرَ عِبَادِاللّٰهِ -تَبَارَكَ وَتَعَالٰى- يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْحَمَّادُوْنَ.[2]

تَرْجَمَۃ: جان لو! کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہوں گے کہ جو بہت زیادہ اللہ ربُّ العزت کی حمد وثناء بیان کرنے والے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہر وقت رطب اللسان رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے انعامات پر حمد بیان کرنے والے بندوں کی فضیلت میں ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے پر جب بھی کوئی انعام فرمائیں تو بندہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے مگر بندے کو اس نعمت کے ملنے پر حمد وشکر کی توفیق ہونا اس نعمت سے زیادہ بہتر ہے جو اس کو حاصل ہوئی ہے۔"[3]

یعنی اللہ تعالیٰ کا دل میں یہ ڈالنا کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے یہ بذاتِ خود بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت سے جو ملی ہے، اس لئے بھی کہ یہ نعمت تو کبھی نہ کبھی فنا ہو جائے گی، لیکن "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کا ثواب ہمیشہ رہے گا۔

قرآن مجید میں اس اسم مبارک کو دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً حمید کو کہیں مجید کے ساتھ، اور کہیں غنی کے ساتھ کہیں عزیز اور ولی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس طرح دو اسم مبارک کو ملانے سے معنی میں مزید مراد کی وضاحت ہو جاتی ہے، غور سے پڑھنے والے کو معرفتِ الٰہی میں ترقی محسوس ہوتی ہے، ایمان اور توحید میں

---

[1] البداية والنهاية: ۳۳/۲ ذکر دانیال علیه السلام [2] النهج الأسمى: ۲/۶۰

[3] وَقَالَ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِيْ فَضْلِ الْحَمْدِ عَلَى النِّعَمِ: مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ نِعْمَةً فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، إِلَّا كَانَ الَّذِيْ أَعْطَاهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ. (ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين، رقم: ۳۸۰۵)

زیادتی ہوتی ہے، تلاوت کے دوران معنی کا خیال رکھنے سے لذتِ مناجات کا لطف دوبالا محسوس ہوتا ہے۔ چناں چہ آیت کریمہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾[1] کا معنی یہ ہوگا "بے شک اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے۔"

دوسری آیت: ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾[2] کا معنی "بے شک اللہ حمد وثنا کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔"

تیسری آیت: ﴿الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾[3] کا معنی "تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو مؤمنین کی سرپرستی و نگرانی فرماتا ہے ان کی مدد اور ان کے حال کی رعایت فرماتے ہوئے ان سے محبت بھی فرماتا ہے اور انہیں اکرام وانعام سے بھی نوازتا ہے۔

چوتھی آیت: ﴿الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾[4] کا معنی یہ ہوگا کہ تمام ستائش اللہ رب العزت ہی کے لئے ہے۔ اس کے غلبہ، قوت ودبدبہ پر اور جو اس نے اپنے بندوں کو اپنے کرم سے اعزاز وشرف سے نوازا ہے پھر اپنے لشکر اور جماعت کی مدد وتائید فرمائی۔

اسی کے بارے میں علامہ ابوعبداللہ ابن قیم الجوزی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کی صفات میں بعض وہ صفات بھی ہیں جو اکیلی اور الگ ذکر کی جاتی ہیں اور بعض صفات ایسی ہیں جو دوسری صفات کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔ اس وقت ایک اور معنی سمجھ میں آتا ہے جیسے: "اَلْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ" "اَلْعَفُوُّ الْقَدِيْرُ" "اَلْحَمِيْدُ الْمَجِيْدُ" اسی طرح اور بھی بہت سی صفات قرآن مجید میں ملا کر ذکر کی گئی ہیں۔[5]

حمد کا حقیقی مستحق صرف الحمید جل جلالہ ہی ہے

ہم جس کی بھی تعریف کرتے ہیں دو وجوہ سے کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسی خوبی اور کمال رکھتا ہو جو اس تک ہی محدود ہو اور ہمیں اس کے فضل وکمال کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ ہمارا محسن ہو اور ہم اعترافِ نعمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی خوبیاں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان دونوں حیثیتوں سے ہے۔

یہ ہماری قدر شناسی کا تقاضہ بھی ہے اور احسان شناسی کا بھی کہ ہم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اور بات صرف اتنی نہیں کہ تعریف اللہ جل جلالہ کے لئے ہے بل کہ صحیح یہ ہے کہ تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور وہ حقیقت ایسی ہے کہ جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

دنیا میں جہاں، جس چیز، جس شکل میں بھی کوئی حسن کوئی خوبی، کوئی کمال ہے اس کا سرچشمہ "الحمید جل جلالہ" ہی

---

[1] البقرة: ۲۶۷ [2] هود: ۷۳ [3] الشورى: ۲۸ [4] البروج: ۸ [5] النهج الاسمیٰ: ۶۱/۲، ۶۲

کی ذات ہے۔ کسی انسان، ...... کسی فرشتے، ...... کسی دیوتا، ...... کسی ستارے، ...... غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ بس اگر کوئی ذات ایسی ہے کہ ہم اس کے گرویدہ ...... احسان مند ...... شکر گزار ...... نیاز مند بنیں تو وہ خالقِ کمال ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیوں کہ اس جہانِ رنگ و بو میں جہاں ہزاروں حسین مناظر اور لاکھوں دل کش نظارے اور کروڑوں نفع بخش چیزیں انسان کے دامنِ دل کو ہر وقت اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں اور اپنی تعریف پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ذرا نظر کو گہرا کیا جائے تو ان سب چیزوں کے پردے میں ایک ہی دستِ قدرت کارفرما نظر آتا ہے اور دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں جیسے کسی نقش و نگار یا تصویر کی یا کسی صنعت کی تعریف کی جائے کہ یہ سب تعریفیں درحقیقت نقاش اور مصور کی یا صناع کی ہوتی ہیں۔

حمد رابا تو نسبتے است دُرست بردرِ ہر کہ رفت بر درِ تست[1]

حمد وستائش کا پیارا جملہ

ماہنامہ البلاغ[2] کا ابتدائی جملہ ہمیں بہت ہی پسند ہے، کیا پیارا جملہ ہے، آپ بھی اس کو یاد کرلیجئے اور خط و کتابت کے شروع میں مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔

"حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔"

"اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تعریف بیان کرنا ہی دراصل دعا مانگنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف بیان کی جائے، اس کی خوب حمد و ثناء کی جائے جہاں بیٹھے وہاں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر و استحضار کر کے بیان کرے۔

انسان دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک بدن دوسرے روح اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر و قیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے، اس ادنیٰ جز کے متعلق بدنِ انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہلِ تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں۔ اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں۔ ہر ایک جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عادۃً انسان کی عمر ساٹھ ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس

[1] معارف القرآن: ۱/۸۰ [2] جو کہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہوتا ہے

کے یہ نرم و نازک اعضاء اور ان کے سب جوڑ اکثر اوقات اس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جاتا، مگر حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کیے۔

اسی قدرتی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم و نازک جوڑ ستر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں۔ انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجئے۔ اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی ان کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگایئے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیوں کہ آنکھ اٹھی اور اس نے کسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی، پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضاء کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اٹھ کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا، پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی اور سال میں کتنی مرتبہ، عمر میں کتنی مرتبہ یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد و شمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، زبان، ہاتھ، پاؤں کے جتنے کام ہیں ان سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہو کر کام پورا ہوتا ہے، یہ تو وہ نعمت ہے جو ہر زندہ انسان کو میسر ہے۔ اس میں بادشاہ و فقیر، امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں، اور اللہ جل شانہ کی بڑی بڑی نعمتیں سب ایسی ہی وقفِ عام ہیں کہ ہر فرد انسانی ان سے نفع اٹھاتا ہے، آسمان، زمین ان دونوں میں اور ان کے درمیان پیدا ہونے والی تمام کائنات، چاند، سورج، اور سیارے، ہوا، فضاء کا نفع ہر جاندار کو پہنچ رہا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں جو انسانوں میں بتقاضائے حکمت کم و بیش عطا ہوتی ہیں، مال اور دولت، عزت و جاہ، راحت اور آرام سب اسی قسم میں داخل ہیں، اگرچہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ عام نعمتیں جو تمام انسانوں میں مساوی اور برابر طور پر مشترک ہیں جیسے آسمان، زمین اور ان کی تمام مخلوقات یہ نعمتیں بہ نسبتِ اُن خاص نعمتوں یعنی مال، دولت وغیرہ کے زیادہ اہم اور اشرف ہیں، مگر بھولا بھالا انسان تمام افرادِ انسان میں عام ہونے کی بناء پر کبھی ان عظیم الشان نعمتوں کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا ہے کہ یہ کوئی نعمت ہے، صرف گرد و پیش کی معمولی چیزیں کھانے پینے، رہنے سہنے، کی خصوصی چیزوں ہی پر اس کی نظر رک جاتی ہے۔

بہر حال یہ ایک سرسری نمونہ ہے، ان نعمتوں کا جو ہر انسان پر ہر وقت مبذول ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی چاہئے

---

[1] الدھر: ۲۸

کہ انسان اپنی مقدور بھر ان احسانات و انعامات کرنے والے کی حمد و ثناء کرے، اور کرتا رہے، اسی تقاضائے فطرت کی تلقین کے لئے قرآن کی سب سے پہلی سورت کا سب سے پہلا کلمہ "اَلْحَمْدُ" لایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو عبادت میں بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائیں اور وہ اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو ایسا ہو گیا کہ گویا جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دے دی۔[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے: "اگر ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو حاصل ہو جائیں اور وہ اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہہ لے تو یہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" ان ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔"[2]

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" زبان سے کہنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے[3] اور حدیث صحیح میں ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" سے میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے[4] حمد کی حقیقت حضرت شقیق بن ابراہیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی چیز عطا فرمائے تو:

1. اوّل اس کے دینے والے کو پہچانو۔
2. پھر جو کچھ اس نے دیا ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔
3. پھر جب تک تمہارے جسم میں اس کی عطا کی ہوئی قوت و طاقت موجود ہے اس کی نافرمانی کے قریب نہ جاؤ۔[5]

الحمید جل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے فضائل

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب میں قرآن کریم کی تقریباً تیس آیات ہیں اور احادیث میں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور سے ذکر کیے گئے ہیں:

1. ایک حدیث میں آیا ہے: "جنت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو ہر حال میں راحت ہو یا تکلیف اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہوں۔"[6]
2. ایک حدیث میں وارد ہے: "حمد شکر کی ...... اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔"[7]
3. ایک حدیث میں ہے: "اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہے تو یہ کہنا ان سب سے افضل ہے۔"[8]

---

[1] ابن ماجه، باب فضل الحامدين: ۲۷۰، رقم: ۳۸۰۵ [2] الجامع الصغير، حرف اللام: ۲/۴۵۳ رقم: ۷۳۹۸
[3] قرطبي: ۱/۱۲۳، الفاتحة: ۱ [4] ترمذي، الدعوات، باب في فضل الوضوء ...... رقم: ۳۵۱۷ [5] تفسير قرطبي: ۱/۱۲۵، الفاتحة: ۱
[6] شعب الايمان: ۶/۲۱۶، رقم: ۴۰۶۳ [7] شعب الايمان: ۶/۲۱۶، رقم: ۴۰۸۵ [8] قرطبي: ۱/۱۲۳

۴ ایک حدیث میں آیا ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کوئی نعمت کسی بندے کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اس نعمت پر (اللہ تعالیٰ کی) حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔[1]

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے آہستہ سے ...... "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ" کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ڈرے کہ شاید کوئی نامناسب بات ہوگئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کچھ مضائقہ نہیں ہے، اس نے بُری بات نہیں کہی۔" تب ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یہ دعا میں نے پڑھی تھی۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تیرہ (13) فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے۔"[2]

۵ یہ حدیث تو مشہور ہے کہ: "جو (اہم اور ضروری) کام اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا جائے گا اس میں برکت نہیں ہوگی۔"[3]

(اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے)۔

۶ ایک حدیث میں آیا ہے: "جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں: میرے بندے کے بچے کی روح نکال لی؟"

وہ عرض کرتے ہیں کہ "نکال لی"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: "اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟"

وہ عرض کرتے ہیں: "بے شک لے لیا"۔ ارشاد ہوتا ہے: "پھر میرے بندے نے کیا کہا؟"

عرض کرتے ہیں: "تیری حمد کی اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔"

ارشاد ہوتا ہے:

"اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ" کہ (اچھا اس کے بدلے میں) جنت میں ایک گھر اس کے لئے بنادو اور اس کا نام "بَیْتُ الْحَمْدِ" (تعریف کا گھر) رکھو۔"[4]

اللہ تعالیٰ کس بندے سے بے حد راضی ہوتے ہیں؟

۷ ایک حدیث میں آیا ہے: "حق تعالیٰ شانہ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پیئے اور اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے۔"[5]

[1] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ٢٦٩ [2] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ٢٦٩

[3] ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح: ١٣٦ [4] مسند احمد: ٥/٥٦٩، رقم: ١٩٢٢٦

[5] مسلم، الذكر، بَابُ اسْتحبابِ حَمدِ اللّٰه تعالى بعد الأَكلِ وَالشُّرب: ٢/٣٥٢

اس لئے ہمیں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف سکھائی گئی۔ صبح اٹھنے کے بعد جو دعا ہے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے شروع ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے شروع ہوتی ہے۔ لباس پہننے کی دعا بھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے ہی شروع ہوتی ہے۔

۱۰ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَآ اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ." [۱]

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑے پہنائے۔ ان کپڑوں سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں ان سے زینت حاصل کرتا ہوں۔"

"حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا روایت کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی پسندیدہ چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۱ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ."

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جن کے فضل سے تمام نیک کام انجام پاتے ہیں۔"

اور جب کسی ناگوار چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۲ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" [۲]

تَرجَمَہ: "تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔"

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کلمہ شکر ہے اور جو بندہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "شَکَرَنِیْ عَبْدِیْ" میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔

اسی وجہ سے حمد کو افضل الدعا فرمایا گیا ہے۔

"سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔" [۳]

کہتے ہیں حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کا تکیہ کلام تھا بِسْمِ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کو ﴿عَبْدًا شَکُوْرًا﴾ کے اعزاز سے نوازا۔

"حمد" دعا کی قبولیت کے لئے بہترین وسیلہ ہے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو شکر وتعریف کا جامع کلمہ ہے اور ان معجزانہ اور بلیغ کلمات میں سے ہے جن کا کسی اور زبان میں صحیح ترجمہ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حمد ہی وہ بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ایک وفادار بندہ اپنی دعا ومناجات کا آغاز اور قیام وسجود (نماز) کا افتتاح

---

[۱] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۶/۲ [۲] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ۲۷۰

[۳] ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة: ۱۷٤/۲

کر سکتا ہے۔

پھر نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس رب تعالیٰ کی وہ حمد و ثناء بیان کر رہا ہے اور جس کی عبادت میں مشغول ہے، وہ صرف کسی قبیلہ اور قوم، کسی خاندان اور برادری، اور کسی ملک و وطن کے رب نہیں، بل کہ "رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" ہے۔

سورۂ فاتحہ کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے ہوئی ہے، اسی طرح سورۂ انعام، سورۂ کہف، سورۂ سبا، سورۂ فاطر کی ابتداء بھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہم بندوں سے اپنی ذات کی تعریف مختلف انداز سے اور مختلف عنوانات سے کروائی۔ مختلف جگہوں پر، مختلف نعمتوں کی یاد دہانی کرواتے ہوئے اپنی تعریف کرنے کا طریقہ سکھایا کہ بندہ جتنی تعریف کرے گا اتنی ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور محبت سے اطاعت اور اطاعت سے معرفت پیدا ہوگی۔ جنت والوں کے بارے میں قرآنِ کریم نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ چناں چہ فرمایا:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾[1]

تَرجَمَہ: "اور کہیں گے اللہ تعالیٰ کا (لاکھ لاکھ) احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا تو ہماری کبھی (یہاں تک) رسائی نہ ہوتی۔"[2]

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

۱۳ "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! تیری تعریف ایسی ہے جیسی خود تو نے فرمائی اور اس سے بہتر ہے جو ہم تیری تعریف کریں۔"

۱۴ "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ شُکْرًا وَّلَکَ الْمَنُّ فَضْلًا."[4]

"اے اللہ! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں شکر کے ساتھ اور تیرے ہی لئے احسان ہے فضل کے ساتھ۔"

نیز آپ ﷺ جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے ہوئے یہ دعا پڑھتے:

۱۵ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَانِیْ وَاٰوَانِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَالَّذِیْ مَنَّ عَلَیَّ فَاَفْضَلَ..... وَالَّذِیْ اَعْطَانِیْ فَاَجْزَلَ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ. اَللّٰھُمَّ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ..... اَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ."[5]

[1] الاعراف: ۴۳ [2] بیان القرآن: ۳۲۳ [3] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲
[4] کنز العمال، کتاب الاذکار: ۸۰/۲، رقم: ۳۶۵۰ [5] ابوداود، الادب، باب ما یقول عند النوم: ۳۳۳/۲، رقم: ۵۰۵۸

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، جس نے مجھے ٹھکانا دیا۔ مجھے کھلایا اور پلایا، جس نے میرے اوپر بہترین فضل فرمایا اور جس نے مجھے خوب دیا۔ ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے اللہ! ہر چیز کے رب اور مالک اور ہر چیز کے مولیٰ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں جہنم سے۔''

اور (سنتوں اور نفلوں میں) یا اگر تنہا بغیر جماعت کے فرض پڑھ رہے ہوں تو قومہ میں (رکوع سے سیدھے کھڑے ہوکر) یہ بھی کہیں:

رکوع سے اٹھ کر الحمید جل جلالہٗ کی تعریف کرنا

ہم سب کو چاہئے کہ رکوع سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف ان مسنون دعاؤں کے ذریعہ کریں:

⑯ ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ.''[1]

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار (میں تیری تعریف کرتا ہوں) اور تیرے ہی لئے بہت زیادہ، پاکیزہ، برکت والی تعریفیں ہیں۔''

یا یہ دعا پڑھیں:

⑰ ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ...... مِلْأَ السَّمٰوٰتِ ...... وَمِلْأَ الْاَرْضِ ...... وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ...... اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ...... اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ ...... وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ ...... اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ ...... وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ...... وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.''[2]

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے ہے تعریف آسمانوں کو بھرنے کے بقدر اور زمین کو بھر دینے کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بھر دینے کے بقدر جو تو چاہے۔ اے حمد وثناء اور عظمت و بزرگی کے مالک! جو کسی بندے نے (تیری شان میں) کہا (تو) اس سے زیادہ کا مستحق (ہے) اور ہم سب تو تیرے ہی بندے ہیں۔

جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو تو منع کردے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تیرے (قہر و غضب) سے کسی دولت مند کو اس کی دولت بچا نہیں سکتی۔''

حمد وثناء کی دو مختصر، عمدہ اور نفیس دعائیں

سنن ابن ماجہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بارے میں ایک نہایت ہی عمدہ، نفیس اور مختصر دعا موجود ہے، جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس دعا کو سن کر دو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں: ''ہم اس کا اجر کیسے لکھیں گے؟''

[1] سنن نسائی، الافتتاح، باب ما يقول المأموم: ۱۶۲/۱

[2] مسلم، الصلاة، ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع، رقم: ۴۷۷

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”جس طرح میرے بندے نے کہا ہے ویسا ہی لکھو، البتہ اس کا اجر وثواب میں خود اپنے بندے کو اس وقت عطا کروں گا جب وہ میرے سامنے حاضر ہوگا۔“ دعا یہ ہے:

۱۸ ”یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَلِعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ.“[1]

ترجمہ: ”اے میرے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے جو تیری ذات کی بزرگی اور تیری عظمت کی شان کے مناسب ہو۔“

۱۹ ”اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ..... وَلَکَ الْمُلْکُ کُلُّہٗ..... بِیَدِکَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ..... اِلَیْکَ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ..... عَلَانِیَتُہٗ وَسِرُّہٗ..... فَاَھْلٌ اَنْ تُحْمَدَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جَمِیْعَ مَا مَضٰی مِنْ ذُنُوْبِیْ..... وَاعْصِمْنِیْ فِیْمَا بَقِیَ مِنْ عُمْرِیْ..... وَارْزُقْنِیْ عَمَلًا زَاکِیًا تَرْضٰی بِہٖ عَنِّیْ.“[2]

ترجمہ: ”اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں اور ساری بادشاہت آپ ہی کے لئے ہے، سارا خیر آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، سارے معاملات آپ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، ظاہر بھی، پوشیدہ بھی، پس آپ ہی کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! میرے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیجئے اور میری باقی عمر میں میری حفاظت فرما اور ایسا پاکیزہ عمل نصیب فرما جس سے آپ راضی ہو جائیں۔“

اس دعا کے بارے میں سیّدنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے: وہ ایک مرتبہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی یہ دعا پڑھ رہا تھا، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتہ تھا، جو تمہارے پاس اپنے پروردگار کی حمد سکھانے آیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں ان کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا، ہر انسان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں متوجہ ہیں، لہٰذا ہر انسان کو اپنی مقدور بھر ان احسانات و انعامات دینے والے کی حمد وثنا کرتے رہنا چاہئے اور بار بار ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ کہتے رہنا چاہئے۔

سورۂ روم کی دو آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان فرمایا گیا ہے ان کے صبح وشام پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ ۝﴾[3]

ترجمہ: ”پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف وہی ہے، تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اُس کی پاکیزگی بیان کرو)۔“

[1] ابن ماجه، الادب، باب فضل الحامدين: ٢٦٩ [2] مسند احمد، حذيفة بن اليمان: ٣٩٦/٥، رقم: ٢٢٨٤٦ [3] الروم: ١٧، ١٨

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے، یعنی صبح و شام (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دو پہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں[1] ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالمِ اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالمِ اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو۔ (جیسا کہ ارض النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبودِ اکبر قرار دیا تھا۔

جس کی طرف حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے قول: ﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾[2] میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بے چارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دو پہر ڈھلنے پر جب کہ اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جب کہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آگیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاؤں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہو گئے، پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں اور شروع صلوٰۃ ہی میں "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ کر اس موحدِ اعظم (ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَام) کی اقتداء کرتے رہیں جس نے ﴿هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ کے بعد فرمایا تھا:

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[3]

شاید آیت ہذا میں ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[4] فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبانِ حال و قال سے بیان کر رہی ہے۔ کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔[5]

انسان اپنے آپ کو تعریف کے قابل اس طرح نہ سمجھے کہ کسی نے مذمت بیان کی تو ناراض ہو جائے بل کہ یہ سوچے کہ تعریف کے قابل تو صرف وہ ہی ذات ہے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ ہو بل کہ خوف ہو کہ پتہ نہیں کہ قبول بھی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کوئی تعریف کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے اور اگر کوئی برائی کرے تو اپنے اعمال کی طرف متوجہ ہو جائے کہ ضرور مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں سے محبت ختم کر دی۔

[1] تُمْسُوْنَ میں مغرب و عشاء تُصْبِحُوْنَ میں فجر، عَشِيًّا میں عصر تُظْهِرُوْنَ میں ظہر۔
[2] الانعام: ۷۸　[3] الانعام: ۷۹　[4] الروم: ۱۷　[5] تفسیر عثمانی: ۵۴۰

بے چینی دور کرنے کا بہترین نسخہ

موجودہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا ہے وہ اس طرح کہ ایک شخص کی تنخواہ بیس یوم میں ختم ہو جاتی ہے وہ ہر ملنے والے سے یہ کہتا پھرے کہ دس دن بڑے مشکل گزرتے ہیں،......قرضوں کا بوجھ الگ ہے،......مہنگائی الگ ہے تو اگلے ماہ ہوسکتا ہے ۱۹ دن میں تنخواہ ختم ہو جائے اور اس سے اگلے ماہ شاید اٹھارہ دن میں ختم ہو جائے۔

اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے اس کا شکر ادا کرے کہ اللہ کا بہت شکر ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بیس دن بہت اچھی طرح گزر جاتے ہیں اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے مجھے روزگار عطا فرمایا اللہ کی تعریف ہے کہ بیس دن تک تو قرضہ نہیں لینا پڑتا...... ان شاء اللہ تعالیٰ اس تعریف وشکر کرنے پر اگلے ماہ تنخواہ ۲۲ دن چلے گی اور اس سے اگلے ماہ ۲۴/۲۶/۲۸/۳۰ یا تو تنخواہ میں اضافہ ہو جائے یا کوئی اور ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت جتنی بڑھتی رہے گی اتنا ہی مسلمان کا دل اللہ تعالیٰ کے غیر سے خالی ہوتا جائے گا اور اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی شکایت لوگوں سے کرنا چھوڑ دے گا، اور اس کا دل صاف وشفاف ہوگا، اور اس کا دل اقرار واعتراف کرے گا کہ اس ''الْحَمِيدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ذات کی تعریف کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ جتنے لوگوں نے بھی آج تک اس کی ثناء وتعریف بیان کی ہے وہ ذات ان تعریف بیان کرنے والوں کی تعریف سے بہت بالاتر ہے (یعنی وہ ذات ان کی تعریف کی محتاج نہ تھی)، اسی کو فرمایا:

''آپ کی تعریف بیان کرنے والے آپ کی تعریف کا حق ادا نہ کر سکے اگرچہ انہوں نے بہت کوششیں کیں۔ اس لئے کہ آپ ان کی تعریفوں سے بہت ہی اونچے ہیں۔''

آپ ہی کے لئے تعریف ہے ایسی تعریف جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اس کی تعریف کیسے کی جائے۔[1]

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھ کر الْحَمِيدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی تعریف کیجئے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَإِذَا أَمْسٰى كَذٰلِكَ، لَمْ يُوَافِ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ بِمِثْلِ مَا وَافٰى."[2]

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے صبح اور شام ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' سومرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا سوائے اس

[1] مدارج السالكين: ۲/۲۶۳ [2] ابوداؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول اذا اصبح: ۲/۳۳۸

شخص کے جو اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھے۔"[1] ابوداؤد کی روایت میں یہ فضیلت "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ" کے بارے میں آئی ہے۔

وَاقِعَۃٌ نمبر (۲۲): ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پر تشریف لے جارہے تھے پرندے آپ پر سایہ کیے ہوئے تھے اور جن وانس وغیرہ لشکر بھی قطار میں ادب سے کھڑے تھے، ایک عابد پر گزر ہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عظیم الشان لشکر کی تعریف کی آپ نے ارشاد فرمایا: ''مؤمن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے'' کہ یہ بادشاہت ختم ہوجائے گی اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔[2]

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے: وہ اپنے عقائد واخلاق اور اعمال واقوال وعبادات سب کو قابل تعریف بنائے تاکہ کچھ حصہ صفت حمید کا اسے بھی نصیب ہو۔

❷ بندہ کو چاہیے تنگی وآسانی میں خوشی وغمی میں غرض ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف کرے کیوں کہ "اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں۔

❸ اسم مبارک "اَلْحَمِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے تحت جتنی بھی دعائیں مذکور ہیں ہمیں زبانی یاد کرلینی چاہئیں اور ان کو ہمیشہ پڑھتے رہنا چاہیے۔ تقریباً اس اسم کے تحت (۱۹) حمد کے کلمات مذکور ہوئے ہیں ان سب کو یاد کرلیں یہ نہ ہوسکے تو کم از کم دعا نمبر (۱۷) ضرور یاد کرلیں جو نماز میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھی جاتی ہے اس کے تین فائدے ہیں:

(الف) اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی ہوتی ہے۔

(ب) قومہ جو واجبات میں سے ہے صحیح طرح ادا ہوجاتا ہے۔

(ج) اطمینان والی نماز کی سعادت ملتی ہے۔

---

[1] مسلم، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء: ۲/۳۴۴

[2] فضائل اعمال، فضائل ذکر، فصل دوم: ۱۷۳۔

اَلْمُحْصِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ

(اپنے علم اور شمار میں سب کچھ رکھنے والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ أَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهٖ فَلَا يَفُوْتُهٗ مِنْهَا دَقِيْقٌ وَّلَا يُعْجِزُهٗ جَلِيْلٌ." [1]

"المحصی" وہ ذات ہے جس نے اپنے علم کے مطابق ہر چیز کا احصاء (شمار) کیا ہوا ہے، چھوٹی سے چھوٹی چیز اُس کے علم سے چھوٹ نہیں سکتی اور بڑی سے بڑی چیز اُسے علم میں لانے سے عاجز نہیں کر سکتی۔

❷ اَلْمُحْصِيْ "اَلْعَالِمُ الَّذِيْ يُحْصِي الْمَعْلُوْمَاتِ." [2]

"المحصی" علم رکھنے والی وہ ذات ہے جو تمام معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔

❸ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ بِالظَّاهِرِ بَصِيْرٌ وَّبِالسَّرَآئِرِ خَبِيْرٌ." [3]

"المحصی" وہ ذات ہے جو تمام ظاہری چیزوں کو دیکھنے والی ہے اور تمام مخفی اشیاء پر بھی خبردار (واقف) ہے۔

❹ اَلْمُحْصِيْ "هُوَ الَّذِيْ بِالظَّاهِرِ رَاقَبَ أَنْفَاسَكَ، وَبِالْبَاطِنِ رَاعٰى حَوَاسَّكَ." [4]

"المحصی" وہ ذات ہے جو ظاہر میں آپ کے سانسوں کی نگہبانی اور باطن میں آپ کے حواس کی حفاظت فرماتا ہے۔

سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ [5]

تَرجَمَہ: "اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ پہاڑوں کے اندر جتنے ذرے ہیں ان کا بھی عدد معلوم ہے اور ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار بھی اس کے علم میں ہے۔ بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا بھی اسی کو علم ہے۔

[1] شان الدعاء: ۷۹ [2] شرح الطیبی، باب اسماء اللّٰہ: ۵/۵۰

[3] شرح الاسماء الحسنی للرازی: ۳۰۴ [4] شرح الاسماء الحسنیٰ للرازی: ۳۰۴ [5] الجن: ۲۸

وَاقِعَۂ نمبر (۲۳): حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ ایک دیہاتی کے پاس سے گزرے وہ اپنی نماز میں دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ...... اور کسی کا خیال و گمان اس تک نہیں پہنچ سکتا ...... نہ اوصاف بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں ...... نہ حوادثِ زمانہ اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ...... نہ اسے گردشِ زمانہ سے کوئی اندیشہ ہے، جو پہاڑوں کے وزن ...... اور سمندروں کے پیمانے ...... اور بارش کے قطروں کی تعداد ...... اور درختوں کے پتوں کی تعداد ...... کو جانتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے ...... اور جن پر دن روشنی ڈالتا ہے، ...... اور نہ اس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا سکتا ہے ...... اور نہ زمین دوسری زمین کو، ...... اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے ...... جو اس کی تہہ میں ہیں اور نہ کوئی پہاڑ ان چیزوں کو چھپا سکتا ہے ...... جو اس کی سخت چٹانوں میں ہیں ...... تو میری عمر کے آخری حصے کو سب سے بہترین حصہ بنا دے ...... اور میرے آخری عمل کو سب سے بہترین عمل بنا دے ...... اور میرا بہترین دن وہ بنا جس دن میری تجھ سے ملاقات ہو۔'' [1]

تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ذمہ لگایا کہ جب یہ دیہاتی نماز سے فارغ ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا، چناں چہ وہ نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ کے پاس ایک کان سے کچھ سونا ہدیہ آیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُسے ہدیہ میں دیا۔ اور پھر فرمایا:

''میں نے تمہیں سونا اس وجہ سے ہدیہ کیا ہے کہ تم نے عمدہ طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی ہے۔''

اس دیہاتی نے ایسے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اَلْمُحْصِیْ کی جامع تشریح کرتے ہیں۔

اسی طرح بندوں کے اعمالِ خیر و شر کا بھی پورا حساب اور گنتی اس کے پاس محفوظ ہے، اس کا علم ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ كِتَٰبًا﴾ [2]

تَرجَمہ: ''اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر۔''

---

[1] "يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ وَمَكَايِيْلَ الْبِحَارِ وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِيْ مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً وَلَا أَرْضٌ أَرْضًا وَلَا بَحْرٌ مَا فِيْ قَعْرِهِ وَلَا جَبَلٌ مَا فِيْ وَعْرِهِ اِجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ آخِرَهُ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهُ وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْهِ." (المعجم الاوسط، من اسمه يعقوب: ۶/۴۷۳، رقم: ۹۴۴۸)

[2] النبا: ۲۹

یعنی ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے اعمال نامہ میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔[1]

جس کو یہ یقین ہو جائے کہ میری نگرانی کی جا رہی ہے، میرے ہر عمل کو محفوظ کیا جا رہا ہے، میری زبان سے نکلنے والے ہر بول کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے تو وہ شخص اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرتا رہے گا، جہاں غلطی نظر آئی وہاں توبہ استغفار کرے گا، اس لئے کہ جب یہ بات دل کی گہرائیوں میں اتر جائے کہ اللہ جل جلالہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر چیز کا شمار کرنے والا ہے، میرے ہر حال سے باخبر ہے تو انسان ہر وقت اپنے آپ کو آزمائش میں سمجھے گا۔

المحصی جل جلالہ کا نظام شماریات کیسا عجیب وغریب ہے، آپ کو دنیا کے کسی کونے میں کوئی پانچ سو (۵۰۰) سال کا بوڑھا نہیں ملے گا کہ فرشتے بھول گئے ہوں اور کہیں کسی کونے میں ایک شخص رہ گیا ہو، نہیں بل کہ دنیا میں ہر آنے والا شخص جتنے سانس لے کر آتا ہے اُس سے ایک سانس نہ کم نہ زیادہ، یہ تو صرف المحصی جل جلالہ کے شماریات کا نظام ہے۔

المحصی جل جلالہ کی پکڑ کا خوف

واقعہ نمبر (۴۴): امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں پورے عالم اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، ایک بار ان کے پاس خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک نصرانی کا مقدمہ آیا، امام صاحب نے فیصلہ نصرانی کے حق میں کیا، اس طرح کے درخشاں واقعات تاریخ اسلام کے ورق ورق پر بکھرے پڑے ہیں، لوگ اس کو ''دورِ ملوکیت'' کہتے ہیں، وہ کس قدر مبارک ''دورِ ملوکیت'' تھا کہ ایک طاقت ور بادشاہ اور خلیفہ اپنی رعایا میں سے ایک غیر مسلم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں فریق بن کر حاضر ہو، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو فرمانے لگے:

''اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے زمانہ قضاء میں مقدمات کے فیصلے میں کسی بھی فریق کی جانب داری نہیں کی، حتیٰ کہ دل میں کسی ایک فریق کی طرف میلان بھی نہیں ہوا، سوائے نصرانی اور ہارون الرشید کے مقدمے کے کہ اس میں دل کا رجحان اور تمنا یہ تھی کہ حق ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور فیصلہ حق کے مطابق اسی کے حق میں ہو، لیکن فیصلہ دلائل سننے کے بعد ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کیا۔''

یہ فرما کر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ دل بھر آیا۔[2]

فائدہ: اس سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مقدمہ میں دل کا رجحان طبعی طور پر ایک فریق کی طرف تھا اور فیصلہ بھی اس کے خلاف ہوا، لیکن اس طبعی رجحان پر بھی انہیں خوف رہا کہ

---

[1] معارف القرآن: ۶۵۲/۸، النباء: ۲۹

[2] الدر المختار: ۳۶۳/٤، والقضاء في الاسلام لعارف النكدي: ۲۵

کہیں پکڑ نہ ہو جائے، ”اَللّٰہُ اَکْبَر!“ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!! [1]

فوائد و نصائح

❶ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ اپنی زبان اور ہاتھ اور وقت کے استعمال میں بہت محتاط رہے گا کہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ ہر چیز کے شمار کرنے والے ہر زبان کا بول اور ہاتھ کا استعمال، اور جو عمر کے قیمتی سانس مجھے ملے ہیں وہ سب شمار ہوں گے۔

❷ اس لئے زبان سے غیبت نہ ہو بغیر تحقیق کہ کسی پر الزام نہ لگایا جائے، ایک کی بات سن کر دوسرے کے خلاف بدگمانی نہ اختیار کی جائے۔ ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرما دیجئے آپ ﷺ نے چند وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”اپنی زبان کو سوائے خیر کے ہر قسم کی بات سے محفوظ رکھو، اس سے تم شیطان پر قابو پالو گے۔“ [2]

اسی طرح وقت کی حفاظت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع عطا فرمایا ہے کوئی وقت اس کی یاد کے بغیر نہ گزر جائے۔

❸ کوئی بُرا خیال دل میں آئے تو فوراً سوچے کہ اگر میں یہ برائی کروں گا، کسی کو تکلیف دوں گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تو شمار میں یہ بات آجائے گی اور پھر وہاں روزِ قیامت جواب دینا ہوگا۔

---

[1] کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۷

[2] مجمع الزوائد، الوصایا، باب وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۲۷۹/۴، رقم: ۷۱۱۱

اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ، اَلْمُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(پہلی بار پیدا کرنے والا) (دوبارہ زندہ کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْمُبْدِئُ) اَلْمُظْهِرُ لِلشَّيْءِ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُوْدِ۔[1]

شیخ ابوالقاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمُبْدِئُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف ظاہر کرتی ہے۔

❷ (اَلْمُعِيْدُ) اَلَّذِيْ يُعِيْدُ الْخَلْقَ بَعْدَ الْحَيَاةِ إِلَى الْمَمَاتِ فِي الدُّنْيَا وَبَعْدَ الْمَمَاتِ إِلَى الْحَيَاةِ فِي الْأُخْرٰى۔[2]

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو دنیا میں مخلوقات کا حیات سے موت کی طرف اعادہ کرتی ہے اور آخرت میں حیات کی طرف اعادہ کرے گی۔

❸ وَهُوَ الْمُعِيْدُ لِلْمُحْدَثَاتِ بَعْدَ إِنْعِدَامِ جَوَاهِرِهَا وَأَعْرَاضِهَا۔[3]

علامہ طیبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْمُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو باوجود اس کے کہ ان کے جوہر اور عرض بھی ختم ہو چکے ہوں گے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

اِبْدَاء (پہلی مرتبہ وجود میں لانا) اور اِعَادَہ (دوبارہ وجود میں لانا) یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں، ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر یہ بات مانتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے، یعنی وہ پہلے کچھ نہ تھا اور اب وہ ایک چلتا پھرتا انسان ہے اور یہ بات بھی مانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اُسے ختم ہونا ہے، اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہنا۔

اسی طرح اُسے یہ بھی ماننا ہوگا کہ ایک دن مرنے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس ذات نے اسے عدم سے وجود بخشا اور کچھ مدت بعد اس وجود کو وہ ذات ختم کر دے گی، بالکل اسی طرح ایک دن (روزِ قیامت) اُسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تا کہ اُسے اس دنیا میں کئے ہوئے عمل کا بدلہ مل سکے، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے ہیں اور یہ دنیا

---

[1] شرح الطیبی: باب اسماء اللّٰہ تعالٰی: ۵۰/۵ [2] مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۹۳/۵ [3] ایضًا

دارالعمل (عمل کرنے کی جگہ) ہے دارالجزاء (بدلہ دینے کی جگہ) نہیں، جزاء کے لئے اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ اگر دنیا میں اچھا عمل کیا ہوگا تو اُس کا اچھا بدلہ ملے گا اور اگر اچھے اعمال نہیں کیے ہوں گے برے اعمال کیے ہوں گے تو ان کی سزا ملے گی۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایمان دار اور بے ایمان برابر ہو جائیں۔ مسلمان اور کافر برابر ہو جائیں۔ اچھے اعمال کرنے والے اور برے اعمال کرنے والے برابر ہو جائیں، بل کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُس کے اعمال کے مطابق معاملہ فرمائیں گے اور اس سزا و جزا کے لئے ایک دن کا ہونا ضروری تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائیں گے، تاکہ ہر انسان کو اُس کے کیے کا بدلہ مل سکے۔

انسان خود سوچے کہ جب وہ کچھ نہیں تھا تو اس ''المُبدِئُ جلّ جلالہٗ'' نے اُسے پیدا کیا، وجود بخشا، بڑا کیا اور ایک دن وہ ذات اس انسان کو ضرور موت دے گی۔ اُس ذات کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾[1]

ترجمہ: ''کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا''

یعنی انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابل تذکرہ نہ تھا۔

مطلب یہ کہ انسان نہ تھا بل کہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جزء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود، علم اور قدرت پر مکمل ایمان و یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اگر ایک ستّر (۷۰) برس کا انسان اس کا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکہتر (۷۱) برس پہلے اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور نہ اس کا کسی عنوان سے کوئی ذکر کر سکتا تھا۔

اس وقت کیا چیز اُس کی ایجاد و تخلیق کی داعی ہوئی اور کس محیرالعقول قدرت نے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ذرّات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہی ہوشیار...... دانا...... سمیع و بصیر...... انسان بنا دیا؟

یقیناً وہی ''المُبدِئُ جلّ جلالہٗ'' کی ذات ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا پھر ایک دن موت دینے کے بعد اسی انسان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، وہ ذات جس طرح ''المُبدِئُ جلّ جلالہٗ'' ہے اسی طرح ''المُعِیْدُ جلّ جلالہٗ'' بھی ہے، وہ ذات دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کیا اس وقت تو اس انسان کا کوئی نمونہ بھی نہ تھا۔ بغیر کسی نمونے کے پیدا کر کے بڑا کر دیا پھر اس انسان میں مختلف قسم کے مراتب بھی قائم کر دیئے۔ کسی کو

[1] الدھر: ۱

امیر بنا دیا کسی کو غریب...... کسی کو حاکم اور کسی کو ماتحت۔

ہر امیر سے فرمایا کہ غریبوں کا خیال رکھے اپنے مال میں سے اُن کا حق بھی ادا کرے۔ بالکل اسی طرح ہر حاکم کے لئے بھی قانون بنایا کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رعایت والا معاملہ رکھے، نرمی اور سہولت والا برتاؤ کرے، جتنے کام کا بوجھ وہ برداشت کر سکتے ہیں اُتنا ہی بوجھ اُن پر رکھیں، زیادہ نہ رکھیں ورنہ ایک دن حساب ضرور ہونا ہے اُس دن "المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے اور انصاف کا ترازو قائم فرمائیں گے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ منصف اور عادل ذات ہیں تو انسانوں کو بھی عدل کا حکم دیا، اسی عدل و انصاف کے بدلے کے لئے قیامت قائم کی جائے گی۔

"المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی نشانیاں

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ (۲۵): قرآن مجید کے دوسرے پارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾

تَرْجَمَہ: "کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔"

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"یہ ایک قوم تھی اور ایک شہر میں رہتی تھی۔ بنی اسرائیل کے زمانے میں، ان کے وطن کی ہوا ان کے ناموافق ہوگئی اور ان کو سخت وباء سے دوچار ہونا پڑا۔ موت کے ڈر سے یہ لوگ اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی صحراء کی طرف بھاگنے لگے، ایک وادی میں پہنچ گئے، جس میں ایک چٹیل میدان تھا، اُس میدان کے دونوں کنارے ان سے بھر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتے بھیجے، ایک فرشتہ وادی کی نچلی طرف اور دوسرا فرشتہ اوپر کی طرف کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے ایک چیخ ماری، ان کی چیخ سے سب لوگ یک لخت مر گئے، کافی عرصہ ان کی موت کو گزر گیا، ان کی اس جگہ پر دیواریں اور قبریں بن گئیں، ان کی لاشیں فنا ہو گئیں۔ ایک زمانے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا، جن کا نام حضرت حزقیل عَلَیْہِ السَّلَام بتایا گیا ہے۔

اُس نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان لوگوں کو اُس کے سامنے زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے اُس نبی کی دعا کو قبول

فرمایا اور ان سے فرمایا کہ یہ کہیے:

"أَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَجْتَمِعِيْ."

ترجمہ: "اے پرانی ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے۔"

پس ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جمع ہونے لگیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

"أَيَّتُهَا الْعِظَامُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَكْتَسِيْ لَحْمًا وَّعَصَبًا وَجِلْدًا."

ترجمہ: "اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے اور کھال درست کرلو۔"

وہ نبی دیکھ رہے تھے اور ہڈیاں گوشت پہن رہی تھیں۔ پھر حکم ہوا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

"أَيَّتُهَا الْأَرْوَاحُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكِ أَنْ تَرْجِعَ كُلُّ رُوْحٍ إِلَى الْجَسَدِ الَّذِيْ كَانَتْ تَعْمُرُهٗ."

ترجمہ: "اے ارواح! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اپنے ان بدنوں میں لوٹ آؤ جن کی تعمیر وحیات تم سے وابستہ تھی۔"

پس یہ کہنا ہی تھا کہ وہ سب کے سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک لمبی مدت تک موت دینے کے بعد زندہ فرما دیا تھا۔

اُن سب کی زبان پر یہ کلمہ تھا:

"سُبْحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ."

ترجمہ: "اے اللہ! آپ ہر عیب اور کمی سے پاک ہیں آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"[1]

منکرینِ قیامت پر حجت

یہ واقعہ دنیا کے فلاسفروں اور عقلاء کے لئے دعوتِ فکر اور منکرینِ قیامت پر دلیل قطعی ہونے کے ساتھ ساتھ اس ہدایت پر مشتمل ہے کہ موت کے خوف سے بھاگنا خواہ وہ جہاد سے بھاگنے کی صورت میں ہو یا کسی وباء، طاعون، مرض وغیرہ سے، اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر پر ایمان رکھنے والوں کے لئے بالکل مناسب نہیں، جس کا یہ ایمان ہو کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، اس سے ایک سیکنڈ نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک سیکنڈ مؤخر ہو سکتی ہے، اس لئے یہ حرکت (بھاگنا) فضول بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

"المُعِیْدُ جل جلالہٗ" تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۹۹، البقرۃ: ۲۴۳

ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾[1]

ترجمہ: ”جیسے کہ ہم نے اوّل مرتبہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔“

علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”هٰذَا كَائِنٌ لَامَحَالَةَ يَوْمَ يُعِيْدُ اللّٰهُ الْخَلَائِقَ خَلْقًا جَدِيْدًا كَمَا بَدَأَهُمْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى إِعَادَتِهِمْ۔“

ترجمہ: ”یہ ضرور بہ ضرور ہوگا کہ ایک دن اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔“

اور یہ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنا ضرور بہ ضرور ہوگا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو تبدیل یا اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾

ترجمہ: ”ہم اسے ضرور کر کے ہی رہیں گے۔“[2]

اسی آیت کے تحت امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ”إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ۔“[3]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ”بے شک تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جمع کئے جاؤ گے ننگے بدن اور بغیر ختنہ کئے ہوئے“ (جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) ”جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، ہم اُسے ضرور کر کے رہیں گے۔“

”المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ فرمارہے ہیں کہ مخلوقات کا اعادہ (دوبارہ پیدا کرنا) ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے، لہٰذا مؤمن کے لئے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ”المُبْدِئُ“ اور ”المُعِیْدُ“ تسلیم کرے، حشرِ اجساد پر ایمان رکھے اور سمجھ لے کہ اس بارے میں جس قدر شکوک وشبہات اور اعتراضات ہیں وہ سب انسانی علم وقدرت پر وارد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل اور قدرتِ تامہ ایسے اعتراضات کا محل نہیں بن سکتی، وہ ذات تمام عیوب سے پاک ہے۔

[1] الانبياء: ١٠٤ [2] تفسير ابن كثير: ٨٨٤، الانبياء: ١٠٤ [3] بخاري، التفسير، الانبياء: ٢/٦٩٣

فوائد و نصائح

❶ اس دونوں اسموں سے تعلق پیدا کرنے والے کو ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی کی قدر کرے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لئے سرمایہ جمع کرے۔[1]

❷ موجودہ زندگی کے ہر ہر لمحے کو غنیمت سمجھے اور قیمتی بنانے کی کوشش کرے کہ یہ زندگی دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔

❸ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا مانگے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائے تو اس حال میں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ دنیا میں کسی کو اس کی ذات سے معمولی سی تکلیف بھی نہ پہنچے کیوں کہ جس کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچی وہ بھی تو اسی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مخلوق ہے جب ''المُعِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' دوبارہ وجود میں تمام انسانوں کو لائیں گے تو اس وقت شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

---

[1] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۱۷ (منصور پوری)

المُحْيِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ، المُمِيْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(زندگی دینے والا) (موت دینے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُحْيِ: هُوَ الَّذِيْ يُحْيِ النُّطْفَةَ الْمَيِّتَةَ فَيُخْرِجُ مِنْهَا النَّسَمَةَ الْحَيَّةَ وَيُحْيِ الْأَجْسَامَ الْبَالِيَةَ بِإِعَادَةِ الْأَرْوَاحِ إِلَيْهَا عِنْدَ الْبَعْثِ."[1]

ترجمہ: "''المُحْيِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو مردہ نطفے کو زندہ کرتا ہے، پھر اس میں سے زندہ جان نکالتا ہے اور بوسیدہ جسموں کو ان کی ارواح دوبارہ لوٹا کر قیامت کے دن زندہ کرے گا۔"

❷ "اَلْمُمِيْتُ: هُوَ الَّذِيْ يُمِيْتُ الْأَحْيَاءَ وَيُوْهِنُ بِالْمَوْتِ قُوَّةَ الْأَصِحَّاءِ الْأَقْوِيَاءِ."[2]

ترجمہ: "''المُمِيْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو زندوں کو موت دیتا ہے اور موت کے ذریعے تندرست اور طاقتوروں کی قوت کو کمزور کرتا ہے۔"

❸ "اَلْمُحْيِ، اَلْمُمِيْتُ: أَيْ بِيَدِهِ الْخَلْقُ وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ، وَلَا يَحْيٰ أَحَدٌ وَلَا يَمُوْتُ أَحَدٌ إِلَّا بِمَشِيَّتِهٖ وَقَدَرِهٖ. وَلَا يُزَادُ فِيْ عُمُرِ أَحَدٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بِقَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ."[3]

ترجمہ: علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "یعنی اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا ہے، اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے، کوئی زندہ نہیں رہتا اور نہ کوئی مرتا ہے مگر اسی کے ارادے اور مقرر کرنے سے، کسی کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ کم کی جاتی ہے مگر اسی کے فیصلے اور مقرر کرنے سے۔"

جسے المُحْيِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ زندہ رکھے

واقعہ نمبر (۴۶): حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر فرعونی تدابیر کے سامنے زندہ رکھ کر دکھا دیا کہ موت کے ظاہری نقشوں میں زندگی عطا فرمانا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] شان الدعاء: ۷۹ [2] شان الدعاء: ۸۰ [3] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۳۰، آل عمران: ۱۵۶

﴿إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں کہ ڈال اس کو صندوق میں پھر اس کو ڈال دے دریا میں پھر دریا اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے۔''

فَائِدَہ: یعنی حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو (جو اس وقت نوزائدہ بچے تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور بچے کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال نجومیوں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچے کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔

دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گزرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاک باز اسرائیلی خاتون تھیں) بچے کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے) مگر آسیہ کی خاطر بیٹوں کی طرح پرورش کی اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت کا ظہور ہوا۔

یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا، پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے بندے بھی کرنے لگتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی وحفاظت میں تیری پرورش کی جائے ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے۔[2]

المُحْیِیْ، المُمِیْتُ جَلّ جَلَالُہٗ پر صحابۂ کرام کا ایمان

وَاقِعَہ نمبر ۲۷: حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے دورِ خلافت میں رومیوں سے جنگ کے دوران آپ چند مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، شاہِ روم نے ان سے کہا: ''آپ نصرانی بن جائیں تو میں آپ کو اپنی حکومت

---

[1] طٰهٰ: ۳۸، ۳۹ [2] تفسیر عثمانی: ۴۱۹، طٰهٰ: ۳۸، ۳۹

میں شریک کرلوں گا'' لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا:
"لَوْ أَعْطَيْتَنِيْ مَا تَمْلِكُ وَجَمِيْعَ مَا مَلَكَتْهُ الْعَرَبُ عَلٰى أَنْ أَرْجِعَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا فَعَلْتُ"
تَرْجَمَہٗ: ''اگر تو صرف اپنی حکومت ہی نہیں بل کہ سارے عرب کی حکومت بھی مجھے دے دے کہ میں پلک جھپکنے کے برابر محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے دین کو چھوڑ دوں۔ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔''

جس کی وجہ سے شاہِ روم نے انہیں تختہ دار پر باندھ کر حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں، لیکن جب دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں ہیں تو وہاں سے انہیں اتارا اور حکم دیا کہ دیگ میں پانی گرم کر کے کھولتے ہوئے پانی میں انہیں ڈال دیا جائے، اس میں ڈالنے کے لئے جب انہیں دیگ کے قریب لے جایا گیا تو رونے لگے، شاہِ روم نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

"تَمَنَّيْتُ أَنَّ لِيْ مِائَةَ نَفْسٍ تُلْقٰى هٰكَذَا فِي اللهِ"

''رو اس لئے رہا ہوں کہ میری تمنا ہے کہ میری سو جانیں ہوں اور ہر جان قربانی کا اس طرح نذرانہ پیش کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو۔'' شاہِ روم کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا: تم میرے سر کو بوسہ دے دو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ فرمانے لگے: ''صرف مجھے نہیں، میرے ساتھیوں کو بھی''

شاہِ روم نے کہا: ٹھیک ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور شاہِ روم نے حسب وعدہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آکر حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سر کو بوسہ دیا۔[1]

زندگی اور موت اَلْمُحْيِيُ، اَلْمُمِيْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ہاتھ میں ہے

وَاقِعَہ نمبر ۲۸: چوتھی صدی ہجری میں منصور نامی ایک شخص اندلس کا حکمران گزرا ہے، اس نے کسی جرم میں ایک آدمی کو گرفتار کرلیا، مجرم کی والدہ نے بیٹے کی رہائی کے لئے رحم کی اپیل کی جس سے منصور مزید بگڑ گیا اور قلم ہاتھ میں لے کر لکھنا چاہا...... يُصْلَبُ...... ''اسے پھانسی دی جائے۔'' لیکن لکھا...... يُطْلَقُ...... ''اسے رہا کیا جائے۔''

وزیر نے رقعہ لے کر اس کی رہائی کا حکم جاری کیا، منصور نے پوچھا: کیا لکھا؟

کہنے لگا: ''فلاں کی رہائی کے لئے لکھا۔'' منصور بھڑک اٹھا...... مَنْ أَمَرَ بِهٰذَا......؟ ''رہائی کا کس نے کہا ہے؟''

وزیر موصوف نے اس کو پرچی تھما دی جس پر ''اسے رہا کیا جائے۔'' لکھا تھا۔

کہنے لگا:...... وَاللهِ أَخْطَأْتُ لَيُصْلَبَنَّ...... ''اللہ کی قسم! یہ غلطی سے لکھ دیا ہے، اس کو پھانسی دینی ہے'' اور سابقہ

---

[1] الاصابة في تمييز الصحابة: ۲/۲۹۶، ۲۹۷، رقم الترجمة: ٤٦٢٢

حکم مٹا کر لکھنا چاہا...... یُصْلَبُ...... ''اسے پھانسی دی جائے۔'' لیکن لکھا...... یُطْلَقُ...... ''اسے رہا کیا جائے۔''

وزیر نے حکم کے مطابق رہائی کا حکم دیا، منصور نے پوچھا: ''کیا لکھا؟''

کہنے لگا: ''فلاں کی رہائی کے لئے لکھا'' منصور آگ بگولا ہوا، اسے پھانسی دینی ہے پھانسی،...... مَنْ أَمَرَ بِھٰذَا......؟ ''رہائی کا کس نے کہا ہے؟''

وزیر نے پھر اسی کا لکھا ہوا رقعہ سامنے کیا جس میں رہائی کے لئے لکھا تھا، کہنے لگا: ''یہ غلطی ہوگئی ہے۔'' لیکن تیسری بار بھی اسی طرح ہوا، منصور کے قلم سے پھانسی کے بجائے اس کے لئے آزادی کا پروانہ جاری ہوا، جب تین بار اس طرح ہوا تو تقدیر کے قاضی کے سامنے منصور کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا، کہنے لگا:

''نَعَمْ! یُطْلَقُ عَلٰی رَغْمِیْ، فَمَنْ أَرَادَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ إِطْلَاقَہٗ لَا أَقْدِرُ أَنَا عَلٰی مَنْعِہٖ''

''اسے میرے نہ چاہنے کے باوجود رہا کر دیا جائے'' اللہ تعالیٰ جس کو رہا کرنا چاہے، میں اسے نہیں روک سکتا ہوں۔'' جسے ''المُحْیِیُ و المُمِیْتُ'' رکھے اس کو کون فنا کر سکتا ہے![1]

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے نمرود کو سمجھانے کے لئے یہی توحید کی دلیل سمجھائی کہ زندہ کرنے والا اور موت دینے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جو میرا رب ہے۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نمرود کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا، نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا: ''میں اپنے رب تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔'' نمرود نے کہا: ''رب تو میں ہی ہوں۔''

ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب دیا: ''میں حاکم کو رب نہیں کہتا، رب تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔''

قرآنِ کریم نے سورۂ بقرہ میں اس کو ذکر فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ إِبْرٰهِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾[2]

تَرجَمَۂ: ''جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔''

نمرود نے دو قیدی منگوا کر بے قصور قیدی کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا: دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا، اس پر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اس کو ہدایت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

''فَھٰذَا جَعَلَ نَفْسَہٗ نِدًّا لِلّٰہِ تَعَالٰی یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِزَعْمِہٖ کَمَا یُحْیِی اللّٰہُ وَیُمِیْتُ''

تَرجَمَۂ: ''نمرود نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اسی طرح اپنے باطل گمان کے موافق کہہ رہا ہے کہ میں بھی جس کو چاہوں مارنے کا حکم کردوں اور جس کو چاہوں آزاد کر کے

[1] جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الأندلس: ۱۸ [2] البقرۃ: ۲۵۸

زندہ کر دوں۔"

آگے فرماتے ہیں: "جس طرح بعض مشرکین کی جماعتیں زندگی اور موت دینے میں کواکب اور ستاروں کو "محیی" اور "ممیت" سمجھتی ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ وہ ان ستاروں کو (نعوذ باللہ) اربابِ مدبرہ سمجھتے ہیں کہ یہ کواکب اس عالم کے لئے مدبر ہیں زندگی اور موت دینے میں وہ اس طرح حق تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔" [1]

علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "شرک کرنے والے لوگ مختلف وادیوں میں پریشان پھرتے رہتے ہیں۔"

"مِنْهُمْ مَنْ يَزْعَمُ أَنَّ مَعْبُوْدَهُ الْأَدْنٰى يُقَرِّبُهُ إِلَى الْمَعْبُوْدِ الَّذِيْ هُوَ فَوْقَهُ وَالْفَوْقَانِيْ يُقَرِّبُهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ حَتّٰى تُقَرِّبَهُ تِلْكَ الْاٰلِهَةُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، فَتَارَةً تَكْثُرُ الْاٰلِهَةُ وَالْوَسَائِطُ وَتَارَةً تَقِلُّ" [2]

تَرْجَمَہ: "ان میں سے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا چھوٹا معبود قریب کر دیتا ہے اس معبود سے جو اس کے اوپر ہے اور پھر اوپر والا معبود اس سے قریب کرتا ہے جو اس سے اوپر ہے، یہاں تک کہ وہ تمام معبود اللہ تعالیٰ تک بندے کو پہنچا دیتے ہیں، تو کبھی تو یہ مشرکین کی جماعت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں بہت سے خداؤں کو واسطے بنا دیتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں واسطے کم کر دیتے ہیں۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ آمین

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے

وَاقِعَہ نمبر (۲۹): کوفہ میں ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑی قاضی شریح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک دوست اس وبا سے بچنے کی خاطر نجف چلا گیا۔

قاضی شریح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کی طرف ایک خط لکھا:

"أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِيْ تَرَكْتَهُ لَا يُقَرِّبُ حِمَامَكَ، وَلَا يَسْلُبُ مِنْكَ أَيَّامَكَ، وَ إِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِيْ صِرْتَ إِلَيْهِ فِيْ قَبْضَةِ مَنْ لَا يُعْجِزُهُ طَلَبٌ، وَلَا يَفُوْتُهُ هَرَبٌ، وَ إِنَّا وَ إِيَّاكَ لَعَلٰى بِسَاطِ مَلِكٍ وَّاحِدٍ، وَ إِنَّ النَّجَفَ مِنْ ذِيْ قُدْرَةٍ لَقَرِيْبٌ" [3]

تَرْجَمَہ: "جس جگہ کو تم چھوڑ کر گئے ہو اس نے تیری موت کو قریب نہیں کر دیتا تھا اور نہ تیری باقی زندگی کے دن چھین لینے تھے، جتنے سانس اس دنیا میں تم اپنی زندگی کے لائے ہو اتنے سانس پورے کر کے ہی تم کو جانا ہے اور جس جگہ تم نے جا کر پڑاؤ کیا ہے وہ جگہ بھی اس ذات کے قبضے میں ہے جسے کوئی طلب عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی بھاگنے والا اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکل سکتا ہے۔

[1] الملل والنحل للشهرستاني: ۹۵/۲ [2] الداء والدواء، دمشق: ۲۳۳ [3] صُوَرٌ مِّنْ حَيَاةِ التابعين: ۵۰/۲، ۵۱

یاد رکھو! ہم اور آپ ایک ہی بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ نجف قدرت والے اللہ ربُّ العزت جَلَّ جَلَالُہٗ کے بہت قریب ہے۔"

فَائِدَہ: مارنا اور زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں، مگر موت گھر میں بستر پر ہی آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن اخیر میں اللہ تعالیٰ کوئی سبب کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیزیں ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی وفات، موت سے ڈرنے والوں کے لئے ایک سبق

حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وفات کے وقت فرمایا: "میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں۔

"فَلَا نَامَتْ أَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ" (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)۔"[1]

حضرت قتیبہ باہلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا "اَلْمُحْیِیْ، اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر یقین

وَاقِعَہ نمبر (۳۰): حضرت قتیبہ باہلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دین کو پھیلاتے ہوئے ترک سے نکلے اور چین جانے کا ارادہ کیا تو ان کے کسی ساتھی نے مشورہ دیا:

"لَقَدْ أَوْغَلْتَ فِي بِلَادِ التُّرْكِ يَاقُتَيْبَةُ! وَالْحَوَادِثُ بَيْنَ أَجْنِحَةِ الدَّهْرِ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ"

تَرْجَمَہ: "تم بہت پھر چکے اے قتیبہ! ترک کے ملک میں اسلام پھیل چکا، اب ہر طرف سازشیں ہو رہی ہیں تم اب آگے مت جاؤ، اب بیٹھ کر کہیں کام کر لو۔"

تو عجیب جواب دیا، اللہ کرے یہ جواب مسلمانوں کے دل میں اتر جائے اور دین پھیلانے کا جذبہ اسی طرح ہمیں بھی بے چین کر دے تاکہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند کرنے کے لئے ہم بھی نکلیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اشاعتِ دین کے لئے قبول فرمالے۔ (آمین)

تو حضرت قتیبہ نے جواب دیا:

"بِثِقَتِي بِنَصْرِ اللّٰهِ تَوَغَّلْتُ، وَإِذَا انْقَضَتِ الْمُدَّةُ لَمْ تَنْفَعِ الْعُدَّةُ"[2]

---

[1] ابن کثیر: ۱/۴۰۱، البقرۃ: ۲۴۵ [2] مدرسۃ الدعاۃ: ۱۱۲

تَرْجَمَہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسہ پر اور اس کی مدد پر یقین رکھتے ہوئے میں دین پھیلانے کے لئے نکلتا ہوں اور موت اور زندگی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی مدت پوری ہوجاتی ہے تو کوئی سبب وسیلہ انسان کو موت سے نہیں بچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا جو وقت مقرر ہے وہ نہیں آیا تو کوئی بھی ہمیں موت نہیں دے سکتا، اَلْمُحْیِیُ اور اَلْمُمِیْتُ صرف اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔

اَلْمُحْیِیُ اور اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی نشانی

واقعہ نمبر ۳۱: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟“ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا: ”کیا تمہیں ایمان نہیں؟“ جواب دیا: ”ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہوجائے گی......“ فرمایا: ”چار پرندے لو، پھر اُن کو ہلالو اپنے ساتھ، پھر ان کے ٹکڑے کرڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ حسبِ ارشادِ الٰہی چار جانور لائے ایک مور، ......ایک مرغ، ......ایک کوا، ......ایک کبوتر، ......چاروں کو اپنے ساتھ مانوس کیا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں، پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے، دوسرے پہاڑ پر سب کے پر رکھے، تیسرے پر سب کے دھڑ رکھے، چوتھے پر پاؤں رکھے، پھر بیچ میں کھڑے ہوکر ایک کو پکارا اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں، وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آگئے۔[2]

دواؤں کو زندگی اور موت کا ذریعہ بنانے والا کون؟

واقعہ نمبر ۳۲: حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، قلعہ کے لوگ محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صلح ہوجائے، لہٰذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا، چناں چہ ان کا سردار حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں آیا، حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے، حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سے پوچھا: ”اس شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟“

[1] البقرة: ٢٦٠ [2] تفسير عثمانی: ٥٥ حاشيه نمبر: ٦

اس نے جواب دیا: ''اس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہوگئی تو ٹھیک اور اگر بات چیت ناکام ہوگئی اور صلح نہ ہوسکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بل کہ یہ زہر پی کر خودکشی کرلوں گا۔''

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ اس کو اس وقت دین کی دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چناں چہ انہوں نے اس سردار سے پوچھا: ''کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے تو فوراً موت واقع ہوجائے گی؟''

اس سردار نے جواب دیا: ''ہاں، مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتاسکا، کیوں کہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہوجاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتاسکے، اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مرجاؤں گا۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سردار سے فرمایا: یہ زہر کی شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی، آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا: اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرمادیں، میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور یہ دعا پڑھ کر،

"بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ"

تَرْجَمَہ: ''اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے۔''

اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں؟۔

اس سردار نے کہا: جناب! یہ آپ اپنے اوپر ظلم کررہے ہیں، یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہوجاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان شاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چناں چہ دعا پڑھ کر زہر کی پوری شیشی پی گئے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے، وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ چوں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یقین اللہ تعالیٰ پر پختہ تھا کہ وہی ذات محیی اور ممیت ہے اور بذاتِ خود اس زہر میں موت اور حیات دینے کی طاقت نہیں۔ اس لئے انہوں نے بغیر کسی تأمل کے زہر پی لیا۔[1]

---

[1] الاصابة في تمييز الصحابة: ١/٤١٤

موت وحیات کا مالک

وَاقِعَۃٌ نَمْبَرْ (۴۳): موت وحیات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب موت دینے کا ارادہ کرلے تو حیات کے جتنے بھی اسباب ہوں وہ ان ہی اسباب کو موت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

گوکرت (جگہ کا نام) کے قریب قومی شاہراہ پر کوئٹہ سے صادق آباد جانے والی مسافر کوچ کی چھت پر سوار چار مسافروں کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا، جس کے باعث وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق مسافروں سے بھری ہوئی ایک کوچ کوئٹہ سے صادق آباد جارہی تھی، گوکرت کے قریب کوئٹہ ہی قومی شاہراہ پر ایک شاہین زہریلے سانپ کو اپنے پنجوں میں دبائے فضا میں اڑ رہا تھا کہ اچانک سانپ بس کی چھت پر آگرا اور یکے بعد دیگرے چھت پر سوار چار مسافروں کو ڈس لیا۔ مسافروں کی چیخ وپکار سن کر ڈرائیور نے گاڑی روکی جس کے بعد مسافروں نے سانپ کو ہلاک کردیا۔[1]

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

وَاقِعَۃٌ نَمْبَرْ (۴۴): ماڑی پور روڈ کراچی پر مسافر بس سے ڈاکوؤں سے لٹنے کے خوف سے فرار ہونے والے شخص کو دوسری بس نے کچل دیا۔

یہ ۴۵ سالہ شخص بس میں ڈاکوؤں کی لوٹ مار کے دوران اپنی حفاظت کی غرض سے چلتی بس سے کود پڑا اچانک پیچھے سے آنے والی بس سے کچلا گیا اور اس طرح موت کے شکنجے میں جا پھنسا۔[2]

ایک معتمد شخص نے یہ عجیب واقعہ سنایا:

کراچی قائد آباد کے قریب ایک تین منزلہ عمارت کے بیرونی حصہ پر کام کرنے والا مزدور عمارت کی آخری منزل سے اچانک گرا، لیکن نیچے ریت کا ڈھیر موجود ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ محلے کے لوگوں نے اس مزدور سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوبارہ زندگی دی ہے اسی خوشی میں مٹھائی کھلاؤ۔

مزدور جب مٹھائی لینے کے لئے روڈ پار کرنے لگا تو ایک بس کے ٹکر مارنے سے وہیں پر گر پڑا اور اس دنیا سے چل بسا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے واقعات قرآنِ کریم میں بیان فرماتے ہیں، یہ واقعات ہمارے لئے عبرت ہیں کہ ہم اپنا یقین کامل پیدا کریں کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اسی "مُحْیِی اور مُمِیت جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاتھ میں ہے جب تک وہ "اَلْمُحْیِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" زندہ رکھنے کا فیصلہ کرلے تو وہ زندہ رہے گا اور جب وہ "اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" موت دینے کا

[1] بشکریہ ماہنامہ الفاروق [2] بشکریہ روزنامہ اسلام

فیصلہ کرلے تو موت آجائے گی۔

ایک چھوٹے سے کنکر میں موت کی تاثیر رکھنے والا

وَاقِعَۃٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۵﴾: سورۂ بروج کے شانِ نزول کے بارے میں ترمذی شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ملکِ یمن کا ایک کافر بادشاہ تھا جس کا نام یوسف ذونواس تھا، اس کا زمانہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا تھا، اس کے پاس ایک کاہن تھا یا ساحر تھا، جب ساحر (جادوگر) کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار، ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چناں چہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، جو روزانہ ساحر کے پاس جاکر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دینِ حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اس کے فیضِ صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی:

اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہوگیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کردو۔ لڑکے نے کہا: اچھی کرنے والا میں نہیں وہ "اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لے آئے تو میں دعا کروں، امید ہے وہ تجھ کو بینا کردے گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں، اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کرلیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کردیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ سے گرا کر ہلاک کردیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو اسے لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔

آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: ''میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں: "بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ" (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چناں چہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔'' [1]

---

[1] ترمذی، التفسیر: ۲/۱۷۱، ۱۷۲

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا: "آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا: لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکا دکا مسلمان ہوتا تھا اب خلقِ کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا: جو شخص اسلام سے نہ پھریگا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے، لیکن وہ اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی مگر بچے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آواز دی:

"اُمَّاہُ اِصْبِرِيْ فَاِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ"[1]

تَرْجَمَہ: "اماں جان! صبر کر یقیناً تو حق پر ہے۔"

فَائِدَہ: معلوم ہوا کہ زندہ رکھنا اور موت دینا صرف اُسی "اَلْمُحْیِیُ اور اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی کا کام ہے، بندہ اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا، لہٰذا اُسی "اَلْمُحْیِیُ و اَلْمُمِیْتُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہی کی اطاعت اور فرمان برداری کرنی چاہئے۔

موت سے کوئی نہیں بچ سکتا

وَاقِعَہ نمبر (۳۶): موت کا علاج بڑے بڑے سائنسدان اور فلسفی نہیں کر سکے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ موت کا علاج کر سکتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کو موت کا آخری وقت اور آخری لمحہ بتا دیا جائے۔ اس کی دعا قبول ہوگئی اور اس نے موت سے بچنے کا علاج اس طرح ڈھونڈا کہ طے شدہ وقت پر موت سے بچنے کے لئے اپنی شکل کی اٹھارہ مورتیاں بنائیں۔ ان تمام کو سلیقے سے کرسیوں پر رکھا، اور ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب ملک الموت آئے تو وہ دیکھ کر حیران ہوگا کہ یہاں تو بہت سے افلاطون موجود ہیں میں کس کی روح قبض کروں۔

فرشتے کو اسی الجھن میں دیر ہو جائے گی اور موت کا آخری مقررہ لمحہ گزر جائے گا۔ اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے گا۔ چناں چہ وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ آیا اور دیکھ کر بولا: "اے افلاطون! تو نے بڑا ہی کمال کر دکھایا ہے لیکن پھر بھی ایک فرق رہ گیا ہے۔" اس پر افلاطون بول پڑا: "وہ کون سا ہے؟"

فرشتے نے کہا: "یہی فرق ہے کہ تو ناطق (بولنے والا) اور دیگر ناطق نہیں ہیں۔" اس طرح یہ مدعی بھی اپنے دعویٰ میں ناکام رہا۔

خلاصہ یہ کہ موت سے کسی کو مفر نہیں، لہٰذا ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہئے۔

~ موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۴۲٤، البروج: ۱ تا ۱۰

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

نبی اکرم ﷺ جب بستر پر سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی"

ترجمہ: "اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔"

اور جب سو کر اٹھتے تو یوں فرماتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ." [1]

ترجمہ: "تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں سلانے کے بعد جگایا اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) زندہ ہو کر جانا ہے۔"

فوائد ونصائح

1. بندہ کا ان دونوں اسموں میں سے حصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں سمجھے۔ بیماری، پریشانی میں شرکیہ تعویذ گنڈے، ...... کاہنوں نجومیوں سے خبریں معلوم کروانا ...... وغیرہ امور سے بچئے، اس لئے کہ کوئی جن، ...... کالا علم، ...... جادو، ...... یہ مقررہ وقت سے پہلے مار نہیں سکتے، اور مقررہ وقت کے آنے پر شرکیہ تعویذ یا مزارات پر جا کر چادریں چڑھانا، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، یا پیر فقیر کے نام کی نیاز کرنا، وغیرہ زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، پھر کتنی کم قسمتی کی بات ہوئی کہ زندگی کے آخر لمحات میں غلط قسم کے عاملین، پروفیسر، جاہل پیر، اور مزارات پر جا کر شرک میں مبتلا ہو کر ان سے شفا اور زندگی کی بھیک مانگی جائے۔
2. اس عارضی زندگی کو اللہ جل جلالہ کی رضا کی طلب میں خرچ کر کے آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو سنوارے۔
3. اللہ تعالیٰ سے موت بھی ایسے مانگے کہ ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور جب دنیا سے رخصت ہو تو ایمان کے ساتھ اور اعمال واخلاق میں ترقی کے ساتھ دوسروں کے لئے بہترین نمونہ بن کر دنیا سے رخصت ہو۔

---

[1] بخاری، الدعوات، باب وضع الید تحت الخد الیمنی: ۹۳٤/۲

الحی جل جلالہ، القیوم جل جلالہ

(ہمیشہ زندہ رہنے والا) (سب کو قائم رکھنے والا)

"الحی جل جلالہ" کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "(اَلْحَيُّ) فَإِنَّهُ يَعْنِي الَّذِي لَهُ الْحَيَاةُ الدَّائِمَةُ، وَالْبَقَاءُ الَّذِي لَا أَوَّلَ لَهُ يُحَدُّ، وَلَا آخِرَ لَهُ يُؤْمَدُ إِذْ كَانَ كُلُّ مَا سِوَاهُ فَإِنَّهُ وَ إِنْ كَانَ حَيًّا فَلِحَيَاتِهِ أَوَّلٌ مَحْدُودٌ، وَآخِرٌ مَامُوْدٌ، يَنْقَطِعُ بِانْقِطَاعِ أَمَدِهَا، وَيَنْقَضِي بِانْقِضَاءِ غَايَتِهَا"

ترجمہ: "امام طبری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الحی جل جلالہ" رب تعالیٰ کا اسم مبارک ہے اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا وجود اور جس کی حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو اور اسے ایسی بقا حاصل ہو جس کی ابتداء کی کوئی حد ہی نہ ہو اور نہ ہی اس کی حیات کی کوئی انتہاء ہو، جب کہ اس کے سوا عالم میں جو کوئی بھی زندگی کی حامل ذات ہے اس کی ابتداء کی بھی حد ہے اور انتہاء بھی مقرر ہے، جب مدتِ حیات پوری ہو جائے گی تو وجود بھی ساتھ چھوڑ دے گا اور مدت کے ختم ہونے پر زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔"

❷ "امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الحی" اللہ رب العزت کی صفت ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو ہمیشہ سے موجود ہو اور ہمیشہ سے زندہ ہو زندگی اسے عدم کے بعد نہ ملی ہو (بل کہ ہمیشہ سے موجود ہو) اور نہ ہی زندگی کے بعد اس پر موت آسکتی ہو (بل کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہی رہے) جب کہ باقی تمام زندوں پر زندگی کی ابتداء سے پہلے عدم طاری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا بل کہ زندگی کے بعد موت کا آنا لازمی ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ﴾[1] "ہر چیز ختم ہوگی سوائے اُس کی ذات کے"[2]

---

[1] القصص: ۸۸

[2] "(اَلْحَيُّ) مِنْ صِفَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى: هُوَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ مَوْجُوْدًا وَبِالْحَيَاةِ مَوْصُوْفًا، لَمْ تَحْدُثْ لَهُ الْحَيَاةُ بَعْدَ مَوْتٍ، وَلَا يَعْتَرِضُهُ الْمَوْتُ بَعْدَ الْحَيَاةِ، وَسَائِرُ الْاَحْيَاءِ يَعْتَوِرُهُمُ الْمَوْتُ أَوِ الْعَدَمُ فِيْ أَحَدِ طَرَفَيِ الْحَيَاةِ أَوْ فِيْهِمَا مَعًا ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ﴾ (القصص: ۸۸، النهج الأسمٰى: ۶۹/۲)

❸ "(اَلْحَيُّ): أَيِ الْحَيُّ فِيْ نَفْسِهِ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ أَبَدًا" [1]

ترجمہ: "علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْحَيُّ" کا معنی یہ ہے کہ "الحی جل جلالہ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔"

"القیوم جل جلالہ" کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى-: "(اَلْقَيُّوْمُ) هُوَ الْقَائِمُ الدَّائِمُ بِلَا زَوَالٍ." [2]

ترجمہ: "قیوم وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور کبھی بھی اس پر فنا طاری نہیں ہو سکتا۔"

❷ "هُوَ الْمُدَبِّرُ وَالْمُتَوَلِّيْ بِجَمِيْعِ مَا يَجْرِيْ فِي الْعَالَمِ. وَهُوَ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ." [3]

ترجمہ: "بعض حضرات نے فرمایا: "قیوم کے معنی یہ ہیں کہ جو عالم میں جاری تمام امور کا منتظم و نگراں ہو۔"

اور اس معنی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ یہ صفت صفاتِ افعال میں سے ہے۔"

❸ "(اَلْقَيُّوْمُ) مِنْ قَامَ، أَيِ الْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِ مَا خَلَقَ." [4]

ترجمہ: "امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "القیوم" کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں: "القیوم" "قَامَ" سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو اپنی تمام مخلوق کے نظم و نسق کو چلانے والی ہے۔"

❹ "امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الحی القیوم جل جلالہ" ان دونوں اسماء کے معنی یہ ہیں: مکمل طور پر حیات رکھنے والا اور بذاتِ خود قائم (اپنے قیام میں کسی کا بھی محتاج نہیں جب کہ باقی سب کے سب، ادنیٰ سے ادنیٰ تر وجود میں اس کے محتاج) آسمان و زمین والوں کو وجود بخشنے والا، ان کے رزق حتیٰ کہ تمام ضروریات کا انتظام کرنے والا۔ اس معنی کے اعتبار سے "الحی" تمام تر صفاتِ ذاتیہ کو جامع ہے اور "القیوم" تمام تر صفاتِ افعال کو یہ اسم مبارک شامل ہے۔" [5]

لفظ حَيّ کے معنی اردو زبان میں ہیں "زندہ" یہ لفظ اسمائے الٰہیہ میں سے ہے، مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، اور وہ موت سے بالاتر ہے۔ [6]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳۰۸/۱، البقرۃ: ۲۵۵ [2] النہج الاسمیٰ: ۷۵/۲ [3] النہج الاسمیٰ: ۷۵/۲ [4] النہج الاسمیٰ: ۷۶/۲

[5] قَالَ السَّعْدِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "(اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) كَامِلُ الْحَيَاةِ، وَالْقَائِمُ بِنَفْسِهِ، اَلْقَيُّوْمُ لِأَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، اَلْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ وَجَمِيْعِ أَحْوَالِهِمْ، فَالْحَيُّ: اَلْجَامِعُ لِصِفَاتِ الذَّاتِ، وَالْقَيُّوْمُ: اَلْجَامِعُ لِصِفَاتِ الْأَفْعَالِ" (تیسیر الکریم الرحمٰن: ۳۰۳/۵)

[6] معارف القرآن: ۶۱۵/۱

اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی سے بھی کسی قسم کا خطرہ نہیں

جو زندہ ہو اور موت سے بالاتر ہو اور نافرمانوں کو ان کے گناہوں پر پکڑے، اسے اس کا خدشہ تو ہوتا نہیں کہ پلٹ کر وہ اس ذات کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ، سورۃ الشمس (پ۳۰) کی آخری آیت ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ "اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے۔" کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ کے عذاب اور (نافرمانی کی بناء پر) کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھو کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحبِ قوت و شوکت بھی جب کوئی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں، غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا ہے، اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے، بجز حق تعالیٰ شانہ کے کہ اس کو کسی وقت کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔[1]

یہ اسماء مبارکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئے ہیں جن میں سے تین یہ ہیں:

1. ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾[2]
2. ﴿الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝﴾[3]
3. ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾[4]

پریشانی اور مشکل مراحل کی دعا

حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی پریشانی، غم اور مشکل اوقات میں اکثر۔ "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ."[5] کہہ کر الحاح وزاری سے دعا مانگا کرتے تھے۔

"کہ اے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جو خود بھی اپنی جامع صفات کے ساتھ قائم و دائم ہے اور اسی کے حکم سے سارا نظام بھی قائم ہے، میں تیری رحمت کا فریادی ہوں، تو ہی مشکل حل فرما اور پریشانی دُور فرما۔"

اس میں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ شدید مشکل میں "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ" کی صفت کا تذکرہ کر کے دعا مانگی کہ اے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور وہ ذات جو تغیر اور زوال سے پاک ہے، اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا،

---

[1] معارف القرآن: ۸/ ۷۵۳ [2] البقرة: ۲۵۵ [3] ال عمران: ۲،۱
[4] طٰهٰ: ۱۱۱ [5] ترمذي، ابواب الدعوات: ۲/ ۱۹۲

اور اے وہ ذات جو حیاتِ ذاتیہ کی مالک ہے، اس نے حیات (معاذ اللہ) کسی سے مستعار نہیں لی، نہ کبھی عدم اس کے سابق حال ہوا، نہ کبھی موت اس کے لاحقِ حال ہوگی، بل کہ کل کائنات کی حیات و بقاء اور زوال و موت اس کے قبضہ میں ہے پس ایسی عظمت والی اے "حَيٌّ وَ قَيُّوْمٌ" ذات! ہماری مدد فرما دشمن کے مقابلے میں بھی، نفس اور شیطان کے مقابلے میں بھی۔

ایسی ذات نے جو "الحیّ القیّوم" ہے، جان داروں کو حیات بخشی اپنی خاص قدرتِ قاہرہ سے، ساری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا غلام ہے۔ خود وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، جس سے چاہے جو کام لے، ہر ایک کی زندگی...... عدم سے وجود...... بقاء...... استعمال...... نفع ونقصان...... تاثیر اور زوال...... اور موت اُسی کے امرِ کُنْ کی محتاج ہے۔ ایک پانی ہی کا عنصر لیجیے، اس سے ہر جان دار کو زندگی اور بقاء بخشی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾[1]

تَرجَمَہ: "اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے، پھر کیا یقین نہیں کرتے۔"

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں: "مُراد یہ ہے کہ ہر جان دار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے اور جان دار اور ذی روح، اہل تحقیق کے نزدیک صرف انسان اور حیوانات ہی نہیں بل کہ نباتات و جمادات میں (بھی) روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت ہے، ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں، تحقیق یہی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات وشعور بقدر ان کی حیثیت کے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق اور ایجاد اور ارتقاء میں بڑا دخل ہے۔"[2]

خلاصہ یہ ہے: "وہ ذات" "الحیّ جلّ جلالہٗ" اپنی قدرت سے جس شئے کو بھرپور زندگی، یا زندگی کی کچھ رمق دیدے، وہ زندگی کی حامل کہلاتی ہے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ انسانی آنکھ کو مکمل طور پر جس کی زندگی کا ادراک نہ ہو، وہ انسانوں یا حیوانات اور پرندوں اور حشرات الارض کی طرح باقاعدہ ذی روح اور جان دار نہیں کہلاتیں، نیز سب سے زیادہ کامل ومکمل حیات انسان کو عطاء فرمائی، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بناءِ تکلیفِ احکامِ شرعیہ ہے۔ (یعنی اللہ کی یہ پہچان جو انسان کے حصہ میں آئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کا مکلف ہے اور دوسرے موجودات، جمادات، نباتات، حیوانات نہ اس طرح کے جان دار ہیں نہ ہی احکام کے مکلف ہیں)۔"

"الحیّ القیّوم جلّ جلالہٗ" ذات نے ہی جس کو چاہا، جس درجہ کا چاہا شعور وحس اور حیات دی ہے۔ اور اسی حیات کا حکم واپس لے لینے کا نام فناء اور موت کا طاری ہو جانا ہے، اور پھر اس زندہ اور قائم کے حکم سے دوسرے عالم میں

[1] الانبیآء: ۳۰ [2] معارف القرآن: ۶/ ۱۸۲

منتقل کیا جانا اور اُسی کے سامنے حاضر ہونا اور ساری زندگی کے اعمال کا جواب وحساب دینا، ضرور واقع ہوگا۔ وہی زندہ اور قائم ہے، جو ہم سے بھی پہلے خود ہماری ہی ضروریات اور مصالح کو جانتا ہے، ہمارے نفع ونقصان کی چیزوں سے پورا باخبر ہے۔

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ......﴾[1]

ترجمہ: ''بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا۔''

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور ہم نہیں ہیں خلق (مخلوقات) سے بے خبر۔''

جب ہم نہ تھے اور کچھ بھی نہ تھا وہ جب بھی تھا اور جب کچھ بھی نہ ہوگا تب بھی وہ ہوگا۔ اُسی ''الحی القیوم جل جلالہ'' سے جو سارے عالموں کا رب ہے محبت کرنی ہے، وہی نفع رسانی کے ظاہری نقشوں میں حیات ڈالتا ہے، تب ہی وہ ہمیں فائدہ دے رہی ہیں۔ جو اس کے غیر سے محبت کرے گا اس کے غیر کے لئے استعمال ہوگا تو وہ ''الحی القیوم جل جلالہ'' اس بات کا محتاج نہیں کہ پہلے اسباب غائب کرے، پھر ہمیں تنبیہ کرے بل کہ وہ ''الحی القیوم جل جلالہ'' جو سب چیزوں سے فائدہ نکالنے پر قادر ہے۔

ان اسباب سے نفع کا حکم واپس لے لے گا وہ چیزیں جوں کی توں موجود ہوتے ہوئے مثل مردہ کے ہوں گی، کچھ کام نہ دیں گی، کیوں کہ وہ ''الحی جل جلالہ'' ان سے نفع نکلنے کا حکم ختم کردے گا۔ نفع کے خزانے بند کردے گا، ساری کائنات اس نافرمان انسان کے لئے مُردہ جسم کی طرح ہو جائے گی، کہ اپنی ذات سے موجود مگر بے روح کے جسم کی طرح فائدہ پہنچانے سے عاری ہوگی۔

ان دو اسماء کی مثال آسمانوں پر دو چمکتے میناروں کی طرح ہے

اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ قصیدۂ نونیہ میں فرماتے ہیں:[3]

---

[1] الملک: ١٤ [2] المؤمنون: ١٧

[3]
هٰذَا وَمِنْ أَوْصَافِهِ الْقَيُّوْمُ وَالْ ... قَيُّوْمُ فِيْ أَوْصَافِهِ أَمْرَانِ
إِحْدَاهُمَا الْقَيُّوْمُ قَامَ بِنَفْسِهِ ... وَالْكَوْنُ قَامَ بِهِ هُمَا الْأَمْرَانِ
فَالْأَوَّلُ اسْتِغْنَاءُهُ عَنْ غَيْرِهِ ... وَالْفَقْرُ مِنْ كُلٍّ إِلَيْهِ الثَّانِيْ
وَالْوَصْفُ بِالْقَيُّوْمِ ذُوْشَانٍ عَظِيْمٍ ... هٰكَذَا مَوْصُوْفُهُ أَيْضًا عَظِيْمُ الشَّانِ
وَالْحَيُّ يَتْلُوْهُ فَأَوْصَافُ الْكَمَالِ ... هُمَا لِأُفُقِ سَمَائِهَا قُطْبَانِ

"اللہ رب العزت کی صفات میں سے "القیوم جل جلالہ" بھی ہے اور صفت قیومیت دو طرح سے ہے۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بذاتِ خود قائم ہیں۔ اور دوم یہ کہ ساری کی ساری کائنات بھی اللہ رب العزت کے قائم فرمانے کی وجہ سے موجود ہے اور یہ دونوں باتیں الگ الگ معنی رکھتی ہیں۔

پہلی بات کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قائم ہیں یعنی وہ کسی بھی امر میں غیر کے محتاج نہیں بل کہ وہ ہر اعتبار سے مستغنی ہیں، اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود شے، ہر ہر قدم پر اللہ رب العزت کی محتاج ہے۔ یہ اسم مبارک "القیوم جل جلالہ" بڑی شان والا ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی شان کا تو کہنا ہی کیا! اور صفتِ مبارکہ "الحی" تو "القیوم" کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور یہ تمام اسماء آسمان پر چمکتے تاروں کی طرح ہیں جن میں ان دو اسماء کی مثال دو میناروں کی سی ہے جو اس آسمان کے کناروں پر نصب ہیں، پس "الحی" اور "القیوم" ایسے دو اسماء ہیں جو جدا نہیں ہوتے اور عموماً ایک ساتھ ہی بیان کئے جاتے ہیں۔"

لفظِ قیوم قیام سے نکلا ہے، قیام کے معنی ہے کھڑا ہونا، قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں۔ قیوم اور قیام مبالغے کے صیغے کہلاتے ہیں، ان کے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾[1]

لفظِ قیوم نے جب یہ بتلایا کہ اللہ جل شانہٗ سارے آسمانوں، زمینوں اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں، اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے، تو ایک انسان کا خیال اپنی عادت وفطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکن بھی ہوتی ہوگی، کچھ وقت آرام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہئے، اس دوسرے جملے میں محدود علم وبصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہٗ کو اپنے اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے، اپنے جیسا نہ سمجھے، وہ مثل ومثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں، نہ اس کے لئے تھکن کا سبب ہیں، اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات ...... اور تھکان وتعب ...... اور اونگھ اور نیند ...... سے بالاتر ہے۔[2]

سورۂ آل عمران کی پہلی آیت ﴿الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝﴾ میں توحید کی عقلی دلیل مذکور ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ اُن کے سوا کوئی معبود بنانے کے قابل نہیں، لفظ ﴿اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ سے توحید کی عقلی دلیل بیان

فَالْحَيُّ وَالْقَيُّومُ لَنْ تَتَخَلَّفَ الْـ ... أَوْصَافُ أَصْلًا عَنْهُمَا بِبَيَانِ

(النونية: ٢/٢٣٦)

[1] البقرة: ٢٥٥ [2] معارف القرآن: ١/٦١٣، البقرة: ٢٥٥

کی گئی ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عبادت نام ہے اپنے آپ کو کسی کے سامنے انتہائی عاجز و ذلیل کر کے پیش کرنے کا، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کی عبادت کی جائے وہ عزت و جبروت کے انتہائی مقام کا مالک اور ہر اعتبار سے کامل ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے، اپنے وجود اور اس کی بقاء میں دوسرے کی محتاج ہو، اس کا عزت و جبروت میں کیا مقام ہو سکتا ہے؟

اس لئے بالکل واضح ہو گیا کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، نہ خود اپنے وجود کی مالک ہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہیں، وہ خواہ پتھر کے تراشیدہ بت ہوں ...... یا پانی اور درخت ہوں ...... یا فرشتے اور پیغمبر ہوں ...... ان میں کوئی بھی لائق عبادت نہیں، لائقِ عبادت وہی ذات ہو سکتی ہے جو ہمیشہ سے زندہ و موجود ہے اور ہمیشہ زندہ و قائم رہے گی، اور وہ صرف اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کی ذات ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں سے (یعنی تین خداؤں میں سے) ایک مانتے ہیں، گویا اس سورت مبارکہ میں ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، اور ان کا زمانۂ ولادت بھی کائنات پیدا کیے جانے سے بہت عرصہ بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انہیں مخلوق کے بجائے اللہ کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا، نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے، لیکن ایک وقت آئے گا کہ انہیں بھی موت آ جائے گی، اور عیسائیوں کے بقول موت ان پر آ چکی ہے جب کہ اللہ تو ایسی ذات ہے، جس پر موت آ ہی نہیں سکتی۔

اسمِ اعظم

"اللہ جل جلالہ" کے صفاتی ناموں میں "الْحَیُّ الْقَیُّومُ جل جلالہ" کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں، پہنچا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" کہہ رہے ہیں[1]

"القیوم" حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی، کیوں کہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟

اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں، جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گناہ گار ہوتے ہیں۔ (اور جن کے سامنے یوں کہا جا رہا ہو اور وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو یوں سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں)۔

---

[1] مستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، باب التأمين: ۱/۳۳۱، رقم: ۸۱۲

اسمِ مبارک ''القیّوم جلّ جلالہٗ'' سے حاصل ہونے والے ایمانی ثمرات

ان کو پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجئے: ''اے اللہ! یہ ایمانی ثمرات ہم سب کو نصیب فرما۔''

۱ ''اللہ ربّ العزت نے اپنی صفت ''القیّوم'' بیان فرمائی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے: اللہ جلّ جلالہٗ اپنے موجود ہونے اور ہمیشہ رہنے میں کبھی بھی غیر کا محتاج نہیں، وہ دوسروں کو تو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا، وہ غیر کا یا اپنی مخلوق کا کیسے محتاج ہو سکتا ہے حالاں کہ ساری کی ساری مخلوق اسی کے حکم سے قائم ہے، اسی ''الحیّ القیّوم'' نے انہیں وجود بخشا ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ''ذاتی'' ہے۔'' [۱]

۲ ''یقیناً جو شخص اپنے رب کی اس صفت ''القیّوم'' کو پہچان لیتا ہے، وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل مخلوق سے بالکل ہی ہٹ کر خالق ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ دیگر ساری مخلوق اسی کی طرف محتاج ہے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں مرنے کے بعد زندہ ہونے میں اپنے دین و دنیا میں تمام چیزوں میں یہ سب اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں لہٰذا مخلوق سے امید باندھنے کی کسی قسم کی توقع رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔'' [۲]

۳ ''اللہ ربّ العزت کی ذات ''قیوم'' ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اس کی ''قیومیت'' کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نیند نہیں آتی، نیند تو کجا اسے اونگھ بھی نہیں آتی۔ نیند یا اونگھ آنا تو مخلوق کی خاصیت ہے وہ اس سے بری ہے۔'' [۳]

۴ ''اس اسم مبارک ''القیّوم جلّ جلالہٗ'' کو قرآن مجید میں تین مقامات پر ''الحیّ'' کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے، ان دونوں اسماء کو ملا دینے سے یہ اسماء، تمام صفاتِ کمال کے جامع بن گئے ہیں اور دونوں اسماء کا ملا دیا جانا اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام صفاتِ باری تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہیں، اور ان میں کمی یا فنا کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں اسی لئے تو آیۃ الکرسی قرآن مجید کی بڑی آیات میں سے ہے کیوں کہ اس میں ان دونوں صفات کا ذکر ہے۔'' [۴]

حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے:

---

[۱] "وَصَفَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرَهٗ بِأَنَّهٗ قَيُّوْمٌ بِنَفْسِهٖ، لَا يَحْتَاجُ فِيْ قِيَامِهٖ وَدَوَامِهٖ إِلٰى أَحَدٍ، يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ، وَكَيْفَ يَحْتَاجُ إِلٰى غَيْرِهٖ أَوْ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ، وَهُمْ أَنْفُسُهُمْ لَا قِيَامَ لَهُمْ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ لَهُمْ؟ فَقِيَامُهٗ تَعَالٰى بِذَاتِهٖ وَلَيْسَ ذٰلِكَ إِلَّا لَهٗ تَعَالٰى."

[۲] "وَلَا شَكَّ أَنَّ مَنْ عَرَفَ هٰذِهِ الصِّفَةَ فِيْ رَبِّهٖ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ، وَانْقَطَعَ قَلْبُهٗ عَنِ الْخَلْقِ إِلَيْهِ، وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ مُحْتَاجُوْنَ مُفْتَقِرُوْنَ مِثْلَهٗ إِلٰى خَالِقِهِمْ فِيْ قِيَامِهِمْ وَقُعُوْدِهِمْ، وَحَيَاتِهِمْ وَبَعْدَ مَمَاتِهِمْ، فِيْ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ، فَكَيْفَ يَرْجُوْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ؟"

[۳] "وَمِنْ كَمَالِ قَيُّوْمِيَّتِهٖ تَعَالٰى أَنَّهٗ لَا يَنَامُ، إِذْ هُوَ مُخْتَصٌّ بِعَدَمِ السِّنَةِ وَالنَّوْمِ دُوْنَ خَلْقِهٖ فَإِنَّهُمْ يَنَامُوْنَ"

[۴] "إِقْتَرَنَ هٰذَا الْإِسْمُ بِالْحَيِّ فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ كَمَا سَبَقَ، وَ إِقْتِرَانُهٗ بِالْحَيِّ يَسْتَلْزِمُ صِفَاتِ الْكَمَالِ، وَيَدُلُّ عَلٰى بَقَائِهَا وَدَوَامِهَا، وَانْتِفَاءُ النَّقْصِ وَالْعَدَمِ عَنْهَا أَزَلًا وَأَبَدًا، وَلِهٰذَا كَانَ قَوْلُهٗ" ﴿اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (النهج الاسمٰى: ۲/۷۷، البقرة: ۲۵۵)

"عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ- قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِيْ أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟" قَالَ قُلْتُ: "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ" قَالَ: "يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِيْ أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟" قَالَ قُلْتُ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ قَالَ: فَضَرَبَ عَلٰى صَدْرِيْ وَقَالَ: "لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ"[1]

تَرْجَمَہ: "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابومنذر! "کتاب اللہ" کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) فرمایا: اے ابوالمنذر! کتاب اللہ کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر دست مبارک مارا اور فرمایا: اے ابومنذر! تجھے تیرا علم مبارک ہو۔"

"بہت سی احادیث مبارکہ ان دونوں اسماء کی عظمت پر شاہد ہیں اور ان دونوں اسماء کو ملا کر دعا کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے ان دونوں اسماء کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس نے یہ دعا مانگی (جسے حاشیہ میں نمایاں کیا گیا ہے):

اے اللہ! میں تجھ سے ان کلمات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں صرف تیرے ہی لئے ہیں...... معبود تیرے سوا کوئی نہیں...... پس تو ہے تیرا کوئی شریک نہیں...... تو بڑا مہربان بڑا دینے والا ہے...... آسمانوں اور زمین کا کسی نمونے کے بغیر بنانے والا ہے...... اے بزرگی اور بخشش والے...... اے سدا زندہ رہنے والے...... اور سب کی ہستی قائم رکھنے والے......، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ اس کے واسطے سے جب بھی دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور جب بھی سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرماتے ہیں۔"[2]

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مسلم فضائل القرآن، باب فضل سورة الكهف و آية الكرسي: ۲۷۱/۱، رقم: ۲۵۸

[2] "جَاءَ فِي السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى عَظَمَةِ هٰذَيْنِ الْإِسْمَيْنِ، وَالدُّعَاءِ بِهِمَا مُجْتَمِعَيْنِ، حَتّٰى قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِنَّهُمَا الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ لِلرَّبِّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، كَمَا فِيْ حَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ، وَ إِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى" (ابوداؤد: كتاب الصلوة، باب الدعاء: ۲۱۰/۱، النهج الاسمى: ۷۸/۲)

"جس شخص نے تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اگرچہ وہ میدان جہاد سے بھاگا ہو۔"

کلمات یہ ہیں:

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔"[1]

تَرْجَمَۃ: "میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہیں، قائم رہنے والے ہیں، اور ان ہی کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔"

حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنے بستر پر آکر یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں۔" (وہ کلمات اوپر مذکور ہیں)[2]

حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت فاطمہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا سے ارشاد فرمایا: میری نصیحت غور سے سنو۔ تم صبح و شام کہا کرو:

"اے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو قائم رکھنے والے! میں آپ کی رحمت کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں، کہ میرے سارے کام درست فرما دیجئے اور مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے۔" (عربی میں دعا نیچے حاشیہ میں خط کشیدہ کی گئی ہے)[3]

فوائد و نصائح

بندے کا ان اسماء مبارکہ سے حصہ یہ ہے:

❶ اپنی زندگی "الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کی اطاعت میں گزارے اور یہ یقین پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں سب کو ایک دن ختم ہونا ہے۔

❷ گناہ گار گناہ سے بچنے میں مشقت اُٹھا کر اگر ایک جان قربان کرتا ہے تو وہ "الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ جَلَّ جَلَالُهٗ" اپنے نام پر

---

[1] ابوداؤد، الوتر، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۷

[2] "مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ إِلٰى فِرَاشِهٖ: "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ عَدَدِ وَرَقِ الشَّجَرِ." (مسند احمد: ۳/۱۰، رقم: ۱۰۶۹۰)

[3] "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: مَا يَمْنَعُكِ أَنْ تَسْمَعِيْ مَا أُوْصِيْكِ بِهٖ أَنْ تَقُوْلِيْ إِذَا أَصْبَحْتِ وَإِذَا أَمْسَيْتِ: "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ، أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ." (مستدرک للحاکم، کتاب الدعاء والتکبیر: ۱/۷۳۹)

مر مٹنے والوں کو اس کے بدلے سو جان عطاء کرتا ہے۔ اگر اس "الحی القیوم جل جلالہٗ" کے لئے عمل کیا جائے، دل کا ارمان گھونٹا جائے، تو وہ ذات اس عمل کو اور اس کے اجر کو بھی قائم رکھے گی۔ کیوں کہ وہ خود "الحی القیوم" ہے تو خاص اس کی ذات کے لئے، اسی کی بتائی ہوئی شرائط کے ساتھ جو عمل کیا جائے گا اور عمل باقی رکھنے کی شرائط پر بھی عمل کیا جائے گا تو وہ عمل بھی باقی رہے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ ایک دعا ہے جسے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور مانگا کرتے تھے، ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو پابندی سے مانگا کریں:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِيْ، اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! میں نے تیرے سامنے اپنی گردن جھکا دی، میں نے تجھ کو دل سے مانا، صرف تیری ہی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، صرف تیری ہی طرف متوجہ ہوا اور جس سے جھگڑا کیا تیری ہی مدد سے کیا۔

اے اللہ! میں تیری عزت و غلبہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تو مجھے سیدھی راہ سے بھٹکا دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا زندہ ہے کہ تجھ پر کبھی موت نہیں آ سکتی، جب کہ سارے کے سارے جن و انس مرجائیں گے۔"

علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا وظیفہ

③ علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جو شخص چالیس مرتبہ ہر دن فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔"

ترجمہ: "اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری رحمت کے ذریعہ سے مدد چاہتا ہوں۔"

پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو زندہ فرمائیں گے اور وہ دل مردہ ہونے سے بچا رہے گا۔[2]

④ جب اس کے دل و دماغ میں یہ بات واضح طور پر آ گئی کہ ہر چیز کو زندگی دینے والا اور قائم رکھنے والا "الحی القیوم جل جلالہٗ" ہی ہے تو مخلوق سے امیدوں کو ختم کر دے۔ اس لئے کہ ہماری ہر ضرورت ہر مصلحت اور ہمارے نفع و نقصان سے اللہ تعالیٰ پورے پورے باخبر ہیں، اپنی ضرورتیں اور حاجتیں صرف اور صرف "الحی القیوم جل جلالہٗ" کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہئے۔

⑤ صرف اسی ذات کی اتباع کو لازم پکڑے اور اللہ کے غیر کی ماننے میں آخرت کا نقصان سمجھے۔

[1] مسلم، الذکر، باب فی الادعیۃ: ۳۴۹/۲
[2] منہج الامام لابن قیم: ۳۹۹

❻ اسی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ ”الحی القیوم جل جلالہ“ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورتیں اور حاجتیں مانگے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا خوب انداز میں اپنی حاجت ”الحی القیوم جل جلالہ“ کے سامنے پیش کر رہے ہیں:

يَا مَنْ تُحَلُّ بِذِكْرِهٖ	عُقَدُ النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ
اے وہ ذات جس کے مبارک نام کی برکت سے	مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کی جاتی ہے
يَامَنْ إِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى	وَإِلَيْهِ أَمْرُ الخَلْقِ عَائِد
اے وہ ذات جو ہم سب کی فریاد رس ہے	جس کی طرف کل مخلوق کے امور لوٹتے ہیں
يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا	صَمَدُ تَنَزَّهَ عَنْ مُضَادِدِ
اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے مخلوق کو سنبھالنے والے	اے اضداد سے پاک بے نیاز ذات
أَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْعِبَا	دِ وَأَنْتَ فِي الْمَلَكُوْتِ وَاحِد
آپ ہی بندوں کے نگران ہیں	اور آپ ہی اپنی بادشاہی میں یکتا ہیں
أَنْتَ الْعَلِيْمُ بِمَا بَلِيْـ	تَ بِهٖ وَأَنْتَ عَلَيْهِ شَاهِد
آپ خوب جانتے ہیں ان چیزوں کو جس کو	آپ نے بوسیدہ کر دیا اور آپ اس پر نگران ہیں
أَنْتَ الْمُعِزُّ لِمَنْ أَطَا	عَكَ وَالْمُذِلُّ لِكُلِّ جَاحِد
آپ ہی فرماں برداروں کو عزت بخشتے ہیں	اور آپ ہی منکرین کو ذلیل فرماتے ہیں
أَنْتَ الْمُنَزَّهُ يَا بَدِيْعَ الخَلْقِ	عَنْ وَلَدٍ وَوَالِد
اے مخلوق کو ابتداءً پیدا کرنے والے	آپ کی ذات والد و ولد کے عیب سے پاک ہے
إِنِّيْ دَعَوْتُكَ وَالْهُمُوْمُ	جُيُوْشُهَا قَلْبِي تُطَارِد
میں نے آپ کو پکارا ہے ایسی حالت میں کہ	غموں کے لشکر نے میرے قلب پر حملہ کر دیا ہے

(ديوان الامام الشافعي، يوم الدعاء: ١٢٠)

اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہر چیز کو پانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْوَاجِدُ بِالْجِیْمِ أَيِ الَّذِيْ یَجِدُ کُلَّ مَا یُرِیْدُہٗ وَیَطْلُبُہٗ وَلَا یَفُوْتُہٗ شَيْءٌ."

تَرْجَمَۃ: "ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْوَاجِدُ" "جیم کے ساتھ" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس شئے کا بھی ارادہ اور طلب کرے، اُسے فوراً پالے اور کوئی چیز اُس ذات کی دست رس میں آئے بغیر رہ نہ سکے۔"

❷ "وَقِیْلَ مَعْنَاہُ الْغَنِيُّ مَاخُوْذٌ مِّنَ الْوُجْدِ قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ﴾"[1]

تَرْجَمَۃ: "ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ "اَلْوَاجِدُ"، "اَلْغَنِيُّ" کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہے "وُجد" سے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔"

عربی زبان میں واجد غنی کو کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ سب کچھ پاتا ہے مگر پانے کا مفہوم انسانوں کے اعتبار سے ایسا ہے کہ پہلے نہ تھا پھر پالیا یا گمشدہ چیز کو پالیا۔ مگر ذاتِ باری تعالیٰ کو جو واجِد کہا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے نہیں کہا جاتا۔ ذاتِ باری تعالیٰ چوں کہ نفع ونقصان سے بالاتر ہے لہٰذا وہ ہمیشہ واجد ہی رہتا ہے۔ انسان وحیوان اور اس کی دیگر مخلوقات کبھی واجد اور کبھی غیر واجد بنتی رہتی ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ اس لئے واجد ہے کہ جملہ موجودات پر اسے احاطہ حاصل ہے۔ وہ ذات واجد ہے اور جملہ مطلوبات و کمالاتِ ذاتیہ کا وجود اسے ہمیشہ سے حاصل ہے۔ اسم "اَلْوَاجِدُ" "وُجد" سے بھی بن سکتا ہے وُجد کے معنی تونگری وغنا ہیں۔

---

[1] الطلاق: ٦، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ٥/٩٥

[2] شرح اسماء الحسنٰی لِلأزھری: ٤٨٩

یہ اسم ''وجود'' سے بھی بن سکتا ہے، وجود کے معنیٰ ''ہستی'' کے ہیں۔[1]

وہ ذات ''الواحد جل جلالہ'' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب وجود باری تعالیٰ پر چند دلائل پیش خدمت ہیں:

''الواحد جل جلالہ'' کے وجود پر دلائل

۱ ''جسم انسانی کا عصبی نظام''

یوں تو کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی کی گواہی دے رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے وجود کی سب سے بڑی نشانی اور سب سے بڑی دلیل تو خود انسان ہے۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا: ﴿وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾[2]

انسان کے عصبی نظام پر غور کیجئے کہ کس قدر دقیق اور مربوط ہے۔ جدید تحقیق بتلاتی ہے کہ انسان کے اندرونی مواصلاتی نظام کا مرکز اس کا بھیجا ہے، ہر بھیجے میں تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، ان تاروں پر خبر وصول کرنے اور دوسرے اعضاء کو حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاری رہتا ہے، ان ہی اعصاب کے ذریعے ہم چکھتے ہیں...... سنتے ہیں...... دیکھتے ہیں...... محسوس کرتے ہیں...... اور سارا عمل کرتے ہیں...... زبان میں تین ہزار ذائقے کے خانے ہیں، جن میں ہر ایک علیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سامعی خانے ہیں، ان خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سنتا ہے۔

ہر آنکھ میں ۱۳۰ ملین خانے ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں۔ تمام جلد میں بھی حیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً تین ہزار گرم خانے اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔

کہاں تک بتایا جائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنا منظم اور مربوط نظام کیا خود بخود اتفاقاً وجود میں آ گیا ہے؟

انسان کا خلیاتی اور اعصابی نظام چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں بل کہ یہ تو کسی بہت ہی باریک بین اور لطیف و خبیر صناع کی کاری گری ہے۔

۲ کائناتی نظام

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات پانچ سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کے برابر) کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم وبیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل

---

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۱۸ (منصور پوری) [2] الذّٰریٰت: ۲۱

گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر سیاروں میں سے کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سیکنڈ، کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ۔

اگر یہ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم زیر و زبر ہو جائے، اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آجائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے شب و روز دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہر روز گاڑیوں کے ٹکرانے سے سینکڑوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، اس لئے نہیں کہ ان کے ڈرائیور نہیں ہوتے، بل کہ صرف اس لئے کہ ڈرائیوروں سے لحہ بھر کی غفلت ہو جاتی ہے، اگر ایک ڈرائیور کی لحہ بھر کی غفلت کی وجہ سے گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ کائنات میں رہنے کے باوجود آج تک لاکھوں کروڑوں سیارات کے مسلسل حرکت میں رہنے کے باوجود آج تک کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا، کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا! کیا یہ سب کچھ اتفاق کا نتیجہ ہے؟

نہیں، بل کہ یہ اس لئے ہے کہ اس وسیع نظام کو ایک "حَيٌّ وَ قَيُّوْم جَلَّ جَلَالُہٗ" ذات سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۚ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾[1]

تَرْجَمَہ: "یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا، بے شک وہ حلیم و غفور ہے۔"

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کے ساتھ اس کی کمالِ مہربانی بھی ہے، کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے اور انہیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیوں کہ اگر وہ انہیں تھامے نہ رکھے، اور انہیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو ان کو تھام لے۔

۳ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مناظرہ

وَاقِعَہ نمبر ۳۷: دہریوں کی ایک جماعت نے امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس مسئلہ میں مجھ سے بحث کر لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے، انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چناں چہ مناظرہ کی تاریخ اور وقت طے ہو گیا، مگر ہوا یوں کہ آپ مجلسِ مناظرہ میں دیر سے پہنچے، انہوں نے اس پر بڑا شور و غوغا کیا۔

[1] فاطر: ۴۱

آپ نے فرمایا: پہلے میری بات سن لو شاید آپ مجھے اس تاخیر میں معذور سمجھیں۔

انہوں نے کہا: اچھا بتائیے۔

آپ نے فرمایا: ''آج تو عجیب وغریب صورت دیکھنے میں آئی، جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دور تک کشتی کا نام ونشان نہ تھا، حیران تھا کہ کس طرح دریا عبور کروں گا، اس اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے، پھر بغیر کسی کاریگر اور بغیر کیلوں کے ان تختوں نے جڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ کشتی تیار ہوگئی، پھر وہ بغیر کسی ملاح کے پانی کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتی میرے پاس آگئی، میں سوار ہوگیا تو وہ چلنے لگی یہاں تک کہ ساحل پر آ لگی۔''

دہریوں نے یہ واقعہ سنا تو اپنی بے ہنگم آوازوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا کہنے لگے: ''ایسا بھی بھلا کہیں ہوسکتا ہے کہ بغیر کاٹنے کے درخت کٹ جائے اور بغیر کاریگر کے کشتی تیار ہو جائے اور بغیر ملاح کے کشتی چلنے لگے۔''

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ''بدبختو! اگر ایک درخت بغیر کاٹنے والے کے نہیں کٹ سکتا،

تختے بغیر جوڑنے والے کے نہیں جڑ سکتے،

کشتی بغیر کاریگر کے تیار نہیں ہوسکتی،

ایک کشتی تیار ہو کر بھی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی،

تو کیا کائنات کا یہ سارا نظام، یہ شجر وحجر، یہ نہریں اور دریا، یہ شمس وقمر، یہ گل وگلزار، یہ حیوان اور انسان یہ ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشاں یہ سب کچھ خود از خود وجود میں آگیا اور اتنا بڑا کارخانۂ عالم خود بخود چل رہا ہے اسے کوئی چلانے والا نہیں......؟'' ان دہریوں کی سمجھ میں بات آگئی اور انہوں نے تائب ہو کر ایمان قبول کرلیا۔[1]

۴ ایک دیہاتی کا حیران کن جواب

وَاقِعَۂ نمبر ۳۸: امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ ایک ان پڑھ بدو سے ایک عقل کے مارے ہوئے نے جب اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل مانگی تو اس نے مظاہرِ فطرت سے استدلال کرتے ہوئے کہا:

''یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ! اِنَّ الْبَعْرَ لَیَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ وَاِنَّ اَثَرَ الْاَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَی الْمَسِیْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَالْبِحَارُ ذَاتُ اَمْوَاجٍ؟ اَلَا یَدُلُّ ذٰلِکَ عَلٰی وُجُوْدِ اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ''[2]

تَرْجَمَۂ: ''سبحان اللہ! حیرت ہے کہ اونٹ کی مینگنی تو اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدموں کے نشان تو زمین پر

[1] حیات امام ابو حنیفہ: ۱۳۶- اللہ ...... اهل الثناء والمجد: ۵۳٤

[2] تفسیر ابن کثیر: ۹۰/۱، سورة البقرة: ۲۲

دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی یہاں سے گزرا ہے، پھر یہ برجوں والا آسمان، یہ گھاٹیوں والی زمین، یہ موجیں مارتے ہوئے سمندر، ایک صانع، ایک ماہر کاریگر جو باریک بین اور خبردار ہے (جو بڑے علم والا اور قدرت والا ہے) کے وجود پر دلالت نہیں کر سکتے؟"

۵ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بصیرت

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتریست از معرفت کرد گار

تَرجَمۃ: سرسبز درختوں میں غور وفکر کیا جائے تو ان کا ایک ایک پتہ مالکِ حقیقی کی معرفت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ خود ہی غور فرمائیں:...... درختوں میں قد وقامت کی بلندی...... پھیلاؤ کی موزونیت...... شاخوں کی ترتیب...... پتوں کی سبزی......، پتوں پر خوب صورت کڑھائی...... مختلف رنگوں کی آمیزش......، پھر پتوں کی موزنیت کے ساتھ خوب صورتی سے کٹنگ......، پھر مختلف پتوں کی مختلف تاثیر......، کسی کو پانی میں پکایا جائے تو چائے بنا دے......، کسی کو پانی میں اُبالا جائے تو وہ جسم کی صفائی کے لئے استعمال ہو......، نیم کے پتے کی الگ تاثیر......، پان کی الگ تاثیر......، الگ ذائقہ......، الگ خوشبو......، پودینے کے الگ فوائد وغیرہ......، پھولوں کی رنگا رنگی......، مختلف پھولوں کی مختلف خوشبو......، کانٹوں سے ان کی حفاظت اور سائے کا سکڑنا اور پھیلنا...... کسی دستِ صناع کا غماز نہیں......؟

۶ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی باریک بینی

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی ایک سبز درخت کی عجوبہ کاریوں میں غور وفکر کیا اور خالق و مالک کو پہچان لیا، فرماتے ہیں:

میں نے توت کے درخت کو دیکھا، ایک ہی درخت ہے، جڑیں اور تنا ایک ہے، موسم اور ہوا ایک ہے، زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، شاخیں ایک ہیں اور پتے بھی ایک قسم کے ہیں، پتوں کی رنگت ایک ہے، شکل وصورت ایک ہے، ذائقہ سب کا ایک ہے، سب کا مادہ ایک ہے۔ اسے گائے بھی کھاتی ہے، بکریاں بھی کھاتی ہیں، ہرن بھی اسے چرتے ہیں، پرند اور کیڑے بھی اسے کھاتے ہیں۔

مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے۔

اور جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے۔

ہرن کھاتا ہے تو مشک پیدا ہوتا ہے۔

اور گائے بکریاں کھاتی ہیں تو مینگنیاں دیتی ہیں، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف قسم کی

خاصیتیں، مختلف ثمرات اور نتائج پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔ یہ سب اسی کی کرشمہ سازی اور عجوبہ کاریاں ہیں۔[۱]

اَللّٰہُ الوَاحِدُ

فَيَا عَجَبِیْ كَيْفَ يُعْصَى الْإِلٰهُ   أَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ

سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کی جاتی ہے؟   یا منکر اس کی ذات کا انکار کیونکر کرسکتا ہے؟

وَلِلّٰهِ فِیْ كُلِّ تَحْرِيْكَةٍ   وَتَسْكِيْنَةٍ اَبَدًا شَاهِدُ

حالاں کہ ہر متحرک کی حرکت میں اور   ہر ساکن کے سکون میں وجودِ حق کی شہادت موجود ہے

وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهُ آيَةٌ   تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ وَاحِدُ

اور ہر چیز میں اس کی ایسی نشانی موجود ہے   جو اس کی یکتائی پر دلالت کر رہی ہے

تشریح: توحید تمام انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تعلیمات کا خلاصہ اور آسمانی کتابوں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں نفی اور اثبات کے ساتھ، اسی عقیدہ کا اقرار کروایا جاتا ہے، جس کو پڑھنے والا مومن، موحد اور نہ پڑھنے والا کافر، مشرک کہلاتا ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جس کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے مختلف دلائل اور مختلف شواہد سے جگہ جگہ ثابت کیا ہے، اور بے یقینی کو شرک سے تعبیر کیا ہے، قرآن کریم نے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اِلٰہ نہ ہونے پر، ہر کس و ناکس کو سمجھ میں آنے والی، جامع دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[۲] آج تک عالم کے نظام میں فرق نہ آنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا نظام ایک "اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" چلا رہا ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مذکورہ اشعار میں توحید کے عظیم الشان و اہم عقیدہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں: آسمان و زمین کی ایک ایک چیز، سوچنے والے کے سامنے؛ اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتی ہے۔

اردو کا ایک شاعر کہتا ہے: ؎

ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو   انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو

ماننے والے کے لئے دلیلیں ہزار ہیں اور نہ ماننے والا پھر بھی دور کی گمراہی میں مبتلا رہتا ہے۔[۳]

۷ امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی دلیل

امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

میں نے ایک روز بڑے غور و فکر سے دیکھا، میرے سامنے ایک محل ہے، مضبوط قلعہ ہے، جو چاروں طرف سے بند

[۱] الله ...... اهل الثناء والمجد: ٥٣٤   [۲] الانبياء: ٢٢   [۳] شرح ديوان الامام الشافعي: ١٣٧

ہے، جس کی دیواریں بڑی مضبوط ہیں، اس میں کوئی روشن دان نہیں، کوئی کھڑکی نہیں، کوئی دروازہ نہیں، رسد اور خوراک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں، محل کو باہر سے سفیدی کر دی گئی ہے، چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے رنگ کر دیا گیا ہے، سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف سے بند ہے۔ اچانک اس کی دیوار گر پڑتی ہے اور اس بند محل سے ایک جان دار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چالتا ہوا، خوب صورت شکل والا، پیاری بولی بولنے والا، چلتا پھرتا چوزہ نکل آتا ہے اور اسی لمحے وہ اپنے دشمن کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے مہربان کو بھی پہچانتا ہے وہ دانہ چگنا بھی جان لیتا ہے اور پانی چوسنا بھی جان لیتا ہے۔

بتاؤ! اس محفوظ مکان میں اور بند محل میں اسے پیدا کرنے والا، اس کی ہڈیاں، اس کا جسم، اس کا گوشت، اس کی چونچ، اس کی ٹانگیں، اس کو بلی سے بچنے اور ماں کے دامن میں پناہ لینے کا شعور دینے والا کوئی ہے کہ نہیں؟

یقیناً ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کی قدرت غیر محدود ہے۔ جس کا ایک نام "اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہے۔[1]

❽ وجود باری تعالیٰ برحق ہے، اس کا عجیب ایمانی واقعہ

وَاقِعَۃ نمبر ۳۹: "اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے وجود سے کسی شخص کو انکار نہیں، لیکن ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسی ذہنیت کے مالک رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا۔

اور عقیدۂ آخرت کا انکار کر بیٹھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن شہید رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے دوست کے ساتھ پیش آیا۔ جس کو انہوں نے روزنامہ اسلام کے کالم میں اس طرح تحریر کیا ہے:

"شمیم واسطی مرحوم میرے بہت اچھے دوست تھے۔ ان کی زندگی میں عجیب انقلاب رونما ہوا تھا، ایک ایسا شخص جو مسجد و مدرسہ اور مولوی و ملا کے نام سے الرجک تھا، بل کہ نفرت کی حد تک بغض رکھتا تھا اچانک تبدیل ہوا۔ گھنی لمبی ڈاڑھی اور زلفوں کے ساتھ سر پر ٹوپی اور مسجد و مدرسہ کا شیدائی بل کہ "مسجد کا کھونٹا" بن گیا تھا۔ اس خوش گوار تبدیلی سے اپنے اور پرائے، سب حیران ہو کر رہ گئے۔

واسطی صاحب سے میری شناسائی اس تبدیلی کے بعد ہی ہوئی تھی۔ میں ان دنوں ٹنڈو آدم میں رہائش پذیر تھا اور وہ حیدر آباد کے تبلیغی مرکز میں مقیم تھے۔ ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے وہ مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے اور بذریعہ کار ہمیں حیدر آباد پہنچنا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے سفر کی رفاقت کے دوران قرآنی تاثیر کا یہ واقعہ خود ان کی زبانی مجھے سننے کا موقع میسر آ گیا۔ میں نے واسطی صاحب سے کہا: آپ کی زندگی میں "اسلامی انقلاب" کس طرح رونما ہوا؟ وہ کہنے لگے: "میں کمیونسٹ خیالات کا حامل تھا، مذہبی خیالات سے بیزار اور اللہ و رسول اور قیامت کے عقیدہ سے نفرت تھی۔ ہمارا

---

[1] اللہ ...... اهل الثناء والمجد: ۵۳۵

ایمان بیسہ تھا، کیوں کہ کمیونسٹوں کا کلمہ "لَآ اِلٰهَ وَالْحَيَاةُ مَادَّةٌ" ہے۔ یعنی کائنات میں اللہ کا کوئی وجود نہیں اور زندگی کا انحصار مادی وسائل پر ہے۔'' پاکستان میں کمیونسٹ مفادات کی نگرانی میرے سپرد تھی اور سوویت یونین کی طرف سے ''سرخوں'' کے نام لفافوں کی ترسیل میرے ہی توسط سے سرانجام پاتی تھی اور کمیونزم کی نشر و اشاعت کے لئے ہم نے پاکستان کسان پارٹی تشکیل دی ہوئی تھی جس کا بانی و چیئرمین میں تھا۔

جب صدر ضیاء الحق مرحوم نے مارشل لاء نافذ کیا تو سرخوں اور کامریڈوں کی شامت آگئی، چھاپے اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں، مجھے[1] بھی گرفتار کرلیا گیا۔ میں بہت خوف زدہ تھا اور ایجنسیوں کے طرزِ عمل اور دھمکیوں سے اس خوف میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے ذہنی اذیت پہنچائی جاتی اور ''سرخ استعمار'' کے مستقبل کے عزائم کے بارے میں پوچھا جاتا، مختلف حربے استعمال کرنے کے باوجود وہ لوگ مجھ سے ''کچھ'' اگلوانے میں ناکام رہے۔ مجھے ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ نہ جانے اب کیا ہوگا، مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اور روزمرہ کے تشدد نے مجھے اندر سے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا اور میں بڑی حد تک اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ لوگ بھی تشدد سے تنگ آچکے تھے۔

ایک دن کیا ہوا کہ فوج کی تحقیقاتی ٹیم اپنے سوالات کے تیر و نشتر سے مجھے چھلنی کر رہی تھی اور میں بھی اپنے لبوں پر مہر سکوت لگائے نہایت ناگواری مگر پوری کامیابی کے ساتھ ان کے سوالات کو ٹال رہا تھا کہ تحقیقاتی ٹیم کا ایک افسر تیزی سے اٹھا اور اس نے مجھے اٹھا کر قریب بچھی ہوئی لوہے کی چارپائی پر پوری قوت سے پٹخ دیا اور دھاڑتے ہوئے کہنے لگا: ''تمہارے عدم تعاون کا یہی طرز رہا تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' وہ فوراً ہی کمرے کے اندر گیا اور کپڑے کی ایک چادر لاکر میری ٹانگوں پر لپیٹ کر اسے زور زور سے کسنے اور بل دینے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے خدا یاد آنے لگا، میں نے دل ہی دل میں کہا: ''اے خدا! اگر تو واقعی موجود ہے تو اپنی قدرت دکھا کر مجھے بچالے'' میرے دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ ٹانگوں سے لپٹی ہوئی چادر کے چیتھڑے اڑ گئے اور میرے پاؤں آزاد ہوگئے۔

یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئے، اپنی پرنم آنکھیں دستی رومال سے پونچھیں اور پھر رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئے ''مفتی صاحب! میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا، اللہ تعالیٰ کا باغی تھا، اس لئے یہ سمجھا کہ کپڑا بوسیدہ ہوگا فوجی جوان کا زور برداشت نہ کرسکا اور پھٹ گیا۔ شاید وہ فوجی بھی یہی سمجھا۔ وہ پھر اندر گیا اور سوت کا بٹا ہوا ایک موٹا رسا لاکر پھر میری ٹانگوں میں بل دینے لگا مگر وہ مضبوط رسہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

اب تک ایک کمیونسٹ اور مسلمان دونوں یہی سمجھ رہے تھے کہ بوسیدگی کی وجہ سے کپڑا اور رسہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ پھر وہ اندر گیا اور شاید فوجی گاڑیوں کو کھینچنے کے لئے استعمال ہونے والی لوہے کی موٹی زنجیر لاکر میری ٹانگوں کو پوری قوت

[1] مراد شمیم واسطی مرحوم ہیں۔

سے باندھنے لگا۔ جب وہ زنجیر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر آرہی تو وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں ہانپتا ہوا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ٹیم کے باقی ممبران بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیرت واستعجاب میں مبتلا تھا اور میری زبان پر بے اختیار کلمہ شہادت جاری ہو چکا تھا۔

یہاں پہنچ کر واسطی صاحب پھر ایک لمحہ کو رکے، ہم دونوں آب دیدہ نگاہوں سے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو تکتے رہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں، مگر الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کپکپاتے ہونٹوں سے وہ پھر گویا ہوئے، کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھ کر میرا نظریہ شکست کھا چکا تھا، میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اللہ موجود ہے اور پوری کائنات پر اس کی گرفت مضبوط ہے، اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا، تب ہی تو کپڑا، رسہ اور پھر مضبوط زنجیر کی کڑیاں اس کے حکم سے ٹوٹ کر بکھر چکی تھیں، مجھ جیسے باغی اور مجرم کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات وخیالات کو وہ جانتا ہے اور ایسا بردبار اور تحمل والا ہے اور گناہ گاروں سے بھی محبت کرنے والا ہے کہ میری خفیہ درخواست پر بھی اس نے فوراً مدد فرمائی اور مجھے ان کے مظالم سے نجات عطا فرما کر ایمان کی دولت سے نوازا۔ میرے دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی اور میں چارپائی پر پڑے پڑے اندر ہی اندر اپنے رب سے صلح کر چکا تھا، تحقیقاتی ٹیم کے تمام ممبر پریشان دکھائی دے رہے تھے، تھوڑی دیر تک وہ سر جوڑ کر کچھ مشورہ کرتے رہے اور پھر مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر خاموشی سے سر جھکائے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، میرے جسم کا ہر رونگٹا امتنان وتشکر کے جذبات سے لبریز تھا اور ندامت کے آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور میری زبان پر بے اختیار یہ جملہ جاری ہو چکا تھا۔

''اللہ تو ہے، اللہ تو ہے۔''

کبھی میں اس جملے کی رٹ لگاتا اور کبھی کلمہ طیبہ اور شہادت کا ورد شروع کر دیتا۔

اس موقعہ پر مجھے مسجد کے اندر میاں جی سے بچپن میں کلمہ ونماز یاد کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا اور جن لوگوں کو ہم بے چارے ''موذن یا امام'' سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسلام کے ان خاموش سپاہیوں کی بے لوث خدمت پر بے اختیار سلام پیش کرنے کو جی چاہنے لگا۔ میں کھڑکی کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور ڈیوٹی پر موجود فوجی کی نظر التفات کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے متوجہ ہونے پر میں نے درخواست کی کہ مجھے جائے نماز، لوٹا اور ترجمہ والا قرآن چاہئے وہ میرے مطالبے پر حیران تو ہوا، مگر اس نے جلد ہی میری مطلوبہ چیزیں مہیا کر دیں اور میں وضو کر کے اپنے رب کے حضور سربسجود ہو گیا۔''

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ ایمانی جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشانی جھکائی تھی، میں اس کا مزہ اور لطف بیان کرنے سے قاصر ہوں، نہ جانے کب تک سجدوں پر سجدے کرتا رہا اور ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے تلاوتِ کلام پاک شروع کر دی، اب میرا یہ معمول بن چکا تھا،

دن بھر تلاوت اور نماز میں مشغول رہتا تھا، اب فوجی بھی میرا احترام کرنے لگے تھے اور تحقیقاتی مراحل بھی انتہائی مختصر اور رسمی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔

مگر چند ہی روز میں تحقیقاتی ٹیم کے ارکان تبدیل کر دیئے گئے اور تشدد و اذیت کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ کسی سے گفتگو ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ میرے دل میں سوالات کا ایک طوفان برپا رہتا تھا، مگر کوئی جواب دینے والا نہیں تھا، میں بچپن میں سنا کرتا تھا کہ تلاوت قرآن کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی سے باتیں کرتا ہے، لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ ہی سے اپنے سوالات کے جوابات لینے کا فیصلہ کرلیا۔ واقعی قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے میرا رابطہ استوار ہوگیا، میرے دل میں جو بھی سوال پیدا ہوتا تلاوت کے دوران کوئی نہ کوئی ایسی آیت سامنے آجاتی جو میرے لئے تسلی اور اطمینان کا باعث بن جاتی۔"

میں نے کہا: "واسطی صاحب ایک دو سوالات بتائیں، جن کا جواب آپ کو قرآن کریم سے ملا ہو۔"

کہنے لگے: "ایک دن مجھے یہ بات شدت سے پریشان کر رہی تھی کہ میری پارٹی میرے لئے کیا کر رہی ہے، میری رہائی کے لئے ان کی کوئی کوشش میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ میں جب تلاوت کلام پاک کے لئے بیٹھا تو قرآن کریم کی اس آیت نے میری پریشانی حل کردی ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾[1] (ہر پارٹی کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے) میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے آپ میں مگن ہیں اور انہیں میری کوئی فکر نہیں ہے۔ پھر مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ معلوم نہیں میرے رشتہ دار کیا کر رہے ہیں۔

شاید ان ہی کی کوششوں سے مجھے رہائی مل جائے۔ دوران تلاوت ایک آیت سامنے آئی: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝﴾[2] جس کا مفہوم یہ تھا: "جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، اولاد اور بیوی سے بھاگے گا، ہر ایک کے اپنے مسائل اسے دوسرے سے لاتعلق کر دیں گے۔" میں سمجھ گیا کہ جب قیامت جیسے ہول ناک دن میں کوئی کام نہیں آئے گا تو دنیا میں ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ عزیز واقارب اور رشتہ دار بھی کام نہیں آئیں گے۔ اس طرح بچپن کی سنی ہوئی بات عملی طور پر میرے سامنے آگئی اور قرآنِ کریم پر اعتقاد روز بروز بڑھنے لگا۔ پھر تو معمول بن گیا جیسے ہی کوئی پریشانی یا گھبراہٹ ستاتی میں تلاوت شروع کر دیتا۔ قرآنِ کریم مجھے تسلی بھی دیتا اور رہنمائی بھی کرتا۔

میں نے پوچھا: اس زمانہ میں کون سا ترجمہ وتفسیر آپ کے مطالعہ میں تھا، کہنے لگے: "یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک قیدی کی ہدایت کا ذریعہ وہ ترجمہ بنا جو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ایک پابندِ سلاسل قیدی کے قلم سے لکھا گیا تھا، یعنی تفسیر عثمانی جس کا ترجمہ اور سورۃ النساء تک تفسیر اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن نے برصغیر کی آزادی کی

[1] المؤمنون: ۵۳ [2] عبس: ۳۴ تا ۳۶

تحریک چلانے کی پاداش میں کالے پانی کی سزا کے دوران تحریر کیا تھا، اور بعد میں حضرت کے نامور شاگرد اور قیام پاکستان کے صفِ اوّل کے قائد مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل فرمایا تھا۔

تفسیر عثمانی میری محسن اور جیل کی تنہائیوں میں میری ساتھی رہی ہے، اس لئے میں اس کا مطالعہ بڑی پابندی سے کرتا ہوں اور اسے حرزِ جاں بنا کر رکھتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر لیا تھا کہ رہائی کی صورت میں پوری زندگی خدمتِ قرآن میں گزار دوں گا، چناں چہ چند ماہ کے اندر اندر ہی فوجی حکام نے مجھے بری کر دیا اور رہائی ملتے ہی میں نے اپنے محلے کی مسجد میں بچوں کو تعلیم قرآن دینی شروع کر دی اور اسی اثناء میں تبلیغ والوں سے رابطہ ہو گیا اور اس طرح دعوت وتبلیغ کی عالمی محنت سے منسلک ہو کر دین اسلام اور قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصد بنا کر زندگی گزار رہا ہوں۔

بعد میں ایک موقع پر میرا حیدرآباد کے سول اسپتال میں کسی مریض کی عیادت کے لئے جانا ہوا تو وارڈ کے اندر ایک بستر پر واسطی صاحب کو لیٹے ہوئے پایا، مرض نے انہیں بہت کمزور اور نحیف کر دیا تھا، ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آ رہے تھے، میں نے قریب جا کر خیریت دریافت کی کہنے لگے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! میرے اللہ نے جس حال میں رکھا ہے اسی میں خوش ہوں۔'' توبہ نے ان کے گناہ یقیناً معاف کرا دیئے ہوں گے اور یہ بیماری ان کے لئے رفعِ درجات کا باعث ہوگی، کچھ عرصہ بعد اخبار کے ذریعے ان کے انتقال کی خبر پڑھی، وہ بندۂ خدا اپنے رب سے جاملا۔'' (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) [1]

فوائد ونصائح

بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے:

1. باری تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔
2. معمولی نیکی مثلاً راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو بھی نہ چھوڑے کہ آخرت میں انشاء اللّٰہ ''اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ہاں اس کا اجر پائے گا۔
3. روزِ جزا ہر عمل کو نیک ہو یا بد، چھوٹا ہو یا بڑا ''اَلْوَاجِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کے ہاں پائے گا کیوں کہ وہ ہر چیز کو پانے والا ہے، اس لئے اپنے کسی بھی عمل کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہ کرے ورنہ آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔

[1] بشکریہ روزنامہ اسلام

الماجد جل جلالہ

(بزرگی اور بڑائی والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

"اَلْمَاجِدُ فِي اللُّغَةِ: كَثِيْرُ الشَّرَفِ" [1]

ترجمہ: "لغت میں ماجد انتہائی بزرگی وعظمت کو کہتے ہیں۔"

"الماجد جل جلالہ" اور "المجید جل جلالہ" دونوں "مَجد" سے ہیں۔ مجید میں مبالغہ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

"سُبْحٰنَ الَّذِيْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ إِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ." [2]

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات ...... عزت جس کی چادر ہے اور عزت اس کا فرمان ہے، پاک ہے وہ ذات ...... بزرگی جس کا لباس ہے۔ پاکی ہے، پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی صرف اسی کے لئے ہے، فضل اور نعمتیں عطا کرنے والی ذات وہی ہے۔ پاکی ہے، شرف اور کرم والی ذات ہے، پاک ہے وہ ذات جو بڑے جلال واکرام والی ہے۔"

مجید کا لفظ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ جن میں سے دو مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

1. ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝﴾ [3]
2. ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ [4]

﴿حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ أيْ: مَحْمُوْدٌ مَاجِدٌ. [5]

ابوعبیدہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ یعنی وہ ذات جس کی تعریف کی گئی اور بزرگی والا ہے۔

[1] النهج الاسمٰى: ۴۳۱/۱　[2] ترمذي، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا قام من الليل الى الصلوٰة: ۱۷۹/۲

[3] البروج: ۱۴، ۱۵　[4] هود: ۷۳　[5] النهج الأسمٰى: ۴۳۲/۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی آیات مبارکہ میں اپنی بزرگی، بڑائی اور شان بیان کی ہے، بل کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بڑائی، بزرگی اور تعظیم سے بھرا ہوا ہے اور اسی طرح احادیث مبارکہ بھی، قرآن مجید کی اکثر آیات اور سورتیں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و تعظیم پر مشتمل ہیں۔ جیسے کہ ایۃ الکرسی، سورۃ البقرۃ میں اور سورۃ الفاتحۃ اور سورۃ الاخلاص۔

اور سب سے بڑی چیز جس کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کی تعظیم اور بزرگی بیان کرتا ہے وہ ہے قرآن مجید کی تلاوت دن میں اور رات میں (جب موقع ملے حافظ قرآن کو روزانہ تین پارے اور غیر حافظ کو ایک پارہ کم از کم تلاوت کرنا چاہئے) اللہ تعالیٰ کی بزرگی و ثناء کما حقہ کوئی بھی بھرپور طریقے سے نہیں کرسکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف قرآن مجید میں کی ہے۔" [1]

فوائد و نصائح

بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے:

1. ہر وقت "اَلْمَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بزرگی اور بڑائی بیان کرے۔
2. باقی ہر شئے کی بڑائی کو دل سے نکال دے اور جب کوئی چیز بڑائی والی لگے تو بھی یہ سوچے کہ اس کو یہ مرتبہ بھی تو "اَلْمَجِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہی دیا ہے۔
3. اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھے، قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرے نمازیں نہ چھوڑے، شرک و بدعت سے دور رہے۔

---

[1] "مَجَّدَ اللّٰهُ تَعَالٰی نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ فِيْ اٰيَاتٍ كَثِيْرَةٍ بَلِ الْقُرْاٰنُ مَلِيْءٌ بِتَمْجِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَعْظِيْمِهٖ وَكَذَا حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْظَمُ اٰيَاتِ الْقُرْاٰنِ وَسُوَرِهٖ هِيَ الَّتِيْ اِحْتَوَتْ عَلٰى ذَالِكَ كَاٰيَةِ الْكُرْسِيِّ فِي الْبَقَرَةِ وَسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْإِخْلَاصِ.

وَمِنْ أَعْظَمِ مَا يُعَظِّمُ بِهِ الْعَبْدُ رَبَّهٗ وَيُمَجِّدُهٗ هُوَ تِلَاوَةُ كِتَابِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ فَإِنَّهٗ لَا أَحَدَ يُحْصِي الثَّنَاءَ عَلَيْهِ وَالتَّمْجِيْدَ لَهٗ هُوَ كَمَا أَثْنٰى عَلٰى نَفْسِهٖ." (النهج الأسمیٰ: ۱/۴۳۴)

الواحد جل جلالہ

(اکیلا، تن تنہا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "(اَلْوَاحِدُ) هُوَ الْفَرْدُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَحْدَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ آخَرُ"[1]

"امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الواحد جل جلالہ" وہ ذات ہے جو ایک ہے اور ہمیشہ سے تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔"

❷ "امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الواحد الاحد جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے تمام کمالات میں یکتا ہے، ان کمالات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، بندوں پر واجب ہے کہ اسے تمام کمالات میں منفرد مانیں، نیز عقیدۃً قولاً اور عملاً اسے ایک ہی سمجھیں، اور اس کی ذات کے حق میں کمالِ مطلق کا اعتراف کریں کہ وہ ذات ہر کمال کی جامع ہے، وحدانیت میں اسے منفرد تسلیم کریں اور ہر قسم کی عبادت اسی کے لئے خالص کریں۔"[2]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں کئی مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾[3]

❷ ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾[4]

❸ ﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[5]

اسی توحید کی دعوت کی خاطر انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو بھیجا گیا، ان پر کتابیں نازل کی گئیں اور اسی توحید کے فرق کی

---

[1] النهج الأسنى: ۸۷/۲

[2] "اَلْوَاحِدُ الْأَحَدُ" وَهُوَ الَّذِي تَوَحَّدَ بِجَمِيعِ الْكَمَالَاتِ، بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا مُشَارِكٌ، وَيَجِبُ عَلَى الْعَبِيدِ تَوْحِيدُهُ عَقْدًا وَقَوْلًا وَعَمَلًا، بِأَنْ يَعْتَرِفُوا بِكَمَالِهِ الْمُطْلَقِ، وَتَفَرُّدِهِ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَيُفْرِدُوهُ بِأَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ." (تيسير الكريم الرحمن: ۲۹۸/۵، بحواله النهج الأسنى: ۸۹/۲)

[3] البقرة: ۱۶۳ [4] النساء: ۱۷۱ [5] يوسف: ۳۹

بنیاد پر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے، مؤمنین اور نیک بخت، کفار اور بد بخت، کلمہ طیبہ کا بھی یہی مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کی جانب تمام انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اپنی قوموں کو دعوت دی۔

(آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیاتِ طیبہ کا مقصد بھی توحید باری تعالیٰ کی جانب دعوت کو عام کرنا تھا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بھی اسی کی تعلیم وتلقین فرمائی)۔

چناں چہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے قاصد حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اہلِ یمن کی جانب روانہ فرمایا اور ان کو سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی حدیث ہے کہ جب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یمن والوں کی جانب بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ”تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہلِ کتاب میں سے ہیں، لہٰذا سب سے پہلی دعوت یہ ہونی چاہئے کہ تم انہیں اللہ ربّ العزت کی توحید کی جانب بلاؤ، پس جب وہ توحید باری تعالیٰ کو جان جائیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔“ [1]

(اس حدیث سے توحید باری تعالیٰ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ یہ تمام نیک اعمال کے لئے اساس و بنیاد ہے، بلا توحید کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں اور شرک "اَکْبَرُ الْکَبَائِر" میں سے ہے)۔

”اللہ تعالیٰ ہی ”اَلْوَاحِدُ“ اور ”اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہیں اس کو چھوڑ کر اپنی عبادت کا رخ کسی غیر کی جانب موڑ دینا قطعاً ناجائز ہے۔ وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ جس کسی کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ باطل اور دھوکہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آقا اور مولیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کی جانب توجہ کریں، خواہ نماز ہو یا دعا ہو، قربانی ہو یا نذر ہو، توکل ہو یا امید وخوف ہو، خشوع ہو یا خضوع، تمام چیزوں کو اپنے رب تعالیٰ ہی کے لئے خالص کریں، اور اسی کی جانب متوجہ رہیں، بل کہ ایسے رہیں جیسا کہ ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] وَهٰذَا التَّوْحِيْدُ هُوَ الَّذِيْ مِنْ أَجْلِهٖ أُرْسِلَتِ الرُّسُلُ وَأُنْزِلَتِ الْكُتُبُ، وَبِهٖ افْتَرَقَ النَّاسُ إِلٰى مُؤْمِنِيْنَ وَكُفَّارٍ، وَسُعَدَاءَ وَأَشْقِيَاءَ، وَهُوَ مَعْنٰى قَوْلِ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، الَّذِيْ دَعَتِ الرُّسُلُ أَقْوَامَهَا إِلَيْهِ.

وَقَدْ أَمَرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلَهٗ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ أَنْ يَّبْدَأَ أَوَّلًا بِدَعْوَتِهِمْ إِلٰى تَوْحِيْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى، كَمَا فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: "لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذًا إِلٰى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهٗ: إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، فَإِذَا عَرَفُوْا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. (البخاري، التوحيد، ماجاء في دعاء النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... رقم: ٧٣٧٢، النهج الأسمٰى: ٢/٩١)

''آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے، جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔'' [1]

حدیث قدسی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالاں کہ اسے اس کا کوئی حق نہیں تھا، اس نے مجھے گالی بھی دی حالاں کہ اسے اس کا بھی کوئی حق نہیں تھا، اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے ''مجھے دوبارہ کوئی نہیں پیدا کرے گا جیسا کہ پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا گیا۔'' حالاں کہ میرے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ (پہلی، دوسری، بل کہ ہر مرتبہ پیدا کرنا اسی طرح آسان ہے جیسا کہ پہلی مرتبہ) اس کے علاوہ ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: ''اللہ کا بیٹا ہے۔'' حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ ہی میری برابری کرنے والا کوئی ہے۔'' [2]

اس اسم مبارک سے ایمانی اثرات یہ حاصل ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں ''الواحد'' اور ''الاحد جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات، صفات اور اس کے کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''نہیں اس جیسا کوئی اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔'' ایسے ہی سورۂ مریم کی آیت نمبر ۶۵ میں ہے: ''کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے......؟'' ایسے ہی سورۃ اخلاص کی آیت نمبر ۴ میں ارشاد فرمایا: ''نہیں اس کے جوڑ کا کوئی......۔''

ہمارے رب بزرگ و برتر کو اس کی مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دینا ہرگز جائز نہیں، اس لئے کہ اس نے خود اپنی تعریف بتائی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں۔ جو کچھ بھی کسی انسان کے ذہن میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ برتر ہیں۔ تو وہ ایسا ''الواحد جل جلالہٗ'' ہے جس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں (نہ ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں) اور نہ ہی اس کا کوئی مشابہ یا مثل ہے۔ [3]

---

[1] اَللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ لَا يَجُوْزُ أَنْ تُصْرَفَ الْعِبَادَةُ لِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْمَعْبُوْدُ بِحَقٍّ وَغَيْرُهٗ يُعْبَدُ بِالْبَاطِلِ، فَلَا يَجُوْزُ لِعَبِيْدِهٖ أَنْ يَتَوَجَّهُوْا لِغَيْرِ سَيِّدِهِمْ بِعِبَادَةٍ مِّنَ الْعِبَادَاتِ، صَلَاةً كَانَتْ أَوْ دُعَاءً أَوْ ذَبْحًا أَوْ نَذْرًا أَوْ تَوَكُّلًا أَوْ رَجَاءً أَوْ خَوْفًا أَوْ خُشُوْعًا أَوْ خُضُوْعًا، بَلْ يَكُوْنُوْا كَمَا أُمِرَ نَبِيُّنَا أَنْ يَقُوْلَ: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳، النهج الأسمٰى: ۹۲/۲)

[2] بخاری، تفسیر قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، رقم: ۴۹۸۴

[3] مِنْ آثَارِ الْإِيْمَانِ بِهٰذَا الْإِسْمِ: اَللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ هُوَ الْإِلٰهُ "الْوَاحِدُ الْأَحَدُ" اَلَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ وَلَا أَفْعَالِهٖ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ:

ہر نبی نے اپنی قوم کو اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توحید کا پیغام دیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ [1]

ترجمہ: ''اور کہا ہے اللہ تعالیٰ نے مت پکڑو معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو۔''

یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے بے اختیار سر بسجود اور عاجز و مقہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا، جو سارے جہاں کا مالک و مطاع ہے، تنہا اُسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔[2]

جب کائنات کا خالق ایک ہے، اور وہی بلا شرکت غیر کے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے، دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ، معبود تو صرف وہی اکیلا ہے۔ پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو۔

جتنی صفات اس سے پہلے گزریں، ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ''عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' اور ''عَلِيْمٌ الْكُلِّ'' ہے سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے، قادرِ مطلق ہے، سب کا خالق اور رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، اور وہی اس ساری کائنات کا مالک و حاکم اور قیوم ہے، اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اس کے حکم یہاں کچھ کر سکے۔ ہر قسم کی عظمت و کبریائی اسی کے لئے ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کو کسی کی پروا نہیں، اور وہ صاحبِ عدالت بھی ہے یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے، اور ان صفاتِ کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہر اُس بات اور ہر اُس چیز سے بری بھی ہے جس میں نقص و عیب کا کوئی پہلو اور کوئی شائبہ ہو اور جو اس کی شانِ قدوسیت کے خلاف ہو۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشورى: ١١)
﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مريم: ٦٥)
﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ٤)

فَلَا يَجُوْزُ أَنْ يُشَبَّهَ رَبُّنَا تَعَالَى جَدُّهُ بِشَيْءٍ مِّنْ مَخْلُوْقَاتِهٖ لِأَنَّهُ تَعَالَى أَخْبَرَنَا عَنْ نَفْسِهٖ. وَهُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهٖ. أَنَّهُ لَيْسَ مُشَابِهًا لِشَيْءٍ مِّنْهَا، فَكُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَاللّٰهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ، فَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِيْ لَيْسَ لَهُ نِدٌّ وَلَا نَظِيْرٌ، وَلَا شِبْهٌ وَلَا مِثْلٌ. (النهج الأسمٰى: ٢/٨٩)

[1] النحل: ٥١ [2] تفسير عثماني: ١/٣٦٠

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[1]

ترجمہ: ''اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں (زمین وآسمان) خراب ہوجاتے۔''

یعنی عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہوجاتا، طلوع وغروب، دن اور رات، گرمی اور سردی، بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا، وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام درہم برہم ہوجاتا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔

چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں، دن رات آجارہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسب دستور جاری ہے۔ غرض یہ سارا کارخانۂ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں، پس اگر اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان وزمین کی تخلیق اور تدبیر میں اگر کوئی اور شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا، کیوں کہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظامِ مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا تمام نظام درہم برہم ہوجاتا، لیکن آسمان و زمین کا قیام اور ان کا نظام اچھے اور عمدہ طریقے سے سب کے سامنے ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو اللہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے، پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم ونسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہوجائیں۔

اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان وزمین تباہ وبرباد ہوجائیں گے، اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہوجاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا، عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکر اور رسہ کشی ہوتی، تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو

[1] الانبیاء: ۲۲

اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا، آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب، لیل و نہار کی آمد و رفت، آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا، ابتداء آفرینش سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے اب تک اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانۂ عالم ایک ہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہیں، آپ سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت و عظمت کے ساتھ اُس کے ہر فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کے حکموں پر چلا جائے...... اسی سے آس لگائی جائے...... اپنی ضرورتوں کے لئے اسی سے دُعا کی جائے...... مصائب و مشکلات میں اسی سے مدد مانگی جائے...... اسی سے اُمید باندھی جائے...... اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اسی کی رضا جوئی میں جیا جائے اور مرا جائے...... اسی کی حمد و ثنا اور اسی کی تسبیح و تقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے، اور اُسی کی طرف انسانوں کو دعوت دی جائے۔

قرآنِ کریم میں توحید کی تعلیم

قرآنِ مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو، کیوں کہ امتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، بل کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں، اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی، بل کہ قرآنِ مجید کا تو بیان ہے کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[1]

---

[1] النحل: ٣٦

تَرْجَمَہ: ”اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغمبر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔“

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔“

تَشْرِیح: جس بات پر بہت سے انسان متفق ہوں، خصوصاً جب کہ وہ مختلف ملکوں کے باشندے اور مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہوں، اور درمیان میں سینکڑوں، ہزاروں برس کا فاصلہ ہو، اور ایک کی بات دوسرے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بھی نہ ہو، اس کے باوجود جو اُٹھتا ہو وہی ایک بات کہتا ہو جو پہلے لوگوں نے کہی تھی، اور سب کے سب ایک ہی بات اور ایک ہی عقیدہ کے پابند ہوں، تو فطرت اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید کا مضمون انسانوں میں سب سے پہلے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام لے کر آئے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں تو مسلسل اس بات کا چلنا کچھ بعید نہ تھا، لیکن زمانہ دراز گزر جانے اور اولادِ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے وہ تمام طریقے بدل جانے کے بعد پھر حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام آتے ہیں، اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں جس کی طرف آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے لوگوں کو بُلایا تھا، اُن کے زمانہ دراز گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ملکِ عراق وشام میں پیدا ہوتے ہیں اور ٹھیک وہی دعوت لے کر اُٹھتے ہیں، پھر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت ہارون عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کے سلسلہ کے انبیاء آتے ہیں، اور سب کے سب وہی ایک کلمہ توحید بولتے ہیں، اور وہی دعوت دیتے ہیں، ان پر زمانہ دراز گزر جانے کے بعد حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام وہی دعوت لے کر اُٹھتے ہیں، اور آخر میں سید الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وہی دعوت لے کر تشریف لاتے ہیں۔[2]

انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے صحیفوں میں اَلْوَاحِدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توحید کی تعلیم

موجودہ تورات میں ہے:

”تا کہ تو جان لے کہ خداوند ہی خدا ہے، اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔“[3]

اور ”سن اے اسرائیل (عَلَیْہِ السَّلَام)! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔“[4]

اور حضرت اشعیا عَلَیْہِ السَّلَام کے صحیفہ میں ہے:

[1] الانبیاء: ۲۵ [2] معارف القرآن: ۲/۱٦ [3] استثنا: ۴، ۳۵ [4] استثنا: ٦، ۴

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'' [1]

اور حضرت مسیح عَلَیْہِ السَّلَامُ کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے:

''اے اسرائیل، سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔'' [2]

منقول ہے کہ آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو، جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں۔'' [3]

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں آنے والے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوگئیں اور اب بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ [4]

تَرْجَمَہ: ''اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔''

حضرت مولانا علی میاں رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی دستورِ حیات میں لکھتے ہیں:

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآنِ پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہوچکی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ کے کفار اپنے معبودانِ باطل کو ''اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ'' کا بالکل ہم سر و مساوی اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بل کہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے قدرت و طاقت میں کسی طرح کم نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی پلڑے میں ہیں، ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے ......، ان کی دُہائی دیتے ......، ان پر نذریں چڑھاتے ......، اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی ......، مشکل کشا اور کارساز ...... سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ کرتے تھے، تو گو کہ وہ اس بات کا اقراری ہوا کہ وہ ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس میں اور زمانۂ جاہلیت کے بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔ [5]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

---

[1] یسعیاہ: ۴۵: ۵ و ۶ [2] مرقس ۱۲: ۲۹ ومتّٰی ۲۲: ۳۶ [3] یوحنا: ۱۷: ۳

[4] یوسف: ۱۰۶ [5] دستور حیات: ۷۶

شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم مرتبہ وہم سر قرار دیا جائے، بل کہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور جس کو ''عبودیت'' بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا...... کسی کے نام پر قربانی کرنا...... یا نذریں ماننا...... مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا...... اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے...... اور اس کو کائنات میں متصرِف سمجھنا...... یہ ساری وہ چیزیں ہیں، جن سے شرک لازم آتا ہے، اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان......، فرشتہ...... یا جن...... جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو رہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے، نذریں مان رہا ہے اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے، اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔

اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام اولیاء، جن و شیاطین، بھوت پریت سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا، وہ مشرک قرار دیا جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ کو جنہوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پروہتوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ وغلو کا طریقہ اختیار کیا، (جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں)، انہیں صفات سے یاد کیا ہے جن صفات سے بت پرستوں اور مشرکوں کو یاد کیا ہے، اور ان غالی اور راہِ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی مشرکوں پر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ (درویشوں) اور مریم کے بیٹے مسیح کو رب بنایا ہے حالاں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔''[2]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنا لیا؟

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی، لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا، یہی ان کی عبادت کرنا

[1] التوبۃ: ۳۱ [2] دستور حیات: ۷۸

ہے۔"[1]

حرام وحلال کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بہر حال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لئے قرآنِ مجید میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری ہدایت کی کتاب ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے۔ توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے، بل کہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جن سے پچھلی اُمتوں میں شرک آیا، یا اُس کے آنے کا امکان ہوسکتا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کر دیا کہ "اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے۔" بل کہ توحید فی الذات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کر کے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ" ہے۔ اسی طرح اپنے افعال واختیارات میں بھی وہ "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ" ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ" ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی، جلی یا خفی شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآنِ مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلے کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے ہیں۔

توحید کی ترغیب قرآن کریم میں

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ الٰہ یعنی معبود بس ایک ہے، صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اس کو بیسیوں جگہ دہرایا گیا ہے اُن میں سے چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

❶ "اور تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔"[2]

اور ایک موقع پر فرمایا:

❷ "اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قابو رکھنے والا (اور) حکمت والا ہے۔"[3]

اور ایک موقع پر فرمایا:

❸ "حق یہ ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی ساری مخلوق کا اور مشرقوں کا پروردگار ہے۔"[4]

---

[1] ترمذی، ابواب التفسیر، رقم ۳۰۹۵ [2] البقرۃ: ۱۶۳ [3] آلِ عمران: ٦٢ [4] الصّٰفّٰت: ٥،٤

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

۴ ''پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی فرماں برداری کرو، اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکا دو۔'' [1]

۵ ''اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔'' [2]

یعنی میری عبادت خالص اُس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تم سب کی جانیں ہیں کہ، جب تک چاہے اُنہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے، گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اُسی کی ہوسکتی ہے نہ صرف یہ کہ جوارح سے اُس کی بندگی کی جائے، بل کہ ضروری ہے کہ دل میں اُس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دینِ حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرکِ جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔

جس طرح عبادت صرف اُسی کی کریں۔ استعانت (مدد) کے لئے بھی اُسی کو پکاریں، کیوں کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اور بھلائی و برائی تنہا اُسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہ ہوں، سخت بے موقع بات، بل کہ ظلمِ عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرضِ محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو اُن کی عظیم الشان شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے ظلمِ اعظم ہوگا۔

جب اُن چیزوں کو پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا بُرا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے، جو تکلیف و راحت اور بھلائی بُرائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے، جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جس پر فضل و رحمت فرمانا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اُسے محروم کر سکے۔

یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ ہمیشہ سے مثلاً بت، یا فی الحال جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام ومآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے، بل کہ جن و شیطان بھی جن کو بعض مسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اُسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟

علاوہ ازیں بہت سے مشرکانہ الفاظ یا جملے ہم مسلمان بھی اپنی روز مرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

---

[1] الحج: ۳۴　[2] الانعام: ۱۹

مثلاً ① اللہ تعالیٰ اور آپ کی پناہ ...... ② مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ اور آپ کا سہارا ہے ...... ③ اللہ تعالیٰ اور آپ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ...... ④ میرے لئے اللہ تعالیٰ آسمان میں اور آپ زمین میں ہیں ...... ⑤ اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتے تو میرا یہ کام نہ ہوتا، ان تمام جملوں میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی اتنا ہی بااختیار کر دیا جو کہ سراسر شرک ہے۔ اگر کبھی ایسے جملے بولنے کی نوبت آئے بھی تو لفظِ اللہ تعالیٰ کے بعد لفظ "پھر" کا استعمال ضروری ہے۔ مثال کے طور پر میرا سہارا اللہ تعالیٰ پر ہے پھر آپ پر، بعض لوگوں کو بولتے سنا، میرے لئے اوپر اللہ تعالیٰ اور نیچے آپ ہیں، یہاں پر بھی لفظ "پھر" کا لگانا ضروری ہے، ورنہ دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کے برابر گرداننا لازم آئے گا جو شرک ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت مذکورہ بالا میں غور کرنے کی بات ہے کہ صفت "واحد" کو بیان کرنے سے پہلے تین قسمیں کھائی ہیں۔ حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کس طرح یہ لوگ حق قبول کرلیں اور شرک سے بچ جائیں تاکہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

یعنی جس طرح دنیا کے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعویٰ پر شہادت پیش کی جائے، شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے، اسی طرح حق تعالیٰ نے انسانوں کے اس مانوس طریقے کو اختیار فرمایا، کہیں تو شہادت کے الفاظ سے یہ عقیدہ سمجھایا گیا، جیسا کہ آیت میں ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾[1]

ترجمہ: "گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔"

اور کہیں قسم کھا کر یہ عقیدہ سمجھایا گیا کہ قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت و الوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے، اس لئے کہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر

اسی طرح سورۂ کہف کی آیت نمبر ۲۱ میں بھی نیک اور صالح لوگوں کی قبروں کی پرستش کرنے اور ان قبروں کو مسجدوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ باتیں جن سے شرک لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ."[2]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔"

[1] آل عمران: ۱۸ [2] بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، رقم: ۱۳۳۰

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت میں عراق میں حضرت دانیال عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔[1]

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ قرآن کریم اور احادیث کو چھوڑ کر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کے معمولات کے خلاف کر کے شرک میں ہرگز مبتلا نہ ہو۔

فوائد و نصائح

۱ بندے کو چاہئے کہ صرف "اَلْوَاحِدُ جَلّ جَلَالُہٗ" کی وحدانیت پر یقین رکھے کہ وہ ہی اکیلا اور بے نیاز ہے۔

۲ تمام اشیاء میں اسی یکتا ذات کی توحید کو مدنظر رکھے کسی دوسری مخلوق کے سامنے نہ سر جھکائے نہ سجدہ کرے۔

۳ عقیدۂ توحید کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور شرک سے ہمیشہ دور رہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۸۰۷، الکہف: ۲۱

اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ایک اکیلا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

❶ "هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ لَا نَظِيْرَ لَهُ وَلَا وَزِيْرَ وَلَا نَدِيْدَ وَلَا شَبِيْهَ وَلَا عَدِيْلَ"[1]

تَرجَمَۃ: "امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: اللہ رب العزت وہ واحد یکتا ذات ہے، جس کا کوئی مثل نہیں نہ اس کا کوئی وزیر ہے نہ ہی اس کا کوئی مشابہ ہے اور نہ ہی ہمسر۔"

"اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" اہلِ لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ یہ اسم صرف ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے اور صفت اَحدیت صرف اسی کے حق میں آسکتی ہے۔[2]

"اَلْاَحَدُ" سے مراد وہ ذات ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہ ہو، نہ ذات کے اعتبار سے اور نہ صفات کے اعتبار سے، اس لفظ کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر ہوتا ہے، کسی اور پر نہیں ہوتا۔

یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات اور دوسروں کے لئے نفی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

نیز یہ لفظ قرآنِ مجید میں بطور اسم پاک صرف ایک ہی جگہ استعمال ہوا ہے، یعنی ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ یہ لفظ بھی توحید باری تعالیٰ پر ایک عجیب دلیل ہے کہ اس کا تکرار لفظی بھی نہیں ہوا۔

اور استعمال بھی نکرہ ہوا یعنی کہ اسم "احد" ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت نہیں اور احدیت ایسے کمال میں ہے کہ کسی زائد حرف کا استعمال بھی نہیں ہوا۔

ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ایک مرتبہ التحیات کے تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "أَحِّدْ أَحِّدْ" ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/۶۹۳، الإخلاص: ۱

[2] تفسیر ماجدی: ۲/۱۲۱٤، الاخلاص: ۱

[3] ترمذی، الدعوات، باب ان الله حيي كريم، رقم: ۳۵۵۷

یعنی جب مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے) ایک ہے، تو اشارہ بھی ایک انگلی سے ہونا چاہئے۔

اس لفظ ''اَحَدٌ'' کی تشریح ﴿لَمْ يَلِدْهُ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ سے کر دی۔ کہ اُس نے کسی کو نہیں جنا، لہٰذا یہودیوں کا حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا اور مشرکین کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینا سراسر غلط ہے۔

''اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں

وہ اکیلا ہے، نہ اُس کا بیٹا ہے، نہ بیٹی اور نہ بیوی۔

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ ہر مقصد کے لئے دعا اور مدد طلبی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور ہر عبادت صرف اسی کے لئے ہونی چاہئے، یہ اس لئے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور اُمتیں "شرك في الدعا" اور "شرك في العبادة" (یعنی دعا کے شرک اور عبادت کے شرک) ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوئی ہیں اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مُشکل کشا سمجھ کر اُن سے دُعائیں کیں، اپنی حاجتیں اور مُرادیں اُن سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح سے اُن کی عبادت اور پوجا کی، اُن کے آگے سجدے کئے، اُن کے نام کی خیرات کی اور اُن کے لئے نذریں اور منتیں مانیں، اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے، حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اٰمِيْن۔

شرک کی ابتداء

شرک کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں چند نیک اور صالح لوگ تھے جن کے نام یہ ہیں: ''ودّ'' ''سواع'' ''یغوث'' ''یعوق'' ''نسر'' جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جس مکان میں یہ لوگ رہا کرتے تھے اور اکثر بیٹھا کرتے تھے وہاں پر ایک ایک بت ان کے نام سے رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن جب تک یہ لوگ زندہ رہے بتوں کی عبادت کسی نے نہیں کی ...... اور جب یہ مر گئے تو پھر علم جاتا رہا تو ان کے بعد والوں نے ان بتوں کی عبادت شروع کر دی۔[1]

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ''لات'' ایک شخص کا نام تھا جو حاجیوں کی خدمت کیا کرتا تھا اور ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔[2] جب وہ مر گیا تو جس پتھر پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کو بت کی صورت بنا کر لوگ

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب: ﴿وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ﴾، رقم: ۴۹۲۰، نوح: ۲۳

[2] بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ رقم: ۴۸۵۹

پوجنے لگے اور اس کا نام ''لات'' رکھا۔[1]

بہر حال ''شرك في الدعا'' اور ''شرك في العبادة'' (یعنی دعا کا شرک اور عبادت کا شرک) چوں کہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخداشناس انسان زیادہ تر اسی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، پہلے چند آیتیں توحید فی الدعاء کے سلسلہ کی پڑھ لیجئے:

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اُسی اللہ تعالیٰ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دُعائیں کرتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں۔''

یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور بہنے والی چیز ہے، اسے معلوم ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟

اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے، اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا، جن کو پکارتے ہیں، انہیں نہ یہ معلوم ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے، اور نہ ہی اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں سے دعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو اور جن سے دُعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں (پس اُن سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے)۔''

یعنی جو اپنی مدد کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہو دوسرے کا　　بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

سورۂ اسراء کی آیت نمبر ۵۶ میں فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

''اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، اُنہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار کر دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔''

سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

[1] شریعت یا جہالت: بت پرستی کیسے پھیلی: ۶۵۶　[2] الرعد: ۱۴

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اُس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''

اور سورۂ شعراء کی آیت نمبر ۲۱۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو (اگر ایسا کرو گے) تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔''

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جن میں ارشاد فرمایا ہے:

''اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پُکارتا ہوں، اسی سے دُعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔''[1]

یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہوگئے اور تل گئے ہیں، تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اپنی وحدانیت کا اظہار کرتے ہوئے سورۂ اخلاص میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا، اور نہ ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''أحد'' اور ''واحد'' ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ ''أحد'' کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے...... اور تعدد سے...... اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے...... پاک ہے، یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادّوں سے نہیں بنا...... نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے...... نہ کسی کے مشابہ ہے...... اس ایک مختصر جملے میں ذات وصفات کے سب مباحث آگئے اور لفظِ ''قُلْ'' میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آگیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو حاوی ہے جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں۔

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے منکرینِ توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں۔ سورۂ اخلاص نے ہر طرح کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا

[1] الجن: ۲۰، ماخوذ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۶۶، ۶۷

ہے، کیوں کہ منکرینِ توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا منکر ہے، بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر کمالِ صفات کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

ان سب کے خیالاتِ باطلہ کا رد "اَللّٰہُ اَحَدٌ" میں ہوگیا۔ بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیال کا ابطال لفظ "صَمَد" سے ہوگیا، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے قائل ہیں، ان کا رد "لَمْ يَلِدْ" میں ہوگیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔[1]

تپتے ہوئے صحرا میں أَحَدٌ أَحَدٌ کی صدا

وَاقِعَہ نمبر (۴۰): حضرت بلال حبشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے۔ اسلام لے آئے جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ اُمیّہ بن خلف، جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کرسکیں اور کہتا تھا کہ یا تو اس حال میں مرجائیں اور اگر زندگی چاہتے ہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی "أَحَدٌ أَحَدٌ" کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا، تاکہ بے قرار ہوکر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابوجہل کا نمبر آتا، کبھی اُمیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس بات کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کردے۔ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔[2]

فائدہ: چوں کہ عرب کے بت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے اُن کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زبان پر ایک ہی ایک کا ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہوجاتی ہے، اُس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا۔ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کردیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے" کی رٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دربار میں مؤذن بنے اور سفر وحضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا۔ اس لئے

[1] معارف القرآن: ۸/۸۴۳، ۸۴۴ [2] أسد الغابة: ۱/۴۱۵

ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں جہاد میں گزار دیں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے، تو آنکھ کھلتے ہی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانے کی اذان کانوں میں پڑنے پر کہرام مچ گیا، عورتیں تک روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں، چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔[1]

"اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے ان الفاظ سے دُعا مانگئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ارادہ کرتے کہ کسی مردے کو زندہ کروائیں تو دو رکعت نماز پڑھتے، پہلی رکعت میں ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھتے اور دوسری رکعت میں "الٓمّٓ تَنْزِیْلُ" پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے، پھر یہ سات اسمائے باری تعالیٰ پڑھتے: "یَاقَدِیْمُ ... یَاخَفِیُّ ... یَادَآئِمُ ... یَافَرْدُ ... یَاوِتْرُ ... یَآاَحَدُ ... یَاصَمَدُ" اور اگر کوئی سخت پریشانی لاحق ہو جاتی تو یہ سات نام لے کر دعا کرتے: "یَاحَیُّ ... یَاقَیُّوْمُ ... یَااَللّٰهُ ... یَارَحْمٰنُ ... یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ .... یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ یَا رَبِّ۔" یہ زبردست اثر والے نام ہیں۔[2]

بہرحال جتنی بھی مصیبتیں، بلائیں دور کرنے کی دعائیں ہیں ان میں توحید اصل ہے کہ توحید دنیاوی اور اُخروی بلاؤں کے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

"اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا قرب حاصل کرنے کی ایک خاص دعا

"سُبْحَانَ الْاَبَدِیِّ الْاَبَدِ .... سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ .... سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدِ .... سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَآءِ بِغَیْرِ عَمَدٍ .... سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَآءٍ جَمَدٍ .... سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاهُمْ عَدَدًا .... سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ فَلَمْ یَنْسَ اَحَدًا .... سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا .... سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔"

تَرجَمَہ: "(تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے ....، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ایک اور یکتا ہے ....، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو تنہا اور بے نیاز ہے ....، (تمام عیوب سے)

[1] اسد الغابة: ۱/۴۱۵ تا ۴۱۷
[2] تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۶

پاک ہے وہ ذات جو آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنے والا ہے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جمے ہوئے پانی پر......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پس ان کی تعداد کو گن لیا......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے روزی تقسیم فرمائی، اور کسی کو نہ بھولا......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ بیوی اپنائی نہ بچے......، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، اور نہیں ہے اس کا کوئی ہمسر۔" [1]

صبح و شام یہ دعا سمجھ کر پڑھیں اور مندرجۂ بالا دعا میں جن باتوں کی نفی کی گئی ہے ان سے اللہ کو پاک سمجھیں اور جن باتوں کو ثابت کیا گیا ہے ان کو دل سے مانیں، ان شاء اللّٰہ قرب خداوندی حاصل ہوگا ـــــ اگر کوئی شخص عربی دعا نہ پڑھ سکتا ہو تو اردو ترجمہ پڑھے اور دعا میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان پر یقین و ایمان رکھے، جہاں بیٹھے ساتھیوں میں، دوستوں میں اس کا تذکرہ کرے، اس کی دعوت دے، یہی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، اور یہی توحید ہے۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہئے کہ ہر مشکل حاجت، مصیبت میں "اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کو پکارے اور اس اکیلے اللہ ربُّ العزت کے حضور اپنی التجائیں پیش کرے۔

❷ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور مخلوق سے اُس "اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے حکم کے بغیر کچھ نہ ہونے کا یقین اپنے دل میں بٹھادے۔

❸ مسلمان اپنی زندگی کے ہر موڑ پر، خواہ بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا کسی بھی موقع پر اُس "اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کو نہ بھولے، اپنی دعاؤں میں اُسی کو پکارے۔ اور "اَلْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کا قرب حاصل کرنے کی دعا کو جو اس اسم میں ذکر کی گئی ہے روزانہ مانگے۔

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب العلم، خواب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت: ۱۰۶/۷

الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب سے بے نیاز)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس نام مبارک کے یہ معنی بتائے ہیں:

۱ "اَلْمُسْتَغْنِي عَنْ كُلِّ أَحَدٍ..... وَالْمُحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ"[۱]

ترجمہ: "" الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو سب سے مستغنی بے نیاز ہے (اس کو اپنے فیصلے نافذ کرنے میں کسی کی ضرورت نہیں پڑتی) اور سب کے سب اسی کے محتاج ہیں۔"

کیا پیاری تعریف ہے، کاش! ہم سب کے دلوں میں اُتر جائے کہ سب کے سب اس کے محتاج ہیں، جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے لے کر ایک چیونٹی تک، بڑی سے بڑی مخلوق اور چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سب ہی اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

۲ "اَلصَّمَدُ" هُوَ السَّيِّدُ الَّذِي يُصْمَدُ إِلَيْهِ فِي الْأُمُوْرِ، وَيُقْصَدُ فِي الْحَوَائِجِ وَالنَّوَازِلِ"[۲]

ترجمہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: " الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس سے تمام امور میں سہارا لیا جاتا ہے اور ضرورت ومصیبتوں میں اسی ذات کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔"

امام ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جو تعریف فرمائی ہے وہ تمام تعریفات کے لئے جامع ہے فرماتے ہیں:

۳ "هُوَ الَّذِي يُصْمَدُ إِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ ......، وَهُوَ الَّذِي قَدِ انْتَهٰى سُؤْدُدُهٗ......، وَهُوَ الصَّمَدُ الَّذِي لَا جَوْفَ لَهٗ......، وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ ......، وَهُوَ الْبَاقِي بَعْدَ خَلْقِهٖ"[۳]

ترجمہ: "وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے (یعنی سب اُس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں)، اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ (یعنی اس پر سرداری ختم

[۱] روح المعانی: ۱۵/۴۹۰، الاخلاص: ۲ [۲] شان الدعا: ۸۵

[۳] تفسیر ابن کثیر: ۳/۶۹۳، الإخلاص: ۲

ہو جائے) وہ ذات جس کا پیٹ نہیں ہے اور وہی ہے جو کھانے پینے سے بے نیاز ہے، اور وہی ہے جو مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے اُن جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔

علامہ ابنِ قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے قصیدۂ نونیہ میں فرمایا: ؎

وَهُوَ الْإِلٰهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ ۔۔۔ صَمَدَتْ إِلَيْهِ الْخَلْقُ بِالْإِذْعَانِ

اَلْكَامِلُ الْأَوْصَافِ كَمَالُهُ مَا فِيْهِ ۔۔۔ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ مِنْ نُقْصَانِ[1]

تَرْجَمَہ: "اللہ ربُّ العزت کی ذات معبود برحق ہے، سردار اور بے نیاز ہے، جس کی تعریف میں ساری کی ساری مخلوق یقین اور عزم کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ہر اعتبار سے وہ کامل اوصاف والی ذات ہے جس میں کسی بھی وجہ اور اعتبار سے کوئی نقصان اور کمی نہیں۔"

"''اَلصَّمَدُ'' کا حقیقی معنی اللہ ربُّ العزت کی ذات کے حق میں یہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذاتِ عالی بذات خود قائم و دائم ہے، غیر سے اسے کسی قسم کی کوئی مدد کی ضرورت نہیں، جب کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں اس کی محتاج ہے، یہ اللہ ربُّ العزت کی صفت ذاتی ہے اور اللہ ربُّ العزت کی ذات کے اعتبار سے یہ صفت غیر اضافی ہے اور مخلوق کی احتیاج کے اعتبار سے یہ صفت اضافی ہے کیوں کہ مخلوق اپنے وجود اور تمام معاملات میں اللہ ربُّ العزت کی محتاج ہے۔"[2]

شیخ محمد حمود النجدی فرماتے ہیں: "جب ہمارے ربّ تعالیٰ ایسی صفات والے ہیں تو بندوں پر ضروری ہے کہ اللہ ربُّ العزت کو چھوڑ کر کسی سے امید نہ رکھیں اور نہ کسی غیر کے پاس پناہ تلاش کریں اور اسی سے مانگیں، حاجت روا اور مشکل کشا اس کے سوا کسی کو نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ ربُّ العزت ہی سب سے بڑے ہیں، وہ "اَلصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں ان سے بڑا کوئی نہیں، زندگیوں کا بنانا اور بگاڑنا صرف اور صرف "اَلصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔"[3]

---

[1] النونية: ۲/۲۳۱، ۲۳۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۹۹

[2] "فَتَرْجِعُ حَقِيْقَةُ الصَّمَدَانِيَّةِ فِيْ حَقِّهٖ إِلٰى قِيَامِهٖ بِذَاتِهٖ وَ إِسْتِغْنَائِهٖ عَنْ غَيْرِهٖ، وَاحْتِيَاجِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهِ، فَهِيَ صِفَةٌ ذَاتِيَّةٌ لَهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، تَارَةً دُوْنَ إِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلٰى عَيْنِ ذَاتِهٖ وَصَمَدَانِيَّتِهٖ، وَتَارَةً بِإِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلٰى صَمَدِ الْخَلْقِ إِلَيْهِ وَقِيَامِهِمْ بِهٖ وَ احْتِيَاجِهِمْ إِلَيْهِ فِيْ جَمِيْعِ أُمُوْرِهِمْ" (الكتاب الأسنٰى: ۲۹۳، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۱۰۲)

[3] قَالَ مُحَمَّدُ الْحَمُوْدُ النَّجْدِيُّ: "وَ إِذَا كَانَ رَبُّنَا كَذٰلِكَ فَيَنْبَغِيْ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ لَّا يَلْجَأُوْا إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يَطْلُبُوْا إِلَّا مِنْهُ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَا شَيْءَ فَوْقَهٗ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ." (النهج الاسمٰى: ۲/۱۰۶)

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ جان لے کہ صفت صمدیت اور صفت وحدانیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے، سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کو مقصود نہ بنایا جائے اور اپنی ضروریات کو اسی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔“ [1]

سورۂ اخلاص کی اہمیت وفضیلت

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”یہ سورۂ مبارکہ (سورۂ اخلاص) اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے مبارکہ پر مشتمل ہے جو کہ کمالات کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہیں، یہ دونوں اسمائے مبارکہ سورۂ اخلاص کے علاوہ دیگر سورتوں میں نہیں ہیں، اسماء یہ ہیں: ”اَلْاَحَدُ، اَلصَّمَدُ“ اس لئے کہ یہ دونوں اسماء اس ذاتِ مقدس کے ایک ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو تمام کمالات سے موصوف ہے۔

بیان اس کا یہ ہے ”اَلْاَحَدُ“ باری تعالیٰ کے اس وجود خاص کو بتلاتا ہے جس میں کوئی غیر اس کا شریک نہیں اور ”اَلصَّمَدُ“ تمام اوصافِ کمالیہ کے جامع ہونے کو بتلاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام شان وشوکت اور سرداری کی انتہا اسی کی ذات پر ہوتی ہے، لہٰذا ہر قسم کی طلب اور چاہت اسی کی جانب سے پوری ہوسکتی ہے۔“ [2]

بعض حضرات فرماتے ہیں: ”قرآن مجید تین حصوں میں اتارا گیا ہے: ① ایک حصہ احکامات پر مشتمل ہے۔ ② ایک حصہ وعد و وعید پر۔ ③ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر مشتمل ہے، اور سورۂ اخلاص ایک حصہ پر مشتمل ہے جو کہ اسماء اور صفات سے متعلق ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سورۂ اخلاص قرآن مجید کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے، اس تشریح پر صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابو الدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کو اجزاءِ قرآن میں سے ایک حصہ بنایا ہے۔“ [3]

---

[1] قَالَ الْقُرْطِبِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَعْلَمَ أَنْ لَا صَمْدَانِيَّةَ وَلَا وَحْدَانِيَّةَ إِلَّا لِلّٰهِ وَحْدَهُ، فَلَا يُقْصَدُ غَيْرُهُ وَلَا يُلْجَأُ فِيْ حَوَائِجِهٖ إِلَّا إِلَيْهِ" (النهج الأسمى: ۱۰۶/۲)

[2] "قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: إِشْتَمَلَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ (اي الاخلاص) عَلٰى إِسْمَيْنِ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى، يَتَضَمَّنَانِ جَمِيْعَ أَصْنَافِ الْكَمَالِ، لَمْ يُوْجَدَا فِيْ غَيْرِهَا مِنَ السُّوَرِ، وَهُمَا: "اَلْأَحَدُ. اَلصَّمَدُ" لِأَنَّهُمَا يَدُلَّانِ عَلٰى أَحَدِيَّةِ الذَّاتِ الْمُقَدَّسَةِ الْمَوْصُوْفَةِ بِجَمِيْعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، وَبَيَانُ ذٰلِكَ. أَنَّ "اَلْأَحَدَ" يُشْعِرُ بِوُجُوْدِهِ الْخَاصِّ الَّذِيْ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهِ غَيْرُهُ. وَ "اَلصَّمَدُ" يُشْعِرُ بِجَمِيْعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، لِأَنَّهُ الَّذِيْ إِنْتَهٰى إِلَيْهِ سُؤْدَدُهُ فَكَانَ مَرْجِعُ الطَّلَبِ مِنْهُ وَإِلَيْهِ" (النهج الأسمى: ۱۰۷/۲)

[3] "وَقِيْلَ: إِنَّ الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ أَثْلَاثًا: ثُلُثٌ مِنْهُ أَحْكَامٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ وَعْدٌ وَوَعِيْدٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ أَسْمَاءٌ وَصِفَاتٌ وَقَدْ جَمَعَتْ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ أَحَدَ الْأَثْلَاثِ وَهُوَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ فَقِيْلَ إِنَّهَا ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ، وَدَلَّ عَلٰى هٰذَا التَّأْوِيْلِ مَا فِيْ "صَحِيْحِ مُسْلِمٍ" مِنْ

واقعہ نمبر (۴۱): حضرت معاویہ ابن معاویہ لیثی انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا انتقال مدینہ میں ہوا، حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ ۷۰ ہزار فرشتوں کو لے کر مدینہ آئے، ان کے جنازہ کو لے کر تبوک روانہ ہوئے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے جنازہ کی نماز تبوک میں پڑھی اور جنازہ واپس مدینہ لایا گیا اور تدفین بقیع میں ہوئی، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سے پوچھا:

"انہیں یہ اعزاز کیوں ملا؟" فرمایا: "یہ کثرت سے سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اس لئے یہ اعزاز ملا ہے۔"[1]

اسمِ اعظم

اسمِ اعظم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور سب سے عظیم نام، اسمِ اعظم وہ عظیم اور وہ بابرکت نام ہے جس کے وسیلے سے کی گئی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ ہر سوال قبول ہوتا ہے، ہر حاجت اور ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔

وہ دعائیں جن میں اسمِ اعظم موجود ہے ان میں ایک دعا یہ بھی ہے، جس میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے "اَلصَّمَدُ" نام کا ذکر ہے جسے حضرت بریدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کو یہ دُعا پڑھتے ہوئے سنا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْاَلُكَ بِاَنِّیْۤ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ ...... لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ...... وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ."[2]

ترجَمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (اس واسطے سے کہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا اکیلا اور بے نیاز ہے کہ سب کے سب تیرے محتاج اور تو سب سے مستغنی، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں۔"

تو ارشاد فرمایا: "تم نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم سے دعا کی ہے جس کے ذریعہ کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔"

تشہد میں "اَلصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے طلبِ مغفرت

حضرت مِحجن بن الأدرع روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز ادا کرتے ہوئے تشہد میں یہ کہہ رہا ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْئَلُكَ یَا اَللّٰهُ ...... بِاَنَّكَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدِ ...... الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ...... وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ...... اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْۤ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ."

حَدِیْثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ جَزَّأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، فَجَعَلَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ جُزْءًا مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْآنِ" (الأسنى: ۲۹۳، بحواله النهج الأسمى: ۱۰۸/۲، مسلم: باب فضل قرأة قل هو الله: ۲۷۱/۱)

[1] التفسير الكبير: ۱۶۰/۳۲، فضيلة سورة الاخلاص [2] مسند احمد: ۴۷۸/۶، رقم: ۲۲۴۴۳

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اس واسطے سے کہ بے شک تو ایک ہے، بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہ جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں کہ تو میرے گناہوں کو بخش دے، بے شک تو ہی بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قَدْ غُفِرَلَهٗ قَدْ غُفِرَلَهٗ''[1]

تَرْجَمَۃ: ''یقیناً اس کی مغفرت کردی گئی، یقیناً اس کی مغفرت کردی گئی۔''

قرآن کو اپنے دل کا نور بنانے کے لئے دعا مانگئے

اسمِ اعظم اور اسمائے حسنیٰ کے اس مبارک ذکر میں ہمیں وہ دعا بھی زبانی یاد کرلینی چاہئے اور اس دعا کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے، جس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

''مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حُزْنٌ إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَحُزْنَهٗ وَأَبْدَلَهٗ مَكَانَهٗ فَرَجًا''[2]

تَرْجَمَۃ: جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی فرمادے گا۔[3]

یعنی اس دعا سے ہر غم وہم، کرب و پریشانی دُور ہوجاتی ہے بل کہ رسولِ کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تلقین کی کہ وہ ان ساتھیوں کو بھی یہ دعا (حفظ کروائیں اور) بتائیں جو اس دعا کو نہیں جانتے۔ مسند احمد میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہو اور وہ اس طرح دعا کرے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ...... نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ ...... مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ......اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ...... اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ...... اَوْاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ...... اَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ...... اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ......وَنُوْرَ صَدْرِیْ......وَجَلَاءَ حُزْنِیْ......وَذَهَابَ هَمِّیْ.''[4]

---

[1] مسند احمد: ٣٣٨/٤، رقم: ١٨٤٩٥ [2] مسند احمد: ٦٤٦/١، رقم: ٣٧٠٤ [3] معارف الحديث: ٢٢٦/٥

[4] اہلِ علم اور عربی جاننے والوں کو چاہئے کہ اس دعا کی تشریح کے لئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''الفوائد'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں......(مسند احمد: ٤٥٢/١، رقم: ٤٣٠٦)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا...... میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے ...... تیرا ہر حکم میرے لئے فیصلہ کن ہے...... تیرا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہے...... میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے...... یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے...... یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے...... یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے...... کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار...... میرے سینے کا نور...... اور میرے دکھوں اور غموں کو دُور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔''

اگر کوئی یہ دعا مانگے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کے غم وفکر کو دُور فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ کشادگی عطا فرماتے ہیں۔'' آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: ''یارسول اللہ! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟''

فرمایا: ''کیوں نہیں، ہر سننے والے کو چاہئے کہ یہ دعا سیکھ لے۔''

اس دعا کا ایک ایک جملہ شرک کی نفی کر رہا ہے اور انسان کی عاجزی اور بے کسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ جب بندہ اپنے ہر کام میں ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کی طرف رجوع کرے گا، اسی سے مانگے گا اور اسی ذات کے فیصلوں پر راضی رہے گا اسی کے ناموں کا واسطہ دے گا، تو پھر اسے کسی اور کے در پہ ٹھوکریں کھانے کی ضرورت نہیں ہوگی، لہٰذا مندرجہ بالا دعا خود بھی سیکھیں اور دوسروں کو بھی ضرور سکھائیں۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اپنی محتاجی کو ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' کے سامنے پیش کرے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی ''الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ'' سے ہی مانگیں۔

❷ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضرورتوں کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقوں پر اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال ومتاع کی محبت سے بے نیازی عطا کی ہے۔

❸ اس بے نیاز ذات ہی کی محبت اور بے نیازی کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرے، دعوت دے، دعائیں کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو بے نیاز اور محتاج نہ ہو۔

القادر جل جلالہ المقتدر جل جلالہ

(قدرت والا) (پوری قدرت والا)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "هُوَ الَّذِيْ لَهُ الْقُدْرَةُ الشَّامِلَةُ، وَالْقُدْرَةُ لَهُ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ" [1]

ترجمہ: "امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت ہی کی قدرت، قدرتِ عامہ ہے جو اللہ ربّ العزت کو ہر آن، ہر گھڑی، ہر لحہ اور ہر موقعہ پر حاصل ہے اور یہ صفت اللہ ربّ العزت کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔"

❷ "امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ ربّ العزت "القادر جل جلالہ" ہیں، یعنی جو چاہتے ہیں اس کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں، اللہ ربّ العزت کو کوئی بھی چیز کسی بھی کام سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی ان کا کوئی مطلوب فوت ہوسکتا ہے، یہ اللہ ربّ العزت کی صفت کا مطلب ہوا۔ بندوں کو بھی قدرت حاصل ہوتی ہے، لیکن ان کی قدرت عارضی ہے، بندے کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہے وہ اللہ ربّ العزت ہی کی جانب سے عطا کردہ ہے اور یہ طاقت بندے کے پاس امانت ہے، اس طاقت میں کمی کمزوری بھی ہے، یعنی اس کی قدرت اس کے کسی کام نہیں آتی اور کبھی یہ قدرت کام بھی آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی حقیقی قدرت والے ہیں، اللہ تعالیٰ پر عجز (عاجز آنا) کبھی نہیں آسکتا اور نہ ہی ان سے کوئی چیز فوت ہوسکتی ہے۔" [2]

❸ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْقَدِيْرُ وَلَيْسَ يُعْجِزُهُ إِذَا ۔۔۔ مَا رَامَ شَيْئًا قَطُّ ذُوْ سُلْطَانِ [3]

---

[1] الاعتقاد: ٦٣ بحوالہ النہج الاسمٰی: ١١٣/٢

[2] "اَلْقَادِرُ": اَللّٰهُ الْقَادِرُ عَلٰى مَا يَشَاءُ، لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَفُوْتُهُ مَطْلُوْبٌ، وَالْقَادِرُ مِنَّا، وَإِنِ اسْتَحَقَّ هٰذَا الْوَصْفَ. فَإِنَّ قُدْرَتَهُ مُسْتَعَارَةٌ، وَهِيَ عِنْدَهُ وَدِيْعَةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَيَجُوْزُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ فِيْ حَالٍ وَالْقُدْرَةُ فِيْ أُخْرٰى. وَاللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْقَادِرُ، فَلَا يَتَطَرَّقُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ، وَلَا يَفُوْتُهُ شَيْءٌ" (تفسیر الأسماء: ٥٩ بحوالہ النہج الأسمٰی: ١١٢/٢)

[3] النونیۃ: ٢١٨/٢ بحوالہ النہج الاسمٰی: ١١٥/٢

”اللہ ربُّ العزت قدرت والے ہیں اور جب کسی مقصد کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو کوئی بھی سلطنت والا اس کو عاجز نہیں کرسکتا۔“

۴ ”امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”القدیر جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو کامل قدرت رکھنے والی ہو، جس نے اپنی قدرت سے تمام موجودات کو وجود بخشا...... اور اپنی قدرت سے ان کی تدبیر فرمائی ...... اور اپنی ہی قدرت سے انہیں ٹھیک ٹھیک مضبوط بنایا۔

”القدیر جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ہی ہے جو اپنی قدرت سے انہیں زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور جزاو سزا کے لئے انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا، نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ عنایت فرمائے گا اور بدکار کو اس کی بدی کا۔

القدیر جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے: ”کُنْ“ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے اور وہ اپنی قدرت سے دلوں کو الٹتا پلٹتا ہے اور جس طرح اور جس رخ پر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔“ [1]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں ۱۲ جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [2]

۲ ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ [3]

۳ ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ [4]

”القدیر جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے

قرآن مجید خالق ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتلانا چاہتا ہے اور اس کی جن صفات سے انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے اور اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اُسے آلات و اسباب کی ضرورت ہے، وہ صرف اپنی مشیت کے اشارہ سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ ”کُنْ“ سے سب کچھ کرسکتا ہے۔

چناں چہ سورۂ فاطر میں فرمایا:

”وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا“ [5]

تَرْجَمَہ: ”اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے بس سے باہر جاسکے، وہ سب کچھ جاننے

---

[1] ”اَلْقَدِيْرُ“ كَامِلُ الْقُدْرَةِ، بِقُدْرَتِهٖ أَوْجَدَ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَبِقُدْرَتِهٖ دَبَّرَهَا، وَبِقُدْرَتِهٖ سَوَّاهَا وَأَحْكَمَهَا، وَبِقُدْرَتِهٖ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ، وَيَبْعَثُ الْعِبَادَ لِلْجَزَاءِ، وَيُجَازِي الْمُحْسِنَ بِإِحْسَانِهٖ، وَالْمُسِيْءَ بِإِسَاءَتِهٖ، اَلَّذِيْ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا قَالَ لَهٗ كُنْ، فَيَكُوْنُ، وَبِقُدْرَتِهٖ يُقَلِّبُ الْقُلُوْبَ وَيُصَرِّفُهَا عَلٰى مَا يَشَاءُ وَيُرِيْدُ“ (تیسیر الکریم: ۵/۳۰۱ بحوالہ النہج الاسمٰی: ۲/۱۱۵)

[2] الانعام: ۳۷ [3] القیٰمۃ: ۴۰ [4] الطارق: ۸ [5] فاطر: ۴۴

والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد وثمود وغیرہ، یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں خوب سمجھ لو کہ آسمان اور زمین کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی، علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل، پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔[1]

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جن ڈاکٹروں اور طبیبوں کو جس مرض کے علاج میں مہارت اور عالمگیر شہرت حاصل تھی ان کا انتقال بھی اسی مرض میں ہوا۔ مثلاً ارسطا طالیس سل (تپ دق) کے مرض میں، افلاطون فالج سے، جالینوس اسہال سے، حکیم اجمل خان عارضۂ قلب سے رخصت ہوئے۔ یہ سب حضرات ان امراض کے کامل ماہر و مجتہد سمجھے جاتے تھے۔ انسان اپنے محدود مطالعے اور مشاہدے کے باعث بعض اوقات غلط فہمی میں پڑ کر اپنی خود مختاری اور اپنی قدرت کا اعلان کرتا ہے، اپنے لئے یقینی مستقبل کی بات کرتا ہے، مگر قدرت کی طرف سے موت کی صورت میں انسان کی سرتاپا عاجزی و بے اختیاری اور غیر یقینی مستقبل کا خاموش اعلان اسے عبدیت کا سبق یاد دلاتا رہتا ہے۔[2]

ایٹمی طاقت اور بخار وائرس

وَاقِعَہ نمبر ۴۳: ''اَلْقَادِرُ جل جلالہٗ'' نے چین جیسے ترقی یافتہ ملک میں ایک چھوٹا سا بخار کا وائرس بھیج دیا تھا، جس کو (SARS) کہتے ہیں، اس وائرس نے سارے ماہرینِ طب کی عقلوں کو مبہوت کر دیا تھا، ان کے ایٹم بم، ان کی ساری مہارت لمحات میں ایک طرف ہو کر رہ گئی، چائنا کی سڑکیں دن کے اُجالے میں رات کے سناٹے کا ثبوت دیتی تھیں، مساجد، چرچ، بازاروں کو بند کر دیا گیا تھا، ہر آدمی کسی دوسرے آدمی سے ملتے ہوئے ڈرتا تھا کہ مجھے وائرس نہ لگ جائے، اگر کسی کو بخار ہو گیا تو اس کے رشتہ دار، دوست احباب کوئی ملنے نہ جاتا تھا کہ کہیں ہمیں بھی نہ لگ جائے اور وہ بخار سے مرتے تو نہیں لیکن بخار کی ایسی دہشت سوار تھی کہ جس کو بخار آیا وہ بے چارا اپنے آپ کو زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا۔ انسان کو چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بندہ بنایا ہے تو بندہ ہی بن کر رہے، سراپا عجز ہے تو عاجزی کو ہی اپنا شیوہ بنا کر رکھے اور ''اَلْقَادِرُ جل جلالہٗ'' کی قدرت کے سامنے اپنی قدرت کو کالعدم سمجھے۔

''اَلْقَادِرُ جل جلالہٗ'' کی قدرت

وَاقِعَہ نمبر ۴۴: ''اَلْقَادِرُ جل جلالہٗ'' ایک ایسی قادر مطلق ذات ہے جو پانی جیسی محلول (ہر چیز میں حل ہونے والی) چیز میں ایسی طاقت ڈال دیتا ہے کہ وہ شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک کو پلک جھپکنے میں الٹ دیتا ہے۔

ابھی گزشتہ مہینوں مشرقی ایشیاء اور افریقہ کی ساحلی پٹی پر ایسا سیلاب آیا کہ اُس نے صرف دو تین دن میں شہروں اور

[1] تفسیر عثمانی: ۵۸۶، حاشیہ نمبر: ۵ [2] ماخوذ از ماہنامہ ''الخیر''

ملکوں کا نقشہ الٹ دیا۔ اس سیلاب اور زلزلے کی طاقت دس ہزار ایٹم بموں سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔

اس سونامی سیلاب میں تقریباً دو لاکھ انسان ہلاک ہوئے۔ ان میں مغرب سے آئے ہوئے سیاحوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی، جو کرسمس اور نئے سال کی خوشی منانے مغرب سے مشرق پہنچے تھے۔ کسی کی لاش ملبے تلے دبی ہوئی ملی اور کسی کی لاش درختوں پر لٹکی ہوئی ملی، ہزاروں کی تعداد میں لاشیں اب بھی لاپتہ ہیں، مُردوں کی تدفین ایک مسئلہ بن گئی۔ ایک ماہ تک اجتماعی تدفین کا سلسلہ چلتا رہا۔ بے شک یہ سب "اَلْمُقْتَدِرُ جَلَّ جَلَالُهُ" کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

جب مخلوقات میں سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ جائے اور کھلے عام اللہ کے حدود کی پامالی ہونے لگے، تو وہ "اَلْمُقْتَدِرُ" جو ابابیل جیسے پرندوں کے ذریعے ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرواسکتا ہے، تو وہی ذات سونامی جیسے سمندری طوفان کے ذریعے صرف تین دن میں لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند بھی سلاسکتا ہے۔

کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ فرمایا کرتے تھے: آج کل کی دنیا جس کو "اتفاق" کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہوگیا، یہ سب غلط ہے، اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا، بل کہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت (مرضی) اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہوگیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلا رہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہو رہا ہے، کوئی ذرہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تو فائدہ ہوگیا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے "اتفاق" کا کیا مطلب ہے۔

وہ "اَلْمُقْتَدِرُ جَلَّ جَلَالُهُ" اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے، جسے چاہے باقی رکھے، جس قوم کو چاہے مٹائے، جسے چاہے اُس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے، جن کی چاہے نہ بدلے، جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے، جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کردے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی وتغیر، محو واثبات، نسخ واحکام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

انسان خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے، وہ کچھ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کرسکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجے میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہوگیا نہ کوئی بات سمجھتا ہے، نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کرلے۔

اللہ کی قدرت اور بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی

واقعہ نمبر ۴۴: حضرت سعید بن میسب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کسی مجلس میں بیٹھے فرما رہے تھے: "میں نے چالیس (۴۰) سال اس طرح بسر کئے کہ اذان سے قبل مسجد میں موجود ہوتا تھا" یہ کہہ کر وہ نماز کے ارادے سے اٹھے تو دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ امام قتادہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہنے لگے: "میں آج تک کوئی چیز نہیں بھولا۔" .... پھر غلام کو آواز لگائی "ذرا میرے جوتے لے آنا" غلام نے ادب سے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:

"حضرت جوتے تو آپ پہنے ہوئے ہیں۔"[2]

بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ انسان سراپا محتاج ہے، اپنے ہر ہر ارادہ اور ہر ہر کام میں وہ کسی کے حکم و ارادہ کے ماتحت ہے۔

فائدہ: انسان کو دعویٰ نہیں کرنا چاہئے یعنی کسی بھی موقع پر بڑا بول نہیں بولنا چاہئے، کیوں کہ بڑا بول اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بس یہ سمجھے جو کچھ ہے وہ اللہ کا فضل ہے اگر یہ فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

تنگ و تاریک کوٹھڑی اور نماز

واقعہ نمبر ۴۵: عبدالرحمٰن بن ابی نعم بجلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، زہد و عبادت میں بڑے مشہور تھے، ان کی خدا خوفی اور فکرِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ بکیر بن عامر کے بقول:

"اگر ان سے کہا جائے کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہے تو اس خبر سے ان کی حالت میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔"

ایک دن وعظ و نصیحت کی غرض سے وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے، حجاج کے ظلم سے کون ناواقف ہوگا، نصیحت فرمائی اور ظلم کے انجام کی طرف توجہ دلائی تو حجاج نے اس کا نقد صلہ دیا، حکم دیا کہ "اسے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کردو" اس حالت میں پندرہ دن گزر گئے، جہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ روشنی اور نہ زندگی کا کوئی سامان، حجاج نے کہا: "اب اس

[1] المستطرف فی کل فن مستظرف: ۷۳ [2] سیر اعلام النبلاء، قتادۃ بن دعامۃ بن قتادۃ......: ۹۷/۶

کی لاش نکال کر دفن کر دو۔" چناں چہ ان کی لاش نکالنے کے لئے حجاج کے کارندوں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہیں کہ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

حجاج کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہیں آزاد کر دیا۔[1]

دعا کی قبولیت کے لئے چند کلمات

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسجد میں آرام کر رہا تھا اچانک غیب سے آواز آئی اے سعید یہ (مندرجہ ذیل) کلمات پڑھ کر تو جو دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ قبول کرے گا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَآءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! بے شک آپ مالک اور قدرت والے ہیں، آپ جو بھی چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ان جملوں کے بعد میں نے جو دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔

اسی طرح تکلیف سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا واسطہ دے کر پناہ مانگنا بے حد مفید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ کلمات آئے ہیں:

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ."[3]

تَرْجَمَۃ: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔"

فوائد ونصائح

1. بندے کو چاہئے وہ یہ عقیدہ رکھے کہ پوری کائنات کا نظام "اَلْقَادِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے قبضۂ قدرت میں ہے۔
2. کوئی بھی کام حتیٰ کہ درخت کا ایک پتہ بھی "اَلْقَادِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کے بغیر نہیں ہل سکتا۔
3. بندہ اپنی زندگی میں آنے والی تمام خوشیوں اور پریشانیوں کو اسی ذات کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی پر شکر اور پریشانی پر صبر کرے اور یقین رکھے کہ ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب "اَلْقَادِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ"

[1] تهذيب التهذيب: ٦/٢٨٦. بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۸

[2] روح المعاني: ١٤/٩٦، القمر: ٥٥

[3] مسلم، السّلام، باب استحباب وضع يده ......، رقم: ٢٢٠٢

کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جس طرح ایک انسان کی مٹھی میں کوئی چیز مکمل اس کی دسترس میں ہوتی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى﴾[1] اسی طرح سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، جو بھی حالات آتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔

۴ "وَمَنْ عَلِمَ أَنَّ مَوْلَاهُ قَدِيْرٌ عَلٰى مَا يُرِيْدُ يَقْطَعُ رَجَاءَهُ عَنِ الْأَغْيَارِ."

تَرْجَمَۃ: "اور جو اس بات پر یقین رکھے گا کہ اس کا مولیٰ قدیر ہے (یعنی اتنا طاقت ور ہے) کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرمالے تو وہ اس پر قادر ہے تو اس کی اُمیدیں اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہٹ جائیں گی۔"

---

[1] النحل: ٦٠

المُقَدِّمُ جلّ جلالہٗ المُؤَخِّرُ جلّ جلالہٗ

(آگے بڑھانے والا) (پیچھے ہٹانے والا)

ان اسماء کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "اَلْمُقَدِّمُ" اَلْمُنَزِّلُ لِلْأَشْيَآءِ مَنَازِلَهَا، يُقَدِّمُ مَاشَآءَ مِنْهَا، وَيُؤَخِّرُ مَاشَآءَ، قَدَّمَ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ. وَقَدَّمَ مَنْ أَحَبَّ مِنْ أَوْلِيَآئِهٖ عَلٰى غَيْرِهِمْ مِنْ عَبِيْدِهٖ.[1]

ترجمہ: "المقدم جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام اشیاء کو اپنے مراتب و منازل پر اتارنے والا ہے۔ ان میں سے جسے چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے مؤخر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے تقدیر کو مقدم کیا اور مقدم کیا جسے چاہا اپنے برگزیدہ بندوں میں سے دوسرے بندوں پر۔"

۲ "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہیں اپنی رحمت کی طرف اور توفیق کی طرف مقدم کرتے ہیں اور جسے چاہیں اپنی رحمت و توفیق سے مؤخر کرتے ہیں معصیت کی وجہ سے۔"[2]

۳ قَالَ الْحَلِيْمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُهٗ هُوَ الْمُعْطِيْ لِعَوَالِي الرُّتَبِ: وَالْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُهٗ هُوَ الدَّافِعُ عَنْ عَوَالِي الرُّتَبِ. فَقَرَّبَ أَنْبِيَآءَهٗ بِتَقْرِيْبِهٖ وَهِدَايَتِهٖ وَأَخْزٰى أَعْدَاءَهٗ بِإِبْعَادِهٖ.[3]

ترجمہ: "المقدم جل جلالہ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے وہ اونچے مراتب عطا فرماتے ہیں "المؤخر جل جلالہ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اونچے اور اعلیٰ مراتب سے روکتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قریب کیا ہدایت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ذلیل کیا اپنی رحمت و ہدایت سے دور کر کے۔

---

[1] النہج الأسمیٰ: ۳/۵۵

[2] قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يُقَدِّمُ مَنْ شَآءَ مِنْ خَلْقِهٖ إِلٰى رَحْمَتِهٖ بِتَوْفِيْقِهٖ وَيُؤَخِّرُ مَنْ يَّشَآءُ عَنْ ذٰلِكَ لِخِذْلَانِهٖ. (النہج الاسمیٰ: ۳/۵۶)

[3] النہج الأسمیٰ: ۳/۵۹

صحیح مسلم میں یہ دو نام دعا کے ذیل میں آئے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ."[1]

ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما اُن گناہوں کی جو میں پہلے کر چکا ہوں، اور جن کو میں نے مؤخر کیا، اور جن کو میں نے اعلانیہ کیا اور جن کو میں نے چھپ کر کیا، اور جو میں نے زیادتیاں کی ہیں، اور وہ گناہ جن کو صرف آپ میرے بارے میں جانتے ہیں (کہ میں نے کئے ہیں) معاف فرما۔ بے شک آپ ہی مقدم ہیں اور آپ ہی مؤخر ہیں کوئی معبود نہیں آپ کے سوا۔"

تقدیم و تاخیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں جو کہ تابع ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت اور حکمت کے، اور یہ دونوں صفاتِ ذاتیہ میں سے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہیں قریب کریں اور جسے چاہیں دور کریں، پس اللہ تعالیٰ نے جس کو مقدم کیا اور حق کے قریب کر دیا تو اُس شخص نے اعلیٰ مراتب حاصل کر لئے اور جسے حق سے دور کر دیا، پس اُسے لوٹا دیا پستی کی طرف۔

کبھی کبھی تقدیم و تاخیر سے مراد بعض موجودات کی بعض دیگر موجودات پر تقدیم و تاخیر تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے ہے اور کبھی ان صفات سے مراد بعض موجودات کی دیگر بعض موجودات پر رُتبہ اور شرف کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے کبھی کوئی چیز تخلیق اور شرف ہر دونوں اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اور کبھی کوئی چیز تخلیق کے اعتبار سے تو مقدم ہوتی ہے، لیکن شرف کے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے، اور کبھی تخلیق کے اعتبار سے مؤخر لیکن شرف، عظمت اور مرتبے کی وجہ سے مقدم ہوتی ہے جیسے کہ آں حضرت ﷺ تمام انبیاء سے آخر میں آئے لیکن مرتبے میں سب سے اونچے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے کئی موجودات کے بعد پیدا فرمایا اور ان میں سے کئی پر فضیلت بخشی اور ابلیس (شیطان) کو کئی موجودات سے پہلے پیدا کیا اور ان تمام سے بدتر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: "وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جوابدہ ہیں۔"

"المقدم المؤخر جل جلالہ" کی شانِ تقدیم و تاخیر

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں مقدم کر کے رحمت کے قریب کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں مؤخر کر کے

[1] مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبيّ ودعائه بالليل، رقم: ۱۷۸۸
[2] الانبیاء: ۲۳

رحمت سے دور کر دیتے ہیں، اُس کی تقدیم وتاخیر کی شان ہی نرالی ہے۔ پوری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اُس کے "اَلْمُقَدِّمُ" اور "اَلْمُؤَخِّرُ" ہونے پر واضح ثبوت ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے رسالے میں ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کرتے ہیں جو "اَلْمُقَدِّمُ" "اَلْمُؤَخِّرُ" کی شان بے نیازی کا ایک بہترین عملی نمونہ ہے۔ لیل ونہار کا انقلاب، دنیا کا عروج وزوال، قوموں کی ترقی وتنزلی، سلف وخلف کے واقعات ایک چشم بصیرت کے لئے ہزاروں عبرتیں اپنے دامن میں رکھتے ہیں اور بآواز بلند کہہ رہے ہیں ؎

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

الغرض تمام تاریخ عالم انہی عبرتوں کا آئینہ ہے جس کا ایک ورق ناظرین کرام کے سامنے کھولا جاتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ؎

ہر تغیر سے صدا آتی ہے فَافْهَمْ فَافْهَمْ انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو

وَاقِعَہ نَمْبَر ۴۶: ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی "حیوٰۃ الحیوان" مطبوعہ مصر سے نقل کیا جاتا ہے۔

سنِ ہجری کی دوسری صدی ختم ہونے کو ہے۔ آفتابِ نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت، دیانت اور دین وتقویٰ کا عنصر غالب ہے، اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کا فروغ ہونے والا ہے۔ کچھ برسرپیکار ہیں اور کچھ تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماءِ دین وصلحاءِ متقین سے آباد نظر آتا ہے۔ خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء وصلحاء کی مجلسیں، درس وتدریس کے حلقے، ذکر وتلاوت کی دل کش آوازیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دل جمعی کا ایک سامان ہے۔ فقہاء ومحدثین اور عباد وزُہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ "ابوعبداللہ اندلسی" کے نام سے مشہور ہیں، جو اکثر اہلِ عراق کے پیر ومرشد اور استاذ ومحدث ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا ہے:

یہ بزرگ علاوہ زاہد وعابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث وتفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہو لئے۔ جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی بھی ہیں۔ حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت امن وامان اور آرام واطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا

کہ ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی۔ ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے راہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں سے ہر شخص

ع ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلۂ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنویں پر پہنچے۔ جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی۔ جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہم جولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشارِ طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہم جولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں: "اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔"

شیخ: "پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے، کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔"

لڑکیاں: "کیوں نہیں! مگر اس کا باپ ایک نہایت عقل مند اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاعِ حشم و خدم پر مغرور ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے ہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔[1]

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس طرح گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے، لیکن سخت ضیق (تنگی) میں ہیں کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔"

حضرت شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا:

"اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کی مسلسل خاموشی سے متعجب اور پریشان ہیں کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے؟"

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو

---

[1] سردار کا لڑکی کو باہر نکالنا اور کنویں پر بھیجنا اگرچہ بے شبہ مذموم و ناروا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کا لڑکی کے اخلاق اور خاوند کی اطاعت کا خیال ضرور قابل داد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس سے عبرت حاصل کریں اور میکہ کی بود و باش میں لڑکیوں کے اخلاق خراب نہ ہونے دیں اور ان کو سسرال کے آداب اور خاوند کی اطاعت کا سبق دیں۔۱۲

دیکھا ہے، اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں ؎

برنخیزم زسر کوئے تو تا جاں دارم در رسد کار بجاں از سر جاں برخیزم

حضرت شبلی رحمہ اللہ: ''اے ہمارے سردار! آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہوچکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔

شیخ: میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہوچکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کرلیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا: ''اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہوچکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔''

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے، لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا، ہم نے سارا واقعہ بیان کیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا، شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اُسی وقت عالم آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر بارگاہ الٰہی میں دُعائیں کرنے لگے: اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت عطا فرما اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہوگئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں، کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا:

گاؤں والے: ''وہ جنگل میں خنزیر (سور) چرا رہا ہے۔''

ہم: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ یہ کیا ہوا؟''

گاؤں والے: ''اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر قبول کرلیا اور وہ جنگل میں سُور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔''

ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا بمشکل دل تھام کر اُس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور گلے میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبے کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم

نے قریب پہنچ کر: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا۔

شیخ: "(کسی قدر دبی زبان سے کہا:) وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ۔"

شبلی رحمہ اللہ: "اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟"

شیخ: "میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولا نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو! اللہ بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا: اے میرے مولا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازے سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا (مدد طلب کرنا) اور رونا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے) "اَلسَّعِيْدُ مَنْ وَعَظَ بِغَيْرِهٖ" یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔"

شبلی رحمہ اللہ: "(رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔"

خنزیر اُن کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ اِدھر شیخ حسرت کے عالم میں زار وقطار رو رہے تھے۔

شبلی رحمہ اللہ: "شیخ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟"

شیخ: "اے عزیز! مجھے تمام قرآن میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔"

شبلی رحمہ اللہ: "وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟"

شیخ: ایک تو یہ ہے:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ﴾[1]

تَرجَمَہ: "اور جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ﴾[2]

[1] الحج: ۱۸ [2] البقرۃ: ۱۰۸

تَرْجَمَہ: ”جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا۔“
شبلی رحمہ اللہ: ”اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے زبانی یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟“
شیخ: ”صرف ایک حدیث یاد ہے
”مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ.“
تَرْجَمَہ: ”جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو۔“
شبلی رحمہ اللہ: ”ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت ویاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا...... ابھی تین منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باآواز بلند شہادتین: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت، حسرت ویاس کا اندازہ ہو۔“
شیخ: (قریب پہنچ کر) ”مجھے ایک پاک کپڑا دو۔“
اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔
تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔
ہم: ”اس خدائے قدیر وعلیم کا ہزار ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا۔ اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرما دیا۔ مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟“
شیخ: ”میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے۔ میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی: ”خداوندا! مجھے اس جنجال سے نجات دے، میں تیرا خطا کار بندہ ہوں۔“ اس سمیع الدعاء نے باایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔“
ہم: ”شیخ! کیا آپ کے اس ابتلا (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟“
شیخ: ”ہاں جب ہم گاؤں میں اُترے بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن وموحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل واحمق ہیں کہ بے حس وبے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی: ”یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بل کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں“ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی چیز میرے قلب سے نکل کر اُڑ گئی ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔“
حضرت شبلی رحمہ اللہ: اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت

اور ان کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہِ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کیے۔

شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے اور پھر وہی حدیث و تفسیر وعظ و تذکیر تعلیم و تربیت کا دور شروع ہو گیا۔ خداوندِ عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرما دیا، اب نسبتاً پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے، تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں: "آپ کون ہیں......؟ کہاں سے آئے ہیں......؟ اور کیا مقصود ہے......؟"

آنے والا: "اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) ملے تھے آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔"

سچ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے۔

ع چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت

میں شیخ کے پاس گیا، واقعہ بیان کیا، شیخ سنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے، اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار و قطار رو رہی ہے۔ شدت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتی کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: "(لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟"

لڑکی: "اے میرے سردار! جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی۔ میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی، اس کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی، میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی۔ اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی۔ اسی غنودگی میں، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مؤمنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔"

میں: "(اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے میں نے کہا) شیخ کا دین کیا ہے؟"

شخص: "اس کا دین اسلام ہے۔"

میں: "اسلام کیا چیز ہے؟"

شخص: "اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے برحق

رسول و پیغمبر ہیں۔"

میں: "تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟"

شخص: "ذرا آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔"

میں: "بہت اچھا" یہ کہا اور کھڑی ہوگئی۔ اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔

شخص: "(میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر) لو بس آنکھیں کھول دو۔" میں نے آنکھیں کھولیں اپنے آپ کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اس شخص نے آپ کے حجرے کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ۔ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا، کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد و عبادت میں اپنی اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالکِ بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اسی میں مریض ہوگئی۔ اور مرض اتنا بڑھا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اور اب مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے، کیوں کہ جس وقت یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ شیخ کی زیارت کر سکی، جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس وقت۔

ع تا زیر لب آرند و چشیدن نگذ ارند

کا مصداق بنا ہوا ہے۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں ؎

یار را گر سر پر سیدن بیمار غمست   گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے، جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں، آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبانِ بے زبانی یہ کہہ رہی ہے: ؎

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر   سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑائی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔"

شیخ: ”(شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی عن قریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔“

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہوکر خاموش ہوگئی اور اب یہ خاموشی لمبی ہوئی کہ یہ مہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس کی وفات پر آب دیدہ ہیں۔ مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔

حضرت شبلی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا بیان ہے: چند روز کے بعد ہی شیخ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے۔ جن میں پہلی عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں اَبدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ [1]

یہ پورا واقعہ ”المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جل جلالہ“ کی شانِ تقدیم وتاخیر پر ایک بین (واضح) ثبوت ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہدایت ہی کی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقرب بندوں میں سے بنادیں۔ [2]

فوائد ونصائح

1. بندے کو چاہئے کہ جو نیکی کی توفیق ملے اس کو محض ”المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جل جلالہ“ کا احسان سمجھے۔
2. قربِ الٰہی اور گناہوں سے دوری حاصل کرنے کے لئے اُسی ”المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جل جلالہ“ کے در پر ہاتھ پھیلائے۔
3. کبھی اپنے علم وعمل پر غرور نہ کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے۔
4. یہ نہ سوچے کہ فلاں کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا، یا فلاں نے شکایت لگادی تو میری ترقی رُک گئی، یا فلاں نے میری سفارش کردی تو میری ترقی ہوگئی۔ یہ سب ظاہری چیزیں ہیں دل میں پختہ یقین رکھے کہ ”المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ جل جلالہ“ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس کو وہ ترقی دے اس کو کوئی پیچھے نہیں رکھ سکتا اور جس کو وہ پیچھے کردے اس کو کوئی آگے نہیں کر سکتا، اس لئے اگر نیچے درجہ سے اوپر کا درجہ ملا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور عافیت مانگتا رہے اور اگر اوپر سے نیچے کا درجہ ملا تو استغفار اور توبہ کرکے الحکیم جل جلالہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔ دل میں مخلوق کی طرف سے میل نہ لائے، مخلوق کی غیبتیں نہ کرے، حسد اور انتقام کی آگ نہ بھڑکائے، بل کہ یہ سوچے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، اسی کا نام مقدم ہے اور مؤخر۔

---

[1] الجمعة: ٤ [2] آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ: ٥/١٦٣ تا ١٦٤

الأوّلُ جلّ جلالہ الآخِرُ جلّ جلالہ

(سب سے پہلے) (سب کے بعد)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْأَوَّلُ" هُوَ مُتَقَدِّمٌ لِلْحَوَادِثِ بِأَوْقَاتٍ لَا نِهَايَةَ لَهَا، فَالْأَشْيَاءُ كُلُّهَا وُجِدَتْ بَعْدَهُ، وَقَدْ سَبَقَهَا كُلَّهَا، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي دُعَائِهِ: "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ."[1]

"اللہ ربُّ العزت عالم میں رونما ہونے والی اور وجود پانے والی ہر ہر چیز سے پہلے ہی موجود ہیں (اور اللہ ربُّ العزت کا ان تمام واقعات وحوادثات پر مقدم ہونا باعتبارِ زمانہ ووقت ایسا ہے کہ جس کی تحدید وانتہاء کوئی نہیں)۔

پس تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد وجود میں آئیں، جب کہ وہ ذات سب چیزوں سے سبقت لے گئی، تمام کی تمام اشیاء اللہ ربُّ العزت کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی ہیں۔

نبی ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

"أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ"

تَرجَمہ: اے اللہ! آپ ہی سب سے پہلے ہیں آپ سے پہلے کوئی بھی چیز نہیں تھی اور سب کے بعد بھی آپ ہی ہوں گے آپ کے بعد کوئی نہیں ہوگا۔"

❷ "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں "الأوّلُ جلّ جلالہ" وہ ذات ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور "الآخِرُ جلّ جلالہ" وہ ذات ہے جس کے بعد کوئی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "پہلے" اور "بعد" انتہاء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے "پہلے ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی ابتدا کی جانب سے ایک حد، اور "بعد میں ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی انتہا کی جانب سے ایک حد، پس جب اللہ ربّ العزت کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا، پس وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے۔"[2]

[1] تفسير الأسماء: ٥٩، ٦٠، بحواله النهج الاسمیٰ: ١٣٥/٢

[2] "الأوّلُ" الَّذِيْ لَا قَبْلَ لَهُ، وَالْآخِرُ هُوَ الَّذِيْ لَا بَعْدَ لَهُ، (وَهٰذَا لِأَنَّ) "قَبْلُ وَبَعْدُ" نِهَايَتَانِ، فَقَبْلُ نِهَايَةُ الْمَوْجُوْدِ مِنْ قِبَلِ =

"پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کے وجود سے اوّل ہیں۔ وہ اس وقت سے ہیں جب کہ کوئی چیز بھی نہ آئی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جب کہ کچھ بھی نہ تھا اور ان کا عرش پانی پر تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔" [1]

❸ "اَلْاٰخِرُ" هُوَ الْمُتَأَخِّرُ عَنِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا وَيَبْقٰى بَعْدَهَا.[2]

امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الآخِر جل جلالہٗ" ہر چیز کے لئے سرچشمۂ قوت اللہ رب العزت کی ذات ہے تمام اشیاء ختم ہو جائیں گی لیکن ان کے بعد اللہ رب العزت کا وجود ہمیشہ رہے گا۔

❹ "اَلْاٰخِرُ" هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاٰخِرِ مَا لَهُ الْإِنْتِهَاءُ كَمَا لَيْسَ مَعْنَى الْأَوَّلِ مَا لَهُ الْإِبْتِدَاءُ فَهُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَلَيْسَ لِكَوْنِهٖ أَوَّلٌ وَلَا اٰخِرٌ"[3]

تَرْجَمَۃ: "امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الآخِر جل جلالہٗ" وہ ذات ہے جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گی" "الآخِر" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی انتہا و اختتام مقرر ہو، جیسا کہ "الاوّل" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی کوئی ابتداء ہوئی ہو، پس معلوم ہوا کہ جب کوئی نہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا، کچھ نہ رہے گا اس وقت اور اس کے بعد بھی اللہ جل جلالہٗ موجود رہے گا۔"

"الاوّل جل جلالہٗ" یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اول ہے۔

اور "الآخِر جل جلالہٗ" کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا۔

قرآن کریم کی سورۂ حدید میں ان چاروں صفات کو ایک ہی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شئون و

ابتدائه، وَبَعْدُ غَايَتُهُ مِنْ قِبَلِ انْتِهَائِهِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ ابْتِدَاءٌ وَلَا انْتِهَاءٌ لَمْ يَكُنْ لِلْمَوْجُوْدِ قَبْلُ وَلَا بَعْدُ، فَكَانَ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ" (النهج الاسمٰى: ۲/۱۳۵)

[1] فَاللّٰهُ تعالى هُوَ الْأَوَّلُ الَّذِيْ لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْمَوْجُوْدَاتِ، فَهُوَ الْمُتَقَدِّمُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ، كَمَا جَاءَ ذٰلِكَ فِيْ حَدِيْثِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ، وَخَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ." (بخاری، كتاب بدء الخلق: ۱/۴۵۳)

[2] النهج الأسمٰى: ۲/۱۳۹ [3] النهج الأسمٰى: ۲/۱۳۹

صفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے۔خوب غور سے ان آیات کی تلاوت کیجئے اور ان کا ترجمہ دھیان سے ہدایت کی نیت سے پڑھیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفتِ کاملہ نصیب فرمائے، یہ آیت بڑی اہم آیت ہے۔

حضور ﷺ رات کو سونے سے پہلے تسبیحات (جن سورتوں کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ آیا ہے) پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: ”اِنَّ فِیْهِنَّ اٰیَةً اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ اٰیَةٍ“

تَرْجَمَہ: ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔[1]

اس اسمِ مبارک کے ذریعے ادائیگیٔ قرض کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اپنے بستروں پر (آرام کی غرض) سے جائیں تو یہ دعا پڑھیں:

”اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ ..... فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَمُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ ..... اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهٖ ..... اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ ..... وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ ..... اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ.“[2]

تَرْجَمَہ: ”یا اللہ! آسمانوں کے ربّ، زمینوں کے رب اور عرش کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے (درخت اگانے والے)، تورات اور انجیل اور قرآن شریف کے اتارنے والے، میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جو تیرے قبضہ میں ہے۔ اے اللہ! تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا اور آخر میں تو ہی رہے گا کہ تیرے بعد کوئی نہ رہے گا۔ تیرا نام ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں اور تیرا نام ”باطن“ ہے تیرے نیچے کچھ نہیں، تو ہمارا قرض ادا فرمادے اور محتاجی سے ہم کو بے پرواہ کردے۔“

اس دعا میں یہ چاروں صفات مذکور ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ یہ دعا یاد کرلے اور رات کو لیٹتے ہوئے بھی مانگے اور رات آنکھ کھلے اس وقت بھی مانگے، جس پر قرض ہو یا روزی کی تنگی میں مبتلا ہو تو اس کے لئے یہ دعا ان شاء اللہ تعالیٰ نسخۂ اکسیر ثابت ہوگی۔

[1] وَالْاٰیَةُ الْمُشَارُ اِلَیْهَا فِی الْحَدِیْثِ هِیَ وَاللہُ اَعْلَمُ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (الحدید:۳)(تفسیر ابن کثیر:۳/۴۴۲، فضائل سورۃ الحدید وفی "سنن ابی داود"، الأدب باب مایقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۷)

[2] ترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۱۸۶

فوائد ونصائح

۱ بندے کو چاہئے کہ سوتے وقت مذکورہ بالا دعا مانگ کر سوئے۔

۲ اور اس بات کا یقین کرلے کہ باقی ہر چیز فانی ہے۔ جیسے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ تھا، ختم ہونے کے بعد بھی کچھ نہ ہوگا، کیوں کہ اوّل اور آخر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مخلوق میں کوئی بھی نہ اوّل ہوسکتا ہے نہ آخر۔

۳ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اکیلے پیدا کیا، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی تمام عبادات ومعاملات کو الاوّل، الآخر جل جلالہٗ کے سپرد کریں۔ پھر جاکر صحیح طریقے سے توحید پر چلنے والے بنیں گے۔

الظَّاهِرُ جَلَّ جَلَالُهُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ظاہر) (اپنی ذات میں پوشیدہ)

"الظاہر" کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "ظاہر وہ ہے جو باطن کے خلاف ہو، جب کہ اللہ رب العزت ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں، باطن اس لئے ہیں کہ اللہ رب العزت کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ دوسری اشیاء مخلوقہ کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کی ذات کا مشاہدہ ان فانی و حادث آنکھوں سے کیا جائے۔"

اللہ رب العزت ظاہر ہیں، یعنی اللہ رب العزت کی ذات ان صاف دلائل کی وجہ سے ظاہر ہے جو دلائل اللہ رب العزت کی ذات کی نشاندہی کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احوال اس کی معرفت اور ذات سے آگاہی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عقل و دلائل سے جانا جاتا ہے اور باطن ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ رب العزت کو دوسری دنیوی اشیاء کی طرح دیکھا نہیں جا سکتا، اس بات سے اللہ رب العزت کی شان بہت بلند ہے۔[1]

❷ "هُوَ (الظَّاهِرُ) بِحُجَجِهِ الْبَاهِرَةِ، وَبَرَاهِينِهِ النَّيِّرَةِ، وَبِشَوَاهِدِ أَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلٰى ثُبُوْتِ رُبُوْبِيَّتِهِ، وَصِحَّةِ وَحْدَانِيَّتِهِ"[2]

ترجمہ: "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کی ذات ظاہر ہے اپنے زبردست اور دوٹوک دلائل کی وجہ سے، اور اس کی ذات پر جو دلائل قائم ہیں وہ انتہائی واضح اور روشن ہیں اور ایسے بہت سے شواہد اور نشانیاں ہیں جو اللہ رب العزت کی ربوبیت کو ثابت کرتی ہیں اور اس کی یکتائی کو بتلاتی ہیں۔"

[1] "(الظَّاهِرُ) خِلَافُ الْبَاطِنِ، فَاللّٰهُ ظَاهِرٌ وَبَاطِنٌ، هُوَ بَاطِنٌ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَمَا تُشَاهَدُ الْأَشْيَاءُ الْمَخْلُوْقَةُ، عَزَّ عَنْ ذٰلِكَ وَعَلَا، وَهُوَ ظَاهِرٌ بِالدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ وَأَفْعَالِهِ الْمُؤَدِّيَةِ إِلَى الْعِلْمِ بِهِ وَمَعْرِفَتِهِ، فَهُوَ ظَاهِرٌ مُدْرَكٌ بِالْعُقُوْلِ وَالدَّلَائِلِ، وَبَاطِنٌ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَسَائِرِ الْأَشْيَاءِ الْمُشَاهَدَةِ فِي الدُّنْيَا عَزَّوَجَلَّ عَنْ ذٰلِكَ وَتَعَالٰى عُلُوًّا كَبِيْرًا." (النهج الأسمى: ۲/۱۴۲)

[2] النهج الأسمى: ۲/۱۴۳

۳ "وَقَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اَلظَّاهِرُ) وَمَعْنَاهُ: اَلْبَادِيْ بِأَفْعَالِهِ، وَهُوَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، فَلَا يُمْكِنُ مَعَهَا أَنْ يُجْحَدَ وُجُوْدُهُ وَيُنْكَرَ ثُبُوْتُهُ." [۱]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں "الظَّاهِرُ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے افعال کی وجہ سے ظاہر ہے، اس اسم مبارک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس طور پر تعریف کی جاتی ہے کہ اس صفت "الظَّاهِرُ" کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی کوئی امکانی صورت باقی نہیں رہتی کیوں کہ اسی کی قدرتِ کاملہ سارے عالم میں کارفرما ہے، ہر ہر چیز اس کے وجود پر کھلی دلیل ہے، ہر چیز جو اپنی ذات میں ظاہر ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا مظہر ہے۔"

"اَلْبَاطِنُ" کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو مخلوق کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے، اور اس کی کیفیت کے بارے میں وہم بھی نہیں کیا جا سکتا، "اَلْبَاطِنُ" کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ ذات دیکھنے والوں کی آنکھوں سے پردے میں ہے، اور سوچ و فکر کرنے والوں کی بصیرت میں جلوہ گر ہے، ایک معنی "اَلْبَاطِنُ" کا یہ بھی کیا جاتا ہے کہ "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" تمام ظاہری امور کا جاننے والا ہے، اسی طرح تمام پس پردہ ہونے والے امور اور غیبی احوال سے بھی واقف ہے۔" [۲]

۲ "(اَلْبَاطِنُ) وَهُوَ الَّذِيْ لَا يُحَسُّ، وَ إِنَّمَا يُدْرَكُ بِأٰثَارِهِ وَأَفْعَالِهِ" [۳]

تَرْجَمَہ: "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جسے محسوس نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے وجود کا ادراک اس کے افعال اور اس کی نشانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔"

اس اسم میں ایمان کے آثار یہ ہیں:

"اللہ وتبارک وتعالیٰ کا معاملہ غیب میں ہے، وہ مخلوق سے حجاب میں ہیں، دنیا میں تو انہیں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، ہم اس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی نہیں جان سکتے سوائے اس کے کہ وہ اپنے علم سے ہمیں کچھ عطا کرنا چاہیں، جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان فرمایا، یا جو رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے، اللہ رَبّ العزت اس سب کے باوجود بھی اپنی مخلوق کے لئے ظاہر ہیں، اپنے افعال کی وجہ سے اور ان نشانیوں اور آیات کی وجہ سے جو پڑھی جاتی

[۱] المنهاج: ۱/۱۸۵، بحواله النهج الاسمٰى: ۲/۱۴۳

[۲] "قال الخطّابيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اَلْبَاطِنُ) هُوَ الْمُحْتَجِبُ عَنْ أَبْصَارِ الْخَلْقِ، وَهُوَ الَّذِيْ لَا يَسْتَوْلِيْ عَلَيْهِ تَوَهُّمُ الْكَيْفِيَّةِ، وَقَدْ يَكُوْنُ مَعْنَى الظُّهُوْرِ وَالْبُطُوْنِ اِحْتِجَابُهُ عَنْ أَبْصَارِ النَّاظِرِيْنَ، وَتَجَلِّيْهِ لِبَصَائِرِ الْمُتَفَكِّرِيْنَ. وَيَكُوْنُ مَعْنَاهُ: اَلْعَالِمُ بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْأُمُوْرِ، وَالْمُطَّلِعُ عَلٰى مَا بَطَنَ مِنَ الْغُيُوْبِ." (شان الدعا: ۸۸، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۱۵۴)

[۳] المنهاج: ۱/۱۹۶، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۱۵۴

ہیں یا پھر دیکھی جاتی ہیں، جو شخص آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب میں غور وفکر اور سوچ بچار کرتا ہے تو اسے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ ان سب چیزوں کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نظام چلانے والا ہے۔''

سورۂ آل عمران میں اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

''بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں، اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں، ان لوگوں کے لئے بڑے بڑے دلائل ہیں، جو اہلِ عقل و دانش ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کیا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان چیزوں کو عبث اور بے کار نہیں بنایا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لے۔'' [۱]

قرآنِ کریم میں یہ اسمائے مبارکہ ایک مرتبہ مذکور ہوئے ہیں۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [۲]

سورۂ حدید کی آیت ۱ تا ۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحبِ حکمت ہے، اسی کی بادشاہت اور فرماں روائی ہے، آسمانوں میں اور زمین میں، وہی (جسے چاہتا ہے) جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت و حیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کہ اس کے سوا کوئی موجود نہ تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے، وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمولی عقل والا اس کو جانتا ہے اور اس کی خدائی کا یقین رکھتا ہے، اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، وہی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے، اور جو اس میں سے نکلتا ہے، وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور

[۱] اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَعْظَمُ الْغَيْبِ، مُحْتَجِبٌ عَنِ الْخَلْقِ، لَا يَرَاهُ أَحَدٌ فِي الدُّنْيَا، وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ فِي الْآخِرَةِ وَلَا نُحِيطُ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ لَنَا أَنْ نَعْلَمَهُ عَنْهُ، مِمَّا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ، أَوْ مَا وَصَفَهُ بِهِ رَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَهُوَ سُبْحَانَهُ مَعَ ذٰلِكَ ظَاهِرٌ لِخَلْقِهِ بِأَفْعَالِهِ وَآيَاتِهِ الْمَتْلُوَّةِ وَالْعِيَانِيَةِ، فَمَنْ تَأَمَّلَ وَتَفَكَّرَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهَا، عَلِمَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ أَنَّ لَهُ خَالِقًا مُدَبِّرًا ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ (آل عمرٰن: ۱۹۰، ۱۹۱، النهج الأسمٰى: ۲/۱۵٤، ۱۵۵)

[۲] الحديد: ۳

جو کچھ اُس کی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کو خوب دیکھتا ہے۔"

یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت اور کیفیت کو وہ جانتا ہے جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش یا خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں...... رات ہو یا دن...... گھروں میں ہو یا صحراؤں میں...... ہر جگہ ہر وقت...... وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا ہے اور سنتا ہے۔[1]

شیخ عبدالصمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جس طرح ہم مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے اسی طرح ہم ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جو بہت ہی زیادہ روشن ہوں اور ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیں، چوں کہ سورج بہت زیادہ روشن ہے اور اجلی بدیہیات سے ہے، لہٰذا ہماری مادی اور عقلی بصارت و بصیرت اس کی روشنی سے چکا چوند ہو جاتی ہے اور بعض ضعیف البصر (کمزور بینائی والے) باوجود اس کے ظاہر ہونے کے اسے نہیں دیکھ سکتے۔

وہ رازق ہے اور اس کی رزّاقیت ظاہر ہے...... وہ خالق ہے اور اس کی خالقیت واضح ہے...... وہ رحمان و رحیم ہے اور اس کی صفتِ رحمت ظاہر ہے...... وہ قدیر ہے اور اس کی قدرت نمایاں ہے...... وہ مالک ہے اس کی ملکیت سب پر ظاہر ہے...... وہ علیم ہے اور اس کا علم سب کو معلوم ہے...... وہ لطیف ہے اور اس کی لطافت کو ہر شخص پہچان سکتا ہے...... وہ جبار و قہار ہے اور اس کا جبر و قہر خوب عیاں ہے...... وہ بدیع ہے اور اس کا ابداع و ندرت آشکارا ہے...... وہ سمیع و بصیر ہے وہ "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" ہے اور اس کی فاعلیت و ارادت کے نظارے چشمِ بینا نے دیکھے ہیں...... وہ محی ہے اور اس کی اِحیاء کے کرشمے ہر آن بے شمار دنیا میں ہوتے رہتے ہیں...... وہ ممیت ہے اور اس کی اِماتت سے انکار کی گنجائش نہیں...... وہ مُحْصِی شمار کنندہ ہے اور اس کی شمار میں کبھی غلطی نہیں ہوتی، کبھی بھول نہیں ہوتی...... وہ عظیم ہے اور اس کی عظمت ثابت ہے...... وہ جلیل ہے اور اس کی جلالت و منزلت کامل واتم ہے...... وہ کریم ہے اور اس کی کرامت واضح ہے...... وہ عزیز ہے اور اس کا غلبہ ہر شے پر ہے...... وہ ربّ ہے اور اس کی ربوبیت کی گواہی ہر شے دے رہی ہے۔ الغرض کہاں تک شمار کرائیں وہ اپنے صفات سے ظاہر و باہر ہے۔[2]

---

[1] از حواشی تفسیر مولانا محمد جونا گڑھی: ۱۵۳۲

[2] شرح اسماء الحسنٰی (الازهری): ۲۵۱

وساوسِ شیطانیہ سے ”الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ کی پناہ مانگئے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دینِ حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر اور اوّل و آخر، ظاہر و باطن کے معنی میں حضرات مفسرین کے دس سے زیادہ اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض (تضاد) نہیں، سب ہی کی گنجائش ہے، لفظِ اوّل کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اس لئے وہ سب سے اوّل ہے، اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فناء ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾[2] میں اس کی تصریح ہے اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا و عدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں، اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے برے انسان ہیں کہ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر باوجود حقیقتاً فنا نہ ہونے کے امکان و احتمال فناء سے پھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب سے آخر کہہ سکتے ہیں۔

اور امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: حق تعالیٰ کو ”آخر“ باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے، انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔[3]

اور ”الظَّاهِرُ“ سے مراد وہ ذات جو اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہو، اور ظہور چوں کہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود سب موجودات پر فائق اور مقدم ہے، لہٰذا اس کا ظہور بھی سب پر فائق اور مقدم ہے کہ اس سے زیادہ اس عالم میں کوئی چیز ظاہر نہیں کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرّہ میں نمایاں ہیں۔

اور ”الْبَاطِنُ“ اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔[4]

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے۔ یعنی انسان اپنی معرفت بدیہیہ سے اسے پا سکتا ہے اور ہر ایک موجود شے ہستی باری تعالیٰ پر

---

[1] تفسير ابن كثير: ٣/٤٤٣، الحديد: ٣
[2] القصص: ٨٨
[3] روح المعاني: ١٤/١٦٦، الحديد: ٣
[4] معارف القرآن: ٨/٢٩٢، الحديد: ٣

بہترین دلیل فطرتِ انسانی بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ باطن ہے: یعنی حقیقتِ عرفان کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: اپنی آیات سے اور باطن ہے اپنی ذات سے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور سب پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: ہدایت وجود اور شدت ظہور، بذریعہ دلالت مصنوع پر صانع اسی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور جملہ ممکنات کا افتقار واحتیاج اس کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور اس کی آیات، آفاقِ عالم میں روشن وتاباں ہیں۔

فوائد ونصائح

❶ بندے کو چاہئے کہ "الظَّاهِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی جتنی نعمتیں اس کے سامنے ظاہر ہوتی جائیں وہ اتنا ہی شکر اور بندگی کا اظہار کرنے میں اپنی زندگی کو گزارنے کی کوشش کرے۔

❷ اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو سنت کے مطابق بنائے۔

❸ "الظَّاهِرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی نعمتوں کا تذکرہ ہر وقت کرتا رہے۔

❹ یہ عقیدہ رکھے کہ "الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" تمام اشیاء کے باطن کو جانتے ہیں جس طرح ان کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز "الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہے۔ کوئی عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے پوشیدہ نہیں۔

❺ اپنے باطن میں ہر وقت "الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی یاد کو بسائے رکھے۔ اور اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا بنائے کہ اس کی یاد کے سوا کسی کی یاد نہ آئے، اس سے مانگے بغیر چین نہ آئے، اپنی ظاہری اور باطنی ضرورتوں کو صرف اسی سے مانگے، اللہ کے سوا کسی کے پاس کبھی بھی اپنی کوئی حاجت، ضرورت نہ لے کر جائے بزرگ یوں دعا مانگتے تھے:

"اے اللہ! ہر نعمت کو جمال آئینہ یار بنا دے" یعنی ہر نعمت میں اللہ نظر آئے، ہر نعمت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہو، ہر نعمت میں اس کا ظہور دل کی آنکھوں سے واضح نظر آئے۔

❻ دل میں آنے والے خیالات وسوچ کا علم اللہ تعالیٰ کو تو ہے، اس لئے کسی کے متعلق دل میں غلط خیال بھی نہ لائے۔

❼ جو اس نام سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جو نصیحت آپ ﷺ نے فرمائی اس پر عمل کرے:

"یَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ." [1]

ترجمہ: "اے میرے بیٹے! اگر تو اس طرح صبح شام کرسکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کوئی میل نہ ہو...... تو ضرور یہ کر۔"

لہٰذا ہم میں سے ہرایک کو چاہئے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے ذرہ برابر بھی کوئی بات دِل میں نہ رکھے، جب بھی کوئی خیال اس طرح کا آئے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا، تو فوراً اپنے آپ سے کہے کہ یہ ضرور شیطان نے خیال ڈالا ہے اور شیطان کے خیالات کی میں پروانہیں کرتا تو ان شاء اللہ کسی کی بھی برائی کبھی دل میں نہیں آئے گی۔

---

[1] ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء في الاخذ بالسنة، رقم: ۲٦٧٨

اَلْوَالِی جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہر چیز کا نگران و ذمہ دار)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

اَلْوَالِيْ: هُوَ الْمَالِكُ لِلْأَشْيَآءِ وَالْمُتَوَلِّيْ لَهَا.

تَرْجَمَہ: "اَلْوَالِی جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو تمام اشیاء کا مالک اور ان کا نگران ہے۔[1]

یہ اسم مبارک قرآن شریف میں صرف ایک جگہ آیا ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ مصیبت کا ارادہ فرماتے ہیں تو کوئی اس کو دور نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی والی (کارساز) نہیں ہوتا۔"

زمین و آسمان اور اس کے درمیان چلنے والا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور اس کی نگرانی اور حفاظت اُسی کے ذمہ ہے۔

وہ ایسا والی ہے کہ کوئی پتا بھی اُس کے حکم واشارے کے بغیر نہیں ہل سکتا، وہ ایسا ذمہ دار ہے کہ حساب و کتاب، سزا و جزا کا ذمہ اُسی کے سپرد ہے۔

ایسا والی ہے جو دن کو رات میں اور رات کو دن میں بدلتا ہے، اُس کے نظام میں کبھی بھی گڑبڑ نہیں ہوتی۔

جو شخص اس "اَلْوَالِی جَلَّ جَلَالُہٗ" پر بھروسہ کرے تو وہ ذات اُس کی تمام مجبوریاں اور پریشانیاں حل فرما دیتی ہے۔

جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا

وَاقِعَہ نمبر ۴۷: حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبد اللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید

[1] شان الدعاء: ۸۹　　[2] الرعد: ۱۱

ہو گئے، صاحب زادے نے جب قرضہ کا حساب کیا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرمادیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے، جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا، یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی:

"يَا بُنَيَّ إِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ"

"اے بیٹے! جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔" عبداللہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا: آپ کے مولیٰ کون؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ، چناں چہ حضرت عبداللہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے تمام قرضہ ادا کر دیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی وقت پیش آتی میں کہتا: "يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيَهُ."

اے زُبیر کے مولیٰ! زبیر کا فلاں قرضہ ادا کروا دیجیے، اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ قرض ادا کرنے کی صورت پیدا فرما دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سے کہا: میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔ کہنے لگے: جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ گیا، میں نے کہا: وہ تو تمہارے اُن کے ذمہ ہیں، کہنے لگے: میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا: میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے: جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا: اس کے بدلے میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن جعفر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا نے کہا: اچھا، میں نے ایک زمین ان کو دے دی، جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ اس میں نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا: اس زمین میں مصلیٰ بچھادے، اُس نے مصلیٰ بچھا دیا۔ دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا: اس جگہ کو کھودو۔ اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔[1]

"اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ہاں دیر تو ہوسکتی ہے لیکن اندھیر نہیں

وَاقِعَہ نمبر ۴۸: ایک آدمی کسی امیر کے پاس اپنی ضرورت کے سلسلے میں آیا، دیکھا کہ وہ امیر سجدہ میں پڑا اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے، کہنے لگا: "یہ خود دوسرے کا محتاج ہے، پھر میں اس کا محتاج کیوں بنوں؟

میں اپنی حاجت اس ذات کے سامنے کیوں پیش نہ کر دوں جہاں مصلحتاً دیر تو ہوسکتی ہے لیکن اندھیر نہیں۔"

امیر نے اس شخص کی یہ بات سن لی، اسے بلا کر دس ہزار کی خطیر رقم دی اور کہا: "یہ رقم تجھے اسی ذات نے دی ہے

[1] بخاری، الجهاد، بَابُ بَرَكَةِ الغَازِي فِي مَالِه حَيًّا وَمَيِّتًا: ۴۴۱/۱

جس سے میں سجدے کی حالت میں مانگ رہا تھا اور جس کی طرف تو نے رجوع کیا۔" [1]

"الوالی جل جلالہٗ" سے محبت کا انداز

واقعہ نمبر ۴۹: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، خدام نے ایک دن خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی، انہیں تعجب ہوا کہ آپ تو سخت علیل ہیں آخر تنہائی میں ایسی کون سی بات آپ نے دیکھی جس پر آپ کو ہنسی آ رہی ہے؟ کچھ دنوں بعد افاقہ ہوا، مزاج بھی ٹھیک تھا، خدام نے دریافت کیا: "حضرت فلاں دن کیا معاملہ پیش آیا تھا جس پر آپ بیماری کے باوجود ہنس رہے تھے؟" فرمایا: "اس وقت مرض میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی۔"

"اَللّٰہُ اَکْبَر!" بیماری اور لذت! ہمارے لئے یہ کیسی تعجب انگیز بات ہے، مگر جو محبت گزیدہ اور عشق چشیدہ لوگ ہیں ان کو واقعی زخموں میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے، ان کو کانٹوں کی چبھن میں پھولوں کی نزاکت کا مزہ آتا ہے۔

واقعہ نمبر ۵۰: دین پور کے حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی رحمہ اللہ تعالیٰ درد گردہ میں مبتلا تھے۔ یہ درد کبھی کبھی اس شدت سے اٹھتا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ! دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا، بیماری کا علاج کروانا اگرچہ توکل کے خلاف نہیں ہے، لیکن حافظ صاحب پر تفویض (اللہ کے سپرد کرنا) وتوکل اور راضی بہ رضا رہنے کا ایسا غلبہ تھا کہ جب بھی درد کا دورہ پڑتا حجرہ مبارک میں ٹھنڈی ریت ڈلوا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے اور گھنٹوں ریت پر لوٹ پوٹ ہوتے رہتے بل کہ یوں کہنا چاہئے کہ درد والم سے لطف اندوز ہوتے رہتے اور زبان پر یہ شعر جاری رہتا ؎

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ ... ایں وی سجن واہ واہ تے اوں وی سجن واہ واہ

یعنی محبوبِ حقیقی کی جانب سے لطف وکرم تو ہر دم رہتا ہے مگر اس کی جانب سے درد والم کبھی کبھار ہوتا ہے، مگر ہم ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور واہ واہ کہتے ہیں۔

بیماری اور تکلیف پر شکوہ کرنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ غم اور پریشانی کی وجہ سے دل میں عاجزی اور رقت (نرمی) پیدا ہوتی ہے، اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی، اسی لئے تو فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [2]

ترجمہ: "بے شک اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف وپریشانی۔ نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے "مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا

[1] الملقط فی حکایات الصالحین لابن الجوزی، الحکایۃ: ۵۰۷

[2] البقرۃ: ۱۵۳، (ندائے منبر ومحراب: ۱/۲۸۳)

شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لئے خیر ہیں۔[1]

صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر، اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکام الٰہیہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔

"اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے فیصلوں پر راضی رہنے کی دعا

"اَللّٰھُمَّ ارْضِنِیْ بِقَضَائِكَ...... وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ...... حَتّٰی لَا اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ...... وَلَا تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ......"[2]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرما دی ہے اُس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے، اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔"

امانت کا نگران

وَاقِعَہ نمبر (۵۱): حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں ایک شخص آیا، اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا، دونوں کے درمیان اس قدر مشابہت تھی کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حیران ہو گئے، فرمایا: "میں نے باپ بیٹے میں اس طرح کی مشابہت نہیں دیکھی" آنے والے شخص نے کہا: "امیر المؤمنین! میرے اس بیٹے کی پیدائش کا بڑا عجیب قصہ ہے، اس کی پیدائش سے پہلے جب میری بیوی امید سے تھی تو مجھے ایک جہادی معرکہ میں جانا پڑا بیوی بولی: "آپ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟" میں نے کہا:

"أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ مَافِيْ بَطْنِكِ" (آپ کے پیٹ میں جو کچھ ہے، میں اسے اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھ کر جا رہا ہوں) یہ کہہ کر میں جہادی مہم میں نکل پڑا، ایک عرصہ کے بعد واپس ہوا تو یہ دردناک خبر ملی کہ میری بیوی انتقال کر چکی ہے اور جنت البقیع میں دفن کی گئی ہے، میں اس کی قبر پر گیا، دعا کی اور آنسوؤں سے دل کا غم ہلکا کیا، رات کو مجھے اس کی قبر سے آگ کی روشنی بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی، میں نے رشتے داروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا:

"رات کو اس قبر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں..... "میری بیوی ایک پاک باز اور بڑی نیک

---

[1] مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب المومن امرہ کلہ خیر، رقم: ۲۹۹۹

[2] الحزب الاعظم: ۸۵ المنزل الرابع

خاتون تھی، میں اسی وقت اس کی قبر پر گیا تو وہاں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ قبر کھلی ہوئی ہے، میری بیوی اس میں بیٹھی ہے، بچہ اس کے پاس بل کھا رہا تھا، اور یہ آواز سنائی دے رہی ہے: ''اے اپنی امانت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والے! ...... اپنی امانت لے لے، اگر تم اس بچے کی ماں کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے جاتے تو واللہ! آج اسے بھی پاتے'' ...... میں نے قبر سے بچہ اٹھایا اور قبر اپنی اصلی حالت پر آگئی، امیر المؤمنین! یہ وہی بچہ ہے۔'' [1]

''اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے انتہائی رغبت و شوق سے دعا مانگیں

بعض لوگ دعائیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے نہیں۔ دعائیں پڑھنے میں اور دعائیں مانگنے میں فرق ہے۔ دعائیں پڑھنا تو یہ ہوا کہ انسان رٹی رٹائی دعائیں اس طرح پڑھے کہ خود کو بھی پتہ نہ چلے کہ کیا مانگ رہا ہوں، دعا مانگنے کے بعد یہ بھی یاد نہ ہو کہ کون کون سی دعائیں مانگی ہیں۔ البتہ دعا مانگنا یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قدر بھکاری اور محتاج ہو کر دعا مانگے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک سراپا سوال بن جائے۔

اگر کسی فقیر کو دیکھیں تو اس نے کپڑے پیوند لگے پہنے ہوتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ کر لوگوں کو ترس آئے۔ پھر وہ ہاتھ پھیلاتا ہے تو بھرائی ہوئی آواز نکالتا ہے۔ اس کے کپڑوں سے سوال ...... ہاتھوں سے سوال ...... آواز سے سوال ...... نگاہوں سے سوال ...... غرض ہر چیز سے سوال ٹپکتا ہے بل کہ وہ سراپا سوال بن جاتا ہے۔ پھر لوگ اس کو پیسے دیئے بغیر آگے نہیں جاتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس فقیر نے ایک روپے کا سوال کرنا ہو وہ ایسی لجاجت سے سوال کرے، تو جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگنا ہو اس کو کتنی عاجزی اور رغبت و شوق سے سوال کرنا چاہئے۔ ہر ہر زاویے سے سوالی بننا ہوگا ہر ہر لمحے اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی کرنی ہوگی کہ کہیں کوئی گناہ نہ ہو جائے کہ سوال رد ہو جائے۔

نظرِ بد دور کرنے کے لئے ''اَلْوَالِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' سے دُعا مانگیں

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر (۵۴): ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ اس وقت غم زدہ تھے۔ سبب پوچھا تو فرمایا: ''حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو نظر لگ گئی ہے۔'' جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔'' آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟

حضور ﷺ نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہیے:

''اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِیْمِ ...... وَالْمَنِّ الْقَدِیْمِ ...... ذَا الْوَجْہِ الْکَرِیْمِ ...... وَلِیَّ الْکَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ ...... عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِ۔''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! بڑی بادشاہت اور ازل سے احسان کرنے والے، شرافت و بزرگی والے تمام کلمات اور مقبول

[1] کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۱۸۳/۲

دعاؤں کے مالک حسن اور حسین کو جنات سے اور انسانوں کی نظر بد سے محفوظ فرما۔"

حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی، وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: لوگو! اپنی جانوں کو، اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔[1]

وضاحت: جب یہ دعا اپنے لئے مانگی ہو تو یوں مانگیں "عَافِنِيْ مِنْ أَنْفُسِ الْجِنِّ وَأَعْيُنِ الْإِنْسِ" اور کسی اور بیمار کے لئے مانگی ہو تو "الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ" کی جگہ اس کا نام لیں۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ "الوالی جل جلالہ" کو ہی اپنا مددگار اور کارساز سمجھے۔

❷ اپنی زندگی کو "الوالی جل جلالہ" کی نگرانی میں سمجھے، ملازم ہے تو وقت کی پابندی میں "الوالی جل جلالہ" کے بارے میں یقین کرے کہ وہ نگرانی کر رہا ہے، کام کرنے میں سستی نہ کرے، وعدہ خلافی نہ کرے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دونوں دعاؤں کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

❹ جو "الوالی جل جلالہ" سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ اپنی تمام ضروریات میں سہارا اور تکیہ صرف الوالی پر لگائے، اپنی امیدوں کی آس کسی اور پر نہ رکھے، کسی سے کچھ بھی نفع کی امید نہ رکھے، غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا کا ہوتا ہے۔

"الوالی جل جلالہ" جس کا مولیٰ ہو اور پھر غلاموں کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے ٹکڑوں کو دیکھ کر للچائی ہوئی نگاہیں ان پر ڈالیں، یا ان کے ہاتھوں سے کوئی چیز نہ ملے تو شکایت کرتا پھرے، ان سے منہ موڑ لیں یہ کتنی کم قسمتی کی بات ہے، غلام مملوک کے پاس جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ حقیقت میں ان کی نہیں ہیں۔

جس کا "الوالی جل جلالہ" سے تعلق بن جائے گا وہ کبھی ان چیزوں پر للچائی ہوئی نگاہ نہیں رکھے گا، ان کے ہاتھوں سے ملنے اور نہ ملنے پر راضی یا ناراض نہ ہوگا۔ یقین رکھے گا کہ "الوالی جل جلالہ" کے خزانے میں اس سے لاکھوں درجہ بہتر چیزیں ہیں، اسی سے مدد مانگے گا، اسی پر اپنا سہارا رکھے گا یا اسی کو سہارا بنائے گا۔

اللہ کرے! ہم سب اپنا والی...... دل سے اللہ کو بنالیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ٥٢٩/٤، (القلم: ٥٢)

المتعال جل جلالہٗ

(برتر)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ. ھُوَ الْمُتَنَزِّہُ عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِیْنَ تَعَالٰی أَنْ یُّوْصَفَ بِھَا.[1]

ترجمہ: ''المتعال جل جلالہٗ'' وہ ذات ہے جو مخلوق کی صفات سے پاک اور بلند ہے اور وہ اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اُسے مخلوقات کی صفات سے موصوف کیا جائے۔''

❷ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ﴾[2]

ترجمہ: ''وہ ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور عالی مرتبت ہے۔''

قرآن کریم میں اس قسم کے الفاظ بکثرت آئے ہیں۔ ''عَلِیٌّ'' عُلُوٌّ ''تَعَالٰی'' وغیرہ۔ جس کے معنی بلند ہونا ''بلند مرتبت ہونا'' کے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: ''وہ پاک اور برتر ہے اُن سے جو وہ کہتے ہیں۔''

یعنی برتر ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے، جنات سے جنہیں اس نے پیدا کیا، اور بیٹوں اور بیٹیوں سے۔ اس کی ذات ہر شریک، ہر برائی، ہر احتیاج و نقص اور ہر شے سے برتر ہے۔ جس کی ذات برتر ہے اس کی صفات بھی برتر ہیں۔ وہ ہر عمدہ صفت والا ہے۔

''علو'' کی دو قسمیں ہیں: ایک علو ذاتی، دوسری علو صفاتی۔

انسان اپنی ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ہر انسان خواہ وہ کوئی بھی ہو، نباتات و حیوانات اور جمادات سے افضل ہے۔ ہمیں بفضلہٖ تعالیٰ ''علو ذاتی'' حاصل ہے، ''علو صفاتی'' حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[1] شأن الدعاء: ۸۹ [2] الرعد: ۹ [3] الانعام: ۱۰۰

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں جیسے پڑوسی، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کے لئے کسی کا ساتھ ہو جاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلی دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہو جاتا ہے، اور چوں کہ یہ تعلقات دیرپا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی بھی دیرپا ہو جاتی ہے۔

لیکن تیسری قسم، یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کے لئے ساتھ ہو گئے ہوں، بہت کم انسان ان کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر ان سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بداخلاقی یا بدسلوکی ہو جائے تو اس کی وجہ سے کسی دیرپا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟

بعد میں اس سے ویسے بھی ملنا نہیں ہے، اس لئے اس تاثر سے میری زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔ چناں چہ بسوں، ریلوں دوسری عوامی سواریوں، اور اب تو ہوائی جہازوں میں بھی دھکا پیل اور نفسانفسی کا جو عالم نظر آتا ہے، کہ ہر شخص دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا ہے، وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

اسی لئے قرآنِ کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی، وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کو بھی بطورِ خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کے لئے قرآنِ کریم نے ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے،[1] اس کا اردو ترجمہ "ہم پہلو" کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو مختصر مدت کے لئے کسی کے ساتھ ہو گیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا "صَاحِبٌ بِالْجَنْۢبِ" ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماعِ عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے، وہ ہمارا "صَاحِبٌ بِالْجَنْۢبِ" ہے، اور قرآنِ کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھا کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق اور شائستہ نظر آتے ہیں، لیکن

---
[1] نساء: ۳۶

جب کبھی سفر کی نوبت آئی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی، اور انہوں نے اپنے ہم سفروں کے ساتھ پرلے درجے کی خود غرضی اور سنگ دلی کا برتاؤ شروع کر دیا۔[۱]

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا جائے، وہ خوش اخلاقی ہی کہاں ہے؟ وہ تو ایک دکھاوا ہے، چناں چہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاق اصلیت ظاہر ہو جائے گی، خوش اخلاقی تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور بدنامی سے بے نیاز ہو کر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے، اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلام نے "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگایئے:

1. جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کے لئے جمع ہوں تو نو وارد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔[۲]
2. جمعہ کے دن نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کے لئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔[۳]
3. جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور لے کر کھا رہے ہوں تو تم دو دو کھجوریں مت لو۔[۴] اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ صرف اپنی اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اڑنا، ایک مؤمن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہئے، (آج کل کی دعوتوں میں بعض مرتبہ جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور جس طرح بعض لوگ یک بارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے)۔

[۱] معارف القرآن: ۲/۴۱۳

[۲] ابوداؤد، الجمعة، باب تخطي رقاب الناس: ۱/۵۹

[۳] ابن ماجه، الجمعة، باب في الزينة يوم الجمعة: ۱/۷۸

[۴] ترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في كراهية القران بين التمرتين: رقم: ۱۸۱٤

یہ چند مثالیں میں نے صرف یہ بتانے کے لئے دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے چند جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہو، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبروار اپنا کام انجام دیتا رہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے، اور سب کا کام آسانی سے ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، یا اس کے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بداخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بل کہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہوں گے فوراً آگے پیچھے ہو کر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو "صَاحِبُ بِالْجَنْبِ" کے بارے میں قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں، لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری اور جی داری کا ایک ہنر سمجھتے ہیں، اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آیا ہوگا کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بس یا ریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک مسافر کے لئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

❶ پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جن گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جمالیتا ہے اور دوسرے مسافر کھڑے کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں، اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے بھی محروم ہے۔ میں نے اپنے بعض بزرگ علماء کے بارے میں تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر گاڑی بالکل خالی پڑی ہوتی، اور دوسرے مسافر نہ ہوتے تب بھی وہ اپنی نشست سے زیادہ جگہ استعمال نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے ایک نشست کا کرایہ دیا ہے، میں ایک ہی نشست کے استعمال کا حق دار ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں۔ یقیناً یہ احتیاط وتقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، لیکن چوں کہ گاڑی والوں کی طرف سے ایسے مواقع پر خالی جگہوں کے استعمال کی عموماً اجازت ہوتی ہے، اس لئے اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، مگر جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواز نہیں۔

❷ دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ تنگی اور

دشواری کے ساتھ اپنا سفر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں، اور نو وارد کو جگہ دے دیں تو بے شک یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے، اور باعثِ ثواب ہے، لیکن کسی نو وارد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں اس اعلیٰ ظرفی پر مجبور کرے۔

چوں کہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے، اس لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں، حالاں کہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اسے بے جا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے، ایسا حرام کہ اس کا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن درحقیقت انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی، تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اس کو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائے گی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت ان شاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بے کار ہو چکا ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے، اور ہم ایک دوسرے کے لئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔

فوائد و نصائح

اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے:

❶ کہ ''المتعالی جل جلالہ'' تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہیں، ان کی شان عظمت و بلندی والی ہے۔

''المتعالی جل جلالہ'' کی بڑائی اور عظمت کا جتنا دل میں دھیان جمے گا اتنی ہی بڑی سے بڑی مخلوق چھوٹی نظر آئے گی، جو شخص یہ چاہے کہ اس نام مبارک سے تعلق پیدا ہو جائے وہ اپنی زبان پر بڑے سے بڑے ملک اور بڑے بڑے مال داروں کا تذکرہ نہ لائے، اخبار پڑھ کر ہرگز زبان پر مخلوق کی برتری وعظمت کا ذکر نہ لائے، کہ اخبار میں فلاں ملک نے یہ بیان دیا ہے میں یہ کروں گا، بل کہ ہر وقت دل و زبان پر یہی ہو کہ حقیقی عظمت، بلندی و برتری صرف ''المتعالی

جَلَّ جَلَالُہٗ" کے لئے ہے۔

❷ اسی طرح اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ "میں"، "میری کمپنی"، "میرا محلّہ"، "میرا خاندان"، "میری اولاد نے یوں کیا" "ہم نے یوں کیا....." وغیرہ کے تذکرہ سے بچے، بل کہ اگر کوئی اللہ کی نعمت اپنے یا اپنے خاندان پر بیان کرنا ہی ہو تو یوں کہے: "اللہ کی دی ہوئی توفیق سے اللہ نے ہم سے یہ نیکی کا کام لیا۔" تواضع کے الفاظ زبان پر ہوں، دل میں یہ دھیان جمائے کہ "اَلظَّاهِرُ" اور "اَلْمُتَعَالُ" صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔[1]

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ

وَاقِعَہ نمبر ۵۳: جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کسی مرکز میں تشریف لے جاتے تو وہاں بعد عصر مصافحہ کا اہتمام ہوتا، تو ایک مرتبہ مولانا احسان الحق سے فرمایا:

مصافحہ کے وقت اللہ کی دی ہوئی توفیق سے یہ دعا مانگتا ہوں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَظْہَرَ الْجَمِیْلَ وَسَتَرَ عَلَی الْقَبِیْحِ"[2]

تَرْجَمَہ: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری اچھائی کو ظاہر کیا اور برائی کی پردہ پوشی کی۔"

جس کو "اَلْمُتَعَالُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی جتنی معرفت حاصل ہوگی، اس کے بول تواضع والے ہوں گے، وہ اپنی ماضی کو یاد رکھے گا۔

❸ اگر عبادت تھوڑی زیادہ کر لی یا نوافل زیادہ ادا کر لئے تو پھر بھی عاجزی کو بڑھائے، یہ نہ سوچے کہ مجھے دوسرے لوگوں پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ حقیقی برتری و بلندی کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہم کبھی بھی کسی چیز میں برتری حاصل نہیں کر سکتے، خواہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہی کیوں نہ ہمارے ساتھ ہو۔

---

[1] شرح اسماء حسنٰی (علامہ عبدالصمد): ۳۸۸

[2] مستدرک حاکم، کتاب الدعاء: ۷۳۸/۱، رقم: ۲۰۵۰

اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(نہایت احسان کرنے والا، اپنے بندوں پر مہربان)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى-: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾[1] يعني: اَللَّطِيْفُ بِعِبَادِهٖ.[2]

﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾ میں "اَلْبَرُّ" کا مطلب یہ ہے "وہ ذات جو اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"

❷ "وَاللّٰهُ تَعَالٰى بَرٌّ بِخَلْقِهٖ فِي مَعْنٰى: أَنَّهٗ يُحْسِنُ إِلَيْهِمْ، وَيُصْلِحُ أَحْوَالَهُمْ."[3]

تَرْجَمَۃ: "امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے "بَرٌّ" یعنی مہربان ہیں اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر احسان فرماتے ہیں اور ان کے احوال درست فرماتے ہیں۔"

❸ "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے آسانی کا معاملہ چاہتے ہیں تنگی نہیں چاہتے، اور ان کے بہت سے گناہوں کو اپنے فضل سے معاف فرما دیتے ہیں، اور ہر ہر خطا پر پکڑ نہیں فرماتے، اور ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کے برابر بدلہ عنایت فرماتے ہیں، جب کہ بدی پر اس ایک ہی بدی کی بقدر پکڑ فرماتے ہیں، اور نیکی کے ارادے پر بھی نیکی لکھی جاتی ہے جب کہ بدی کے ارادے پر کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔"[4]

❹ امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "یہ صفت اللہ ربُّ العزت کے اوصافِ فعل میں سے ہے، دنیا میں تو تمام بندے اس صفت کے حصار میں ہیں جب کہ آخرت میں مخصوص بندوں پر (عمومی طور پر جو فلاحِ آخرت سے ہمکنار ہوں گے) اس صفت کا ظہور ہوگا، دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جس پر من جانب اللہ فضل و احسان نہ ہو، جیسا کہ ارشاد

---

[1] الطور: ٢٨ [2] جامع البيان ١٨/٢٧، بحواله، النهج الأسمٰى: ١٧٢/٢ [3] تفسير الاسماء: ٦١

[4] "(اَلْبَرُّ) مَعْنَاهُ الرَّفِيْقُ بِعِبَادِهٖ، يُرِيْدُ بِهِمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِهِمُ الْعُسْرَ، وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ مِّنْ سَيِّئَاتِهِمْ، وَلَا يُؤَاخِذُهُمْ بِجَمِيْعِ جِنَايَاتِهِمْ، وَيَجْزِيْهِمْ بِالْحَسَنَةِ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، وَلَا يَجْزِيْهِمْ بِالسَّيِّئَةِ إِلَّا مِثْلَهَا، وَيَكْتُبُ لَهُمُ الْهَمَّ بِالْحَسَنَةِ، وَلَا يَكْتُبُ عَلَيْهِمُ الْهَمَّ بِالسَّيِّئَةِ" (المنهاج: ٢٠٤/١ بحواله مذكوره)

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”اور اس نے تم کو اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔“

ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا ادراک عقل وحواس وغیرہ سے ممکن ہو، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جن کا ادراک واحساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کرسکتا۔

یہ تو دنیا کا معاملہ تھا، جب کہ آخرت میں فضلِ الٰہی سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جسے اللہ ربّ العزت اپنا پڑوس نصیب فرمائیں گے اور خصوصی انوارات کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے، نہ کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے سبب آگ میں داخل فرمائیں گے۔“[2]

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آیا ہے:

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ”ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بے شک وہ محسن اور مہربان ہے۔“

یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذابِ جہنم سے بچنے کے لئے دعا کرتے تھے۔

اس آیت میں ایک لفظ ”بَرّ“ آیا ہے اور ”بَرّ“ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہے، جو کہ بہت زیادہ خیرات و احسان کرنے کا نام ہے۔ یہ احسان وعطا اُس کے وصف ”بَرّ“ سے صادر ہوتے ہیں۔ تو ”بَرٌّ“ کی اس وقت دو اقسام ہوئیں۔ وصفی اور فعلی، لہٰذا وہ احسان کرنے والا محسن ہے، خوبیوں والا مولیٰ ہے اور ہمیشہ احسان کرنے والا ہے۔“[4]

احسان کرنے والا اور دینے والا صرف ”اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی ہے

وَاقِعَہ نمبر ۵۴: حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کچھ مال طلب کیا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا: آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پھر عطا فرما دیا، پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

[1] لقمان: ۲۰　[2] الكتاب الاسنى: ۳٤٥، كذا في النهج الأسمى: ۲/۱۷۳　[3] الطور: ۲۸

[4]

وَالْبَرُّ فِيْ أَوْصَافِهٖ سُبْحَانَهٗ　　هُوَ كَثْرَةُ الْخَيْرَاتِ وَالْإِحْسَانِ
صَدَرَتْ عَنِ الْبَرِّ الَّذِيْ هُوَ وَصْفُهٗ　　فَالْبَرُّ حِيْنَئِذٍ لَهٗ نَوْعَانِ
وَصْفٌ وَفِعْلٌ فَهُوَ بَرٌّ مُحْسِنٌ　　مَوْلَى الْجَمِيْلِ وَدَائِمُ الْإِحْسَانِ

(النونية لابن قيم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی: ۲/۲۳٤)

نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی، اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے'' (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے، اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے)۔ حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: (حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔[1]

فَائِدَةٌ: اس حدیث شریف کے بارے میں صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا، اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا، لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے زمانہ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔[2]

محسن کے احسان کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ''بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ (جس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے) میں مجاہدین کے گھوڑوں کی وفاداری، فرض شناسی، اور راہِ دین میں پھرتی کی تعریف کی گئی ہے۔

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار اور شکر گزار بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق

---

[1] مسلم: باب إنّ اليد العليا خير من اليد السفلى ۱/۳۳۲

[2] بخاری، باب الاستعفاف عن المسئلہ: ۱/۱۹۹، معارف الحدیث: ۲/۲۹۶

[3] العٰديٰت: ٦

ہے، بل کہ غور کرو تو خود گھوڑا زبانِ حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالکِ حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز فائدہ اٹھاتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرماں برداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔

ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے، وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے، جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا...... اور ہانپتا ہوا...... ٹاپیں مارتا...... اور غبار اڑاتا ہوا ...... گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے، نیزوں اور تیروں سے اپنے سینہ کو چھلنی کرتے ہیں مگر سینہ نہیں پھیرتے بل کہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔[1]

نیکی میں درجۂ کمال حاصل کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ”ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ، اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔“

اس آیت میں مؤمنین کو صدقۂ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اعمال ”بِرّ“ میں افضل ترین ”بِرّ“ یہ ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جائے، آیتِ مذکورہ میں ارشاد ہے کہ تم ہرگز ”بِرّ“ کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو، تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی مکمل ادائیگی اور اس سے پوری سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اپنی محبوب اور پیاری چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں، اسی مکمل ادائیگی کا ”خیرِ کامل“ یا نیکی میں کمال یا ثوابِ عظیم سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ابرار کی صف میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی جائیں۔

صحابۂ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ جو قرآنی احکام کے اولین مخاطب اور رسول کریم ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد اور

[1] تفسیر عثمانی: ۸۰۰
[2] آل عمرٰن: ۹۲

احکامِ قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے، اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آں حضرت ﷺ کے سامنے درخواستیں ہونے لگیں۔

وَاقِعَۃ نمبر ۵۵: انصارِ مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے، مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوات والتسلیمات کے بالکل مقابل اور متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں ''بیرحاء'' کے نام سے موسوم تھا، اب اس باغ کی جگہ تو باب مجیدی کے سامنے اصطفا منزل کے نام سے ایک عمارت بنی ہوئی ہے، جس میں زائرینِ مدینہ قیام کرتے ہیں، مگر اس کے شمال مشرق کے گوشے میں یہ ''بیرحاء'' اسی نام سے اب تک موجود ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور ''بیرحاء'' کا پانی پیتے تھے، آپ ﷺ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور ان کو اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر وہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے تمام اموال میں ''بیرحاء'' مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرمادیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیں، حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسولِ کریم ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔[1]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں جو عام فقراء اور مساکین پر صرف کی جائے، اپنے اہل و عیال اور عزیز و رشتہ داروں کو دینا بھی بڑی خیرات اور موجبِ ثواب ہے۔

وَاقِعَۃ نمبر ۵۶: حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا ایک گھوڑا لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: مجھے اپنی املاک میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا، لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دے دیا، زید بن حارثہ اس پر کچھ دل گیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر میں واپس آگیا، لیکن رسولِ کریم ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول کرلیا ہے۔[2]

حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس ایک کنیز سب سے زیادہ محبوب تھی، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کو لوجہ اللہ تعالیٰ (اللہ کی رضا کے لئے) آزاد کردیا۔[3]

---

[1] مسلم، الزکوٰۃ، فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین: ۳۲۳/۱

[2] تفسیر مظھری عربی: ۸۹/۲، آل عمران: ۹۲ [3] ایضًا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس ایک کنیز تھی جس سے وہ محبت کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد کر دیا۔

الغرض آیتِ مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ حق اللہ کی مکمل ادائیگی اور خیرِ کامل اور نیکی کا کمال جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ آدمی اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔[1]

"اَلْبَارُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے محبت کرنے کی عظیم مثال

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۵۷: حضرت نافع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو بیماری کی حالت میں مچھلی کھانے کا دل چاہا، میں نے مدینہ میں مچھلی تلاش کی لیکن مجھے نہ ملی، کچھ عرصے بعد میں نے مچھلی خریدی اور پکا کر روٹی پر رکھ کر حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے سامنے رکھ دی، اسی وقت ایک سائل نے صدا لگائی، حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: "یہ روٹی مچھلی سمیت سائل کو دے دو۔" میں نے وہ مچھلی دے دی۔

پھر میں نے سائل سے کہا: ایسا کرو کہ یہ مچھلی تم مجھے ڈیڑھ درہم میں فروخت کر دو، وہ راضی ہو گیا ڈیڑھ درہم لے کر اس نے مچھلی ہمارے حوالے کر دی۔

میں نے وہ مچھلی حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس رکھی ہی تھی کہ وہ سائل دوبارہ صدا لگانے لگا، حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: یہ مچھلی روٹی اسے دے دو، اور وہ درہم بھی اس سے واپس مت لینا کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنا ہے: "اَیُّمَا رَجُلٍ اِشْتَہٰی شَہْوَۃً فَرَدَّ شَہْوَتَہٗ وَاٰثَرَ غَیْرَہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ غَفَرَ اللہُ لَہٗ"

تَرجَمَہ: جس کسی کی کوئی چاہت ہو اور وہ اپنی چاہت کو دوسرے کے لئے قربان کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔[2]

حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نیکی

وَاقِعَۃٌ نَمْبَر ۵۸: حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں، حالاں کہ وہ قرض سے مستغنی ہیں؟

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے تم کو جنت میں داخل کر دیں، ابوالدحداح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر کہا: اللہ کے رسول ہاتھ بڑھائیں، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا......

---

[1] معارف القرآن: ۱۰۶/۲

[2] حلیۃ الأولیاء: ۲۷۱/۱، شرح اسماء اللہ الحسنی للرازی: ۳۳۶

ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہنا شروع کیا:

میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں، اس کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہیں، میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔

آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل و عیال کی معاشی ضرورت کے لئے باقی رکھو۔ ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: آپ گواہ رہئے، ان دونوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں، اس کو میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔

حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے گھر آئے اور بیوی کو اس کی اطلاع دے دی، ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے باغ کے باہر سے آواز لگائی:

"أُخْرُجِي فَقَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّيْ" کہ اب اس باغ کو چھوڑ دو، اپنے بچوں کے ساتھ باہر آجاؤ کہ یہ باغ میں نے اپنے رب کو قرض دے دیا، آخرت میں ہمیں اس کا اجر ملے گا، بیوی نے جب یہ سنا تو فرمایا:

"رَبِحَ بَيْعُكَ! بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا اشْتَرَيْتَ" اللہ تعالیٰ تمہیں اس سودے میں نفع عطا فرمائے اور برکت دے اور اس کو قبول بھی فرمالے، جو آپ نے خریدا۔ تو وہ بھی حضرت ابوالدحداح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اس بہترین سودے پر بہت خوش ہوئیں۔[1]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"كَمْ مِنْ عِذْقٍ رَدَاحٍ وَدَارٍ فَيَاحٍ لِأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ"[2]

تَرْجَمَہ: "کس قدر کھجوروں سے لبریز بے شمار درخت اور کشادہ محلات ابوالدحداح کے لئے جنت میں تیار ہیں۔"

"البر جل جلالہ" کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنا

پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج:

وَاقِعَہ نمبر ۵۹: حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا: میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے جس سے مسلسل خون رس رہا ہے، ہر طرح کا علاج کرا چکا ہوں، بہت سے اطباء سے رجوع کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

---

[1] "قرطبی": ۱۸۲/۲، البقرة: ۲۴۵ [2] مجمع الزوائد، کتاب المناقب: ۳۹۸/۹

"اِذْهَبْ فَانْظُرْ مَوْضِعًا يَحْتَاجُ النَّاسُ الْمَآءَ فَاحْفِرْ هُنَاكَ بِئْرًا فَإِنِّيْ أَرْجُوْ أَنْ تَنْبُعَ هُنَاكَ عَيْنٌ وَيُمْسِكُ عَنْكَ الدَّمُ"

تَرْجَمَۃ: "جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں، وہاں جاکر ایک کنواں کھودو، مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہوگا تو تمہارا خون رک جائے گا۔"

اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہوگیا۔ یہ واقعہ علامہ منذری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے امام بیہقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد علامہ منذری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اسی جیسا ایک واقعہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ حاکم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی ہے، ان کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئی تھیں، بہت علاج کروایا، مگر پھنسیاں ختم نہیں ہوئیں۔ تقریباً سال بھر اس تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ جمعہ کے دن امام ابوعثمان صابونی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی مجلس میں پہنچے اور ان سے دعا کی درخواست کی، امام صابونی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ان کے لئے دعا کی، حاضرین نے آمین کہی۔

اگلے جمعہ کو ایک عورت نے امام صابونی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی مجلس میں ایک پرچہ بھجوایا، اس میں لکھا تھا کہ پچھلے جمعہ کو شیخ ابوعبداللہ حاکم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی دعائے صحت کے بعد میں گھر گئی، وہاں جاکر بھی میں نے ان کی صحت کے لئے بہت دعا کی، اسی رات مجھے خواب میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت ہوئی، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھ سے فرمایا: ابوعبداللہ سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت کے ساتھ پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔

شیخ حاکم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل بنادی، جس سے لوگ خوب پانی پیتے تھے، اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر شفا کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پھنسیاں ختم ہوگئیں اور چہرہ پہلے کی طرح صاف اور خوب صورت ہوگیا، اس کے بعد وہ کئی سال زندہ رہے۔[1]

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی:

وَاقِعَۃ نمبر ⑥٠: ایک مرتبہ حضرت جریر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا۔ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقم دلوانے کے لئے ساتھ لے آیا، حضرت جریر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زائد ہے۔ چناں چہ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا:

آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے۔ کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے......؟

---

[1] الترغيب والترهيب: ۵۳/۲، ۵۴، فصل فی الصدقة والحث عليها

اس نے جواب دیا: جیسے آپ کی مرضی، پھر فرمایا: آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زائد ہے، کیا آپ پانچ سو میں بیچیں گے؟

اس نے کہا: میں راضی ہوں۔ اسی طرح حضرت جریر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کی زیادتی کرتے چلے گئے، بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے حوالے کر دی۔ آپ سے سوال کیا گیا: جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو آپ نے اسے آٹھ سو درہم دے کر اتنا نقصان کیوں مول لیا؟

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے، کیوں کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ "اَلنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ" کا وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدہ کا ایفاء کیا ہے۔[1]

فَائِدَةٌ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " اُس سے راضی ہوں اور " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " سے اس کا تعلق اچھا رہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی مخلوق کو نقصان نہ پہنچائے ...... کسی کو دھوکہ نہ دے ...... کسی کے ساتھ بے وفائی نہ کرے ...... ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی والا معاملہ کرے، ...... تو " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " بھی اس کے ساتھ بھلائی والا معاملہ کریں گے، لوگوں کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنا ہے۔

فوائد و نصائح

❶ بندے کا اس اسم سے حصہ یہ ہے: وہ " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " کے احسان کو پہچانے کہ اس ذات نے اس کے عذر کو قبول کیا، اس کی برائیوں کو چھپایا اور نیکی کی توفیق بخشی اور دِل کو اعمال میں لگایا۔

❷ انسان کو چاہئے کہ " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " کے فضل اور مغفرت کو سامنے رکھے اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتا رہے۔

اور حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جو نصیحت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمائی تھی وہ یاد رکھے کہ سوائے " اَلْبَرُّ جَلَّ جَلَالُہٗ " کے مال کسی سے نہ مانگے، لوگوں سے مانگنے اور سوال کرنے کی عادت نہ بنائے۔

❸ لوگوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرے، اپنے آپ سے پوچھے .... کیا آپ نے انسانوں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کئے ہیں ....؟

ابھی تک نہیں تو آج سے نیت کر لیجئے کہ انسانوں اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کچھ کروں گا، آسان بھلائی کا کام یہ ہے کہ کم از کم چار کافروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ مسلمان ہو جائیں جہنم کی آگ سے بچ جائیں، محلے کے لوگوں

---

[1] حاشیہ نووی شرح مسلم: باب أن الدين النصيحة: ۱/۵۵

اور رشتہ داروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ نمازی بن جائیں۔ کہیں مسجد بنانے کی نیت کریں، کہیں کنواں بنانے کی فکر کریں، کہیں پانی کا کولر لگوا دیں؛ تاکہ لوگ ٹھنڈا پانی پی سکیں، کوئی یتیم بچوں کے لئے مدرسہ، اسلامک اسکول کھولنے کی نیت کریں، کوئی اچھی کتاب مسجد اور لائبریری میں وقف کر دیں، یہی کتاب ''اسمائے حسنیٰ'' زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں، رشتہ داروں کے گھر جائیں تو یہ ہدیہ لے کر جائیں۔

اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "(اَلتَّوَّابُ): هُوَ الَّذِي يَتُوبُ عَلَى عَبْدِهٖ وَيَقْبَلُ تَوْبَتَهٗ كُلَّمَا تَكَرَّرَتِ التَّوْبَةُ تَكَرَّرَ الْقَبُولُ وَمَعْنَى التَّوْبَةِ: عَوْدُ الْعَبْدِ إِلَى الطَّاعَةِ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ"[1]

امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو بندے کو توبہ کرنے کی توفیق دیتی ہے اور توبہ قبول بھی فرماتی ہے، جتنی مرتبہ توبہ کی جائے اتنی ہی اللہ ربّ العزت کی جانب سے قبولیت عطا کی جاتی ہے، کیوں کہ توبہ کا مطلب ہے: "بندہ نافرمانی کے بعد دوبارہ اطاعت پر لوٹ آئے۔"

❷ "(اَلتَّوَّابُ) وَهُوَ الْمُعِيدُ إِلَى عَبْدِهٖ فَضْلَ رَحْمَتِهٖ إِذَا هُوَ رَجَعَ إِلَى طَاعَتِهٖ، وَنَدِمَ عَلَى مَعْصِيَتِهٖ، وَلَا يُحْبِطُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ خَيْرٍ، وَلَا يَمْنَعُهٗ مَا وَعَدَ الْمُطِيعِيْنَ مِنَ الْإِحْسَانِ."[2]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ توّاب ہیں یعنی وہ اپنے فضل کو بندہ پر لوٹا دیتے ہیں جب کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانب لوٹ آتا ہے اور اپنے گناہ پر نادم ہو چکا ہوتا ہے، اور ربِ کریم اس کی سابقہ خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی گزشتہ نیکیاں اسی طرح برقرار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں پر احسان کرنے کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ وعدے بھی اس بندے کے حق میں پورے کیے جائیں گے۔"

❸ "المقصد الاسنی میں ہے "اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اس کی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا ہے اور ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول فرما لیتے

[1] النہج الاسمیٰ: ۲/۱۸۳ [2] النہج الأسمیٰ: ۲/۱۸۴

ہیں۔" [1]

❹ "علامہ ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اَلتَّوَّابُ" اللہ ربّ العزت کے اوصاف میں سے ہے اور یہ دو معانی پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ اللہ ربّ العزت کی جانب سے بندوں کو توبہ کے لئے اذنِ عام ہے اور دوسرا معنیٰ یہ کہ جو کوئی بھی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو محض اپنے احسان کی بناء پر قبول فرماتے ہیں۔" [2]

❺ "اقلیشی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "توّاب" رکھا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے دل میں توبہ کا جذبہ پیدا فرماتے ہیں، اس کے بعد بندوں کو اسبابِ توبہ بھی مہیا فرماتے ہیں، اور پھر ناپسندیدہ راہ سے انہیں ہٹا کر پسندیدہ راہ پر چلاتے ہیں۔"

اسی طرح اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ رجوع کرنے والے بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو توبہ کی توفیق عنایت فرماتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مبارک کا ترجمہ ہے:

"پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔"

اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول بھی فرماتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔" [3]

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "توّاب" رکھا ہے۔

---

[1] "(اَلتَّوَّابُ) هُوَ الَّذِيْ يَرْجِعُ إِلَى تَيْسِيْرِ أَسْبَابِ التَّوْبَةِ لِعِبَادِهٖ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى، بِمَا يُظْهِرُ لَهُمْ مِنْ اٰيَاتِهٖ، وَيَسُوْقُ إِلَيْهِمْ مِنْ تَنْبِيْهَاتِهٖ، وَيُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ تَخْوِيْفَاتِهٖ وَتَحْذِيْرَاتِهٖ، حَتّٰى إِذَا اطَّلَعُوْا بِتَعْرِيْفِهٖ عَلٰى غَوَائِلِ الذُّنُوْبِ، اِسْتَشْعَرُوا الْخَوْفَ بِتَخْوِيْفِهٖ فَرَجَعُوْا إِلَى التَّوْبَةِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِمْ فَضْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْقُبُوْلِ." (المقصد الاسنیٰ: ۸۸)

[2] وقال ابن القیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی:

وَكَذٰلِكَ التَّوَّابُ مِنْ أَوْصَافِهٖ ۔۔۔ وَالتَّوَّابُ فِيْ أَوْصَافِهٖ نَوْعَانِ
إِذْنٌ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ وَقَبُوْلُهَا ۔۔۔ بَعْدَ الْمَتَابِ بِمَنَّةِ الْمَنَّانِ

(النونیۃ: ۲/۲۳۱)

[3] سَمَّى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ نَفْسَهٗ تَوَّابًا لِأَنَّهٗ خَالِقُ التَّوْبَةِ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ، وَمُيَسِّرُ أَسْبَابِهَا لَهُمْ، وَالرَّاجِعُ بِهِمْ مِنَ الطَّرِيْقِ الَّتِيْ يَكْرَهُ إِلَى الطَّرِيْقِ الَّتِيْ يَرْضٰى.

وَسَمّٰى نَفْسَهٗ أَيْضًا (تَوَّابًا) لِقُبُوْلِهٖ تَوْبَةَ مَنْ يَّرْجِعُ إِلَيْهِ.

وَمِنَ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبۃ: ۱۱۸)

وَمِنَ الْقِسْمِ الثَّانِيْ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ﴾ (المائدۃ: ۳۹)

فَبِهٰذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ سَمّٰى نَفْسَهٗ تَوَّابًا. (الکتاب الاسنیٰ: ۳۷۷)

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دس مقامات پر آیا ہے، جن میں سے تین آیات درج ذیل ہیں:

❶ ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

❷ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾[2]

❸ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾[3]

توبہ کی حقیقت

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اس کے صحیح ومعتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں:

❶ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کردے۔

❷ ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں ان پر نادم ہو۔ حدیث میں آتا ہے: "اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ."[4] یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

❸ آئندہ گناہوں کو ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے، تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثاء موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے، مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے، برا بھلا کہا ہے، یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کرکے اس سے معافی حاصل کرے۔[5]

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے، لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اس گناہ کی حد تک تو معافی ہوجائے گی، دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔

لہٰذا جب ہم توبہ کی حقیقت بتلا چکے کہ بری حالت کا ترک کرنا، گزشتہ پر ندامت کا اظہار کرنا، آئندہ برے فعل کے

---

[1] البقرة: ۳۷ [2] النور: ۱۰ [3] النصر: ۳ [4] ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة: ۳۱۳

[5] اس کے لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ کتاب "طریقۂ وصیت" پسند فرمودہ مفتی محمود اشرف صاحب استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی کا مطالعہ کریں۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی تلافی اور تدارک کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ کتاب "بیت العلم ٹرسٹ" کراچی نے شائع کی ہے اس کی ورک بک "وصیت لکھئے" بھی شائع ہوچکی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ (The will) کے نام سے زمزم پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ تمام معیاری کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

نہ کرنے پر پختہ عزم کرنا، سابقہ کوتاہیوں کا تدارک کرنا ہے، تو پھر ایسی توبہ کی قبولیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جس کے پہلو میں دردمند اور رحم آمیز دل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جائے، تو صرف یہی نہیں کہ اس پر پکڑ نہ ہوگی، بل کہ اس کو فرشتوں کے لکھے ہوئے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے، تاکہ اس کی رُسوائی بھی نہ ہو۔

جب کسی انسان نے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق توبہ کرلی تو وہ ہر طرح کا گناہ کرچکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جائے گا اور اگر پھر کبھی اس سے گناہ ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کرے، بارگاہِ غفور و کریم سے ہر مرتبہ توبہ قبول کرنے کی امید رکھے۔[2]

اسی لئے ہمارے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔ ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی ۔۔۔ بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو آدمی مایوس ہو جاتا ہے کہ میری توبہ بے کار گئی، نہیں ہرگز نہیں بے کار نہیں گئی پھر توبہ کرلو، ان سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑلو فرماتے ہیں۔ ؎

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے ۔۔۔ جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

کوشش تو کیجیے کہ نہ ٹوٹے، گناہ سے بچنے میں جان کی بازی لگا دیجیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر توبہ کیجیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا گڑگڑانا...... ندامت کے آنسو بہانا...... اور معافی مانگنا...... بہت پسند ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

''مَامِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَ إِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ''[3]

[1] البقرة: ۲۲۲ [2] ؎

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

[3] ابن ماجه، الزهد، الحزن والبكاء، رقم: ٤١٩٧

ترجمہ: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”کوئی مؤمن بندہ ایسا نہیں ہے جس کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر اس کے چہرے کو جہنم کی حرارت پہنچے (نہیں ایسا نہیں ہے) مگر اس چہرے پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔“

جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور پختہ عزم کرتا ہے کہ اے اللہ! میں آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، جان دے دوں گا مگر آپ کو ناراض نہ کروں گا، لیکن باوجود پوری کوشش کے پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر یہ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے، گڑگڑاتا ہے، عاجزی کرتا ہے، اور آئندہ گناہ کا عزم نہیں رکھتا، حدیث پاک میں ہے: ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے، چاہے دن میں ستر بار اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہو، لہٰذا توبہ کرنے والے کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔

”اَلتَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کا در ہر وقت کھلا ہے

واقعہ نمبر (۲۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا، پھر وہ اپنے متعلق سوال کرنے کے لئے نکلا اور ایک راہب (عیسائی پادری) کے پاس آیا اور اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا:

”کیا میری توبہ قبول ہونا ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں (تو نے اتنے قتل کئے ہیں تیرے لئے مغفرت کہاں؟) اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔

وہ لوگوں سے پوچھتا رہا، کسی نے اسے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ (جب وہاں جانے لگا تو راہ میں) اسے موت آگئی، اس نے اپنے سینہ کا رُخ اس بستی کی طرف کر لیا (جس کی طرف جا رہا تھا) اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس بستی کی) زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جائے اور اس بستی کی زمین کو (جہاں سے نکل چکا تھا) حکم دیا کہ دور ہو جائے اور فرشتوں سے فرمایا:

دونوں بستیوں کے درمیان فاصلہ کی پیمائش کرو (جب پیمائش کی گئی) تو اس بستی سے (جہاں جا رہا تھا) بالشت بھر قریب نکلا۔ چناں چہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔[1]

عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اسے ہم لے جائیں گے کیوں کہ اس بستی تک نہیں پہنچا جب کہ رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ تو اس طرف چل دیا تھا موت تو اس کے اختیار میں نہیں تھی، لہٰذا اسے ہم لے جائیں گے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرشتہ بھیجا اُس نے کہا:

”قِيْسُوْا بَيْنَهُمَا“ دونوں بستیوں کے فاصلوں کی پیمائش کر لو اور ادھر صالحین کی بستی کو حکم دیا: ”تَقَرَّبِيْ“ تو تھوڑی

---

[1] مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل: ۲/۳۵۹

سی قریب ہو جا کہ تجھ پر اہلِ تقرب رہتے ہیں، اور گناہوں والی بستی کو فرمایا "تَبَاعَدِيْ" تو دور ہو جا کہ تجھ پر اہل تباعد رہتے ہیں۔ (یعنی جو مجھ سے دُور ہیں)۔[1]

یہ فضل بصورتِ عدل ہے، یعنی فرشتوں سے تو پیمائش کرا رہے ہیں اور کام خود بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظام تھا ورنہ وہ بستی دُور تھی۔

اگر بار بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی مایوس نہ ہوں آپ بار بار توبہ کیجئے۔ توبہ کی قبولیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس گناہ سے الگ ہو جائے، دل میں ندامت ہو اور پختہ عزم ہو کہ آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، یعنی پھر گناہ کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو تو ایسی توبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔

لہٰذا ہرگز مایوس نہ ہوں،...... خطا ہو جائے رونا وگڑگڑانا شروع کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جو معاف کرے گا۔ ان کے در کے علاوہ اور کون سا در ہے جہاں ہم جائیں، لہٰذا عمر بھر کوشش میں لگے رہنا ہے۔

یعنی اس "اَلتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے بندہ کو نوازنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کو اپنی رحمت کے حاصل کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلا دیا۔[2]

بعض علماء سے پوچھا گیا: جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے وہ کیا کرے؟

تو فرمایا: وہی کام کرے جو اس کے پہلے والدین آدم عَلَیْہِ السَّلَامُ وحوا عَلَیْہَا السَّلَامُ نے کیا، کہ اپنے کیے پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے لئے عرض کیا:

① ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[3]

تَرجَمَہ: ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اگر آپ معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ کریں تو ہم سخت خسارے والوں میں داخل ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا:

② ﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾[4]

---

[1] مرقاۃ شرح مشکاۃ: ۱۲۸/۵

[2] ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبرو بت پرستی باز آ
ایں در گہ ما، درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تَرجَمَہ: تم جو کچھ بھی ہو اس سے باز آجاؤ، خواہ کافر، آتش پرست یا بت پرست ہو، یہ ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے، سو بار بھی توبہ توڑ دی ہو تو پھر بھی باز آجاؤ۔

[3] الاعراف: ۲۳ [4] القصص: ۱٦

ترجمہ: ''اے میرے پالنے والے! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے، تو آپ ہی میری مغفرت فرمایئے۔''

حضرت یونس علیہ السلام سے جب لغزش ہوگئی تو عرض کیا:

۳ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، آپ ہر برائی سے پاک ہیں، میں ظلم کرنے والوں میں داخل ہو گیا ہوں'' (مطلب یہ ہے کہ مجھ پر رحم فرمایئے)۔''[2]

پادری، پیرومرشد، فقیر ومجاور کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتے

توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے کا اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، یہود و نصاریٰ اس قاعدہ سے غفلت کی بناء پر سخت فتنہ میں مبتلا ہو گئے، کہ پادریوں اور پنڈتوں کے پاس جاتے، اور اُن کو کچھ ہدیہ دے کر اپنے گناہ معاف کرالیتے، اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معاف ہو گیا۔

آج بھی بہت سے ناواقف مسلمان اس طرح سے غلط اور خام عقیدے رکھتے ہیں، جو سراسر غلط ہیں، کوئی عالم یا مرشد پیر، فقیر، مجاور، کسی کے گناہ کو معاف نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ دعا کر سکتا ہے۔ معاف تو صرف ''التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱: جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ (سب) جانتا ہے۔''

دلیل نمبر ۲: ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾[4]

''وہ گناہوں کا ڈھانک دینے والا ہے، اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔''

قرآن مجید میں دس مقامات پر اسم ''التواب'' آیا ہے، سورۂ نور میں: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾[5] ہے، باقی آٹھ مقامات پر ''تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ'' ہے اور ایک جگہ صرف ''تَوَّابًا'' ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول فرمانا رحم کی وجہ سے ہے اور رحمِ الٰہی ہی اللہ تعالیٰ کا حکیم ہونا ظاہر کر رہا ہے۔

---

[1] الانبیاء: ۸۷ [2] تفسیر قرطبی: ۲۶۹/۱، البقرۃ: ۳۷

[3] شوریٰ: ۲۵ [4] المؤمن: ۳ [5] النور: ۱۰

اللہ تعالیٰ کا سراپا رحمت، سراپا رحم ہونا مسلم ہے، لہٰذا اس کا توبہ پذیر ہونا بھی ضروری ہوا "اَلتَّوَّابُ" جو اسم پاک ہے اس کے معنی خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

گناہ چھوڑنے کا آسان نسخہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾[۱]

تَرجَمَہ: "مگر جو توبہ کریں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔"

ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کے لئے توبہ کرے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ"[۲]

تَرجَمَہ: "آدم (علیہ السلام) کی تمام اولاد خطا کار ہے، مگر بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: (جو بلاشبہ صادق وصدیق ہیں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: "جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[۳]

تَرجَمَہ: "اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا...... اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔"[۴]

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما دے گا۔

---

[۱] الفرقان: ۷۰
[۲] ترمذی، صفة القیامة، باب فی استعظام المؤمن، رقم: ۲۴۹۹
[۳] آل عمرٰن: ۱۳۵
[۴] ترمذی، الصلاة، ماجاء فی الصلوة عند التوبة: ۹۲/۱

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ "ملت ابراہیم" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ اس میں کم ہمتوں کے لئے ایک طریقۂ علاج تجویز فرمایا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اگر اس پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زندگی میں انقلاب آجائے گا اور گناہ چھوٹنے لگیں گے اور سچی توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو:

"اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں، میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں، مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا، اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہوسکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی، آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔

اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت گنہگار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمایئے، میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں، آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے، اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمایئے۔"

اسی طرح روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اور اپنی اصلاح کی دعا، اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد ان شاء اللہ تعالیٰ غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت قوی ہو جائے گی، شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔[۱]

توبہ کے فوائد

ہر انسان سے غلطی سرزد ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی غلطی سرزد ہو تو اس کو توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کے یہ نتائج ہوں گے:

1. انسان بہترین اعمال میں ترقی کرے گا۔
2. محاسنِ اخلاق میں برابر بڑھتا رہے گا۔
3. اس کا مستقبل اس کے ماضی سے زیادہ شان دار ہوگا۔
4. وہ تدارکِ مافات کے اصول پر تھوڑی عمر میں اعمالِ خیر کا وافر حصہ جمع کر لے گا۔

یہ تمام برکات توبہ سے حاصل ہوں گی۔[۲]

بے چینی و پریشانی سے نجات کا مستند علاج

واقعہ نمبر (۶۲): حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں ایک شخص نے آکر قحط سالی کی شکایت کی، تو

۱ تفصیل کے لئے دیکھئے "مستند مجموعہ وظائف" مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ: ۱۸۳ ۲ شرح اسماء حسنیٰ: ۱۴۶ (منصور پوری)

انہوں نے اس سے فرمایا: ''استغفار کرو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

دوسرے شخص نے غربت وافلاس کی شکایت کی تو اس سے فرمایا: ''استغفار کرو۔''

تیسرا ایک آدمی آیا، اس نے نرینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، فرمایا: ''استغفار کرو۔''

چوتھے شخص نے آکر اپنے باغ کے خشک ہوجانے کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے بھی فرمایا: ''استغفار کرو۔''

ان سے پوچھا گیا: آپ کے پاس چار آدمی الگ الگ شکایت لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کا حکم دیا، حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے فرمایا: ''میں نے اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں بتلائی، خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾[1]

تَرجَمَۃ: ''اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، آسمان سے تم پر موسلادھار بارش برسائے گا، تمہارے اموال اور بیٹوں میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔''[2]

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے (۱) موسلا دھار بارش........ (۲) مال........ (۳) اولاد میں اضافہ........ (۴) اور باغات ونہروں کی فراوانی........ کی نعمتوں کو استغفار کے نتیجے کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کی کثرت ان نعمتوں کی وصول یابی کا سبب بنتی ہے، حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اسی لئے مختلف شکایتوں والے چاروں اشخاص کو استغفار کا حکم دیا۔

امام قرطبی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ استسقاء یعنی بارش طلب کرنے کے لئے شہر سے نکلے اور نمازِ استسقاء ادا کرنے کی بجائے صرف استغفار پڑھ کر واپس آئے اور بارش ہوگئی، لوگوں نے پوچھا: ''آپ نے بارش کے لئے دعا نہیں کی، (صرف استغفار کیا تھا)۔''

آپ نے فرمایا: ''میں نے تو زبردست موسلا دھار برسنے والے بادلوں کو مانگا تھا'' اور پھر یہ آیت پڑھی:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾[3]

سحری کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دو آیتوں میں سحری کے وقت استغفار کی فضیلت بتلائی ہے۔

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾[4] (یعنی مؤمنین متقین سحر کے وقت اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں)

[1] نوح: ۱۰، ۱۱، ۱۲ [2] تفسیر قرطبی: ۲۲۲/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ [3] قرطبی: ۲۲۱/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ [4] الذّٰریٰت: ۱۸

اسحار، سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے، اس آخری حصہ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت میں بھی ہے اور دوسری آیت ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾[1] (اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں) جو طمانیت و اجابت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت اُٹھ کر اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ صحاحِ حدیث کی سب کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں، (جو ان کی شان کے مناسب ہے، اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں) اور اعلان فرماتے ہیں: ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔[2]

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس استغفارِ سحری میں ان متقین کا بیان ہو رہا ہے جن کا حال اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، ان حالات میں استغفار کرنے کا بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ طلبِ مغفرت تو گناہ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں نے ساری رات عبادت میں گزار دی وہ آخر میں استغفار کس گناہ سے کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو چوں کہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانتے ہیں اور اپنی ساری عبادت کو اس کے شایانِ شان نہیں دیکھتے، اس لئے اپنی اس تقصیر و کوتاہی سے استغفار[3] کرتے ہیں۔[4]

بندے کو چاہئے کہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتا رہے:

"اَللّٰهُمَّ لَا بَرَاءَةَ لِيْ مِنْ ذَنْبٍ فَاَعْتَذِرَ وَلَا قُوَّةَ لِيْ فَاَنْتَصِرَ..... وَلٰكِنِّيْ مُذْنِبٌ وَّمُسْتَغْفِرٌ"

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مجھے گناہوں سے چھٹکارا نہیں تو میرا عذر قبول فرما اور میری کوئی طاقت نہیں تو میری مدد فرما۔

---

[1] آل عمرٰن: ۱۷ [2] ابن کثیر: ۳۸۳/۳، آل عمرٰن: ۱۷

[3] حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف تہجد کے وقت مانگنے کے لئے (خصوصاً رمضان المبارک کی راتوں میں اور ذی الحجہ کی دس راتوں میں) بہت ہی مفید ہے، یہ ستر استغفار ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی "اِرْشَادُ السَّارِی اِلٰی مَنَاسِكِ ملا علی القاری" کے اخیر میں ہے، بندہ نے ان دعاؤں کا اردو ترجمہ استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف کے نام سے چھاپ دیا ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ {SEVENTY DUAS OF ISTIGHFAR.} کے نام سے چھپ چکا ہے اور کتاب مستند مجموعہ وظائف جو بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی سے شائع ہوئی ہے اس میں بھی موجود ہے، آپ ضرور اس کو مانگیں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا اور اعتکاف ..... سفر حج وعمرہ میں ..... یا جماعت کے سفر میں ..... خصوصاً تہجد کے وقت ..... ان استغفارات کے ذریعہ اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کی لذت آپ خود بھی محسوس فرمائیں گے۔ اسی طرح مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان استغفارات کے ذریعے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر بلاؤں اور ناگہانی آفتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ بے چینی، بے قراری، اُلجھن، ٹینشن دور کرنے کے لئے بھی یہ استغفارات نہایت ہی مفید ہیں۔ ہر بھائی/بہن سے ان استغفارات کو پڑھ کر گناہوں کی معافی مانگنے کی سفارش کی جاتی ہے یہ کتاب ہر معیاری کتابوں کی دکان سے مل سکتی ہے، ورنہ ہم سے براہ راست طلب فرمالیں۔

[4] تفسیر مظہری: ۸۲/۹، آل عمرٰن: ۱۷

البتہ میں گناہ گار ہوں، مغفرت کا طلب گار ہوں۔"[1]

فوائد و نصائح

❶ بندے کو چاہئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے: "التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے پاس جو تائب ہو کر جاتا ہے اسے وہ کبھی بھی ذلیل نہیں فرماتے، اس گناہ گار کی تمام خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کرنے والوں کو ایسا پاک کرتے ہیں گویا ابھی دنیا میں جنم لیا ہو۔

❷ "التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ" اپنے بندے پر رحم فرماتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ غضب کے وقت بھی، اس لئے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

❸ توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: اللہ رب العزت کے سامنے اپنے گناہوں پر نادم ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو۔ اپنے گناہوں پر جواز پیش نہ کرے بلکہ یوں کہے:

"اے اللہ! نہ تو میرے پاس گناہوں کا کوئی عذر ہے اور نہ گناہوں سے انکار ہے اور نہ ہی میرے پاس کوئی طاقت ہے کہ گناہوں کی سزا سے بچ سکوں، ہاں اعتراف و اقرار ہے کہ میں گناہ گار ہوں اور معافی اور بخشش کا طالب ہوں...... اے اللہ! اے کریم! مجھے معاف کردے۔"

یہ یقین بھی رکھے کہ توبہ کا قبول کرنے والا "التَّوَّابُ جَلَّ جَلَالُهٗ" کے علاوہ کوئی نہیں، نہ کوئی پیر، نہ کوئی ولی، نہ کوئی پیغمبر اور نہ ہی کوئی بزرگ، لہٰذا اسی کے در پر جائے۔

---

[1] منهج الامام ابن قيم الجوزيه: ٤٤٠

اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بدلہ لینے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُنْتَقِمُ أَيِ الْمُعَاقِبُ لِلْعُصَاةِ عَلٰى مَكْرُوْهَاتِ أَفْعَالِهِمْ"[1]

تَرجَمہ: "اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو اپنے نافرمان بندوں کو اُن کے ناپسندیدہ افعال پر سزا دے۔"

❷ "اَلْمُنْتَقِمُ: هُوَ الَّذِيْ يُبَالِغُ فِي الْعُقُوْبَةِ لِمَنْ شَاءَ."[2]

تَرجَمہ: "اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو کسی سے انتقام لینا چاہے تو انتہائی سخت گرفت فرماتا ہے۔"

"اللہ رب العزت کی شانِ انتقام یہ ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کو ان کے ناپسندیدہ کاموں پر سزا دیتے ہیں۔" یہ وصف اللہ رب العزت کے حق میں صفتِ حمیدہ ہے۔ بندوں کے حق میں صفتِ انتقام اس صورت میں قابلِ ستائش ہے جب کہ ان کا انتقام اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں سے ہو اور انسان کا حقیقی دشمن اس کا نفس ہے۔ یہی سب سے زیادہ قابلِ مواخذہ ہے، لہٰذا جب بھی نفس سرکشی کرے، اسے سزا دینی چاہئے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے خلاف عمل کیا جائے۔

"اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ظالم سے دنیا ہی میں انتقام لے لیتے ہیں

دنیا میں ایسے ایسے عجیب وغریب واقعات انتقامِ خداوندی کے ہوئے ہیں کہ دل لرز جاتا ہے، فرعون پانی میں غرق ہوا، قارون زمین میں دھنسایا گیا، نمرود مچھر کے کاٹنے سے مرا، کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا، ہلاکو خان پاگل ہو کر مرا، ہٹلر کا برا انجام ہوا، ایران کے پرانے اور نئے بادشاہ کا انجام سب کے سامنے ہے۔ عموماً ہر بستی، ہر شہر، ہر قریہ اور ہر دور میں ظلم کرنے والوں کے ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے کافی ہوتے ہیں، اور اندھے لوگ انہیں اتفاقات سمجھتے ہیں۔

---

[1] مرقاۃ: کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۸/۵ [2] شان الدعا: ۹۰

واقعہ نمبر (۶۳): مشہور مصنف مولوی محمد یحییٰ تنہا، بڑے ہی متقی پرہیزگار آدمی تھے، انہوں نے اور ان کے دوست نے مل کر ایک کوٹھی الاٹ کرائی، وہ دوست نیچے رہا اور مولوی صاحب کو اوپر کا حصہ دے دیا، کچھ دنوں کے بعد اس دوست کا انتقال ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا جو شرابی تھا اس بات کے درپے ہوگیا کہ ان مولوی صاحب کو اوپر کے حصہ سے نکال دے، لہٰذا زبردستی ان کا سامان پھینک کر اوپر کے کچھ حصہ پر قابض ہوگیا، مولوی صاحب نے مقدمہ دائر کر دیا تو مقدمہ اور اپیل ہر جگہ سے ہار گئے کیوں کہ فریقِ ثانی مجسٹریٹوں کو رشوت و شراب پہنچا دیتا تھا۔

پھر دو خطرناک کتے اس نے ان کے زینے کے اِدھر اُدھر بندھوا دیئے، غرض بری طرح ان کو تنگ کیا، مولوی صاحب اور اُن کے بیٹے بڑے ہی شریف تھے سب کچھ جھیلتے رہے، اچانک اس کا جوان بھائی اپنے ٹرک کے الٹ جانے سے دب کر مرگیا، تب مولوی صاحب کی جان چھوٹی، اس کی ماں، بہنوں اور بیوی نے کہا کہ یہ ان کا صبر ہم پر پڑا ہے کہ ہم نے انہیں رات دن طرح طرح سے ستایا اور دوست احباب کا آنا جانا تک بند کر دیا۔

والدین کی ناقدری، نافرمانی پر دنیا ہی میں ''اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی پکڑ

واقعہ نمبر (۶۴): سیالکوٹ کے ایک مالی کا بیٹا بڑھتے بڑھتے آگرہ کالج کا پرنسپل ہوگیا، میٹرک وغیرہ پاس کرنے کے بعد ماں باپ کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ باٹنی میں لندن سے پی ایچ ڈی کر کے آیا اور بڑی جگہ شادی کی۔

ماں باپ تو ٹوہ میں رہتے ہی تھے پتہ چلا کہ وہ بڑا آدمی ہوگیا ہے اور آگرہ میں پرنسپل ہے، وہ بصد اشتیاق اس کی کوٹھی پر پہنچ گئے، تو اس نے انہیں اپنے چپڑاسی کی کوٹھڑی میں ٹھہرایا اور پھر نکال دیا۔

آگرہ کے ایک بڑے مال دار گھرانے کے لیکچرار سے ناچاقی ہوگئی، تو اس لیکچرار نے آگرہ کے قصابوں سے اس کے ہاتھ پاؤں تڑوا دیئے، گورنمنٹ نے بڑے بڑے علاج معالجے کرائے مگر آرام نہ آیا، انڈیا کا یہ مشہور ماہرِ نباتات آگرہ کی سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرا کرتا تھا، شاید مہتہ اس کا نام تھا۔

''اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کا کرشمہ

واقعہ نمبر (۶۵): ابھی چند سال ہوئے ملک کا ایک مشہور ماہرِ دماغ سرجن کا بیٹا اس سرجن صاحب سے ملنے ہسپتال آرہا تھا کہ ایکسیڈنٹ ہوا اور سر پھٹ گیا، لوگ اسے ہسپتال لے گئے۔

ہسپتال کے عملے نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! دماغی آپریشن کا کیس آیا ہے چل کر آپریشن کر دیجئے۔'' کہنے لگا: ''فیس کون دے گا؟'' عملے نے کہا: ''یہ تو ایک حادثہ کا شکار ہے لوگ پہنچا گئے ہیں وارث معلوم نہیں کون ہیں؟''

اس نے انکار کر دیا...... اور مزے سے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا جب وہ مرگیا تو پتا چلا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس سے انتقام لے لیا کہ فیس کو اہمیت دی انسانی جان کو نہیں، دولت مقصد بنایا، انسانی خدمت نہیں۔

یہ جو آثارِ قدیمہ والے مختلف ممالک میں ہزاروں سال پہلے کے بڑے بڑے شہر کھود کر نکالتے ہیں یہ عبرت گاہیں انتقامِ الٰہی کے نمونے ہیں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ حالات سنا کر تنبیہ کی ہے سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔'' [1]

سورۂ فجر میں ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے عاد کے ساتھ کیسا کیا، اِرم کے ساتھ کیا کیا جنہوں نے بڑے بڑے ستونوں والے محلات اور باغات بنائے تھے کہ ان جیسی عمارتیں کہیں بھی نہ تھیں اور ثمود کو جنہوں نے وادی میں پہاڑوں کی چٹانیں کھود کر محلات بنائے تھے، اور فرعون کو جو بڑے بڑے ستونوں والا تھا، جنہوں نے بڑی سرکشی کی تھی اور فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔'' [2]

اگر وہ ''المُنتَقِمُ جلّ جلالہٗ'' نہ ہوتا تو دنیا بالکل بے لگام ہو جاتی، انتقام میں یہی حکمت ہے۔ ؎

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب — اہلِ دولت سے کہو اتنا نہ اترایا کریں
نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی — ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا [3]

قدرت کا انتقام

وَاقِعَہْ نمبر (۶۶): ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کم سن بیٹھا ہے اور وہ یہ ندا کر رہی ہے، اے کریم! اے کریم! تیرا گزرا ہوا زمانہ (یعنی کیسا موجب شکر ہے) میں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گزری، کہنے لگی: میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق ہوگئی اور سب کے سب ہلاک ہوگئے میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر، ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔

جب صبح کا چاندنا ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہوا میرے تختہ کے پاس پہنچ گیا اور جب اس کا تختہ میرے تختے کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آگیا اور مجھ سے بری بات کی خواہش کرنے لگا۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈر! ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں، اس سے خلاصی اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے چہ جائے کہ گناہ ایسی حالت میں کریں۔

---

[1] الأعراف: ٤ [2] الفجر: ٦ تا ١٣ [3] شرح اسماء الحسنٰی (الازھری): ٤٦٥، ٤٦٦

کہنے لگا: ان باتوں کو چھوڑ، اللہ تعالیٰ کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا، یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا میں نے چپکے سے ایک چٹکی اس کے بھرلی جس سے یہ ایک دم رونے لگا، میں نے اس سے کہا: اچھا ذرا ٹھہر جا! میں اس بچہ کو سلا دوں پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔

اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"يَا مَنْ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ حُلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ هٰذَا الزِّنْجِيِّ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

"اے وہ پاک ذات! جو آدمی کے اور اس کے دلی ارادہ میں بھی حائل ہو جاتی ہے میرے اور اس حبشی کے درمیان تو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی قسم! ان الفاظ کو پورا بھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچایا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے، اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی رہیں یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی، پانی پیتی رہوں گی جب تک اللہ تعالیٰ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گزر گئے، پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے، میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہنچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا، میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چوما گلے سے لگایا اور کہا: یہ میرا بچہ ہے میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے:

تو پاگل ہے تیری عقل ماری گئی ہے، میں نے کہا: نہ میں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔

پھر میں نے ان کو اپنا واقعہ سنایا، یہ ماجرا سن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا اور کہنے لگے: تو نے بڑی حیرت کی بات سنائی اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا اس کی پشت پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سنی:

"اگر اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈبو دی جائے گی"

ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا لیا اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا۔

تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ تعالیٰ ہمیں

کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی، وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے، وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہنچنے والی ہے۔[۱]

آہ جاتی ہے فلک پہ رحم لانے کے لئے

واقعہ نمبر ۹۷: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ دمشق میں ایک آدمی اپنا گدھا سواری کے لئے اجرت پر دے کر گزر بسر کرتا تھا، ایک دن ایک شخص نے آکر کہا: فلاں جگہ جانا ہے، مجھے لے چلو، اس نے اس شخص کو بٹھا کر چلنا شروع کیا تو وہ ایک ویران راستہ سے جانے کے لئے کہنے لگا، گدھے کے مالک نے کہا: کہ یہ راستہ مجھے نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: ''مجھے معلوم ہے، یہ راستہ قریب پڑتا ہے۔''

جب اس راستے سے کچھ آگے بڑھے تو ایک خطرناک وادی آئی، وہ شخص گدھے سے اترا اور خنجر نکال کر سواری کے مالک کو اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس بے چارے نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا: گدھا اور اس پر جو کچھ ہے سب لے لو مجھے چھوڑ دو لیکن وہ نہیں مانا، کہا کہ وہ تو لینا ہی ہے مگر تم کو بھی قتل کروں گا، اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی، ڈاکو نے کہا: ''جلدی پڑھو۔''

سواری کے مالک کا بیان ہے کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو خوف کی وجہ سے جو کچھ تھا سب بھول گیا، قرآن کا ایک حرف بھی حافظ میں نہیں رہا، اچانک میری زبان پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جاری فرمائی:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾[۲]

ترجمہ: ''کون ہے جو پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔''

اتنے میں ایک شہسوار آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، نیزہ اس نے ڈاکو کے سینے میں دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، میں نے شہسوار سے اس کا تعارف پوچھا تو وہ کہنے لگا:

''میں اسی ذات کا بندہ ہوں جو پریشان حال کی دعا سنتی اور مصیبت دور کرتی ہے۔''[۳]

---

[۱] موت کا منظر: دوسرا حصہ ۱۵۷

انسان پر دنیا میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور پریشانی ضرور آتی ہے، لیکن انسان کو اس پر صبر کرنا چاہئے، پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے، اسی موضوع پر بیت العلم ٹرسٹ کے مولانا خلیل صاحب نے الفرج بعد الشدۃ کا اردو ترجمہ ''پریشانی کے بعد راحت'' کے نام سے کیا ہے مستند واقعات و قصص پر مبنی ایک نادر کتاب شائع کی ہے اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ''پریشان ہونا چھوڑ دیجئے'' بندہ کی کتاب ہے یہ بھی اس موضوع پر الحمد للہ کافی تسلی وتشفی کا ذریعہ ہے جو مکتبہ دار الہدیٰ کراچی سے یا کسی بھی مستند کتب خانہ سے مل سکتی ہے۔

[۲] النمل: ٦٢ [۳] تفسیر ابن کثیر: ٦٧٧/٢، النمل: ٦٢

واقعتاً اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا جلد قبول فرماتے ہیں، مصیبت زدہ اور مظلوم کی آہ جب بلند ہوتی ہے تو اس کی قبولیت میں دیر نہیں لگتی۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ مظلوموں کو حق دلوانے والے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنے ایک گورنر کو خط لکھا:

"أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَمْكَنَتْكَ الْقُدْرَةُ مِنْ ظُلْمِ الْعِبَادِ، فَإِذَا هَمَمْتَ بِظُلْمِ أَحَدٍ فَاذْكُرْ قُدْرَةَ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَا تَأْتِيْ إِلَى النَّاسِ شَيْئًا إِلَّا كَانَ زَائِلًا عَنْهُمْ بَاقِيًا عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى آخِذٌ لِّلْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ. وَالسَّلَامُ"[1]

تَرْجَمَہ: "حمد وصلوٰۃ کے بعد! تمہیں بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے، لیکن جب بھی کسی شخص پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے! اور یاد رکھو کہ تم عام لوگوں پر جو آفت بھی مسلط کرو گے وہ ان سے تو ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی لیکن تمہارے اعمال نامے میں ہمیشہ باقی رہے گی اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا۔ والسلام۔"

اللہ رب العزت نے دنیا کو عمل کی جگہ اور آخرت کو بدلہ کی جگہ بنایا ہے لیکن مشاہدہ ہے کہ اعمالِ بد کی نحوست انسان کو اس دنیا میں بھی دیکھنی پڑتی ہے، اس قہار وغالب "اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی شانِ انتقامی بھی بڑی عجیب ہے، انتقام لینے پر آئے تو انسان کے وہم وگمان سے بھی ہٹ کر اس کی پکڑ ہے۔ انسان کی حفاظت کے اسباب ہی اس کی پکڑ کے اسباب بن جاتے ہیں، اس کے اپنے ہی غیر بن جاتے ہیں۔ اس کے چوکیدار، ملازم، خدام ہی اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، لہٰذا ہمیں ظلم سے بہت ہی بچنا چاہئے کہ کسی پر ہماری طرف سے ظلم نہ ہو۔[2]

"اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" انتقام لینے پر آئے تو کنکر کو بم بنا دے

"اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے، وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشۂ

---

[1] احياء العلوم للغزالي، بحث توبه: ۵/۴

[2] ظالم کو ظلم سے بچانے اور مظلوم کو تسلی دینے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ نے "مظلوم کی آہ" کے نام سے ایک عبرت آموز کتاب شائع کی ہے جو مظلوموں کے ساتھ پیش آئے ہوئے عجیب وغریب اور مستند واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر شخص سے اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے کہ یہ کتاب "اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت سمجھنے میں مدد دے گی، اسی طرح غیر ارادی طور پر بھی جو کسی پر ظلم ہو جاتا ہے، اس سے بچنے میں مدد کرے گی، اسی طرح ظلم ہونے کے بعد معافی مانگنے کی جرأت پیدا کرے گی۔

غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور تک نہیں آتا، جب بدبختی کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو اچانک پکڑ کر کام تمام کر دیتا ہے، لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نرمی، بردباری، اور خوش کن حالات کو دیکھ کر یہ نہ بھولے کہ جب وہ ذات مجرموں سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمالے تو وہ کسی سبب کی محتاج نہیں، ان کے اپنے ہی اسبابِ حفاظت اسبابِ ہلاکت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات بیان ہوئے ہیں۔ کہ ''المنتقم جل جلالہ'' نے جب انتقام کا ارادہ فرمایا تو اسباب حفاظت کو ہی اسبابِ ہلاکت میں تبدیل کر دیا اور بہت بڑی بڑی فوجوں کو اپنی مخلوق میں سے چھوٹی مخلوق کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

واقعہ نمبر ۶۸: امامِ حدیث وتاریخ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے: یمن پر ملوک حمیر کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذونواس ہے، جس نے اس زمانے کے اہلِ حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اُسی نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوا کر اُس کو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلا دیا۔ جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر **اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْد** کے نام سے سورۂ بروج میں آیا ہے۔

ان میں دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل بھاگے اور انہوں نے قیصر ملک شام کے بادشاہ سے جا کر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ظلم کیا ہے، آپ ان کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا۔ اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لو، اُس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈروں (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا۔ لشکر اُس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قومِ حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔

اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا۔ پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ کی وجہ سے ارباط قتل ہو گیا۔

ابرہہ غالب آگیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا۔ اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیسہ (عبادت خانہ) بنائے جس کی نظیر دُنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت وشوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کے بجائے اس کنیسہ میں جانے لگیں گے۔ اس خیال سے اُس نے بہت بڑا عالی شان کنیسہ اتنا اُونچا تعمیر کیا کہ اُس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اُس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مزین کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کو حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔

عرب میں اگرچہ بُت پرستی غالب آگئی تھی مگر دینِ ابراہیم اور کعبہ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں پیوست تھی، اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہوکر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے مسافر قبیلہ نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اُس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی کہ جس کا نام ''محمود'' تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہوکر کعبہ پر حملہ کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اُس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیئے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشاء یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا، یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا، اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہوکر مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی، مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست اور اُس کی رُسوائی نمایاں ہوکر دُنیا کے سامنے آئے۔ اس لئے یہ عرب مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے اُن کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کرلیا اور آگے روانہ ہوگیا، اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کرلیا اور اُن کے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر یہ سمجھ کر اُن کو زندہ رکھا کہ اُن سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کرلیں گے، اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے، قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے، اُنھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بُت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اُس کو نہ چھیڑے تو ہم اس کا مقابلہ نہ کریں، انھوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کرلیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔

ابرہہ اس پر راضی ہوکر ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مُغَمّس پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ اپنے قبضے میں کر لئے جن میں دو سو اُونٹ

رسول اللہ ﷺ کے جدِ امجد عبدالمطلب رئیسِ قریش کے بھی تھے۔ اَبرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اُس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے یہ جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کے خلیل (دوست) ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے، پھر دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا: آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔

ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اُتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا، اور اپنے ترجمان سے کہا: عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا: میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے قبضہ کر لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا: جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وُقعت و عزت ہوئی، مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا، کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دو سو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں، اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اُس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا:

"اِنِّیْ اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ، وَاِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَمْنَعُهٗ"

کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے اُن کی فکر ہے، اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں، بل کہ اس کا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

ابرہہ نے کہا: تمہارا معبود اُس کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور اُنھوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطورِ خراج ادا کرتے رہیں گے، ابرہہ نے اُس کے ماننے سے انکار کر دیا۔

اَبرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ عبدالمطلب قریش کے پاس واپس آئے اور انہیں پوری بات

بتائی۔ چوں کہ ابرہہ کے لشکر کی تعداد قریش سے بہت زیادہ تھی اس لئے سردار عبدالمطلب نے لوگوں کو مکہ خالی کر کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں پناہ حاصل کرنے کا مشورہ دیا، تاکہ وہ لشکر کی زد سے بچ سکیں۔ پھر انہوں نے کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑا اور بہت سے دیگر قریشی سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ عاجزی کے ساتھ دعائیں کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد مانگنے لگے قریش کے سردار عبدالمطلب[1] نے کعبے کا کنڈا پکڑ کر یہ شعر پڑھے ۔

لَا هُمَّ إِنَّ الْعَبْدَ يَمْـ　　نَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ　　وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَكْ

إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْـ　　لَتَنَا فَأَمْرٌ مَا بَدَالَكْ

ترجمہ: ”اے اللہ! ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ کل ان کی صلیب غالب نہ آئے، اور نہ ان کی قوت تیری قوت کو مات دے۔ اگر تو نے ان کو ہمارا قبلہ تاراج کرنے دیا تو پھر تیری مرضی۔“

اسی یقین کی بنا پر اُنھوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود تو اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی، اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے، صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن حبیب جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا اُس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے: تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیوں کہ تو اللہ تعالیٰ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اُٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کو بڑے بڑے آہنی کلہاڑوں سے مارا گیا، اُس کی بھی پروا نہ کی، اُس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف

---

[1] آپ کی والدہ سلمٰی بنت زید تھیں جن کا تعلق بنو نجار (مدینہ منورہ) سے تھا۔ سردار عبدالمطلب مستجاب الدعوات شخص تھے۔ اپنے دسترخوان سے قصداً پرندوں اور جانوروں کے لئے خوراک بچا لیتے تھے اور پہاڑوں پر لے جا ڈالتے تھے، اسی بنا پر ان کو (مُطْعِمُ الطَّيْرِ) ”پرندوں کو کھلانے والا“ اور (فیاض) ”حد سے زیادہ سخی“ کہا جاتا تھا۔ ناگہانی مصائب میں قریش ان سے مدد حاصل کیا کرتے تھے۔ عام معاملات میں بھی وہی ان کے مرجع و ماویٰ تھے۔ وہ قریش کے باکمال اور فعال سردار تھے۔ ۱۴۰ سال عمر گزاری۔ ہمیشہ اپنے بیٹوں کو ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں بتوں کی پوجا بھی چھوڑ دی تھی اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ چاہ زمزم کا انکشاف انہی کے ہاتھوں ہوا۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا مقدس کام انہوں نے ہی شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ ان کی زندگی میں چھوٹے ہی تھے۔ اس وقت بھی وہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ”میرے اس بیٹے کو بڑی شان حاصل ہوگی۔“ کیوں کہ انہوں نے کاہنوں اور راہبوں سے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ سردار عبدالمطلب واقعہ فیل سے آٹھ سال بعد فوت ہوئے۔ (الطبرانی: ۱۲/۱۹۵، الفیل: ۱)

چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

قدرتِ حق جل جلالہٗ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، ہر ایک کے پاس تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے اُن کے پنجے سُرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک کنکر چونچ میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اُوپر چھاگئے، ان پرندوں نے کنکریوں کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔

ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کرسکتی کہ جس پر پڑتی اُس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بل کہ مختلف اطراف میں بھاگے، اُن سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چوں کہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا بل کہ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کرگیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہہ گیا اور مرگیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہوگئے تھے۔ محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج، اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

بعض جرائم کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

بظاہر لفظِ مجرمین میں ہر قسم کے مجرم شامل ہیں، اور انتقام بھی عام ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں، مگر بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔

1. ایک حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلاناً کوشش کرنا۔

---

[1] معارف القرآن: ۸/۸۱۷ تا ۸۲۱، الفیل

[2] الم السجدۃ: ۲۲

❷ دوسرے والدین کی نافرمانی۔[1]
❸ تیسرے ظالم کی امداد۔[2]

دوستوں اور رشتہ داروں سے انتقام لینے کے بجائے نفس سے انتقام لیں

بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہئے، جیسے ابویزید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اوراد و وظائف میں سستی کی تو میں نے طویل عرصہ تک اس کو سزا دی۔[3]

جب کسی سے گناہ سرزد ہو تو چاہئے کہ وہ اس کے اسباب پر غور کرے اور جب انتقام کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہو تو اس کے انجام و نتائج کو پہلے سوچ لیں، صرف ان دو باتوں پر عمل کرنے سے بڑی حد تک انتقام کی آگ سرد ہو جائے گی اور ہمارے قلوب بغض و عداوت کی آلودگیوں سے نجات پا جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو جسمانی، مالی، اجتماعی یا علمی طاقت یا حکومت عطا کی ہے تو اس عطیہ خداوندی کو انتقام اور ایذا دہی میں صرف کرنا اس کی بدترین توہین ہے، جس سے ہر شکرگزار بندے کو اجتناب کرنا چاہئے۔

خصوصاً اساتذہ کرام و معلمات کو چاہئے کہ عفو کے فضائل سوچیں کہ:

(الف) بہترین خوبی معاف کرنا اور فراموش کرنا ہے۔

(ب) معاف کرنے والوں کے واقعات سوچیں کہ جب وہ معاف کرنے پر آئے تو کیسے کیسے مجرمین کو معاف کر دیا وہ بھی آخر ہماری طرح انسان تھے۔

"در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست"

ترجمہ: "معاف کرنے میں وہ لذت ہے جو بدلہ لینے میں نہیں ہے۔"[4]

---

[1] والدین کی اہمیت اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے مکتبہ دارالہدیٰ کی شائع کردہ کتاب "والدین کی قدر کیجئے" کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللّٰہ والدین کو ہر طرح کی راحت پہنچانے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی فکر پیدا ہوگی۔

[2] معارف القرآن، ۷/۷۱، الٓمّٓ السجدۃ: ۲۲

[3] رسائل امام غزالی: ۳/۳۵۵

[4] مثالی استاذ: ۲/۲۳۶، یہ کتاب ناشر: "بیت العلم ٹرسٹ" ہر استاذ کے لئے بہترین تحفہ جو گویا دو جلدوں میں ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جو ان شاء اللّٰہ تعالیٰ بچوں کے مربی معلّم اور والدین کے لئے مفید رہے گی، کہ بچوں اور شاگردوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں، اور کس طرح ان کو پیار و محبت سے تعلیم دی جائے۔

"المُنتَقِمُ جل جلالہ" کی ناراضگی سے بچنے کی دعا

"المُنتَقِمُ جل جلالہ" آن واحد میں فقیر کو غنی اور غنی کو فقیر بنا دے، بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنا دے، وہ انتقام لینے پر آئے تو بادشاہ کو جیل کا قیدی بنا دے، اور نوازنے پر آئے تو قیدی کو بادشاہ بنا دے، اس کی ناراضگی، انتقام اور پکڑ سے بچنے کی فکر کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعا بار بار مانگتے رہنا چاہئے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ...... وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ...... وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ...... لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ...... اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ."

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی رضا مندی کی آپ کے غصہ سے پناہ لیتا ہوں، اور آپ کی معافی کی آپ کے عذاب سے پناہ لیتا ہوں (غرض یہ کہ) آپ سے آپ کی ذات ہی کی پناہ لیتا ہوں، میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، بس تو آپ ایسے ہی ہیں جیسا خود آپ نے اپنی تعریف فرمائی۔" [1]

اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کے آخری حصے میں جو قبولیت کا بہترین وقت ہے اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

فوائد و نصائح

(۱) اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو انصاف اور مظلوم کی مدد کرنی چاہئے۔ مجرم کو سزا دینا بھی ایک اصول ہے، جیسا کہ پاک صاف شریف انسان کی حفاظت کرنا ایک اصول ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا بنیاد و تمدن کو متزلزل کر دیتا ہے۔ [2]

(۲) ظلم سے بچنا اور ظلم سے بچانا اپنا شیوہ بنانا چاہئے۔

(۳) "المُنتَقِمُ جل جلالہ" کے گناہوں پر پکڑ سے بچنے کے لئے ہر وقت عافیت کی دُعائیں مانگنا چاہئے۔

(۴) اس نام کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان دل میں شوق رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر کفر میں لگے ہوئے ہیں اور اسلام کے پھیلانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں اور دین کی دعوت کو قبول نہیں کرتے، نہ جزیہ دیتے ہیں...... ایسے لوگوں سے جہاد کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرے اور اللہ کے راستے میں شہادت کا شوق رکھے کہ جس طرح "المُنتَقِمُ جل جلالہ" ظالم بندوں سے انتقام لیتے ہیں تو یہ بندہ بھی دنیا میں اللہ کا خلیفہ بن کر ان ظالموں سے انتقام لے۔

---

[1] مسند احمد میں ہے: "كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهِ." اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اخیر رات میں یہ دعا مانگتے تھے۔ (مسند احمد: ۱۵۵/۱، رقم: ۷۵۳)

[2] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۲۲ (منصور پوری)

اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بہت زیادہ معاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ”امام حلیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کے نتائج کو ان سے دور کرنے والی ہے، یعنی ان سے چشم پوشی کا معاملہ کرنے والی ہے (پورا حساب نہیں لیتی ہے)، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ گناہوں کے بعد یا تو وہ لوگ توبہ تائب ہو جاتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، یا کسی شفاعت والے کی شفاعت کے حق دار ہوتے ہیں، یا ایسی عزت کے حق دار ہوتے ہیں جو کہ ان کی سزاؤں کے لئے مانع ہوتی ہے یا ”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ان کے نیک اعمال کے بدلے یہ معاملہ کرتے ہیں۔“ [1]

”اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی جانب سے معافی کا معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ یہ بندے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں اور رب تعالیٰ کی خالص رضا کے لئے ان بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائیں جن میں یہ لوگ مبتلا تھے (اور نیک کاموں میں لگ جائیں) تاکہ ان کے یہ نیک اعمال ان گناہوں کا کفارہ بن سکیں جو ان سے ماضی میں ہوتے رہے ہیں، اس کے علاوہ سفارش وشفاعت کے ذریعے بھی گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے جب کہ کوئی سفارش کرنے والا گناہ گار کی سفارش کرے۔

❷ ”إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَزَلْ عَفُوًّا عَنْ ذُنُوْبِ عِبَادِهٖ، وَتَرْكَهُ الْعُقُوْبَةَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْهَا مَالَمْ يُشْرِكُوْا بِهٖ.“ [2]

تَرجَمَہ: ”علامہ ابن جریر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اپنے بندوں کے گناہوں سے مسلسل درگزر فرماتے رہتے ہیں کہ بہت سے گناہوں پر سزا ہی ترک فرما دیتے ہیں بشرطیکہ وہ بندہ شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو۔“

❸ ”وَاللّٰهُ تَعَالٰى عَفُوٌّ عَنِ الذُّنُوْبِ، تَارِكُ الْعُقُوْبَةِ عَلَيْهَا“ [3]

---

[1] ”قَالَ الْحَلِيْمِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى-: ”اَلْعَفُوُّ“ وَمَعْنَاهُ، اَلْوَاضِعُ عَنْ عِبَادِهٖ تَبِعَاتِ خَطَايَاهُمْ وَآثَارِهِمْ، فَلَا يَسْتَوْفِيْهَا مِنْهُمْ، وَذٰلِكَ إِذَا تَابُوْا وَاسْتَغْفَرُوْا، أَوْ تَرَكُوْا لِوَجْهِهٖ أَعْظَمَ مِمَّا فَعَلُوْا، فَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ مَا فَعَلُوْا بِمَا تَرَكُوْا، أَوْ بِشَفَاعَةِ مَنْ يَشْفَعُ لَهُمْ، أَوْ يَجْعَلُ ذٰلِكَ كَرَامَةً لِذِيْ حُرْمَةٍ لَهُمْ بِهٖ، وَجَزَاءً لَّهٗ بِعَمَلِهٖ.“ (المنهاج: ۲۰۱/۱، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰۷/۲)

[2] جامع البيان: ۷٤/۵، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۲ [3] تفسير الاسماء: ٦۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۲۰٦/۲

ترجمہ: ”امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ گناہوں کو بھی معاف کرنے والا ہے اور ان گناہوں کے کرنے پر جو سزائیں ہیں ان کو بھی اپنے بندوں سے ہٹانے والا ہے۔“

۴ ”امام سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”العَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ ذات ہے جس کی صفت ہی معاف کرنا، بخشنا اور درگزر کرنا ہے اور اپنے بندوں کو معاف کرنا خاص اللہ رب العزت کی صفت ہے اور جیسا ہر انسان اس کی رحمت اور کرم کا محتاج ہے ویسا ہی مغفرت اور معافی کا بھی محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور معافی کا وعدہ کر رکھا ہے ہر اس شخص کے لئے جو مغفرت اور معافی کے اسباب بھی لے کر آئے۔“ [۱]

جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾ [۲]

ترجمہ: ”ہاں بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔“

۵ امام ابنِ قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وہ ذات العَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور اس کا معاف کرنا پوری مخلوق کے لئے عام ہے، اگر اس کا عفو نہ ہوتا تو زمین اپنے رہنے والوں کو غرق کر دیتی۔“ [۳]

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں

۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [۴]

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔“

۲ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [۵]

ترجمہ: ” اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔“

۳ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ [۶]

ترجمہ: ”پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی دینے والا اور پوری قدرت والا ہے۔“

---

[۱] ”اَلْعَفُوُّ اَلْغَفُوْرُ اَلْغَفَّارُ“: اَلَّذِیْ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِالْعَفْوِ مَعْرُوْفًا، وَبِالْغُفْرَانِ وَالصَّفْحِ عَنْ عِبَادِهٖ مَوْصُوْفًا، كُلُّ أَحَدٍ مُضْطَرٌّ إِلٰی عَفْوِهٖ وَمَغْفِرَتِهٖ، كَمَا هُوَ مُضْطَرٌّ إِلٰی رَحْمَتِهٖ وَكَرَمِهٖ، وَقَدْ وَعَدَ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْعَفْوِ لِمَنْ أَتٰی بِأَسْبَابِهَا“ (تیسیر الکریم الرحمن: ۵/۳۰۰، بحوالہ النہج الاسمٰی: ۲/۲۰۷) [۲] طٰہٰ: ۸۲

[۳]

وَهُوَ الْعَفُوُّ فَعَفْوُهٗ وَسِعَ الْوَرٰی ... لَوْ لَاهُ غَارَ الْأَرْضُ بِالسُّكَّانِ

(النونیۃ: ۲/۲۲۷، بحوالہ النہج الاسمٰی: ۲/۲۰۷)

[۴] النساء: ۴۳ [۵] النساء: ۹۹ [۶] النساء: ۱۴۹

اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کی معافی کا اکمل درجہ یہ ہے کہ جب بندہ بہت زیادہ گناہ کر کے اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے پھر اس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے تو توبہ تائب ہو کر اللہ ربّ العزت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ ربّ العزت (بغیر احسان جتلائے) اس کے سارے جرائم کو معاف فرما دیتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”(میری جانب سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، نہ مایوس ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور وہی گناہوں کا معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

اگر اس کی معافی اور حلم کی وسعت کمال درجہ تک نہ ہوتی تو اس زمین پر کوئی سانس لینے والا نفس اور چلنے والا جانور نہ بچتا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت آجائے گا تو ایک گھڑی بھی اس سے آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے۔“

یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مواخذہ کرتا ہے، حالاں کہ اگر گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی وہ مواخذہ کرنا شروع کر دے، تو ظلم و گناہ اور کفر و شرک اتنام عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔ کیوں کہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔[3]

اللہ ربّ العزت اپنی تمام مخلوقات پر مکمل قدرت رکھنے کے باوجود اپنی مخلوقات کو معاف کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت اپنے اس ارشاد میں فرما دی ہے:

---

[1] الزمر: ۵۳ [2] النحل: ۶۱

[3] إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ هُوَ "الْعَفُوُّ" الَّذِي لَهُ الْعَفْوُ الشَّامِلُ، الَّذِي وَسِعَ مَا يَصْدُرُ عَنْ عِبَادِهِ مِنَ الذُّنُوبِ، وَلَا سِيَّمَا إِذَا أَتَوْا بِمَا يُوجِبُ الْعَفْوَ عَنْهُمْ مِنَ الْإِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَالْإِيمَانِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ. (النهج الأسمى: ۲/۲۰۷)

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اگر تم کھول کر کوئی بھلائی کرو یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو، تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے۔“

اللہ ربُّ العزت کی ذات نے بھی اپنے بندوں کو معافی، درگزر کرنے اور اپنے ماتحتوں، اپنے دوستوں سے، اپنے رشتہ داروں سے ایک مرتبہ نہیں بل کہ کئی مرتبہ عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے، یعنی تم بھی لوگوں کو ایسے معاف کرو جیسے اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرتا ہے اور بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بھی معاف کرنے اور دوسرے کے عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور مسلمانوں میں سے جو ان کا اہتمام کرتا ہے اس کی تعریف بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنی دعاؤں میں عفو و عافیت کو کثرت سے مانگا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

”اَللّٰهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَاَنْتَ تَوَفَّاهَا ...... لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا ...... اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا ...... وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ .“[2]

تَرجَمَہ: ”اے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تو ہی موت دے گا۔ تیرے ہی لئے میری زندگی اور موت ہے۔ اگر تو مجھے زندہ رکھے تو میری حفاظت فرما اور اگر موت دے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں۔“

تو اس آدمی نے ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کہا: کیا آپ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد (حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے بہتر شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے سنا ہے۔[3]

یہ نام مبارک ہمیں معاف کرنے کی دعوت دیتا ہے

جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اور دنیا و آخرت میں یہ اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت ابو کبشہ انماری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہیں جنہیں

---

[1] النساء: ۱۴۹

[2] مسلم، الدعوات والتعوّذ، الدعاء عند النوم: ۳۴۸/۲

[3] مسلم، الدعوات والتعوذ، باب الدعاء وعندالنوم: ۳۴۸/۲

میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں:

1. صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا۔
2. اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا، جس پر اس نے صبر کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دے گا۔
3. اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا)۔[1]

"اَلْعَفُوُّ" کے معنی ترک کرنے اور چھوڑنے کے ہیں۔

"عفو" بہت چھوڑ دینے والا۔ بہت معاف کرنے والا۔ "عفو" وہی "عفو" ہے جو قدرت والے کی طرف سے ہو، ورنہ اس کا نام تو عجز ہوگا۔[2]

عربی میں **عفو** اور **صفح** یہ دو لفظ درگزر کرنے کے لئے آتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق ہے **عفو** معاف کر دینے کے لئے ہے اور **صفح** بھی معاف کر دینے کے لئے ہے مگر یہ عفو سے بھی زیادہ بلیغ ہے، یعنی اس طرح معاف کر دینا کہ بالکل بھول ہی جانا کہ کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی۔ چناں چہ جاہلی شاعر کہتا ہے:

صَفَحْنَا عَنْ بَنِيْ ذُهْلٍ وَقُلْنَا الْقَوْمُ إِخْوَانُ

تَرجَمہ: "ہم نے بنو ذہل سے درگزر کیا اور کہا: یہ تو ہمارے بھائی ہیں۔"

اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾[3] یعنی فَاعْفُوْا کے بعد وَاصْفَحُوْا آیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ نہ صرف معاف کر دو بلکہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاؤ کہ بالکل بھول ہی جاؤ کہ گویا جرم ہوا ہی نہیں ہے، ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾[4] خوب صورتی کے ساتھ درگزر کرو۔

چوں کہ اس کی ذات "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے لہٰذا وہ دوسروں سے بھی معافی کا مطالبہ کرتا ہے کہ مجرم کو معاف کرو کہ یہ قرینِ تقویٰ ہے کیوں کہ بدلہ لینے میں زیادتی کا احتمال ہے اور بدلہ نہ لینے میں زیادتی کا کوئی امکان نہیں، اس لئے معافی انتقام سے بہتر ہے، اگرچہ اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ظلم کرے تو اس پر اسی قدر ظلم ڈھا سکتے ہو، چناں چہ فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾[5]

تَرجَمہ: برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور فرمایا:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾[6]

---

[1] مسند امام احمد: ۲۷۳/۵ [2] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۴۸ (منصور پوری)
[3] البقرة: ۱۰۹ [4] الحجر: ۸۵ [5] الشوریٰ: ۴۰ [6] النحل: ۱۲۶

ترجمہ: اور اگر سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں دی گئی۔

اسلام نے انتقام لینے کو جائز قرار دیا ہے کیوں کہ وہ "اَلْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" بھی ہے مگر معاف کر دینے کو افضل قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ "رَحْمَانٌ وَ رَحِیْمٌ وَ رَءُوْفٌ" اور "اَلْعَفُوُّ" بھی ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا اس نے معافی کو افضل قرار دیا ہے۔

جو معاف کرنے کی عادت بنائے گا وہ اس نام کی برکتیں پائے گا

واقعہ نمبر ۶۹: حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کو ان کی ایک باندی وضو کروا رہی تھی کہ اُس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا جس سے اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا، انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے ﴿وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ﴾ پڑھ دیا، اس پر انہوں نے کہا: میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔

پھر اس نے ﴿وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ پڑھا، آپ نے اس کو معاف کر دیا۔

پھر اس نے ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾[1] پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا: اچھا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

اللہ! اللہ! آلِ رسول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کا کتنا بلند کردار تھا۔[2]

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فتحِ مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کچھ نہیں کہا: جس نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، جس کی تکلیف آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آخر تک محسوس فرماتے رہے۔[3]

واقعہ نمبر ۷۰: اہلِ عرب میں حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور احنف بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بڑے مشہور تھے، احنف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے اس کے بیٹے کے قاتل کو لوگ پکڑ کر لائے تو کہا: اسے چھوڑ دو۔ اسے تکلیف ہو رہی ہوگی۔ بادشاہوں کے حوصلے بڑے بلند ہوتے ہیں، تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بادشاہوں نے بڑے بڑے سرکش باغیوں کو جو برسوں برسرپیکار رہے، قابو پانے پر معاف کر دیا۔

اگر کوئی مجرم معافی مانگتا ہے تو نیک اور صالح لوگوں کے نزدیک اور علم اخلاق کے اعتبار سے اسے معاف کر دینا تقریباً فرض ہو جاتا ہے۔[4]

واقعہ نمبر ۷۱: حضرت مسطح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو واقعہ افک میں ملوث ہو گئے تھے فقرائے مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خالہ زاد بھائی تھے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے

[1] آل عمرٰن: ۱۳۴ [2] روح المعانی: ۵۹/۳، آل عمرٰن: ۱۳۴

[3] تفسیر ابن کثیر: ۱۱۹۳، الشوریٰ: ۳۹ [4] شرح اسماء الحسنٰی الازھری: ۲۷۳

تھے جب یہ واقعہ افک میں شریک پائے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک طبعی تقاضا تھا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔ بظاہر کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا واجب اور ضروری بھی نہ تھا اور نہ ہی مدد نہ کرنا کوئی گناہ کی بات تھی مگر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ بنانا تھا، اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے غلطی ہوئی ان کو سچی توبہ اور نعمتوں سے نوازا تو دوسری طرف جن بزرگوں نے ایسے غریب حضرات کی مدد نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ان کو سورۂ نور کی آیت نمبر ۲۲ میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔

اور فرمایا کہ: ''ان کو ایسی قسم توڑ دینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور مالی مدد و تعاون کرتے رہنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کیا اسی طرح بڑوں کو بھی ان سے درگزر کرنا چاہئے۔''

اس آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا: ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ یعنی: ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔''

تو صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً کہا: "وَاللّٰهِ! اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ"[1]

یعنی: ''بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دے'' اور فوراً حضرت مسطح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مالی مدد جاری کر دی اور فرمایا: اب کبھی یہ امداد بند نہ ہوگی۔

یہ وہ بلند اخلاق تھے جن سے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی تربیت کی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا."[2]

تَرْجَمَہ: ''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو رشتہ داروں کے صرف احسان کا بدلہ دے، بل کہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کے تعلق توڑنے کے باوجود ان سے تعلقات جوڑے۔''

فَائِدَہ: اس واقعہ سے پتہ چلا کہ خواص، بڑوں، بزرگوں کی شفقت ایک عام شخص پر بھی ہونی چاہئے۔ ''اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہمارے رشتہ داروں...... دوست احباب اور...... ملازموں...... سے اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے ہمیں تکلیف پہنچی ہو تو ہم معاف کر دیا کریں، زندگی بھر کے لئے یہ فیصلہ نہ کریں کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا، اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ جس کا ترجمہ ہے:

''اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ

[1] بخاري، التفسير: ۲/۶۹۸، النور: ۲۲

[2] بخاري، الادب، باب ليس الواصل بالمكافي: ۲/۸۸۶

غفور رحیم ہے۔''[۱]

یعنی تم لوگوں سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے، تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟

اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾[۲]

تَرجَمَہ: ''معاف کرنے کو اختیار کیجیے، اور نیک کاموں کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔''

تفسیر ابن کثیر جلد۲ صفحہ۲۷۴ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

''إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ''

تَرجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتادیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔''[۳]

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت

چوں کہ انسان کا مزاج میل جول والا ہے، اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور غیروں سے، رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ اپنوں سے بھی تکلیفیں پہنچیں گی اور غیروں سے بھی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے، اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے، اگر

---

[۱] النور: ۲۲ [۲] الاعراف: ۱۹۹ [۳] مسند احمد: ۱۴۸/۴، رقم: ۱۶۸۸۳

زیادتی کر دی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔

چناں چہ اسی بات کو سورۂ شوریٰ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"[۱]

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا، لیکن جس نے نفس پر قابو پا لیا اور نفس کو معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے۔

جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو معاف کر دینا اس کے لئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے، لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا: "اے ربّ! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: "جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔"[۲]

"اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُهُ" سے اچھا گمان رکھنا چاہئے

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظن کے ساتھ ہے، جیسا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔ اس کی ذات بڑی کریم اور رحیم ہے اس لئے بندہ کو چاہئے کہ مستقبل کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ اس سے آدمی بڑی دولت سے محروم رہتا ہے۔ یہ بھی ماسویٰ اللہ تعالیٰ کی مشغولی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر ماضی اور مستقبل کے مراقبہ کی ضرورت نہیں، اگر بغیر ارادے کے خیال آجائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ بس یہ کافی ہے، کوشش سے ماضی کے گناہوں کو یاد کریں تو بعض اوقات وہ گناہ حجاب کا باعث بن کر خسران کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آئندہ کے لئے تجویزوں کی ضرورت

---

[۱] الشوریٰ: ۴۰ [۲] البیهقی فی شعب الایمان: ۶/۳۱۹، انوار البیان: ۴/۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷

بھی نقصان دہ ہے، یہ سوچنا چاہئے کہ میں پہلے کیا تھا، اب کیا ہوگیا، یا میں کچھ ہوا یا نہیں۔ ان خیالات کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کسی حال میں مایوسی کے قریب نہ جانا چاہئے، یاد رکھنا چاہئے کہ میرے مولیٰ کا نام ''اَلْعَفُوُّ'' ہے۔

''اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رحمت، غضب پر غالب ہے

واقعہ نمبر ۴۷: اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی کریم و رحیم ہے، اگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا پوری طرح استحضار ہو جائے تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت پیدا ہو جائے، اس لئے کہ یہ فطری بات ہے کہ محسن کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ایک واقعہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ ان تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ایک شخص بہت مال و دولت والا اور کثیر اولاد والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی مال و دولت کی بھی فراوانی عطا فرمائی تھی، اور جوان بیٹے عطا فرمائے تھے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کے باوجود وہ بڑا مسرِف (اپنی جان پر ظلم کرنے والا) اور نیکی سے دور بھاگنے والا تھا، ساری عمر اس نے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے گزاری تھی، کبھی کوئی نیکی کا کام اس نے نہ کیا تھا۔

جب اس کی مہلتِ حیات ختم ہونے کو آئی، اور مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اسے خیال آیا کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور اتنے عیش و فراوانی کے باوجود عمر بھر اس کی نافرمانی کی ہے۔ جب زندگی سے مایوس ہوگیا تو اسے یقین ہو گیا کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اتنا شدید عذاب دیں گے کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ سے واقف تھا۔

اس خیال سے اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ یہ بھی بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ عدم سے وجود بخشنے والی ذات کیا کائنات کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے وجود کو یکجا کرنے اور اسے زندہ کرنے پر قادر نہ ہوگی؟

مارے خوف کے اس نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے پوچھا:

''میں تم لوگوں کے لئے کیسا باپ تھا؟''

بیٹوں نے کہا: ''بہت بہترین باپ تھے۔'' کہنے لگا:

''فَإِنِّيْ لَمْ أَبْتَهِرْ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرًا''

میں نے اللہ تعالیٰ کے دربار کے لئے کبھی کوئی نیکی کا ذخیرہ نہیں بنایا۔

لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہوگیا (حالاں کہ وہ ہر وقت قادر ہے) تو مجھے ایسا سخت عذاب دے گا

کہ تمام جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اس لئے میری موت کے بعد تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور پھر میری راکھ کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا، آدھی روئے زمین کی خشکی پر اڑا کر بکھیر دینا اور آدھی سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر کر دینا، اگر تم ایسا نہ کرو گے (اور اس کا مجھ سے وعدہ نہیں کرتے) تو میں تمہاری میراث غیروں میں تقسیم کر دوں گا۔

بیٹوں نے باپ کی موت کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا اور اس کی لاش کو آگ لگا کر آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی سمندر میں بہا دی۔

اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ پوری روئے زمین میں جہاں بھی ہے، اکٹھی کر دے، حکم الٰہی کی پابند زمین نے حکم کی تعمیل کی، سمندر کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اندر بہی ہوئی راکھ کو اکٹھا کر دے، اس نے بھی حکم کی تعمیل کی، جب اس کی تمام راکھ اکٹھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اس سے اس کی اس عجیب وغریب وصیت کا سبب دریافت کیا۔

اس نے کہا: ”اے میرے ربّ! آپ اس بات کی حقیقت سے خوب واقف ہیں، کہ یہ وصیت میں نے آپ کے خوف اور ڈر سے کی تھی۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس خوف کی وجہ سے اس کی مغفرت فرما دی۔

ظاہر ہے کہ اس کی مذکورہ وصیت سخت گناہ والی بات تھی، کیوں کہ جس طرح ایک زندہ انسان کی حرمت ہوتی ہے اسی طرح شریعت نے مردوں کے ساتھ بھی احترام کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کسی مردہ کی لاش کی بے حرمتی کرے، حتیٰ کہ خود اپنی لاش کے لئے بھی ایسے گناہ کی وصیت حرام ہے اور اس کی یہ وصیت ایک سنگین ترین گناہ کے مترادف تھی کہ ایسا کرنے کے بعد (نعوذ باللّٰہ) اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرنے اور عذاب دینے پر قادر نہ ہوگا جو ظاہر ہے ایک سنگین ترین اعتقادی غلطی ہے، لیکن اس وصیت کے پیچھے چوں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور عذابِ الٰہی اور اس کی پکڑ سے ڈر تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر اس کی مغفرت فرما دی۔“ [1]

عبرت ونصیحت کی باتیں

❶ اللہ تعالیٰ کا خوف بہت قیمتی اور بلند چیز ہے جس دل میں خوف وخشیتِ الٰہی پیدا ہو تو یہ اسے گناہ، نافرمانی اور معاصی سے بچانے میں معین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی خوف کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اسی کی وجہ سے خواہشات سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾ [2]

تَرْجَمَۃ: ”سو جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بلاشبہ جنت

[1] مسلم: التوبۃ، باب سعۃ رحمۃ اللّٰہ تعالٰی ......: ۲/۳۵۶ [2] النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱

اس کا ٹھکانہ ہے۔“

اور یہی خوف ہے جس کے متعلق سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے واسطے دو جنتیں ہیں۔“

❸ اللہ تعالیٰ کبھی کسی آدمی کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کا عذر قبول فرماتے ہیں۔ جیسے اس مذکورہ شخص کا عذر قبول فرمایا، حالاں کہ اس کی غلطی نہایت سنگین تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بکھری ہوئی راکھ کو جمع کرنے، اسے دوبارہ زندہ کرنے اور اسے سزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا، اس کی جاہلانہ وصیت کی وجہ ”نہ جاننا“ تھی اور سبب اللہ تعالیٰ کا خوف تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو قبول فرمایا۔

العَفُوُّ جَلّ جَلَالُہٗ کی نگاہِ مغفرت و رحمت

واقِعَہ نمبر (۷۳): مبرد نے ”الکامل“ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جنازہ میں حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور مشہور شاعر فرزدق دونوں حاضر تھے، فرزدق نے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے کہا: ”ابوسعید! معلوم ہے لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟

لوگ کہہ رہے ہیں کہ آج کے جنازہ میں بہترین اور بدترین دونوں جمع ہوگئے ہیں“ بہترین سے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور بدترین سے فرزدق کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا: ”نہ میں بہترین ہوں، نہ تم بدترین ہو لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے اور تمہارے پاس اس دن کے لئے کیا زادِ سفر ہے؟“

فرزدق نے برجستہ کہا: ”شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“

یعنی کلمہ توحید کی شہادت اور پنج وقتہ نماز کی پابندی، وفات کے بعد فرزدق کو خواب میں کسی نے دیکھ کر پوچھا: ”کیا بنا؟“

کہا..... ”اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی“ دریافت کیا: ”کس بنا پر؟“

کہا: ”اس کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جس کا میں نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے ساتھ گفتگو میں حوالہ دیا تھا۔“[2]

کسی نے خوب کہا ہے:

اک توشۂ امید کرم لے کے چلا ہوں ۔۔۔ کچھ اس کے سوا پاس نہیں زادِ سفر اور

[1] الرحمٰن: ٤٦ [2] الكامل للمبرد: ١/١٢٤

اس سے معلوم ہوا کسی کلمہ گو اور نمازی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی نگاہِ رحمت و مغفرت کب کسی پر پڑ جائے اور اس کی کایا پلٹ جائے، لہٰذا مسلمان کے گناہوں سے تو نفرت ہو، لیکن نفس مسلمان کو کسی حال میں بھی حقیر کمتر نہیں سمجھنا چاہئے، اس کے لئے دعا کرنی چاہئے...... اے اللہ! اس کو گناہوں کی زندگی سے نکال کر نیکی والی زندگی نصیب فرمایا۔

گناہوں کی معافی کی عظیم دعا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک پیاری دعا سکھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اس طرح مانگو:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور بہت کریم ہیں۔ معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں لہٰذا ہمیں معاف فرمایئے۔"

یعنی نالائقوں کو بھی معاف کرنے والے ہیں، جو اس درجہ نالائق ہو کہ گناہ کرتے کرتے اس قابل ہو گیا ہو کہ معافی کے قابل بھی نہ رہا ہو، ایسوں کو بھی مہربانی سے محروم نہ کرنے کا نام کریم ہے۔

اے اللہ! اگرچہ ہم اپنی مسلسل نالائقیوں سے، مسلسل بے وفائیوں سے اور بے غیرتی کے اعمال سے آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ آپ ہمیں معاف فرمادیں لیکن آپ کریم ہیں، اور کریم کے معنی یہ ہیں کہ جو نالائقوں کو بھی اپنی مہربانی سے محروم نہ کرے، اس لئے آپ ہم پر رحم فرما دیجئے۔ اپنے کرم سے ہم کو محروم نہ کیجئے، کیوں کہ آپ کریم ہیں اور کریم نالائقوں کو بھی محروم نہیں کرتا۔

اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ کا محبوب عمل

صرف یہی نہیں کہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں بل کہ "تُحِبُّ الْعَفْوَ" اپنے معاف کرنے کے عمل کو آپ بہت محبوب رکھتے ہیں، یعنی جب آپ کسی بندہ کو معافی دیتے ہیں تو آپ کو یہ عمل بہت پیارا، بہت محبوب ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہ! یہ کس کا جواب ہے؟

مخلوق کا جواب ہے کہ ہم لوگ اپنے ستانے والے کو جب معاف کرتے ہیں تو ہمیں مزہ نہیں آتا، دل میں دکھن رہتی ہے۔

"فَاعْفُ عَنِّيْ" ہم گناہ گاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجئے، اپنا محبوب کام کر لیجئے اور ہمارا

---

[1] ترمذي، الدعوات، باب في فضل سؤال العافية والمعافاة، رقم: ۳۵۱۳

بیڑا پار کر دیجیے۔

اے اللہ! آپ معاف کرنے کو محبوب رکھتے ہیں، اے اللہ! جب آپ کسی کو معاف کرتے ہیں تو معاف کرنے سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی بل کہ اپنے بندوں کو معافی دینا آپ کو نہایت محبوب ہے۔

محدث عظیم ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس کا ترجمہ کتنا پیارا کیا:

"أَيْ أَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰى عِبَادِكَ"

تَرجَمَۃ: "اپنے بندوں پر جب اپنی مغفرت کی صفت ظاہر فرماتے ہیں اور ان کو معافی دیتے ہیں تو یہ عمل آپ کو نہایت محبوب ہے۔" [1]

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا "اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بارگاہ میں طلبِ عفو کا نرالا انداز۔

إِلَيْكَ إِلٰهَ الْخَلْقِ أَرْفَعُ رَغْبَتِيْ — وَإِنْ كُنْتُ يَا ذَا الْمَنِّ وَالْجُوْدِ مُجْرِمَا

اے الٰہی! آپ ہی کے حضور میں اپنی مرادیں پیش کرتا ہوں — اے احسان و اکرام والے! اگرچہ میں خطاکار ہوں

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ — جَعَلْتُ الرَّجَا مِنِّيْ لِعَفْوِكَ سُلَّمَا

اور جب کہ دل سخت اور راہیں تنگ ہو گئیں — تو میں نے آپ کے عفو کی امید کو نجات کی سیڑھی بنایا

تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ — بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا

مجھے میرے گناہ بھاری معلوم ہوئے مگر جب اس کا موازنہ — آپ کے عفو سے کیا تو آپ کا عفو بے حد بھاری ثابت ہوا

خِفِ اللّٰهَ وَارْجُهٗ لِكُلِّ عَظِيْمَةٍ — وَلَا تُطِعِ النَّفْسَ اللَّجُوْجَ فَتَنْدَمَا

اللہ سے ڈر اور مصائب میں اسی سے امید وار رہ — اور گناہ میں ڈوبے نفس کی پیروی نہ کر کہ تجھے پچھتانا پڑے

وَكُنْ بَيْنَ هَاتَيْنِ مِنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا — وَأَبْشِرْ بِعَفْوِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مُسْلِمَا

اور خوف و رجا کے درمیان قلب کی کیفیت رکھ — اور اللہ کی معافی کا امید وار رہ اگر تو مسلمان ہے

فَمَا زِلْتَ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ — تَجُوْدُ وَ تَعْفُوْ مِنَّةً وَتَكَرُّمَا

آپ پہلے بھی ہمیشہ گناہوں کو معاف فرماتے رہے — اور آئندہ بھی از راہِ کرم و عفو بخشش فرماتے رہیں گے [2]

فوائد و نصائح

1 اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہیے کہ مایوس ہونا چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی

[1] مرقاة شرح مشكوٰة: باب ليلة القدر: ٣٢١/٤

[2] شرح ديوان الإمام الشافعي: ٢٢٠

معافی کے لئے ہر وقت دعا مانگتا رہے اور آئندہ گناہ اور نافرمانی کے کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

۲ جس طرح اپنے آپ کے لئے یہ معافی کو پسند کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی عفو و درگذر کا معاملہ کرتا رہے۔ دوسروں کی تکلیف دہ باتوں کو بھلا دے، اپنے دل میں ایک چھوٹا سا قبرستان بنا کر رکھے، اس طرح کہ جس کسی کی بات سے تکلیف پہنچے اس کو قبرستان میں دفن کر دے، اس کا تیجہ، چالیسواں، دسواں نہ منائے، کہ فلاں نے اس وقت مجھے یہ کہا تھا اور فلاں رشتہ دار میری عیادت کرنے نہیں آئے اور فلاں نے میرے خلاف فلاں کو یہ بات کہی تھی۔ یہ سب باتیں دل کے قبرستان میں اس طرح دفن کر دیں کہ دوبارہ یاد نہ آئے، اور معاف کرنے کو اپنی عادت و اخلاق کا لازمی حصہ بنائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ان معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے بندوں میں شامل ہو جنہیں ''اَلْعَفُوُّ جَلَّ جَلَالُہٗ'' پسند فرماتے ہیں۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو یاد کر کے کثرت سے مانگتا رہے اور چلتے پھرتے اس نام کے وسیلے سے اس طرح دعا مانگے جس طرح لیلۃ القدر میں مانگی جاتی ہے:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.''[۱]

اے بہت زیادہ معاف کرنے والے مجھے معاف کر دے۔

یا یوں دعا مانگے:

''یَارَبِّ عَفْوُکَ عَفْوُکَ.''[۲]

اے میرے پروردگار! تیری بخشش کا طالب ہوں۔

یہ بہت مبارک دعا ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ پیارا نام جو ''رب'' ہے، اس کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور یہ وہ مبارک نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے اسی نام سے دعائیں مانگی ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً ۳۸ مرتبہ ''رَبَّنَا'' یا ''رَبِّ'' کے ذریعہ دعائیں مانگی گئی ہیں۔

---

[۱] ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی فضل سؤال العافیة والمعافاة، رقم: ۳۵۱۳

[۲] کتاب الدعا، شیطانی خیالات اور وہم دور کرنے کی دعا: ۳٤۷

الرؤوف جل جلالہ

(بہت نرمی کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "يُقَالُ إِنَّ الرَّأْفَةَ، وَالرَّحْمَةَ وَاحِدٌ، وَقَدْ فَرَّقُوْا بَيْنَهُمَا أَيْضًا، وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّأْفَةَ هِيَ الْمَنْزِلَةُ الثَّانِيَةُ، يُقَالُ: فُلَانٌ رَحِيْمٌ، فَإِذَا اشْتَدَّتْ رَحْمَتُهُ، فَهُوَ رَءُوْفٌ" [۱]

ترجمہ: "امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: رأفت اور رحمت ایک ہی چیز ہے؛ لیکن بعض کے نزدیک تھوڑا فرق ہے، رافت مہربانی کے بعد والا درجہ ہے، اگر کوئی رحیم ہو تو کہا جائے گا "فُلَانٌ رَحِيْمٌ" جب اس کی صفتِ رحمت بڑھ جائے تو اسے رؤف کہتے ہیں۔"

❷ الرؤوف: وَمَعْنَاهُ الْمُتَسَاهِلُ عَلٰی عِبَادِهٖ لِأَنَّهٗ لَمْ يُحَمِّلْهُمْ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ، بَلْ حَمَّلَهُمْ أَقَلَّ مِمَّا يُطِيْقُوْنَ بِدَرَجَاتٍ كَثِيْرَةٍ. [۲]

ترجمہ: "امام حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الرؤوف جل جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر آسانی و مہربانی کا معاملہ کرنے والا ہے، اس لئے کہ "الرؤوف جل جلالہ" اپنے بندوں پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کے اٹھانے کی طاقت بندوں میں نہ ہو۔ بل کہ جو کام ان کی طاقت میں ہے اس سے بھی کم ذمہ داریوں کا ان کو مکلّف بنایا ہے۔ قربان جایئے اس رؤف کی مہربانیوں پر اور اس کی عطاؤں پر کہ اس نے گناہوں سے بچنے پر اور نیکیوں کے کرنے پر بے شمار اجر وثواب کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ بندوں کی ڈیوٹی تھی، ان کی ذمہ داری تھی، چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے لیکن اس "الرؤوف جل جلالہ" نے بے شمار اجر وثواب عطا کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔"

❸ اسی طرح "الرفیق" جس کے معنی بھی نرمی کرنے والے کے آتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، صحیح بخاری سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [۳]

---

[۱] تفسير الاسماء: ٦٢، بحواله النهج الاسمىٰ: ٢/٢١٣

[۲] المنهاج: ٢٠١/١ بحواله النهج الاسمىٰ: ٢/٢١٥ [۳] بخاري، الاستتابة، باب اذا عرض الذمي ...... رقم: ٦٩٢٧

اسم مبارک "الرؤوف جل جلالہ" قرآن کریم میں دس مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: "یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔"

❷ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔"

❸ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[3]

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

صفت[4] "الرؤوف" اللہ رب العزت کی خاص صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت کئی صورتوں میں ظاہر فرمائی ہے:

❶ اس کی بہترین مہربانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال میں سے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرتا اور نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

"اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔"[5]

❷ یہ بھی اس کی مہربانیوں میں سے ہے کہ اس نے ہم کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے، اور اپنی سزاؤں اور اپنے عذابات سے بھی خوف دلایا ہے، اور اپنی نافرمانی سے بھی منع فرمایا ہے، یہ اس وجہ سے کہ جس دن ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات (کریں گے) اس دن کے لئے تیاری کریں اور اس کے غصے اور ناراضگی سے بچیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

"جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے

---

[1] النحل: ۷ [2] الحج: ۶۵ [3] الحدید: ۹

[4] وَصْفُ اللّٰهِ تَعَالٰی بِالرَّأْفَةِ وَهِيَ أَشَدُّ الرَّحْمَةِ، وَمِنْ مَظَاهِرِ تِلْكَ الرَّأْفَةِ: أَنَّهُ لَا يُضِيعُ لِعِبَادِهِ طَاعَةً أَطَاعُوهُ بِهَا فَلَا يُثِيبُهُمْ عَلَيْهَا: أَنَّهُ حَذَّرَنَا نَفْسَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی، وَخَوَّفَنَا مِنْ عُقُوبَتِهِ وَعَذَابِهِ وَنَهَانَا عَنْ مَعْصِيَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يُلْقَى الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِيَسْتَعِدَّ لِلِقَائِهِ، وَيَتَجَنَّبَ سَخَطَهُ وَغَضَبَهُ.

فَمِنْ رَحْمَتِهِ وَرَأْفَتِهِ فِعْلُ ذٰلِكَ. أَنَّهُ يَقْبَلُ تَوْبَاتِ التَّائِبِينَ، وَلَا يَرُدُّ عَنْ بَابِهِ الْعَاصِينَ الْمُنِيبِينَ مَهْمَا كَثُرَتْ سَيِّئَاتُهُمْ، وَتَعَاظَمَتْ خَطِيئَاتُهُمْ.

تَسْخِيرُهُ لِمَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِمَصْلَحَةِ الْإِنْسَانِ وَمَنْفَعَتِهِ، وَخَلْقُهُ الْأَنْعَامَ لِيَرْكَبَ عَلٰی ظَهْرِهَا فَتَحْمِلَهُ الْمَسَافَاتِ الشَّاسِعَةَ، هُوَ وَمَتَاعَهُ وَزَادَهُ، وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَأَصَابَهُ الْجُهْدُ الْعَظِيمُ وَالْمَشَقَّةُ الْبَالِغَةُ. (النهج الاسمٰی: ۲/۲۱۷)

[5] البقرہ: ۱۴۳

بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔“ ؎۱

پس اس نے اپنے ہاں کام یاب ہونے کے لئے اور ناراضگی سے بچنے کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ جاری فرمایا، اور ان کے ذریعے کتابیں اتاریں جس میں انسانوں کے لئے احکامات ہیں تا کہ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو شرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید اور ہدایت کے نور کی طرف بلائیں۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف آیتیں اتارتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالے میں لے آئے اور اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔“ ؎۲

۳ اس کی صفت ”اَلرَّؤُوْفُ“ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور رجوع کرنے والوں کو اپنے دروازہ پر سے دھتکارتا نہیں ہے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔“ ؎۳

۴ اس کی مہربانی کی بدولت ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا چاہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اور اسی طرح جانوروں کا پیدا کرنا بھی جس کے ذریعے انسان طویل اور مشقت والے راستوں کو طے کرتا ہے۔ ان جانوروں کو بھی مسخر کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ جانور نہ ہوتے تو انسان بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتا اور یہ سب انسان کے فائدے اور نفع کے لئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر آدھی جان کے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے، تمہارا رب بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے۔“ ؎۴

اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں مزید غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کے بندوں پر کھلتی چلی جائے گی۔

”اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی شفقتیں

۱ ”اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی انسانوں پر بے شمار شفقتیں ہیں، ”اَلرَّؤُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔ مثلاً حسنِ صورت، ...... اعتدالِ جسم ...... اعتدالِ مزاج، ...... اعتدالِ قد وقامت ...... جو انسان کو عطا ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اس کے علاوہ عقل و شعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات کی چیزوں سے اپنے کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقاتِ الٰہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل وحرکت اور طعام ولباس

؎۱ آل عمرٰن: ۳۰ ؎۲ الحدید: ۹ ؎۳ التوبۃ: ۱۱۷ ؎۴ النحل: ۷

میں اس کے کام آئیں۔

❷ نطق وگویائی اور فہم وتفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اشارات کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعہ بات دوسروں تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کے امتیازات ہیں۔

❸ بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفتِ مخصوصہ ہے اس کے سوا اکثر جانور اپنے منہ کے ذریعے سے کھاتے ہیں۔

❹ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے، باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ، بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں، انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔

❺ اور سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور جن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے انہیں کرے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے اُن سے بچے اور عقل وشعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل وشعور نہیں، فرشتوں میں عقل وشعور ہے، شہوات و خواہشات نہیں، انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، عقل وشعور بھی ہے، شہوات وخواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ خواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

❻ یہ اُس ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رأفت وشفقت ہی ہے کہ انسان کے اندر بھولنے کا مادّہ رکھا ہے، اپنے قریبی عزیز کا انتقال ہو جائے جس کے بغیر یا اس کے فراق میں انسان کا جینا مشکل ہو جائے، ایسے عزیز کے انتقال کے چند دن بعد بھی انسان اس کو بھول جاتا ہے، ورنہ یہ انسان اس دنیا میں کوئی کام نہ کر سکے، اور ہر انسان اپنے غموں میں مبتلا ہی رہتا، لیکن اس ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی شفقت ورأفت دیکھئے کہ اس نے اپنی مہربانی سے بڑے سے بڑے غم کو بھلا دیا۔

❼ اسی ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رأفت وشفقت ہے کہ جہاں بیماری پیدا کی تو وہاں دوا بھی پیدا کی، جس جگہ کے لوگ جہاں رہتے ہیں ان ہی کے مزاج کے موافق وہاں کی غذا، اور وہاں کی دوا پیدا کی۔

''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی رأفت ورحمت کا عجیب کرشمہ

واقعہ نمبر ⓸⓻: شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے علاقے میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہاڑی علاقے میں گاڑی رک گئی، ہم نماز کے لئے نیچے اترے، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک خوب صورت پودا ہے، اس کے پتے بہت خوب صورت تھے اور وہ

پودا بہت حسین و جمیل معلوم ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پتے کو توڑ لوں۔ میں نے جیسے ہی اس کے پتے کو توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے جو رہنما تھے، وہ ایک دم زور سے چیخ پڑے کہ حضرت! اس کو ہاتھ مت لگایئے گا، میں نے پوچھا: ''کیوں؟''

انہوں نے بتایا: یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے، اس کے پتے دیکھنے میں تو بہت خوش نما ہیں۔ لیکن یہ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے چھونے سے انسان کے جسم میں زہر چڑھ جاتا ہے اور جس طرح بچھو کے ڈسنے سے زہر کی لہریں اٹھتی ہیں اسی طرح اس کے چھونے سے بھی لہریں اٹھتی ہیں۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ہاتھ نہیں لگایا اور پہلے سے معلوم ہوگیا۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، دیکھنے میں بڑی خوب صورت ہے، پھر میں نے ان سے کہا: یہ معاملہ تو بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے تو بتا دیا جس کی وجہ سے میں بچ گیا۔ لیکن اگر کوئی اَن جان آدمی جا کر اس کو ہاتھ لگا دے، وہ تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس پر انہوں نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتائی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جہاں کہیں یہ زہریلی جھاڑی ہوتی ہے۔ اسی کی جڑ میں آس پاس لازماً ایک پودا ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ہاتھ اس زہریلے پودے پر لگ جائے تو وہ فوراً اس دوسرے پودے کے پتے کو ہاتھ لگا دے۔ اسی وقت اس کا زہر ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ انہوں نے اسی کی جڑ میں وہ دوسرا پودا بھی دکھایا، یہ اس کا تریاق ہے۔[1]

غور کیجئے ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' بندوں پر کتنے مہربان ہیں، کیسی کیسی مہربانیاں کیں ہیں، بندوں کے نقصان، بیماری اور پریشانیوں سے بچانے کے لئے کیسی کیسی جڑی بوٹیاں، دوائیں بنائیں ہیں، ہمیں چاہئے کہ اس مہربان رب ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کو ناراض نہ کریں، اس کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچائیں، جس طرح اس نے ہم پر مہربانیاں کیں ہیں، ہم بھی دوسروں پر مہربان ہو جائیں۔

دل و زبان ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی دو عظیم نعمتیں

وَاقِعَۃ نمبر ۷۵: اس ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہمیں دو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے یعنی دل اور زبان سے ہمیں چاہئے کہ ہم ہر وقت اس ''اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی مہربانیوں کو زبان سے بھی بیان کریں اور دل میں بھی ان کا استحضار رکھیں اور ان کو اس کی نافرمانی میں نہ استعمال کریں۔

حضرت لقمان حکیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا: ''اِئْتِنِیْ بِاَطْیَبِ مُضْغَتَیْنِ فِی الشَّاۃِ'' ''بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آؤ'' انہوں نے بکری ذبح کی اور اس کے دل و زبان

[1] اصلاحی خطبات: گناہوں کا تریاق ''استغفار'' اور توبہ ۳۲/۶

آقا کے پاس لے گئے، آقا نے پھر حکم دیا: "اِئْتِنِیْ بِأَخْبَثِ مُضْغَتَیْنِ فِی الشَّاۃِ"

"ایک اور بکری ذبح کرکے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ" انہوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی اس کے دل و زبان اس کے پاس لے گئے، آقا نے پوچھا: "میں نے بہترین حصے طلب کیے تو تم یہی لائے، بدترین طلب کیے تب بھی یہی لائے؟" حضرت لقمان حکیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "میرے آقا! دل و زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی اور عضو نہیں ہوسکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہوسکتا، یہ بہتر رہیں تو بہترین ہیں، بدتر ہوجائیں تو بدترین ہیں۔"[1]

اس "اَلرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے انسانوں کی آسائش کے لئے کتنی رحمتیں نازل فرمائی ہیں:

﴿فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾[2] اپنے رب کے آثار رحمت کی طرف دیکھو! جب بارانِ رحمت برستی ہے تو نہ صرف انسانوں پر اس کی مہربانی چھا جاتی ہے بل کہ ساری مخلوق پر اس کی شانِ "رأفت" چھا جاتی ہے...... پیاسی زمین سیراب ہوتی ہے...... پتھروں اور چٹانوں کی پیاس بجھ جاتی ہے...... درخت لہلہانے لگتے ہیں...... پھول وضو کرنے لگتے ہیں...... نباتات زمین سے سر نکالتی ہیں...... درختوں کے پتے گرد و غبار سے پاک ہوجاتے ہیں...... فطرت درختوں کو غسل دیتی ہے...... مینڈک خوشی سے ٹرٹرانے لگتے ہیں۔

جھینگر گانے لگتے ہیں...... پرندے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور غسل کرتے ہیں...... تالاب اپنے پیالوں کو بھر لیتے ہیں...... ندی نالے بہہ پڑتے ہیں اور دور و نزدیک کے حشرات الارض...... چرند پرند اور درخت سیراب ہوجاتے ہیں، جو حشرات الارض زمین کی نمی کو چوسنے کے محتاج ہوتے ہیں وہ سیر ہوجاتے ہیں۔

پھولوں اور پھلوں اور پتیوں پر جوبن آجاتا ہے جن کے رس سے ان گنت مکھیاں شہد چوستی ہیں، بھنورے خوشی سے گنگناتے ہیں اور چڑیاں برکھا کے گیت گاتی ہیں۔

پتوں کی ایک ایک رگ سیراب ہوتی ہے............ اور درختوں کی ایک ایک نس تر ہوجاتی ہے............ طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لباس ہستی سے آراستہ ہوکر رونقِ عالم کو دوبالا کرتے ہیں............ وہ پرندے جو پانی نہیں پی سکتے یا انہیں میسر نہیں آسکتا اپنی چونچیں آسمان کی طرف کھول کر دل کی ٹھنڈک حاصل کرتے ہیں............ دلوں میں ایک ولولہ و جوش پیدا ہوتا ہے اور مخلوق گانے لگتی ہے،...... پہاڑوں کے پتھر اور چٹانیں دھل دھلا کر بارونق ہوجاتی ہیں...... اور ان کے چہروں سے گرد و غبار دھل جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں...... تو جانوروں کو چارے کی افراط ہوجاتی ہے، کسانوں کی محنت بارآور ہوتی ہے...... تو ان کے گھروں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگتے ہیں...... کپاس کے ڈوڈوں پر ابن آدم کے لئے سفید لباس آسمان سے نازل ہوتا ہے،...... رزق بصورتِ گندم نازل ہوتا ہے،...... ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے

---

[1] تفسیر قرطبی: ۷/۴۶، لقمان: ۱۲ [2] الروم: ۵۰

جسے خوشی خوشی جانور کھا کر ہمارے لئے دودھ اور گوشت پیدا کرتے ہیں۔ مکھن وہی گھی اور بالائی اس طرح آسمان سے مخلوق کے لئے نازل کی جاتی ہے، یہی مطلب ہے اس آیت کا:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾[1] ''آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

الغرض اس ''الرَّؤُوْفُ جلّ جلالہٗ'' کی مہربانیاں زیرِ زمین دفن ہیں، پہاڑوں میں پوشیدہ ہیں اور سمندر کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾[2]

''لباس تقویٰ سب لباسوں سے بہتر ہے۔''

اس نے ہمارے لئے آسمان سے جو ادنیٰ سوتی کپڑے تن ڈھانپنے کے لئے اتارے ہیں اور جو لباسِ جنگ ہمارے لئے آسمان سے اتارا ہے یہ دونوں قسم کے لباس سفید سیاہ یا نیلے پیلے وغیرہ رنگوں کے ہوتے ہیں، تو دکھائی بھی دیتے ہیں اور چوں کہ یہ دونوں لباس مادی ہیں لہٰذا انہیں چھوا بھی جا سکتا ہے، مگر لباسِ تقویٰ چوں کہ بے رنگ و بو ہے اور مذکورہ بالا دونوں لباس جیسے تراش خراش اور شکل وصورت نہیں رکھتا، لہٰذا دکھائی بھی نہیں دیتا اور غیر مادی ہونے کی وجہ سے اسے چھوا بھی نہیں جا سکتا۔

یہ لباسِ تقویٰ بھی عجیب ہے کہ نہ اسے دیکھا جا سکتا ہے، نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، اس کے باوجود دکھائی دیتا ہے مگر بصارت سے نہیں بصیرت سے دکھائی دیتا ہے۔

کافر و مشرک کو بھی یہ لباسِ تقویٰ نظر آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کچھ نہ کچھ بصیرت اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھی عطا کی ہے، یہ بھی اس ''الرَّؤُوْفُ جلّ جلالہٗ'' کی ''رأفت و رحمت'' کا ایک اثر ہے کہ اس نے سب انسانوں کو اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔

ایک اور لباس بھی ہے جو انسان، حیوان، چرند، پرند، اور تمام حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کو عطا فرمایا ہے جس کے بغیر ایک منٹ بھی کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا، غذا، پانی اور ہوا کے بغیر کچھ نہ کچھ دیر جان دار زندہ رہ سکتا ہے مگر اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ ہر جان دار کو اس ''الرَّؤُوْفُ جلّ جلالہٗ'' نے ازراہِ ''رأفت و رحمت'' ایسا لباس عطا کیا ہے جو اس کی فضا اور ماحول کے لئے سازگار ہے، اور موسمی تغیرات سے بچاتا ہے، میری مراد کھال ہے کہ وہ ہمیں تکلیف دہ چیزوں سے بچاتی ہے اور ہماری زینت بھی ہے۔

رأفت ''شفقت و مہربانی'' کے معنی میں ہے لہٰذا ''الرَّؤُوْفُ جلّ جلالہٗ'' اس ذات کو کہیں گے جو شفیق و مہربان ہو اور حد درجہ رحم کرنے والی ہو۔ جو شفیق و مہربان ہوگا وہی رحم کر سکتا ہے، غیر شفیق اور غیر مہربان کیسے رحم کر سکتا ہے۔[3]

[1] الذّٰریٰت: ۲۲ [2] الاعراف: ۲۶ [3] شرح اسماء الحسنیٰ (الازھری): ۱۸۹

ہاں! اللہ تعالیٰ ''اَلرَّءُوفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہے۔ اس کی شفقت اس کا احسان تمام مخلوق پر بلا کسی سبب اور بلا کسی استحقاق اور بلا کسی درخواست کے عام ہے۔ ان حالات کے ساتھ احسان و نوازش انعام و پرورش فرمانا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا خاصہ ہے۔[1]

شیطان سے بچاؤ کے لئے یہ دعا مانگئے

''اَلرَّءُوفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے ہم پر اپنی مہربانی، لطف و کرم اور خاص فضل و کرم کی انتہا کر دی کہ ہمیں شیطان جیسے دشمن سے بچاؤ اور اس دشمن کو ذلیل و رسوا کرنے کے نہایت ہی آسان طریقے سمجھا دیئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ دشمن سے بچاؤ کا آسان طریقہ بتا دیا۔ سب سے کارگر اور بہترین طریقہ تَعَوُّذ کا ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت تَعَوُّذ یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھتے رہیں اور یہ تَعَوُّذ بھی مانگتے رہیں:

''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ.''[2]

تَرجَمَہ: ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جو سننے والا، جاننے والا ہے، شیطان مردود سے، اس کے وسوسوں سے اور اس کے پھونک مارنے سے۔''

فوائد و نصائح

1. اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ''اَلرَّءُوفُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے جو مہربانیاں اس پر کی ہیں ان کو زبان سے بھی بیان کرے اور خود بھی دل میں ان نعمتوں اور مہربانیوں کا استحضار کرے اور دل و زبان سے اس مہربان رب کا شکر ادا کرے۔

2. اپنے ماتحتوں اور متعلقین اور ہر خاص و عام کے ساتھ ہر معاملے میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرے؛ تاکہ اس صفت میں سے کچھ حصہ پائے، سخت دِل ہونے سے بچے اور سخت دل ہونے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس نام کے ذریعے نرمی مانگتا رہے اور یوں کہے: ''اے اللہ! آپ بندوں پر رحم و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں، اے رؤف و رحیم میرے دل کی سختی کو زائل فرما دیجئے اور اس میں نرمی پیدا فرمائیے۔''

3. اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو حفظ کر کے ترجمہ کے دھیان کے ساتھ مانگنے کا اہتمام کرے۔

اور اسم مبارک اَلسَّمِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ کے آخر میں جو دعا ذکر کی گئی ہے اُسے بھی مانگتا رہے؛ کیوں اس میں ''اَلرَّءُوفُ'' اسم

---

[1] شرح اسماء حُسنٰی: ۱۵۰ (منصور پوری)

[2] ترمذي، الصلوٰة، باب ما یقول عند افتتاح الصلوٰة: ۵۷/۱

مبارک کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور چلتے پھرتے......

"یَا رَءُوْفُ اُرْءُفْ بِیْ" "اے مہربان میرے ساتھ مہربانی والا معاملہ فرمایئے" بھی پڑھتے رہیں۔

۴ "الرَّءُوْفُ جَلَّ جَلَالُہٗ" یہ نام مبارک ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہمیں جو بھی ضرورت اور کسی قسم کی بھی پریشانی ہو تو بار بار اپنے مہربان مولیٰ سے کہہ دینا چاہیے، یہ انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ نماز کے بعد یا تلاوت کے بعد دعا مانگوں گا؛ بل کہ جب بھی ضرورت پیش آئے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

اگر کسی کا افسر یا والدین رحم دل ہوں تو ماتحت کا عملہ درخواست دیتے ہوئے جھجکتا نہیں ہے، اسی لئے ہمارے اللہ جل جلالہ کا نام "الرَّءُوْفُ" ہے کہ ہر قسم کی مخلوق، گناہ گار و نیکوکار اس کو درخواست کرنے میں جھجکتی نہیں۔

مَالِکُ الْمُلْکِ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سلطنت کا مالک)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمَالِكُ لِجَمِيْعِ الْأَشْيَآءِ، اَلْمُتَصَرِّفُ فِيْهَا بِلَا مُمَانَعَةٍ وَلَا مُدَافَعَةٍ."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ مالک ہیں تمام اشیاء کے اور ان میں بغیر کسی ممانعت اور روک ٹوک کے تصرف کرنے والے ہیں۔"

❷ "اَلْمَلِكُ: هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى ...... وَتَقَدَّسَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ ......، لَهُ الْمُلْكُ ......، وَهُوَ مَالِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ وَهُوَ مَلِيْكُ الْخَلْقِ"

تَرْجَمَہ: "امام لیث رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "مَالِکُ الْمُلْکِ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہیں، وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، بادشاہت اُسی کی ہے اور وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔"[1]

انسان جس گھر میں آباد ہے اور اس کو بلا شرکت غیرے اپنا مملوک ومقبوض خیال کرتا ہے۔ ذرا تو غور کرے کہ اب سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے یہ کس کی مِلک تھا اور وہ آج کہاں ہے۔ اس کے دعویٰ مالکیت کا کیا انجام ہوا۔

متنبی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

تَمَلَّكَ الْاٰتِيْ تَمَلُّكَ سَالِبٍ ۔۔۔ وَفَارَقَهَا الْمَاضِيْ فِرَاقَ سَلِيْبٍ[2]

تَرْجَمَہ: "آنے والا شخص دنیا کا اسی طرح مالک ہوتا ہے جیسے کوئی غاصب دوسرے کی ملک پر قابض ہو جائے اور جانے والا دنیا کو اس طرح چھوڑتا ہے جیسے کسی کا مال لوٹ لیا جائے۔"

کئی مرتبہ دیکھا گیا پچاس سال سے ایک شخص اپنے آپ کو مالک کہتا ہے کہ یہ دکان میری ہے، میں اس کا مالک ہوں، یہ مکان میرا ہے میں اس کا مالک ہوں اور موت آتے ہی وہ ملکیت ختم، دکان پر بورڈ لگا ہوا ہے حاجی عبدالغفار اینڈ کمپنی اب بورڈ بدل گیا حاجی عبدالستار اینڈ کمپنی، کیا یہ بورڈ کا بدلنا غور کرنے والوں کے لئے کافی نہیں ہے؟

[1] النہج الاسمٰی: ۱/۹۶

[2] دیوان المتنبی: ۱۵

مالک الملک جل جلالہٗ چاہے تو فقراء کو تخت و تاج کا مالک بنا دے

واقعہ نمبر (۷۹): بدر و اُحد میں مشرکین مکہ کی مسلسل شکست اور مسلمانوں کے خلاف ہر جدوجہد میں ناکامی کے ساتھ مسلمانوں کی مسلسل ترقی اور اسلام کی روز افزوں اشاعت نے قریشِ مکہ اور تمام غیر مسلموں میں ایک بوکھلاہٹ پیدا کر دی تھی، جس سے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو رہے تھے، جس کا نتیجہ ایک عام سازش کی صورت میں یہ ظاہر ہوا کہ مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ سب کا ایک متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف بن گیا، اور سب نے مل کر مدینہ پر یک بارگی حملہ اور فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی، اور ان کا بے پناہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹا ڈالنے کا عزم لے کر مدینہ پر چڑھ آیا، جس کا نام قرآن میں غزوۂ احزاب اور تاریخ میں غزوۂ خندق ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مشورہ سے یہ طے فرمایا تھا کہ غنیم کے راستہ میں مدینہ سے باہر خندق کھودی جائے۔

بیہقی اور ابونعیم اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ خندق کھودنے کا کام مجاہدینِ اسلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد ہوا تو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق دس دس آدمیوں کے سپرد تھی، یہ خندقیں کئی میل لمبی اور خاصی گہری اور چوڑی تھی، جس کو غنیم عبور نہ کر سکے، اور کھدائی کے لئے تکمیل جلد سے جلد کرنا تھی، اس لئے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی محنت سے اس میں مشغول تھے کہ قضائے حاجت اور کھانے وغیرہ کی ضروریات کے لئے یہاں سے ہٹنا مشکل ہو رہا تھا، مسلسل بھوکے رہ کر یہ کام انجام دیا جا رہا تھا اور یقیناً کام ایسا تھا کہ آج کل کی جدید آلات والی فوج بھی ہوتی تو اس تھوڑے وقت میں اس کام کا پورا کرنا آسان نہ ہوتا، مگر یہاں ایمانی طاقت کام کر رہی تھی جس نے بآسانی تکمیل کرا دی۔

سید الانبیاء ﷺ بھی ایک فرد کی حیثیت سے اس کھدائی کے کام میں شریک تھے، اتفاقاً خندق کے ایک حصہ میں پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی، جن حضرات کے حصہ میں خندق کا یہ ٹکڑا تھا وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے عاجز ہو گئے، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آں حضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ اب حضور ﷺ کا کیا حکم ہے؟

آپ ﷺ اسی وقت تشریف لائے اور کدال آہنی خود دستِ مبارک میں لے کر ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کے ٹکڑے ہو گئے، اور ایک آگ کا شعلہ برآمد ہوا، جس سے دور تک اس کی روشنی پھیل گئی۔

آں حضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے اس روشنی میں حیرہ ملک فارس کے محلات و عمارات دکھلائی گئیں، پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر ایک شعلہ برآمد ہوا تو فرمایا: اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات و عمارات دکھلائی گئیں، پھر تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا: اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھلائے گئے اور فرمایا: میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں...... مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی۔

منافقینِ مدینہ نے یہ سنا تو ان کو استہزاء و تمسخر کا موقع ہاتھ آیا، مسلمانوں کا مذاق اڑایا، کہ دیکھو ان لوگوں کو جو حریفِ

مقابل کے خوف سے خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہیں کہ ان کو اپنی ضروریات کا بھی ہوش نہیں، اپنی جانوں کی حفاظت ان کو مشکل ہو رہی ہے، ملکِ فارس، روم اور یمن کی فتوحات کے خواب دیکھ رہے ہیں، حق تعالیٰ نے ان بے خبر ظالموں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”آپ فرما دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“[2]

جس میں مناجات و دعا کے انداز میں قوموں کے عروج و زوال اور ملکوں کے انقلاب میں حق جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ایک نہایت بلیغ انداز سے کیا گیا ہے اور فارس و روم کی فتوحات کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا، اس میں دنیا کے انقلابات سے بے خبر قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے ناواقف، قومِ نوح اور عاد و ثمود کے واقعات سے غافل اور جاہل، دشمنانِ اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ظاہری شان و شوکت کے پرستار یہ نہیں جانتے...... دنیا کی ساری طاقتیں اور حکومتیں سب ایک ذات پاک کے قبضۂ قدرت میں ہیں، عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ غریبوں اور فقیروں کو تخت و تاج کا مالک بنا دے اور بڑے بڑے بادشاہوں سے حکومت و دولت چھین لے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ آج کے خندق کھودنے والے فقیروں کو کل شام و عراق اور یمن کی حکومت عطا فرما دے ؎

ذرہ ذرہ دہر کا پابستۂ تقدیر ہے — زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

ایک دوسری آیت میں آسمانی طاقتوں اور فلکیات پر حق جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کا احاطہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾[3] یعنی آپ جب چاہتے ہیں رات کے اجزاء دن میں داخل فرما کر دن کو بڑا کر دیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں دن کے اجزاء رات میں داخل کر کے رات بڑی کر دیتے ہیں۔[4]

اور یہ ظاہر ہے کہ رات اور دن بڑے چھوٹے ہونے کا مدار آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کی حرکات پر ہے، اس لئے اس کا حاصل یہ ہوا کہ آسمان اور اس کے متعلق سب سے بڑا سیارہ شمس اور سب سے معروف سیارہ قمر سب آپ کے احاطۂ قدرت میں ہیں، پھر عالمِ عناصر اور دنیا کی باقی طاقتوں میں کسی شک و شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

---

[1] آل عمرٰن: ۲۶ — [2] تفسیر مظہری: ۲/۲۹، آل عمرٰن: ۲۶

[3] آل عمرٰن: ۲۷ — [4] معارف القرآن: ۲/۴۵، ۴۶، آل عمرٰن: ۲۷

اسی طرح عالمِ روحانیت پر حق جل شانہ کا احاطہ قدرت اس طرح بیان فرمایا:
﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾[1] ”یعنی آپ زندہ کو مردہ سے نکال لیتے ہیں، جیسے انڈہ سے بچہ یا نطفہ سے انسان یا دانہ سے درخت کو نکال لیتے ہیں، اور مردہ کو زندہ سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے جانور سے بیضہ (انڈہ) اور انسان سے نطفہ یا درخت سے پھل اور دانہ خشک۔“[2]

اور اگر زندہ اور مردہ کا مفہوم عام لیا جائے تو عالم اور جاہل، کامل و ناقص اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہو جاتا ہے، جس سے حق جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے تصرفات تمام عالمِ ارواح اور رُوحانیت پر واضح ہو جاتے ہیں کہ وہ جب چاہیں تو کافر سے مؤمن یا جاہل سے عالم پیدا کر دیں، اور جب چاہیں مؤمن سے کافر یا عالم سے جاہل پیدا کر دیں، آزر کے گھر میں خلیل اللہ پیدا ہو جائے، اور نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ کے گھر میں ان کا بیٹا کافر رہ جائے، عالم کی اولاد جاہل رہ جائے اور جاہل کی اولاد عالم ہو جائے۔

اس تفصیل سے آپ نے معلوم کیا ہوگا کہ کیسی بلیغ ترتیب کے ساتھ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا تمام کائناتِ عالم پر محیط ہونا ترتیب وار بیان فرمایا گیا ہے کہ پہلے عالمِ عناصر اور اس کی قوتوں اور حکومتوں کا ذکر آیا ہے، پھر عالمِ افلاک اور اس کی قوتوں کا اور ان سب کے بعد روح اور روحانیت کا ذکر آیا ہے، جو درحقیقت سارے عالم کی ساری قوتوں میں سب سے بالاتر قوت ہے، اسی طرح مَالِكَ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهٗ نے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”یعنی آپ جس کو چاہیں بے شمار رزق عطا فرما دیں۔“ جس کو کوئی مخلوق نہ معلوم کر سکے، اگرچہ خالق کے علم میں ذرہ ذرہ لکھا ہوا ہے۔

مَالِكَ الْمُلْكِ جَلَّ جَلَالُهٗ پر بھروسے کی ایک مثال

واقعہ نمبر ۷۷: حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحبِ فراش ہو گئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخل (درخت) ہرا ہو جاتا ہے، انہیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہہ دیا، انہوں نے مرغی منگوائی، عمدہ پکائی، آپ کے سامنے پیش کی، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، آپ نے ہاتھ کھینچا، اہلیہ سے فرمایا:

”إِدْفَعِيْهِ إِلَى السَّائِلِ“ ”یہ فقیر کو دے آؤ“

اہلیہ نے کہا:

[1] آل عمرٰن: ۲۷ [2] تفسیر مظہری: ۳۱/۲، آل عمرٰن: ۲۷

''میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں'' پوچھا ''وہ کیا؟''
کہنے لگیں: ''اس کی قیمت'' فرمایا ''بہت خوب، قیمت لے آؤ'' وہ قیمت لے آئیں تو آپ نے فرمایا:
''ضَعِيهِ عَلٰى هٰذَا وَادْفَعِيهِ جَمِيعًا إِلَى السَّائِلِ''[1]
''یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ۔''

یہ تھے خواہشات کو کچلنے والے اصحابِ بلند ذوق ونظر، ہوس چھپ چھپ کر ان کے سینوں میں تصویریں کہاں بنا سکتی تھی! انیس نے خوب کہا ہے ؎

امید نہیں جینے کی یاں صبح تا شام　ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لبِ بام
یاں کام کرد ایسا جو آئے وہاں کام　آجائے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا　ہونا ہے تمہیں خاک سب خاک سمجھنا[2]

اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ اگر اسمِ اعظم کے ساتھ دعا مانگی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے:
﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾[3]

تَرجَمَہ: ''آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت وطاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے اور تمام بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔

امام بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آلِ عمران کی دو آیتیں ایک آیت: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾[4] آخر تک اور دوسری آیت: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾[5] سے ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[6] تک پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانا جنت میں بنا دوں گا...... اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا...... اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظرِ رحمت کروں گا...... اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا...... اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا...... اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا۔[7]

---

[1] صفة الصفوة: ۳/۵۵　[2] کتابوں کی درسگاہ میں: ۶۸　[3] اٰلِ عمرٰن: ۲۶　[4] ال عمران: ۱۸
[5] ال عمران: ۱۸　[6] ال عمران: ۱۸　[7] تفسیر مظہری: ۲/۳۱، اٰل عمرٰن: ۲۶

اور سورۂ شوریٰ میں مَالِکُ الْمُلْکِ جل جلالہٗ کی اسی ہمہ گیر بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾[1]

ترجمہ: ''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔''

یعنی کائنات میں صرف ''مَالِکُ الْمُلْکِ جل جلالہٗ'' ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، کوئی دوسرا پیر فقیر، ولی نبی اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت واختیار نہیں رکھتا، جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے، گویا چار قسمیں ہوگئیں:

1. کسی کو صرف بیٹے دیتا ہے۔
2. کسی کو صرف بیٹیاں دیتا ہے۔
3. کسی کو بیٹے بیٹیاں دونوں دیتا ہے۔
4. کسی کو نہ بیٹا دیتا ہے اور نہ بیٹی۔

لوگوں کے درمیان یہ فرق وتفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوتِ الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی، یہ تقسیم تو اولاد کے اعتبار سے ہے، باپوں کے اعتبار سے بھی ''مَالِکُ الْمُلْکِ جل جلالہٗ'' نے چار طرح کی تقسیم کی ہے:

1. آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں۔
2. حوا کو آدم علیہ السلام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا ان کی ماں نہیں ہے۔
3. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا ان کا باپ نہیں ہے۔
4. باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا کیا۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْقَدِيْرِ."[2]

یعنی انسان کی پیدائش میں کسی کے ارادہ واختیار بلکہ علم وخبر کا بھی کوئی دخل نہیں، اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ، جو اس کی پیدائش کا ظاہری سبب بنتے ہیں، خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچے کی پیدائش میں کوئی دخل

[1] الشوریٰ: ۴۹
[2] تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۱۹۵، الشوریٰ: ۴۹، ۵۰

نہیں۔ پیدائش میں دخل ہونا تو دور کی بات، بچے کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا ......کیسا......اور کس طرح......بن رہا ہے۔

سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیات میں بچوں کے اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔[1]

حقیقی بادشاہ اللہ ہے

سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اُس کے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

''یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا، اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے، بل کہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔''[2]

جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا چلانے والا اُسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالقِ کل، ﷲ رَبِّ مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اُس کا اقرار کر کے کہاں اُلٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہوسکتا۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی یہ بت...... یا بعض انبیاء...... یا فرشتے...... جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو اگر ان کو مصیبت کے وقت پکارو گے تو اولاً یہ تمہاری بات ہی نہ سن سکیں گے۔''

کیوں کہ بتوں میں سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیا اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔ آگے فرمایا: اگر بالفرض وہ سُن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیا، تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیوں کہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔[3]

---

[1] قرطبی: ۳۶/۸، الشوریٰ: ۴۹ [2] ترجمة سورة الفاطر: ۱۳ تا ۱۶ [3] معارف القرآن: ۳۲۹/۷، فاطر: ۱۳ تا ۱۵

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

❶ یعنی جس کی صفات وشئون ان آیات میں بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار، اور کل زمین وآسمان کا بادشاہ ہے، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے ہو وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اُس کے بھی مالک نہیں۔

❷ یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سُنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے، بل کہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔

❸ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ احوال کون جانے، وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے، ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا؟

❹ یعنی سب لوگ اُسی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیوں کہ تمام خوبیاں اور کمالات اُس کی ذات میں جمع ہیں، پس وہ ہی مستحق عبادت واستعانت ہوا۔[۱]

حقیقی مالک تو وہی تھا، وہی ہے اور وہی رہے گا

کبھی قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور صفتِ ملوکیت سمجھانے کے لئے یہ عنوان بھی اختیار کیا ہے کہ وہ "مالک الملک جل جلالہٗ" ہے، سب چیزیں پیدا کرنے کے بعد ان کو آزاد نہیں چھوڑ دیتا، بل کہ وہ سب اس کی قدرت میں ہے، وہ ان کا جس طرح خالق ہے اسی طرح ان کا مالک بھی ہے۔ ایک بندوق بنانے والے انسان پر اسی بندوق کی گولی چلادی جائے تو وہ گولی اُسے بھی زخمی یا موت کے گھاٹ اتار دے گی، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بندوق ہے، میں نے اس کو بنایا ہے، میرے نقصان کے لئے کیوں استعمال ہوئی...... نہیں وہ اس بندوق کا صانع تو ہے لیکن اس پر اس کا مکمل قبضہ نہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح ہر مخلوق کا خالق ہے اسی طرح اس کا مالک بھی ہے، اس پر اس کو مکمل قدرت ہے، وہ مخلوق پیدا ہونے میں عدم سے وجود میں آنے کے لئے جس طرح محتاج ہے، اسی طرح پیدا ہونے کے بعد استعمال ہونے میں بھی وہ حکمِ ربی کی محتاج ہے، اس مخلوق سے وہ نہیں ہوگا جو وہ خود چاہے گی، بل کہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ مخلوق اپنے پیدا ہونے میں...... اپنے استعمال میں......، نفع نقصان کے اثر کو ظاہر کرنے میں...... ہر ہر مرحلہ میں "مالک الملک جل جلالہٗ" کی محتاج ہے اسی کو اس آیت میں سمجھایا گیا ہے:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا

[۱] تفسیرِ عثمانی: ۵۸۲، سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۵ کی تشریح

نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾[1]

ترجمہ: ”ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بل کہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔“

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادرِ مطلق، ”مَالِكُ الْكُلِّ حَكِيْمٌ عَلَى الْإِطْلَاقِ“ کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا اللہ تعالیٰ کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالاں کہ اُن بے چاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں، نہ وہ ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں، بل کہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرّہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز و مجبور ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

سوچنے کی بات ہے جب ہم دنیا میں آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے، نہ ہمارے قبضہ میں کوئی زمین تھی ...... نہ مکان ...... نہ باغ ...... نہ ہماری مٹھی میں کوئی دمڑی تھی ...... ہم قبضہ کے اعتبار سے ایک پھوٹی کوڑی کے مالک بھی نہ تھے ...... اور جب اس دنیا سے جائیں گے ہمارے ساتھ نہ ہماری دکان جائے گی، نہ مکان، نہ روپیہ، بل کہ بدن پر موجود کپڑے بھی اُتار لئے جائیں گے۔

پھر جب ہم بڑے ہوگئے تو مکان اور باغ کے مالک ہوگئے نہ صرف دکان، مکان اور باغ بل کہ سینکڑوں چیزوں کے عارضی مالک بن گئے، کیا یہ چیزیں ہم ساتھ لائے تھے؟ اور ساتھ لے جائیں گے؟

تو پھر ہم کیا مالک ہوئے، اگر ہم ان چیزوں کے مالک ہوتے تو انہیں اپنے ساتھ لے جاتے دوسروں کے لئے ہرگز نہ چھوڑ کر جاتے، اور اگر ہم مالک ہوتے تو ان چیزوں کو اپنے ساتھ لاتے۔ معلوم ہوا مالکِ حقیقی کوئی اور ہی ذات ہے، نہ ہمارے باپ دادا اصلی و حقیقی مالک تھے اور نہ ہمارے بیٹے پوتے اصلی و حقیقی مالک ہیں، اصلی اور حقیقی مالک وہی تھا وہی ہے اور وہی رہے گا۔

جس کا بھروسہ اَلْمَالِكُ جَلَّ جَلَالُہٗ پر ہو اس کو پریشانی کیسے چھوئے؟

واقعہ نمبر ۴۸: ایک مرتبہ بلخ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ انسانوں نے ہر گری پڑی چیز کو کھانا شروع کر دیا۔ سب لوگ سخت غم زدہ اور متوحش تھے لیکن ایک غلام بازار میں خوشی سے ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے

[1] الفرقان:۳

کہا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ لوگ ہر طرف فاقوں سے مر رہے ہیں اور سخت رنجیدہ ہیں اور تو خوشی مناتا اور ہنستا پھر رہا ہے؟

غلام نے جواب دیا:

"مَالِيْ وَالْحُزْنَ وَلِسَيِّدِيْ قَرْيَةٌ مَمْلُوْكَةٌ"

تَرْجَمَۃ: "مجھے کوئی غم نہیں اس لئے کہ میرا مالک ایک پورے گاؤں کا (بلاشرکتِ غیرے) مالک ہے، (اس چیز نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور میرے سب غم مٹا دیئے ہیں)۔"

غلام کی اس بات کو سن کر حضرت ابوعلی شقیق بن ابراہیم ازدی رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کی گویا آنکھیں کھل گئیں، آپ سخت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملک میں صرف ایک گاؤں ہے، اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم بھی "یَامَالِكَ الْمُلْكِ جل جلالہ" کو اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لئے اس درجہ فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ پس یہ خیال آتے ہی آپ نے دنیا کے مشاغل اور فضول فکروں سے منہ موڑ لیا، اور حدِ اعتدال کے ساتھ دنیوی اسباب اپناتے ہوئے دین کے کام میں لگ گئے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے میں پھر کبھی روزی کے لئے غم زدہ نہیں ہوا اور فرمایا کرتے تھے:

"میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں، میں نے جو کچھ پایا ہے اسی سے پایا ہے۔"[۱]

فَوائِد و نَصائِح

❶ اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ خود کو ادنیٰ غلام سمجھے۔ ہر شے کا مالکِ حقیقی، ہر شخص کا مالکِ حقیقی اسی کو سمجھے جس کی سلطنت ازل و ابد پر غالب ہے۔ جو فقیر کو تاج پہناتا ہے اور تخت نشینوں کو دم بھر میں خاکِ مذلت پر بٹھا دیتا ہے۔[۲]

❷ اس بات کو بار بار سوچے کہ اللہ تعالیٰ "یَامَالِكَ الْمُلْكِ" کے علاوہ کوئی نہ خالق ہے نہ روزی دینے والا، نہ دینے پر قدرت رکھتا ہے، نہ منع کرنے پر، نہ زندہ کرسکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ ایک ذرّہ بھی اس کی چاہت کے بغیر نہیں ہل سکتا، نہ ہی کوئی پتہ بغیر اجازت گرسکتا ہے۔ لہٰذا عبادت اور دعا صرف اسی "یَامَالِكَ الْمُلْكِ" سے کرنی ہے۔ اور کسی سے کچھ نہیں مانگنا ہے۔[۳]

❸ اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دعائیں مانگنے کا اہتمام کرے۔

---

[۱] طیبی شرح مشکوٰۃ، الدعوات، باب الاسماء الحسنیٰ: ۱۵/۵

[۲] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۸۶ (منصور پوری)

[۳] منہج الامام الجوزی: ۳۷۹

(۴) اکیلے میں بیٹھ کر سوچے اور مجلس میں لوگوں کو اس کی دعوت دے کہ ساری کائنات کا مالک ایک اکیلا اللہ ہے اور کائنات میں جو کچھ ہے اس کا بھی مالک اکیلا اللہ ہے۔ جس شخص کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ لوگوں سے جھگڑا نہیں کرے گا کہ فلاں نے میری یہ چیز چھین لی، فلاں نے مجھ سے لے لیا، فلاں نے مجھے نہیں دیا؛ بل کہ یقین رکھے گا "مَالِكُ الْمُلْكِ" سے میں یہ مزید لے لوں گا، "مَالِكُ الْمُلْكِ" ارادہ فرمالے دینے کا، تو کوئی روک نہیں سکتا، "مَالِكُ الْمُلْكِ" دینا نہ چاہے، تو کوئی دے نہیں سکتا، پھر مخلوق سے کیا گلہ وشکوہ۔

اور اپنے آپ کو اور جو کچھ اپنی ملکیت میں ہے اسے مملوک سمجھے کہ یہ میرے پاس عارضی ملکیت ہے، اس لئے اس عارضی ملکیت کا فائدہ اٹھا کر میں ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کروں۔

جان، وقت، مال یہ انسان اِن دنیوی نعمتوں کے بارے میں دھوکہ کھاتا ہے کہ میری ملکیت ہیں! حالاں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ جَلَّ جَلَالُهٗ

(بزرگی والا، تعظیم والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "ذُوالْجَلَالِ: أَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّجَلَّ وَيُكْرَمَ"[1]

ترجمہ: "امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: "ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ جَلَّ جَلَالُهٗ" وہ ذات ہے جو اس بات کے لائق ہے کہ اسی کی تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے۔"

❷ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: "ذوالجلال میں لفظِ "جلال" جلیل کا مصدر ہے۔ اور "اکرام" یہ مصدر ہے بابِ افعال کا۔ اب "ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی پوری پوری تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے اس طور پر کہ اس کو نہ جھٹلایا جائے اور نہ اس کا انکار کیا جائے۔"

امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: "اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ "الاکرام جَلَّ جَلَالُهٗ" ہے، اس وجہ سے کہ وہ فرماں برداروں کا اکرام کرتا ہے اور دنیا میں ان کی فرماں برداری کی وجہ سے ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ "اَلْجَلَالُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہے اس وجہ سے کہ ان کے اعمال کو قبول کرتا ہے اور جنت میں ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔"[2]

❸ "ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ": وَمَعْنَاهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُّهَابَ لِسُلْطَانِهٖ، وَيُثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا يَلِيْقُ بِعُلُوِّ

---

[1] تفسير الأسماء: ٦٢، بحواله النهج الاسمٰى: ٢/٢٢٢

[2] "قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" اَلْجَلَالُ مَصْدَرُ الْجَلِيْلِ، يُقَالُ: جَلِيْلٌ بَيِّنُ الْجَلَالَةِ وَالْجَلَالِ، وَالْإِكْرَامُ: مَصْدَرُ أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا وَالْمَعْنٰى: أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ مُسْتَحِقٌّ أَنْ يُّجَلَّ وَيُكْرَمَ فَلَا يُجْحَدُ، وَلَا يُكْفَرُ بِهٖ، وَقَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ الْمَعْنٰى أَنَّهٗ يُكْرِمُ أَهْلَ وَلَايَتِهٖ، وَيَرْفَعُ دَرَجَاتِهِمْ بِالتَّوْفِيْقِ لِطَاعَتِهٖ فِي الدُّنْيَا، وَيُجِلُّهُمْ بِأَنْ يَّتَقَبَّلَ أَعْمَالَهُمْ وَيَرْفَعَ فِي الْجِنَانِ دَرَجَاتِهِمْ" (شان الدعاء: ٩١، ٩٢، بحواله النهج الاسمٰى: ٢/٢٢٢)

شَانِہٖ."[1]

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "ذُوالْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ جس سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے ڈرا جائے اور ان چیزوں (الفاظ) سے اس کی تعریف کی جائے جو اس کے شان کے مناسب ہو۔"

❹ ""ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ": هُوَ الَّذِيْ لَا جَلَالَ وَلَا كَمَالَ إِلَّا وَهُوَ لَهُ ......، وَلَا كَرَامَةَ وَلَا مَكْرُمَةَ إِلَّا وَهِيَ صَادِرَةٌ مِنْهُ......"[2]

ترجمہ: امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "ذُوالْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے کہ جس کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ بڑائی ہے اور نہ سخاوت، یہ افعال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مناسب ہیں اور نہ شرافت اور عزت والی کوئی ذات ہے سوائے اس عظیم ذات کہ جس سے یہ افعال صادر ہوئے ہیں۔

❺ "شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "ذُوالْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو عظمت والی اور کبریائی والی، رحمت والی، سخاوت والی اور ہر عام اور خاص پر احسان کرنے والی ہے اور ان محبوبوں اور منتخب حضرات کے ساتھ مہربانی کرنے والی ذات ہے جنہوں نے اس کی پوری پوری تعظیم کی اور اس کو اپنا محبوب بنایا۔"[3]

اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنا

"آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے بھی اپنی امت کو ان دو عظیم ناموں کے ذریعے سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "أَلِظُّوْا بِيَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ"[4] "أَلِظُّوْا" کے معنی یہ ہیں کہ اس دعا کو لازم پکڑ لو اور اکثر یہ دعا مانگو۔ اور اپنی دعاؤں میں اور اپنی حاجتوں میں اس دعا کی مداومت کرو۔ یعنی دعا کرتے ہوئے:

"یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" بار بار کہنا چاہیے، کیوں کہ أَقْرَبُ إِلَى الْقَبُوْلِ ہے[5]

"سورۃ الرحمٰن" کے پہلے رکوع اور تیسرے رکوع کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی صفت "ذُوالْجَلَالِ" بیان ہوئی ہے، اللہ جل شانہ، عظمت والا ہے اور اکرام والا ہے یعنی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے۔

[1] المنهاج: ۲۱۰/۱

[2] المقصد: ۹۰، بحواله النهج الاسمٰی: ۲۲۳/۲

[3] "ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ": أَيْ ذُو الْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ، وَذُوالرَّحْمَةِ وَالْجُوْدِ وَالْإِحْسَانِ الْعَامِّ وَالْخَاصِّ، الْمُكْرِمَةُ لِأَوْلِيَائِهِ وَأَصْفِيَائِهِ الَّذِيْنَ يُجِلُّوْنَهُ وَيُعَظِّمُوْنَهُ وَيُحِبُّوْنَهُ" (تيسير الكريم: ۳۰۲/۵)

[4] جامع الترمذي، الدعوات، باب [قول: "يا حي يا قيوم"]، رقم: ۳۵۲٤

[5] وَمَعْنَى أَلِظُّوْا: أَيْ أَلْزِمُوْا هٰذِهِ الدَّعْوَةَ وَأَكْثِرُوْا مِنْهَا، وَدُوْمُوْا عَلَى قَوْلِكُمْ ذٰلِكَ فِيْ دُعَائِكُمْ وَسُؤَالِكُمْ لِرَبِّكُمْ جَلَّ شَانُهٗ. (النهج الاسمٰی: ۲۲٦/۲)

نماز کے بعد کی دعا

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار استغفار کرتے تھے اور یہ دعا فرماتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ"[1]

اے اللہ! تو باسلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ملتی ہے تو بابرکت ہے، اے جلال اور اکرام والے۔"

ذوالجلال اسم اعظم

❶ "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا "يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" (اے بزرگی اور عظمت والے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تیری دعا قبول کر لی گئی لہٰذا تو سوال کرلے۔"[2]

❷ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس شخص نے نماز کے بعد یہ الفاظ ادا کئے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! بے شک میں آپ کو اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے لئے سب تعریف ہے، کوئی معبود آپ کے سوا نہیں ہے، آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں، اے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمانے والے، اے عظمت والے، اے عطا فرمانے والے، اے زندہ اے قائم رکھنے والے۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَ إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى." "اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا فرما دیتا ہے۔"

"ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" یعنی وہ رب صاحبِ عظمت وجلال بھی ہے اور صاحبِ اکرام بھی، صاحبِ اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام واعزاز کا مستحق تنہا وہی ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ خود صاحبِ

[1] مسلم: الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلوٰة ...... : ۲۱۸/۱

[2] الترمذي: ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲　[3] مسند احمد: ۲۴۵/۳، رقم: ۱۳۱۵۸

عظمت وجلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور غریبوں کی طرف التفات وتوجہ نہ ہو، بل کہ وہ عظمت وجلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے کہ ان کو عطاءِ وجود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے اور یہ لفظ: ''ذُوالجَلَالِ وَالاِکرَامِ'' حق تعالیٰ کی ان خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾[2]

''أَيْ هُوَ أَهْلٌ أَنْ يُجَلَّ فَلَا يُعْصٰى وَأَنْ يُكْرَمَ فَيُعْبَدُ وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ وَأَنْ يُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى''[3]

تَرجَمہ: علامہ ابنِ کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ''ذُوالجلال'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی بڑائی بیان کی جائے، ان کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کی تعظیم وتکریم اس طرح کی جائے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، بھلایا نہ جائے۔

''ذُوالجلال'' محققین عارفین نے کہا: صفتِ جلال میں اشارہ ہے اِفناءِ عالم کی طرف، ...... اور صفتِ اکرام اِبقاء کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشاۃِ ثانیہ سے ہے۔[4]

فوائد ونصائح

1. اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہیے کہ اس عظمت وجلال والے رب کی ہر وقت بڑائی بیان کرے تا کہ ذُوالجلال جل جلالہ کے اکرام کا مستحق ٹھہرے۔
2. ذُوالجلال جل جلالہ کے نیک بندوں اور اہلِ علم کا اکرام کرے، کبھی کسی کی حقارت دِل میں نہ لائے۔
3. اسمِ مبارک ذُوالجلال اسمِ اعظم ہے اس کے وسیلے سے دُعا مانگے۔

[1] معارف القرآن: ۲۵۲/۸ [2] الرحمٰن: ۷۸ [3] تفسیر ابن کثیر: ۴۲۵/۳، الرحمٰن: ۷۸ [4] تفسیر ماجدی: ۱۰۶۳/۲

اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(انصاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ فِيْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى "اَلْمُقْسِطُ" بِمَعْنَى الْعَادِلِ.[1]

"المقسط" عادل کے معنی میں ہے۔

❷ هُوَ الْمُعْطِيْ عِبَادَهُ الْقِسْطَ وَهُوَ الْعَدْلُ مِنْ نَّفْسِهٖ.[2]

"امام حلیمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: وہ ذات "اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے جو اپنے بندوں کو انصاف دینے والی ہے اور بذاتِ خود بھی بہت زیادہ انصاف والی ہے۔"

اس طرح اگر نظامِ کائنات پر غور کیا جائے تو اس کا نظامِ عدل تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔

﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾[3]

تَرْجَمَہٗ: "تم رحمٰن کے تخلیقی نظام میں کسی طرح کا تفاوت نہ دیکھو گے۔"

عادل ومنصف صرف اور صرف اَلْمُقْسِطُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی ہیں

وَاقِعَۂ نمبر ⑦٩: مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے نجات دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوش نودی کے ساتھ ظالم کی خوش نودی کو شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل وانصاف ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ مثال اس کی یہ روایت ہے:

ایک بار رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو

[1] نضرة النعيم: ۳۱۵۳/۸ [2] ایضًا [3] الملك: ۳

گئے۔ پس حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس بات سے ہنسے؟ فرمایا: میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے دو زانوں بیٹھے ہوں گے، ایک کہے گا: یا رب! اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے کو فرمائے گا: اپنے بھائی کو بدلہ دے۔ وہ عرض کرے گا: اے ربّ العزت! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی، اللہ تعالیٰ دعوے دار، حریف کو فرمائے گا، اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے، اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی، وہ عرض کرے گا، یا رب! میرے گناہ اس پر لاد دے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھا لے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ مدعی سے کہے گا: آنکھ اٹھا کر دیکھ، وہ کہے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کو معاف کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لے جا۔

پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مؤمنوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر ربّ الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔[1]

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾[2]

تَرْجَمَہ: ”اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور مولیٰ کی خوش نودی کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے اس لئے تم خواہشِ نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“

اللہ ربّ العزت نے ان آیاتِ مبارکہ میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ بندے عدل

[1] المقصد الأسنى للغزالي: ۱۳۳ [2] النساء: ۱۳۵

قائم کرنے میں ذرہ برابر بھی روگردانی نہ کریں، کسی کی ملامت اور روک ٹوک قیامِ عدل میں ہرگز مانع نہ بنے اور اس کام میں وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔

﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ یعنی ان کی شہادت خالص اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہونی چاہئے تا کہ اس کی شہادت حق کے مطابق ہو اور تبدیلی اور تحریف سے پاک ہو۔

﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ یعنی حق گواہی دو خواہ ظاہراً اس سے تمہیں نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا ہو، جب تم سے کسی معاملہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اس میں حق بات کہو اگرچہ تمہیں اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، لیکن اللہ ربّ العزت اطاعت گزاروں کے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ یعنی اگر گواہی والدین یا قرابت داروں کے خلاف دینی پڑے، تب بھی حق کا ساتھ دو اور حق کے مقابلہ میں قرابت کا لحاظ نہ رکھو، اس لئے کہ حق ہی سب پر حاکم ہے اور وہ ہر چیز پر مقدم ہے۔

﴿اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ یعنی شہادت کے معاملہ میں کسی کی مال داری سے مرعوب نہ ہو اور کسی کے فقر کی وجہ سے اس کے لئے نرم گوشہ پیدا نہ کرو کیوں کہ ان دونوں کا والی نگراں اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ان دونوں سے تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہے اور وہی ان کی بہتری کو زیادہ جاننے والا ہے۔

"فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا" یعنی تمہیں نفسانی خواہش عصبیت اور کسی سے بغض اپنے معاملات میں عدل و انصاف کی باگ چھوڑ دینے پر برانگیختہ نہ کرے۔ عدل کو ہر حال میں لازم پکڑو جیسا کہ اللہ ربّ العزت کا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[1]

تَرْجَمَہ: "کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔"

تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ کے مضمون سے متعلق حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے: جب نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انہیں اہل خیبر کی جانب ان کے پھلوں اور اناج کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا تو انہوں نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو رشوت دے دیں تا کہ وہ ان کے ساتھ نرمی برتیں لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس ایسی ہستی کی جانب سے بھیجا گیا ہوں جو مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے

[1] المائدۃ: ۸

اور بے شک تمہارے مال و اسباب میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے بھی زیادہ مبغوض ہیں لیکن میرے محبوب کی محبت اور تم سے بغض مجھے عدل و انصاف کرنے سے روک نہیں سکتا۔"

یہ سن کر اہلِ خیبر کہنے لگے: "یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔" [1]

دنیا میں انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ اور آسمانی کتابیں بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے اسی سے دنیا کا امن قائم رہ سکتا ہے اس آیت میں تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور جو چیزیں قیامِ عدل یا سچی گواہی میں رکاوٹ ہوسکتی ہیں ان کو نہایت بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے، اور سورۂ حدید کی آیت سے جو نیچے ذکر کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آدم عَلَیْہِ السَّلَامُ کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجنے کا اور پھر ان کے بعد دوسرے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو یکے بعد دیگرے بحیثیتِ خلیفۃ اللہ بھیجتے رہنے کا اور ان کے ساتھ بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمانے کا اہم مقصد یہی تھا، کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعہ امن و امان قائم ہو، ہر فردِ انسانی اپنے اپنے دائرہ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنالے، اور جو سرکش لوگ وعظ و پند اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ عدل و انصاف پر نہ آئیں، اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کو قانونی سیاست اور تعزیر و سزا کے ذریعہ انصاف پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

سورۂ حدید کی آیت میں اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ [2]

تَرْجَمَہ: "یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بھیجنا اور آسمان سے نازل کردہ کتابوں کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے اور آخر میں لوہا اتارنے کا ذکر کرکے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ سب لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت ہی کافی نہ ہوگی، بلکہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کرکے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳۶۸، النساء: ۱۳۵

[2] الحدید: ۲۵

عدل وانصاف پر قائم رہنا ہر خاص وعام کا فریضہ ہے

سورۂ حدید کی آیات مذکورہ میں اور اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت ذیل میں انصاف کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

اس آیت سے واضح طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ نہیں، بل کہ ہر انسان اس کا مکلف ومخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے، ہاں! انصاف کا صرف ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم رہیں نہ دوسروں کو عدل و انصاف کرنے دیں تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل وانصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔

آج کی دنیا میں جاہل عوام چھوڑیئے، لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت و عدالت کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک ہر سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے، راعی اور رعیت کے درمیان خلاف واختلاف کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔

ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے عدل وانصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود کسی انصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کا نتیجہ ہے جو دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ قانون معطل ہے، جرائم کی روز افزوں ترقی ہے، آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں، ان پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے، ان کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے الیکشن میں اللہ تعالیٰ کی پوری زمین ہل جاتی ہے اور پھر یہ پورے ملک کے دل ودماغ کی ضروریات اور لوگوں کے جذبات واحساسات کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ قانون بناتے ہیں اور پھر رائے عامہ کے لئے شائع کرتے ہیں، رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد یہ قانون قابلِ تنفیذ سمجھا جاتا ہے پھر اس کے نفاذ کے لئے حکومت کی لاتعداد مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ہزاروں، بل کہ لاکھوں شعبے ہوتے ہیں اور ہر شعبہ میں ملک کے بڑے

[1] المائدۃ: ۸

بڑے آزمودہ کار لوگوں کی محنتیں بروئے کار آتی ہیں، لیکن چلی ہوئی رسوم کی دنیا سے نظر کو ذرا اونچا کر کے دیکھا جائے اور جن لوگوں کو خواہ مخواہ تہذیب اور شائستگی کا ٹھیکہ دار مان لیا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے ان کو دانہ تقلید سے نکل کر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو ہر شخص بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا: ؎

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے — مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

اب سے سو سال پہلے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کا ہی موازنہ کریں، اعداد و شمار محفوظ ہیں وہ گواہی دیں گے کہ جوں جوں قانون سازی بڑھی، قانون میں عوام کی مرضی کی نمائش بڑھی اور تنفیذِ قانون کے لئے مشینری بڑھی، ایک پولیس کے بجائے مختلف اقسام کی پولیس بروئے کار آئی، اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، اور لوگ انصاف سے دور ہوتے چلے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔[1]

مذکورہ آیت میں: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾[2] فرمایا گیا: قسط کے معنی ہیں عدل و انصاف اور عدل و انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب کا حق پورا ادا کیا جائے، اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں اور سب قسم کے انسانی حقوق بھی، اس لئے "قِیَام بِالْقِسْط" کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کی حمایت کی جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا حق دلوانے کے لئے شہادت کی ضرورت پیش آئے تو شہادت سے گریز نہ کیا جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ شہادت میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے، خواہ وہ کسی کے موافق پڑے یا مخالف، یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انتظام ہے، جب دو فریق کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو تو فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں، کسی ایک طرف کسی طرح کا میلان نہ ہونے دیں، گواہوں کے بیانات غور سے سنیں، معاملہ کی تحقیق میں اپنی پوری کوشش خرچ کریں پھر فیصلہ میں پورے پورے عدل و انصاف کا معاملہ رکھیں۔

عدل و انصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۸ دونوں آیتیں اگرچہ مختلف سورتوں کی ہیں، لیکن مضمون دونوں کا تقریباً مشترک ہے، دونوں آیتوں کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادۃً دو چیزیں ہوا کرتی ہیں:

❶ کسی کی محبت و قرابت یا دوستی و تعلق جس کا تقاضا شاہد (گواہی دینے والے) کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ شہادت ان کے موافق دی جائے تاکہ یہ نقصان سے محفوظ رہیں یا ان کو نفع پہنچے اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق

[1] معارف القرآن: ۵۷۲/۲، ۵۷۳، المائدۃ: ۸ [2] النساء: ۱۳۵

کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں دے۔

❷ دوسری چیز کسی کی عداوت و دشمنی ہے، جو شاہد کو اس کے خلاف شہادت پر آمادہ کرسکتی ہے اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا سبب ہوسکتی ہے، غرض محبت وعداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کرسکتی ہیں، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے، سورۂ نساء کی آیت میں قرابت و تعلق کی رکاوٹ دور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے: ﴿اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾[1] یعنی اگر چہ تمہاری شہادت اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف پڑے تو بھی حق بات کہنے اور سچی شہادت دینے میں اس تعلق کا لحاظ نہ کرو۔

پھر ان دونوں آیتوں میں پوری دنیا کو عدل و انصاف پر قائم کرنے اور قائم کرانے کے لئے جو زریں اصول اختیار کیے گئے ہیں وہ بھی قرآن عظیم ہی کی خصوصیات میں سے ہیں۔

❶ ان میں سے ایک اہم چیز تو یہ ہے کہ حکام اور عوام سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور روز جزا کے حساب سے ڈرا کر اس کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ عوام خود بھی قانون کا احترام کریں، اور حکام جو تنفیذِ قانون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی تنفیذِ قانون میں اللہ تعالیٰ و آخرت کو سامنے رکھ کر خلقِ خدا کے خادم بنیں ...... قانون کو خدمتِ خلق اور اصلاحِ عالم کا ذریعہ بنائیں ...... لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتروں کے چکر میں پھنسا کر مزید ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں ...... قانون کو اپنی ذلیل خواہشات یا چند ٹکوں میں فروخت نہ کریں ...... ﴿قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ﴾[2] یا ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾[3] فرما کر حکام و عوام دونوں کو للّٰہیت اور اخلاصِ عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

❷ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کی ذمہ داری پورے افرادِ انسانی پر ڈال دی گئی ہے، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں تو اس کا مخاطب ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[4] فرما کر پوری امتِ مسلمہ کو بنا دیا گیا ہے، اور سورۂ حدید میں ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[5] فرما کر اس فریضہ کو تمام افرادِ انسانی پر عائد کر دیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں: ﴿وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾[6] فرما کر اس طرف ہدایت فرما دی کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں سے ہی نہ ہو، بل کہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہئے، اپنے نفس کے خلاف کوئی بیان یا اظہار کرنا پڑے تو بھی حق و انصاف کے خلاف کچھ نہ بولے، اگرچہ اس کا نقصان اس کی ذات ہی پر پڑتا ہو، کیوں کہ یہ نقصان حقیر و قلیل اور عارضی ہے، اور جھوٹ بول کر اس کی جان بچالی گئی تو قیامت کا شدید عذاب اپنی جان کے لئے خرید لیا۔[7]

---

[1] النسآء:١٣٥ [2] المائدة:٨ [3] النسآء:١٣٥ [4] النسآء:١٣٥ [5] الحديد:٢٥

[6] النسآء:١٣٥ [7] معارف القرآن:٥٧٧/٢، المائدة:٨

ایک گھڑی کے عدل کا ثواب

وَاقِعَہ نمبر ۸۰: ایک بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ نفل حج ادا کرے، ارکانِ دولت سے مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ مثل جان کے ہے اور سلطنت جسم کے ہے۔ جس وقت بادشاہ کا سایہ ملک سے اٹھ جائے گا۔ بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ بادشاہ نے کہا: ''پھر یہ ثواب حج کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟''

ارکان دولت نے عرض کیا:

''اس ولایت میں ایک درویش ہے، جو ساٹھ حج ادا کر چکا ہے اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک حج کا ثواب آپ کے ہاتھ فروخت کر دے۔'' بادشاہ فقیر کی خدمت میں گیا اور کہا:

''میرا ارادہ حج کا ہے، مگر ارکانِ دولت خرابی مملکت کے خیال سے منع کرتے ہیں۔ کیا ایک حج کا ثواب میرے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو؟''

فقیر نے کہا: ''میں سب حجوں کا ثواب فروخت کرتا ہوں۔'' بادشاہ نے کہا: ''ہر حج کی کیا قیمت لو گے؟''

کہا: ''ہر حج کے لئے جو قدم میں نے اٹھایا ہے، تمام دنیا کی قیمت کے برابر ہے۔'' بادشاہ نے کہا: ''میرے قبضے میں تو دنیا کا تھوڑا سا ملک ہے اور آپ ایک قدم کی اتنی قیمت مانگتے ہیں، تو پھر کیسے معاملہ ہو سکتا ہے؟''

درویش نے کہا: ''اے بادشاہ! میرے تمام حجوں کی قیمت آپ کے نزدیک بہت آسان ہے۔''

بادشاہ نے کہا: ''وہ کس طرح؟''

فقیر نے کہا: ''جس کسی مظلوم کی تم نے دادرسی کی ہے، اس گھڑی کے عدل کا ثواب تم مجھ کو دے دو میں تمہیں ساٹھ حجوں کا ثواب بخشے دیتا ہوں؟'' پس معلوم ہوا کہ بادشاہ (حاکم، منیجر، ڈائریکٹر، گورنر، پرنسپل، مہتمم، استاذ، والدین) کے لئے ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف نفل عبادت سے بسا اوقات برتر ہے۔[1]

عدل و انصاف برکت کا ذریعہ ہے

وَاقِعَہ نمبر ۸۱: جہانگیر بادشاہ اپنی ''توزک''[2] میں لکھتا ہے:

''ایک سلطان گرمی کے موسم میں ایک باغ کے دروازہ پر پہنچا، وہاں ایک بوڑھا باغبان کھڑا تھا، اس کو دیکھ کر سلطان نے پوچھا: کیا اس باغ میں انار ہے؟ باغبان نے کہا: ''ہے'' سلطان نے کہا ''ایک پیالہ انار کا رس لاؤ'' باغبان کی ایک لڑکی صورت کے جمال اور سیرت کے حسن سے آراستہ تھی۔ باغبان نے اس سے انار کا رس لانے کو کہا، وہ گئی اور ایک پیالہ بھر

[1] مخزن اخلاق: ۴۰۶

[2] توزک، تزک: قاعدہ، قانون، شاہی روزنامچہ: فیروز اللغات: ۳۵۹

کرانار کا رس لے آئی۔ پیالہ پر انار کی کچھ پتیاں رکھی ہوئی تھیں، سلطان نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا اور پورا پی گیا، پھر لڑکی سے پوچھا، پیالہ کے رس کے اوپر تم نے پتیاں کس لئے رکھ دی تھیں؟

لڑکی نے عرض کیا: اس گرمی میں آپ پسینہ میں غرق تھے، رس کا ایک سانس میں پی جانا آپ کے لئے مناسب نہ تھا، میں نے احتیاطاً اس پر پتیاں ڈال دی تھیں کہ آپ آہستہ آہستہ اس کو نوش جان فرمائیں، سلطان کو یہ حسنِ ادا بہت پسند آئی، اس کے بعد اس باغبان سے پوچھا کہ تم کو ہر سال اس باغ سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس نے جواب دیا ''تین سو دینار'' سلطان نے پوچھا: حکومت کو کیا دیتے ہو؟

باغبان نے کہا: میرا بادشاہ درخت سے کچھ نہیں وصول کرتا ہے، بل کہ کھیتی سے عشر لیتا ہے۔

سلطان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میری مملکت میں بہت سے باغ اور درخت ہیں اگر باغ سے بھی عشر لیا جائے تو کافی رقم جمع ہوسکتی ہے اور رعیت کو بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا، اس لئے میں حکم دوں گا کہ باغات کے محصولات سے بھی خراج لیا جائے، یہ سوچ کر اس نے انار کا رس پھر پینے کو مانگا، لڑکی رس لانے گئی تو بہت دیر میں آئی۔

جب پیالہ لائی تو سلطان نے کہا: ''پہلی بار تم گئیں تو بہت جلد آئیں، اس بار دیر بھی کی اور رس بھی کم لائیں؟''

لڑکی نے کہا: ''پہلی بار ایک انار میں پیالہ بھر گیا تھا، اس مرتبہ میں نے پانچ چھ انار نچوڑے، پھر بھی رس پورا نہیں ہوا'' یہ سن کر سلطان کو حیرت ہوئی۔

باغبان نے عرض کیا...... ''محصول کی برکت بادشاہ کی نیک نیت پر منحصر ہے، میرا خیال ہے کہ آپ بادشاہ ہیں، آپ نے جس وقت باغ کی آمدنی مجھ سے پوچھی، اسی وقت آپ کی نیت میں تبدیلی پیدا ہوئی اور پھل سے برکت چلی گئی۔''

یہ سن کر سلطان متاثر ہوا اور دل سے باغ کی آمدنی کا خیال دور کر دیا، اس کے بعد پھر انار کا رس مانگا، لڑکی گئی اور جلد ہی پیالہ بھر کر انار کا رس لے آئی، تب سلطان نے باغبان کی فراست کی داد دی۔'' [1]

فوائد و نصائح

1. ان دو واقعات سے انصاف کی اہمیت ہمیں سمجھنی چاہئے، والد کو چاہئے کہ اپنی اولاد کے درمیان انصاف والا معاملہ رکھے، ہرگز کسی ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ کیجئے، اولاد کے درمیان عدل و انصاف کے لئے ہر والد کو چاہئے کہ ''مثالی باپ'' کتاب کا مطالعہ کرے اور والدہ ''مثالی ماں'' کا مطالعہ کرے، اور شاگردوں میں انصاف قائم رکھنے کے لئے ''مثالی استاذ'' کا مطالعہ کرے۔

[1] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں: ۲/۴۱۹ بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۶۵

❷ اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے دوسروں کو انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے۔[1] اور یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ انصاف کرنے والا کوئی نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے انصاف کی امید نہ لگائے)۔

❸ اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں انصاف کی دعا بھی مانگتا رہے، حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى." [2]

تَرجَمَہ: "اے اللہ میں مالداری اور غریبی ہر حال میں آپ سے میانہ روی اور عدل کا سوال کرتا ہوں۔"

---

[1] المقصد الأسنىٰ في شرح اسماء الله الحسنىٰ للغزالي: ۱۳۳

[2] النسائي، السهو، نوع اخر ٦٢، الرقم: ١٣٠٦

الجامع جل جلالہ

(ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْجَامِعُ: هُوَ الَّذِيْ يَجْمَعُ الْخَلَائِقَ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْأَرْوَاحِ الْأَبْدَانَ."[1]

"الجامع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو جسموں کے روح سے جدا ہونے کے بعد تمام مخلوقات کو ایسے دن جمع کرے گا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

❷ "اَلْجَامِعُ هُوَ الَّذِيْ جَمَعَ الْفَضَائِلَ وَحَوَى الْمَآثِرَ وَالْمَكَارِمَ"[2]

"الجامع جل جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام فضائل کو جمع کرتا ہے اور اچھے اعمال و اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں یہ اسم مبارک مذکور ہے:

❶ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ﴾[3]

تَرْجَمَہ: "اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔"

❷ ﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾[4]

تَرْجَمَہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔"

"مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے"، اور "آخرت کی زندگی" پر سب سے بڑا اعتراض منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی ہوا کے ساتھ اُڑ جاتی ہے کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیل جاتا ہے، ان منتشر ذرّوں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی

[1] شان الدعا: ۹۲ [2] شان الدعا: ۹۲
[3] آل عمران: ۹ [4] النساء: ۱۴۰

قدرت اپنی حیثیت پر قیاس کرتا ہے، وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔[1]

حالاں کہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کرلے تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء و ذرّات کا مجموعہ ہی ہے۔ انسان کی پیدائش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے اُن کا خون اور جسم بنتا ہے، وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرّات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشوونما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذا میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرّات سے بنی ہوئی ہے۔

دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اُس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انہوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس دانے معلوم نہیں کس کس خطۂ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرّات کو ان میں شامل کردیا ہے، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جُزو بنتی ہیں، وہ کس کس گوشۂ عالم سے کس کس طرح "الجامع جل جلالہ" کی قدرتِ کاملہ اور مضبوط نظام نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرمادیئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن بدن کی تحقیق (ریسرچ) کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود خود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جس میں سے کوئی جز و مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا، آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء، قدرت کے نظامِ محکم نے اس کے بدن میں جمع فرمادیئے ہیں اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے، تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرمادینا اس کی قدرتِ کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: "آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا بڑے علم والا ہے۔"

یعنی ایک ایک ذرّہ اُس کے علم میں ہے، جب وہ "الجامع جل جلالہ" سب کو بیک وقت اکٹھا کرنے کا ارادہ فرمائے گا، تو اس کو کچھ دشواری نہ ہوگی...... قبر کی مٹی......، جانوروں کے پیٹ...... سمندر کی تہہ...... ہوائی فضائیں...... یا جہاں

[1] قَالَ الطِّيبِي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اَلْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهُ هُوَ الْمُؤَلِّفُ بَيْنَ أَشْتَاتِ الْحَقَائِقِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْمُتَضَادَّةِ، مُتَجَاوِرَةً وَمُمْتَزِجَةً فِي الْأَنْفُسِ وَالْآفَاقِ، وَيَسْتَجْمِعُ لِحَشْرِ الْأَجْزَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ الْمُتَبَدِّدَةِ، وَيُعِيدُ مِنْ تَأْلِيفِهَا الْأَبْدَانَ كَمَا كَانَ. ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَرْوَاحِهَا الْمُفَارِقَةِ، فَيُحْيِيهَا، ثُمَّ يَجْمَعُهُمْ لِلْجَزَاءِ فِي مَوْقِفِ الْحِسَابِ.

فَمَنْ جَمَعَ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ، وَوَافَقَ الْكَمَالَاتِ النَّفْسَانِيَّةِ بِالْآدَابِ الْجِسْمَانِيَّةِ فَلَهُ حَظٌّ مِنْ ذَالِكَ. (مرقاة المفاتيح: ۹۸/۵)

[2] الحجر: ۲۵

کہیں کسی چیز کا جزو ہوگا وہ اپنے علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ سے جمع کر دے گا۔

”الجامع جل جلالہٗ“ سے گمان اچھا رکھیے

واقعہ نمبر (۸۲): انسان کو چاہیے کہ اپنی تمنائیں، خواہشات نیک رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اچھی اچھی امیدیں باندھے۔ اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، اپنے رشتہ داروں کے لئے۔ دین کے عالی درجات اور دنیاوی ضروریات و حاجات سہولت کے ساتھ پوری ہوسکیں۔ یہ مانگتا بھی رہے اور امیدیں بھی رکھے۔ ”الجامع جل جلالہٗ“ آپ کی امیدوں اور نیک خواہشات کو ایک دن جمع فرما دیں گے۔ کیوں کہ وہ ”الجامع جل جلالہٗ“ ہے۔ آپ نے امید رکھی کہ میرا بیٹا، میری بیٹی حافظ عالم بنے اور اللہ تعالیٰ اُن سے دین کا کام لے، دور اور دیر کے لئے، عالم بھر میں دین کو پھیلانے کے لئے پھرنے والا اور پھرانے والا بنائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن آئے گا کہ آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں عبدالملک بن مروان، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے دونوں بھائی مصعب بن زبیر اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں مل بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا:

”آج آپس میں اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کرنا چاہیے۔“

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابتدا کرتے ہوئے کہا:

”میری خواہش ہے کہ میں حرمین پر قبضہ کر کے خلافت حاصل کرلوں۔“

مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا:

”میری آرزو ہے کہ دونوں عراقوں کا امیر بنا دیا جاؤں اور قریش کی دو عورتوں سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو اپنے عقدِ نکاح میں لے آؤں۔“

عبدالملک بن مروان نے کہا:

”میری خواہش ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین بن جاؤں اور ساری دنیا پر بادشاہت کروں۔“

جب سب اپنی خواہشات کا اظہار کر چکے تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا:

”تمہاری خواہشات تمہیں مبارک، میری تو صرف یہ تمنا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں جنت کا پروانہ مل جائے اور مجھ سے اس علم (یعنی علم حدیث) کا فیضان جاری ہو جائے۔“

نیرنگیٔ تقدیر دیکھیے کہ ہر ایک کی خواہش و تمنا کی تکمیل ہوگئی اور ہر ایک نے اپنی آرزو کو پا لیا، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو علم حدیث میں اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا اور ان کا جو فیض جاری ہوا، وہ اہلِ علم جانتے ہیں، ان کی یہ ایک تمنا تو برآئی، دوسری تمنا جنت کی تھی، عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو عروہ بن زبیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھے۔ (کیوں کہ انہوں نے جنت کی خواہش کی تھی)۔[1]

گم شدہ چیز واپس ملنے کے لئے یہ دعا مانگئے

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾[2]

اس آیت کی تفسیر میں دُرِّ منثور میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس آیت (اور اس کے بعد والی دعا) کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ گم شدہ چیز کو لوٹا دیں گے۔"

"رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ...... اَللّٰهُمَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ...... اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَالِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ."[3]

تَرجَمۃ: "اے ہمارے رب! آپ یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والے ہیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اے اللہ! اے لوگوں کو جمع کرنے والے اس دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مجھے اور میرے مال کو جمع فرما دیجئے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔"

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اس دن کے لئے تیاری کرے جس دن کوئی دوست، کوئی رشتہ دار کام نہیں آئے گا۔ اور ہر شخص یہ چاہے گا کہ میرے گناہ کوئی اور اٹھالے۔

❷ اپنی زندگی کو اچھائیوں اور نیکیوں سے خوب صورت بنائے اور خوب نیک اعمال کرکے آخرت کے لئے بہت سا ثواب جمع کرے۔

❸ جب کوئی چیز گم ہو جائے تو اس اسم مبارک کے آخر میں دی گئی آیت اور دعا کو مانگنے کا اہتمام کرے۔

---

[1] وفیات الاعیان: ۲۵۸/۳، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۱۲ [2] اٰل عمرٰن: ۹

[3] در منثور: ۱۵۵/۲، اٰل عمرٰن: ۹

اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑا بے نیاز اور بے پروا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْغَنِيُّ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ: اَلَّذِيْ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى غَيْرِهٖ، وَكَذٰلِكَ اللّٰهُ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى أَحَدٍ جَلَّ وَتَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا كَمَا قَالَ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

تَرجَمۃ: امام زجاجی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں "اَلْغَنِیُّ" کے معنی یہ ہیں: غنی وہ ہے جو اپنے غیر کا محتاج نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ وہ غنی ہے جو بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کے بھی محتاج نہیں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔"

یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے، اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہوگا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی، بل کہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت واطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے، لیکن اس شانِ تمنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لئے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

وَكُلُّ الْخَلْقِ إِلَيْهِ جَلَّ اسْمُهٗ مُحْتَاجٌ، كَمَا قَالَ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾[2]

فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلٰى أَحَدٍ فِيْمَا خَلَقَ وَيَخْلُقُ، وَدَبَّرَ وَيُدَبِّرُ وَيُعْطِيْ وَيَرْزُقُ وَيَقْضِيْ وَيَمْضِيْ، لَا رَادَّ لِأَمْرِهٖ وَهُوَ عَلٰى مَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ.[3]

اور ہر مخلوق اس "اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ذات کی محتاج ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] عنکبوت: ٦ [2] فاطر: ١٥ [3] اشتقاق الاسماء: ١١٧، بحوالہ النہج الاسمٰی: ٢/٢٢٩

"اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے پروا تعریفوں والا ہے، بے نیاز خوبیوں والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جنہیں پیدا فرما چکے یا جنہیں پیدا فرمائیں گے، ان میں سے کسی کے بھی محتاج نہیں ہیں، اسی طرح جن چیزوں کی تدبیر فرما چکے یا جن کی تدبیر فرمائیں گے، ان میں سے بھی کسی چیز کے محتاج نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق عطا فرماتے ہیں، سب کے فیصلے فرماتے ہیں اور سب کے کام بناتے ہیں، اس کے حکم کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

❷ امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اَلْغَنِیُّ" وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق سے بالکلیہ مستغنی ہو اور ان کی نصرت سے بھی مستغنی ہو اور ان کی تائید سے بھی مستغنی ہو۔ اس کو اپنی مخلوق کی کوئی حاجت نہیں ہے اور مخلوق اس ذات کی طرف احتیاج رکھتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو خود بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو۔" [1]

❸ امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ رب العزت "اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں یعنی وہ اپنی قدرت اور غلبۂ قوت کی وجہ سے ساری مخلوق سے بے پروا ہے اور مخلوق ساری کی ساری اس کے احسان و اکرام کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں، بل کہ تم (سب اس کے) محتاج ہو۔" [2]

لہٰذا اللہ رب العزت کی ذات کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ان معاملات میں جس کو اس نے پیدا کرلیا ہے، یا وہ آئندہ عدم سے وجود میں لائے گا، اور ان معاملات میں بھی جن کے لئے تدبیر کر چکا ہے یا تدبیر کرے گا، اور دینے اور فیصلے کرنے کے معاملات میں بھی کسی کا محتاج نہیں ہے، اس کے امر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ اپنی ہر چاہت پوری کرنے والا ہے۔

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

❶ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ [3]

❷ ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ [4]

---

[1] "قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (الْغَنِيُّ) هُوَ الَّذِي اسْتَغْنٰى عَنِ الْخَلْقِ وَعَنْ نُصْرَتِهِمْ وَتَأْيِيْدِهِمْ لِمُلْكِهِ، فَلَيْسَتْ بِهٖ حَاجَةٌ إِلَيْهِمْ، وَهُمْ إِلَيْهِ فُقَرَاءُ مُحْتَاجُوْنَ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ تَعَالٰى فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد:۳۸) (النهج الأسمٰى: ۲/۲۲۹)

[2] قَالَ الزُّجَاجُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَهُوَ (الْغَنِيُّ) وَالْمُسْتَغْنِيْ عَنِ الْخَلْقِ بِقُدْرَتِهٖ وَعِزِّ سُلْطَانِهٖ وَالْخَلْقُ فُقَرَاءُ إِلٰى تَطَوُّلِهٖ وَ إِحْسَانِهٖ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد: ۳۸) (النهج الاسمٰى: ۲/۲۲۹)

[3] البقرة: ۲۶۳ [4] الانعام: ۱۳۳

۳ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ [1]

اللہ رب العزت نے اپنے بندے کو جب پیدا فرمایا تو اس کا حال یہ تھا کہ اسے نہ کسی چیز کی سمجھ تھی، نہ وہ کچھ کر سکتا تھا، نہ اپنے ساتھ کچھ لے کر آیا تھا جس کا وہ مالک ہوتا، نہ کسی کو کچھ دے سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے کچھ روک سکتا تھا، نہ نفع کا مالک تھا، نہ نقصان کا، ایسی حالت میں اس کا کسی کامل القدرت ذات کا محتاج ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے، جسے ہر کوئی محسوس کر سکتا ہے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ بچے کا اس طرح محتاج ہونا ایک امرِ ذاتی ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا بل کہ وہ ہمیشہ اُس پیدا کرنے والے کا محتاج رہے گا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ دوسری حالت پر منتقل ہونے کے بعد اس سے فقر واحتیاج زائل ہو جائے اور وہ بذاتِ خود کامل ومکمل ہو جائے، بل کہ وہ ہمیشہ اپنے خالق کا محتاج ہی رہے گا۔

لیکن جب رب تعالیٰ نے اسے اپنے انعامات سے نوازا، اس پر اپنی رحمت نچھاور فرمائی اور اس کے وجود کو ظاہری و باطنی طور پر کمال بخشا، اسے عمدہ پوشاک پہنائی، سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، اسے علم دیا، قدرت و طاقت دی، حتیٰ کہ اپنے ہی جیسوں سے کام لینے اور خدمت لینے کے گُر سکھلائے، اونٹ، خچر اور دیگر بہت سے جانور اس کے تابع کر دیے، پانی میں تیرنے والے جانور، ہوا میں اڑنے والے پرندے اور جنگل کے وحشی جانور اس کی دسترس سے باہر نہ رہے۔ یہ انسان زمین کھود کر نہریں نکالنے لگا۔

درخت لگا کر باغات بنا لیے، زمین چیر کر اس میں اونچی اونچی عمارتوں کی بنیادیں ڈال دیں اور اپنے مصالح میں سوچ وبچار کرنے لگا، موذی چیزوں سے تحفظ اور بچاؤ کے طریقے اختیار کرنے لگا، یہ سب باتیں اسے اللہ رب العزت کی توفیق سے حاصل ہوئیں۔

لیکن یہ بے چارہ مسکین یہ سوچنے لگا کہ ان سب چیزوں کی ملکیت میں اس کا حصہ ہے اور اللہ رب العزت کے ساتھ بادشاہت میں اپنے لیے شرکت کا دعویٰ کرنے لگا، حالاں کہ یہ اپنی پہلی حالت سے بخوبی واقف ہے، لیکن اب پہلے کی بے بسی اور فقر واحتیاج کو بھلا بیٹھا یہاں تک کہ گویا وہ کبھی فقیر ومحتاج تھا ہی نہیں، بل کہ فقیر ومحتاج تو کوئی اور ہی تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک اس انسانی کیفیت کو بتلاتی ہے:

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن ہتھیلی مبارک پر تھوک ڈالا اور پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! تو مجھ سے کیسے بھاگ سکتا ہے حالاں کہ میں نے تجھے اس تھوک جیسی چیز (منی) سے پیدا کیا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے تجھے مکمل پیدا کر دیا اور مناسب سانچے میں ڈھال دیا، تو تو دو چادروں میں اس طرح چلنے لگا کہ تیری چال کی وجہ سے زمین میں دھمک پیدا ہونے لگی، پھر تو نے مال جمع کیا اور روکے رکھا اور جب جان ہنسلی کی ہڈی تک

[1] یونس: ٦٨

جا پہنچی تو تو کہنے لگا: ”میں صدقہ کرتا ہوں“ حالاں کہ اب کہاں صدقہ کا وقت رہا۔“ [1]

یہی وہ وجہ ہے جو کامیابی اور ناکامی کی بنیاد بنتی ہے، کیوں کہ جو شخص اپنے نفس کی حقیقت اور اپنے مولیٰ کی جانب اپنے فقر واحتیاج کو بھلا بیٹھتا ہے اور سرکشی ونافرمانی کرنے لگتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بدبختی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۞﴾ [2]

تَرْجَمَہ: ”سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تونگر) سمجھتا ہے۔“

یعنی اپنے آپ کو محتاج نہیں سمجھتا، جب کہ حقیقت میں یہ محتاج ہے اور بے پروا اور مستغنی ذات صرف ”اَلْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی ہے۔

مخلوق میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو عبادت کرنے میں کامل ہیں اور اپنی ہر ضرورت وحاجت میں اپنے رب کے محتاج ہونے کا ہر وقت استحضار رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی استحضار رکھتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے رب کی رحمت سے مستغنی نہیں ہیں۔ [3]

غنا کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے

حصولِ رزق کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے۔

1. جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور اپنی عمر میں اضافہ پسند کرے، وہ صلہ رحمی کرے۔“ [4]

مذکورہ بالا حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کے ذریعے حاصل ہونے والے دو پھلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک پھل رزق کی وسعت اور دوسرا پھل عمر میں اضافہ ہے۔

اور یہ کھلی پیشکش ہے اور اس کے پیش کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ سچے انسان اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وہ ایسی پیشکش اپنی طرف سے نہیں بل کہ وحی الٰہی سے ہی کر سکتے ہیں۔ پس جو بھی ان دو پھلوں (کشادگیِ رزق اور عمر میں اضافہ) کا خواہش مند ہو، وہ صلہ رحمی کا بیج بوئے، یقیناً ان دو پھلوں کو حاصل کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] مسند احمد: ۲٤۱/۵، رقم: ۱۷۳۸۷ [2] العلق: ٦، ۷ [3] النهج الأسمٰى: ۲۳۵/۲

[4] "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ فِيْ رِزْقِهٖ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهٗ فِيْ أَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ))" (بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم: ۸۸۵/۲)

۲ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے قرابت داروں کے متعلق معلومات حاصل کرو تاکہ صلہ رحمی کر سکو، بلاشبہ صلہ رحمی سے خاندان میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔" [1]

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں صلہ رحمی کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں اور ان تین میں سے دوسرا ثمرہ اور فائدہ مال میں اضافہ ہے۔

۳ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو، اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس سے بری موت دور کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔" [2]

جناب نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں اس بات کی خبر دی ہے کہ جس میں دو خصلتیں ...... ایک اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور دوسری صلہ رحمی ...... پائی جائیں اس کو تین فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان تین میں سے ایک فائدہ رزق کی کشادگی اور وسعت ہے۔

۴ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تمام نیکیوں میں سب سے زیادہ جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی برے اور نافرمان گھرانے کے لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مالوں میں افزائش اور تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، کسی بھی صلہ رحمی کرنے والے کے کنبے کے لوگ محتاج نہیں ہوتے۔" [3]

صلہ رحمی کس چیز کے ذریعے کی جائے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صلہ رحمی صرف مال کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ یہ صلہ رحمی کا ادھورا اور ناقص تصور ہے۔ صلہ رحمی کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اعزہ واقارب کو خیر پہنچانے اور ان سے شر دور کرنے کی غرض سے کوشش کرنے کا نام صلہ رحمی ہے، خواہ یہ مال کے ساتھ ہو یا کسی اور ذریعے سے۔

امام ابن ابی جمرہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "صلہ رحمی چند چیزوں کے ذریعے ہوتی ہے ① ضرورت کے وقت تعاون کرنے سے ② مصیبت دور کرنے کے لئے کوشش کرنے سے ③ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنے سے ④ اور

---

[1] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي أَثَرِهِ))" (مسند احمد: ۲/۳۷۴، رقم الحديث: ۸۶۵۱)

[2] "عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُوَسَّعَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ وَيُدْفَعَ عَنْهُ مِيتَةُ السُّوءِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ" (مسند احمد: ۱/۱۴۳، رقم الحديث: ۱۲۱۷)

[3] "عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحِمِ، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ لَيَكُونُوا فَجَرَةً، فَتَنْمُوا أَمْوَالُهُمْ وَيَكْثُرُ عَدَدُهُمْ إِذَا تَوَاصَلُوا، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ" (صحيح ابن حبان: ۱/۲۴۰، البر والاحسان، صلة الرحم وقطعها، رقم: ۴۴۲)

دعا کے ذریعے سے۔“

صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے: ”......جس قدر ممکن ہو خیر پہنچانا اور شر کو دور کرنا۔“ [1]

رشتہ داروں کو ناراض رکھنا بے برکتی کا سبب ہے

وَاقِعَۃ نمبر (۸۳): ایسے ہی ”صلہ رحمی“ رزق کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے، خصوصاً بڑے بھائی/ بڑی بہن کا ادب و احترام، ان کی منشاء و مرضی کی حتی الامکان رعایت رکھتے ہوئے کام کرنا، یہ برکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، ہاں جب دینی حکم کے خلاف ان کی کوئی بات ہو تو ہرگز ہرگز ان کی بات نہ مانی جائے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

”۱۹۴۶ء کی ابتداء میں جب دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق منقطع کر چکا تھا اور اپنے شوق سے بعض درجوں میں کچھ اسباق پڑھا دیا کرتا تھا، معلوم نہیں کیا خیال پیدا ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد سے متصل جو چھوٹا سا مکان تعمیر ہوا تھا اس میں میں نے بھائی صاحب سے ضابطہ کی اجازت لے کر رہنا شروع کر دیا اور والدہ صاحبہ اور گھر والوں کو لے آیا۔ اس وقت معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ کتابوں کے معاوضہ اور نفع کا کوئی سلسلہ۔ یہ سال اقتصادی طور پر سخت پریشانی کا گزرا۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ امین آباد کے چوراہے پر نظیر آباد جانے والی سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے جیب سے کئی مرتبہ گھڑی نکالی کہ اس کو کسی گھڑی کی دکان پر آدھے پونے دام پر بیچ دوں، اس سے کچھ دن کام چلے لیکن پھر اس خیال سے ہمت نہیں ہوئی کہ دکان دار کہیں چوری کی نہ سمجھے۔ یہ پورا سال پریشانی میں گزرا اور سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بے برکتی کیوں ہے؟

ایک دن معلوم ہوا کہ بھائی صاحب میرے اس علیحدہ قیام پر بہت مغموم اور متاثر ہیں، ان کو بڑا قلق ہے کہ ان کی زندگی میں میں نے لکھنؤ میں رہتے ہوئے علیحدہ قیام کا انتظام کیا۔ میں نے ان سے رو کر معافی مانگی اور جب کہ تقریباً ایک سال گزر رہا تھا، میں پھر اپنے اسی قدیم مکان میں آ گیا، پھر یاد نہیں کہ کبھی ایسی تنگی اور پریشانی پیش آئی ہو۔“ [2]

یاد رکھیے! ہم کسی کو سگا بھائی یا بہن نہیں بنا سکتے، یہ رشتے قدرت نے ہمارے لئے طے کئے ہیں جس طرح ہمیں ان قدرتی رشتوں کو بنانے کا اختیار نہیں دیا گیا اسی طرح ان رشتوں کو توڑنے کا بھی اختیار ہمیں نہیں دیا گیا۔

صلہ رحمی کا عجیب اور پیارا طریقہ

وَاقِعَۃ نمبر (۸۴): حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (ماں کی

[1] تحفۃ الاحوذی، باب ماجاء فی صلۃ الرحم: ۶/۳۰

[2] کاروان زندگی: ۱/۳۶۷

طرف سے نسبت ہے جو بنو حنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا ہوگئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیئے، محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے گھر پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں روانہ کیا:

محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف

"سلام مسنون کے بعد..... آپ کو ایسا مقام ومرتبہ اور شرف وفضیلت حاصل ہے جس تک میری رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمۃ الزہراء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا دخترِ رسول (ﷺ) ہیں، اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اس مقام ومرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام۔"

ادھر حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا، باہمی رضامندی کا یہ کس قدر انوکھا انداز ہے۔[1]

اَلْغَنِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ فقیر کو غنی بناتا ہے

وَاقِعَہ نمبر ۸۵: قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بغداد کے ایک رئیس نے حج کے دنوں میں بغداد میں اعلان کرایا کہ جس شخص کو حج کرنے کا شوق ہو، وہ ہمارے ساتھ چلے، راستے کے تمام اخراجات میرے ذمے مگر واپسی کا انتظام وہ خود کرے گا، واپسی کے اخراجات نہیں دیئے جائیں گے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: ان دنوں میری حالت بہت خستہ تھی، غربت کا شکار تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ چلو حج تو ادا کرو، واپسی کا دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں: حج ادا کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں اکیلا حرم میں پڑا رہا، نہ کھانے کے لئے کچھ تھا نہ رقم تھی، سخت بھوک کی حالت تھی، حرم خالی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے کہ اتفاق سے مجھے ایک ریشم کی تھیلی پڑی ہوئی ملی، وہ بڑی نفیس قسم کی تھی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں موتیوں کا انتہائی نفیس ہار تھا، میں نے زندگی میں ایسا ہار کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے وہ ہار نعمتِ خداوندی سمجھ کر رکھ لیا مگر ہوا کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا آدمی آوازیں لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا، میری تھیلی کھوگئی ہے، ایسی ایسی تھی اور اس میں ہار تھا واپس کرنے والے کو پانچ سو دینار دوں گا اور دینار اس نے ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے۔ میں نے سوچا:

"أَنَا مُحْتَاجٌ، وَأَنَا جَائِعٌ، فَآخُذُ الدَّنَانِيرَ أَنْتَفِعُ بِهِ"

[1] رفیق المسلم فی الاسفار: ۳۲، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۴

کہ چلو واپس کر دوں اور انعام کی رقم لے لوں، چوں کہ مجھے ضرورت بھی رقم کی تھی تاکہ اپنی بھوک مٹاؤں اور واپس گھر جاسکوں، چناں چہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو بلایا اور وہ تھیلی اسے واپس کر دی، وہ بہت خوش ہوا اور دعائیں دیں اور وعدے کے مطابق انعام کے پانچ سو دینار مجھے دے دیئے مگر میں نے یک دم لینے سے انکار کر دیا کہ نہیں۔

"يَجِبُ عَلَيَّ أَنْ أُعِيْدَهٗ إِلَيْكَ وَلَا اٰخُذُ لَهٗ جَزَاءً"

یہ تھیلی میرے پاس امانت تھی، اس کا واپس کرنا میرا فرض تھا، میں اس پر کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا، میں اللہ تعالیٰ سے بدلے کا امیدوار ہوں۔

"فَأَلَحَّ عَلَيَّ كَثِيْرًا فَلَمْ أَقْبَلْ ذٰلِكَ مِنْهُ، فَتَرَكَنِيْ وَمَضٰى"

اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے لینے سے انکار کر دیا اور آخر تنگ آکر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ بحری سفر کرنا چاہئے، جہاز میں کوئی کام کرنے کی نوکری مل جائے گی یوں سفر بھی طے ہو جائے گا اور کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی۔

چناں چہ میں بندرگاہ پہنچا، جہاز کے عملہ سے بات کی، مجھے جہاز میں صفائی کرنے کا کام مل گیا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔ اس طرح میں جہاز کے عملے میں شامل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستے میں طوفان نے آگھیرا، جہاز غرق ہو گیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، تمام مسافر اور عملہ ڈوب گیا مگر میں ایک تختے پر بیٹھا عرصے تک تیرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ تیز ہوا چلی اور اس تختے کو ایک طرف بہا کر لے گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہوں، کون سا علاقہ اور کون سی جگہ ہے؟ اللہ اللہ کر کے تختہ ایک جزیرے کے کنارے جالگا جہاں پر کچھ آبادی تھی۔ میں سخت سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

فوراً خشکی پر اترا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی، وہاں جا کر بیٹھ گیا، نمازِ فجر کا وقت ہوا، کچھ لوگ مسجد میں آگئے۔ وہ سارے نومسلم تھے۔ ان میں کوئی قرآن پڑھنا نہیں جانتا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کیا آپ قرآن پڑھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!"...... چناں چہ انہوں نے نماز پڑھانے کو کہا۔

نماز کے بعد وہ لوگ بہت خوش ہوئے، انہوں نے مجھ سے قرآن سیکھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک طویل عرصہ گزر گیا اور اس جزیرے کا کوئی مرد عورت اور بچہ ایسا نہ رہا جس نے مجھ سے نماز یا قرآن نہ سیکھا ہو۔ مجھے وہاں بہت آسائش مل گئی، مال و دولت سب کچھ مل گیا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا: آپ لکھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہمیں بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں، غرض وہ اپنے بچوں اور جوانوں کو میرے پاس لائے، میں عرصے تک انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتا رہا، اس طرح میری کافی مالی امداد بھی ہوئی۔ مجھے اب کافی خوش حالی میسر ہو گئی۔ اس دوران نہ انہوں نے مجھ سے میرے حالات پوچھے اور نہ میں نے بتائے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کیسے آیا؟

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھا تھا، کچھ لوگ میرے پاس آگئے اور کہنے لگے: ہمارے یہاں ایک یتیم بچی ہے، اس کے پاس کافی مال ومتاع بھی ہے، تم اس سے نکاح کرلو میں نے انکار کیا مگر وہ میرے پیچھے ہی پڑ گئے۔ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی۔

چناں چہ نکاح ہوگیا، جب میں اپنی بیوی سے ملنے گیا تو اس کے گلے میں وہی ہار دیکھا، جو میں نے مکہ میں بوڑھے کو واپس کیا تھا، میں بھونچکا (حیران) رہ گیا۔ میں اس ہار کو دیکھتا رہا اور ذہن میں گزرے ہوئے تمام حالات گھوم رہے تھے۔ میرے اردگرد بیٹھے خاندان کے لوگوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا: کیا بات ہے! آپ اپنی بیوی کو دیکھنے کے بجائے صرف ہار کو ہی دیکھے جارہے ہیں؟ ان کے متوجہ کرنے پر میں چونکا، اور انہیں ہار کے قصے سے لے کر یہاں تک پہنچنے کا سارا واقعہ سنا دیا، سب نے ایک ساتھ مل کر نعرہ تکبیر اتنی زوردار آواز سے بلند کیا کہ تمام جزیرہ ہل کر رہ گیا۔

میں نے پوچھا: کیا ہوا خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جن بڑے میاں نے تم سے ہار لیا تھا، وہ اس بچی کے باپ تھے اور حج سے واپسی پر وہ کہا کرتے تھے:

"مَا وَجَدْتُّ فِي الدُّنْيَا مُسْلِمًا إِلَّا هٰذَا الَّذِيْ رَدَّ عَلَيَّ هٰذَا الْعِقْدَ"

تَرجَمَہ: "مجھے دنیا میں صرف ایک پکا اور سچا مسلمان ملا جس نے مجھے ہار واپس کر دیا اور انعام بھی نہ لیا۔"

اور وہ دعا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ حَتّٰى أُزَوِّجَهٗ بِابْنَتِيْ"

"خدایا، اگر وہ شخص مجھے پھر مل جائے تو اس سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔"

اسی حسرت کو دل میں لئے وہ اس دنیا سے چلے گئے، مگر ان کی دعا ایسے قبول ہوئی کہ وہ بچی آپ کو مل گئی۔

یہ سن کر میں بھی رہ نہ سکا اور نعرہ تکبیر بلند کیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران ہوتا رہا۔ قاضی ابوبکر بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں: ایک مدت تک میں اس کے ساتھ رہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے دو بیٹے دیئے، پھر اس کا انتقال ہوگیا اور ہار کے وارث میرے بیٹے ہوئے۔ پھر وہ دونوں لڑکے بھی فوت ہوگئے اور ہار میرے پاس آگیا اور میں اپنا تمام مال لے کر اس جزیرے سے رخصت ہوا اور بغداد پہنچا۔ وہ ہار میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا اور اب جو مال و دولت تمہیں نظر آتا ہے سب اسی ہار کا باقی ماندہ حصہ ہے۔[1]

ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنا اور موجودہ نعمتوں پر شکر غنا کا سبب ہے

وَاقِعَۂ نمبر (۸۶): حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ابن عساکر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے: حضرت

[1] ماخوذ از ذیل طبقات الحنابلة: ۱۹۶/۱

عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مرض وفات میں حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

"مَا تَشْتَكِي؟" "آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: "ذُنُوبِي!" (اپنے گناہوں کے وبال کی تکلیف ہے)۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "فَمَا تَشْتَهِي" (آپ کی خواہش کیا ہے؟)

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "رَحْمَةُ رَبِّي" (اپنے پروردگار کی رحمت چاہتا ہوں)۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا: "آپ کے لئے کوئی طبیب بھیج دوں؟"

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: "طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔"

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "تو پھر اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوا دوں؟"

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا: "نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "یہ رقم آپ کے بعد آپ کی صاحب زادیوں کے کام آجائے گی۔"

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے تو انہیں ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی تاکید کر رکھی ہے، کیوں کہ میں نے آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی مصیبت نہیں آئے گی۔" [1] لہٰذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

"اَلْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے جتنا دیا ہے اس پر دل سے شکر کریں

وَاقِعَۃٌ نمبر ۸۷: حضرت ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے کسی شخص نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہ جبہ ہدیہ میں قبول فرمائیں...... ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جواب دیا: "اگر آپ غنی اور مال دار ہیں پھر تو میں قبول کر لیتا ہوں اور اگر آپ فقیر ہیں تو میں قبول کرنے سے معذرت کرتا ہوں" اس شخص نے کہا: "جی میں غنی ہوں"

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: "آپ کے پاس کتنا مال ہے؟" اس نے کہا: "دو ہزار درہم"

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: مزید مال بڑھانے کے لئے آپ بے چین رہتے ہیں یعنی دل میں شدید لالچ ہے کہ اگر آپ کے پاس چار ہزار ہو جائیں تو آپ کو بہت زیادہ خوشی ہوگی......؟ اس نے کہا: "جی ہاں کیوں نہیں"

ابراہیم بن ادہم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: "معلوم ہوا کہ آپ فقیر ہیں، لہٰذا میں آپ سے ہدیہ قبول نہیں کرتا۔" [2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۲۶، الواقعۃ
[2] عیون الاخبار: ۲/۳۶۲، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۶

یعنی جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر تو طبیعت خوش رہے، طبیعت بھری رہے اور اس پر خوب شکر گزار رہے اور یہ کیفیت ہو کہ میں تو اس کا بھی مستحق نہیں تھا، میرے مالک نے کرم فرمایا کہ اتنی ساری نعمتیں عطا فرما دی ہیں۔

بندوں کو رزق دینا "الغنی جل جلالہ" کے ذمہ ہے

واقعہ نمبر ۸۸: بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ کسی قبر میں پاؤں لٹکائے مٹی سے کھیل رہے تھے، کسی نے پوچھا: "بہلول! یہاں کیا کر رہے ہو؟" کہنے لگے:

"ایسے لوگوں کے پاس ہوں کہ اگر ان کی صحبت میں رہوں تو مجھے تکلیف نہیں دیتے اور ان سے دور رہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔"

پوچھنے والے شخص نے کہا:

"مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے، اس کی کمی کے لئے دعا کریں۔"...... کہنے لگے:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو کوئی پروا نہیں، چاہے گندم کے ایک دانے کی قیمت ایک دینار ہی کیوں نہ ہو جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ پر ہمارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں رزق دے۔ جب رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے تو فکر کرنے کی مجھے کیا ضرورت؟"[1]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے آپ کو غنی مطلق کے دروازے کا فقیر سمجھے۔ اہلِ دنیا کو محتاج و گدا سمجھے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں اس بات کا یقین پختہ رکھے۔[2]

❷ صرف "الغنی جل جلالہ" کے سامنے اپنی محتاجگی کو ظاہر کرے، جو اس کو اوروں سے مستغنی کر سکتا ہے اور مخلوق سے کسی قسم کی امید نہ رکھے، جو نعمتیں ملی ہیں ان پر شکر کرے اور مال و دولت کی حرص کو دل سے نکال دے۔

❸ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کا اہتمام کرے۔

مال داری کے فتنہ سے حفاظت کی دعا مانگئے

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ."[3]

---

[1] فوات الوفيات، لمحمد بن شاكر: ۲۲۹/۱، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۷۷

[2] شرح اسماء حسنٰی: ۱۵۳ (منصور پوری)

[3] بخاري، الدعوات، باب الاستعاذة من فتنة الغنٰى: ۹۴۳/۲

تَرْجَمَۃ: ”اے اللہ! میں غنی (مال داری) کے فتنہ، اور فقر کے فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے، اور اس کے ساتھ فقر و محتاجگی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے دولت و ثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے بارے میں اعلان فرمایا: ”عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہوگی ”مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا۔“[1] اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہل فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے لیکن اگر بد قسمتی سے دولت مندی وخوش حالی تکبر وغرور پیدا کرے اور مال ومتاع کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح اگر فقر و محتاجگی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی نافرمانی کرنے لگے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا“[2] (محتاجگی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر وفتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اُس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

[1] ترمذي، المناقب، باب في عد عثمان ...... رقم: ٣٧٠٠

[2] حلية الأولياء، يزيد بن أبان الرقاشي، الرقم: ٣١٦٩

المُغْنِیُ جلّ جلالہٗ

(بے نیاز و غنی بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْمُغْنِيْ اَلَّذِيْ يُغْنِيْ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ بِمَا شَآءَ......وَقِيْلَ هُوَ الَّذِيْ أَغْنٰى خَوَّاصَّ عِبَادِهٖ عَمَّا سِوَاهُ......بِأَنْ لَّمْ يَبْقَ لَهُمْ حَاجَةٌ إِلَّا إِلَيْهِ"[1]

تَرْجَمَہ: "ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "المُغنِیُ" وہ ذات ہے کہ جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جس چیز سے چاہے غنی بنا دے اور بعض حضرات فرماتے ہیں: "المُغنِیُ" وہ ذات ہے کہ جو اپنے مخصوص بندوں کو اپنے ماسوا سے ایسا غنی بنا دیتا ہے کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حاجت رہتی ہے۔"

❷ "إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُغْنِيْ عِبَادَهٗ بَعْضَهُمْ عَنْ بَعْضٍ عَلَى ...... الْحَقِيْقَةِ لِأَنَّ الْحَوَائِجَ لَا تَكُوْنُ إِلَّا إِلَى اللهِ......"[2]

تَرْجَمَہ: شیخ ابو القاسم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو دیگر بعض بندوں سے بایں طور غنی بنا دیتا ہے کہ ان کو بس صرف اللہ کی حاجت رہتی ہے۔"

❸ ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى﴾ أَيْ كُنْتَ فَقِيْرًا ذَا عِيَالٍ فَأَغْنَاكَ اللهُ عَمَّنْ سِوَاهُ...... فَجَمَعَ لَهٗ بَيْنَ مَقَامَيِ الْفَقِيْرِ الصَّابِرِ وَالْغَنِيِّ الشَّاكِرِ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ"[3]

تَرْجَمَہ: "علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اے محمد! آپ فقیر تھے اہل و عیال والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی نعمتیں دیں کہ آپ مخلوق میں کسی کے محتاج نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے دونوں مراتب کے درمیان درجہ عنایت فرمایا ہے۔"

"المُغنِیُ جلّ جلالہٗ" جس ذات کے بارے میں بتائے کہ ہم نے تمہیں غنی کر دیا اس کے غنا کی کیا حد ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ جسے بے پروا فرما دے اس سے بڑا بے پروا کون ہو سکتا ہے؟

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ: کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۸/۵ [2] طیبی شرح مشکوۃ: ۶۱/۵ [3] تفسیر ابن کثیر: ۶۵۰/۳، الضحٰی: ۸

غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

واقعہ نمبر (۸۹): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھجور کا ڈھیر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کل کے لئے کچھ جمع کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن اسے جہنم کا دھواں دیکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا"[1]

"اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے (اللہ تعالیٰ) سے فقر کی توقع نہ کرو۔" (یعنی خرچ کرو اور فقر سے مت ڈرو)۔

وہ ہستی جو اگر یہ چاہتی کہ اُحد پہاڑ سونا بن کر ساتھ چلے، اس کے لئے کھجور کا تھوڑا سا ذخیرہ کیا وقعت رکھتا ہے، مگر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ غور کیجئے فقرِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ و غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرق۔

واقعہ نمبر (۹۰): حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، چناں چہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر چکے تو بڑی تیزی کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواجِ مطہرات کے حجروں کی طرف چلے گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جلدی پن سے گھبرا گئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے اس کام پر متعجب دیکھا تو فرمایا: "اچانک مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک چیز موجود ہے اور میں نے اسے ناپسند کیا کہ وہ مجھے مقامِ قرب سے روکے، لہٰذا فوراً جا کر اہلِ بیت کو میں نے حکم دیا کہ سونے کی وہ چیز تقسیم کر دی جائے۔"[2]

اندازہ کیجئے! غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ انہیں "اَلْمُغْنِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے دنیا کے ساز و سامان سے کیسا مستغنی کر دیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے "اَلْمُغْنِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر بھرپور بھروسہ تھا کہ اگر وہ دنیا سے غنا کا معاملہ فرماتے ہوئے سارا مال خرچ بھی کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدل عطا فرمائیں گے۔ کاش یہی بات ہماری سمجھ میں بھی آجائے تو اللہ تعالیٰ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کے خزانے بھی ہمارے قدموں میں ڈال دیں گے۔[3]

---

[1] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ إِدَّخَرْتُهُ لِغَدٍ فَقَالَ أَمَا تَخْشٰى أَنْ تَرٰى لَهُ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ إِقْلَالًا"
(بیہقی، شعب الایمان: ۲/۴۸۴، رقم: ۱۲۸۳)

[2] "عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰی أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِيْ فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ" (بخاری، الاذان، باب من صلی بالناس، رقم: ۸۵۱) [3] مظاہر حق: ۲/۲۵۶

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تمام مخلوق سے غنا اختیار کرتے ہوئے صرف "اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" پر بھروسہ کرکے کیا ہی خوب اشعار فرمائے ہیں:

تَوَكَّلْتُ فِيْ رِزْقِيْ عَلَى اللّٰهِ خَالِقِيْ — وَأَيْقَنْتُ أَنَّ اللّٰهَ لَا شَكَّ رَزِقِيْ
میرا روزی کے معاملے میں اپنے خالق پر بھروسہ ہے — اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ یقیناً میرا رازق ہے

وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقِيْ فَلَيْسَ يَفُوْتُنِيْ — وَلَوْ كَانَ فِيْ قَعْرِ الْبِحَارِ الْعَوَامِقِ
اور میرے مقدر کی روزی مجھ سے فوت نہیں ہوسکتی — چاہے وہ گہرے سمندر کی تہہ میں ہو

سَيَأْتِيْ بِهِ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ بِفَضْلِهٖ — وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مِنِّيْ اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
مقدر کی روزی اللہ اپنے فضل سے پہنچائے گا — اگرچہ میری زبان سے اس کا مطالبہ نہ ہو

فَفِيْ أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً — وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمٰنُ رِزْقَ الْخَلَائِقِ
پھر کس وجہ سے نفس حسرت کرتا ہے — جب کہ رحمٰن نے روزی خود ہی تقسیم فرما دی ہے[1]

"اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی قدرت کے کرشمے

"اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے بعض لوگوں کو ساری دنیا سے ایسا مستغنی کردیا ہے جیسے سورج کو ستاروں سے کہ وہ اس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔

چاند سورج کا محتاج ہے گو وہ دوسرے ستاروں سے مستغنی ہے، بعض لوگ چاند کی طرح کسی ایک کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

بعض ستارے بعض ستاروں کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

اسی طرح بعض انسان بعض افراد کے محتاج ہیں، مگر دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے "وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے" جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج نہیں بناتا، بل کہ دوسروں کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے۔

"اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی طرح دوسروں کے کام آنے والے بنو جس قدر دوسروں کے کام آؤ گے شانِ بے نیازی پیدا ہوتی جائے گی، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ گے، تو وہ "اَلْمُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" آپ کو سب سے زیادہ غنی و مستغنی کردے گا۔

دست سوال سینکڑوں عیبوں کا عیب ہے — اے خانماں خراب نہ احسان اٹھایئے[2]

---

[1] شرح دیوان الامام الشافعی: ۱۹۲
[2] ماخوذ شرح اسماء الحسنٰی (الازھری): ٤٤٦

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى﴾[1] مراد آیت کی یہ ہے: ”اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مال دار اور غنی بناتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، وہی جس کو چاہتا ہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکے۔“

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾[2] شِعْریٰ بکسر شین، ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ سارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک ہے۔

اس کا ازلی و ذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے، یا آئے گا محیط ہے، وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابلِ وجود بناتا ہے، اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں اور دوسرے وہ فرشتے ہیں، جن کو بندوں کے اعمال لکھنے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے، وہ بندے کے لئے خیر کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق شیاطین بھی ہیں، جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرض کی ادائیگی کے لئے دعا

وَاقِعَہ نَمبر (۹۱): ”حضرت ابو وائل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مکاتب (غلام) نے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں (بدلِ کتابت میں) طے شدہ مال ادا نہیں کر پارہا۔ آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھلا دوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے؟ اگر تم پر (یمن کے صیر) پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس قرض کو ادا کرا دیں گے۔ تم یہ دعا مانگا کرو:

”اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔“[3]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! حرام کے بدلے تو مجھے میری ضرورت کے مناسب حلال روزی عطا فرما اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے بے نیاز کردے۔“

وَاقِعَہ نَمبر (۹۲): کسی بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کی خدمت میں ایک بادشاہ کسی جاننے والے کے ساتھ حاضر ہوا، بزرگ جس طرح پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، بیٹھے ہی رہے، کسی نے پوچھا: پاؤں کیوں پھیلائے رکھے (بادشاہ آیا تھا) جواباً فرمایا: ”میاں جب سے ہاتھ سمیٹ لئے ہیں پاؤں پھیلائے رکھتا ہوں ورنہ جب تک (اہل دنیا کے سامنے) ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے تو پاؤں سمیٹ کر رکھتا تھا۔“

---

[1] النجم: ۴۸ [2] النجم: ۴۹ [3] مسند احمد: ۱/۲۴۸، رقم: ۱۳۲۱

خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنی ذات جب اپنا تعلق اور اپنی صفاتِ خاصہ کا استحضار نصیب فرما دیتی ہے تو ہر وہ دل بھی غنی ہو جاتا ہے جس کو یہ دولت ملے اور حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

"لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ" [1]

ترجمہ: "سامان کا زیادہ ہونا غنا نہیں ہے بل کہ اصل غنا تو دل کا غنا ہے۔"

یعنی مال دار ہونا یہ غنی ہونے کی علامت نہیں ہے، بل کہ اصل غنی وہ ہے "جو جتنا اللہ نے دیا اس پر راضی رہے"، مال ومتاع کی حرص اس میں نہ ہو، کیوں کہ مال ہونے کے باوجود اکثر مزید مال کی طلب بڑھتی ہے جو مطلوب نہیں۔

مال نہ چاہنا، یہی دولت نبی اکرم ﷺ نے دعاؤں میں مانگی اور ہمیں بھی یوں ہی مانگنا سکھایا، چناں چہ حضور اکرم ﷺ کی دعا میں ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ غِنَایَ وَغِنَا مَوْلَایَ." [2]

ترجمہ: "اے اللہ! مانگتا ہوں تجھ سے سیر چشمی اپنے لئے اور سیر چشمی (طبیعت کا بھرا ہونا) اپنے گھر والوں کے لئے۔"

شیخ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ سے مانگ ...... یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ...... اس لئے کہ عطیات کے خزانے اسی کے پاس ہیں...... اور عطاء وبخشش کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں ...... ہر نعمت یا مصیبت، خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، جو بندے کو پہنچتی ہے یا اس سے دفع ہوتی ہے وہ بغیر کسی شائبہ غرض یا ضمیمہ علت کے صرف اور صرف اسی کی رحمت سے ملتی ہے...... کیوں کہ وہ جوادِ مطلق ہے اور وہ ایسا غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں...... اس لئے امید صرف اسی کی رحمت سے ہونی چاہئے...... چھوٹی بڑی پریشانیوں میں التجا اسی کی بارگاہ میں ہونی چاہئے...... اور تمام امور میں اعتماد اسی کی ذات پر ہونا چاہئے، اس کے سوا کسی سے نہ مانگے ...... کیوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہ دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر ...... نہ مصیبت ٹالنے پر، نہ نفع پہنچانے پر۔ کیوں کہ اس کے ماسوا خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ موت وحیات اور جی اٹھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

اور آگے لکھتے ہیں:

"بے شک ساری امت...... یعنی تمام مخلوق، خاص و عام، انبیاء و اولیاء اور ساری امت بالفرض ...... اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دنیا یا آخرت کے کسی معاملے میں تجھے کسی چیز کا نفع پہنچائیں تو بغیر مشیت الٰہی کے تجھے نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔" [3]

---

[1] بخاری، الرقاق، باب الغنی غنی النفس: ۹۵٤/۲

[2] مسند احمد: ۳/٤٥۳، رقم: ۱۵۳۲۷

[3] مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ: ۹۱/۵

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ اپنا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو دوسروں سے بے پرواہ اور مستغنی کر سکتا ہے، لہٰذا فقر و احتیاج میں رجوع صرف اسی ''المُغْنِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' ہی کی طرف ہو۔

❷ جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر صبر و شکر کے ساتھ اپنے اندر غنائے ظاہری اور غنائے باطنی پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اللہ کے سوا کسی کے در پر نہ جائے تمام مخلوق سے اپنے آپ کو مستغنی کرے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دو دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے...... اور ان اشعار کو اپنی میز پر لکھ کر لگائے یا یاد کرلے اور وقتاً فوقتاً پڑھ کر ایمان تازہ رکھے۔

اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(روکنے والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

1 هُوَ الَّذِيْ يَمْنَعُ أَسْبَابَ الْهَلَاكِ وَالنُّقْصَانِ فِي الْأَبْدَانِ وَالْأَدْيَانِ بِمَا يَخْلُقُهُ مِنَ الْأَسْبَابِ الْمُعَدَّةِ لِلْحِفْظِ وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَانِعُ مِنَ الْمَنْعِ وَالْحِرْمَانِ لِمَنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الْعَطَاءَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ."[1]

فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَمْلِكُ الْمَنْعَ وَالْعَطَاءَ وَلَيْسَ مَنْعُهُ الشَّيْءَ بُخْلًا بِهٖ، وَلٰكِنْ مَنْعُهُ حِكْمَةٌ وَعَطَاؤُهُ جُوْدٌ وَّرَحْمَةٌ.[2]

ترجمہ: "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان وابدان سے نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے، اور "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کبھی کبھی بخشش وعطا سے اس شخص کو بھی محروم رکھتا ہے جو بخشش کا مستحق نہیں ہوتا جیسا کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ہیں: (اے اللہ) جو نعمت تو دے تو اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جسے منع کرے اُس کا دینے والا کوئی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بخشش دینے اور روکنے کا مالک ہے۔ اُس کا بخشش روک لینا بخل نہیں، بل کہ اس کی حکمت ہے اور اس کی نوازش وعطا سخاوت اور رحمت ہے۔

شیخ عبدالصمد الازہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہمیں چوری، زنا شراب نوشی اور حرام خوری وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔

اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہمیں قتل وغارت گری، جھوٹ، فریب کاری، دھوکا دہی، ظلم وستم وغیرہ اخلاقِ بد کے ارتکاب سے منع کر دیا ہے اور ہر جرم کے لئے ایک خاص سزا مقرر کی ہے۔

اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا ہے، سورج کو ہماری زمین کے قریب آنے سے

[1] ترمذي، ابواب الدعوات: ۱۹۱/۲ [2] سلاح المؤمن: ۲۵٦

روک دیا ہے، چاند کو سورج کے ساتھ ٹکرانے سے روک دیا ہے۔ کہکشاں کو چاند اور سورج کے قریب آنے سے روک دیا ہے، اسی طرح اس نے فضائے آسمانی میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ ایک ستارہ دوسرے ستارے سے نہ ٹکرانے پائے۔

اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے مذکر کو مؤنث، گیہوں کو جو، بھلائی کو برائی، نیکی کو بدی، حیوان کو جماد اور جماد کو انسان بننے سے روک دیا ہے، اسی طرح مخلوقات کے درمیان طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾[1] دو سمندروں کا پانی سنگم پر آپس میں ملتا ہے، پھر بھی دونوں کے دھارے ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ ہے جو ایک کو دوسرے پر غالب نہیں آنے دیتی۔

اس طرح اگر کارخانۂ قدرت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بیشتر قائم کردہ رکاوٹیں دکھائی نہیں دیتیں۔[2]

اللہ ربّ العزت کی اطاعت ہر حال میں کی جائے، کوئی خوف ولالچ ہمیں اس کی فرماں برداری سے نہ روکے، وہ چاہے تو تنگ و تاریک راہوں کو آسان بنا دے اور آسان راہوں کو پرخار کر دے، وہ چاہے تو دشمنوں کو دوست بنا دے، دوستوں کو دشمن بنا دے، وہ چاہے تو دور کو نزدیک کر دے، نزدیک کو دور کر دے، وہ چاہے تو جو نعمتیں موجود ہیں ان کے استعمال سے بھی روک دے اور وہ چاہے تو جو ملکیت میں نہیں ہے اس کو بھی گود میں لا کر دے دے، بہرحال اصل کامیابی اس کی اِطاعت و رضا جوئی میں ہے خواہ ظاہری نقشے اس کے خلاف کیوں نہ ہوں، وہی مشکلات سے آسانیاں نکالتا ہے اور اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرماتا ہے، اسبابِ حفاظت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ موت کے نقشوں میں زندگی اور زندگی کے نقشوں میں موت دینا اسی کی شان ہے۔

جب "اَلْمَانِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے موت کو رکنے کا حکم دیا

وَاقِعَہ نمبر (۹۳): بنان حمال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے لیکن مصر میں رہنے لگے تھے، عوام و خواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی، اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں، حمال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے بادشاہ مصر ابن طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی، ابن طولون تاب سخن نہ لا سکا اور ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انہیں خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

انسان اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے، سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبۂ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی، بنان حمال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی کو خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا، شیر

---

[1] الرحمٰن: ۱۹ [2] شرح اسماء الحسنٰی (الازھری): ۳۸۳، ۳۸۴

لپکا پھر رک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا، دیکھنے والے ان کے جسم کی چیر پھاڑ ہونے کا انتظار کر رہے تھے لیکن...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جب دیکھا کہ شیر انہیں کچھ نہیں کہہ رہا، تب انہیں شیر کے سامنے سے اٹھا دیا۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا: ''شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟''

فرمانے لگے: ''میں اس وقت درندے کے جھوٹے کے متعلق علماء کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک۔'' [۱]

موت آدمی کے سامنے ہو اور وہ بھی اس ہیبت ناک منظر کے ساتھ، لیکن ذہن، فقہ کے ایک اختلافی مسئلہ میں مگن رہے، یہ ''المانع جل جلالہٗ'' کی ذات پر یقینِ کامل کا نتیجہ ہے، کہ شیر بھی مخلوق ہے، اپنے سے نفع ونقصان پہنچانے میں ''المانع جل جلالہٗ'' کے حکم کے تابع ہے، جس دل میں یہ یقین جتنا مضبوط ہوگا، اسی قدر مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکل جائے گا، پھر شیر و چیونٹی عطا و منع میں نفع وضرر میں اس کی نگاہ میں برابر ہوں گی، ایسے بڑے لوگوں سے انسان کیا، درندے بھی محبت کریں گے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (بزدلی)......، جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ! [۲]

''المانع جل جلالہٗ'' مخلوقات کے شر کو روکنے والا

واقعہ نمبر ⑨۴: ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے خط لکھ کر حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کو طلب کیا اور کہا: ''امیر المؤمنین یزید نے مجھے ایک ایسا حکم لکھ بھیجا ہے کہ اگر اس پر عملدر آمد کرتا ہوں تو دین وایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر عمل نہ کروں تو جان سے جانے کا خوف ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

امام ابن سیرین اور امام شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جواب میں ایسی بات کہی جس میں مصلحت کا لحاظ کیا گیا تھا، لیکن حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ابن ہبیرہ! اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے بچا سکتا ہے مگر یزید تجھے اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔

اے ابن ہبیرہ! یزید کی اطاعت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں یزید کا خوف مت کر۔

اے ابن ہبیرہ! عن قریب موت کا فرشتہ تجھے تیرے تخت سے اتار کر تیرے محل کی وسعت وکشادگی میں لے جائے گا، پھر تجھے وہاں سے نکال کر تیری قبر کی تنگی وتاریکی میں پہنچا دے گا، اس وقت سوائے تیرے عمل کے کوئی چیز تجھے نجات نہیں دلا سکتی۔

[۱] حلية الأولياء: ۳۲۴/۱۰ [۲] کتابوں کی درسگاہ میں: ۴۹

اے ابن ہبیرہ! خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔"

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا جواب سن کر ابن ہبیرہ نے ان کے لئے چار ہزار درہم کا حکم دیا جب کہ ابن سیرین اور شعبی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے لئے دو دو ہزار درہم کا حکم دیا، تو انہوں نے فرمایا:

"ہم نے ہلکا انداز اختیار کیا، اس لئے ہمیں انعام بھی ہلکا دیا گیا۔" [1]

ان واقعات سے ہمیں اپنا یقین مضبوط کرنا چاہئے اور عقیدہ صحیح کرنا چاہئے کہ کوئی بھی بیماری ہو، جنات ہوں یا جادو ہو یہ تمام چیزیں ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، غلط قسم کے غیر شرعی تعویذ یا مزاروں میں جا کر منتیں ماننا، غلط عامل، پروفیسر، جوتشی اور نجومی کے پاس جا کر ہم اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، جب تک انسان کا ایک سانس بھی باقی ہو سارے جنات، سارے شیاطین، سارے جادوگر، مل کر بھی اس کو نہیں مار سکتے، اس کو معمولی سے معمولی قسم کی بھی کوئی تکلیف اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچا سکتے پھر غلط جگہوں پر جا کر اپنا عقیدہ خراب کرنا اور شرک کی حالت میں اس دنیا سے جانا کتنے افسوس کی بات ہے۔

عطا و منع کرنے والا صرف "المانع جل جلالہ"

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ." [2]

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں، بس وہی ہے، اس کا شریک کوئی نہیں، ساری بادشاہت اسی کی ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو نعمت تو بخش دے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی مال دار کو اس کی دولت کچھ کام نہیں دیتی (بلکہ وہاں اعمال کی پوچھ ہے)۔"

فَاِنَّ مَنْ لَّا يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهِ الْفَأْسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَأْسَ

وَاقِعَہْ نَمْبَر ⑨⑤: یہ واقعہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ہے جو اہلِ عرب اور اہلِ کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور ابتدائے عمر سے توحید کے دل دادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے، اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، ان کا واقعہ بہت سی حکمتوں اور نصائح پر مشتمل ہے، اہلِ توحید کے لئے یہ واقعہ مشعلِ راہ ہے اور مشرکین کے

---

[1] عیون الأخبار: ۲/۳۴۳، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۷۵

[2] بخاری، الاذن، باب الذکر بعد الصلاۃ، رقم: ۸۹۹

لئے دلائلِ توحید سے پُر ہے۔

چناں چہ ان کے زمانے میں بت پرستی عام تھی اور بچپن ہی سے انہیں بت پرستی سے نفرت تھی۔ جب بلوغ کی عمر کو پہنچے تو بت پرستی سے برملا نفرت کا اظہار فرمانے لگے اور ایک مرتبہ اپنی قوم اور قبیلے سے کہنے لگے: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے آگے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے، لہٰذا ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تم اور تمہارے آباء واجداد کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور وہ ہی ذرہ ذرہ کا حقیقی مالک و پروردگار ہے، قوم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جب یہ تاثرات و نظریات دیکھے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے آباء واجداد کے دین کا مخالف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دل میں یہ سوچ لیا کہ موقع ملنے پر ان کے بتوں کا برا حال بناؤں گا تاکہ انہیں اس کا احساس ہو کہ وہ خدا جو اپنی ذات سے کسی آفت کو نہ روک سکیں، وہ دوسروں کے خدا کہاں ہو سکتے ہیں؟ چناں چہ ان لوگوں کے سالانہ عید اور خوشی کا ایک تہوار منایا جاتا تھا جس میں ساری قوم ایک جگہ جمع ہو کر خوشیاں مناتی تھی، جب یہ موقع آیا تو ساری قوم میلہ میں شرکت کے لئے ایک مخصوص جگہ جمع ہوئی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ نہ گئے اور پیچھے رہ گئے، جب سب چلے گئے تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک بڑا بت رکھا ہوا ہے اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطورِ استہزاء ان سے خطاب کیا:

﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾[1] تم کھاتے کیوں نہیں؟ پھر کہا: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾[2] تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں؟ اس کے بعد ایک کلہاڑے سے ان کو توڑنا شروع کر دیا ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ﴾[3] اور سوائے ایک بت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔

مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آکر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: کیا یہ کام تو نے کیا ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾[4] ''بل کہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے۔''

علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا خوب نکتہ بیان فرمایا ہے:

''فَإِنَّ مَنْ لَّا يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهِ الْفَأْسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَأْسَ''

[1] الصّٰفّٰت: ۹۱ [2] الصّٰفّٰت: ۹۲ [3] الصّٰفّٰت: ۹۳ [4] الانبیاء: ۶۳

ترجمہ: ”غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو ذات اپنے سر سے کلہاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں اور پوجا کرنے والوں سے بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے؟“

غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاموش کردینے والا جواب سن کر سب پریشان ہو گئے۔

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حجت اور دلائل سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق (وہ آلہ جس کے ذریعہ کسی چیز کو دور پھینکا جائے) کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

فرشتوں نے عرض کیا: ”اے پروردگار! آپ کا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے، ہمیں اجازت دیجئے کہ اس کی مدد کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ تم اس کی مدد کرو۔“

چناں چہ جبرئیل امین علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور پوچھا: تم کو کچھ حاجت ہے؟ فرمایا: تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے، وہ میرے لئے کافی ہے، وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے، وہ میرے لئے کافی ہے اور اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ“ پڑھا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد وسلام (ٹھنڈی اور سلامتی والی) بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑیاں تو جلا دیں مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے کہ جیسا سکون مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا سکون مجھے عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔

ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لئے ان کے پاس آبیٹھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ریشم کی ایک قمیص اور ایک بستر لائے اس قمیص کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنا دیا اور اس بستر کو بچھا دیا اور ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے: اور کہا: اے ابراہیم! تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں اور آتش کدہ ان کے لئے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس

ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو۔

جواب دیا: ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اس کے ارکانِ دولت نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا اور کہا: اے ابراہیم! تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیچھا چھوڑ دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔[1]

اس طرح آگ کا ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا اور یہ کام کوئی مشکل نہیں۔ تمام کائناتِ عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے، اندرونی طور سے ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو، جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اس کو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول وبراز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے، گوشت کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں، جیسا کہ پرندوں کی بیٹ (پرندوں کا فضلہ) سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے، غرض یہ کہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر اور باریک کر کے نکالتی ہے، مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجیب الخلقت حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔

پس جس آگ کے پیدا کرنے والے نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے نمرود کی آگ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہر حال آگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے، جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ معدہ کی آگ کے متعلق ابھی آپ نے مطالعہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ توحید کو ثابت کرنے میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ رب العزت اکیلے پوری کائنات کے نظام کو چلا رہے ہیں، قرآن مجید نے توحید کو ثابت کرنے کے لئے مختلف انداز میں دلائل ذکر کئے ہیں

---

[1] تفسیر مظہری، عربی: ۶/۲۰۶ تا ۲۰۸

ان دلائل سے ایک اَن پڑھ آدمی کو بھی اسی طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ایک تعلیم یافتہ محقق اور پروفیسر کو۔
اس سے آج کے معاشرے کا فرد بھی اسی طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح آج سے چودہ صدیاں پہلے کے معاشرے کا انسان فائدہ اٹھاتا تھا۔

''اَلْمُغْنِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی قدرت کے کرشمے

واقعہ نمبر (۹۶): عارف رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا: ''جو اس بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا''

اسی دوران ایک بچے والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا: ''اس بت کو سجدہ کر۔''

وہ عورت مؤمنہ تھی، اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین لیا گیا، کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے بت کو سجدہ کرے، پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا تو بچے کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بے تاب ہوگئی، یکا یک اس آگ میں سے بچے نے آواز دی:

اے ماں! تم بھی یہاں آجاؤ یہ تو عشرت کی جگہ ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے، اندر آکر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے، میں تجھے حقِ مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آجا...... یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔

اور اے مسلمانو! تم سب اندر آجاؤ پروانہ کرو...... کسی طرح اس آگ میں کود پڑو، ماں اپنے بچے کی یہ بات سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا: اے مسلمانو! تم بھی اسی باغ میں آجاؤ، یہ سنتے ہی لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا، وہ تو چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے روکے، لیکن تقدیرِ الٰہی نے اس کی تدبیر کو بالکل الٹ دیا، یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آگیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شد کائے تند خو   آں جہاں سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غصہ وغضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا: ''اے جلانے والی آگ! تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی؟''

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت یاز بخت ما دگر شد نیست

''تو جلاتی کیوں نہیں؟ تیری طبعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدقسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی؟''

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست آں کہ نہ پرستد ترا او چوں پرست

''اے آگ! تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی، پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیوں کر بچ گیا۔''

آگ کا کافر بادشاہ کو حیران کن جواب

گفت آتش من ہانم آتشم اندر آتا بہ بینی تابشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا: ''میں وہی آگ ہوں، میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔''

طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

''میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی، میں حق کی تلوار ہوں، اس کی اجازت سے کاٹتی ہوں، جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بل کہ تلوار چلانے والے کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے، اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔'' [1]

یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ ان اسبابِ ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا۔ وہ قادرِ مطلق ہے، جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بے کار بنا دیتا ہے، جس طرح ان اسبابِ حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس کے اختیار میں ہیں۔ [2]

جب ''المانع جل جلالہ'' نے سانپ کو نقصان پہنچانے سے روک دیا

واقعہ نمبر ۹۷: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) گم ہو

---

[1] مثنوی مولوی معنوی: ۱۱۱ تا ۱۱۶

[2] فائدہ: حضرات اہلِ علم تفصیل کے لئے دفتر اول مولانا روم صفحہ ۷۰ دیکھیں۔ اور ''معرفت الٰہیہ'' مؤلفہ مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کریں۔

گئے ہیں اس وقت دن چڑھ چکا تھا حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا:

''اٹھو اور میرے دونوں بیٹوں کو تلاش کرو......'' چناں چہ ہر آدمی نے اپنا راستہ لیا اور چل پڑا اور میں حضور ﷺ کا راستہ لے کر چل پڑا، حضور ﷺ چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے کھڑے ہیں اور پاس ہی ایک کالا ناگ اپنی دم پر کھڑا ہے جس کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں (غالباً اللہ تعالیٰ نے ناگ بھیجا تھا کہ بچوں کو آگے جانے سے روکے)۔

حضور ﷺ جلدی سے اس ناگ کی طرف بڑھے، اس ناگ نے حضور ﷺ کو مڑ کر دیکھا پھر چل پڑا اور ایک سوراخ میں داخل ہو گیا، پھر حضور ﷺ ان دونوں کے پاس گئے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور دونوں کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"بِأَبِيْ وَأُمِّيْ أَنْتُمَا مَا أَكْرَمَكُمَا عَلَى اللّٰهِ!"...... ''میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں! تم دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنے قابلِ اکرام ہو۔'' پھر ایک کو دائیں کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر بٹھا لیا، میں نے کہا: تم دونوں کو خوش خبری ہو کہ تمہاری سواری بہت عمدہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں بہت عمدہ سوار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں۔'' [1]

''المانع جل جلالہ'' کی صفت کو سمجھنے کے لئے حدیث میں ایک بہترین دعا ہے:

''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ...... اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ...... وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ...... وَلَا هَادِيَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ...... وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ...... وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ...... وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ...... وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ...... وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ.'' [2]

ترجمہ: ''اے اللہ! ساری تعریف آپ کے لئے ہے، جس کا رزق تو وسیع کر دے، پھر اس کا تنگ کرنے والا کوئی نہیں اور جس کا رزق تو تنگ فرما دے پھر اس کا وسیع کرنے والا کوئی نہیں، ...... جس کو تو گمراہ کر دے پھر اس کا ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جس کو تو ہدایت نصیب فرما دے پھر اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، جو نعمت تو روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور جو دیدے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں، جس چیز کو تو دور کر دے پھر اس کا قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو قریب کر دے پھر اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں۔''

''المانع جل جلالہ'' جس مصیبت کو روک دے وہ کبھی نہیں آسکتی

حدیث میں آتا ہے:

[1] حياة الصحابة: ٩٦٢/٢ [2] مسند احمد: ٤٢٣/٣، رقم: ١٥٠٦٦

"مَآ أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَآ أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ" [1]

"یہ سمجھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچ چکی ہے وہ کبھی بھی ٹلنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی بھی تمہیں پہنچنے والی نہ تھی۔"

حدیثِ نبوی کا یہ مختصر سا مگر جامع جملہ ہمارے بہت سے غموں اور پریشانیوں کے لئے تسلی و دوا کا سبب بن سکتا ہے، بہت سے آپس کے جھگڑوں و رنجشوں کے ختم ہونے کا ذریعہ، بل کہ آپس کی ناچاقیوں اور تو تو، میں میں کے اسباب ہی کے خاتمہ کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگ (مرد وعورت) اس غم میں گھلتے رہتے ہیں کہ اتنی پریشانیاں...... اتنی مصیبتیں،...... فلاں صاحب کی وجہ سے آئیں، ابا کی یہ غلطی تھی...... اماں نے یہ غلط مشورہ دیا...... بھائی، بہن، دوست، نے ایسا کیا تو ایسا ہوا، بھابھی صاحبہ کی وجہ سے ایسا ہوا ان سب کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر یقین رکھیں کہ روکنے والا بھی وہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے۔ پریشانیاں بھیجنے والا بھی وہی ہے اور پریشانیاں دور کرنے والا بھی وہی ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ مستقبل میں آنے والی موہوم پریشانیوں سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اور شیخ چلی کی طرح سوچ سوچ کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشانی وفکر واضطراب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں، انہیں بھی چاہئے کہ ان سارے موہوم وشکی خیالات کو اپنے سے دور رکھیں کہ یہ ہوگیا تو کیا ہوگا......؟ یوں ہوا تو کیا ہوگا......؟ فلاں یہ کر دے گا تو......؟ اگر میری ملازمت ختم ہوگئی تو......؟ فلاں کاروبار میں نقصان ہوگیا تو......؟ فلاں یوں کر لے گا تو......؟ یہ بیماری ٹھیک نہ ہوئی تو......؟ یہ پریشانی ختم نہ ہوئی تو......؟

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنا یقین کامل رکھیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ان دو مبارک شعروں سے اپنے آپ کو تسلی دیں، گو یہ اشعار عربی میں ہیں لیکن ہو سکے تو ان کو یاد کرلیں، چلتے پھرتے پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ بہت ہی فائدہ ہوگا، یاد نہ ہوں تو ان کے معانی کا استحضار رکھیں اور یہ طے کریں کہ اگر خود عربی زبان نہیں آتی تو اپنی نسلوں، آئندہ آنے والے نونہالوں کو اس مبارک زبان سے محروم نہیں کریں گے۔

تو لیجئے یہ دو شعر: ؎

عَلَيْكَ بِالتَّيْسِيْرِ فَإِنَّ الْأُمُوْرَ بِكَفِّ الْإِلٰهِ مَقَادِيْرُهَا

"اپنے ساتھ آسانی کا معاملہ کرو (اور گھبراؤ مت) کیوں کہ تمام کاموں کی تقدیریں اللہ تعالیٰ کی ہتھیلی میں ہیں۔"

فَلَيْسَ يَأْتِيْكَ مَنْهِيُّهَا وَلَا قَاصِرٌ عَنْكَ مَأْمُوْرُهَا

---

[1] ابوداؤد، السنة، باب في القدر: ۲/۲۹۰

ترجمہ: ''جس کام کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا وہ تمہارے پاس آ نہیں سکتا اور جس کے ہونے کا حکم دے دیا ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتا۔''

تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا

واقعہ نمبر (۹۸): ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ تنِ تنہا سو گئے، آپ ﷺ کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا، کسی کافر نے آپ ﷺ کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آ گیا اور بالکل آپ ﷺ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ خالی ہاتھ ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے:

''مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟''...... ''اے محمد! (ﷺ) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضور اقدس ﷺ یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ ﷺ گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے اطمینان سے جواب دیا:

''اَللّٰہ''...... ''مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔''

جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر پریشانی اور گھبراہٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو آپ ﷺ کا جواب سنتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ تلوار ہاتھ میں اُٹھائی اور فرمایا: ''اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟'' [1]

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے اور اس میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہی طریقہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے پیش فرمایا تو اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب اختیار کرتے تھے مگر بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے، مخلوق کا تاثر اپنے دل میں نہیں آنے دیتے تھے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے اور آزمودہ و مجرب نسخہ ہے کہ مخلوق کا تاثر دل سے نکال دیا جائے، چاہے وہ مخلوق کتنی ہی بڑی نظر آئے اس کا دل سے تاثر نکالتے ہی وہ تابع بن جائے گی۔

---

[1] بخاري، المغازي، باب غزوة بني مصطلق ...... : ۵۹۳/۲، الرقم: ۴۱۳۹

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے سبق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ نفس پرستوں کی صحبت سے پرہیز کریں اور ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾[1] میں داخل ہونے سے خود کو بچائیں لازم ہے کہ اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر قائم کریں۔[2]

❷ چاہئے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے۔ کہ کوئی بھی بیماری ہو،...... جنات ہوں یا جادو ہو...... یہ تمام چیزیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاسکتیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور یقین بنائے کہ اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقوں پر چلوں گا تو کوئی مخلوق مجھے کسی طرح کا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، لہٰذا مخلوق سے گلے شکوے ختم کریں۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت ترجمہ کے استحضار کے ساتھ مانگتا رہے۔

---

[1] الماعون: ۷

[2] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۲٦ (منصور پوری)

اَلضَّارُّ جَلَّ جَلَالُہٗ اَلنَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ضرر پہنچانے والا) (نفع پہنچانے والا)

ان اسماء کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① اَلضَّارُّ الَّذِيْ يَضُرُّ الْعَاصِيْنَ بِحِرْمَانِهٖ، وَالنَّافِعُ الَّذِيْ يَنْفَعُ الطَّائِعِيْنَ بِتَوْفِيْقِهٖ وَ إِحْسَانِهٖ.[1]

ترجمہ: "اَلضَّارُّ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو نافرمان بندوں کو اپنی نعمتوں سے محروم رکھ کر سزا دیتا ہے اور اَلنَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو فرماں بردار بندوں کو اپنی توفیق اور احسان سے فائدہ پہنچاتا ہے۔"

② اَلضَّارُّ وَالنَّافِعُ هٰذَانِ الْإِسْمَانِ مِمَّا يَحْسُنُ الْقِرَانُ فِي الذِّكْرِ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ فِي اجْتِمَاعِهِمَا وَصْفًا لَّهٗ بِالْقُدْرَةِ عَلٰى نَفْعِ مَنْ شَآءَ وَضَرِّ مَنْ شَاءَ وَذٰلِكَ أَنَّ مَنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَى النَّفْعِ وَالضَّرِّ قَادِرًا لَمْ يَكُنْ مَرْجُوًّا وَلَا مَخُوْفًا وَفِيْهِ إِثْبَاتُ أَنَّ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ وَقَدْ يَكُوْنُ مَعْنَاهُ أَيْضًا أَنَّهٗ يَقْلِبُ الضَّارَّ بِلَطِيْفِ حِكْمَتِهٖ مَنَافِعَ، فَيَشْفِيْ بِالسُّمِّ الْقَاتِلِ إِذَا شَاءَ، كَمَا يُمِيْتُ بِهٖ إِذَا شَاءَ، لِيُعْلَمَ أَنَّ الْأَسْبَابَ إِنَّمَا تَنْفَعُ وَتَضُرُّ إِذَا اتَّصَلَتِ الْمَشِيْئَةُ بِهَا.[2]

ترجمہ: "الضّار اور النّافع اللہ ربّ العزت کے ان مبارک ناموں میں سے ہیں جنہیں ساتھ ملا کر ذکر کرنا بہتر ہے۔ ان دونوں کے جمع کرنے میں اُس ذات کے لئے نفع اور نقصان پر قادر ہونے کی صفت بن جاتی ہے اور یہ کہ جو ذات نفع اور نقصان پر قادر نہ ہو اس سے نہ کسی فائدے کی امید اور نہ ہی کسی نقصان کا خوف رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں اثبات ہے اس بات کا کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ معنیٰ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ نقصان دہ چیز کو اپنی لطیف حکمت سے فائدہ مند چیز میں بدل دیتے ہیں۔ جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ چاہیں تو زہرِ قاتل کے ذریعے شفاء بخشتے ہیں، جس طرح کہ وہ جب چاہیں اس کے ذریعے موت دے دیں، تاکہ اس بات کا علم ہو جائے کہ اسباب نقصان اور فائدہ تب ہی پہنچا سکتے ہیں جب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی و ارادہ شامل ہو جائے۔"

اس مذکورہ عبارت سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ نفع و نقصان کا مالک اور اشیاء میں نفع اور نقصان کی تاثیر رکھنے والی

[1] شرح اسماء اللہ الحسنیٰ للرّازی: ۳۴۶ [2] شان الدعا: ۹۴

ذات وہی الضَّارُّ النَّافِعُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور یہی درس ہمیں قرآن مجید بھی دے رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭوَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚاِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ''آپ فرما دیں کہ مجھے اپنے لئے بھلائی برائی کا اختیار نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اگر میں غیب جانتا تو کثرت سے بھلائی جمع کر لیتا (یعنی اپنی حفاظت کا سامان پہلے سے کر لیتا) اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔''

یعنی پیغمبر اسلام ﷺ جو سرتاج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، آپ ﷺ سے بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوئے، لوگوں نے آپ ﷺ سے دین کے اسرار و رموز سیکھے، لوگوں کو آپ ﷺ کی راہ پر چلنے سے بزرگی نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرما دیں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب دان ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا۔

اگر میں غیب دان ہوتا تو کام سے پہلے اس کا انجام معلوم کر لیا کرتا، اگر اس کام کا انجام برا معلوم ہوتا تو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالتا۔

غیب دانی اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور میں پیغمبر ہوں، پیغمبر کا صرف اتنا کام ہوتا ہے کہ وہ برے کاموں کے انجام سے خبردار کر دے اور نیک کاموں پر خوش خبری سنا دے، یہ بات بھی ان ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کے دلوں میں یقین ہو اور یقین پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل کام

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء میں یہی بڑائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ بتاتے ہیں اور جن اچھے برے کاموں سے واقف ہیں، ان سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں تاثیر رکھی ہے، بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے سیدھی راہ پر آجاتے ہیں۔ یہ کوئی بڑائی نہیں کہ انہیں تصرف عالم کی قدرت دی گئی ہو کہ جسے چاہیں مار ڈالیں...... یا بیٹا بیٹی دے دیں...... یا آئی بلا ٹال دیں...... یا مرادیں برلائیں...... یا فتح و شکست دے دیں...... یا تونگر بنا دیں...... یا فقیر و قلاش کر دیں، یا کسی کو بادشاہ بنا دیں...... یا کسی کو امیر یا وزیر بنا دیں...... اور کسی کو فقیر و حقیر کر دیں۔ ...... کسی کے دل میں ایمان ڈال دیں...... اور کسی سے چھین لیں...... کسی بیمار کو تندرست یا تندرست کو بیمار کر دیں،......

[1] الاعراف: ۱۸۸

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چھوٹا بڑا یہ کام کرنے سے عاجز ہے اور عجز میں سب برابر ہیں۔

اسی طرح یہ کوئی بڑائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب کی کنجیاں انہیں دے دے، کہ جب چاہیں کسی کے دل کی بات معلوم کر لیں، ...... یا جس غیب کی بات کو چاہیں، معلوم کر لیں ...... کہ فلاں کے ہاں اولاد ہوگی یا نہیں......؟ تجارت میں فائدہ ہوگا یا نہیں......؟ لڑائی میں فتح ہوگی یا شکست......؟

ان باتوں سے سب چھوٹے بڑے یکساں بے خبر ہیں، پھر جس طرح کوئی بات عقل سے یا کسی قرینے سے کہہ دی جاتی ہے اور وہ اسی طرح ہو جاتی ہے جس طرح کہی گئی تھی، اسی طرح یہ بڑے لوگ بھی جو بات عقل وقرینہ سے کہہ دیتے ہیں، کبھی تو وہ ٹھیک ہو جاتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے، لیکن وحی یا الہام کی بات غلط نہیں ہوتی، مگر وحی اختیار میں نہیں ہوتی۔[1]

اسی طرح احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: ''ایک دن میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پیچھے تھا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے بیٹے! اللہ کو یاد رکھ، اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ، اس کو اپنے سامنے پالے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے کر، جب مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور یقین مان کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نفع پہنچائیں گے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے، جو تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں۔''[2]

وَاقِعَۃٌ مُنْبِرٌ (۹۹): حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) جب گھر سے باہر ضرورت پوری کر کے واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں۔

چناں چہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو بت کا منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی، میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ اندر آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا تو انہوں نے کہا: ''یہ دھاگہ کیسا ہے؟''

---

[1] تقویۃ الایمان: ۵۱

[2] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ: يَا غُلَامُ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ" (ترمذي، ابواب صفة الجنة: ۲/۷۸)

میں نے کہا: اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا: عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ"[1]

تَرجَمہ: منتر، تعویذ اور گنڈا یہ سب شرک ہے (بشرطے کہ ان چیزوں کو ہی خود اثر کرنے والا سمجھے)

میں نے ان سے کہا: آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟

میری آنکھ دکھنے آتی تھی، میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا تھا، جب بھی وہ دم کرتا میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے تھا، شیطان تمہاری آنکھ پر ہاتھ سے کوچا مارتا تھا (جس سے آنکھ ٹھیک ہو جاتی) تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس موقع پر یہ دعا مانگ لیتیں جو کہ حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے:

"أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا."[2]

تَرجَمہ: "اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ لہٰذا شفا عطا فرما! شفا صرف تیری ہی طرف سے ہے، ایسی شفا عطا فرما جو کسی قسم کی بیماری نہ چھوڑے۔"

بعض جاہلی مذاہب ایک خالقِ کائنات کے تو مقر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف و حکومت کے لئے دوسرے دیوی، دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں۔ دولت فلاں دیوی دلواتی ہے وغیرہ وغیرہ، مشرکینِ قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا، قرآنِ کریم نے سورۂ زمر آیت ۳۸ میں ان کے اسی مسلمہ اصول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

(جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہتی)۔

جب اللہ تعالیٰ پر تکیہ (بھروسہ) کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔[3]

وَاقِعَہ نمبر (۱۰۰) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا:

---

[1] ابن ماجه، ابواب تعليق التمائم: ۲/۲۵۲

[2] ابن ماجه، الطلب، باب تعليق التمائم: ۲۵۲

[3] تفسير ماجدى: ۲/۹۲۶

"مَا هٰذِهٖ؟" قَالَ: "مِنَ الْوَاهِنَةِ"، قَالَ: "أَمَا أَنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ إِلَّا وَهْنًا، إِنْبِذْهَا عَنْكَ فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا." [1]

تَرجَمَہ: "یہ کیا ہے؟" اس نے کہا: "یہ "واہنہ" (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے"، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ (تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بل کہ) تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کردے گا، اِسے پھینک دو اس چھلے کو پہنے ہوئے اگر تمہیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پا سکو گے۔"

فَائِدَہ: امام ابن الاثیر الجزری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: "واہنہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں کندھے یا پورے بازو کی رگ پھول جاتی ہے۔" اس تکلیف سے نجات کے لئے دم بھی کیا کرتے ہیں۔

آں حضرت ﷺ نے اس شخص کو وہ چھلا پہننے سے اس لئے منع کیا تھا کہ اس نے وہ چھلا اس مرض سے نجات کے لئے پہنا تھا کہ وہ چھلا اسے محفوظ رکھے گا۔ حالاں کہ چھلے کا بیماری سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ" [2]

تَرجَمَہ: "جس شخص نے (بیماری سے تحفظ کے لئے) کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے سیپ باندھی، اللہ تعالیٰ اسے بھی آرام نہ دے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جنت میں ستر (۷۰) ہزار افراد بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے۔

"لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ." [3]

یعنی جو تعویذ گنڈے کے چکر میں نہیں رہتے، نہ بدفالی لیتے ہیں، نہ اپنے جسموں کو داغتے ہیں بل کہ صرف اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ بات ملحوظ رہے کہ ایسے تعویذ جو شرک و بدعت سے پاک ہوں اور ان کے الفاظ ماثورہ (جو قرآن و حدیث سے منقول) ہوں جن کے معانی بھی صحیح ہوں، نیز ان الفاظ کا لکھنے والا ان الفاظ و معانی کو جانتا بھی ہو، اور تعویذ دینے والے اور استعمال کرنے والے دونوں اس تعویذ کو مؤثرِ حقیقی نہ سمجھتے ہوں، بل کہ ان کا پختہ عقیدہ ہو کہ شفاء دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی ہے اور یہ تعویذ وغیرہ کا استعمال فقط بطورِ علاج ہے۔ ایسے تعویذ کا استعمال کرنا ان شرائط کے ساتھ بعض علماء نے درست قرار دیا ہے، خصوصاً چھوٹے بچے یا مجنون یا ایسے معذور لوگ جو خود سے دعا نہیں

---

[1] مسند احمد: ٥/٦١٦، رقم: ١٩٤٩٨

[2] مسند احمد: ٤/١٥٤ رقم: ١٦٩٥١

[3] بخاري، الطب، باب من اكتوى او كوى غيره، وفضل من لم يكتو، رقم: ٥٧٠٤

مانگ سکتے ان کے لئے تعویذ کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔

اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآنِ کریم اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے اور جو بذاتِ خود قرآن کریم کی تلاوت اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت رکھتے ہیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ بجائے تعویذ بنا کر پینے کے وہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں، ان شاء اللّٰہ تعالٰی بہت جلد آیات کی برکت سے شفا پائیں گے ہاں اس کے ساتھ گناہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

کوئی انسان تقدیر نہیں بدل سکتا

کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو اس لئے پکارتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں، تو یہ نہیں سمجھتا کہ نبی ولی تو پھر بھی اس سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت ہی قریب ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک غلام بادشاہ کے پاس تنہا ہے۔ بادشاہ اس کی درخواست سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہے، لیکن وہ کسی امیر کو آواز دے کر پکارتا ہے کہ جناب بادشاہ کے حضور میں میری درخواست پیش فرمادیں۔ تمہارا اس غلام کی بابت کیا خیال ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ غلام یا تو اندھا ہے...... یا دیوانہ...... یا ضد اور عناد نے عقل پر پردہ ڈال دیا ہے؟

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر شخص اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور آڑے وقت اسی سے مدد چاہے اور یہ بات یقین سے سمجھ لے کہ تقدیر کا لکھا ہرگز نہیں مٹ سکتا، اگر تمام دنیا مل کر کسی کو نفع یا نقصان پہنچائے تو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتی، دنیا کے تمام لوگ تحریرِ تقدیر سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر کو بدلنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ جس کے مقدر میں اولاد نہیں اسے کون اولاد دے؟

اور جس کے مقدر میں عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا، کون ہے جو اس کی مدتِ حیات میں اضافہ کردے؟

پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو تقدیر بدل ڈالنے کی طاقت بخشی ہے، غلط ہے، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی اپنے ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے اور انبیاء عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ و اولیاء کی اکثر دعائیں قبول فرمالیتا ہے۔ دعا کی توفیق بھی وہی دیتا ہے اور قبول بھی وہی فرماتا ہے۔ دعا کرنا، اس کے بعد مراد برآنا، دونوں باتیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔ دنیا کا کوئی کام تقدیر سے باہر نہیں۔

کسی میں کوئی کام کرنے کی طاقت نہیں، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، نبی ہو یا ولی، ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، بس اسے اتنی ہی طاقت ہے۔ اس کے بعد مالک ومختار کو اختیار ہے، چاہے از راہِ مہربانی قبول فرمالے اور چاہے تو از راہِ حکمت قبول نہ فرمائے۔“ [1]

[1] تقویۃ الایمان: ٦٠، ٦١

رشتہ داری نفع ونقصان نہیں دے سکتی

واقعہ نمبر ۱۰۱ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [1]

یعنی ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ'' اتری، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا لہٰذا خاص اور عام تمام لوگ جمع ہوئے پھر فرمایا:

''اے اولادِ کعب بن لوی! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبد شمس! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ ہاشم! اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبد المطلب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے فاطمہ! اپنی جان کو عذاب سے بچالے! کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، ہاں (دنیا میں) تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔'' [2]

یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے رشتہ دار ہوتے ہیں، بسا اوقات ان میں سے بعض لوگوں کو بزرگوں کی حمایت کا بھروسہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ مغرور ہو کر نڈر ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''اپنے رشتہ داروں کو ہوشیار کر دیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کو، یہاں تک کہ اپنی لاڈلی صاحب زادی کو بھی صاف صاف بتا دیا کہ: ''يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ...... [3] یعنی حق قرابت اسی چیز میں ممکن ہے جو انسان کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں میرا مال ہے، اس کے دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے، وہاں کسی کی بھی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، ہر شخص قیامت کے لئے اپنی اپنی تیاری کر لے، اور دوزخ سے بچنے کی آج ہی فکر کر لے'' معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی نہیں۔ جب تک انسان خود نیک عمل نہ کرے، بیڑا پار ہونا مشکل ہے۔ [4]

---

[1] الشعرآء: ۲۱٤

[2] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ: يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ وَيَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَابَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ هَاشِمٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا." (مسلم: كتاب الايمان، باب من مات على الكفر: ١/١١٤)

[3] حوالہ بالا

[4] تقوية الايمان: ٦٢

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ کوئی نبی، کوئی ولی یا اور کوئی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

❷ یومِ آخرت کے لئے تیاری کر کے رکھے جس دن کوئی رشتہ داری، کوئی قرابت داری نفع نہیں پہنچائے گی، صرف اور صرف وہی اعمال کام آئیں گے جو اس دن کے لئے کر رکھے ہوں گے۔

❸ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگے اور اگر کوئی خوشی نصیب ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے۔

اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(روشنی والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1] أَيْ يَهْتَدِيْ بِنُوْرِهٖ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، أَيْ بِاٰيَاتِهٖ وَأَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ، وَالْبَرَاهِيْنِ الْوَاضِحَةِ النَّيِّرَةِ، يَهْتَدِيْ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلٰى تَوْحِيْدِهٖ، وَالْإِقْرَارِ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ، وَتَنْزِيْهِهٖ مِنَ الْأَنْدَادِ، وَالْأَمْثَالِ عَزَّوَجَلَّ.[2]

ترجمہ: امام زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اللہ ربّ العزت کے نور سے آسمان و زمین والے ہدایت پاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور وہ نشانیاں جو اس کی ذات پر نشان دہی کرنے والی ہیں، نیز روشن اور واضح دلائل، ان تمام چیزوں کے ذریعے آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ کی توحید تک رسائی پاتے ہیں اور انہیں چیزوں کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، اور اللہ ربّ العزت کی ذات پاک کو جو انتہائی عزت و جلال والی ہے شریک اور مثل سے پاک اور بری مانتے ہیں۔"

❷ (اَلنُّوْرُ) هُوَ الَّذِيْ بِنُوْرِهٖ يُبْصِرُ ذُوالْعَمَايَةِ، وَبِهِدَايَتِهٖ يَرْشُدُ ذُوالْغَوَايَةِ، وَعَلٰى مِثْلِ هٰذَا يَتَأَوَّلُ قَوْلُهٗ -جَلَّ وَعَزَّ- ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ أَيْ مِنْهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ.[3]

ترجمہ: امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلنُّوْرُ" وہ ذات ہے جس کے نور سے نابینا بینائی حاصل کرتا ہے، اور گمراہ ہدایت پاتا ہے، یہی مطلب ہے اللہ ربّ العزت کے اس ارشاد کا ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی اللہ ربّ العزت ہی کی ذات سے آسمان و زمین کو نور حاصل ہے۔

❸ "امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کی تفسیر میں بعض علماء کا قول ذکر فرماتے ہیں کہ "اللہ ربّ العزت اس نور کے خالق ہیں جو تمام ستاروں اور سیاروں کو حاصل ہے، ان سیاروں کی روشنی ذاتی اور جسمانی

[1] النور: ۳۵ [2] اشتقاق الاسماء: ۱۸۲، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۲۴۳

[3] شان الدعا: ۹۵، بحواله النهج الأسمٰى: ۲/۲۴۳

نہیں بل کہ یہ روشنی اللہ تعالیٰ کے نور سے عطا کردہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عرش کے اردگرد ایسے انوارات ہیں کہ اگر ان میں سے ایک چنگاری بھی زمین پر آ گرے تو زمین اپنے سارے ساز وسامان سمیت جل جائے۔[1]

اللہ ربّ العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو، وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو، جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔''[2]

نور کی تعریف

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نور کی تعریف میں فرمایا: ''اَلظَّاهِرُ بِنَفْسِهٖ وَالْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ''
یعنی نور وہ ہے جو خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔

تفسیر مظہری میں ہے: نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوتِ باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسامِ کثیفہ پر پڑ کر اوّل اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاع منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔[3]

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں آسمان و زمین کو، اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس

---

[1] اِخْتَلَفُوْا فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَللّٰهُ ذُوْ نُوْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُرِيْدُ: أَنَّهٗ خَالِقُ هٰذَا النُّوْرِ الَّذِيْ فِي الْكَوَاكِبِ كُلِّهَا، لَا أَنَّهٗ ضِيَاءٌ لَّهَا وَأَنْوَارٌ لِّأَجْسَامِهَا بَلْ أَنْوَارٌ تَنْفَصِلُ مِنْ أَنْوَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى.
وَيُقَالُ: إِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ أَنْوَارٌ لَوِ انْفَصَلَتْ مِنْهَا شَرَارَةٌ عَلَى الْأَرْضِ لَاحْتَرَقَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا.
(تفسیر الاسماء: ٦٤، بحوالہ النہج الأسمٰی: ٢/٢٤٢)

[2] اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (النور: ٣٥)

[3] مظہری: ٦/٥٢٢، النور: ٣٥

نور سے نورِ ہدایت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے "اَللّٰهُ هَادِيُ أَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والے ہیں۔" [1]

نورِ مؤمن

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

یہ مثال اس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نورِ ہدایت ڈال دیا ہے، چناں چہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان فرمائی، پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پھر قلبِ مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ......﴾ [2]

اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت، جو مؤمن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے: ﴿كَمِشْكٰوةٍ......﴾ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے، اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے، اس میں نہایت شفاف روغنِ زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود قبولِ حق کا ہے، پھر جس طرح روغنِ زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے، اسی طرح فطری نورِ ہدایت، جو قلبِ مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحیِ الٰہی اور علمِ الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو اس مثال کو قلبِ مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ اس نور کا فائدہ صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتداءِ تخلیق کے وقت انسان کے دل میں رکھا جاتا ہے، وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بل کہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نورِ ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم، ہر خطہ، ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۶۰۳/۲، (النور: ۳۵)

[2] "هُوَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ الْإِيْمَانَ وَالْقُرْاٰنَ فِيْ صَدْرِهٖ فَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلَهٗ فَقَالَ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فَبَدَأَ بِنُوْرِ نَفْسِهٖ ثُمَّ ذَكَرَ نُوْرَ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ فَكَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَقْرَأُهَا "مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ" (تفسیر ابن کثیر: ۶۰۳/۲)

کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفسِ وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے، سوائے چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہوگئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: "کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ"[1] یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نورِ ہدایت کی وجہ سے اس میں قبولِ حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔

جب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبوں کے ذریعہ وحی الٰہی کا علم ان کو پہنچتا ہے، تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں سوائے ان مسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاءِ نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن اور کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور آخرِ آیت میں یہ فرمایا:

﴿یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾[2]

"یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔"

یہاں مشیتِ الٰہی کی قید اس نورِ فطرت کے لئے نہیں، جو ہر انسان میں رکھا ہے بل کہ نورِ قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا سوائے اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو، ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیقِ الٰہی بے کار بل کہ بعض اوقات مضر بھی ہو جاتی ہے ؎

إِذَا لَمْ یَكُنْ عَوْنٌ مِّنَ اللّٰهِ لِلْفَتٰی ... فَأَوَّلُ مَا یَجْنِیْ عَلَیْهِ إِجْتِهَادُهٗ

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو ... تو سب سے پہلے اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے[3]

صرف اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی نور و ظلمت دونوں کے خالق ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾[4]

تَرْجَمَۃ: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے ربّ کے ساتھ اوروں کو برابر کر دیتے ہیں۔"

[1] بخاری، الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین: ۱/۱۸۵

[2] النور: ۳۵ [3] معارف القرآن: ۶/۴۲۳، النور: ۳۵ [4] الانعام: ۱

فَائِدَۃ: ''مجوس'' دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں ''یزدان'' جو خالقِ خیر ہے اور ''اہرمن'' جو خالق شر ہے اور دونوں کو نور و ظلمت سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک لوگ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود توحید کے دعوے کے ''مادہ'' اور ''روح'' کو اللہ تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی صفت تکوین وتخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔

عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن وتناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بل کہ اس سے برتر ہوسکتا ہے۔ عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت واستعانت وغیرہ کے وقت اسے اللہ تعالیٰ کے برابر نہ بٹھایا ہو، حالاں کہ وہ ذات پاک جو تمام صفاتِ کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کی جڑ ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد وثنا کی بلا شرکتِ غیرے مستحق ہے۔

جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہیں سب کو پیدا کیا...... اور رات، دن،...... اندھیرا، اجالا،...... علم و جہل،...... ہدایت و گمراہی،...... موت وحیات،...... غرض مختلف کیفیات اور مختلف احوال ظاہر فرمائے، اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی، نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا رتبہ دے رہے ہیں۔[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، یہ دلائل وہ ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جن کو سمجھ ہے۔''

یہاں یہ بتادیا ہے کہ آفتاب میں روشنی اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادرِ مطلق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرامِ فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کرلی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور

[1] تفسیر عثمانی: ۱۶۹ [2] یونس: ۵

اب تک ہے۔[1]

اَلنُّوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آنکھوں میں نور پیدا کیا، روزِ قیامت بھی وہی نور دے گا

ہمارے جسم میں سب سے نازک عضو آنکھ ہے، اس آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا، جس سے ہم اپنے نفع، نقصان کو دیکھ سکتے ہیں، تکلیف اور راحت کے سامان میں فرق کر سکتے ہیں، اس آنکھ کی حفاظت کس طرح اس نے مضبوطی سے کی ہے، ان دو آنکھوں میں کیا عجیب نور بھرا ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ آنکھ کچھ دیکھ سکتی خواہ کیسی ہی خوب صورت ہوتی مگر نرگس کی طرح بے نور ہی رہتی، دو آنکھوں سے قاعدے کے مطابق ہر ایک چیز کی دو چیزیں نظر آتیں جب کہ بیچ میں ناک کے بانسے کا بھی ستون کھڑا ہے مگر ایسا نہیں ہے، دونوں آنکھوں سے ہم ہر ایک چیز کو ایک ہی دیکھتے ہیں۔ پردہ در پردہ نور کی حفاظت کی۔ ایسے پردے کہ جو حفاظت بھی کر سکیں اور دیکھنے میں خلل بھی نہ ڈال سکیں، سات پردوں میں نور کو محفوظ کر کے پتلی کو گھومنے کی طاقت عطا فرمائی کہ ہر طرف دیکھ سکیں۔[2]

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم﴾[3]

تَرجَمَہ: ”وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس دن آپ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف ہوگا۔“

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پلِ صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، اس کی تفصیل ایک حدیث میں ہے جس میں ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دمشق میں ایک جنازہ میں شریک ہونا اور فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلانے کے لئے موت اور قبر پھر حشر کے کچھ حالات بیان فرمانا مذکور ہے، اس کے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر تم قبروں سے میدانِ حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور مواقف ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ بحکمِ خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جائیں گے، اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جائیں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ میدانِ حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا، ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا (ابن ابی حاتم ہی کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ مؤمن میں یہ نور بقدر ان کے اعمال کے تقسیم ہوگا، کسی کا نور مثل پہاڑ کے، کسی کا کھجور کے درخت کے مثل، کسی کا قامتِ انسانی کے

---

[1] تفسیر ماجدی: ۴۳۲/۱ [2] ماخوذ شرح اسماء الحسنیٰ، (الازھری): ۴۹۴ [3] الحدید: ۱۲

برابر ہوگا، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے صرف انگوٹھے میں نور ہوگا اور وہ بھی کبھی روشن ہو جائے گا کبھی بجھ جائے گا۔"[1]

میدانِ حشر میں نور اور ظلمت کے اسباب

اس جگہ تفسیرِ مظہری میں قرآن و حدیث سے محشر کی ظلمت و نور کے اسباب بھی بیان کر دیئے ہیں، جن کو مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں، قیامت کے روز مکمل نور کی۔"[2]

2. رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

"جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجالائے گا) اس کے لئے یہ نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا، نہ اس کے لئے نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قارون، ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔"[3]

3. رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "جو سورۂ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا" اور ایک روایت میں ہے کہ "جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔"[4]

4. رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا، وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔"[5]

5. رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: "حج وعمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سر منڈایا جاتا ہے تو اس میں جو بال زمین پر گرتا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔"[6]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴۹، مستدرک حاکم: التفسیر، ۲/۵۶۴، الحدید: ۱۲

[2] ابوداود، الصلاۃ، المشی الی الصلاۃ فی الظلم: ۱/۸۳

[3] "مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ" (مسند احمد، عبداللہ بن عمرو: ۲/۱۶۹، رقم: ۶۵۴۰)

[4] مستدرک حاکم: التفسیر، تفسیر سورۃ الکہف: ۲/۴۳۴

[5] کنزالعمال، باب فی تلاوۃ القرآن وفضائلہ: ۱/۲۶۱

[6] الترغیب والترہیب، الترغیب فی حلق الرأس بمنیٰ: ۲/۱۳۵

❻ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ: ''منیٰ میں جمرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔'' [۱]

❼ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جس شخص کے بال حالتِ اسلام میں سفید ہو جائیں وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔'' [۲]

❽ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں ایک تیر بھی پھینکے گا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔'' [۳]

❾ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے: ''جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت و تکلیف کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پلِ صراط پر نور کے دو شعبے بنا دے گا، جس سے ایک جہاں روشن ہو جائے گا، جس کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔'' [۴]

❿ جنابِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ هُوَ الظُّلُمٰتُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' [۵]

تَرجَمَہ: ''یعنی تم ظلم سے بہت بچو، کیوں کہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیری ہوگی۔'' [۶]

گویا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ نور کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرے، خصوصاً اِن کاموں کا اہتمام کرے:

❶ اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری کرے، مؤذن کی آواز ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' سُن کر یقین کر لے کہ کسی اور کام میں کامیابی نہیں، کامیابی صرف اور صرف نماز میں ہے، خصوصاً عشاء اور فجر کی جماعت کے اہتمام سے نور ملے گا۔

❷ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا اہتمام کرے۔

❸ روزانہ قرآنِ کریم کی تلاوت کا اہتمام کرے۔

❹ فرض حج ادا کرنے کا اہتمام اور دعا کرے۔

❺ جہاد کی تمنا اور دعا کرے۔

❻ بازاروں میں نگاہ کی حفاظت اور ذکر کا اہتمام کرے۔

❼ مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو۔

---

[۱] مجمع الزوائد، الحج، باب رمي الجمار: ۴۳۳/۳، رقم: ۵۵۸۸

[۲] ترمذي، فضائل الجهاد، باب من شاب شيبة في سبيل الله: ۲۹۲/۱

[۳] مجمع الزوائد، الجهاد، باب فيمن رمى بسهم: ۳۵۱/۵، رقم: ۹۳۹۸

[۴] مجمع الزوائد: البر والصلة، باب فضل قضاء الحوائج: ۲۵۱/۸، رقم: ۱۳۷۱۷

[۵] بخاري، المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات يوم القيامة: ۳۳۱/۱

[۶] معارف القرآن: ۳۰۹/۸

❽ کسی کا دل دکھانے سے بچے، خصوصاً زبان کی حفاظت کرے۔
ان تمام اسبابِ نور پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

جب دل میں نور پیدا ہو جائے تو حرام سے بچنا آسان ہو جاتا ہے

وَاقِعَۃٌ مُّبِیۡنٌ (۱۰۲): مولانا غازی احمد صاحب ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے والدین اور سارا خاندان متعصب ہندو تھے، جس کی وجہ سے انہیں بڑی تکالیف سہنا پڑیں، انہوں نے اسلام قبول کرنے اور اپنی زندگی کی ایمان افروز داستان "مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" کے نام سے لکھی ہے، جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جب ہندو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان منتقل ہو رہے تھے، اس زمانے کا وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے، اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمہارے کام آئے گا۔ میں نے کہا: "خالہ جان! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، میں مال کا طالب نہیں ہوں" میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتایا اور سامان ان کے گھر رکھ دیا، ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا: "دیکھیں تو سہی بوری میں کیا ہے......، جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریباً دو سیر سونا (۸۰) پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی، مال کو اسی طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔ ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی کہ صبح چکوال سے ایک اسپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جا رہی ہے، مجھے فوراً امانت کا خیال آیا، صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے، اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہو گیا، سورج غروب ہو چکا تھا، اس دور میں راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ سکھوں کی لاشیں دیکھ چکا تھا مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں۔

عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا، فوجی حضرات نے پوچھا: دیر سے آئے ہو، میں نے کہا: ایک ضروری کام تھا، جب میں کیمپ میں داخل ہوا تو میری خالہ اور خالو بہت خوش ہوئے کہ بھگوان کی دیا سے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے، میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی کہ اپنا مال دیکھ لیں، تمام حضرات میری دیانت داری پر بہت خوش ہوئے، ایک صاحب فرمانے لگے: "ہندو خون ہے، دیانت داری کیوں نہ ہو" میں نے کہا: "جی حضرت آپ غلط کہہ رہے ہیں اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا، اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت قبیح ترین جرم ہے، حق دار کو اس کا حق صحیح وسالم واپس کرو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں مسلمان تھا،

اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں" وہ صاحب کہنے لگے "اگر تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا حق اور علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا" والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا، میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے بددیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغ دار نہیں کیا، اللہ تعالیٰ مجھے حرام رزق سے بچائے۔[1]

نور طلب کرنے کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ایک نہایت جامع دعا

فطری نور جب قوی تر ہو جاتا ہے تو اسی کی برکت سے آدمی دینِ حق پر جمتا ہے۔ یہی نور آخرت میں پل صراط پر روشنی کا ذریعہ بنے گا۔ حدیث میں خوش خبری ہے کہ کامل نورِ ایمان والے مؤمنین جب پل صراط کو پار کر رہے ہوں گے (جو جہنم پر ہوگا)۔ تو جہنم ان سے کہے گی: "جُزْيَا مُؤْمِنُ! فَقَدْ أَطْفَأَ نُوْرُكَ لَهَبِيْ" اے مؤمن! جلدی پار کر (جلدی گزر جا) کہ تیرے ایمان کا نور میری نار (آگ) بجھاتا ہے۔[2] اسی لئے حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بدن کے رگ و ریشے میں اس نور کے سرایت کر جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں۔ مثلاً ایک دعا ہم ذکر کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِيْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِيْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِيْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِيْ وَتُزَكِّيْ بِهَا عَمَلِيْ وَتُلْهِمُنِيْ بِهَا رُشْدِيْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِيْ وَتَعْصِمُنِيْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ."

"اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَآءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَآءِ وَعَيْشَ السُّعَدَآءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَآءِ."

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِيْ وَاِنْ قَصُرَ رَاْيِيْ وَضَعُفَ عَمَلِيْ افْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْاَلُكَ يَا قَاضِيَ الْاُمُوْرِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ."

"اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَاْيِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْاَلَتِيْ مِنْ خَيْرٍ وَّعَدْتَّهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ خَيْرٍ اَنْتَ مُعْطِيْهِ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ فَاِنِّيْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْهِ وَاَسْاَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ."

[1] من الظلمات الى النور: ۱۶۰، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۱۳۱

[2] کنزالعمال، القیامۃ: ۱۶۶/۱۴، رقم: ۳۹۰۲۳۰

"اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِيْدِ اَسْاَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ وَاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ."

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِاَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ."

"اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ."

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا مِّنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُوْرًا مِّنْ خَلْفِيْ وَنُوْرًا عَنْ يَّمِيْنِيْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِيْ وَنُوْرًا مِّنْ فَوْقِيْ وَنُوْرًا مِّنْ تَحْتِيْ وَنُوْرًا فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَشَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ لَحْمِيْ وَنُوْرًا فِيْ دَمِيْ وَنُوْرًا فِيْ عِظَامِيْ."

"اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَاَعْطِنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِيْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ اِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ."[1]

ترجمہ: "(اے اللہ! میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں، تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو، اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو، اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں، دور اور غائب ہیں، تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو، اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو، اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو۔ اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور اُلفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔

اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز، جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔

اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بندوں والی زندگی، اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں، اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور

---

[1] الترمذي، ابواب الدعوات، باب ماجاء ما يقول اذا قام من الليل ..... : ١٧٩/٢

جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ "غم" دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتشِ دوزخ سے اور اس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کر آدمی موت کی دعا مانگے، اور اسی طرح مجھے عذابِ قبر سے بچا۔

اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل ورائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے فضل و کرم سے اس کا بھی طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔

اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور ہر کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعید" یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما، اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں، اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفۂ حیات ہے، اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔

اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں۔ جو کوئی تجھ سے محبت رکھے، ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں، اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔

اے اللہ! یہ میری دعا ہے اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد بھروسہ اپنی کوشش اور دعا پر نہیں، بل کہ صرف تیرے کرم پر ہے۔

اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما اور میری قبر کو نورانی کر دے، اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! نور پیدا فرما شنوائی اور بینائی میں، میرے بال بال اور روئیں روئیں میں، میرے گوشت و پوست میں، میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا، اور میرے ساتھ کر دے۔

پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت وجلال کی چادر اوڑھ لی ہے، اور مجد وکرم اس کا لباس وشعار ہے، پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کوئی تسبیح کے لائق نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل وانعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت وکرم ہے، پاک ہے رب ذُوالْجَلَالِ۔"

تشریح: سُبْحَانَ اللّٰہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دعا۔ صرف اسی ایک دعا سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے شئون وصفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اس میں آپ ﷺ کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین ﷺ اور محبوب رب العالمین ﷺ ہونے کے باوجود اپنے کو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی ونیاز مندی کی کیسی فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دعا کے وقت آپ ﷺ کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی ضرورتوں اور حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے "رؤف" اور "رحیم و کریم" ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

حضور ﷺ کی دعائیں امت کے لئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر وقیمت سمجھیں، اور اس میں سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔ جس شخص کے کام پھیلے ہوئے ہوں، بے ترتیب ہوں، کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کی پریشانی ہو تو اس کو بھی چاہئے کہ اس دعا کا اہتمام کرے، اس دعا میں نور مانگا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رحمت طلب کی گئی ہے، غور کیجئے کہ اس دعا میں کتنے امور جمع ہیں:

❶ دل کی ہدایت......
❷ کاموں کا مجتمع ہونا......
❸ دین کی درستگی......
❹ اعمال کا تزکیہ......
❺ دل میں صحیح بات کا آنا......
❻ ہر جائز چیز کی طلب......
❼ ہر برائی سے حفاظت......
❽ ایمان ویقین کا اعلیٰ درجہ......
❾ رحمت کا وہ درجہ جس سے عزت وشرف حاصل ہو......

۱۰ تقدیر کے فیصلوں میں کامیابی ......

۱۱ شہداء والا اعزاز ......

۱۲ نیک بخت بندوں والی زندگی ......

۱۳ دشمن کے مقابلے میں مدد کی طلب ......

۱۴ جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے اور عذاب ثبور (موت کی تمنا) سے پناہ ......

۱۵ خیر ونعمت کی طلب ......

۱۶ روزِ قیامت امن وچین کی طلب ......

۱۷ جنت کا فیصلہ کروانا ......

۱۸ انسانوں کی ہدایت کے لئے خود بھی ہدایت یافتہ ہونا اور ہدایت کا ذریعہ بننا ......

۱۹ اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے سے بچنے کی دعا ......

۲۰ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے دوستی ......

۲۱ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی ......

۲۲ دل میں نور کی طلب ......

۲۳ قبر کو نورانی اور منور بنانے کی دعا ......

۲۴ ہر طرف نور کی طلب، بینائی، شنوائی میں نور کی طلب، گوشت پوست، رگوں، خون، ہڈیوں میں نور کی طلب۔

نور سے مراد ہدایت اور حق کا واضح ہونا ہے، جس کا تعلق ہر عضو سے ہے، مثلاً حق دیکھنا حق سننا، حق سوچنا وغیرہ اور ہر جہت سے گمراہی سے بچنا ہے، کیوں کہ باطل ظلمت ہے اور قیامت کے اندھیرے میں یہ نور اپنے ظاہری شکل میں روشنی کا کام دے گا۔

الغرض بہت ہی مبارک دعا ہے، آپ ﷺ کی اس مبارک دعا کا ایک ایک فقرہ ایسا مبارک ہے کہ بار بار اس کو مانگا جائے، آپ ﷺ تہجد کی نماز کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔

اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ مولائے کریم سے فرض نمازوں کے بعد تہجد کی نماز کے بعد، عمرہ وحج کے سفر، جماعتوں کے سفر، گشت اور تعلیم کے بعد دعائیں مانگیں اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں۔

کتنے افسوس کی بات ہوگی کہ ایسی مستند اور مسنون دعاؤں کو چھوڑ کر ہم غیر مسنون اور غیر مستند دعاؤں اور وظائف کو اختیار کریں! آج سے نیت کرلیں کہ ہم مسنون دعاؤں کا خوب اہتمام کریں گے۔

حفظ و امان میں آنے کی دعا

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ...... الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ...... اَنْ تَجْعَلَنِیْ فِیْ حِرْزِكَ وَحِفْظِكَ...... وَجِوَارِكَ وَتَحْتَ كَنَفِكَ۔"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں آپ سے آپ کی ذات کے نور کے واسطے سے جس سے زمین و آسمان روشن ہیں، سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی حفظ و امان میں رکھیے۔"

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نورِ ہدایت یعنی نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنتوں اور طریقوں کو اپنا کر اپنی زندگی کو کامیابی والی بنائے۔

❷ قرآنِ کریم کی روزانہ کم از کم ایک پارہ تلاوت کو اپنے اوپر لازم کرلے اور جن احادیثِ مبارکہ میں نور کے حصول کے اسباب بیان ہوئے ہیں اُن کو بار بار پڑھے اور ان پر عمل کرے۔

❸ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو پیاری دعائیں نور کے حصول کے لئے مانگی ہیں وہ دُعائیں یاد کرے، بار بار اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور اپنے اعمال کو نورانی بنائے۔

[1] مجمع الزوائد، الأدعية، باب ادعية الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم: ۱۰/۲۱۵

اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سیدھا راستہ دکھانے اور اس پر چلانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ اَلْهَادِيْ: هُوَ الَّذِيْ هَدٰى خَلْقَهٗ إِلٰى مَعْرِفَتِهٖ وَرُبُوْبِيَّتِهٖ، وَهُوَ الَّذِيْ هَدٰى عِبَادَهٗ إِلٰى صِرَاطِهِ الْمُسْتَقِيْمِ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[۱]

ترجمہ: امام زجاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اپنی ربوبیت اور معرفت کی جانب رہنمائی فرماتا ہے اور وہی اپنے بندوں کو سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے جیسا کہ ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کا ارشاد ہے: ''جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلا دیتا ہے۔''

❷ ''اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (اَلْهَادِيْ) يَهْدِيْ عِبَادَهٗ إِلَيْهِ، وَيَدُلُّهُمْ عَلَيْهِ، وَعَلٰى سَبِيْلِ الْخَيْرِ وَالْأَعْمَالِ الْمُقَرِّبَةِ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ.''[۲]

ترجمہ: زجاجی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ''اللہ ربّ العزت ''اَلْهَادِيْ'' ہیں اپنے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کا راستہ بتلاتے ہیں اور بھلائی اور ان اعمال کا راستہ بتلاتے ہیں جو اللہ ربّ العزت کی ذات سے قریب کرنے والے ہیں۔''

❸ وَهُوَ الَّذِيْ هَدٰى سَائِرَ الْخَلْقِ مِنَ الْحَيَوَانِ إِلٰى مَصَالِحِهَا، وَأَلْهَمَهَا كَيْفَ تَطْلُبُ الرِّزْقَ، وَكَيْفَ تَتَّقِي الْمُضَارَّ وَالْمَهَالِكَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾[۳]

ترجمہ: اللہ ربّ العزت نے اپنی تمام حیوانی مخلوق کو ان کے مصالح کی ہدایت بخشی، انہیں سکھلایا کہ وہ کیسے اپنا رزق تلاش کریں، نقصان دہ اور مہلک چیزوں سے کیسے بچیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی راہنمائی کی۔''

یعنی وہ ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کی سمجھ دیتا ہے چناں چہ ① بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان منہ

---

[۱] یونس: ۲۵، النهج الأسنٰى: ۲/ ۲۷۰

[۲] اشتقاق الاسمىٰ: ۱۸۷، بحوالہ النهج الأسنٰى: ۲/ ۲۷۰

[۳] طٰهٰ: ۵۰، النهج الأسنٰى: ۲/ ۲۷۰

میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے ② چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ ③ شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ اردگرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ ④ تین انڈوں سے تین چوزے نکلے ایک چوزہ کو پانی میں ڈالئے تو تیرنا شروع کر دے گا، ایک چوزہ کو زمین پر چلایئے تو چلنا شروع ہو جائے گا، ایک چوزہ کو ہوا میں اُڑایئے تو اُڑنا شروع ہو جائے گا، یہ "اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی ہدایت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل...... صورت...... قویٰ...... خواص...... وغیرہ عنایت فرمائے اور کمالِ حکمت سے جیسا بنانا چاہئے تھا بنایا۔

پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقاء کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی مہیا کیا، اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامان سے کام لینے کی راہ سمجھائی۔

پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہئے۔[1]

ہدایت کا اعلیٰ درجہ

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو طلب ہدایت کے لئے نہایت عمدہ نفیس دعا سکھلائی: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾[2] اور اس کی تلقین کو بندوں پر لازم قرار دیا کہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوں یہ دعا پڑھنا ضروری ہے۔

یہاں پہلی بات قابلِ غور یہ ہے کہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کے لئے جو دعا اس آیت میں تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے مخاطب جس طرح تمام انسان اور عام مؤمنین ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ اور حضراتِ انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بھی اس کے مامور ہیں، جو بلاشبہ ہدایت یافتہ، بلکہ دوسروں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

انسان کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ مانگے، سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہوں اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو، افراط کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی ہیں کوتاہی کرنا، ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کے بعد کی دو آیتوں میں اُس صراطِ مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے، جس کی دعا اس آیت میں تلقین کی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر عثمانی: ۴۲۰، طٰہٰ: ۵۰ [2] الفاتحہ: ۵

ارشاد ہے: ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ ''یعنی راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔''
اور وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ان کی تفصیل ایک دوسری آیت میں اس طرح آئی ہے:
﴿اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ [1]
تَرجَمَہ: ''وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔''

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہ چار درجات ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سب سے زیادہ رُتبے والے ہوتے ہیں، جن میں کمالاتِ باطنی بھی ہوتے ہیں، عُرف میں اُن کو اولیاء کہا جاتا ہے، شہداء وہ ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی، اور صلحاء وہ ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں، واجبات میں بھی، مستحبات میں بھی، جن کو عرف میں نیک دین دار کہا جاتا ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت مل گئی اسے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مل گئی، اسی لئے ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا حکم دیا گیا اور سورۂ فاتحہ میں ہدایت کی دعا مانگنا سکھایا گیا ہے، لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے توجہ کے ساتھ ہدایت کی دعا مانگے اور اس پر آمین کہے اور بار بار ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ سے اخیر تک مانگتے رہنا چاہئے۔

ہدایت کے اصلی معنی ہیں: کسی شخص کو منزلِ مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا، اور ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، جس کے مختلف درجات ہیں:

1. ایک درجہ ہدایت کا عام ہے، جو کائنات و مخلوقات کی تمام اقسام جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ کو شامل ہے، یہاں آپ یہ خیال نہ کریں کہ ان بے جان، بے شعور چیزوں کو ہدایت سے کیا کام؟

کیوں کہ قرآنی تعلیمات سے یہ واضح ہے کہ کائنات کی تمام اقسام اور ان کا ذرّہ ذرّہ اپنے اپنے درجے کے موافق حیات و احساس بھی رکھتا ہے اور عقل و شعور بھی، یہ دوسری بات ہے کہ یہ جوہر کسی نوع میں کم، کسی میں زیادہ ہے، اسی وجہ سے جن اشیاء میں یہ جوہر بہت کم ہے ان کو بے جان، بے شعور سمجھا اور کہا جاتا ہے، احکامِ الٰہیہ میں بھی ان کے ضعف شعور کا اتنا اثر آیا کہ ان کو احکام کا مکلّف نہیں بنایا گیا، جن مخلوقات میں حیات کے آثار تو نمایاں ہیں مگر عقل و شعور نمایاں نہیں، ان کو ذی حیات جان دار مگر بے عقل و شعور کہا جاتا ہے، اور جن میں حیات کے ساتھ عقل و شعور کے آثار بھی نمایاں نظر آتے ہیں ان کو ذوی العقول کہا جاتا ہے، اور اسی اختلافِ درجات اور عقل و شعور کی کمی بیشی کی وجہ سے تمام کائنات میں احکامِ شرعیہ کا مکلّف صرف انسان اور جنات کو قرار دیا گیا ہے، کہ ان میں عقل و شعور بھی مکمل ہے۔

الغرض ہدایتِ خداوندی کا یہ درجہ اُولیٰ تمام مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور جنات کو شامل ہے، اسی

[1] النساء: ٦٩

ہدایتِ عامہ کا ذکر قرآن کریم کی آیت: ﴿اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾[1] میں فرمایا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس خلقت کے مناسب اس کو ہدایت دی، اور یہی مضمون سورۂ اعلیٰ میں ان الفاظ سے ارشاد ہوا:

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''یعنی آپ اپنے پروردگار عالی شان کی تسبیح کیجیے ......جس نے ساری مخلوقات کو بنایا، پھر ٹھیک بنایا، ...... اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتائی۔''

یعنی جس نے تمام مخلوقات کے لئے خاص خاص مزاج اور خاص خاص خدمتیں تجویز فرما کر ہر ایک کو اس کے مناسب ہدایت کر دی۔

اسی ہدایتِ عامہ کا نتیجہ ہے کہ کائناتِ عالم کے تمام انواع و اصناف اپنا اپنا مقررہ فرض نہایت سلیقہ سے ادا کر رہے ہیں، جو چیز جس کام کے لئے بنا دی ہے وہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ ادا کر رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، حضرت مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔[3]

''زبان سے نکلی ہوئی آواز کے معنی کا ادراک نہ ناک کر سکتی ہے نہ آنکھ، حالاں کہ یہ زبان سے زیادہ قریب ہیں، اس ادراک کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کے سپرد کیا ہے، وہی زبان کی بات کو لیتے ہیں اور ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح کانوں سے دیکھنے یا سونگھنے کا کام نہیں لیا جاتا، ناک سے دیکھنے یا سننے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔''[4]

❷ دوسرا درجہ ہدایت کا اس کے مقابلے میں خاص ہے، یعنی صرف ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو عرف میں ذوی العقول کہلاتی ہیں، یعنی انسان اور جن، یہ ہدایت انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہر انسان کو پہنچتی ہے، پھر کوئی اس کو قبول کر کے مؤمن ومسلم ہو جاتا ہے، کوئی رد کر کے کافر و مشرک ٹھہرتا ہے۔

❸ تیسرا درجہ ہدایت کا اس سے بھی زیادہ خاص ہے جو صرف مؤمنین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے، یہ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ انسان پر فائز ہوتی ہے، اس ہدایت کا دوسرا نام توفیق ہے، یعنی ایسے اسباب اور حالات پیدا

---

[1] طٰہٰ: ۵۰ [2] الاعلیٰ: ۱ تا ۳

[3]

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مردہ، باحق زندہ اند

تَرْجَمَۃ: ''آگ، مٹی ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، ہمارے اور آپ کے نزدیک تو یہ مردہ دکھائی دیتے ہیں جب کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سب زندہ ہیں۔''

[4] دانائے روم نے خوب فرمایا۔

مرزباں را مشتری جز گوش نیست — واقف این راز جز بے ہوش نیست

کر دینا کہ قرآنی ہدایات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور ان کی خلاف ورزی دشوار ہو جائے، اس تیسرے درجے کی وسعت غیر محدود اور اس کے درجات غیر متناہی ہیں یعنی جن کا شمار نہیں ہو سکتا، یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے، اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ اس درجہ ہدایت میں زیادتی ہوتی رہتی ہے، قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اس زیادتی کا ذکر ہے، مثلاً:

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾[1]

ترجمہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔“

یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم ہی سے پہنچا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾[2]

ترجمہ: ”جو لوگ ہمارے راستے میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔“[3]

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے قرب وثواب (یعنی جنت) کے راستے ضرور دکھائیں گے۔

درجاتِ ہدایت کی اس تشریح سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل بھی ہے اور اس کے مزید درجاتِ عالیہ حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے انسان کو استغناء بھی نہیں، اسی لئے سورۂ فاتحہ کی اہم ترین دعاء ہدایت کو قرار دیا گیا، جو ایک ادنیٰ مؤمن کے لئے بھی مناسب حال ہے، اور بڑے سے بڑے رسول اور ولی کے لئے بھی اتنی ہی اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی آخر عمر میں سورۂ فتح کے اندر فتحِ مکہ کے فوائد وثمرات بتلاتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾[4] یعنی مکہ مکرمہ اس لئے آپ ﷺ کے ہاتھوں فتح کرایا گیا تاکہ آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہو، ظاہر ہے کہ سید الانبیاء ﷺ پہلے سے نہ صرف ہدایت یافتہ بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہدایتِ مجسم تھے، پھر اس موقع پر آپ ﷺ کو ہدایت ہونے کے اس کے سوا کوئی معنیٰ نہیں ہو سکتے کہ ہدایت کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہوا۔[5]

---

[1] تغابن: ۱۱ [2] عنکبوت: ۶۹

[3] یہی وہ میدان ہے جہاں ہر بڑے سے بڑا نبی و رسول اور ولی اللہ آخر عمر تک زیادتی ہدایت و توفیق کا طالب نظر آتا ہے، اسی مقامِ ہدایت کے متعلق مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

اور سعدی شیرازی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ؎

نگویم کہ بر آب قادر نیند کہ بر ساحل نیل مستقی اند

[4] الفتح: ۲ [5] معارف القرآن: ۸۷/۱، الفاتحۃ: ۵ تا ۷

ہدایت طلب کرنے کی اہمیت پر امام ابوداود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ

وَاقِعَہ نمبر (۱۰۴): امام ابوداود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی محدثین کے امام ہیں، صحاح ستہ میں شامل ان کی سنن، ان کے زندہ و جاوید ہونے کے لئے کافی ہے، ایک بار وہ کشتی میں سفر کررہے تھے، دریا کے کنارے ایک آدمی کو چھینکنے کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتے ہوئے سنا۔ چھینکنے والا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے تو جواب میں "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے) کہنا سنت بھی ہے اور مسلمان بھائی کا حق بھی!

امام ابوداود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی کشتی آگے نکل گئی، آپ نے ایک دوسری چھوٹی کشتی ایک درہم کے عوض کرایہ پر لی، چھینکنے والے کے پاس آئے اور انہیں "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہا۔

اس نے جواب میں "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" (اللہ آپ کو ہدایت دے) کہا۔

امام ابوداود رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی واپس اپنی کشتی پر آگئے، ساتھیوں نے ان سے اس تکلف کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے "مجھے خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے یہ آدمی مستجاب الدعوات ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی دعا قبول ہوتی ہو، میرے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" کہنے کے جواب میں وہ "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" کہے گا تو بہت ممکن ہے اس کی یہ دعا میرے حق میں قبول ہوجائے، اس لئے میں کشتی لے کر اس کے پاس گیا۔"

کہتے ہیں جب سفر کرتے ہوئے رات کو کشتی کے مسافر سو گئے تو سب نے یہ ہاتفِ غیبی کی یہ آواز سنی: "کشتی والو! ابوداود نے ایک درہم کے عوض اللہ تعالیٰ سے جنت خرید لی ہے۔"[۱]

"اللہ آپ پر رحم کرے"، "اللہ آپ کو ہدایت دے"، ان دونوں دعاؤں کو معمولی نہ سمجھا جائے، یہ بہت ہی بڑی اور بہت ہی اہم دعائیں ہیں، کسی کے حق میں قبول ہوگئیں تو اس کا بیڑا پار ہے۔

راہِ مستقیم کی ہدایت دینے والا صرف "الھَادِی جَلَّ جَلَالُہٗ" ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۗ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾[۲]

تَرجَمَہ: "آپ کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہو؟ ...... آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے ...... تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے؟ پس تم کو کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔"

[۱] شرح الشنوانی علی مختصر ابن ابی جمرۃ: ۲۹۱، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۲ [۲] یونس: ۳۵

''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ'' ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہئے۔ بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و دست گیری کے بغیر ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے، پھر یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ انسان اس ''اَلْهَادِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ'' مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے یا مثلاً احبار و رہبان، برہمنوں اور مہنتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

فَائِدَةٌ: جب معلوم ہو چکا کہ ''مُبْدِئُ''، ''مُعِيْدُ'' اور ''هَادِيْ جَلَّ جَلَالُهٗ'' وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کون سی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر ''توحید'' کے مسلکِ قویم وقدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوائے ظنون واوہام اور انکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں، بھلا انکل کے تیر حق وصداقت کے مواقع میں کیا کام دے سکتے ہیں۔[1]

دعوت، ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

وَاقِعَةٌ نَمْبَر (۱۰۴): عبید بن عمیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مشہور تابعی گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بھی بیٹھا کرتے تھے، اور ان کے دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا، یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی:

''کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو؟''

شوہر نے کہا: ''ہاں ایک شخص ہے۔''

کہنے لگی: ''کون؟''

کہا: ''عبید بن عمیر۔''

اسے شرارت سوجھی، کہنے لگی: ''آپ مجھے اجازت دیں، میں ابھی انہیں محبت کے قیدی بنائے دیتی ہوں۔''

شوہر نے کہا: ''اجازت ہے۔''

---

[1] تفسیر عثمانی: ۲۸۱، یونس: ۳۵

وہ عبید بن عمیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پاس آ کر بولی: ''مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے؟''

چناں چہ عبید بن عمیر مسجدِ حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا، عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: ''اِتَّقِي اللّٰهَ يَا أَمَةَ اللّٰهِ''

''اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر''

کہنے لگی: ''میں آپ پر فریفتہ ہو گئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کر لیں''

دعوتِ گناہ کی طرف اشارہ تھا، عبید بن عمیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہ کر سکے، ان کی حالت تو کہہ رہی تھی:

اے بادِ بہاری! مت چھیڑ ہمیں، لگ رہ اپنی تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں، ہم بے زار بیٹھے ہیں

حضرت عبید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کو خیر کی دعوت دینی شروع کی اور اس سے کہا:

''میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیئے تو میں تیری دعوت پر غور کر سکتا ہوں۔''

اس نے حامی بھر لی تو حضرت نے فرمایا:

1. ''موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟''
کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ...... فرمایا: ''جواب درست''

2. ''لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟''
کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ...... فرمایا: ''جواب درست''

3. ''پل صراط کو عبور کرتے ہوئے تجھے اس گناہ کی خواہش ہو گی؟''
کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' ...... فرمایا: ''جواب درست''

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے مزید دعوت دی اور فرمایا:

''اِتَّقِي اللّٰهَ يَا أَمَةَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ أَحْسَنَ إِلَيْكِ''[1] ''اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر، اللہ نے تجھ پر انعام و احسان کیا ہے، اس کی نافرمانی نہ کر'' چناں چہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی، دنیوی لذتیں اور شوخیاں اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں، شوہر نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''

کہنے لگی: ''مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں تو ہم عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں''

---

[1] تاریخ الثقات للعجلی: ۳۲۱/۱ (کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۹)

اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہو کر ایک عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی، اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا: ”مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لئے بیوی کو بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا، اس نے تو میری بیوی کو بگاڑ کر رکھ دیا، پہلے ہماری ہر رات شبِ زفاف تھی، اب اس کی ہر شب، شبِ عبادت بن گئی ہے، وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہو کر راہبہ بن چکی ہے۔“

واقعتاً مردِ مؤمن کی دعوتِ ایمان افروز اور دعا سے بسا اوقات دل کی دنیا میں انقلاب آجاتا ہے اور عقل وخرد کی شوخی ومستی، جلوۂ ایمان کے سامنے دم توڑنے لگتی ہے ؎

جلووں نے اہلِ ہوش کو کیسے شکستِ فاش دی آئے تھے ان کو ڈھونڈنے، خود سے بھی بے خبر ہو گئے

”جن“ کی دعوت پر اسلام قبول کرنا

واقعہ نمبر ۱۰۵: ”کیا آپ کو معلوم ہے میرے اسلام لانے کا حیرت انگیز واقعہ کس طرح پیش آیا؟“

یہ الفاظ حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”آپ اپنے اسلام لانے کا واقعہ ہمیں ضرور سنائیں، اس لئے کہ ہمیں یہ واقعہ معلوم نہیں۔“

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سنایا:

”ایک مرتبہ جنگل میں میرے جانور ادھر ادھر ہو گئے، میں ان کو تلاش کرنے لگا، ان کے پیروں کے نشانات پر چل رہا تھا کہ رات ہو گئی۔ اس وقت میں ”ابرق العزاف“ نامی مقام پر تھا۔ میں نے اونچی آواز سے پکار کر کہا:

”میں اس وادی کے بادشاہ (یعنی جن) کی پناہ چاہتا ہوں اس کے قوم کے بے وقوفوں سے۔“

اس پر کسی نے غیب سے آواز دی:

”تیرا بھلا ہو، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ جو جلال، بزرگی، نعمت اور فضل والا ہے اور سورۂ انفال کی آیات پڑھ، اللہ تعالیٰ کو ایک مان اور کسی کی پروا نہ کر۔“

میں نے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہو گیا، پھر کچھ سنبھل کر میں نے کہا:

”اے غیبی آواز دینے والے! تو کیا کہہ رہا ہے؟

تو مجھے صحیح راستہ دکھانا چاہتا ہے، یا گمراہ کرنا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے...... مجھے صاف صاف بتا......“

جواب میں پھر آواز آئی:

”تمام تر خیر کو لے کر آنے والے اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یثرب (مدینہ) میں نجات کی دعوت دے رہے

ہیں، وہ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں اور شر والے کاموں سے روکتے ہیں۔"

یہ سن کر میں نے اپنی سواری آگے بڑھائی اور بولا:

"مجھے سیدھا راستہ بتا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے...... تو کبھی بھوکا ننگا نہ ہو...... اور تو ہمیشہ طاقت ور سردار بنا رہے اور جو خیر تجھے ملی ہے اس کا مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈال۔"

اب وہ یہ الفاظ کہتا ہوا میرے پیچھے آیا:

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ تیرا ساتھی ہو اور تیری جان کو صحیح سلامت رکھے اور تجھے گھر والوں تک پہنچائے، تو اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لا، میرا رب تیرے حق کو بامراد کرے اور اس رسول (ﷺ) کی مدد کر، میرا رب تیری اچھی نصرت کرے۔"

یہ سن کر میں نے کہا:

"اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، تو کون ہے؟"

جواب میں اس نے کہا:

"میں آثال کا بیٹا عمرو ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف سے نجد کے مسلمان جنات کا امیر ہوں، تمہارے گھر پہنچنے تک تمہارے اونٹوں کی حفاظت ہوگی، اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

چناں چہ میں جمعے کے دن مدینے میں داخل ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ میرے پاس آئے اور بولے:

"اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، چلے آؤ، ہم تک تمہارے مسلمان ہونے کی خبر پہنچ چکی ہے۔"

اس پر میں نے کہا:

"مجھے اچھی طرح وضو کرنا نہیں آتا۔"

انہوں نے مجھے وضو کرنا سکھایا، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو منبر پر بیان کرتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ چودھویں کے چاند کی طرح لگ رہے تھے، میں نے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

"جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر سوچ سمجھ کر دھیان سے ایسی نماز پڑھتا ہے جس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے، وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔"

یہ سارا واقعہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"تم اس واقعے کا کوئی گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔"

اس پر حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس واقعے کی تصدیق کی۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی گواہی کو قبول کر لیا۔[۱]

---

[۱] الإصابة: ۳۰۴/۳، وحياة الصحابة، باب امداد الجن والهواتف: ۸۱۲/۳

فَائِدَۃ: ان دو واقعات سے معلوم ہوا کہ ہدایت کو حاصل کرنے کے لئے ہر مسلمان کو داعی بننا چاہئے، ہم میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ ہم لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں تو اس چاہت کو پورا کرنے کے لئے ہر جگہ ہمیں دعوت کا ماحول بنانا ہوگا، ۲۴ گھنٹوں میں جن سے بھی ملاقات ہو ان کو دین کی طرف دعوت دیجئے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی ''اَلْهَادِیْ جَلّ جَلَالُہٗ'' کی طرف سے عطیہ ہے

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل وشعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدومِ کائنات بنایا ہے، تمام زمین اور پہاڑ، دریا اور اُن میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں، مگر اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے، قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر یہ عقل وفہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر...... دریاؤں میں غوطہ لگا کر...... سینکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضرورت کی بنا لیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دُنیا سے اَن پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے، آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی ''اَلْهَادِیْ جَلّ جَلَالُہٗ'' کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی، بل کہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اس کے سمجھنے کی استعداد وصلاحیت رکھی ہے، جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا، غور کریں تو یہ سب ایک لفظِ قرآن ''فَهَدٰی'' کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا ہے اور اس میں ان کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی، مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے اور زیادہ ناآشنا بل کہ اندھے ہوتے جارہے ہیں۔[1]

''اَلْهَادِیْ جَلّ جَلَالُہٗ'' سے ان الفاظ میں ہدایت کی دعائیں مانگئے

❶ ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا بِالْهُدٰى وَزَيِّنَّا بِالتَّقْوٰى وَاغْفِرْلَنَا فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى.''[2]

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! ہمیں راہِ راست پر چلا دے اور تقویٰ سے مزین فرما دے اور دنیا اور آخرت میں ہم کو بخش دے۔''

---

[1] معارف القرآن: ۸/۷۲٤، ۷۲۵

[2] ارشاد الساري إلى مناسك ملا علي قاري، الأدعية للحج والعمرة: ۱۹

❷ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی." [1]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاکبازی اور تیرے ماسوا سے بے نیازی کا طالب ہوں۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "تجھے وہ دعا نہ سکھاؤں کہ جب تو ہر فجر کے بعد اسے تین دفعہ مانگے تو اللہ تعالیٰ تجھ سے جذام، برص، فالج اور اندھا پن دور کر دے" پھر فرمایا: یہ دعا پڑھا کر:

❸ "اَللّٰھُمَّ اهْدِنِیْ مِنْ عِنْدِكَ ...... وَاَفِضْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِكَ ...... وَاَسْبِغْ عَلَیَّ مِنْ رَحْمَتِكَ ...... وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ." [2]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے وہ ہدایت دے جو تیری خاص ہدایت ہو اور میرے اوپر وہ فضل بہا دے جو تیرا خاص فضل ہو اور مجھ پر اپنی رحمتِ کامل فرما اور اپنی برکتیں نازل فرما۔"

❹ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوَكَّلَ عَلَیْكَ فَكَفَیْتَهٗ وَاسْتَهْدَاكَ فَهَدَیْتَهٗ وَاسْتَنْصَرَكَ فَنَصَرْتَهٗ." [3]

ترجمہ: "اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں میں سے بنا لے جنہوں نے تیری ذات پر بھروسہ کیا، تو ان کے لئے تو کافی ہو گیا اور جنہوں نے تجھ سے ہدایت مانگی، تو تو نے ان کو نصیب فرما دی، اور تجھ سے مدد مانگی، تو تو نے ان کی مدد فرما دی۔"

❺ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَانًا دَآئِمًا وَّهُدًی قَیِّمًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا." [4]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہمیشہ رہنے والا ایمان اور ٹھیک ہدایت اور نفع بخش علم۔"

فوائد ونصائح

❶ ان پانچ دعاؤں کو یاد کر لیں، وقتاً فوقتاً مانگتے رہیں، والدین اپنے بچوں کو یاد کروائیں، اساتذہ و معلمات اپنے شاگردوں کو یہ دعائیں یاد کروائیں۔ نوافل کے سجدوں میں گڑگڑا کر یہ دعائیں مانگی جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

❷ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ اوّل ان باتوں کو چھوڑ دیں جو ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہیں مثلاً ① دین کی بات کا دھیان سے نہ سننا ② علماء، حفاظ اور دین داروں کی غیبت کرنا، یا اپنے دل میں ان کے متعلق میل رکھنا ③ اپنے اساتذہ کا ادب نہ کرنا ④ دین داروں پر اعتراض کرنا، مثلاً: آج کل کے علماء ایسے ہیں ...... آج کل کے خانقاہ کے لوگ ایسے ہیں ...... آج کل کے تبلیغ والے ایسے ہیں ...... عام لوگوں پر اعتراض کرنا اور ان کے عیوب کو اچھالنا

[1] مسلم، الذكر، باب في الادعية: ۳۵۰/۲

[2] كنزالعمال، الاوّل الأذكار، ۶۴/۲، رقم: ۳۵۱۷

[3] كنزالعمال: الاوّل الأذكار، ۲۹۴/۲ رقم: ۵۱۰۳

[4] كنز العمال: الاوّل الأذكار، ۹۲/۲ رقم: ۳۷۸۶

کتنا برا ہے تو خاص دین دار لوگوں پر اعتراض کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ اس سے بھی زیادہ برا ہے لہٰذا ان تمام گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اپنی آنکھ، کان، عقل و ہوش کو احکامِ الٰہی پر لگا دیں، ہدایت ایسے ہی لوگوں کی رفیقِ راہ بن کر انہیں منزل تک پہنچائے گی، یہی وہ ہدایت ہے جس کا سوال ہر ایک نمازی ربُّ العالمین سے کیا کرتا ہے۔[1]

❸ "الھادی جل جلالہ" نے جو ہدایت کی روشنی ہمیں عطا کی ہے چاہئے کہ ہم پورے عالم کی راہ نمائی کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔

❹ اولاد اور ماتحت ہدایت پر نہ آئیں تو اُن سے قطعِ تعلق یا جھگڑا نہ کریں جس کو "الھادی جل جلالہ" کی معرفت حاصل ہوگئی تو اس کو یقین ہوگا کہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، میں اللہ تعالیٰ ہی سے اُن کے لئے ہدایت مانگتا رہوں گا اور اُن کو صرف سمجھاتا رہوں گا، اگر بیس مرتبہ سمجھانے سے کام نہ بنا تو اکیسویں مرتبہ بھی سمجھاؤں گا، ہاں سمجھانے کے ساتھ روزہ رکھ کر اُن کے لئے دعا کروں گا، اور بچپن میں جو میری طرف سے تربیت میں غفلت ہوئی اس پر استغفار کروں گا، معافی مانگوں گا۔

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۱۵۹ (منصور پوری)

اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بلا نمونہ چیزوں کو ایجاد کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلْبَدِیْعُ: هُوَ الْمُبْدِعُ الَّذِيْ فَطَرَ الْخَلْقَ إِبْتِدَاءً لَا عَلٰى مِثَالٍ سَبَقَ." [1]

ترجمہ: "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو بلا نمونہ پیدا کیا ہے۔"

یعنی ہر چیز کو وجود "اوّلین" اسی ذات نے بخشا ہے کہ اس "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی تخلیق سے پہلے اس چیز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [2]

ترجمہ: "نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا۔"

بدیع کے معنی ہیں: بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ اور میٹریل کے وجود میں لانے والے۔

"اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو...... نہ مال مسالہ کا،...... نہ مقام و مکان کا پابند،...... نہ زمان و وقت کا مقید و محتاج...... نہ کسی نمونہ کا، نہ استاذ کا،...... وہ صناع ہے کاری گر نہیں، اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت اور شرکت کے وجود میں لانے والا۔ [3]

آسمان و زمین سب اسی کی مخلوق ہیں۔

❷ "اَلْبَدِیْعُ: الَّذِيْ أَظْهَرَ عَجَائِبَ صُنْعَتِهٖ وَغَرَائِبَ حِكْمَتِهٖ" [4]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ "اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ" ہیں کہ وہ اپنی صنعت وحکمت کے عجائب وغرائب کو مخلوق پر آشکارا (ظاہر) فرماتے ہیں (تا کہ مخلوق قدرتِ حق تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی عظمت پہچان سکے)۔"

شیخ عبدالصمد الازہری فرماتے ہیں:

---

[1] النهج الاسمیٰ: ۲۸۲/۲ [2] البقرة: ۱۱۷ [3] تفسير ماجدی: ۱/۲۶

[4] شرح اسماء الله الحسنٰى للرازي: ۳۵۰

"عجائب مخلوقات" پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ دور کیوں جایئے خود اپنے آپ کو دیکھئے یہ انسان جسے عالمِ صغیر کہا جاتا ہے اس "البدیع جل جلالہٗ" کا ایک عجوبہ روزگار ہے، چوپائے جانور چار ہاتھوں پیروں پر چلتے ہیں بات سمجھ میں آتی ہے کہ چار ستونوں پر جسم کا وزن درست رہتا ہے مگر اس احسنِ تقویم والے (انسان) کا صرف دو پاؤں پر چلنا پھرنا حیرت انگیز ہے، اتنے بڑے وزنی جسم کو دو پیروں پر کھڑا کر دینا اس "البدیع جل جلالہٗ" کا کمال ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ اپنے دو پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے بل کہ دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ چلنا پھرنا اور دوڑنا اور ہے اور وزن کا متوازن رہنا بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ چاہے تو ایک پاؤں پر بھی ایک دو گھنٹہ نہیں کئی کئی دن کھڑا رہ سکتا ہے، بل کہ ساری عمر بھی ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے، جیسا کہ بعض جوگی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وزن کا یہ تناسب ایک دو من کی لاش پر اس "البدیع جل جلالہٗ" کا بڑا ہی عجیب کارنامہ ہے، پھر یہ کہ دراز قد منوں کا وزن لے کر بھی بآسانی چل پھر سکتا ہے اور توازن نہیں بگڑتا۔ سارس اور بعض آبی جانور بھی گھنٹوں ایک پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔ دو پائے جانوروں اور پرندوں میں اس "البدیع جل جلالہٗ" نے اس خوبی سے توازن قائم کیا ہے جیسے کہ زمین و آسمان وکواکب کا حسنِ توازن قائم کر رکھا ہے۔

چوں کہ یہ انسان زمین پر "البدیع جل جلالہٗ" کا خلیفہ ہے، لہٰذا یہ بھی طرح طرح کی ایجادات کرتا رہتا ہے، بڑی سے بڑی ایجاد کرنے والے بڑے سے بڑے موجد کو جسے ہم "موجد" کہتے ہیں۔ یہ دراصل موجد نہیں ہوتے صرف تالیف، ترتیب و ترکیب دینے والے یا انکشاف کرنے والے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اس "البدیع جل جلالہٗ" کی مختلف چیزوں کو ترکیب دے کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں، یا اس کی کسی مخفی چیز کو برسرِ عام لے آتے ہیں، جس شخص نے لاسلکی ریڈیو، ٹیلی ویژن یا لیزر شعاعیں ایجاد کیں اس نے ایجاد تو کچھ بھی نہیں کیا صرف انکشاف کیا ہے، سب چیزیں پہلے سے موجود تھیں مگر لوگوں کو علم نہ تھا، اس نے ترتیب و تالیف سے ایک ہی چیز بنا دی، تو سارے موجد بدیع و مبدع و موجد نہیں ہیں۔ صرف اسی کی ذات "البدیع جل جلالہٗ" ہے۔ ہم مجازاً انہیں بدیع کہہ دیتے ہیں۔[1]

اس عالمِ فانی میں لاتعداد مخلوقات حیات سے بہرہ ور اپنے نظم ونسق سے عالم کا حصہ بنی ہوئی ہیں، بعض مخلوقات بے انتہا عظیم الجثہ[2] اور بعض انتہائی حقیر الجسم[3] کہ ان میں رمقِ حیات[4] کا احساس بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب اس صناع قادر[5] کی قدرت کا کرشمہ ہے جس کے رموز پر مطلع ہونا[6] انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔

"البدیع جل جلالہٗ" کی قدرت کے عجیب کرشمے

چیونٹی

چیونٹی بظاہر حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی

[1] شرح اسماء حسنٰی للازهری: ٦٥
[2] بڑے جسم والی [3] بہت چھوٹے جسم والی [4] زندگی کے آثار [5] بنانے والا، قدرت والا [6] جاننا

مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بے کار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر، چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے۔

حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے، دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!.......... کھیتوں میں ہل چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے کاٹ کر احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں...... اس قوم میں بھی حیدر آباد کا جاگیرداری نظام موجود ہے۔ ان کے جاگیر دار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت اب اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphiads) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں، بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھا لاتی ہیں اور ان کے انڈے بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضا کار ان کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لئے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سرکنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لئے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتے ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے۔

یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں۔ ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے

وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آکر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آیئے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے:

یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھا لاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی، یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس بارے میں ایک بڑا دل چسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (۳۰) ''جاگیر دار چیونٹیوں'' کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی نہ تھی، دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لب گور، سکت جواب دے چکی تھی، چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی۔ ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آگیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لئے زمین میں ایک گھر بنا لیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہوگئی۔

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار......

یہ امر تو ہمیں بہت پہلے سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے، لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لئے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بل کہ ان کو باضابطہ طریقہ سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے! ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابل میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لئے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پشتا بنا لیتی ہیں۔ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فٹ ہوتی ہے۔

اس چھتہ کے اطراف تین چار فٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے...... جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے۔ اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بے کار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں، یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت ملتی ہے، فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر

پھینک دیا جاتا ہے۔

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے، تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے۔ یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک کک نے ۱۸۷۷ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا...... لوگ کہتے ہیں: سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اَن دیکھے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔[1]

یہ تو ایک چھوٹی سی مخلوق کی طرز زندگی کی تحقیق تھی جو اپنے اندر بہت سی قدرتِ حق تعالیٰ کی نشانیوں کو سموئے ہوئے ہے آسمان و زمیں میں تو لامحدود عجائباتِ قدرت پنہاں ہیں۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ''اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ اس سے بَری ہے جو شرک کرتے ہیں۔''

یعنی ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر پیدا نہیں کیا، بل کہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ جزاو سزا ہے۔

البدیع جل جلالہٗ نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا، جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے، وہ بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو یہ نادان بندے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے، یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے، یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں تہہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے، کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہیٰ معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے؟ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم آسمان بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔

یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے، فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوقِ خداوندی ہیں اور قدرت قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و

---

[1] تفسیر ماجدی: ۷۷۱/۲ روزنامہ ''رہبر دکن'' حیدر آباد دکن کے سائنسی کالموں سے۔ [2] النحل: ۳

آسمان کا ہر جزو اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش

ایک قطرۂ آب سے ایک عجیب وغریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب وغریب پیدائش اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت وحکمت کی دلیل ہے، انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جزو سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے، بل کہ یہ کسی علیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے، اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے، رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جا سکتا، انسان کی پیدائش کے ساتھ اس کے مصالح وفوائد کے لئے دوسری مخلوقات کو بھی پیدا فرمایا اور سب کو حضرت انسان کے لئے مسخر فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾[1]

ترجمہ: ”اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔“

خون کے درمیان سے خالص دودھ

یعنی اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو معلوم کرلو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے۔“ یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لئے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے؟ ہم اپنی کمال قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجود دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر اس کے باوجود خالص سفید ہوتا ہے، اور خون اور گوبر کے آمیزش سے بالکل پاک وصاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دو ناپاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرما دی، مطلب یہ ہے کہ تم ”البَدِیعُ جل جلالہٗ“ کی قدرت اور نعمت میں غور کرو...... ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا

[1] النحل: ٦٦

پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوش گوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے، غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتی ہے تو ہضم کے بعد کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے، خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب ''البدیع جل جلالہٗ'' کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکمِ حیوان سے جو خون اور گوبر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکلتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سرِ پستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرما دیا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچہ کے لئے بہترین لطیف غذا ہے، یہ صنعت سوائے ''البدیع و القدیرُ جل جلالہٗ'' کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لئے یہ نعمت پیدا کی اسی کی اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

دانے کا زمین میں پھول کر پھٹنا

''البدیع جل جلالہٗ'' کی تخلیقات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں، جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حالاں کہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے، کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالاں کہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں، عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں۔

جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور نرمی سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوئیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف، حالاں کہ زمین، پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب وعلل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے، جو اس میں غور وفکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں، بل کہ کسی ''البدیع جل جلالہٗ'' کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

آم کے درخت میں تربوز

''البدیع جل جلالہٗ'' کے دلائل قدرت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں میں بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی

ہے، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو مملوک اور غلام بنایا غرض یہ کہ بنی آدم کو مختلف اوصاف پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے، اسی اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمتِ بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں، اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح معنوی رزق یعنی علم، عقل، فہم، ...... حسنِ صورت، حسنِ سیرت، ...... صحت، مرض، ...... ضعف، قوت، ...... بصارت اور بصیرت ...... میں بھی تفاوت رکھا۔

کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم، کسی کو قوی جسم بنایا اور کسی کو ضعیف ناتواں بنایا، کسی کو عاقل اور کسی کو ناداں، کسی کو عالم اور کسی کو جاہل ...... کسی کو حسین اور کسی کو بدشکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے، اگر یہ بات علم و عقل، فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بدعقل اور جاہل دولت مند اور مال دار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالاں کہ معاملہ برعکس ہے، ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانۂ عالم ان ہی اختلافات اور تباین و تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب آدمی باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم، کوئی مال دار اور کوئی نادار، کوئی مالکِ مکان اور کوئی کرایہ دار۔ اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے۔[1]

واقعہ نمبر ﴿۱۰۶﴾: لطیفہ: ایک ملحد ہمیشہ نظامِ قدرت اور حکمتِ خداوندی پر معترض رہتا تھا، ایک روز اس کا گزر تربوز کے کھیت میں سے ہوا۔ اس چھوٹے سے پودے میں اتنے بڑے بڑے تربوز دیکھ کر قدرت کی اس نامناسبت و ناموزونیت پر ہنسا۔ آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا۔ بڑے بڑے تناور درختوں میں چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر نظامِ قدرت میں یہ اصلاح کی کہ بلحاظ جسامت آم کا چھوٹا چھوٹا پھل تربوزوں کے پودے میں اور تربوزوں کا پھل آم پر لگتا تو یہ نہایت ہی موزوں تناسب ہوتا۔

وہ اس مسئلہ پر آم کے پھلوں پر ٹکٹکی لگائے اُن کی نامناسبت پر غور کر ہی رہا تھا کہ طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر سیدھا اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں جا لگا، آنکھ پھوٹ گئی، سخت تکلیف ہوئی، لیکن وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً ہی سجدہ شکر بجالایا کہ اب تو صرف آنکھ ہی ضائع ہونے پر بلا ٹل گئی، اگر میری اصلاح کے مطابق اس پر تربوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔

جہاں اس صانعِ مطلق کی صنعت کے کارخانے عجیب ہیں، وہاں ان کو عجیب کہنے والا انسان خود سب سے بڑا عجوبہ

[1] معارف القرآن، للکاندھلوی: ۳۲۰/٤ تا ۳۸۰ بتصرف

روزگار ہے۔ اس صانعِ حقیقی کی بے شمار قدرتیں بھی حیرت خیز اور محیر العقول ہیں، لیکن یہ خاکی پتلا ان سب سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ اس کی بناوٹ میں اس صناعِ حقیقی نے اپنی صناعی کا کمال دکھلایا ہے۔

کیا بناوٹ کی خوبی کے لحاظ سے، اور کیا مشینری کی لطافت اور باریکی کے لحاظ سے، اپنا جواب آپ ہے۔ اس چھوٹی سی آنکھ کے اندر نور کا موجود ہونا اور اس آنکھ کی پتلی میں بڑے بڑے مکانات، پہاڑ، حتیٰ کے آسمان تک کا سما جانا ایک بے نظیر کرشمہ ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے بھی بڑھ کر عجوبہ ہے جس میں عقل وحکمت کے بحرِ بیکراں بہہ رہے ہیں۔ ؎

ہے آدمی بجائے خود اِک منبعِ کمال   گر عقل ہے تو دیکھ لے تو شانِ ذوالجلال

اگر بہ نسخہ تشریحِ جسم در نگری   شروحِ صنع دریں جلد مختصر یابی

تَرجَمَہ: ”اگر تو انسانی جسم کی شرح کی کتاب میں نگاہ مارے تو اس مختصر سی کتاب میں قدرت کی ساری تشریحات کو دیکھ پائے گا۔“

انگور ہوں یا تربوز، بارش کے قطرے ہوں یا سمندروں کا پانی، ہر شئے سے اس کی قدرت کا نظارہ ہوتا ہے۔ بے شمار جانور بھی اس ”اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی ذات نے پیدا کئے ہیں۔ ایک اونٹ ہی کے بارے میں غور کریں کہ کیسی عجیب مخلوق ہے۔

قدرت نے اونٹ کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا

جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اوّل تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں، دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیوں کہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا، اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی۔

یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزرو ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اُس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ تہہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اُس پر چڑھنا اور اُترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے

کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اُٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدان میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے لیکن قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک بچی بھی اُس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں، جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت وحکمتِ بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔[1]

بے زباں جانور کا بولنا اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی قدرت

وَاقِعَہ نمبر ۱۰۷: علامہ ابنِ اثیر جزری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نقل کرتے ہیں: جب حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایرانی آتش پرستوں سے جہاد کرنے کے لئے قادسیہ پہنچے، تو انہوں نے اپنے لشکر کے ایک افسر عاصم بن عمرو رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی کو کسی کام سے ''میان'' کے مقام پر بھیجا، یہ دشمن کے ملک میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ حضرت عاصم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی یہاں پہنچے تو رسد کا سارا ذخیرہ ختم ہوگیا اور ساتھیوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ انہوں نے آس پاس تلاش شروع کی کہ شاید کوئی گائے بکری مل جائے مگر کافی جستجو کے باوجود کوئی جانور ہاتھ نہ آیا۔ اچانک انہیں بانس کے ایک چھپر کے پاس ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ انہوں نے اس سے جا کر پوچھا: ''یہاں آس پاس کوئی گائے بکری مل جائے گی؟''

اس شخص نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم۔'' حضرت عاصم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی ابھی واپس نہیں لوٹے تھے کہ چھپر کے اندر سے ایک آواز سنائی دی:

''یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں موجود ہیں۔''

حضرت عاصم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی چھپر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کئی گائے بیل کھڑے ہیں۔ مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ آواز ایک بیل کی تھی۔ حضرت عاصم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی وہاں سے گائے بیل لے کر آئے اور انہیں لشکر میں تقسیم کیا۔

یہ واقعہ کسی نے حجاج بن یوسف کو سنایا تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے جنگِ قادسیہ کے شرکاء کے پاس پیغام بھیج کر اس کی تصدیق کرنی چاہی، تو بہت سے حضرات نے گواہی دی کہ اس واقعے کے وقت ہم موجود تھے، حجاج نے ان سے پوچھا:

''اس زمانے میں اس واقعے کے بارے میں لوگوں کا تاثر کیا تھا؟''

انہوں نے کہا: ''اس واقعے کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے اور وہ ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔''

''یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جب لوگوں کی اکثریت متقی وپرہیزگار ہو'' حجاج نے کہا:

[1] معارف القرآن: ۷۳۲/۸ بتصرف

"دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے" انہوں نے کہا: "لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ دنیا سے اس قدر بے نیاز قوم ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی۔" [1]

اَلْبَدِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

وَاقِعَۃ نمبر (۱۰۸): جان ولیم کلارکس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: جب آسٹریلیا کا براعظم نیا نیا دریافت ہوا اور یورپ کے بہت سے لوگ وہاں جا جا کر آباد ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ اس براعظم میں خرگوش بالکل نہیں ہیں، یہ لوگ یورپ میں خرگوش کے شکار کے عادی تھے، اور انہیں اس شکار میں جو لطف آتا تھا، آسٹریلیا میں اس کی یاد ستانے لگی، انہیں لوگوں میں سے ایک شخص تھامس آسٹن تھا، اس نے ۱۸۵۹ء میں آسٹریلیا کی فضا خوشگوار بنانے کی کوشش کی اور یورپ سے خرگوش کے تقریباً بارہ جوڑے منگوا کر وہاں چھوڑ دیئے۔

لیکن قدرت کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

ہوا یہ کہ یورپ میں تو خرگوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں جو ان کی طبعی دشمن ہیں۔ اس کی وجہ سے وہاں خرگوش کی نسل میں اعتدال وتوازن برقرار رہتا ہے مگر آسٹریلیا اس کے ان طبعی دشمنوں سے خالی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بارہ جوڑوں سے خرگوش کی نسل بڑھنی شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسٹریلیا خرگوشوں سے بھر گیا اور یہ بے مہار مخلوق کھیتوں میں گھستی تو کھیت ویران کر دیتی، چراگاہوں میں پہنچتی تو چراگاہیں اجاڑ دیتی، غرض وہ جانور جسے آسٹریلیا کی طبعی فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے باقاعدہ درآمد کیا گیا تھا، سارے براعظم کے لئے عذاب جان بن گیا۔

اب اس مشکل پر قابو پانے کی کوششیں شروع ہوئیں، کوئنزلا کے علاقے میں باقاعدہ سات سو میل لمبی فصیلیں اس غرض کے لئے تعمیر کی گئیں کہ خرگوش آبادیوں میں نہ پہنچ سکیں لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور خرگوش ان فصیلوں کو پھاند پھاند کر آنے لگے، پھر ایک زہریلی غذا کو کام میں لا کر یہ روز افزوں نسل گھٹانے کی کوشش کی گئی مگر اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

آخر کار کئی سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس مشکل کا حل دریافت ہوا، ایک دوا ایجاد کی گئی جو خرگوش کو مرض مخاطی کے مہلک مرض میں مبتلا کر دیتی تھی، اس وباء کے پھیلنے سے خرگوش کی نسل میں کمی واقع ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے خشک صحرا اور بنجر پہاڑ جو دسیوں سال قحط زدہ رہے، اب سرسبز وزرخیز خطوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بکریوں کی صنعت سے آمدنی بہت بڑھ گئی ۵۲، ۱۹۵۳ء کے دوران اس صنعت کی آمدنی میں جو اضافہ ہوا اس کا اندازہ ۸۴ ملین

---

[1] الکامل لابن اثیر، ذکر ابتداء امر القادسیۃ: ۲/۱۷۵

پونڈ ہے۔[1]

پرندے راستہ کیوں نہیں بھولتے؟

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ انہوں نے اس بات کی کھوج لگالی ہے کہ موسم بدلنے پر ہجرت کرنے والے پرندے کس طرح ہزاروں میل کا سفر کر کے دوسرے مقام تک پہنچتے ہیں، اور سفر کے دوران راستہ بھی نہیں بھولتے۔ جدید تحقیق کے مطابق ہجرت کرنے والے بہت سے پرندوں کی آنکھوں میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جو کرۂ زمین کا مقناطیسی میدان اور زمین پر ہونے والی روشنیاں بالکل اس طرح واضح طور پر دیکھنے میں ان کی مدد کرتے ہیں جس طرح انہیں زمین پر اُگے درخت، چٹانیں اور دیگر اشیاء صاف دکھائی دیتی ہیں۔

سال کے اس حصے میں برطانیہ سے قریباً ۳ کروڑ پرندے گرم علاقوں کی جانب ہجرت کرنے والے ہیں۔ ان میں سے کئی پرندے تو ایسے ہیں جو برطانیہ سے سفر کر کے افریقہ پہنچیں گے۔ اس موقع پر جرمنی کی اولڈن برگ یونیورسٹی کے تحقیق دان ہنرک مورتسن نے تجربہ کیا جس کا نتیجہ انہوں نے یہ نکالا کہ پرندوں کی آنکھوں کے پردے میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ زمین کا مقناطیسی نقشہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہزاروں میل کا سفر کرنے کے باوجود راستہ نہیں بھولتے۔ مورتسن نے، جس جگہ سے پرندوں نے ہجرت شروع کی اس جگہ کے قریب مصنوعی مقناطیسی میدان قائم کیا اور مقناطیسی کشش کی قوت، زمین کی عمومی کشش سے ۹۰ درجے پر رکھی اور جب اس مصنوعی مقناطیسی میدان میں انہوں نے مقناطیسی لہریں پیدا کیں تو وہ پرندے، جو شمال کی جانب پرواز کر رہے تھے، ان کا رخ مغرب کی جانب ہوگیا۔

اس تجربے سے حاصل شدہ نتائج کی تصدیق کے لئے مورتسن اور ان کی ٹیم نے باغوں میں بسیرا کرنے والے پرندوں پر تجربات کا فیصلہ کیا اور ان میں سے چند پرندے، جیسے کوئل وغیرہ پنجروں میں قید کر لئے۔ پھر ان پرندوں کا طرز عمل تبدیل ہوا تو اس سے انہیں معلوم ہوا کہ اب یہ پرندے یہاں سے ہجرت کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

تجربے کی خاطر مورتسن اور ان کی ٹیم نے ان پرندوں کو رہا کرنے کے بجائے انہیں مار ڈالا پھر ان کی آنکھوں پر تحقیق کی جس سے ظاہر ہوا کہ ان پرندوں کی آنکھوں کے پردے میں مخصوص خلیے ہوتے ہیں جن میں ''کریٹوکروم'' نامی پروٹین ہوتی ہے۔ کریٹوکروم پروٹین اتنی حساس ہوتی ہے کہ مقناطیسی میدان میں معمولی سی تبدیلی بھی فوراً محسوس کر لیتی ہے۔ مورتسن کا کہنا ہے کہ آنکھ کے پردے پر کروڑوں خلیے ہوتے ہیں جو مخصوص طریقِ عمل سے پرندوں کو مقناطیسی میدان بالکل اس طرح دکھاتے ہیں جس طرح راڈار پر طیارے دکھائی دیتے ہیں۔

---

[1] (تراشے: ٦٧) (''اَللّٰهُ يَتَجَلّٰى فِي عَصْرِ الْعِلْم'' ترجمہ عربی (The Evidence Of God The Expanding Universe) مرتبہ جان کلادر مونسما و مترجمہ عبدالمجید سرحان، موسسہ فرانکلین قاہرہ نیویارک (۱۹٦۱ء صفحہ ۵۱)

اس آئینے میں سبھی عکس ہیں تیرے

مذکورہ مضمون نگار ہی نے لکھا ہے کہ پھول کی ایک خاص قسم ہے جس کا نام (Jack in the pulpoint) ہے اس پودے میں پھولوں کے گچھے دو طرح کے ہوتے ہیں: نر اور مادہ۔ اس پودے میں چھوٹے چھوٹے پیالوں کی طرح کچھ نباتی حلقے ہوتے ہیں اور انہی حلقوں کے اندر پھول نشوونما پا کر باہر آتے ہیں، دوسرے پودوں کی طرح ان میں بھی پھولوں کی نشوونما نر اور مادہ کے ملاپ سے ہوتی ہے، لیکن ان پودوں میں ملاپ کا عجیب وغریب طریقہ مقرر ہے۔

نر اور مادہ یہاں براہِ راست نہیں ملتے بل کہ یہ ملاپ بہت چھوٹی مکھی کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ پودے کے نباتاتی حلقے اوپر سے کشادہ ہوتے ہیں لیکن اندر جا کر تنگ ہو جاتے ہیں، وہ چھوٹی سی مکھی نر پودے کے ان حلقوں کے اندر گھسنا چاہتی ہے، لیکن بیچ میں پہنچ کر بری طرح پھنس جاتی ہے، ایک تو آگے راستہ تنگ ہوتا ہے۔

دوسرے جوں ہی مکھی کسی نر پودے کے حلقے میں داخل ہوتی ہے، اس حلقے کے بالائی حصے سے موم کی طرح کا ایک مادہ اندر کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے، جس سے حلقے کی دیواریں ڈھک جاتی ہیں۔ اب اس مکھی کو نہ آگے جانے کا راستہ ملتا ہے، نہ پیچھے ہٹنے کا، اس لئے وہ اپنی جگہ ایک جنونی کیفیت میں چکر کاٹتی ہے، اس جنونی گردش کے سبب پودے کے تناسلی ذرات اس مکھی کے جسم سے چمٹ جاتے ہیں اور جوں ہی یہ کام مکمل ہوتا ہے تو حلقے کے بالائی حصے سے مومی مادہ کا خروج خود بخود بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اوپر کا حصہ تھوڑا تھوڑا سخت ہونے لگتا ہے اور مکھی ذرا سا زور لگا کر باہر نکل آتی ہے۔

اس کے بعد یہی مکھی کسی مادہ پودے کے حلقے میں اسی طرح داخل ہوتی ہے، لیکن مادہ پودے کے حلقوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مکھی کے گھسنے کے بعد نکلنے نہیں دیتے، مکھی اندر پہنچ کر ہمیشہ کے لئے مقید ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، مرنے سے ذرا دیر پہلے وہ باہر نکلنے کی جو آخری کوشش کرتی ہے، اس میں وہ نر پودے کے تناسلی ذرات مادہ پودے میں منتقل کر دیتی ہے اور تناسل کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ عجیب وغریب معاملہ ہے کہ نر پودے کا حلقہ پہلے مکھی کو داخل ہونے کا موقع دیتا ہے، پھر اسے پھانس دیتا ہے، اور اس کے بعد نکلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے برعکس مادہ پودا ایک بار پھانسنے کے بعد نکلنے کا موقع نہیں دیتا۔

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1]

مضمون نگار یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''کیا یہ سارے شواہد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت نہیں کرتے؟ ہماری عقلوں کے لئے یہ تصور کرنا انتہائی دشوار ہے کہ یہ عجیب وغریب انتظام محض اتفاقات کا کرشمہ ہے، یہ ماننا ناگزیر ہے کہ یہ سب کچھ ایک مستحکم تدبیر اور مکمل قدرت کا

[1] المؤمنون: ۱۴

نتیجہ ہے۔" [1]

البدیع جل جلالہ کے کرم کا ایک واقعہ

واقعۂ نمبر ۱۰۹: عامر بن حطان خارجی تھا اور حجاج بن یوسف کے مخالفین میں سے تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، جلاد سے کہا: "بدکار عورت کے اس بیٹے کی گردن اڑا دو۔" عامر نے بڑے پر وقار انداز میں سر اٹھا کر کہا:

"حجاج! تمہارے بڑوں نے تمہاری بڑی غلط تربیت کی ہے، موت کے بعد رد کیا جاتا ہے، میں جواباً اسی طرح کی گالی تمہیں دوں تو مجھے کیا خوف ہوسکتا ہے لیکن گالی دینا بہادروں اور شرفاء کے شایان شان نہیں۔"

یہ گالی کا باعثِ نجات جواب تھا، حجاج نے اس کا یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر جھکا لیا، پھر اس سے کہا: "تمہارے ساتھ احسان کیا جاسکتا ہے؟"

عامر نے کہا: "کیوں نہیں" چناں چہ حجاج نے گھوڑا اور زادراہ دے کر اسے اپنے علاقے کی طرف رخصت کیا، عامر وہاں پہنچا تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا: "آپ کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے، حجاج نے نہیں، بھرپور تیاری کے ساتھ ہمیں دوبارہ حجاج پر حملہ کرنا چاہئے۔" لیکن عامر نے کہا: "حجاج نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس احسان نے میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں، اب میں اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔" [2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ "البدیع جل جلالہ" کو ہی ہر چیز کا خوب صورت اور رنگ برنگی پیدا کرنے والا سمجھے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس طرح بغیر نمونے، مثال، سانچے کے بنانے، پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے، یہی مطلب "البدیع جل جلالہ" کا ہے۔ انسان بدیع نہیں ہے، کیوں کہ انسان تو پہلے اپنے سامنے ایک نقشہ رکھتا ہے پھر کہیں جا کر اس کی نقل تیار کرتا ہے، بغیر نقشے یا نمونے کے ابتداءً کسی چیز کو نہیں بناتا، یہ صرف "البدیع جل جلالہ" ہی کی خصوصیت ہے۔

❷ اس خوب صورت کائنات کے ذرّے ذرّے پر غور کرے اور "البدیع جل جلالہ" کی حقانیت پر اپنے یقین کو پختہ کرے۔

❸ "البدیع جل جلالہ" نے جو مخلوقات اس انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمائی ہیں ان سے نفع حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور یہ سوچے کہ یہ طاقت ور مخلوق اللہ تعالیٰ کی بہترین کاری گری میں سے ہے۔

[1] الله يتجلى في عصر العلم: ٥١ بحوالہ (ت) ۶۷ تا ۶۹ [2] العفو والاعتذار لابي الحسن الرقام: ٥٥٩

اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "هُوَ الَّذِيْ لَا تَعْتَرِضُ عَلَيْهِ عَوَارِضُ الزَّوَالِ وَهُوَ الَّذِيْ بَقَاؤُهُ غَيْرُ مُتَنَاهٍ وَلَا مَحْدُوْدٍ، وَلَيْسَتْ صِفَةُ بَقَائِهٖ وَدَوَامِهٖ كَبَقَاءِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَدَوَامِهِمَا، وَذَالِكَ أَنَّ بَقَائَهٗ أَزَلِيٌّ أَبَدِيٌّ وَبَقَاءُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ أَبَدِيٌّ غَيْرُ أَزَلِيٍّ وَمَعْنَى الْأَزَلِ مَالَمْ يَزَلْ وَمَعْنَى الْأَبَدِ مَا لَا يَزَالُ، وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ كَائِنَتَانِ بَعْدَ أَنْ لَّمْ تَكُوْنَا فَهٰذَا فَرْقُ مَا بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ"[1]

"اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جس پر اسباب زوال طاری نہیں ہو سکتے اور جس کے باقی رہنے کی کوئی انتہا اور حد نہ ہو اللہ رب العزت کی ہمیشہ باقی رہنے والی صفت جنت وجہنم کے ہمیشہ باقی رہنے کی طرح نہیں ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، جب کہ جنت وجہنم ہمیشہ تو رہیں گے لیکن ہمیشہ سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں، ازل کا مطلب جو ہمیشہ سے ہو اور ابد کا مطلب جو ہمیشہ رہے۔ جب کہ جنت وجہنم مخلوق ہیں پہلے موجود نہ تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمائی (اور جنت وجہنم کو ہمیشہ باقی رہنے کی صفت بھی "اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے عطا فرمائی ہے۔"

❷ "اَلْبَاقِيْ اَلَّذِيْ لَا اِبْتِدَاءَ لِوُجُوْدِهٖ ...... وَلَا نِهَايَةَ لِوُجُوْدِهٖ ...... وَقِيْلَ: هُوَ الْأَوَّلُ بِلَا اِبْتِدَاءٍ ...... وَالْآخِرُ بِلَا اِنْتِهَاءٍ."[2]

"اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات جس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہو اور نہ ہی کوئی انتہاء ہو، بعض حضرات فرماتے ہیں: "اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ہے جو اوّل ہے بغیر ابتداء کے اور آخر ہے بغیر انتہاء کے۔"

"اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سوا ہر چیز فانی ہے

اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

[1] شان الدعا: ۹۶ [2] شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی للرازی: ۳۵۰

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت و عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔“

مشہور تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جَلَّ جَلَالُہٗ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی، بعض حضرات مفسرین نے ﴿وَجْهُ رَبِّكَ﴾ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجودات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہے، اس میں اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی فنا نہیں ہوں گے۔[2]

اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: ”جو کچھ تمہارے پاس ہے (مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں) فنا ہونے والی ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے پاس انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں۔[4]

دنیا کی راحت و کلفت، دوستی، دشمنی سب فنا ہونے والے ہیں اور ان کے ثمرات و نتائج جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والے ہیں۔

﴿مَا عِنْدَكُمْ﴾ کے لفظ سے عام طور پر ذہن صرف مال و متاع کی طرف جاتا ہے، استاذ محترم مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: لفظ ﴿مَا﴾ لغت کے اعتبار سے عام ہے اور عموم کے معنی مراد لینے سے کوئی امر شرعی مانع نہیں، اس لئے اس میں دنیا کا مال و متاع بھی داخل ہے، اور اس میں پیش آنے والے تمام حالات و معاملات، خوشی، رنج و غم، راحت، بیماری، صحت، نفع اور نقصان کسی کی دوستی یا دشمنی یہ سب چیزیں شامل ہیں کہ سب کی سب فنا ہونے والی ہیں، البتہ ان حالات و معاملات پر جو آثار مرتب ہونے والے ہیں اور قیامت میں ان پر عذاب و ثواب ہونے والا ہے وہ سب باقی رہنے والے ہیں۔

---

[1] الرحمٰن: ۲۶، ۲۷ [2] روح المعانی: ۱۴/۱۰۸ [3] النحل: ۹۶ [4] معارف القرآن: ۸/۲۵۱، النحل: ۹۶

فنا ہو جانے والے حالات و معاملات کی دھن میں لگا رہنا اور اپنی زندگی اور اس کی توانائی کو اسی کی فکر میں لگا کر دائمی عذاب وثواب سے غفلت برتنا کسی ذی عقل کا کام نہیں۔

قرآن کہتا ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾[1]

تَرجَمَہ: "صرف وہی زندہ جاوید ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔"

سورۃ القصص میں فرمایا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾[2]

تَرجَمَہ: "اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔"

اس آیت میں قرآنِ پاک نے غور وفکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے ایک عام فہم آسان انداز میں دل نشین اور بہت دل چسپ استدلال کیا ہے۔ اگر غیر مسلم بھی اس کو سوچے تو اس کو اسلام اور توحید کی توفیق مل جائے گی اور مسلمان جتنا اس پر غور کرے گا تو توحید کا عقیدہ مضبوط ہوگا اور غیر اللہ سے مستغنی ہو جائے گا:

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے، باقی رہنے والی اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہستی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب کا خالق اور پروردگار ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر اُن سے دُعائیں کرنے والے اور مُرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔

پس قرآن کہتا ہے: جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فنا سے بچا لینا بھی جن کے بس میں نہیں، سوچو کہ اُن کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر اُن سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت و جہالت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے:"

"أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ"[3]

تَرجَمَہ: "خبردار ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ختم ہونے والی ہے۔"

---

[1] المؤمن: ٦٥ [2] القصص: ٨٨ [3] بخاري، مناقب، ايام الجاهلية: ٥٤٧/١

پس جولوگ بتوں کو...... یا نیک اور مقدس رُوحوں کو...... یا گزرے ہوئے پیغمبروں...... یا پیروں...... ولیوں......کو اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں اُن سے دُعائیں کرتے ہیں (حالاں کہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں) وہ خود سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔[1]

اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق پیدا کرنے کی دعا

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا سے ہر انسان کو جانا ہے، اب جانے والا یا تو قید خانے سے نکل کر جاتا ہے یا پھر قید خانے میں جاتا ہے۔ یعنی انسان نے دنیا میں اپنے دل کو قید اور پابندی میں بند رکھا کہ اس میں غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ سے امید نہ رکھی...... آنکھوں کو قید میں رکھا کہ بدنظری نہ کی...... زبان کو قید میں رکھا کہ غیبت...... بدزبانی...... گالی گلوچ سے بچایا اور ذکر وتلاوت کا پابند رکھا تو موت آتے ہی یہ تمام اعضاء قید سے نکل کر آزاد فضا میں ہوں گے، اور اگر ان اعضاء کو دنیا میں آزاد رکھا تو پھر موت آتے ہی یہ سب قید خانے میں ہوں گے۔

اسی لئے کہتے ہیں:

"فَكُلُّ خَارِجٍ مِّنَ الدُّنْيَا إِمَّا مُتَخَلِّصٌ مِّنَ الْحَبْسِ وَإِمَّا ذَاهِبٌ إِلَى الْحَبْسِ."[2]

"یعنی دنیا سے ہر جانے والا شخص یا تو قید سے رہائی پانے والا ہے گیا یا قید میں جانے والا ہے۔"

انسان اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ سے جتنی محبت اور تعلق کو بڑھائے گا، اتنا ہی اس کے ہر فیصلے پر راضی رہ سکے گا اور اتنا ہی فانی چیزوں سے تعلق گھٹے گا، بسا اوقات انسان کی کوئی محبوب ترین چیز جدا ہو جاتی ہے جس سے اس کو اتنا افسوس ہوتا ہے کہ نہ پوچھیں......؟

ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ کاروبار میں نقصان ہوا یا کسی عزیز کا انتقال ہوا، کسی فانی چیز پر مصیبت آئی، کسی نے بے وفائی کی، تو انسان اپنے ہوش وحواس کھودے، یا پریشان پھرتا رہے، یا اپنی زندگی کو ختم کرنے کی فکر اور دعا کرتا رہے، بل

---

[1] ب

دوران لقاء چو باد صحرا بگذشت — تلخی و خوشی وزشت و زیبا بگذشت

پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد — برگردن وے بماند و برما بگذشت

ملاقات کے دوران جب صحرائی ہوا چلی تو وہ خوشی غمی اچھے برے لمحات لے کر چلی

ستم گر یہ سمجھا کہ ہوا ہم پر ظلم کر گئی، کہ اس کی گردن پہ باقی رہی اور ہم پر سے گزر گئی

(معارف القرآن: ۳۹۷/۵)

[2] اس میں اشارہ ہے اس حدیث مبارکہ کی طرف جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: "میت کا جنازہ جلدی لے جاؤ اس لئے کہ اگر یہ نیک آدمی تھا تو اس کو بہتری کی طرف آپ بڑھا رہے ہیں اور اگر یہ برا آدمی تھا تو اس کے شر سے جلد محفوظ ہو جاؤ گے۔" (سنن ابی داؤد، الجنائز، باب الاسراع بالجنازۃ، رقم: ۳۱۸۱)

کہ یہ دعا مانگتا رہے:

"اَللّٰھُمَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ."[1]

تَرْجَمَۃ: "الٰہی میری جن پسندیدہ نعمتوں کو تو نے مجھ سے روک لیا ہے تو اب تو ان کے خیال سے بھی میرے دل کو خالی کر کے ایسے کاموں میں لگا دے جو تجھ کو پسند ہوں۔"

یہ دعا ہر وقت مانگتا رہے تب ہی جا کر اس اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ سے قلبی تعلق پیدا ہو جائے گا اور اس فانی دنیا کی تبدیلیوں سے آپ کو بالکل غم و افسوس نہیں ہوگا۔ اس کی ایک بہترین مثال بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے والد ماجد کا واقعہ لکھتے ہیں:

اللہ والے دنیا کے تمام کاروبار عام انسانوں کی طرح انجام دیتے ہیں، لیکن دنیا کی محبت ان کے دل میں نہیں ہوتی، اس جملے کی مکمل عملی تفسیر ہم نے اپنے والد ماجد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی زندگی میں دیکھی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کے لئے تجارت، زراعت اور اجارہ تینوں سنتوں پر عمل کی توفیق بخشی، تجارت اس طرح کہ صرف پانچ روپے کے سرمائے سے دارالاشاعت کا کام شروع کیا، جو کتابوں کی نشر واشاعت کی شکل اختیار کر گیا، زراعت اس طرح فرمائی کہ دیوبند میں باغ لگایا، اس کے علاوہ کتابت اور جلد سازی کا بھی کام کیا، اور تنگ دستی سے لے کر وسعت فراخی تک ہر قسم کے سرد وگرم چکھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی محبت آپ کو چھو کر بھی نہیں گئی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ دیوبند میں عمر کا بیشتر حصہ آپ نے ایک تنگ کمرے میں گزارا، آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو خود اپنے شوق سے ایک کشادہ مکان بنوایا، اس کی ایک ایک اینٹ پر محنت خرچ کی، یہاں تک کہ وہ آپ کی راحت کا بہترین سامان بن گیا، آپ کو شجر کاری کا بھی شوق تھا اور فرمایا کرتے تھے: اگر نیت صحیح ہو تو درخت لگانا بھی ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک وہ درخت قائم رہے گا، اس سے جتنے آدمی فائدہ اٹھائیں گے، درخت لگانے والے کو ثواب ملے گا، چناں چہ دیوبند ہی میں ایک باغ لگایا جس میں بڑے شوق اور محنت سے مختلف پھلوں، بالخصوص آم کے درخت جمع کئے، لیکن اس اثناء میں پاکستان بن گیا، اور ہجرت کا مرحلہ اس وقت آیا جب اس باغ پر پہلا پہلا پھل آ رہا تھا، آپ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے اور اکثر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے:

"بفضلہٖ تعالیٰ جس روز میں نے اس گھر اور اس باغ سے قدم نکالا ہے، وہ گھر اور باغ میرے دل سے نکل گئے، اور اب مجھے بعض اوقات سوچ کر بھی اس گھر کے بعض حصوں کا نقشہ یاد نہیں آتا۔" چناں چہ ساری عمر کبھی ایک مرتبہ آپ کو اس گھر یا باغ کا حسرت سے تذکرہ کرتے نہیں دیکھا۔

اسی طرح کراچی آنے کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے لسبیلہ ہاؤس میں وسیع اور آرام دہ مکان عطا فرمایا لیکن چند

[1] جامع الترمذی، ابواب الدعوات: ۲/۱۸۷

سال اس میں مقیم رہنے کے بعد دارالعلوم کی ضرورت داعی ہوئی کہ اپنا قیام یہاں منتقل فرمالیں، چناں چہ اس کشادہ اور آرام دہ مکان کو چھوڑ کر یہاں تشریف لے آئے، اور ایک ایسے تنگ مکان میں سال ہا سال گزارہ کیا جس کی چھتیں ناپختہ تھیں، اور برسات کے موسم میں کمرہ بری طرح ٹپکتا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد لسبیلہ کے مکان کے راحت و آرام کو یاد کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

غرض دنیا کی کسی بڑی سے بڑی منفعت کے ہاتھ سے نکل جانے پر کبھی حسرت کرتے آپ کو نہیں پایا، بہادر شاہ ظفر مرحوم کا یہ شعر جو آپ ایسے مواقع پر اکثر پڑھا کرتے تھے، آپ کے قلب کی کیفیت کی تصویر تھا: ؎

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ان مندرجہ ذیل جملوں کو اپنے کمرے میں آویزاں کریں

- تبدیلی اللہ کی طرف سے ہے ہر چیز فنا ہونی ہے!
- جو ہوا اچھا ہوا!
- جو ہو رہا ہے وہ اچھا ہو رہا ہے!
- جو ہوگا وہ بھی اچھا ہی ہوگا!
- تمہارا کیا گیا جو تم روتے ہو؟
- تم کیا لائے تھے، جو تم نے کھو دیا؟
- تم نے کیا پیدا کیا تھا جو ختم ہوگیا!
- تم نے جو لیا، یہیں سے لیا!
- جو دیا، یہیں پر دیا!
- جو آج تمہارا ہے!
- کل کسی اور کا تھا!
- آئندہ کسی اور کا ہو جائے گا!

ٹینشن اور ڈپریشن دور کرنے کے لئے ان کلمات کو یاد کر لیجئے

الباقی جل جلالہ کے نام کو جتنا سوچے گا دنیا کے زائل ہو جانے کا غم ختم ہوتا جائے گا۔ یہاں چند عبارتیں لکھی

جاتی ہیں جو اس دنیا کے فانی ہونے کو یاد دلاتی ہیں اور دنیا کی چیزوں کے کم ہونے یا ضائع ہو جانے یا نقصان ہونے پر جو ڈپریشن یا ٹینشن کی بیماری ہوتی ہے اس کو زائل کرنے کے لئے یہ عبارتیں مفید رہیں گی۔

1. اے انسان! تو سمجھتا ہے کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، لیکن نہیں نہیں، بل کہ جلد ہی دنیا تمہارا نام زندوں کی فہرست سے نکال کر مردوں کی فہرست میں درج کر دے گی۔
2. والدین بہت روئیں گے بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔
3. دوست احباب، عزیز و اقارب تمہیں خوب یاد کر کے ہمیشہ کے لئے بھول جائیں گے۔
4. بیوی کچھ عرصہ سوگوار رہے گی مگر چند روز کے بعد حالات کی تبدیلیاں اُسے تازہ مشاغل میں اُلجھا دیں گی۔
5. بچے بہت یاد کریں گے مگر آہستہ آہستہ اُن کے ذہن سے تمہارا نقش محو ہو جائے گا۔
6. طوفانِ باد و باراں دستورا تمہاری قبر کی بلندی کو ہموار کر کے تمہارا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے، چند سال بعد ایک بھولے ہوئے خواب کے مانند ہو جاؤ گے۔
7. نصف صدی گزر جانے پر اس بات کا باور کرنا مشکل ہوگا کہ تم کبھی دنیا میں آئے بھی تھے، اس لئے دنیا کی فکر چھوڑ! آخرت کی تیاری کر جہاں کی ابدی زندگی تیرا انتظار کر رہی ہے۔

دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سریع الزّوال ہے، آنا فاناً ختم ہو جانے والا اور اجرِ آخرت اوّل تو بے حساب و بے نہایت اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیشہ رہنے والا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔

موجودہ ''مہذب'' دنیا عقائد میں جس شئے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے، فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی اور تقویٰ اور طاعت کی طرف سے بے پرواہ کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اس کی یاد دلاتا رہتا ہے۔[1]

اس عارضی و فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرنا کس قدر محرومی کی بات ہوگی اگر کوئی شخص حرام ذریعہ سے لاکھ روپے کما لیتا ہے تو وہ اپنی فانی دنیا کی چند راحتوں کی خاطر نہ ختم ہونے والی زندگی کی بربادی کا سودا کر رہا ہے، کیا اسے عقل مندی کہا جا سکتا ہے؟

ہرگز نہیں، اگر ایک شخص والدین کے انتقال کے بعد وراثت شرعی طریقوں پر تقسیم نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس مال و دولت کے ساتھ میں ہمیشہ رہ سکوں گا تو یہ دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات وصفات کا صحیح یقین نصیب فرمائے اور عقیدۂ آخرت کا استحضار رکھنے والا بنائے اور سوچ و فکر کا صحیح رخ عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسیر ماجدی: ۵۷۰/۱، النحل: ۹٦

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾[1]

ترجمہ: ''اس کے سوا ہر شئے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے۔ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے۔''

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کی ذات یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فانی چیزوں سے دل نہیں لگایا

واقعہ نمبر (۱۱۰): صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سرکردگی میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، اسی دوران حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ضرورت سے پڑاؤ سے کچھ فاصلہ پر چلے گئے اور ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر نماز کی نیت باندھ لی، اتنے میں کچھ رومی کافر گھومتے ہوئے ادھر آ نکلے، انہوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو سوچا یہ انہیں قتل کرنے کا اچھا موقع ہے، چناں چہ وہ بری نیت لے کر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں مشغول رہے لیکن جب رومی ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو انہوں نے جلدی سے سلام پھیرا۔ انتہائی پھرتی کے ساتھ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور رومیوں پر حملہ کر دیا، رومیوں کو ایک عابد درویش سے ایسی شجاعت کی توقع نہ تھی۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ان کی طرف بڑھا تو وہ باگیں موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب نہ چھوڑا وہ سب آگے آگے، اور یہ تنہا پیچھے پیچھے۔ جب جان بچتی نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنا کچھ قیمتی سامان کمر کی پٹیاں کھول کھول کر زمین پر پھینکنا شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ عرب کا یہ صحرا نشین یہ قیمتی سامان دیکھے گا تو اس کے لالچ میں ہمارا پیچھا چھوڑ کر سامان بٹورنے میں لگ جائے گا، لیکن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے، انہوں نے سامان کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھا اور تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ رومی بمشکل تمام قلعہ کے قریب پہنچے اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر قلعہ کے اوپر پتھر برساتے رہے اور اس کے بعد لوٹ آئے۔

واپسی میں ان رومیوں کا سامان زمین پر بکھرا تھا، مگر یہ درویش اللہ تعالیٰ کے عاشق اسے اٹھانے میں اپنا وقت کہاں برباد کرتے؟ واپس اسی جگہ پہنچ کر پھر نماز شروع کر دی۔ رومیوں نے سامان جوں کا توں پڑا دیکھا تو باہر آ کر اسے اٹھا لے گئے[3]

---

[1] القصص:۸۸ [2] تفسیر عثمانی: ۵۲۷، القصص: ۸۸ [3] النجوم الزاهرة: ۹/۱ بحوالہ تراشے: ۳۹

وَاقِعَہ نمبر ۱۱۱: حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حمص کا امیر (گورنر) بنایا، ایک عرصہ بعد اہلِ حمص حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے کہا: ''اپنے فقراء کے نام لکھ دو تا کہ ہم ان کی مدد کر سکیں'' انہوں نے فقراء حمص کے نام لکھ کر پیش کئے تو ان میں ایک نام سعید بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تھا، پوچھا: ''کون سعید بن عامر؟''

کہا: ''ہمارا امیر'' پوچھا: ''تمہارا امیر فقیر ہے؟''

کہا: ''جی ہاں! کئی دن گزر جاتے ہیں اور ان کے گھر آگ نہیں جلتی، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یہ سن کر رونے لگے اور ایک ہزار دینار ان کے لئے بھیجے۔

جب وہ دینار ان کو ملے تو یک دم "اِنَّا لِلّٰہِ......" پڑھنے لگے، بیوی نے کہا:

"مَا شَأْنُكَ؟ أُصِيبَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْن؟" کیا بات ہے، امیر المؤمنین انتقال کر گئے؟

فرمایا: ''بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ. الدُّنْيَا أَتَتْنِي، اَلْفِتْنَةُ أَتَتْنِيْ'' ''معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، دنیا میرے پاس آنے لگی، فتنہ میرے پاس آنے لگا، مجھ پر چھانے لگا'' کہنے لگی:

اس کا تو حل ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کر دیجئے چناں چہ اگلے دن وہ ساری رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔[1]

کتنے سعادت مند تھے یہ لوگ

وَاقِعَہ نمبر ۱۱۲: جنہوں نے اس فانی دنیا سے دل نہیں لگایا، دین کی خدمت، دین کی اشاعت وحفاظت میں اس فانی دنیا کے ایام کو ہمیشہ رہنے والی آخرت کے سدھارنے پر لگا دیا۔

امام ابوزرعہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں، ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے، ابوجعفر تستری کہتے ہیں: ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقینِ میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے:

"لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"[2] (اپنے مردوں کو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کیا کرو) مگر ابوزرعہ سے شرمارہے تھے اور ان کو تلقین کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہئے، چناں چہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی......

"حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مُخَلَّدٍ عَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ ......" اور اتنا کہہ کر رک گئے، باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابوزرعہ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا:

---

[1] اسد الغابة: ۴۶۳/۲ [2] صحیح مسلم، الجنائز، باب تلقین الموتی لا اله الا الله، رقم: ۹۱۶

"حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِيْ عُرَيْبٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے عالم قدسی کی طرف پرواز کر گیا، پوری حدیث یوں ہے:

"مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)۔[1]

الباقی جل جلالہٗ سے حسنِ خاتمہ مانگئے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت یہ دُعا مانگ رہے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى."[2]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دیجئے۔"

اس فانی دنیا کی بے ثباتی

واقعہ نمبر ۱۱۳: حضرت صالح عجلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندو! دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیوں کہ یہ ایسا گھر ہے جو بلاؤں سے گھرا ہوا ہے اور جس کا ایک دن فنا ہو جانا مشہور ہے اور جس کی خاص صفت بدعہدی کرنا ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ زوال پذیر ہے، دنیا اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے، کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس......

اس میں اترنے والے اس کے شر سے ہرگز نہیں بچ سکتے، دنیا کے عیش وعشرت میں لگنا قابلِ مذمت کام ہے اور اس کی فراوانی ہمیشہ نہیں رہتی اور یہ فراوانی دنیا کے لئے نشانہ ہیں، ان پر دنیا اپنے تیر چلاتی رہتی ہے اور موت کے ذریعہ انہیں توڑتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! تمہارا دنیا کا راستہ ان لوگوں سے الگ نہیں ہے جو دنیا سے جا چکے ہیں، جن کی عمریں تم سے زیادہ لمبی تھیں اور جن کی پکڑ تم سے زیادہ سخت تھی اور جنہوں نے تم سے زیادہ شہر آباد کئے تھے اور جن کی آبادی کے نشانات بہت زیادہ عرصے تک رہے تھے، ان کی آوازوں کا شور بہت زمانے تک رہا تھا۔

لیکن اب ان کی یہ آوازیں بالکل خاموش اور بجھ چکی ہیں، اب ان کے جسم بوسیدہ اور ان کے شہر خالی ہو چکے ہیں، ان کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں، قلعی اور چونے والے محلات، مزین تختوں اور بچھے ہوئے گاؤ تکیوں کے بجائے اب

[1] کتابوں کی درسگاہ میں: ۶۸

[2] ترمذی، الدعوات، رقم: ۳۴۹۶

انہیں چٹانیں اور پتھر ل گئے ہیں جو ان کی قبروں میں رکھے ہوئے ہیں اور گارے سے بنے ہوئے ہیں، ان کی قبروں کے سامنے کی جگہ ویران اور بے آباد پڑی ہوئی ہے اور مٹی کے گارے سے ان قبروں پر لپائی کی گئی ہے۔ ان قبروں کی جگہ آبادی کے قریب ہے لیکن ان میں رہنے والے بہت دور چلے جانے والے مسافر ہیں۔

ان کی قبریں آبادی کے درمیان ہیں، لیکن ان قبروں والے وحشت اور تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قبریں کسی محلّہ میں ہیں لیکن یہ قبروں والے اپنے ہی میں مشغول ہیں اور انہیں آبادی سے کوئی انس نہیں ہے حالاں کہ یہ قبروں والے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، ان کی قبریں پاس ہیں لیکن ان میں پڑوسیوں والا کوئی جوڑ نہیں ہے اور ان میں آپس میں جوڑ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ بوسیدگی نے انہیں پیس رکھا ہے اور چٹانوں اور گیلی مٹی نے انہیں کھا رکھا ہے۔

پہلے یہ لوگ زندہ تھے اب مر چکے ہیں اور عیش ولذت والی زندگی گزار کر اب ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں، ان کے مرنے پر ان کے دوستوں کو بہت دکھ ہوا اور مٹی میں انہوں نے بسیرا اختیار کر لیا اور ایسے سفر پر گئے ہیں جہاں سے واپسی نہیں۔ ہائے افسوس، ہائے افسوس ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ اس کی صرف ایک ہی بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے آڑ (یعنی عالم برزخ) ہے اس دن تک کے لئے جس دن لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، اور تم بھی ایک دن ان کی طرح قبرستان میں اکیلے رہو گے، بوسیدہ ہو جاؤ گے اور تمہیں بھی اس لیٹنے کی جگہ کے سپرد کر دیا جائے گا، اور یہ قبر کا امانت خانہ تمہیں اپنے میں سمیٹ لے گا، تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمام کام ختم ہو جائیں گے اور قبروں کے مردے زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

جو کچھ دلوں میں ہے وہ سب کھول کر رکھ دیا جائے گا پھر تمہیں جلال و دبدبہ والے بادشاہ کے سامنے اندر کی ساری باتیں ظاہر کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جائے گا، پھر گزشتہ گناہوں کے ڈر سے دل اڑنے لگ جائیں گے اور تمہارے اوپر سے تمام رکاوٹیں اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے، تمہارے تمام عیب اور راز ظاہر ہو جائیں گے۔

ہر انسان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا، برے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ برا بدلہ اور اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیں گے، اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس اعمال نامہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری بدقسمتی! اس اعمال نامہ کی عجیب حالت ہے کہ اس نے لکھے بغیر نہ چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا اسے وہاں سب لکھا ہوا موجود پائیں گے، ان کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی کتاب پر عمل کرنے والا اور اپنے دوستوں کے پیچھے چلنے والا بنائے تا کہ ہمیں اور آپ کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر یعنی جنت میں جگہ عطا فرمائے، یقیناً وہ تعریف کے قابل بزرگی والا ہے۔[1]

---

[1] كنز العمال، المواعظ والرقائق والخطب والحكم: جلد:۸، جز:۱۶، صفحہ: ۸۴

فانی دنیا کے ناکام عاشق

واقعہ نمبر (۱۱۴): امام ابن جوزی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنی مشہور کتاب "صید الخاطر" میں اس فانی دنیا کے چند عاشقوں کے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ فرمایا:

مجھے میرے جاننے والوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس شخص کے پاس ایک ہزار دینار کی خطیر رقم تھی جو اس نے کہیں دفن کی تھی، ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا، تو اپنے ایک لڑکے سے کہنے لگا:

"إِنَّ أَخَاكَ مَشْغُوْلٌ بِاللَّعْبِ وَالطُّيُوْرِ ......وَ إِنَّ أُخْتَكَ لَهَا زَوْجٌ تَرْكِي ......، وَمَتٰى وَصَلَ مِنْ مَّالِيْ إِلَيْهِمَا شَيْءٌ أَنْفَقُوْهُ فِي اللَّعْبِ......"

"بیٹا! تیرا دوسرا بھائی تو بالکل فضول و آوارہ ہے، بہن کی شادی ہوگئی ہے اور اس کا شوہر ایک آزاد خیال، وقت پر ساتھ نہ دینے والا آدمی ہے، لہٰذا فلاں جگہ ایک ہزار دینار میں نے رکھے ہیں، میں صرف تجھے اس مال کا حق دار سمجھتا ہوں، تو میرے مرنے کے بعد تم وہ اپنے لئے نکال لینا"...... بیٹے کو جب معلوم ہوا تو اس نے باپ کے مرنے کا انتظار نہیں کیا اور جا کر وہ ایک ہزار دینار نکال لئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ شخص ٹھیک ہوگیا، بیٹے سے دینار لوٹانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا، اتفاقاً وہ لڑکا بیمار ہوا، باپ نے بڑے اصرار اور لجاجت کے ساتھ اس سے کہا:

"وَيْحَكَ خَصَصْتُكَ بِالْمَالِ دُوْنَهُمْ، فَتَمُوْتُ فَيَذْهَبُ الْمَالُ"

"بیٹا وہ رقم بتا دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بھی دنیا سے چلا جائے اور مال کا بھی کسی کو پتہ نہ ہو جب کہ میں نے اپنے تین بچوں میں سے صرف تجھے اس کا حق دار سمجھ کر بتایا تھا"...... بالآخر بیٹے نے وہ جگہ بتا دی، جہاں وہ دینار اس نے دفن کئے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد باپ پھر بیمار ہوا، اب بیٹے نے اصرار شروع کیا لیکن اس بار باپ بتانے کے موڈ میں نہ تھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا اور مال کسی گم نام جگہ میں دفن کا دفن ہی رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فانی دنیا کی حرص سے بچائے (آمین)۔[1]

اس فانی محل میں دو عیب ہیں

واقعہ نمبر (۱۱۵): اس دنیا کی ہر شئے میں ایک نقص ہے وہ یہ کہ یہاں کی ہر چیز فانی ہے اسے بقا حاصل نہیں بقا صرف اور صرف اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ کو ہے، لہٰذا فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہیں بھولنا چاہئے،

[1] صيد الخاطر، حكايات عن البخلاء: ۲۸۰

دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری ختم ہو جانے والی ہے اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جہاں کی کسی بھی چیز کو زوال نہ ہوگا، عقل مند کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس زندگی کی درستگی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

امیر المؤمنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ خلیفہ نے فرمایا: "کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے۔ ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن۔ اگر دوست ہیں تو خوش وخرم ہوں گے اور ہمیں دوستوں کی خوش دلی مطلوب ہے اور اگر دشمن ہیں تو رنج اٹھائیں گے اور دل کوفتہ ہوں گے۔

اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔ تیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں اور اس سے وقوف پانے پر اس خلل کا تدارک کیا جا سکے اور نقص کو دور کر دیا جائے۔" ایک فقیر نے کہا: "اس محل میں دو نقص ہیں۔

ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔

دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔" خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا۔

؎ ہوئے قصرِ فنا سے قصرِ عالی بے نشاں لاکھوں تری عبرت کو منعم ایک باقی قصرِ گردوں ہے[1]

"اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی مخلوقات کی عارضی بقاء

پہاڑوں اور زمینوں اور دریاؤں کو بقا سے بڑا حصہ عطا کیا ہے، مگر یہ بھی ایک دن زلزلوں وغیرہ کی نذر ہو جاتے ہیں تاکہ کوئی خدائی کا دعوے دار نہ بن بیٹھے۔

جسموں کی بقا کو محدود کر دیا ہے اور روحوں کی بقا غیر محدود ہے۔ موت ہمارے جسم کو ہاتھ لگا سکتی ہے روح کو نہیں کیوں کہ یہ اس "اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے ساتھ باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ اس "اَلْبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں بقائے ابدی سے نوازا۔

محدود بقا کا تعلق صرف جسم والی چیزوں ہی سے نہیں ہے غیر جسمانی چیزوں سے بھی ہے، حقائق بھی مضمحل (کمزور) اور فنا ہوتے رہتے ہیں۔ نام اور شہرت کو بھی فنا ہے، ایک عرصہ دراز تک کسی انسان کی بڑی شہرت رہتی ہے پھر امتدادِ زمانہ (زمانہ کے گزرنے) سے رفتہ رفتہ پگھل کر نابود ہو جاتی ہے، بس بقا ہے تو صرف اسی کے لئے ہے۔

؎ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا فقط ایک ربّ العلا ہی رہے گا

---

[1] مخزنِ اخلاق: ۳۸۵

کسی کے رنگ کو عارضی بقا دی ہے تو کسی کی بو کو، کسی کے مزے کو، کسی کے حسن کو، کسی کی نرمی کو بقا ہے تو کسی کی سختی کو، کسی کی کسی ادا کو بقا ہے تو کسی کے کسی انداز کو اور یہ سب عارضی بقائیں اس "اَلْبَاقِیْ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی بقا کی گواہی دیتی ہیں۔

آپ تصور تو کریں کہ ایک شخص مر رہا ہے اور جانتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے گیا اور دوسرا شخص جو مر رہا ہے مگر یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوا، ان دونوں کی موت میں کتنا عظیم فرق ہے، ایک کی موت مکمل غم و ملال ہے اور دوسرے کی سراپا امید و وصال۔[1]

فانی چیزوں سے دل نہ لگانے کی نصیحت

حضرت شقیق بلخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے بہت محبوب ہوتی ہے وہ اس کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾[2]

تَرجَمہ: "جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہوگا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔"

اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی ہوئی جس کی مجھے وقعت زیادہ ہوئی، وہ پسند زیادہ آئی وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، اور کوئی فخر کی چیزوں کی طرف، یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾[3]

تَرجَمہ: "بے شک تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔"

تو میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم و شریف ہو جاؤں۔[4]

فکر و غم کے ازالے کی ایک دعا

"حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو شخص......

---

[1] شرح اسماء الحسنٰی، (الازهری): ۵۲، ۵۳ [2] النحل: ۹۶

[3] الحجرات: ۱۳ [4] ماخوذ از کشکول: ۲۲

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْقٰى رَبُّنَا وَيَفْنٰى كُلُّ شَيْءٍ."

کہے اسے فکر وغم سے مکمل عافیت عطا کی جائے گی۔"[1]

دنیا کے فنا اور ربّ جَلَّ جَلَالُہٗ کے باقی ہونے کے اعتراف کرنے سے غم کا ازالہ ہوتا ہے۔

فوائد ونصائح

❶ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ دنیا میں ایسے رہے گویا کہ وہ ایک مسافر ہے اور اس کی اصل منزل آخرت ہے اور دنیا کی فانی چیزوں میں دل نہ لگائے تاکہ "اَلۡبَاقِیُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے تعلق مضبوط رہے اور اس فقیر کی بات اپنے میز پر یا کہیں ایسی جگہ لکھ کر رکھیں جہاں ہر وقت انسان کی نگاہ پڑے کہ:

"اس محل میں نہ آپ ہمیشہ رہیں گے اور نہ یہ محل ہمیشہ رہے گا۔"

❷ مال کو جمع کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرکے آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے۔ اسی طرح اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ کسی سے تکلیف دہ کوئی بات پہنچی ہو تو اس کو اپنے دل میں باقی نہ رکھے، بلکہ یہ سوچے کہ یہ بولنے والا اور سننے والا دونوں اس جہاں سے چلے جائیں گے، جس نے سن کر صبر کرلیا تو یہ صبر ہمیشہ باقی رہے گا اور غصہ کا جواب غصہ سے دینا یا گالی کا جواب گالی سے دینا اس عمل کا گناہ ہمیشہ باقی رہے گا تو آدمی کیوں نہ صبر کرکے ثواب اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو باقی رکھے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت جو "حسنِ خاتمہ کی دُعا" آئی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے مانگتا رہے۔

---

[1] مجمع الزوائد: الاذکار: ۱۰/۱٤٥، رقم: ۱۷۱۳٤

اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کے بعد موجود رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ (اَلْوَارِثُ) هُوَ الْبَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَالْمُسْتَرِدُّ أَمْلَاكَهُمْ وَمَوَارِثَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ، وَلَمْ يَزَلِ اللّٰهُ بَاقِيًا مَالِكًا لِأُصُوْلِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا يُوَرِّثُهَا مَنْ يَشَاءُ وَيَسْتَخْلِفُ فِيْهَا مَنْ أَحَبَّ.[1]

هَوِّنْ عَلَيْكَ وَلَا تُولَعْ بِإِشْفَاقِ فَإِنَّمَا مَالُنَا لِلْوَارِثِ الْبَاقِي[1]

تَرجَمہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والے ہیں، مخلوق کے اموال اور ان کی میراث ان کے مر جانے کے بعد ورثاء تک پہنچانے والے بھی ”اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہیں گے اور تمام چیزوں کے مالک بھی وہی رہیں گے، جسے چاہیں گے، جس چیز کا چاہیں گے (اپنے خزانوں میں سے) مالک بنا دیں گے اور تصرف کا اختیار عطا فرما دیں گے۔[1]

پرواہ نہ کر اور لالچ میں نہ پڑ کہ ہمارا سارا مال اسی وارث باقی کا ہے

❷ ”اَلْوَارِثُ“ كُلُّ بَاقٍ بَعْدَ ذَاهِبٍ فَهُوَ وَارِثٌ.“[2]

تَرجَمہ: ”امام زجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جانے والے کے بعد جو باقی رہ جائے وہ وارث کہلاتا ہے۔“

اللہ ربُّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾[3]

تَرجَمہ: ”ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے...... اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے......“

یعنی کسی کا مُلک یا مِلک باقی نہ رہے گی، ہر چیز براہ راست مالکِ حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی، وہی بلاواسطہ حاکم و

[1] شان الدعاء: ۹۶، ۹۷، بحوالہ النہج الاسمیٰ: ۲/۲۸۸

[2] تفسیر الاسماء: ۶۵ [3] مریم: ۴۰

متصرف ہوگا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا، دنیا کے جن سامانوں نے ہمیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا، مِلک و مُلک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔[1]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''اور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث رہیں گے۔''

یعنی سب کے فنا ہو جانے کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے بل کہ اور سب فنا ہو جائیں گے اور صرف ہماری ذاتِ بابرکات باقی رہ جائے گی۔

﴿اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ یہاں تاکید کے ساتھ تصریح فرمائی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔[3]

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی کتاب ''المقصد الاسنی'' میں فرماتے ہیں:

''اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' وہ ذات ہے، جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے۔ ہر شے کا آخری مرجع وہی ہے۔ (جب آخرت میں ہر چیز فنا ہو جائے گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا) اس وقت وہ یوں فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی یوں جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[4] (اللہ واحد وقہار کی بادشاہی ہے)، یہ انداز ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے گا۔ جو خود بادشاہ اور صاحبِ ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں اس وقت اصل معاملہ ان پر آئینہ ہو جائے گا۔

لیکن جو لوگ صاحبِ بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس پکار کا معنی سمجھے ہوئے ہیں۔ بل کہ یہ نداء بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لحہ میں ''اَللّٰهُ وَاحِدٌ قَهَّارٌ جَلَّ جَلَالُہٗ'' کی بادشاہی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔[5]

[1] تفسیر عثمانی: ۴۱۱ [2] الحجر: ۲۳ [3] تفسیر ماجدی: ۵۳۹/۱ [4] المؤمن: ۱۶

[5] اَللّٰهُ جَلَّ شَأْنُهٗ هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِهٖ، اَلْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، اَلدَّائِمُ الَّذِيْ لَا يَنْقَطِعُ، وَإِلَيْهِ مَرْجِعُ كُلِّ شَيْءٍ وَمَصِيْرُهٗ.

فَإِذَا مَاتَ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ، وَزَالَ عَنْهُمْ مُلْكُهُمْ، كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْبَاقِيْ الْحَقُّ الْمَالِكُ لِكُلِّ الْمَمْلُوْكَاتِ وَحْدَهٗ، وَهُوَ الْقَائِلُ إِذْ ذَاكَ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ وَهُوَ الْمُجِيْبُ لِنَفْسِهٖ ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ۱۶)

فَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ يَظُنُّوْنَ أَنَّ لَهُمْ مُلْكًا حَقِيْقِيًّا، فَيَنْكَشِفُ لَهُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَقِيْقَةُ الْحَالِ وَهٰذَا النِّدَاءُ عِبَارَةٌ عَنْ حَقِيْقَةِ مَا يَنْكَشِفُ لَهُمْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ.

اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کے کلی انتظام میں فاعلِ واحد، وہی واحد و یکتا ہے۔[1]

"وارث" اُسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس دوسرے کی چیز اس کی موت کے بعد منتقل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے وارث کا اطلاق اس لئے ہے کہ ہر ایک سلطنت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی لاوارث کی کوئی جائداد رہ جاتی ہے تو اس کی ملکیت سلطنت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

ایسے حالات میں جب کہ کوئی قوم ساری کی ساری تباہ کر دی گئی ہو تو اس کی وراثت سلطنتِ الٰہیہ کی طرف منتقل ہوگی اور جب کل عالم کے عارضی مالک اپنی اپنی ملکیتوں کو چھوڑ کر خاکِ فنا میں سو رہے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ربّ العالمین ہی کو ان کی وراثت حاصل ہوگی۔

جو لوگ ملکیتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، درحقیقت یہ وہ غلام ہیں جو آقائے حقیقی کے لطف سے اس کی ملکیت میں سے عارضی طور پر فائدہ اٹھا کر لطف و کرم کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، جب کہ اس کا مال درحقیقت صرف تین چیزیں ہیں، ایک وہ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، دوسرا وہ جو اس نے پہن کر پرانا کر دیا، تیسرا وہ جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لئے آگے بھیج دیا، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے یہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے۔"[3]

دنیا کی ساری دولت جو کہ ہاتھ در ہاتھ گھوم رہی ہے بالآخر اس دنیا کے انجام پر اسی "اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے قبضہ و اختیار میں جا پہنچے گی جو اس سب مال و متاع کا حقیقی مالک ہے، جس نے اس دنیا میں مال و متاع کی عارضی ملکیتیں اپنے بندوں میں اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کر رکھی تھیں۔

اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی راہ میں خرچ

اللہ ربّ العزت نے اپنے کلام مجید میں جا بجا اپنے مؤمن بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی جانب راغب فرمایا ہے اور انہیں اس حقیقت کی یاد دہانی کروائی ہے کہ جو کچھ بھی مال و اسباب ان کے پاس ہیں موت کے بعد ان سے رہ جانے والے ہیں، پھر انہیں تصرف کا کوئی اختیار نہ رہے گا بل کہ وہی طریقہ جاری ہوگا جسے "اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنے

فَأَمَّا أَرْبَابُ الْبَصَائِرِ فَإِنَّهُمْ أَبَدًا مُشَاهِدُوْنَ لِمَعْنٰى هٰذَا النِّدَآءِ، سَامِعُوْنَ لَهٗ مِنْ غَيْرِ صَوْتٍ وَّلَا حَرْفٍ، يُوْقِنُوْنَ بِأَنَّ الْمُلْكَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَفِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ، فَكَذٰلِكَ كَانَ أَوَّلًا وَأَبَدًا. (المقصد الاسنی: ۹۵)

[1] رسائل امام غزالی: ۱۴۰ [2] شرح اسماء حُسنٰی: ۲۰۲ (منصور پوری) [3] مسلم، الزهد: ۲/۴۰۷

بندوں میں تقسیمِ میراث کے لئے مقرر کردیا ہے۔

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں)۔''

﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

یعنی ''اس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے۔''

اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آگیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا، یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی ضرورتوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی بخل کر رہے ہو، مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ اور مصلحانہ ہے، اس کے بعد اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اگر ہمارے عطا کردہ مال سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کیا، تب بھی تو یہ سارا مال تمہارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائے گا، کیوں کہ آسمان اور زمین سب اسی کی میراث ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔

میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے، اور یہ ملک جبری ہوتی ہے مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں حق تعالیٰ کی ملکیتِ آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیتِ خاصہ میں منتقل ہو جائے گی، مراد یہ ہے کہ اگرچہ حقیقی مالک تمام اشیاء عالم کا پہلے بھی حق تعالیٰ ہی تھا، مگر اس نے اپنے فضل سے کچھ اشیاء کی ملکیت تمہارے نام کردی تھی اور اب وہ ظاہری ملکیت بھی تمہاری باقی نہیں رہے گی، بل کہ حقیقۃً اور ظاہراً ہر طرح اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہو

[1] الحدید: ۷ [2] الحدید: ۱۰

جائے گی، اس لئے اس وقت جب کہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے اگر تم اللہ کے نام پر خرچ کردو گے تو اس کا بدل تمہیں آخرت میں مل جائے گا، اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔[1]

لہٰذا جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے، اس آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لئے آمادہ اور مستعد کیا جارہا ہے۔[2]

کسی کے انتقال پر تقسیمِ میراث

اس ''اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ'' نے انتقالِ املاک کا ایسا مربوط نظام قائم فرمایا ہے جس کے مقابل انسانی عقل اگر کسی نظام کو رائج کرنا بھی چاہے تو اس کی ناکامی میں کوئی شک کی گنجائش نہیں بل کہ انسان اس کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔

شریعت نے انسان کی زندگی میں اسے ایسے اصول عطا کیے جس پر کاربند رہ کر اسے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، زندگی میں اموال عطا کر کے ان کے خرچ کرنے کے اصول بھی عطا کیے اور انسان کو مطلق العنان نہیں چھوڑا گیا، بل کہ اس پر مالی حقوق لازم کر دیئے گئے، جنہیں پورا کر کے اتباعِ شریعت کے ساتھ اہلِ حقوق کے حقوق ادا کر کے مثالی معاشرے کی بنیاد قائم کی گئی۔

اور موت کے بعد بھی شریعت نے میراث کے وہ اصول عطا کیے جس کی نظیر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی، میت کے ترکہ میں میراث کی تقسیم لازم قرار دی گئی ہے۔ موت کے بعد ملکیت ورثاء کی جانب منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا صاحبِ حق کا حق اسے جلد ملنا چاہئے، غیر کا اس میں بلا اجازت تصرف کرنا ناجائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی فرماتے ہیں:

''آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چناں چہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہہ دیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اس لئے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لئے ایک دوسرے کا خون پینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا،

[1] معارف القرآن: ۸/۲۹۶ [2] تفسیر ماجدی: ۲/۱۰۷۶

فلاں نے کم کھایا۔'' [1]

کئی جگہ یوں ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد بڑے بھائی مل کر باپ کی ساری ملکیت، جائیداد و اموال پر قبضہ کر لیتے ہیں اور بہنوں کو ان کا شرعی حق نہیں دیتے، یہ سراسر ظلم ہے۔ اور جو حق اللہ تعالیٰ نے ان لڑکیوں کا مقرر کر دیا ہے اس کو خود کھا جانا حرام اور ناجائز ہے، ان لڑکیوں کا خود حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے، اور مالیات میں تو بالخصوص رواجی خاموشی معتبر نہیں، نیز مروّجہ جھوٹی معافی کا بھی کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب کہ نابالغ بہن بھائی بھی وارثوں میں ہوں، تو ان کی تو از خود معافی یا مال چھوڑنے پر رضامندی بھی شرعاً ہرگز معتبر نہیں، یا اس طرح بھائی کی وفات پر اس کی بیوہ (یعنی بھابی) اور اس کی اولاد کو حق نہ دینا اور خود ہڑپ کرنا سراسر ظلم ہے اور حرام سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، ایسے لوگ گویا اپنے پیٹوں میں جہنم کی جلتی ہوئی آگ کے انگارے بھر رہے ہیں۔

لہٰذا بہنوں کا، بھائیوں کا، یتیموں کا جو مال کھایا ہو، اب جب اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی تو فوراً ادا کرنا شروع کر دیں، اور فوراً سارا ادا نہ کر سکیں تو آہستہ آہستہ دیتے رہیں اور اپنے وصیت نامے میں لکھ جائیں کہ اگر میں ادا نہ کر سکا تو میرے باقی مال سے یا میرے رشتہ دار مجھ پر احسان کرتے ہوئے اتنا مال فلاں فلاں کو لوٹا دیں، جو میں نے ناجائز طور سے غلطی سے کھا لیا۔

یاد رکھئے! بیوی بچوں کی محبت میں آ کر بہنوں کو محروم کرنا، یا چھوٹے بھائیوں کو اپنے والد کے ورثہ میں سے پورا حق نہ دینا بہت ہی بری بات ہے۔ بہن کو اپنے بھائی سے کتنی محبت ہے اس کا صحیح اندازہ تو بہن ہی کر سکتی ہے بھائی نہیں کر سکتا، بہن کا خون نازک اور لطیف ہوتا ہے، محبت اس کی رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، لیکن بھائیوں کے خون میں سختی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بہن کی محبت کے لئے اتنا نہیں جلتا جتنا بہن کا خون بھائی کی محبت میں جلتا ہے، بھائی اور بہن ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

اس لئے مسلمان بھائی کو چاہئے کہ بہن کا حق جو والدین کے مال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اس کو جلد از جلد ادا کرے۔ اس کا حق کھا جانا گویا جہنم کی آگ سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، لہٰذا مسلمان بھائی کو چاہئے کہ اپنی بہنوں کا خیال رکھیں، ان کی خوب دعائیں لیں، ان کے حق سے زیادہ ان کو دے کر ان کا اِکرام کریں، والد محترم کی جدائی محسوس نہ ہونے دیں، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بہن کو حج کروا دیا، یا بہن کی شادی کروا دی۔ یا بھانجے کو اپنی فیکٹری کا منیجر بنوا دیا، یا بھانجے بھانجی کی تعلیم پر خرچ کر دیا تو ان کا حق ادا ہو گیا۔

حالاں کہ ایسا نہیں، بل کہ جب تک صاحبِ حق کا حق اسے نہ پہنچے اس کا حق آپ کے ذمہ لازم رہے گا، حق ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت میں سخت پکڑ ہوگی اور کسی کا حق دبا کر اپنے تصرف میں رکھتے ہوئے حرام کھانے کا وبال

[1] اصلاحی خطبات: ۱۱/۲۷۲، خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

اور گناہ الگ ہوگا اور صاحبِ حق کا دل دکھا کر اس کے دل کی آہ لینا یہ تو مظلوم کی بددعا ہے جس کے اور عرش کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی، تو کیا مظلوم کی بددعا لے کر کوئی شخص سکون وچین کی زندگی گزار سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے آمین[1]

اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی بہترین وِراثت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾[2]

تَرجَمَۃ: ''پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔''

آیتِ مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی ہے اور تمام پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطورِ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجی۔

اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا، جن کو ہم نے منتخب اور پسند کر لیا اپنے بندوں میں سے۔ اس طرح پہلے آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نزول اور آپ ﷺ کے بعد بندوں کو وارثِ کتاب بنانا جس میں اول و آخر اور مقدم و موخر ہونا رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے، اور امت محمدیہ کو عطا فرمانا اس سے موخر ہے، اور اگر امت کو وارثِ قرآن بنانے کا مطلب یہ لیا جائے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے واسطے زر و زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کتاب بطورِ وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے کہ...... ''انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔''[3]

اسی حدیث میں علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے، تو اس لحاظ سے یہ تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہوسکتی ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عنایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس کو امت کے لئے بطورِ وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اس عطا کو بلفظِ میراث تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ بغیر اس کے کسی عمل اور کوشش کے مل جاتا ہے، قرآن کریم کی یہ دولت بھی ان منتخب بندوں کو اس طرح بغیر کسی مشقت و محنت کے دے دی گئی۔[4]

---

[1] مظلوم کی بددعا سے بچنے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مظلوم کی آہ'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

[2] فاطر: ۳۲

[3] ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة: ۹۷/۲، ۹۸

[4] معارف القرآن: ۳۴۵/۷

اب ان منتخب بندوں پر لازم ہے کہ قرآنِ کریم اور علم کی اس دولت پر خود بھی عمل پیرا رہیں اور دنیا کے سارے انسانوں تک اس کا پیغام پہنچانے کی محنت کریں کیوں کہ یہ امت انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے مقصد کی وارث ہے اور انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا مقصدِ حیات انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات سے روشناس کرانا ہے۔

فوائد و نصائح

❶ اس اسم سے تعلق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ مال و زر میں جو حقوق مستحقین کے ہیں وہ ادا کرتے رہیں، مال کو اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھیں، دیا ہوا بھی اسی کا ہے اور آخر میں سنبھالنا بھی اسی نے ہے۔[1]

اگر کسی نے آپ سے زمین چھین لی یا ظلم کیا یا آپ کو پورا حق نہیں دیا تو اس پر اس طرح جھگڑا گالی گلوچ نہ کرے جو حدود سے باہر نکل جائے، رشتہ داروں کو نقصان پہنچائے، بل کہ "اَلْوَارِثُ" کے نام پر غور کرے کہ میرے مقدر میں زمین ہوگی تو ضرور مل کر رہے گی حقیقی وارث تو اللہ ہیں، وہ مجھے ضرور میرا مقدر عافیت کے ساتھ حلال طریقے سے دے گا۔

جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ زمین کے ٹکڑوں کی وجہ سے رشتہ ناطہ نہیں توڑے گا؛ بل کہ وہ اپنا ہر مقدمہ، ہر پریشانی "اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی عدالت میں پیش کرے گا، جس کے خزانوں میں ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں، اُس کے خزانے میں کمی نہیں آتی، مہنگائی نہیں آتی اس کے خزانے حالات سے متاثر نہیں ہوتے۔

❷ کسی کے انتقال پر تقسیمِ میراث کے عمل میں غفلت سے بچے اور مستحقین کو ان کا پورا پورا حصہ وراثت میں سے دے، تقسیم میراث کے لئے ہر ایک کو راقم الحروف کی کتاب "طریقۂ وصیت" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

❸ حضور ﷺ کی چھوڑی ہوئی وراثت یعنی "علم" کو حاصل کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے کوشش کرے۔

❹ "اَلْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُہٗ" سے اپنی دُعاؤں میں نیک وارث مانگتا رہے اور نیک وارث کے لئے ہمیں ان الفاظ سے دعا مانگنا سکھایا گیا ہے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔"

[1] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۰۴ (منصور پوری)

[2] الانبیاء: ۸۹

اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کا رہنما)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلرَّشِیْدُ: هُوَ الَّذِيْ أَرْشَدَ الْخَلْقَ إِلٰى مَصَالِحِهِمْ"[1]

تَرجَمَہ: "'اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ' وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق کی راہنمائی ان کے مصالح کی طرف کی۔"

❷ "اَلرَّشِیْدُ الَّذِيْ أَسْعَدَ مَنْ شَاءَ بِإِرْشَادِهٖ...... وَأَشْقٰى مَنْ شَاءَ بِإِبْعَادِهٖ...... وَقِيْلَ: الرَّشِيْدُ الَّذِيْ لَا يُوْجَدُ سَهْوٌ فِيْ تَدْبِيْرِهٖ...... وَلَا لَهْوٌ فِيْ تَقْدِيْرِهٖ"[2]

تَرجَمَہ: "'اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ' وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نیک راہ کی ہدایت فرما کر انہیں نیک بختی عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے سے دور فرما کر بدنصیبی سے دوچار فرما دیتا ہے، 'اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ' کی تدبیر بھول چوک اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کے تقدیری فیصلوں میں کسی بھی بے کار اور بے اصل بات کی کوئی گنجائش نہیں۔"

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی رشد و ہدایت کے وہ سارے سامان پیدا فرما دیئے جن کی اسے ضرورت تھی اور اس کی تخلیق میں ان تمام پہلوؤں کو کیسی حکمت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا جس کی اسے معرفتِ الٰہی کے حصول میں ضرورت تھی، جس کی نظیر دوسرے حیوانات میں موجود نہیں، البتہ ایک خاص شعور تو کائنات کی ہر شئے کو حاصل ہے، لیکن جو شعور و ادراک انسان کو دیا گیا اس کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے اور رشد و ہدایت کے جس درجہ پر انسان کو فائز کیا گیا وہ بھی بہت اعلیٰ ہے۔

کائنات کی ہر ہر چیز کو اس "اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے اپنے اپنے کام اور مقصد کی سمجھ بوجھ عطا کر دی اور اس میں مصروفِ عمل کر دیا، جس کا مشاہدہ انسان کر رہا ہے کہ ہر شئے اپنی مقرر کردہ ذمہ داری سے کبھی بھی انحراف کرنے کی جرأت نہیں کر سکی، البتہ حضرت انسان کو رب تعالیٰ نے اپنی جانب سے اعزاز و شرافت عطا کر کے دو راستوں رُشد و ہدایت اور گمراہی و ضلال میں اختیار دے دیا اور اس کے لئے آزمائش طے کر دی کہ وہ کس راستے کو اختیار کرتا ہے، آیا رشد و ہدایت

[1] شان الدعا: ۹۷ [2] تفسیر الاسماء للرازی: ۳۵۲

کی راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرتا ہے، یا گم راہی کے راستے کو اختیار کر کے اس کے غیظ و غضب کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ”اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔“

”كَدْحٌ“ کے معنی کسی کام میں پوری کوشش اور اپنی توانائی صرف کرنے کے ہیں، ”اِلٰی رَبِّكَ“ یعنی انسان کی ہر کوشش و محنت کی انتہا اس کے رب تعالیٰ کی طرف ہونے والی ہے، اس آیتِ شریفہ میں انسان کی توجہ اس طرح مبذول کروائی گئی ہے کہ دنیا میں اس نے بہرصورت مشقت دیکھنی ہے، خواہ وہ اپنا دستورِ عمل بدی کو بنائے یا نیکی کو، کیوں کہ دنیا راحت کا موقع نہیں البتہ اگر اس نے اپنا دستورِ عمل نیکی کو بنایا تو عن قریب وہ اس کا اچھا پھل بھی پائے گا۔

”الرَّشِيْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ“ کی جانب سے رُشد و ہدایت کی راہ

اس (مذکورہ بالا) آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو خطاب فرما کر غور و فکر کے لیے (رُشد و ہدایت) ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو وہ اپنی کوشش کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے، پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مؤمن ہو یا کافر، اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لیے کوشش اور محنت کرے، جس طرح ایک شریف نیک خو انسان اپنے معاش اور ضروریاتِ زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت و توانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار، بدخو انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بغیر محنت اور بغیر کوشش کے حاصل نہیں کر سکتا، چور، ڈاکو اور بدمعاش دھوکہ فریب سے لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کیسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں جب ان کو ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اس کی تمام حرکات بل کہ سکنات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جس کو وہ غیر شعوری طور پر قطع (کاٹ) کر رہا ہے، جس کی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے ”اِلٰی رَبِّكَ“ میں اسی کا بیان ہے اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر کوشش اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔

---

[1] الانشقاق: ٦

تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اس کی تمام حرکات و اعمال اور ہر کوشش کا حساب ہونا ازروئے عقل و انصاف ضروری ہے تاکہ نیک و بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے، ورنہ دنیا میں تو اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا، ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے، چور ڈاکو اس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔

اگر کوئی وقت حساب کا اور جزا سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے، جو عقل و انصاف کے خلاف ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿فَمُلٰقِيْهِ﴾ اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے ہر انسان آخرت میں اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والا اور حساب کے لئے اس کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔

اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریاتِ زندگی بل کہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک و بد دونوں ہی کر لیتے ہیں، اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے، مگر ان دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک کے نتیجہ میں دائمی غیر منقطع (نہ ختم ہونے والی) راحت ہی راحت ہے، دوسرے کے نتیجہ میں دائمی مصیبت و عذاب ہے، پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی و عمل کا رخ اس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل رہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نیکی کی توفیق ملتی ہے، نیکی کرنا تو نیکی ہی ہے، البتہ نیکی کی حسرت بھی بڑی دولت ہے جو کہ "الرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کی عطا کردہ رشد و ہدایت کی علامت ہے۔

الرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ہدایت کی روشنی

وَاقِعَہ نمبر ۱۲۹: حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمت کا معاملہ فرمایا، لیکن وہ درجہ مجھے نصیب نہ ہوا جو میرے پڑوس میں رہنے والے لوہار کو ملا، کیوں کہ اگرچہ وہ لوہار تھا لیکن جوں ہی اس کے کان میں "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" کی آواز پڑتی تو اگر اس نے ہتھوڑا سر پر بلند کر رکھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ لوہے پر دے مارتا، وہ ہتھوڑا پیچھے پھینک دیتا تھا اور نماز کے لئے چلا جاتا تھا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کرتا تھا: ہم تو دن رات دنیا داری کے کام میں مشغول رہتے ہیں اس لئے ہمیں موقع نہیں ملتا کہ جس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے ہیں اسی طرح ہم بھی پڑھتے۔

اگر ہمیں بھی فراغت ہوتی تو ہم بھی عبداللہ بن مبارک کی طرح رات کے وقت عبادت کر لیا کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ

[1] معارف القرآن: ۸/۷۰٤، الانشقاق: ٦

نے فرمایا: ہم نے تجھے تیری اس حسرت پر نواز دیا اور تجھے وہ درجہ دیا جو عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو بھی نہ دیا۔[۱]

نفس کی برائی سے پناہ اور رُشد و بھلائی مانگنے کی دعا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی:

۱ "اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ."[۲]

تَرْجَمَۃٌ: "اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچا دے۔"

۲ "اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ."[۳]

تَرْجَمَۃٌ: "اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، نافرمانی کی، اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنا لے۔"

فوائد و نصائح

۱ اس اسمِ مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ "اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے بارے میں خود بھی یہ یقین بنائیں اور لوگوں کو بھی دعوت دیں کہ بچے کو انڈے سے نکلنے ...... درختوں کو پھل دینے ...... بادلوں کو بارش برسانے ...... مکڑی کو جالا بننے ...... پانی کو سیراب کرنے ...... دور جانوروں کو راستوں کی سمجھ ...... ان سب کی راہ نمائی اسی ذات نے فرمائی ہے۔[۴]

۲ جس طرح "اَلرَّشِیْدُ جَلَّ جَلَالُہٗ" نے ہدایت دی ہے اس ہدایت کی روشنی کو پورے عالم تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک رُشد و ہدایت والا بنیں۔

۳ اس اسمِ مبارک کے تحت دی گئی دُعاؤں کو یاد کر کے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔

---

۱ اللہ کے لئے جینا مرنا: ۴۴

۲ ترمذی، الدعوات، رقم: ۳۴۸۳

۳ مسند احمد: ۴۳۸/۴، رقم: ۱۵۰۶۶

۴ المنہج للامام الجوزی: ۴۷۴

الصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(بڑا بردبار)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ "اَلصَّبُوْرُ: اَلَّذِيْ لَا تُزْعِجُهٗ كَثْرَةُ الْمَعَاصِيْ إِلٰى كَثْرَةِ الْعُقُوْبَةِ وَقِيْلَ: اَلصَّبُوْرُ: اَلَّذِيْ إِذَا قَابَلْتَهٗ بِالْجَفَاءِ قَابَلَكَ بِالْعَطِيَّةِ وَالْوَفَاءِ، وَ إِذَا أَعْرَضْتَ عَنْهُ بِالْعِصْيَانِ أَقْبَلَ إِلَيْكَ بِالْغُفْرَانِ"[1]

ترجمہ: "" اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جسے گناہوں کی زیادتی سزا میں زیادتی پر نہیں ابھار سکتی، بعض حضرات نے فرمایا: " اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے سامنے اگر تم ظلم کر کے بھی جاؤ گے تب بھی وہ تمہارا استقبال بخشش و عطاء سے فرمائے گا، اور اگر تم گناہ کر کے اس سے اعراض کرو گے تب بھی وہ اپنی مغفرت کے ساتھ تمہاری جانب توجہ فرمائے گا۔"

❷ "" اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے، بل کہ وقتِ مقررہ تک انہیں مہلت دیے رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں " اَلصَّبُوْرُ "اور " اَلْحَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ" باہم معنی میں قریب قریب ہیں لیکن ایک وجہ فرق موجود ہے کہ صفتِ صبور میں گناہ گار بندوں کو مہلت کی اتنی گنجائش نہیں ہے جتنی گنجائش صفتِ حلیم میں دی گئی ہے۔"[2]

تو اس کریم ذات کا در چھوڑ دینا کتنی بدنصیبی کی بات ہے، اس ذات " اَلصَّبُوْرُ " کو ہمارے گناہ رتی بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن اس کے جلال و ہیبت کے سامنے ہماری نافرمانی کا تقاضہ یہی تھا کہ ہماری فوراً پکڑ ہو جاتی ہے لیکن اس ذات " اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ" کے تحمل پر قربان جایئے کہ ہماری نافرمانیاں بل کہ حد درجہ سیاہ کاریاں بھی اسے طیش نہیں دلا سکتیں، وہ بندوں سے کس قدر محبت کرتا ہے کہ مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے، ذرا ذرا پر نوازتا جاتا ہے، اس کی رحمتیں بہانے بہانے سے ہماری طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں، ہم ہی ناقدرے ہوں تو کسی بات پر کیا گلہ؟

[1] اسماء اللّٰہ الحسنیٰ للرازی: ۳۵۳

[2] "هُوَ الَّذِيْ لَا يُعَاجِلُ الْعُصَاةَ بِالْإِنْتِقَامِ مِنْهُمْ بَلْ يُؤَخِّرُ ذٰلِكَ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُمْهِلُهُمْ لِوَقْتٍ مَّعْلُوْمٍ فَمَعْنَى الصَّبُوْرِ فِيْ صِفَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ قَرِيْبٌ مِّنْ مَّعْنَى الْحَلِيْمِ إِلَّا أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ، أَنَّهُمْ لَا يَأْمَنُوْنَ الْعُقُوْبَةَ فِيْ صِفَةِ الصَّبُوْرِ كَمَا يَسْلَمُوْنَ مِنْهَا فِيْ صِفَةِ الْحَلِيْمِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ" (شان الدعا: ۹۸)

وہ اپنے بندوں کے لئے بھی صبر کو پسند فرماتا ہے اور صبر پر بے بہا انعامات مقرر کر رکھے ہیں، قرآنِ کریم میں جا بجا صبر کی تلقین اور صابرین کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

قرآنِ مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں "صبر" کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر و تنگ دستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور و فغان اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو، اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے، اور نہ نالہ و فریاد کی جائے، مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور گہرے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے:

"کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لئے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔"

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیے، سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھیے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَعِينُواْ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: "اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (یہ بات ناقابلِ شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[2]

صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ انسان کی تمام حوائج و ضروریات کے پورا کرنے اور تمام آفات و مصائب اور تکالیف کو دور کرنے کا نسخۂ اکسیر دو جزو سے مرکب ہے، (۱) صبر (۲) نماز اور اس نسخہ کے تمام حوائج اور تمام مصائب کے لئے عام ہونے کی طرف قرآنِ عظیم نے اس طرح سے اشارہ کر دیا کہ ﴿اسْتَعِينُوْا﴾ کو عام چھوڑا ہے، کوئی خاص چیز ذکر نہیں فرمائی کہ فلاں کام میں ان دونوں چیزوں سے مدد حاصل کرو۔[3]

---

[1] البقرة: ۱۵۳ [2] قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۱۷۷

[3] اللہ کی مدد کے لئے ان تین کتابوں کا مطالعہ کریں (۱) عربی کی کتاب "لا تحزن" مکتبہ العبیکان ریاض، (۲) "سکون قلب" افادات مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (۳) راقم الحروف کی کتاب "پریشان ہونا چھوڑ دیجئے" ان شاء اللہ ان کتابوں کے مطالعے سے بڑا فائدہ ہوگا اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان ہر ضرورت میں مدد حاصل کر سکتا ہے۔

لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الٰہی سے کیجئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا﴾[1]

ترجمہ: اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا۔"

اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر اس انعام و احسان کی وجہ بھی بیان فرمادی "بِمَا صَبَرُوْا" یعنی اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں اور ان پر ثابت قدم رہے۔

اس میں اشارہ کر دیا کہ ہمارا یہ احسان و انعام کچھ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بل کہ ان کے عمل صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ تھا، جو شخص یا جو قوم اس عمل کو اختیار کرے، ہمارا انعام ہر جگہ ہر وقت اُس کے لئے موجود ہے۔

؎ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے جب نصرتِ الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اس وقت بھی انہوں نے قوم کو یہی بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور مصائب و آفات کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے فرمایا: اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب انسان کا مقابلہ کسی ایسے شخص یا جماعت سے ہو جس کا دفاع کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو ایسے وقت کامیابی اور فلاح کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مقابلہ نہ کرے بل کہ صبر کرے، انہوں نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی کی ایذاء کا مقابلہ اس کی ایذاء سے کرتا ہے یعنی اپنا انتقام خود لینے کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں، کام یاب ہو یا ناکام اور جب کوئی شخص لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الٰہی کے انتظار سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔[2]

جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے صبر و ثابت قدمی پر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کو دشمن پر فتح اور زمین پر حکومت عطا کریں گے، اسی طرح امتِ محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سے بھی وعدہ فرمایا ہے، جو سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں مذکور ہے۔

اور جس طرح بنی اسرائیل نے وعدۂ خداوندی کا مشاہدہ کر لیا تھا، امتِ محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نے ان سے زیادہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا مشاہدہ کیا کہ پوری زمین پر ان کی حکومت و سلطنت عام ہوگئی۔

---

[1] الاعراف: ١٣٧ [2] الدر المنثور: ٤٨١/٣، الاعراف: ١٣٧

مصیبت کے وقت صبر کرنا اور "اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُهٗ" ہی سے مدد طلب کرنا

فرعون نے موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل پر اس طرح غصہ اتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنا دیا تو بنی اسرائیل گھبرائے کہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی پیدائش سے پہلے جو عذاب فرعون نے ان پر ڈالا تھا وہ پھر آگیا اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بھی اس کو محسوس فرمایا تو پیغمبرانہ شفقت اور حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی۔

ایک دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرا مشکل حل ہونے تک صبر و ہمت سے کام لینا اور یہ بھی بتلا دیا کہ اس نسخہ کا استعمال کرو گے تو یہ ملک تمہارا ہے تم ہی غالب آؤ گے۔

یہی مضمون ہے پہلی آیت کا جس میں فرمایا ہے: ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾[1]

"یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو۔"

اور پھر فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾[2]

"یعنی ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے اس کو اس زمین کا وارث و مالک بنائے گا اور یہ بات متعین ہے کہ انجام کار کامیابی متقی پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔"

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا جس کا طریقہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ "اِسْتِعَانَتْ بِاللّٰهِ" (اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا) اور صبر کو لازم پکڑا جائے تو انجام کار تم ہی ملکِ مصر کے مالک و قابض ہو گے۔

مشکلات و مصائب سے نجات کا نسخۂ اکسیر

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بنی اسرائیل کو جو حکیمانہ نسخہ دشمن پر غالب آنے کے لئے تلقین فرمایا تھا، غور کیا جائے تو یہی وہ نسخۂ اکسیر (مجرب) ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا، جس کے بعد کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

1. اس نسخہ کا پہلا جزء "اِسْتِعَانَتْ بِاللّٰهِ" ہے، جو اصل رُوح ہے اس نسخہ کی۔ وجہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات جس کی مدد پر ہو تو ساری کائنات کا رُخ اس کی مدد کی طرف پھر جاتا ہے، کیوں کہ ساری کائنات اُس کے تابع ہے۔

2. دوسرا جزء اس نسخہ کا صبر ہے، صبر کے معنی اصل لُغت کے اعتبار سے خلافِ طبع چیزوں پر ثابت قدم رہنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں۔ کسی مصیبت پر صبر کرنے کو بھی اسی لئے صبر کہا جاتا ہے کہ اُس میں رونے پیٹنے اور واویلا کرنے کے طبعی جذبہ کو دبایا جاتا ہے۔

ہر تجربہ کار عقل مند جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کے لئے بہت سی خلافِ طبع محنت و مشقت برداشت کرنا

---

[1] البقرة: ۱۵۳　[2] الاعراف: ۱۲۸

لازمی ہے، جس شخص کو محنت ومشقت کی عادت اور خلافِ طبع چیزوں کی برداشت حاصل ہوجائے وہ اکثر مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی۔[1]

صبر کی اصل حقیقت

صبر کے اصلی معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں، قرآن وسنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں:

1. اپنے نفس کو حرام وناجائز چیزوں سے روکنا۔
2. اپنے نفس کو طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔
3. مصائب وآفات پر صبر کرنا یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا، اور اس کے ثواب کا امیدوار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف وپریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے منافی نہیں۔[2]

یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں، ہر مسلمان پر یہ پابندی عائد ہے کہ تینوں طرح کے صبر کا پابند ہو، عوام کے نزدیک صرف تیسرے شعبے کو صبر کہا جاتا ہے، لیکن دو شعبے جو صبر کی اصل اور بنیاد ہیں عام طور پر ان کو صبر میں داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گزرے ہیں وہ کھڑے ہوجائیں گے، اور ان کو بلاحساب جنت میں داخلہ کی اجازت دے دی جائے گی۔

ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[3]

تَرجَمَہ: ''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔

اس آیت سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔[4]

دوسرا جز اس نسخہ کا نماز ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے، صبر کی جو تفسیر ابھی لکھی گئی ہے اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ درحقیقت نماز اور تمام عبادات صبر ہی کے جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان اس لئے کر دیا کہ تمام عبادات میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ

---

[1] مسلم: الزكوٰة، فضل التعفف والصبر: ۳۳۷/۱

[2] تفسير ابن كثير: ۱۴۲/۱، البقرة: ۱۵۳ [3] الزمر: ۱۰ [4] تفسير ابن كثير: ۱۴۲/۱، البقرة: ۱۵۳

ہے، کیوں کہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و طاعت پر محبوس بھی کیا جاتا ہے، اور تمام معاصی و مکروہات سے بل کہ بہت سے مباحات سے بھی نفس کو بحالتِ نماز روکا جاتا ہے، اس لئے صبر جس کے معنی نفس کو اپنے قابو میں رکھ کر تمام طاعات کا پیرو اور تمام معاصی سے بچنے والا و بیزار بنانا ہے، نماز اس کی ایک عملی تمثیل (مثال) ہے۔

صبر اور نماز تمام مشکلات و مصائب سے نجات دینے والے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[1] اس کلمہ میں اس کا راز بتلا دیا گیا ہے کہ صبر نجات کا سبب اس لئے ہے کہ صبر سے حلِ مشکلات اور دفعِ مصائب کا سبب کیسے بنتا ہے؟

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ ربُّ العزت کی طاقت ہو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے اور کون سی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے؟[2]

دُکھ سکھ، خوشی اور ناخوشی سب اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ہے

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام و خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوش گواری بھی ہے اور ناخوش گواری بھی، یہ سب کچھ اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہی کی طرف سے ہے، اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے، تو وہ مایوسی اور دل شکستگی کا شکار نہ ہوں بل کہ ایمانی صبر و ثابت قدمی کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں۔

یہ سب کچھ اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے ...... اسی طرح جب حالات سازگار ہوں اور چاہتیں مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان ہوں تو بھی اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بل کہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق بڑھتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی، مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

---

[1] البقرة: ۱۵۳ [2] معارف القرآن: ۳۹۴/۱، البقرة: ۱۵۳

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

❶ "حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی، راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔" [1]

تشریح اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہلِ ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام، مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوش گواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں...... اور چوں کہ دُکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے دل بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

❷ "حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ابنِ آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا جنت سے کم پر کہ اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔" [2]

تشریح جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود ہی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا: "جو

---

[1] "عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ" (مسلم، الزهد، باب في احاديث متفرقة: ۲/۴۱۳)

[2] "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ" (ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر على المصيبة: ۱۴۱)

صاحبِ ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا......" اللّٰہ اکبر!

کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہِ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: اے ابن آدم! جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا...... گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

فَائِدَہ: جب اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے...... کسی سے تکلیف پہنچے...... کوئی مالی یا جسمانی نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے...... تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرے، تو ان شاء اللّٰہ تعالیٰ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔[1]

جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔"[2]

فَائِدَہ: صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان مواعید (وعدوں) پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔[3]

کسی بھی قسم کے حالات کیوں نہ ہوں، مسلمان کبھی ہمت نہیں ہارتا اور اپنے مولیٰ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتا۔ دنیا کی زندگی میں ہر قسم کے حالات آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ قرآنِ پاک کی مختلف آیات میں اس بات کو بار بار بیان کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ضرور ہوگی اور تمہیں مختلف طریقوں سے آزمایا جائے گا۔ اولاد کا نہ ہونا...... یا اولاد کا بیمار معذور ہونا...... ملازمت و تجارت میں نقصان و کمی...... خود اپنے بدن میں بیماری

---

[1] معارف الحدیث: ۲/۳۰۰، ۳۰۱

[2] مجمع الزوائد، باب فیمن صبر علی العیش الشدید: ۳۲۴/۱۰، رقم: ۱۷۸۷۲

[3] معارف الحدیث: ۳۰۲/۲

......دشمنوں اور حاسدوں کی طرف سے مخالفت اور پریشانی...... اپنے اردگرد کے سخت اور مشقت والے حالات ...... اور دوسرے بعض مخصوص معاملات ...... یہ سب آزمائش کے طریقے ہیں۔ ایمان والا مرد اور ایمان والی عورت کبھی بھی حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، بل کہ ہر آزمائش پر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ صبر اور شکر کے ذریعے یہ نہ صرف اپنے درجات کی بلندی حاصل کر لیتے ہیں بل کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

دنیا راحت کی جگہ نہیں

دنیا اور دنیا کی زندگی مشقتوں اور آزمائشوں والی زندگی ہے۔ ہم اگر اپنی پیدائش سے قبل اور پھر پیدا ہونے کے بعد دنیا کی زندگی کے مختلف مراحل پر غور کریں تو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ یہ سب کے سب مراحل یقیناً سخت اور مشکل ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کی راحت آخرت میں ہے وہاں کسی بھی قسم کی مشقت اور سختی نہیں، نیز وہاں کوئی آزمائش نہیں، لہٰذا مؤمن ہونے کی حیثیت سے ہم سب کو ہمیشہ اس آخرت والی زندگی کی فکر کرنی چاہئے اور اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی آزمائش یا سختی سے دوچار ہونا پڑے تو ہمیں چاہئے (دنیا کے) ان امور میں اپنے سے کم پر نظر ڈالیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم لوگ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھو اور اپنے سے اوپر (اپنے سے زیادہ اچھی حالت) والوں کی طرف نہ دیکھو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔'' [1]

فَائِدَة اگر ہم اس حدیث پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہر لمحہ ہماری زبانوں سے شکر و حمد ہی کے جملے و کلمے ادا ہوں کہ کتنے وہ لوگ ہیں جو ہم سے زیادہ کڑی اور سخت آزمائش میں ہیں اور ہم بحمد اللہ پھر بھی (ان لوگوں کی نسبت) اچھی حالت میں ہیں۔ اسی کیفیت میں زبان سے حمد و شکر ادا ہوگا جو کہ مطلوب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے وہ قرآنی آیات اور وہ احادیث بھی ہوں جن میں ایمان والوں کو آزمائش میں صبر کرنے پر بڑے اور عظیم اجر و ثواب کی خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔

ان میں سے ایک معیتِ الٰہی ہے کہ ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے جیسا کہ **سورة البقرة** کی آیت ۱۵۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جب کہ **سورة الزمر** آیت ۱۰ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

''صبر کرنے والوں کے لئے ان کا اجر و ثواب بے حساب ہے۔''

---

[1] مسند احمد: ۲۰۹/۳ رقم: ۹۸۸۶

امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس آیت کی تفسیر میں سیّدنا علی اور سیّدنا حسین بن علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور بعض دوسرے اصحاب کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں مصیبتوں اور آزمائشوں میں صبر کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے بلا حساب جنت میں داخلہ ہے۔[1]

ہر قسم کے حالات میں صبر کرنا اور ہر حالت میں شکر ادا کرنا ایک بڑی نیکی ہے کہ اس سے انسان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین پختہ ہوتا ہے اور ایمان کامل ہوتا ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ⑪⑦ ایک حدیث میں ارشاد ہے: مسلمان کو دنیا کی زندگی میں جو بھی تکلیف ملتی ہے خواہ یہ غم ہو، اذیت ہو یا دوسری کوئی آزمائش ہو، یہاں تک کہ اگر اسے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس پر بھی اس کے لئے اجر و ثواب ہے۔[2]

ایک خاتون صحابیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے فرمایا تھا: ''میں تمہیں ایک ایسی عورت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو اہلِ جنت میں سے ہے، پھر ارشاد فرمایا: یہ جو کالی عورت ہے اسے مرگی والی بیماری تھی۔ اس نے رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر اس بیماری کے دورے پڑتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرا پردہ کھل جاتا ہے اور میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:[3] اگر تم چاہو تو صبر کر کے جنت حاصل کرلو اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا کہ وہ تجھے شفا و عافیت سے نوازے۔'' اس عورت نے عرض کیا: میں صبر کرنا چاہتی ہوں، البتہ یہ دعا فرما دیجئے کہ میرا پردہ نہ کھلے۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کے لئے دعا فرما دی۔''[4]

ہم سب کے لئے عموماً اور مسلمان خواتین کے لئے خصوصاً اس حدیث میں نصیحت ہے کہ ہم صبر کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس آزمائش میں ڈالا ہے، یہ اس کی آپ سے محبت کی نشانی ہے۔ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت فرماتا ہے تو ان کو آزماتا ہے۔[5] کسی مصیبت و پریشانی، بیماری، نقصان و خسارے اور کسی عزیز کی موت یا جدائی پر صبر کرنا ایمان کی نشانی اور یقین کا ثبوت ہے۔ کیا ہم اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو؟

یقیناً ہم سب کی یہی آرزو اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہے، تو اس رضا مندی اور قربِ الٰہی کے لئے صبر سیڑھی ہے۔ اس سیڑھی کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایسے بندے بہت ہی اچھے لگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی قسم کی آزمائش پر صبر کریں اور تسبیح و تحمید کے ذریعہ اپنی زبان سے اس کی

---

[1] تفسیر قرطبی: ۱۷۷/۸ [2] مسلم، البر والصّلة، ثواب المؤمن فیما یصیبه: ۳۱۸/۲

[3] بخاری، کتاب المرضی، باب فضل من یُصْرَعُ مِنَ الرِّیحِ، رقم: ۵۶۵۲

[4] "إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَكِ." [5] مسند احمد: ۴۲۸/۵، رقم: ۲۳۱۲۲

تعریف کریں۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی پر بھی زیادتی نہیں کرتا۔ دنیاوی آزمائش جو ظاہری طور پر کبھی ہمیں زیادتی نظر آتی ہے۔کل قیامت کے دن جب اس کے اجر وثواب کا معاملہ ہوگا تو ہم کہیں گے کاش کہ دنیا کی زندگی میں مزید آزمائشیں ہوتیں اور ان سب کا اجر آج ہمیں ملتا۔

سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: ''ہوسکتا ہے کسی چیز کو تم ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو حالاں کہ وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے،تم نہیں جانتے۔''

مؤمن کبھی بھی حالات سے نہیں گھبراتا بل کہ مؤمن اور مؤمنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل کے ساتھ ایک نئے عزم وولولے سے اپنے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے سستی وکاہلی اور بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔ اسی طرح کئی دوسری احادیث میں رسول کریم ﷺ کی دعاؤں میں ہمت ہار دینے سے اور مایوسی سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مضبوط قوی ارادے والا) ''قوی مؤمن اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ایک کمزور مؤمن سے لیکن دونوں میں خیر ہے''۔ (یعنی دونوں بہرحال ایمان والے ہیں)۔ اسی حدیث میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو (اور اسی کے بھروسہ واعتماد سے اپنے سارے کام کرو عاجزی مت دکھاؤ ہمت نہ ہارو)۔[2]

پریشانیوں میں گھبرانا نہیں چاہیے

پریشان ہونے سے لوگوں کے سامنے رونے دھونے سے وہ معصیبت ختم یا کم تو نہیں ہوگی، مزید گھبراہٹ اور پریشانی میں اضافہ ہوگا، اس لئے سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ''یَا مَالِکُ'' ہے، جس حال میں رکھے ہمیں اس پر راضی ہونا چاہیے، وہ مالک ہے ہم مملوک ہیں وہ آقا ہے ہم بندے ہیں، مالک کو اختیار ہے اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے، ہاں بندہ دعا مانگتا رہے، گڑگڑاتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر التجا کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے:

''سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجُ الدُّعَاءَ بِالْبَلَاءِ ...... سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجُ الشُّكْرَ بِالرَّخَاءِ''

یعنی حق تعالیٰ بڑا ہی پاک ہے جو انسان کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی زبان سے دعا نکلواتا ہے اور راحت دے کر اس کی زبان سے شکر نکلواتا ہے۔

[1] البقرة: ٢١٦ [2] مسلم، القدر، الايمان بالقدر: ٢/٣٣٨

حضرت کردوس بن عمرو جو کتبِ سابقہ کے عالم تھے فرماتے ہیں: بعض کتبِ سابقہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات کسی اپنے مقبول بندے کو تکلیف میں مبتلا فرما دیتے ہیں تا کہ وہ آہ وزاری کرے، حق تعالیٰ ان کی آہ وزاری کو سنتے ہیں۔[1]

حضرت بشر بن بشار مجاشعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (جو زہد وعبادت میں مشہور ومعروف ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ مجھے وصیت کرو!

اس نے کہا: تقدیرِ الٰہی تمہیں جس جگہ ڈالے صبر وسکون کے ساتھ اپنے نفس کو وہاں ڈال دو۔ اسی کے ذریعہ تمہارا قلب فارغ ہوگا اور تمہارا غم ہلکا ہوگا اور تقدیر پر ناراضگی کا اظہار ہرگز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس طرح تم پر نازل ہوگا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے (یعنی حق تعالیٰ سے قطع نظر کر کے لوگوں ہی کو حاجت روا قرار دے) تو اس کی حاجت پوری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ اپنی حاجت حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو حق تعالیٰ یا تو اس کی مراد جلد پوری فرمادیں گے اور یا اگر اس کی عمر پوری ہو چکی ہے تو وفات (دے کر اس کو راحت) عطا فرمائیں گے۔''[3]

حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص لوگوں سے قطع نظر کر کے حق تعالیٰ پر اعتماد وتوکل کرے۔ حق تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے کفیل بن جاتے ہیں اور بے گمان رزق دیتے ہیں اور جو شخص حق تعالیٰ کی رحمت سے قطع نظر کر کے) محض لوگوں پر بھروسہ کرے اور ان سے اپنی حاجت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔''[4]

صبر ...... معیتِ خداوندی کا ذریعہ

یہ پکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجیے، اللہ ربُّ العزت کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[5] ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' وہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو نصیب ہے۔ جس کے ساتھ پروردگار ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ تعالیٰ کے سامنے کہیں۔ اس پروردگار نے حالات بھیجے ہیں۔ جو بھیجنے والا ہوتا ہے حالات کو واپس وہی لے لیا کرتا ہے، ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور دوسرے ہر در پر جا رہے ہوتے ہیں۔ در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں، شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے

[1] صفة الصفوة، كردوس بن عباس الثعلبي: ۴۶/۳، رقم: ۴۰۶ [2] صفة الصفوة، ذكر المصطفين من العباد المقدسين: ۲۰۷/۴، رقم: ۷۷۴
[3] ابو داؤد، كتاب الزكاة، باب في الاستعفاف، رقم: ۱۶۴۵ [4] مجمع الزوائد، باب ماجاء في العزلة: ۲۹۷/۱۰، رقم: ۱۸۱۸۹ [5] البقرة: ۱۵۳

ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان کو بڑا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

اقسامِ صبر

ابو اللیث سمرقندی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے: صبر کی تین قسمیں ہیں، اس بات کی دلیل آپ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک حدیث کے ذریعے لکھی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صبر تین ہیں:

(۱) طاعت پر صبر (۲) مصیبت پر صبر (۳) معصیت سے صبر، جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے حتیٰ کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین سو درجے لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص طاعت پر صبر کرتا ہے اس کے چھ سو درجات لکھے جاتے ہیں، اور جو شخص معصیت سے صبر کرے اس کے لئے نو سو درجات لکھ دیئے جاتے ہیں۔[۱]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے معارف القرآن میں صبر کی تین قسمیں لکھی ہیں:

اول: صَبْرٌ عَلَى الطَّاعَات:

❶ یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

مثال کے طور پر حق تعالیٰ شانہ نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا اب اگر کسی پر فجر کی نماز پڑھنا بھاری ہو رہا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں نفس پر جبر کر کے اٹھے اور فجر کی نماز باجماعت پڑھے، اسی کا نام صَبَر عَلَى الطَّاعَات ہے۔

دوم: صَبْرٌ عَنِ الْمَعَاصِي:

❷ یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، وہ نفس کے لئے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکے رکھنا۔

مثلاً کسی کو بدنظری کا مرض ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس پر جبر کر کے اور اپنی خواہشات کا خون کر کے اس مرض کو چھوڑا تو اس کا نام صَبَر عَنِ الْمَعَاصِي ہے۔

سوم: صَبْرٌ عَلَى الْمَصَائِب:

❸ یعنی مصیبت و تکلیف پر صبر کرنا...... حد سے زائد پریشان نہ ہونا...... اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا......[۲]

مثال کے طور پر ایک شخص کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور اس میں اس کا ایک ہاتھ بھی چلا گیا، وہ اللہ والا تھا، اس نے کہا: اس دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس دونوں ہاتھ نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں پاؤں ہیں۔ آپ نے مجھے دو ہاتھ

[۱] تنبیہ الغافلین، باب الصبر علی المصیبۃ: ۲۹۰ [۲] معارف القرآن: ۲/۲۷۴، آل عمران: ۲۰۰

دیئے۔ وہ پیر دیئے پھر اس میں اگر ایک ہاتھ واپس لے لیا تو اس میں بھی آپ کا مجھ پر احسان ہے کہ آپ چاہتے تو دونوں ہی ہاتھوں سے محروم کر سکتے تھے۔ وہ شخص جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس نے اس بات کا مراقبہ کرکے اپنے دل کو مطمئن کر لیا، تو اس صبر کا نام صَبَرٌ عَلَى الْمَصَائِبِ ہے۔ اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کی ان تینوں قسموں پر عمل کرنا چاہئے۔

واقعاتِ صبر

وَاقِعَہ نمبر ۱۱۸: ابوسلیمان دارانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ درندوں نے پھاڑ ڈالا تھا اور گوشت نوچ لیا تھا، حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کو پہچان لیا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا: اے پروردگار! یہ شخص تیرا مطیع تھا تو ایسا کیوں ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی فرمائی: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے وہ درجہ طلب کیا تھا جس تک اپنے اعمال کی بدولت نہ پہنچ سکتا تھا پس میں نے اس کو وہاں تک پہنچانے کے لئے اس مصیبت میں مبتلا کیا۔

وَاقِعَہ نمبر ۱۱۹: احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے چچا سے دانت کے درد کی شکایت کی تو انہوں نے کہا:

اے اللہ! احنف تو ایک ہی رات میں درد کی شکایت کرتا ہے، واللہ مجھے یہ درد تقریباً تیس سال سے ہے مگر تیرے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔[1]

وَاقِعَہ نمبر ۱۲۰: صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے: آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا، جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہوگیا، لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کلام کو قطع نہ کیا۔[2]

ابن شبرمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے:

یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

وَاقِعَہ نمبر ۱۲۱: حضرت بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جا رہے تھے، مریدوں کا لشکر اور فوج ساتھ تھی، اوپر سے بدکار عورت نے چولہے کی راکھ اور گھر کا کچرا اور گندگی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ مریدوں نے پوچھا: حضرت اس وقت آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کیوں کہا: فرمایا: دل میں میں نے اِنَّا لِلّٰہِ بھی پڑھ لیا کہ سنت ہے لیکن اس سنت کے ساتھ ایک دوسری سنت بھی ادا کر رہا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

خادموں نے کہا: حضرت اجازت دیجئے کہ ہم اس سے بدلہ لیں، فرمایا: تم لوگ میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو،

---

[1] سکون قلب: ۱۷۳ [2] المدخل الی السنن الکبری، باب توقیر العالم والعلم: ۱/ ۳۹۴، رقم: ۶۹۸

اللہ والے انتقام نہیں لیا کرتے۔[1]

وَاقِعَۂ طَیّبَہ (۱۲۲): شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے فارسی کلام میں جن اہم نصیحت والے امور اور عبرت والے واقعات کو بیان کیا ہے ان میں ایک یہ ہے: ایک مرتبہ دورانِ سفر ان کے جوتے پھٹ گئے اور بے کار ہو گئے۔

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو کئی میل تک پیدل بغیر جوتوں کے سفر کرنا پڑا حتیٰ کہ ان کے پیر زخمی ہو گئے۔ فرماتے ہیں: میں نے اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کیا:

اے اللہ! میں کتنا بے بس اور مفلس ہوں کہ تو نے مجھے جوتے تک نہیں دیئے اور میں ننگے پیر سفر کر رہا ہوں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے دیکھا کہ ایک درخت کے سایہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جو دونوں پیروں سے محروم ہے۔ شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میرے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُٹھ گئے اور زبان سے بار بار شکر کے الفاظ نکلنے لگے کہ مولائے کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے جوتے نہیں دیئے مگر پیر تو سلامت ہیں جن سے چل پھر سکتا ہوں۔[2]

صبر کے آداب

صبر کے آداب میں سے ہے کہ شروع ہی سے صبر کیا جائے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”صبر“ صدمے کے ابتداء میں ہے۔[3] ہر مجلس میں بیٹھ کر اپنی پریشانیوں، ناکامیوں کا ذکر نہ کریں، تنہائی میں بھی ماضی کی ناکامیوں کو زیادہ نہ سوچیں، ہر حال میں خوش وخرم رہنے کی کوشش کریں۔

صبر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبت کے وقت: ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“[4] کہے، جیسا کہ مسلم شریف میں اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کی روایت ہے۔[5]

مصائب کے فوائد

(۱) اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کو مصائب وتکالیف دے کر اس کا میل صاف کرتے ہیں، یعنی وساوس ومعاصی سے جو غفلت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو دور کرتے ہیں، یہ تو آخرت کی بھلائی ہوئی۔

(۲) دنیا کی بھلائی یہ ہوتی ہے کہ مصائب وتکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستگی سے بہت راحت ملتی ہے کیوں کہ بد خلق سے سب کو وحشت ہوتی ہے، لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے یعنی (اہلِ مصیبت کے) دل پر دنیا کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے۔

---

[1] سکون قلب: ۱۷۴، ۱۷۶ [2] سکون قلب: ۱۹۶ [3] مسلم، الجنائز: ۳۰۱/۱

[4] تَرجَمَہ: ”ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ [5] مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عندالمصیبۃ، رقم: ۲۱۲۶

۳ عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعویٰ غرور وتکبر کا میل کچیل معلوم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت واضح ہو کر سمجھ میں آجاتی ہے کہ آدمی کو کبھی دعویٰ نہ کرنا چاہیے۔

۴ مصائب میں استحضار عظمتِ الٰہی کا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی عاجزی زیادہ ظاہر ہوتی ہے، پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے۔

مصائب کے وقت بزرگوں کا بنایا ہوا ایک اصول یاد رکھیں!

مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھو، یا ایمان کی آزمائش سمجھو، مگر یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں، کیوں کہ یہ خیال خطرناک ہے، اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ تعلق زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو ہلکا کرنے کی تدابیر

۱ اپنے گناہوں کو یاد کر کے کثرت سے گناہوں کی معافی مانگے۔

۲ مصیبت کے ثواب کو یاد کرے۔

۳ مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا تصرف سمجھ کر راضی رہے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ لائے، نہ لوگوں کے سامنے کہتا پھرے۔

۴ صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ اہلِ مصائب کو سامنے رکھے، بالخصوص ان کو جن پر زیادہ مصیبت آئی ہے تو خود بخود وہ شکر کرے گا کہ ہم سے زیادہ مصیبت فلاں پر آئی ہے۔

دنیا کی نعمت بھی ہو تو اس میں بھی مصائب ملے ہوئے ہیں، کوئی نعمت ایسی نہیں کہ جس میں مصیبت کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہو اور کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ جس میں نعمت کا راستہ نہ نکلتا ہو۔ تو یہاں کی نعمت محدود ہے اور مصیبت بھی یہاں کی لازوال نہیں ہے۔

۵ اکبر نے ایک قطعہ لکھا ہے وہ مانے ہوئے شاعر ہیں۔ انہوں نے بڑے ہی کام کی بات کہی ہے:

؎ ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے کام کی بات بتائی ہے کہ مصیبتوں کا خیال مت کرو اور منزل کی طرف متوجہ رہو؛ مگر منزل کا پتہ نہیں دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تکلیف آئے تو صبر کرو اور خیال کر لو کہ یہ تو وقت کا گزرنا ہے؛ لیکن جائیں کہاں؟ اس قطعہ میں منزلِ مقصود کا پتہ نہیں دیا تو میں[1] نے اس میں اپنے تین شعر بڑھا دیئے، تاکہ منزل کا پتہ بھی چل جائے۔

[1] مراد اس سے قاری محمد طیب صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ہیں۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے
رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
اور قابلِ ذکر بھی نہیں خورد و نوش یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے
مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

اگر اس مقصد کو پیشِ نظر رکھو تو ہر مصیبت ہلکی ہو جائے گی، یعنی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزر جائے یہ مقصد نہیں کہ دنیا کی فکروں میں پڑ کر اصل حقیقت کو بھول جائے۔[1]

مصائب کے برداشت کرنے کا طریقہ تعلق مع اللہ ہے۔ اس کو پیدا کر کے دیکھو، پھر سب مصائب طاقت کے اندر ہیں، کوئی بھی مصیبت برداشت سے باہر نہیں، کیوں کہ کام تو وہ خود کرتے ہیں تم صرف راستہ اور سڑک کی مانند ہو کہ کوئی کام تم سے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ حقیقت میں کرانے والے وہ خود ہیں، تو اب تحمل اس لئے ہو جائے گا کہ وہ تمہارے دل میں قوتِ برداشت پیدا کر دیں گے۔

مصیبت میں دو اجر ہیں:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مصیبت سے جو تکلیف ہوتی ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے اور صبر کا اجر الگ ہے۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو مراتب بلند ہیں اس کی یہی تو وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیود و حدود کا حق ادا کیا ہے۔ ان پر وہ بلائیں گزری ہیں جن کو دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں

جس طرح سونا نکھارا جاتا ہے آگ میں ڈال کر، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی دنیا میں اس طرح تکلیف دے کر ان کے گناہوں کو دھویا جاتا ہے اور یہ سمجھ لو گے تو گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔ ورنہ تکلیف تو یوں بھی آتی ہے جو اہلِ جنت ہیں ان کو دنیا میں تکالیف پہنچتی ہیں کیوں کہ یہ جنت کے تحفے ہیں اور اہلِ جہنم کو دنیا میں راحت اور عیش ملتا ہے کہ یہ جہنم کے گرد کے پھل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جنت نعمتوں کی جگہ بنائی اور جہنم تکالیف کی جگہ بنائی[2] مگر ان کے گرد

---

[1] سکون قلب: ۱۳۰، ۱۳۱ بحوالہ مجالس حکیم الاسلام

مصائب، پریشانیوں، بلائیں، الجھنیں، ٹینشن وغیرہ میں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے راقم الحروف نے ایک کتاب "پریشان ہونا چھوڑ دیجئے" مرتب کی ہے۔ پریشان حال دبے چین لوگوں کے لئے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ کسی بھی معیاری دینی کتب خانے سے یہ کتاب طلب کی جا سکتی ہے۔

[2] ترمذی، ابواب صفة الجنة: ۲/ ۸۳

ایک باڑ لگائی۔ جہنم کے گرد لذت اور عیش اور راحت، شہوات، دل لبھانے والی چیزوں کی باڑ لگائی ہے۔ جنت کے گرد محنت، تکلیف اور مشقت کی باڑ لگی ہوئی ہے، لہٰذا کانٹے، مصیبت اور تکلیف اٹھانے کے بعد ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔''

جنت کے تحفے

مؤمن کا ایمان سلامت رہے تو یہ تکالیف، غم، بیماری اور مصیبت یہ تحفے ہیں جنت کے، یہ کانٹا ہٹنا جنت کا راستہ ملا۔ جو لذتوں میں مبتلا ہیں وہ سوچ سمجھ کر قدم رکھیں کہ اس میں کہیں خلافِ شرع تو کچھ نہیں کہ یہ خدا نہ کرے کہیں جہنم کا تحفہ ہو، اللہ پاک ہر مؤمن کو اس سے بچائے۔

معیارِ مصیبت

جس مصیبت سے کوفت اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو، وہ حقیقت میں مصیبت نہیں، گو صورتِ مصیبت ہو اور صورتِ مصیبت رفعِ درجات و امتحانِ محبت کے واسطے بھی ہوتی ہے۔

واقعاتِ مصائب درحقیقت تجارت ہیں

یہ واقعاتِ مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دی جاتی ہے اور تجارت بھی ایسی کہ ؎

نیم جاں بستاند و جان دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

علاوہ اس کے مصیبت حالاً تو مصیبت ہے مگر مآلاً (مستقبل میں) نعمت ہے کیوں کہ اس سے منافع و مصالحِ دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے جو امورِ باطنہ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔ ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت   موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا   میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے[1]

اَلصَّبُوْرُ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کرنا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر مصائب اور حوادث اتنے آئے

[1] سکونِ قلب: ۱۷۷ تا ۱۸۱ یہ اشعار حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خانقاہ میں لکھے ہوئے تھے۔

ہیں کہ اگر خودکشی جائز ہوتی تو میں یقیناً کر لیتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر مصائب اور حوادث کوئی بری چیز ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لئے پسند نہ فرماتے؟

مانگنا تو عافیت ہی چاہئے لیکن اگر کوئی مصیبت آجائے تو رضا بالقضاء چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکیم ہونے کا یقین رکھے اور ان پر ہی نظر رکھے۔[1]

صبر کے درجات

تائبین کا صبر:

پہلا درجہ تائبین کا ہے۔ اس کا کیا مطلب کہ انسان اپنا غم اور پریشانی دوسروں کو بتانا چھوڑ دے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیوی خاوند کو نہ بتائے، بیٹا باپ کو نہ بتائے، مریض حکیم کو نہ بتائے۔ نہیں، یہ ضروریات ہیں، ایک ہوتا ہے تذکرۂ احوال کے لئے بتانا وہ نہیں بتانا چاہئے۔ اس کو بتایا اس کو بتایا، حالات سنانے کی خاطر بتانا، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ورنہ کوئی تکلیف ہے تو ڈاکٹر کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بیٹا باپ کو بتائے کوئی حرج نہیں، بیوی خاوند کو بتائے تو کوئی حرج نہیں، آخر بیوی اگر اپنے خاوند کو نہ بتائے تو کس کو سنائے گی، لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی زبان پر بات ہی یہی رہتی ہے، جہاں بیٹھے بس جی کیا کریں عجیب مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں، اس قسم کی گفتگو ہمیشہ شکوے میں شامل ہوتی ہے۔ ایسا کہنے والے گویا یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

زاہدین کا صبر:

دوسرا درجہ زاہدین کا ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے اوپر راضی رہے۔ جب بندہ ہر حال میں راضی ہوتا ہے، اچھے حالات ہوں تو بھی راضی ہے، برے حالات ہوں تو بھی راضی، تو وہ زاہدین کا صبر کہلاتا ہے۔

صدیقین کا صبر:

ایک تیسرا مرتبہ ہے جسے صدیقین کا درجہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بندے پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ پروردگار مجھ سے راضی ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کے روزانہ کھڑی ہوتی ہیں: اے اللہ ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلاں فلاں ظالمین اور مخالفین کے پاس چلی جاؤ، خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد فاقے، پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اچھا، تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔

[1] سکون قلب، مصیبت آئے تو صبر کر: ۱۴۷

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اس پر پریشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے[1] لیکن تھوڑی سی پریشانیاں ہیں۔ سو سال، پچاس سال کی زندگی میں دو دن، چار دن کی پریشانی کیا حیثیت رکھتی ہے، جب کہ آگے جا کر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔ تاہم اللہ والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوگا تو ہمارے اوپر آزمائش اور ابتلائیں آئیں گی۔

خُلاصَہ: صبر کے ان تین درجات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت ہم اپنی مصیبت دوسروں کو شکوہ شکایت کے طور پر نہ بتائیں اور مصیبت پر راضی رہنے کی کوشش کریں، اور راضی ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوں کہ پروردگار ہم سے راضی ہیں، کیوں کہ تکالیف اور مصیبتیں نیک لوگوں پر ہی آتی ہیں۔[2]

مصیبت میں بھی غور کرنے سے شکر کا پہلو سامنے آئے گا

صبر……رفع درجات کا سبب:

بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ رب العزت کے قریب وہ مقام نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں۔ جب وہ بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔ چناں چہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔[3] جس طرح خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں، اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دیا کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے شمار مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی کے صدمہ سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ تک باپ سے جدا رہے۔ بعض روایات میں ستر سال تک جدائی کا عرصہ بیان کیا گیا ہے۔ جدائی کے یہ صدمات برداشت کرنے کے علاوہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا، بازار میں فروخت کیا گیا، غلام بنایا گیا اس پر ہی بس نہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی اور بے گناہ آپ کو قید و بند کی مشقتوں میں ڈالا گیا۔

غرض طویل عرصہ تک مصیبتیں برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصائب و پریشانیوں سے نجات

---

[1] ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی فضل الفقر، رقم: ۲۳۵۰ [2] سکون قلب: ۱۴۷ تا ۱۴۹

[3] سنن الدارمی، کتاب الرقاق: ۴۰۸/۲

دی اور اپنے والد سے ملاقات کی صورت پیدا ہوئی اور چالیس سال تک والد سے جدا رہنے کے بعد ملے تو اپنے والد ماجد سے چالیس سال کی پریشانیوں اور دکھڑوں کا تذکرہ نہیں فرمایا، بل کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ﴾[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جو کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور باہر لے آیا جب کہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا۔ حالاں کہ اگر کسی عام آدمی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اس کو عمر بھر گاتا پھرتا ہے۔

یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے چالیس سالہ جدائی کی روئیداد دو منٹوں میں بیان فرما دی۔ یہ ہے پیغمبر کی شان کہ مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہوتی ہے۔

ایک شخص اگر کسی کا مہمان بنے اور میزبان اس کو پینے کے لئے دودھ کا آدھا گلاس دے دے تو شکر گزار بندہ جب اس واقعہ کو بیان کرے گا تو اس طرح کہے گا کہ میزبان نے پینے کے لئے دودھ کا گلاس پیش کیا جو آدھا بھرا ہوا تھا، اور اسی بات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ میزبان نے دودھ کا گلاس دیا جو آدھا خالی تھا، تو مطلب تو ایک ہی بنتا ہے لیکن اندازِ بیان کا اثر مختلف ہے۔ جس نے یہ کہا: آدھا بھرا ہوا تھا اس نے نعمت کی جہت کو اختیار کیا ہے، اس طرح اس نے شکر ادا کیا، اور جس نے کہا: میزبان نے دودھ کا آدھا خالی گلاس پیش کیا ہے، اس نے ناشکری کا انداز اختیار کیا، تو اہل اللہ کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے منعم (انعام کرنے والا) سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

صبر کی برکات

حالات کا تغیر:

انسانی زندگی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی خوشی کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور کبھی غم کی کیفیت ہوتی ہے، کبھی انسان کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور کبھی قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوتا ہے، کبھی جوانی اور صحت کا عالم ہوتا ہے اور کبھی بیماری کی وجہ سے چارپائی کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ زندگی غم اور خوشی کے درمیان گزرتی چلی جارہی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے مگر موت کے وقت پتہ چلتا ہے کہ وقت کیا گزرنا تھا خود ہی اس دنیا سے گزر گیا۔

سب کے لئے ایک ہی کام ہے کہ جینا ہے اور مرنا ہے، یعنی عمل کرنے ہیں اور حساب دینا ہے۔ رہ گئی خوشی اور غم کی بات تو یہ زندگی کی ترتیب ہے۔

---

[1] یوسف: ۱۰۰

شاکر و صابر ہونے کی دُعا

"اَلصَّبُوْرُ" اسم مبارک کے ذریعے شاکر و صابر اور تواضع و مسکنت اور لوگوں کے دلوں میں احترام و محبت پیدا ہو جائے اس کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا." [1]

تَرْجَمَۂ: "اے اللہ مجھے نہایت شکر کرنے والا اور اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا بندہ بنا اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔"

تَشْرِیْح: اس دعا کا آخری جز و خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔ [2]

فوائد و نصائح

❶ اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ خود بھی اعدائے دین (دین کے دشمنوں) کے کلماتِ اذیت کو سن کر برداشت کی عادت پیدا کریں۔ خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ [3]

❷ دین کی محنت میں جتنی تکالیف آئیں ان پر صبر کرنا، صبر کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے دین کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں جھیلیں، ہر ہر تکلیف پر صبر کے بدلے ان کے درجات اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے جاتے ہیں، ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا درجہ اللہ ربُّ العزت کے ہاں سب سے بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی خدمتِ دین کے لئے قبول فرمائے اور اس کی راہ میں آنے والی تکلیف پر صبر کے ساتھ استقامت کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی "صابر و شاکر بننے کی دعا" کو یاد کر کے ہر وقت مانگتے رہیں۔

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ: ۱۰/۲۱۱، رقم: ۱۷۴۱۲

[2] معارف الحدیث: ۵/۲۶۷

[3] شرح اسماء حُسنیٰ: ۲۲۹ (منصور پوری)

مصادر و مراجع

اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	ناشرین
① اللّٰہ اہل الثناء والمجد	الدکتور ناصر بن مسفر الزہرانی	مؤسسۃ الجریسی ریاض، سعودی عرب
② الداء والدواء	علامہ ابن قیم الجوزی	بیروت، لبنان
③ اللّٰہ وحدہ	خورشید عالم گوہر	ریاض برادر، لاہور
④ انوار البیان	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب	ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان
⑤ النہج الاسمیٰ فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ	الشیخ محمد الحمود النجدی	مکتبۃ الامام الذہبی، الکویت
⑥ الإصابة فی تمییز الصحابة	احمد بن علی بن الحجر العسقلانی، وفات ۸۵۲ھ	دار الباز، مکہ
⑦ الکامل للمبرد	ابو العباس محمد بن یزید المبرد	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
⑧ احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام غزالی، وفات ۵۰۵ھ	دار الاشاعت، کراچی
⑨ الترغیب والترهیب	الشیخ عبد العظیم المنذری، وفات ۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
⑩ الحزب الاعظم	الشیخ ملا علی القاری	مجلس دعوت وتحقیق، کراچی
⑪ آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ	معہد الخلیل الاسلامی، کراچی
⑫ اصلاحی خطبات	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	میمن اسلامک پبلشرز، کراچی
⑬ استغفار کے ثمرات	مولانا حکیم محمد اختر صاحب	کتب خانہ مظہری، کراچی
⑭ بکھرے موتی	مولانا محمد یونس پالن پوری	مکتبہ الشیخ سعید احمد خان، کراچی
⑮ تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
⑯ تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری	دار الفکر، بیروت
⑰ تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی، وفات ۱۳۶۹ھ	شاہ فہد پرنٹنگ پریس، ریاض
⑱ تقویۃ الایمان	حضرت شاہ اسماعیل شہید	دار السلام
⑲ تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، وفات ۷۷۴ھ	دار السلام، ریاض
⑳ تفسیر ماجدی	مولانا عبد الماجد دریا آبادی	خان پبلشر، نئی دہلی
㉑ تراشے	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	ادارۃ المعارف، کراچی
㉒ حلیۃ الأولیاء	الامام احمد بن عبد اللہ الاصفہانی الشافعی، وفات ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲۳) حياة الصحابة .... مولانا محمد یوسف کاندھلوی، وفات ۱۳۸۴ھ .... کتب خانہ فیضی، لاہور

(۲۴) حياة الحيوان .... علامہ کمال الدین دمیری .... ادارہ اسلامیات، لاہور

(۲۵) الفرج بعد الشدة والضيقة .... ابراہیم بن عبداللہ الحازمی .... دار الشریف النشر والتوزیع

(۲۶) درّمنثور .... الحافظ جلال الدین سیوطی، وفات ۹۱۱ھ .... دار الاحیاء التراث العربی، بیروت

(۲۷) دستورِ حیات .... مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی .... مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

(۲۸) دیوان امام شافعی .... امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ .... مکتبہ بیت العلم، کراچی

(۲۹) رسائل امام غزالی .... امام محمد غزالی، وفات ۵۰۵ھ .... دار الاشاعت، کراچی

(۳۰) روح المعانی .... علامہ سیّد محمود آلوسی البغدادی، وفات ۱۲۷۰ھ .... مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۳۱) سنن ترمذی .... ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، وفات ۲۷۹ھ .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۲) سنن ابی داؤد .... سلیمان ابن اشعث السجستانی، وفات ۲۷۵ھ .... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(۳۳) سنن ابن ماجه .... ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، وفات ۲۷۳ھ .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۴) سنن النسائی .... ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی، وفات ۳۰۳ھ .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳۵) سنن الکبری للبیهقی .... ابوبکر احمد بن حسین بن علی، وفات ۴۵۸ھ .... ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۳۶) سکونِ قلب .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۳۷) شرح اسماء حُسنٰی .... قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری .... ادارہ اسلامیات، لاہور

(۳۸) شرح اسماء حُسنٰی .... علامہ عبدالصمد الازہری .... مکتبہ قاسمیہ، ملتان

(۳۹) شرح اسمائے حسنیٰ .... مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی .... مجلس نشریات، اسلام

(۴۰) شرح اسماء الله الحسنٰی .... امام رازی .... دار الکتاب العربی، بیروت

(۴۱) شریعت یا جہالت .... محمد پالن حقانی گجراتی .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

(۴۲) صفة الصفوة .... محمد بن عبدالرحمٰن الجوزیہ .... دار الوعی بحلب

(۴۳) صحیح بخاری شریف .... ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، وفات ۲۵۶ھ .... قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۴۴) صحیح مسلم شریف .... ابوحسین مسلم بن الحجاج القشیری، وفات ۲۶۱ھ .... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

(۴۵) صحیح ابن حبان .... الامیر علاؤالدین بن بلبان الفارسی .... دار الفکر، بیروت

(۴۶) طیبی شرح مشکوٰة .... شرف الدین حسین بن محمد الطیبی .... ادارۃ القرآن، کراچی

(۴۷) عمل الیوم واللیلة .... ابوعبدالرحمٰن بن شعیب النسائی .... الکتب الثقافیہ، بیروت

(۴۸) فضائل اعمال .... شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب .... کتب خانہ فیضی، لاہور

(۴۹) کتاب الدعا ...... صاحبزادہ قاری عبدالباسط ...... حلقہ درس قرآن وحدیث، کراچی
(۵۰) فضائل صدقات ...... شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب ...... کتب خانہ فیضی، لاہور
(۵۱) کنز العمال ...... علاء الدین علی المتقی وفات ۹۷۵ھ ...... دار الکتب العلمیہ، بیروت
(۵۲) کتابوں کی درسگاہ میں ...... مولانا ابن الحسن عباسی ...... مکتبہ عمر فاروق، کراچی
(۵۳) گناہوں کو چھوڑنے پر انعامات ...... ابراہیم بن عبداللہ الحازمی ...... دار البلاغ
(۵۴) قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ...... مولانا محمد منظور نعمانی ...... ادارۂ اسلامیات، لاہور
(۵۵) مسند امام احمد ...... امام احمد بن حنبل وفات ۲۴۱ھ ...... دار احیاء التراث العربی، بیروت
(۵۶) مجمع الزوائد ...... نور الدین الہیثمی وفات ۸۰۷ھ ...... دار الکتب العلمیہ، بیروت
(۵۷) مصنف ابن ابی شیبہ ...... الحافظ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی وفات ۲۳۵ھ ...... دار الفکر، بیروت
(۵۸) معارف القرآن ...... حضرت مفتی محمد شفیع وفات ۱۳۹۶ھ ...... ادارۃ المعارف، کراچی
(۵۹) معارف القرآن ...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی ...... فرید بکڈپو، دہلی
(۶۰) مشکوٰۃ المصابیح ...... شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ وفات ۷۳۷ھ ...... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
(۶۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ...... الشیخ ملا علی القاری وفات ۱۰۱۴ھ ...... مکتبہ امدادیہ، ملتان
(۶۲) مظاہر حق ...... نواب محمد قطب الدین ...... دار الاشاعت، کراچی
(۶۳) مدارج السالکین ...... ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب ...... المنار، مصر
(۶۴) معارف الحدیث ...... مولانا محمد منظور نعمانی ...... دار الاشاعت، کراچی
(۶۵) منتخب احادیث ...... مولانا محمد یوسف کاندھلوی وفات ۱۳۸۴ھ ...... زمزم پبلشرز، کراچی
(۶۶) مثنوی مولوی معنوی ...... مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ ...... اسلامی کتب خانہ، لاہور
(۶۷) موت کا منظر ...... خواجہ محمد اسلام ...... مکتبہ رحمانیہ، لاہور
(۶۸) مثالی استاذ (اول، دوم) ...... محمد حنیف عبدالمجید ...... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
(۶۹) مستند مجموعۂ وظائف ...... علمائے بیت العلم ...... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
(۷۰) مخزن اخلاق ...... مولانا رحمت اللہ سبحانی ...... سنی پبلی کیشنز، لاہور
(۷۱) منہج الامام ابن قیم الجوزیۃ ...... مشرف بن علی بن عبداللہ ...... دار ابن الجوزیۃ
(۷۲) ندائے منبر ومحراب ...... مولانا محمد اسلم شیخوپوری ...... صدف پبلشرز، کراچی
(۷۳) فی ظلال شرح اسماء اللہ الحسنیٰ ...... السید عبدالغنی زاید ...... مکتبۃ عباد الرحمٰن، مصر
(۷۴) الفوائد ...... لابن قیم الجوزیۃ ...... مکتبۃ نزار مصطفی الباز، الریاض

⑮ خزینہ .... مولانا اسلم شیخوپوری .... مکتبہ علمیہ
⑯ بدائع الصنائع .... علامہ علاء الدین بن مسعود کاسانی .... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
⑰ قرآنی افادات .... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی .... زمزم پبلشرز، کراچی
⑱ سمیر المؤمنین .... شیخ عبداللہ بدران .... دارالخیر، دمشق
⑲ اسد الغابة .... عزالدین ابن الاثیر جزری .... دارالکتب العلمیہ، بیروت
⑳ تاریخ الخلفاء .... حافظ جلال الدین سیوطی .... دارالکتب العلمیہ، بیروت
(۸۱) علو الهمة .... محمد احمد اسماعیل المقدم .... دار طيبة الخضراء، مكة المكرمة
(۸۲) تفسیر ابن کثیر .... اسماعیل بن کثیر الدمشقی .... داراحیاء التراث العربی
(۸۳) ذکر و فکر .... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب .... مکتبہ المعارف دارالعلوم، کراچی
(۸۴) المواهب اللدنیة .... امام احمد بن محمد قسطلانی .... فرید بک اسٹال، لاہور
(۸۵) تفسیر کبیر .... امام فخرالدین الرازی .... دارالکتب العلمیہ، بیروت
(۸۶) اختلاف امت اور صراط مستقیم .... مولانا یوسف لدھیانوی شہید .... مکتبہ لدھیانوی، کراچی
(۸۷) اکابر دیوبند کیا تھے؟ .... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب .... ادارۃ المعارف، کراچی
(۸۸) البدایة والنهایة .... اسماعیل بن کثیر الدمشقی .... داراحیاء التراث العربی
(۸۹) بیان القرآن .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی
(۹۰) المعجم الکبیر .... الحافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ...... دار احیاء التراث العربی
(۹۱) المعجم الوسیط .... لجنة العلماء .... مکتبه القاهره
(۹۲) قصص الحدیث .... مولانا محمد زکریا اقبال صاحب .... دارالاشاعت، کراچی
(۹۳) دل کی دنیا .... مفتی محمد شفیع صاحب .... ادارۃ المعارف، کراچی
(۹۴) مکاشفة القلوب .... امام غزالی .... دارالاشاعت، کراچی
(۹۵) عقل والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں .... ہارون یحییٰ .... ادارہ اسلامیات، لاہور
(۹۶) حاشية الجمل على الجلالين .... الشیخ سلیمان الجمل .... قدیمی کتب خانہ، کراچی
(۹۷) المعجم المفهرس .... لفیف من المستشرقین .... دارالدعوة، استنبول
(۹۸) تفسیر ابن عباس .... لابی طاهر محمد بن یعقوب الشیرازی الشافعی ...... تاج کتب خانہ، مردان، سرحد
(۹۹) الادب المفرد .... حافظ الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری .... دارالکتب العلمیہ، بیروت
(۱۰۰) فتح القدیر .... الامام محمد بن علی بن محمد الشوکانی .... دار ابن حزم

(۱۰۱) لسان العرب .... امام جمال الدین ابن منظور .... دارالکتب العلمیه، بیروت

(۱۰۲) روح المعانی .... العلامة السیدمحمد الآلوسی .... مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۱۰۳) الاستیعاب .... عمر یوسف بن عبداللّٰہ .... دارالکتب العلمیه

(۱۰۴) سیر الصحابة .... لجنة العلماء .... ادارہ اسلامیات، لاہور

(۱۰۵) فتح الباری .... حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی .... دارالسلام، ریاض

(۱۰۶) عمدة القاری .... امام بدرالدین العینی .... دارالکتب العلمیه

(۱۰۷) شان الدعا .... لابی سلیمان حمد بن محمد خطابی الحافظ .... دارالمامون للتراث

(۱۰۸) امدادالفتاوی .... مولانا اشرف علی تھانوی .... مکتبہ دارالعلوم، کراچی

(۱۰۹) مستدرک للحاکم .... امام ابوعبداللّٰہ حاکم النیسابوری .... دارالحرمین

(۱۱۰) صور من حیاة التابعین .... الدکتور عبدالرحمن رأفت الباشا .... مکتبہ غفوریہ، کراچی

(۱۱۱) شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی .... السید عبدالغنی زاهد .... مکتبه العلوم والحکم، مصر

(۱۱۲) حصن حصین .... علامہ ابن جزری .... میر محمد کتب خانہ، کراچی

(۱۱۳) مجموعہ رسائل .... امام محمد غزالی .... دارالاشاعت، کراچی

(۱۱۴) فیروز اللغات .... فیروز سنز .... فیروز سنز، کراچی

(۱۱۵) الفتوحات الربانیه علی الاذکار النواویه .. محمد بن علان صدیقی .... المکتبه الإسلامیه

(۱۱۶) النهایه فی غریب الحدیث .... علامه ابن الاثیر .... داراحیاء التراث العربی، بیروت

(۱۱۷) نزهة البساتین .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی .... دارالاشاعت، کراچی

(۱۱۸) بحرمحیط .... محمد بن یوسف الشهیر بابی حیان الاندلسی .... دارالکتب العلمیه

(۱۱۹) مؤطا للإمام مالك .... امام مالك بن انس .... نور محمد کتب خانہ، کراچی

(۱۲۰) ذیل طبقات حنابله .... الحافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن .... دارالکتب العلمیه، بیروت

(۱۲۱) المعجم الاوسط .... امام حافظ سلیمان بن احمد طبرانی .... دارالکتب العلمیه، بیروت

(۱۲۲) مختصر المعانی .... مسعود بن عمر التفتازانی .... دارالحدیث

جلد اوّل میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد وفضائل

نمبر شمار — دعاؤں کے الفاظ — دعاؤں کے فوائد — صفحہ نمبر

جلد دوم میں ذکر کی گئی دعاؤں کے فوائد وفہرست

جلد اوّل میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست

جلد دوم میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست